بسم اللہ الرحمن الرحیم

قل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا

کتاب مستطاب

تجلیات صداقت

بجواب

جلد دوم

آفتاب ہدایت

تصنیف لطیف

صدر المحققین سلطان المتکلمین حجۃ الاسلام والمسلمین سرکار علامہ الحاج الشیخ محمد حسین صاحب قبلہ مجتہد العصر

ناشر

مکتبۃ السبطین ۹/۲۹۶ بی سیٹلائیٹ ٹاؤن سرگودھا

فہرست اجمالی مضامین تجلیات صداقت بجواب آفتاب ہدایت

یعنی ایک ہزار سے زائد عناوین میں سے صرف ۲۱۳ عناوین کا انتخاب -

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریمؐ و آلہ الطاہرینؑ

تجلیات صداقت

بجواب

آفتاب ہدایت

قدیم الایام سے دشمنانِ دین وایمان محبانِ اہل بیت علیہم السلام کو بجائے "شیعہ خیرالبریہ" کہنے کے "رافضی" کہہ کر اپنے دل کا بخار نکالتے رہتے ہیں اور اس سلسلہ میں فروع کافی کتاب الروضہ صفحہ ۱۶ ج ۳ سے بموجب "کلمۃ حق یراد بہا الباطل" امام جعفر صادق علیہ السلام کے اس فرمان سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ آنجناب نے فرمایا۔

"واللہ ما ہم سموکم بل اللہ سماکم" (خدا کی قسم تمہارا یہ نام لوگوں نے نہیں رکھا بلکہ خدا نے تمہارا نام "رافضی" رکھا ہے"۔ پھر فتنہ رفض کو فتنۂ ارتداد سے بھی زیادہ خطرناک قرار دیتے ہوئے یہاں تک کہا جاتا ہے کہ "آریہ عیسائی وغیرہ مخالفین اسلام کو قرآن پاک اور احادیث رسولؐ پر ناپاک حملے کرنے کا مصالحہ ہی روافض کی تصانیف سے ملتا ہے" (آفتاب ہدایت صفحہ۱)

الجواب وباللہ التوفیق لقمع کل شاک ومرتاب! ہم لفظ شیعہ کے معانی، اس کی جلالت اور قدامت پر وہاں بحث کریں گے جہاں آخر میں مؤلف نے اس پر بحث کی ہے انشاء اللہ سردست صرف اس قدر لکھا جاتا ہے۔ کہ لفظ "رفض" میں فی نفسہ نہ کوئی اچھائی ہے اور نہ برائی بلکہ وہ جو کچھ بھی حسن یا قبح حاصل کرتا ہے وہ اضافت ونسبت سے کرتا ہے کیونکہ رفض کے لغوی معنی ہیں "ترک کرنا" "چھوڑنا" جس طرح اچھائی کا ترک کرنا برا ہے اسی طرح برائی کا ترک کرنا اچھا ہے۔ لہٰذا اگر حضرات شیعہ کو اس اعتبار سے "رافضی" کہا جائے کہ یہ برے لوگوں اور بری باتوں کے تارک ہیں تو اس میں ہرگز کوئی قباحت نہیں ہے اور یہی امام علیہ السلام کے مفصل فرمان کا ماحصل ہے جس کا صرف ایک جملہ دوران استدلال میں پیش کیا گیا ہے۔ امامؑ نے فرمایا ہے کہ پہلے پہل یہ لقب فرعون اور فرعونیوں نے ان جادوگروں کو دیا تھا جو اعجاز موسویؑ دیکھ کر حلقہ بگوش توحید ہوگئے تھے۔ اور فرعون کی ربوبیت کا جوا اپنی گردنوں سے اتار پھینکا تھا اور شیعیان حیدر کرار کو بھی اسی لئے "رافضی" کہا جاتا ہے کہ انہوں نے امت محمدیہؐ کے بعض فرعون صفت مدعیان خلافت و امامت کی اتباع وپیروی ترک کرکے خدا کے مقرر کردہ آئمہ ہدایت کو خلفاء حق بلا فصل تسلیم کرتے ہیں

اہل انصاف قارئین کرام غور کریں کہ امام عالی مقام کے اس تمام فرمان کو پیش نظر رکھتے ہوئے شیعہ خیر البریہ کی اس سے مدح ظاہر ہوتی ہے یا قدح؟ مگر اس کا کیا علاج کہ ؎

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد　　　عیب نماید ہنرش در نظر

بانی اسلام پر اعتراض کا ماخذ کتب اہلسنت ہیں

اور مؤلف نے یہ جو کہا ہے کہ "مخالفین اسلام کو قرآن و پیغمبر اسلام پر حملہ کرنے کا مصالحہ ہی کتب روافض سے ملتا ہے" یہ دشنام کی انتہا ہے ہم اس کے متعلق صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین اصل حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے مخالفین اسلام بانی اسلام اور تعلیمات اسلام پر جو ناپاک حملے کرتے رہتے ہیں ان کا مصدر و ماخذ صرف اور صرف اہل سنت والجماعت کی وہ کتابیں ہیں جو ہر قسم کے رطب و یابس کا مجموعہ ہیں ان لوگوں کو شیعیان حیدر کرار کی کتب سے کبھی اسلام و بانی اسلام پر اعتراض کرنے کی جرأت ہو ہی نہیں سکی۔

؎ مرے کہنے پہ کیا ہے آپ لے جس کا جی چاہے

اسلام و بانی اسلام کے خلاف لکھی گئی رسوائے زمانہ "ستیارتھ پرکاش" اور "رنگیلا رسول" جیسی کتابیں موجود ہیں اہل تحقیق ان کی طرف رجوع کر کے بڑی آسانی سے سچ اور جھوٹ میں امتیاز کر سکتے ہیں اسی لئے تو چکڑالوی اور پرویزی حضرات اس بات پر زور دے رہے ہیں اور اہلسنت کو برابر مشورہ دے رہے ہیں کہ وہ ان کتابوں میں سے یہ گندہ مواد خارج کریں ورنہ "رنگیلا رسول" جیسی کئی رسوائے زمانہ اور کتابیں ان سے تیار کی جا سکتی ہیں۔

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت　　　دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

اسلام کی تصویر کشیاں

مؤلف کتاب نے بزعم خویش اسلام کی دو تصویریں پیش کی ہیں ایک اہل سنت کے نقطۂ خیال سے اور دوسری رافضیوں کے نقطۂ نظر سے۔ مگر افسوس ہے کہ دوسرے مباحث کی طرح انہوں نے یہاں بھی عدل و انصاف کا خون کیا ہے اور چہرۂ حقیقت کو مسخ کرنے کی ناکام کوشش کی ہے پہلے ہم ان کی پیش کردہ تصویریں کا خلاصہ درج کرتے ہیں پھر ہم حقیقی تصویریں پیش کریں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

مؤلف کی پہلی تصویر اسلام "اہلسنت کے نقطہ خیال سے"

"بانی اسلام نے اپنی واحد طاقت سے حسب فرمان ایزدی دنیا کے بڑے بڑے اصحاب جاہ و جلال کو چیلنج دے کر توحید الہی کی طرف بلایا۔ ۔۔۔ ان کے خانہ ساز خداؤں کے دلائل قاہرہ سے تردید کی ۔۔۔۔۔۔ ان بڑے بڑے جبابرہ کو آپ سے مقابلہ کا حوصلہ نہ ہو سکا تا آنکہ ابوبکر، عمر فاروق، عثمان، حیدر کرار جیسے مبارک نفوس حلقہ بگوش ہو گئے ۔۔۔۔۔۔ مرتے دم تک اپنے آقا کا ساتھ نبھا کر مخالف قوتیں رشک کرتی ہیں ۔۔۔۔۔ ان پاک ہستیوں کے

طفیل انقطاع الارض عرب و عجم میں اسلام کا نور ضیا رافگن ہوا ..... یہ خدا کے جری (پہلوان) اگرچہ بحکم اشداء علی الکفار مخالفین اسلام پر نہایت چیرہ دست تھے مگر وہ بحکم رحماء بینہم آپس میں ایک دوسرے پر بڑے مہربان اور باہم شیر و شکر تھے ...... آپ کی وفات کے بعد مجلسِ شوریٰ نے جس صاحب کو حضور علیہ السلام کی جانشینی (خلافت) کے لئے انتخاب کیا سب نے بلا چون و چرا اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کے آگے سر جھکا دیا۔"

(انتہیٰ تحفۃً صہ ۲۷ آفتاب)
۲۸

اسلام کی دوسری تصویر بخیال رافضی

"ہادیٔ اسلام نے عمر بھر کی وعظ و تبلیغ سے پانچ مسلمان فاطمہؓ، علی، حسینؓ اپنے کنبہ کے لوگوں کے علاوہ صرف چند کس ابوذرؓ و سلمان پیدا کئے ...... باقی سب کے سب آپ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے طرفہ یہ کہ رسول کو اپنی زندگی میں یہ معلوم تھا کہ یہ لوگ منافق ہیں ..... میری وفات کے بعد میرے بھائی علی اور ان کی اولاد کے دشمن بن جائیں گے ...... ان میں سے اصحابِ ثلاثہ کا رسول پر کچھ ایسا رعب پڑ گیا تھا کہ ڈر کے مارے ان کو جرأت نہ پڑتی تھی کہ ان کو اپنے دربار سے نکال دیں ...... بوقت وفات حضور علیہ السلام نے قلم دوات طلب فرمائی تا کہ علی کی خلافت کے متعلق کچھ وصیت کریں۔ مگر یہ وقت بھی عمر نے "حسبنا کتاب اللہ" کہہ کر ٹال دیا ..... اہلبیتؓ جن میں علی المرتضیٰ بھی تھے یہ حوصلہ نہ کر سکے کہ کہیں سے قلم دوات لا کر اپنے حق میں وصیت لکھوا لیتے ...... حضور علیہ السلام فوت ہو گئے۔ علیؓ کے ساتھ سوائے معدودے چند تعداد ابوذر، سلمان وغیرہ کے کوئی حمایتی نہیں تمام مسلمانوں نے اتفاق کر کے ابوبکر کو تختِ خلافت پر بٹھا دیا ...... علی المرتضیٰ گوشہ نشین ہو کر قرآن جمع کرنے میں مصروف ہو گئے ...... خالد بن ولید اور عمر نے دروازہ کھٹکھٹایا ... بی بی دروازہ پر آگئی۔ عمر نے غضبناک ہو کر ان پر دروازہ گرا دیا ...... محسن کو شہید کر دیا ..... علی المرتضیٰ پرلے درجہ کے بہادر اور جری تھے ...... مگر باین ہمہ اپنی زوجۂ محترمہ کی یوں بے عزتی دیکھ کر نہ ذوالفقار نیام سے نکال، نہ اپنی خداداد شجاعت کے جوہر دکھائے ...... شیرِ خدا کی گردن میں رسی ڈال کر ...... ابوبکر کے پاس لے گئے ...... اور بزور بیعت کرائی پھر تینوں خلافتوں میں تقیہ سے کام لیتے رہے ..... آخر شہادت عثمانؓ کے بعد آپ کو منصبِ خلافت نصیب ہوا لیکن ثلاثہ کا خوف دل پر کچھ ایسا غالب تھا کہ ان کے انتقال کے بعد بھی ان کی مخالفت نہ کر سکے۔ نہ بدعت عمر تراویح کو موقوف فرما سکے ..... طرفہ یہ کہ خدا کے کلام پاک کو ثلاثہ نے بگاڑ کے کچھ کا کچھ کر دیا۔ سورتوں کی سورتیں اور آیتوں کی آیتیں نکال ڈالیں۔ سترہ ہزار آیت کا قرآن جبرائیل رسول اللہ کے پاس لایا تھا ثلاثہ نے صرف ۶۶۶۶ آیات رہنے دیں، باقی نکال دیں۔ اصل قرآن حضرت علیؓ نے جمع کیا تھا جو ثلاثہ کے پاس پیش کیا جا انہوں نے قبول نہ کیا۔" ..... اب

بتائیے کہ ایک مخالف اسلام کے دل میں اسلام اور بانی اسلام کی کیا وقعت رہ جائے گی اور مسلمان صداقت اسلام کے لئے کونسی دلیل پیش کر سکے گا؟ (انتہی ملخصاً صفحہ ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲)

الجواب مؤلف آفتاب ہدایت کی پیش کردہ دونوں تصویریں قارئین کرام نے ملاحظہ کر لیں جو انہوں نے بڑی جگر کاوی کے ساتھ اصل حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کی ہیں۔ اب ہم انشاء اللہ اسلام کے وہ دونوں نقشے پیش کرتے ہیں جو شیعہ و سنی کتب سے ظاہر و آشکار ہوتے ہیں تاکہ دونوں نقشوں کو دیکھنے کے بعد کسی طالب حق و حقیقت کو حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے میں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔

اسلامی اصول و فروع کا نقشہ اہلسنت کے خیال کے مطابق

توحید اہلسنت اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پہ پیدا کیا اس کی لمبائی ۶۰ گز بنائی۔ (مشکوٰۃ شریف کتاب الاداب باب السلام صفحہ ۲۱۹ ج ۳ بخاری پ ۲ صفحہ ۱۰۲) اللہ تعالیٰ جنت کے ایک باغ میں اپنا دیدار کرائے گا مسلمانوں کے ساتھ روبرو گفتگو کرے گا اور اپنے منہ سے پردہ اٹھا کر مسلمانوں سے مجلس کرے گا۔ (مشکوٰۃ باب صفۃ الجنان ج ۴ صفحہ ۸۹ ابن ماجہ صفحہ ۱۸۳) جب خدا عرش پر بیٹھتا ہے تو وہ اس طرح چرچراتا ہے جس طرح نئی زین سوار کے بیٹھنے سے چرچراتی ہے۔ (کنز العمال ج ۱ صفحہ ۵۵)

خدا کی آنکھیں دکھنی آئیں تو فرشتوں نے بیمار پرسی کی۔ اللہ تعالیٰ طوفان نوح پر اتنا رویا کہ آنکھیں دکھ آئیں۔ (کتاب الملل والنحل صفحہ ۷۹)

قیامت کے دن خدا اپنا قدم جہنم میں ڈالے گا اس وقت دوزخ کہے گی بس اب میں بھر گئی (بخاری مترجم کتاب التفسیر پ ۲۰ صفحہ ۳۳ طبع مصر ج ۳ صفحہ ۱۱۹) خدا کے جوتے سونے کے ہیں اور چہرہ پہ سنہری پردہ لٹک رہا ہے (کنز العمال ج ۱ صفحہ ۷)

اس کا مکان عرش معلی پر ہے اور اس کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے وہ جہت فوق میں ہے جہاں چاہے جا سکتا ہے اور چڑھتا ہے اور نیچے اترتا ہے، کلام کرتا ہے، ہنستا ہے، تعجب کرتا ہے (انوار اللغۃ پ ۱ صفحہ ۵۱، پ $\frac{18}{20}$ صفحہ ۲۵، پ ۱ صفحہ ۱۵۱، صفحہ ۱۷۳ (از علامہ وحید الزمان مترجم صحاح ستہ)

سنیوں کے نزدیک شان رسالت

کان محمد علی دین قومہ الی اربعین سنۃ چالیس برس تک آنحضرتؐ اپنی قوم کے مذہب (کفر) پر تھے (تفسیر کبیر فخر رازی ج ۸ صفحہ ۲۳۲) ایک مرتبہ آپ خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے کہ شیطان نے آپ کی زبان پہ بتوں کی تعریف میں یہ اشعار جاری کر دیئے جنہیں سن کر کفار خوش ہو گئے۔

تلک الغرانیق العلیٰ   وان شفاعتھن لترتجیٰ

(تفسیر بیضاوی معالم التنزیل ، مواہب لدنیہ وغیرہ) آنحضرت کے سینہ کا دو دفعہ آپریشن کر کے دھویا گیا۔ اور اسے نور ایمان وحکمت سے بھر اگیا (مسلم مترجم ص۱۲۰ ترمذی ص۶۹۰) آپ کو اس قدر نسیان تھا کہ قرآن بھول جاتے تھے (مسلم مترجم ج ۲ ص۱۸۵ بخاری باب نسیان القرآن مصری ج ۴ ص۱۲۵ پ۲۱) آنحضرتؐ اپنی حیض والی بیبیوں سے مباشرت کیا کرتے تھے۔ (بخاری ج ۱ پ۲ کتاب الحیض مسلم مترجم ج ۱ ص۱۷۳) آنحضرتؐ نے بی بی عائشہ کو حبشیوں کا کھیل دکھایا (بخاری مترجم کتاب العیدین پ۴ ص۲۳ مصری ج ۲ ص۹۲ کذا فی صحیح المسلم ج ا ص۲۹۲) آنجناب کھڑے ہو کر پیشاب کیا کرتے تھے۔ (بخاری مترجم پ۱ ص۸۹)

بی بی عائشہ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت بحالت روزہ بوس وکنار اور مباشرت فرماتے تھے (بخاری کتاب الصوم باب المباشرۃ للصائم)

امام زہری کہتے ہیں کہ اسلام میں پہلے پہل عشق نے جو قدم رکھا وہ رسول اللہ کا عشق جناب عائشہ سے تھا اسی وجہ سے امام مسروق جناب عائشہ کو حبیبۂ رسول کہا کرتے تھے۔ (الجواب الکافی لابن القیم ص۱۶۶) مسجد فضیح میں آنحضرتؐ کی خدمت میں شراب کا پیالہ پیش کیا گیا جو آپ پی گئے اس لئے اسے مسجد فضیح کہا جاتا ہے (جذب القلوب ص۱۹۱ طبع کلکتہ طبع ۱۲۶۲ھ)

سنیوں کے ہاں شان صحابہ رضؓ

خدا فرماتا ہے منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الآخرۃ تم میں سے کچھ ایسے ہیں جو دنیا کے خریدار ہیں اور کچھ وہ ہیں جو دین کے طلبگار ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ان فی اصحابی منافقین یقیناً میرے اصحاب میں کچھ منافق موجود ہیں (تفسیر ابن کثیر ۵ ص۵۹) آنحضرتؐ نے ابوبکر صاحب کو خطاب کر کے فرمایا الشرک فیکم اخفیٰ من دبیب النمل - تم لوگوں میں شرک چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی طریقہ سے چلتا ہے (درمنثور ج ۴ ص۵) خلیفۂ دوم نے خود اقرار کیا یا حذیفۃ باللہ انا من المنافقین، اے حذیفہ بخدا کی قسم میں منافقوں میں سے ہوں۔ (میزان الاعتدال ج ا ص۲۹۵ طبع مصر) جناب عائشہ نے کہا ان عثمان ابطل الحدود وتوعد الشہود۔ عثمان نے شرعی حدود توڑ دیئے ہیں اور گواہوں کو دھمکیاں دیتا ہے (انساب الاشراف ج ۵ ص۳۳) ماعز اسلمی صحابی نے زنا کیا جسے آنحضرتؐ نے سنگسار کیا حسان بن ثابت اور مسطح بن اثاثہ نے قذف کا ارتکاب کیا (جناب عائشہ پر تہمت زنا لگائی۔ آنحضرتؐ نے ان پر شرعی حد جاری فرمائی۔ (ترجمہ فتاویٰ عزیزی ج ا ص۲۲۳) سمرہ بن جندب نے آٹھ ہزار آدمی قتل کئے (نصائح کافیہ ص۲۱۵) ولید بن عقبہ شراب خوار تھا (شرح فقہ اکبر ص۹۲ طبع لاہور)

ان اشداء الکفار کے مصداقوں نے آنحضرتؐ کا ایسا ساتھ دیا کہ آپ کو نرغۂ اعداء میں گھرا ہوا چھوڑ کر بھاگ گئے

کدہی کی طرح چھلانگیں لگاتے ہوئے پہاڑوں پر چڑھ جاتے تھے۔ اور آنجناب بار بار بلاتے تھے مگر یہ پیچھے مڑ کر دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہ کرتے تھے (اذ تصعدون ولا تلوون علی احد والرسول یدعوکم (تفسیر در منثور ج ۲ صفحہ ۸۸ ابن جریر ج ۴ صفحہ ۹۰ مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۱۶۲/۴۱۰ تفسیر کبیر ج ۳ صفحہ ۱۲۲/۱۰۸ البخاری ج ۳ صفحہ ۵۵ طبع مصر وغیرہ) اور رحماء بینہم کے مصداق ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہیں (ملاحظہ ہو معاویہ کا جناب امیر علیہ السلام پر لعنت کرانا۔ تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۴۹ صواعق محرقہ سیرۃ النبی وغیرہ) اور عائشہ کا معاویہ و عمرو بن العاص پر لعنت کرنا (ملاحظہ ہو مروج الذہب جدید ج ۲ صفحہ ۲۸۶ تذکرہ سبط بن جوزی صفحہ ۶۲ وغیرہ) اور ایک دوسرے کی مار مار کر پسلیاں توڑتے ہیں (ملاحظہ ہو عثمان کا ابن مسعود کو قرآن نہ دینے پر پٹوانا (تاریخ خمیس صفحہ ۲۷۰ طبع مصر) ایک دوسرے کو جلا وطن کرتے ہیں (ملاحظہ ہو عثمان کا ابوذر کو جلا وطن کرنا۔ (روضۃ الاحباب ج ۳ صفحہ ۱۳ تاریخ خمیس صفحہ ۲۱۷ روضۃ المناظر برحاشیہ کامل ج ۱۱ صفحہ ۱۲۳) ایک کا ہاتھ ہے دوسرے کی داڑھی ہے (ملاحظہ ہو تاریخ اعثم کوفی) ابوبکر کو خلیفہ بناتے وقت سقیفہ بنی ساعدہ میں جو ہڑبونگ مچایا گیا اور جس طرح منصف کا خون ناحق بہایا گیا۔ اور جس دھاندلی سے پہلے صاحب کو مسند اقتدار پر بٹھایا گیا۔ وہ تاریخ اسلام پر نگاہ رکھنے والوں پر مخفی و مستور نہیں ہے جس میں علاوہ اور لوگوں کے تمام بنی ہاشم مخالف (ملاحظہ ہو بخاری ج ۴ صفحہ ۱۱۱ طبع مصر) جناب امیر علیہ السلام کو خطاب کرکے فرماتے ہیں ؎

ان کنت بالشوریٰ ملکت امورھم ✽ فکیف بھذا والمشیرون غیب

فان کنت بالقربیٰ حججت خصیمھم ✽ فغیرک اولیٰ بالنبی واقرب (نہج البلاغہ ج ۴ صفحہ ۴۳)

انہی حقائق کی بنا پر تو علامہ تفتازانی کو مجبوراً لکھنا پڑا۔ "اما ما وقع بین الصحابۃ من المحاربات والمشاجرات علی الوجہ المسطور فی کتب التواریخ والمذکور علی السنۃ الثقات یدل بظاہرہ علی ان بعضہم قد حاد عن طریق الحق وبلغ حد الظلم والفسق الخ۔ جو جنگ و جدال، قتل و قتال اور فتنہ و فساد صحابہ کے درمیان واقع ہوا جیسا کہ کتب تواریخ میں مسطور اور معتبر آدمیوں کی زبانوں پر مذکور ہے وہ بظاہر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ بعض صحابہ جادۂ حق سے منحرف ہو گئے۔ اور ظلم و فسق کی حد تک پہنچ گئے (شرح مقاصد ج ۲ صفحہ ۳۰۶ طبع استنبول)

حنفیوں کے نزدیک نماز کا نقشہ

فروع دین میں سے سب سے بڑا اسلامی رکن نماز ہے۔ جس پر دوسرے تمام اعمال کی قبولیت کا دارومدار ہے اس کا مؤلف آفتاب ہدایت کے امام اعظم نے جس طرح حلیہ بگاڑا ہے۔ اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔

"سلطان محمود بن سبکتگین غزنوی حنفی مذہب پر تھا لیکن علم حدیث کا بھی شائق تھا۔ لوگ اس کے

سامنے احادیث نبویہ پڑھتے اور وہ توجہ سے سنتا تھا۔ اکثر احادیث امام شافعی کے مذہب کے موافق اور امام ابو حنیفہ کے مخالف معلوم ہوتی تھیں اس لیے اس نے حنفی شافعی علماء کو اپنے دربار میں جمع کیا اور حکم دیا میرے سامنے ایک مذہب کی دوسرے پر ترجیح ثابت کرو۔ علماء کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ دو دو رکعت شافعی و حنفی مذہب کے مطابق ادا کی جائیں تاکہ بآسانی دونوں مذہبوں کا باہمی فرق معلوم ہو جائے۔ چنانچہ قفال مروزی نے (جو بڑا فقیہ اور یگانۂ زمانہ علامہ تھا۔ وفیات الاعیان ج ۱ صفحہ ۲۵۸) پہلے مذہب شافعی کے مطابق کامل طہارت اور ارکان معتبرہ کے ساتھ نماز پڑھی پھر امام ابو حنیفہ کے مذہب کے مطابق اس طرح پڑھی کہ پہلے کتے کا رنگا ہوا چمڑا زیب تن کیا اور اس کا بھی چوتھا حصہ نجاست سے تر کر لیا پھر کھجور کے نچوڑے اور دھوپ میں دیئے ہوئے پانی سے (جو ایک قسم کی ہلکی شراب ہے) وضو کیا موسم گرما تھا چنانچہ اس پر خوب مچھر مکھیاں جمع ہو گئے اور وضو بھی الٹا کیا۔ یعنی پہلے پاؤں پھر ہاتھ اور بعد ازاں منہ دھویا۔ پھر قبلہ رخ ہو کر بلا نیت فارسی زبان میں تکبیر کہی (خدا بزرگ است) پھر ایک آیت (مدہامتان) کا ترجمہ فارسی میں پڑھا "دو برگ سبز" بعد ازاں کوّے کی طرح بلا فاصلہ دو ٹھونگے مارے اسی طرح طمانیت کے بغیر رکوع کیا اور تشہد پڑھے بغیر اور بغیر سلام پھیرے صرف ایک گوز لگا کر نماز تمام کی، اور عرض کیا اے بادشاہ! یہ ہے نماز ابو حنیفہ کے مذہب پر! بادشاہ نے چیں بجبیں ہو کر کہا کہ یہ نماز ابو حنیفہ کی کتابوں سے ثابت نہ کی تو میں تجھے قتل کر دوں گا بھلا ایسی نماز بھی کوئی امام جائز سمجھ سکتا ہے؟ اور حنفی علماء نے بھی انکار کیا۔ قفال نے حنفیہ کی کتب طلب کیں اور حوالوں سے ثابت کیا۔ بادشاہ نے ایک نصرانی کو حکم دیا کہ اصل حوالہ جات دیکھ کر تصدیق کرے۔ بالآخر جب اس بات کی تصدیق ہو گئی۔ کہ ابو حنیفہ کے مذہب پر قفال نے جو نماز پڑھی ہے وہ حنفی فقہ کے مطابق درست ہے تو بادشاہ نے ابو حنیفہ کی تقلید چھوڑ کر شافعی کا مذہب اختیار کر لیا۔ (وفیات الاعیان ابن خلکان ج ۲ صفحہ ۸۶

حیاۃ الحیوان دمیری ج ۲ صفحہ ۲۲۵، مراۃ الجنان یافعی مغیث الخلق لابی المعالی الجوینی وغیرہ)

یہ ہے مذہب اہل سنت کے مطابق اسلام اور اس کی مقدس تعلیمات کا نقشہ جس کی وجہ سے مخالفین اسلام، یہود و نصاریٰ اور آریہ وغیرہ اسلام پر مختلف نا روا حملے کرتے رہتے ہیں ان حقائق کی روشنی میں ناظرین کرام خدا کو حاضر و ناظر جان کر بتائیں کہ اگر مولوی کرم دین آف بھیں جیسے ایک مخالف اسلام کے دل میں اسلام اور بانیٔ اسلام کی کیا وقعت رہ جائے گی۔ اور ان عقائد کا حامل صداقت اسلام پر کون سی دلیل پیش کر سکے گا؟

اسلام کی اصولی و فروعی تصویر شیعہ نقطۂ نظر سے

یہ شرف صرف مذہب شیعہ خیر البریہ اور ان کے مذہبی لٹریچر کو حاصل ہے کہ وہ اسلام کی ایک ایسی جامع و مکمل اور ایسی حسین و جمیل تصویر پیش کرتا ہے کہ اس پر کسی کو حرف گیری اور زبان اعتراض دراز کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی یہی وجہ ہے کہ آج تک کوئی دشمن اسلام ہماری کتابوں سے اسلامی حقائق پر اعتراض

نہیں کرسکا ہم ذیل میں بڑے اختصار کے ساتھ شیعی نقطۂ نگاہ سے اسلام کا صحیح عین نقشہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

توحید عند الشیعہ

تمام مخلوقات مادی وروحانی اور تمام مکونات ارضی وسماوی کے مالک وخالق اور جمیع ذات مستجمع جمیع صفاتِ کمال اور بے مثل وبے مثال ہستی کا نام "اللہ" ہے جو جسم وجسمانیات اور مکان ومکانیات سے منزہ ومبرا ہے وہ ہر لحاظ سے واحد ویگانہ ہے اس کی ذات وصفات اور افعال وعبادت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے وہ ابدی وازلی اور لم یلد ولم یولد کا مصداق اور ہر شئی پہ قدرت کاملہ رکھتا ہے اور ہر چیز کا علمی احاطہ رکھتا ہے وہی معبود برحق ہے اس کے سوا اور کسی کی عبادت روا نہیں ہے ساری کائنات اس کی محتاج ہے۔ مگر وہ ایسا غنی مطلق ہے کہ کسی کا محتاج نہیں اس کے کمالات ذاتی ہیں اسی کے قبضۂ قدرت میں کائنات کی بست وکشاد اور اس کے نظم ونسق کی باگ ڈور ہے وہ ایسا عادل ومنصف ہے کہ ظلم وجور کا ارادہ بھی نہیں کرتا۔ اس نے یہ تکوینی امور کسی کے سپرد نہیں کئے وہ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا نہ کوئی حوادث اس پہ اثر انداز ہو سکتے ہیں اور نہ دنیا وآخرت میں اسے دیکھا جا سکتا ہے۔

لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر سبحان من ھو ھکذا ولا ھکذا غیرہ۔ کذلک اللہ ربی کذلک اللہ ربی۔ کذالک اللہ ربی۔

شانِ رسالت عند الشیعہ

نبی ورسول اس انسانِ کامل کو کہا جاتا ہے جس کا دامن تمام امکانی کمالات سے متصف اور تمام صفات رذیلہ سے مبرا ہو۔ اور عہد سے لحد تک ہر قسم کے گناہ وعصیان سے منزہ ہو۔ شرف مکالمہ ربانی ووحی رحمانی سے مشرف ہو اور تبلیغ احکام وتعمیل مرام میں خالق ومخلوق کے درمیان وسیلہ ہو اس لئے اس کے لئے دو جنبوں کا حامل ہونا ضروری ہے۔ ایک جنبۂ نورانی وروحانی جس کی بناء پر خدا سے احکام حاصل کر سکے۔ اور دوسرا جنبۂ بشری وجسمانی جس کی بناء پہ لوگوں تک وہ احکام پہنچا سکے اور امور تکوینی میں لوگوں کی عرضداشتیں سن کر ان کو رب جلیل کی بارگاہ میں پیش کرکے بذریعہ سفارش وشفاعت منظور کرا سکے اس کی اطاعت خدا کی اطاعت اور اس کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہوتی ہے من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ اس کا ہر قول وفعل وحی الٰہی کے تابع ہوتا ہے۔

؎ گفتۂ او گفتۂ اللہ بود ٭ گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

خدائے حکیم نے ہدایت خلق کے لئے بہت سے انبیاء و مرسلین بھیجے، اور سب سے آخر سرکار ختمی مرتبت حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تاجدار ختم نبوت بنا کر بھیجا۔ جو تمام انبیاء و مرسلین کے انفرادی کمالات کے مع شیئی زائد جامع تھے جو ذات و صفات کے اعتبار سے اس قدر عظیم المرتبت تھے کہ کفار بھی باوجود کوشش بسیار کے ان میں کسی نقص و عیب کی نشاندہی نہ کر سکے الغرض آنحضرت بعد از خدا بزرگ تو ئی قصہ مختصر کے صحیح مصداق ہیں جس طرح اللہ و خدا ہونے کے لحاظ سے خدا بے مثل و بے مثال ہے مخلوق خدا ہونے کے اعتبار سے محمد عربی (فداہ ابی و امی) بے مثل و بے مثال ہیں وہ ما ینطق عن الھوی کے مصداق بھی ہیں اور لولاک لما خلقت الافلاک کے تاجدار بھی۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

آنحضرت کی اطاعت مطلقہ واجب ہے اور دخول جنت و نار کا دارو مدار انہی کی فرمانبرداری اور نافرمانی پر ہے جنہوں نے ان کی اتباع کی وہ فاز و او سعد وا فی الدنیا والآخرۃ مگر ان کی تعداد پہلے بھی بالکل قلیل تھی اور اب بھی قلیل ہے (وقلیل من عبادی الشکور) آنحضرت کی بزم رسالت میں بیٹھنے والے تمام لوگ مومن کامل نہ تھے بلکہ ان میں ہر قسم و ہر قماش کے لوگ موجود تھے آنحضرت چاہتے تو ان کو قتل کر دیتے۔ چاہتے تو ان آپنی بزم سے نکال دیتے

منافقین کو قتل نہ کرنے کی وجہ

قرآن وسنت شاہد ہیں کہ آنجناب نہ ان لوگوں سے مرعوب تھے اور نہ خائف تھے لیکن ایسا کرنے سے آپ کو اپنے مشن کے ناکام ہونے کا اندیشہ تھا چنانچہ جب آپ کی حدیث میں عرض کیا گیا کہ آپ منافقوں کو قتل کیوں نہیں کرتے تو آپ نے فرمایا ان الناس یتحدثون ان محمد آیقتل اصحابہ۔ لوگ کہیں گے کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے (بخاری مع فتح الباری ج ۳ ص ۳۰۸) اس طرح تبلیغ رسالت رک جائے گی اس لئے آنحضرت نے تالیف قلب کی حکمت عملی اختیار کی اور منافقین کے ساتھ صرف لسانی جہاد پر اکتفا فرمایا مگر سہ ہو طبیعت ہی جن کی قابل وہ تربیت سے نہیں سنورتے ؛ ہوا نہ سر سبز رہ کے پانی میں عکس سرو کنار جو کا۔" منافقین کی کارستانیاں " ایسے لوگ آنحضرت کے حین حیات میں دبے چھپے تھے اور خفیہ ریشہ دوانیاں کیا کرتے تھے مگر آپ کی وفات کے بعد ان کو کھل کھیلنے کا موقع مل گیا چنانچہ جناب حذیفہ فرمایا کرتے تھے ان المنافقین الیوم شرمنہم علی عہد النبی کانوا یومئذ یسترون والیوم یجہرون یعنی آج کل منافقوں کی حالت اس سے کہیں بدتر ہے جو عہد نبوی میں تھی کیونکہ اس وقت یہ پوشیدہ طور پر ریشہ دوانیاں کرتے تھے اور آج کھلم کھلا کارستانیاں کر رہے ہیں (بخاری مطبوعہ مصر) فاضل شبلی نعمانی لکھتے ہیں "آنحضرت نے جب وفات پائی تو مدینہ منافقوں سے بھرا ہوا تھا جو مدت سے اس بات کے منتظر تھے کہ رسول کا سایہ اٹھ جائے تو اسلام کو پامال کر دیں "

(الفاروق جلد ا صفحہ ۳۵ طبع لاہور) اور اس میں رسول اسلامؐ کی کسرِ شان نہیں اور نہ ان کے کامل بلکہ اکمل معلم اخلاق و شریعت ہونے پر کوئی اعتراض وارد ہوتا ہے حضرت موسیٰؑ چند روز کے لئے کوہ طور پر تشریف لے جاتے ہیں اور پوری قوم سوائے معدودے چند افراد کے گوسالہ پرستی کا شکار ہو کر مرتد ہو جاتی ہے مگر بایں ہمہ حضرت موسیٰؑ پر کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ بلکہ انہی لوگوں کو نااہل قرار دیا جاتا ہے۔ جنہوں نے فیضانِ نبوت سے کچھ استفاضہ نہ کیا۔ تو یہاں بھی ان مرتدین کے ارتداد اور خلافت علوی کے انکار کو انہی لوگوں کی نااہلی کا نتیجہ و ثمرہ قرار دیا جائے گا کیونکہ سے ہر کہ روئے بہبود نداشت ۔ دیدن روئے نبی سود نداشت

ورنہ آنحضرتؐ نے تو راہنمائی اور اتمام حجت کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا اپنے ولی عہد کا قولی طور پر تو بار بار تعارف کرایا تھا اور اعلان فرمایا تھا اپنے آخری دور میں عملی طور پر غدیر خم کے مقام پر رسم دستار بندی بھی ادا کر دی تھی مگر جنہیں ہے ڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں۔

قضیۂ قرطاس

مگر آخری وقت چاہتے تھے کہ اسے ضبط تحریر میں بھی لے آئیں تاکہ کل کلاں کسی کو یارائے ابا و انکار نہ رہے مگر یار لوگ تاڑ گئے۔ اس لئے مزاحمت کی اور حسبنا کتاب اللہ کا نعرہ بلند کر کے آنحضرتؐ کو وصیت نامہ نہ لکھنے دیا آنحضرتؐ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ ان کو "قوموا عنی"، فرما کر آخری وقت اپنی بزم سے نکال دیا (بخاری ج ۴ صفحہ ۱۰ باب مرض النبی و وفاتہ مشکوٰۃ ج ۲ صفحہ ۵۴۴ وغیرہ)

حضرت علیؑ نے وہ تحریر کیوں نہ لکھوائی

ظاہر ہے کہ تحریر رسولؐ کے سلسلہ میں روڑے اٹکانے کی یہ تمام کارروائی حضرت علیؑ کو خلافت سے محروم کرنے کی خاطر کی گئی تھی اور اب جبکہ لوگوں نے آنحضرتؐ کے دماغ پر بھی شدت مرض کی وجہ سے ہذیان کا الزام عائد کر دیا تھا اگر حضرت علیؑ وہ تحریر لکھوا بھی لیتے تو ان لوگوں کی نظروں میں اس کی کیا وقعت ہوتی؟ بظاہر تو اس کا انجام اس سے بھی بدتر ہوتا جو صحیفۂ فدک کے متعلق تحریر رسولؐ کا ہوا تھا علاوہ بریں ظاہر ہے کہ حکیم سے نسخہ بیمار لکھواتا ہے نہ تندرست۔ تو جب مریض العشق طبیب پر ہذیان کا اتہام لگائیں تو اس حالت میں تندرست کو نسخہ لکھوانے کی کیا ضرورت ہے؟ قضیہ قرطاس اور مسئلہ فدک کی تفصیلات کا انتظار فرمائیے

احراقِ بابِ فاطمہؑ

بہرکیف اس جماعت کے کھلم کھلا مخالف اسلام افعال اور حرکات ناشائستہ میں سے ایک عظیم جرم غصب خلافت علویؑ اور عترت نبویہ پر مختلف مظالم کی یورش و یلغار بھی ہے دروازۂ فاطمہؑ پر آگ اور لکڑیاں لے گئے اور گھر جلانے کی دھمکیاں دیں (الامامت والسیاست صفحہ ۱۲ طبع مصر۔ تاریخ طبری ج ۳ صفحہ ۱۹۸ العقد الفرید ج ۳ صفحہ ۶۳ طبع مصر) جناب سیدۂ عالمؑ کے پہلوئے اقدس پر دروازہ گرایا جس سے شہزادہ محسنؑ کی شہادت واقع ہوئی (الملل والنحل شہرستانی صفحہ ۲۰ طبع مصر)

اور جناب امیر علیہ السلام کو رواں دواں مسجد نبوی کی طرف لے گئے اور بیعت کرنے کیلئے قتل تک کی دھمکیاں دیں۔* مگر بایں ہمہ جناب امیر جیسے گیر بہادر نے نہ

وجہ عدم قتال علیؑ با ثلاثہ

ذوالفقار نیام سے نکالی اور نہ خداداد شجاعت کے جوہر دکھائے کیوں آپکو دو چیزیں مانع تھیں۔ "اولاً" شیر خدا کو رسول مقبولؐ نے ایسے حالات میں صبر و ضبط سے کام لینے کی وصیت فرما کر جکڑ دیا تھا اور بتا دیا تھا و فرما دیا تھا۔ بعد از من بسیار بے از مکروہات بتو خواہد رسید باید کہ دل تنگ نہ گردی و دست در عروہ وثقیٰ تحمل زدہ طریق حق پیش گیری و چوں بینی کہ تمامی مختار خلق گردد باید کہ تو آخرت را اختیار کنی الخ۔" (معارج النبوۃ رکن چہارم صہ ۳۴۵ روضۃ الاحباب صہ ۳۱۲ کنز العمال ج ۶ صہ ۹۹ ازالۃ الخفاء ج ۱ صہ ۱۲۷ خصائص کبریٰ ج ۲ صہ ۱۳۵ وغیرہ)۔ چنانچہ عمر کے مظالم کے وقت آنجناب نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا وفی النفس کلام لولا سابق قول و سالف عہد لشفیت غیظی بخنصری وبنصری (الی ان قال) ولکنی ملجم ـــــ و صابر۔

یعنی میرے دل میں کچھ کلام موجود ہے۔ اگر سابق قول اور گذشتہ عہد و پیمان کا لحاظ نہ ہوتا تو میں اپنے غیظ و غصہ دو چھوٹی انگلیوں سے دور کر دیتا (شمشیر بکف ہو کر جنگ کرتا) مگر میں پابند ہوں اور اسی لئے خاموش ہوں۔ اور صبر کرتا ہوں؟ (محاضرات ابن عربی ج ۲ صہ ۸۳)

سہ کم زور دست و بازو شیر خدا نہ تھا ❊ سب قدرتیں وہی تھیں پر حکم خدا نہ تھا۔

ثانیاً۔ اس وقت جنگ کرنے سے اسلام کے دارالحکومت میں خانہ جنگی شروع ہو جاتی چاروں طرف سے دشمنان اسلام کو حملہ کرنے کا موقع مل جاتا اور اس طرح اسلام نیست و نابود ہو جاتا۔ چنانچہ بعض روایات میں وارد ہے کہ جب جناب سیدہ نے ان مصائب سے دل برداشتہ ہو کر جناب امیر کو تلوار نیام سے نکالنے کے لئے کہا اسی اثنا میں مؤذن کی آواز بلند ہوئی "اشہد ان محمدا رسول اللہ" امام نے جناب سیدہ سے فرمایا اتحبین زوال ھذا النداء۔ کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ روئے زمین سے یہ ندا ختم ہو جائے؟ بی بی عالم نے عرض کیا نہیں! فرمایا ذالک ما اقول" یہی وہ چیز ہے جو میں تم سے کہتا ہوں۔ (کہ میرے جنگ کرنے سے یہ آواز ختم ہو جائے گی) (شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید معتزلی ج ۳ صہ ۵ طبع بیروت)

جناب امیر نے اپنے دور میں کیوں شرعی اصلاحات نافذ نہ کیں۔

جناب امیر علیہ السلام اپنے مختصر ظاہری دور حکومت میں یہ ضرور چاہتے تھے کہ اصحاب ثلاثہ کے جاری کردہ بدعات کا قلع قمع کریں۔ اور اس کا انہوں نے کئی بار اظہار بھی کیا تھا مگر یہ اصلاح منوط

* الامامۃ والسیاسۃ صہ ۱۱ و شرح حدیدی ج ۲ صہ ۱۹

تھی ثباتِ قدم کے ساتھ چنانچہ آپ کا ارشاد ہے لو ثبتت قدمای لغیّرت اشیاء (نہج البلاغہ) اگر مجھے ثبات قدم میسر آگیا تو میں بہت سی اصلاحات کرونگا مگر مولوی کرم الدین صاحب کے بزرگوں کی کرمفرمائیوں سے امیر المومنین کو اپنے ظاہری پنجسالہ دورِ خلافت میں ایک دن بھی امن و سکون نصیب نہ ہوا لہذا نہ ثبات و استقرار حاصل ہوا اور نہ وہ یہ اصلاحات نافذ کر سکے جو کرنا چاہتے تھے جن میں سے اپنے جمع کردہ قرآن مجید کا رائج کرنا حق فدک اس کے حق داروں کو واپس کرنا اور تراویح وغیرہ بدعات کا بند کرنا بھی شامل تھا۔ فلیبک علی الاسلام من کان باکیا۔ ہم نے سطور بالا میں جن امور کا اجمالی تذکرہ کیا ہے ان کی تفصیلات معلوم کرنے کیلئے شائقین ہماری کتاب اثبات الامامت کی طرف رجوع فرمائیں۔

امامت و خلافت عند الشیعہ ۔ شیعہ امامیہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اُمت کیلئے خلیفہ و امام کا وجود اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ نبی و رسول کا اور امام کے وہی شرائط ہیں جو نبی و رسول کے ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ ان پر صرف وحی (شریعت نازل) نہیں ہوتی اور وہ مشرّع شریعت نہیں ہوتے ویسے ہی کیطرح خلیفہ و امام کا تقرر بھی خدائے رحمٰن اپنے خاص فضل و انعام سے کرتا ہے۔ چنانچہ خدائے منان نے اسلام کے بعد ان کی مسند کے بارہ وارث مقرر کیئے جو سوائے مقام و خصائص نبوت کے دیگر تمام صفات جلال و نعوت کمال میں شریک رسول تھے اور تمام فضائل و فواضل میں آنحضرت کے بعد ساری کائنات کے سید و سردار اور ہر اعتبار سے سرآمد روزگار تھے جو منصوص من اللہ و من الرسول تھے۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ حضرت علیؑ۔ امام حسنؑ۔ امام حسینؑ۔ امام علی زین العابدینؑ۔ امام محمد باقرؑ۔ امام جعفر صادقؑ۔ امام موسیٰ کاظمؑ۔ امام علی رضاؑ۔ امام محمد تقیؑ۔ امام علی نقیؑ امام حسن عسکریؑ۔ امام م ح م (مہدی منتظر عجل اللہ تعالیٰ فرجہ) یہ بارہویں علیہ السلام اس وقت بھی بقید حیات زندہ و پائندہ موجود ہیں اور اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک یہ ظہور فرما کر دنیا کو عدل و انصاف سے اس طرح پر نہیں کر دیں گے جس طرح پہلے ظلم و جور سے لبریز ہو چکی ہوگی (ترمذی مشکوٰۃ۔ ابو داؤد وغیرہ) عجل اللہ تعالیٰ فرجہ و سہل مخرجہ۔ و اھلک اعدائہ اجمعین

شانِ قرآن عند الشیعہ ہم قرآن کو اللہ کی آخری مقدس الہامی اور منزل من اللہ کتاب اور اس کے ہر ہر امر و نہی کو واجب العمل جانتے ہیں اور اسے تمام عالمین کی رشد و ہدایت کیلئے خدا کا بے عیب آخری دستور العمل مانتے ہیں اور حق اور باطل معلوم کرنے کا اسے واحد معیار تسلیم کرتے ہیں۔ یہ فصاحت و بلاغت کی حد اعجاز تک پہنچا ہوا کلام معجز نظام ہے کہ ساری کائنات مل کر بھی اس کی ایک سورہ کی مانند سورہ نہیں بنا سکتی۔ ولو کان بعضھم

بغض علیؑ ۔ سہ جمالِ نورِ قرآن نورِ جانِ ہر مسلماں ہے ۔ قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآن ہے ۔
الغرض قرآن بانی اسلام کی صداقت وحقانیت کا وہ معجزہ خالدہ ہے جس کی معجزانہ شان بان آج بھی اسی طرح قائم ہے جس طرح آنحضرتؐ کے ظاہری چلن حیات میں تھی اور صبح قیامت کے طلوع ہونے تک اس کی یہ شان وآن قائم رہے گی انشاء اللہ۔

القیامۃ عند الشیعہ

قیامت برحق ہے جس میں خدائے عادل تمام اولین وآخرین کو جمع کر کے نیکوں کو ان کی نیکیوں کی جزا اور بروں کو ان کی برائیوں کی سزا دے گا اسی طرح جنت وجہنم کو برحق تسلیم کرتے ہیں۔

اسلامی عبادات عند الشیعہ

ہم نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ خمس وجہاد وغیرہ اسلامی عبادات کو ان کی فطری شان واسلامی روح وآن کے مطابق واجب ولازم جانتے اور بجا لاتے ہیں ان کے انکار کرنے والے کو کافر اور بلاعذر شرعی ترک کرنے والے کو فاسق وفاجر جانتے ہیں۔

نتیجۃ الکلام

اب جائے غور وتامل ہے کہ اسلام کی تصویر جو شیعیان حیدر کرارؑ پیش کرتے ہیں یہ کس قدر حسین وجمیل اور کامل واکمل ہے کیا اس پر کسی مخالف کو کسی قسم کے طعن وتشنیع کرنے کی جرأت وجسارت ہو سکتی ہے؟ حاشا وکلا۔

سہ .. ادا سے دیکھ لو جاتا رہے گلہ دل کا۔ بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا۔

کیا شیعہ قرآن کو نہیں مانتے؟

مولوی کرم دین آف بھیں اصل حقائق واقعات سے آنکھیں بند کر کے بلکہ آنکھوں پر تعصب وعناد کی پٹی باندھ کر اپنے پیر ومرشد مولوی عبدالشکور لکھنوی اور دیگر متعصب مناظرین اہلسنت کی تقلید وتاسی میں اپنی کتاب کے صد۳۲ سے لیکر صد۴۶ تک بزعم خویش اس بات کے ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ شیعہ قرآن کو نہیں مانتے؟ سہ ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں، تڑپے ہیں مرغ قبلہ نما آشیانے میں۔
ہم پہلے ان کے استدلالات یا بالفاظ مناسب خرعبلات اور پریشان خیالات کا جامع خلاصہ پیش کرتے ہیں اس کے بعد ان پر نقد وتبصرہ کریں گے انشاءاللہ العزیز۔

مؤلف کے استدلالات کا جامع خلاصہ "شیعہ کا اعتقاد ہے کہ اصلی قرآن وہ تھا جو حضرت علی نے جمع کیا تھا اور اصحاب ثلاثہ کے پیش کیا مگر انہوں نے قبول نہ کیا اسلیئے آپ نے اُسے غائب کر دیا اصول کافی صد۱۳۹ میں ہے امام محمد باقرؑ کہتے ہیں جو شخص یہ دعوی کرے کہ اس نے سارے قرآن کو جیسا کہ نازل ہوا ہے جمع کر لیا ہے وہ بڑا جھوٹا ہے قرآن کو جیسا کہ خدا نے نازل کیا بغیر علی اور آئمہ بعد کے کسی نے جمع

نہیں کیا، تیرا اصول کافی صہ ۱۶۴ میں ہے، ہشام بن سالم نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی آپ نے فرمایا کہ جو قرآن جبرئیل رسول پاک کے پاس لے کر آئے وہ ستر ہزار آیت کا ہے،، پھر مرزا احمد علی صاحب مرحوم کے رسالہ الانصاف فی الاستخلاف، کے حوالہ سے لکھا ہے کہ انہوں نے موجودہ قرآن کی ترتیب کی چند غلطیاں ظاہر کی ہیں مثلاً ،، باتفاق اہل اسلام سورۃ اقراء سب سے اول نازل ہوئی لیکن قرآن مرتبہ میں اس کو اخیر پارہ میں جگہ دی گئی الیوم اکملت لکم دینکم آخر میں نازل ہوئی لیکن اس کو بیچ میں جگہ ملی اور لیجئے ان ھذان لساحران موجودہ صرف و نحو کے لحاظ سے غلط ہے الخ ..... اس کے جواب میں مؤلف صاحب نے لکھا ہے کہ ،، ترتیب القرآن مطابق تنزیل نہیں بلکہ موافق تلاوت رسول خدا و تعلیم جبرائیل ہے جیسا کہ علامہ کرمانی نے برہان میں لکھا ہے بے شک سور و آیات قرآن کی ترتیب عہد نبوی میں ہو چکی تھی اور بہت سے لوگوں نے قرآن کو حفظ بھی کر لیا تھا اور اسی ترتیب سے حضرت عثمانؓ نے قرآن کریم کی کتابت کروا کر قرآن پاک کی اشاعت کر دی بعد ازاں مذکورہ آیات کے باہمی ربط کا ذکر کر کے ان ھذان والی آیت میں اِن کو مخففہ قرار دے کر ملغی عن العمل ثابت کیا ہے پھر یہ لکھ کر کہ حضرت علی کا ترتیب دادہ قرآن جناب امام مہدی کے پاس ہے۔ امام زمانہ کے متعلق تراشہ خیالی کر کے اپنے خبث باطن کا ثبوت دیا ہے کہ" امام مہدیؑ کب آئیں گے وہ تو بقول شخصے عجب کہ ایسے سوئے سوتے والے کہ جاگنے کی انہیں قسم ہے امام غائب کی آمد کے متعلق شیعہ کے عجیب و غریب خیال ہیں جن کے سمجھنے سے ہماری عقل قاصر ہے اصول کافی صہ ۲۳۲ میں ہے۔

خدا نے اس کام (ظہور مہدی) کا وقت سنہ ۷۰ھ مقرر کیا تھا مگر جب امام حسینؑ شہید کئے گئے تو اللہ تعالیٰ اہل زمین پر غضبناک ہو گیا اور اس نے اس کام کو ۱۴۰ھ تک پیچھے ہٹا دیا ہم نے تم سے بیان کر دیا اور تم نے بات مشہور کر دی اور پردہ فاش کر دیا خدا نے اس کے بعد کوئی وقت ہم کو نہیں بتایا۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے یہ حدیث امام جعفر صادق سے بیان کی انہوں نے کہا ایسا ہی ہوا۔"

اس حدیث سے پتہ ملتا ہے کہ قاتل امام حسین علیہ السلام شیعہ تھے تب ہی تو امام مہدیؑ کی آمد رک گئی۔ الخ ..... آئمہ اپنی موت کا وقت جانتے ہیں اور اپنی

موت پر اُن کو قابو ہوتا ہے۔ چاہے مریں یا نہ مریں،، اصول کافی صہ۱۵۸)
(ابھی تک مولّف کے ترکش بہتان میں کچھ تیر باقی ہیں اب وہ انہیں چھوڑتے ہوئے
لکھتے ہیں) **(شیعہ کے متعدد قرآن)** **ستر گز کا قرآن** اصول کافی صہ۱۴۶ میں
ہے قال یا ابا محمد فان عندنا الجامعة وما یدریھم ما الجامعة قال قلت جعلت فداک
وما الجامعة قال صحیفة طولھا سبعون ذراعًا۔ امام جعفر صادق نے فرمایا اے ابو محمد!
ہمارے پاس ایک جامع ہے ان کو کیا معلوم کہ وہ جامعہ کیا ہے؟ میں نے کہا
میں آپ پر قربان! فرمائیں وہ جامع کیا ہے؟ آپ نے فرمایا قرآن ہے جو ستر گز لمبا ہے،،
مصحف فاطمہ ایک دوسری روایت یہ ہے کہ شیعہ کا ایک اور قرآن
مصحف فاطمہ بھی ہے چنانچہ اصول کافی صہ۱۴۶ میں ہے (ترجمہ) امام علیہ السلام نے
فرمایا ہمارے پاس ایک مصحف فاطمہ بھی ہے اور تم جانتے ہو مصحف فاطمہ کیا
ہے؟ فرمایا وہ ایک قرآن ہے جس میں تمہارے قرآن سے سہ گنا زیادتی ہے
اور خدا کی قسم اس میں تمہارے قرآن کا ایک لفظ بھی نہیں۔
جفر اسی طرح شیعہ کا ایک اور قرآن جفر ہے۔ جیسا کہ اصول کافی صہ۱۴۶ میں
ہے (ترجمہ) امام نے فرمایا ہمارے پاس جفر بھی ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ
جفر کیا ہے؟ کیا وہ چمڑے کا ایک تھیلا ہے جس میں (انبیاء و اولیاء کے علوم
بھرے پڑے ہیں۔ اور علمائے بنی اسرائیل کے بھی اس میں۔ علوم ہیں" اب سوال یہ
ہے کہ شیعہ کے اتنے بڑے اور لمبے لمبے قرآن ہیں کہاں؟ شیعہ اس کا جواب
دینے سے قاصر ہیں۔
تحریف آیاتِ قرآنی اگرچہ پچھلی روایات سے بوضاحت ثابت ہو گیا
کہ روافض کا اس قرآن پر ایمان نہیں ہے اور وہ اس کو محرّف سمجھتے ہیں
لیکن عوام کی تسلی کیلئے ہم ذیل میں چند آیات اصول کافی سے لکھتے ہیں جن
میں بتایا گیا ہے کہ اصل آیت یوں تھی اور قرآن میں اس کے خلاف یوں
درج ہے (اس سلسلہ میں چند آیات پیش کی ہیں مثلاً آیات الست بربکم
قالوا بلیٰ کے متعلق لکھا ہے کہ اصول کافی میں ہے کہ اصل آیت یوں تھی" الست
بربکم وان محمدًا رسولی وان علیا امیر المومنین علیہ السلام

ایت من یطع اللہ ورسولہ اس طرح تھی من یطع اللہ ورسولہ فی ولایۃ علی والائمۃ من بعدہٖ فقد فاز فوزاً عظیماً آیت سَئل سائل بعذاب واقع یوں تھی سَئل سائل بعذاب واقع للکافرین فی ولایۃ علی لیس لہ من دافع

احمد بن محمد بن ابی نصر سے روایت ہے کہ امام رضا علیہ السلام نے مجھے ایک قرآن دیا اور فرمایا کہ اس میں نظر نہ کرنا بس میں نے جو اس میں سورۂ لم یکن الذین کفروا الخ پڑھی تو اس میں ستر شخصوں کے نام مع ولدیت پائے۔ راوی نے کہا امام نے مجھے کہلوا بھیجا کہ وہ قرآن میرے پاس بھیج دو مگر موجودہ قرآن میں نہ ستر قریش کے نام ہیں اور نہ اہل بیت کے فضائل" شیعہ کو ان روایات کے ماننے سے کوئی چارہ نہیں لیکن بحث کی خاطر "تقیہ" کر دیا کرتے ہیں سو واضح ہو کہ اس بارہ میں علماء شیعہ متقدین میں اختلاف ہے ان کے بڑے ثقہ آئمہ حدیث وتفسیر تو اس قرآن کے ناقص ہونے کے قائل ہیں جیسے ثقۃ الاسلام کلینی، علی بن ابراہیم قمی فاضل نوری وغیرہم لیکن بعض تحریف کے منکر ہوئے اور وہ کہتے ہیں کہ قرآن کامل اور صحیح یہی ہے جو بین الدفتین میں موجود ہے۔ ان کے اسماء حسب ذیل ہیں۔ شیخ صدوق رح سید مرتضیٰ۔ ابو جعفر طوسی شیخ ابو طبرسی۔ سو واضح ہو کہ ان دونوں فریق سے اس کا قول قابل قبول ہوگا جس کی تائید میں احادیث مرویہ آئمہ اہلبیت پائی جائیں سو پہلے فریق نے بہت سی احادیث پیش کی ہیں مگر دوسرے فریق کا صرف اپنا قول ہی ہے کوئی حدیث وہ دلیل میں پیش نہیں کرتے پھر ان کا قول بلا دلیل کیسے مانا جا سکتا ہے؟

عقلی دلیل مذکورہ بالا دلائل کے علاوہ عقلی دلیل اس امر پر کہ شیعہ مذہب کی رو سے اس قرآن پر ان کا ایمان ہونا ممکن ہی نہیں یہ ہے کہ شیعہ مانتے ہیں کہ یہ قرآن جمع کردہ علیؓ نہیں ہے بلکہ ابوبکرؓ وعثمانؓ کے اہتمام سے جمع ہوا ہے شیعہ ان ہر دو اصحاب کو مسلمان نہیں مانتے بلکہ کافر ومنافق سمجھتے ہیں۔ پھر کس طرح ممکن ہے کہ ایک غیر مسلم شخص جمع وترتیب قرآن کے وقت ایسا متدین بن جائے کہ ایک حرف کی بھی کمی بیشی نہ کرے اور یہ ظاہر ہے کہ جس دستاویز میں ایک لفظ میں بھی جعل سازی کر کے تغیر وتبدل کر دیا جائے

* تاکہ ہمارا قرآن پر ایمان ہے اس حالت میں ناواقف اہل السنۃ مسلمان دھوکہ میں آجاتے ہیں؟

وہ ساری دستاویز ردّی اور مشکوک ہو جاتی ہے۔

الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے

یہ عجیب الزام ہے جو شیعہ جواب سے عاجز ہو کر کمال ڈھٹائی سے کہنے لگ جاتے ہیں کہ تم بھی تحریف کے قائل ہو ——— درمنثور یا اتقان میں ایسی روایات ہیں کہ فلاں سورہ اتنی آیات کی تھی اب اتنی ہے ——— میں کہتا ہوں کہ ہمارا ایمان درمنثور پہ نہیں اور نہ ہم امام سیوطی کے مقلد ہیں ——— علاوہ بریں اتقان یا درمنثور میں ہرگز نہیں لکھا ہوا کہ قرآن میں کوئی تحریف کی گئی ہے بلکہ انہوں نے آیات منسوخہ کے اقسام لکھے ہیں۔ ایک منسوخ التلاوہ کی ہے جو پہلے نازل تو ہوئی مگر بعد میں منسوخ التلاوہ ہو گئیں اور یہ واقعہ عہد نبوی کا ہے نہ بعد کا ———

کوئی شیعہ حافظ قرآن نہیں ہوسکتا

اس موضوع پر یہاں صفحہ ۵ پر اور آخر کتاب میں صفحہ ۳۴ پر بھی اظہار خیال کیا ہے روشنی قرآن کو حرز جاں سمجھتے ہیں سینکڑوں نہیں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں حفاظ قرآن سنیوں میں ملیں گے لیکن ان کے مقابلہ میں چراغ لے کر ڈھونڈو اور ہندو پنجاب کی خاک چھان مارو تو ایک حافظ بھی شیعہ سے ملنا دشوار ہے جن لوگوں کے سینوں میں جامعین قرآن کا بغض بھرا ہوا ہے۔ ان میں خدا کی کتاب کا نقش جم نہیں سکتا قرآن کا معجزہ مانا ہوا ہے کہ شیعہ میں کوئی حافظ قرآن نہیں ہو سکتا۔

لطیفہ یہاں مؤلف نے چکوال کا واقعہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے شیعہ کو چیلنج دیا تھا کہ کوئی حافظ پیش کریں اگر وہ پانچ پارے صحیح سنا دے تو ایک سو روپیہ انعام دیا جائے گا انہوں نے بعد از خرابی بسیار حافظ کفایت حسین صاحب کو پیش کیا جنہوں نے صرف آدھ رکوع میں بیس غلطیاں کیں اور سخت شرمسار ہوئے" ہر چند شیعہ کوشش کرتے ہیں کہ کوئی حافظ قرآن ہم بھی پیدا کریں مگر ایں سعادت بزور بازو نیست ؎ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ" (آفتاب ص ۲۴ تا ۳۴ شیعہ تو سنا ہے ہنس ہنس کر)

الجواب شیعہ کا ایمان بالقرآن

اب جگہ تمام کے منہ میری باری آئی۔ سابقہ مبحث میں بیان کیا جا چکا ہے کہ شیعہ خیر البریہ قرآن کریم کو خدا کی آخری کتاب الہامی وصحیفہ ربانی اور اسلام اور پیغمبر اسلام کی صداقت

کا معجزہ خالدہ مانتے ہیں یہ حقیقت محتاج بیان نہیں، کہ شیعہ اسی قرآن کو پڑھتے اور پڑھاتے ہیں اسی کے اوامر و نواہی پر عمل درآمد کرتے اور کراتے ہیں اسی کی تفسیر لکھتے ہیں اسی کے ترجمے کرتے ہیں اور اسی کے اکرام و احترام کو واجب و لازم سمجھتے ہیں ان حضرات آئمہ علیؑ نے اسی قرآن کو معیار حق و باطل اور غلط و صحیح حدیث معلوم کرنے کا میزان قرار دیا ہے اور اسی کی سورتوں کے نام بنام فضائل اور تلاوت کرنے کے ثواب بے حساب بیان فرماتے ہیں اور شیعہ فرمان آئمہ علیہم السلام قرآن کو مکمل ضابطہ حیات اور حرز جان جانتے اور مانتے ہیں ——— اگر ایمان بالقرآن کے یہی معنیٰ ہیں تو پھر تو حضرات شیعہ خیر البریہ بفضلہ تعالیٰ سب مسلمانوں سے بڑھ کر قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اور اگر ایمان بالقرآن کا کوئی اور مفہوم ہے تو پھر پہلے اس کی وضاحت کی جائے اور پھر ایمان بالقرآن کا فیصلہ کیا جائے لیکن ستم ظریفی دیکھئے کہ باقرار خود مؤلف شیعہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارا ایمان اسی قرآن پر ہے ہم اس کو صدق دل سے مانتے ہیں اور اس پر حلفیں اٹھانے پر بھی آمادہ ہو جاتے ہیں" (ص۵۲ آفتاب) اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ "بعض علماء اعلام مثلاً شیخ صدوق و سید مرتضیٰ علم الھدیٰ۔ و شیخ طوسی و طبرسی علیہم الرحمتہ تحریف کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن کامل اور صحیح یہی ہے جو بین الدفتین موجود ہے (ص۵۲) مگر بایں ہمہ ان برادران یوسفؑ کی بارگاہ میں کوئی شنوائی نہیں ہوتی اور وہ بڑی ڈھٹائی و بے حیائی کے ساتھ بڑا خفتی کی طرح سر نکیر ملا ملا کر برابر یہی رٹ لگائے جاتے ہیں کہ "ہم نہیں مانتے، ہم نہیں مانتے" ع تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے؟

برادران اسلامی کی یہ روش قرآن اور تعلیمات اسلام کے خلاف ہے

حالانکہ اسی قرآن کا فرمان ہے کہ × لا تقولوا لمن القی الیکم السلام لست مؤمناً جو بندہ تم پر سلام کرے تمہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ تم اسے کہو کہ تو مومن نہیں ہے اسلامی غزوات کی تاریخ میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ ایک جنگ میں ایک کافر مسلمان کی تلوار کی زد میں آگیا اس نے کہا لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ مگر اس مسلمان نے اس کے کلمے کا اعتبار نہ کیا اور اسے تہہ تیغ کر دیا آنحضرت کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ نے اس مسلمان کو بلا کر سرزنش کی کہ جب اس نے کلمہ اسلام پڑھ لیا تھا تو پھر تو نے اسے کیوں قتل کیا؟ قاتل نے یہ عذر پیش کیا کہ یا رسول اللہؐ! وہ دل سے اقرار نہیں کر رہا تھا بلکہ میری تلوار کے ڈر سے کلمہ پڑھ رہا تھا! آنحضور نے فرمایا اشققت قلبہ؟ کیا تو نے اس کے دل کو چیر کر دیکھ لیا تھا؟ کہ دل سے نہیں پڑھ رہا اس پر وہ منفعل ہو کر

خاموش ہو گیا خدا تو قرآن میں یہ فرماتا ہے کہ وہ علیم بذات الصدور ہے دلوں کا بھید وہ جانتا ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے بھائی اس صفت میں اپنے تئیں شریک خدا سمجھتے ہیں جب ہی تو ہمارے اس اقرار و اظہار کو تقیہ کی پیداوار قرار دے کر ہم پر غیر مومن بالقرآن ہونے کا جابرانہ فتویٰ عائد کرتے ہیں چنانچہ آفتاب ہدایت کا مؤلف قمطراز ہے "محض کی خاطر تقیہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہمارا قرآن پر ایمان ہے ص۵۳ آفتاب) حالانکہ ان اقرار کرنے والوں میں ایسے ایسے علما عظام شامل ہیں جنہوں نے اہلسنت کی رد میں مستقل کتابیں لکھی ہیں بجز اس مسئلہ کے) ان کو تقیہ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ بہر حال یہ تاویل عذر گناہ بدتر از گناہ کے مصداق ہے سچ ہے ع چشم عداوت بنر گیر عیب، است۔

بعض اہل انصاف سُنّی علما کا اعتراف حقیقت

یہی وجہ ہے کہ بعض منصف مزاج علماء اہلسنت نے اعتراف کیا ہے کہ شیعہ کا اسی قرآن پر ایمان ہے اور ان کے بیانات ان کے قلبی واردات کی عکاسی و غمازی کرتے ہیں چنانچہ حافظ محمد اسلم صاحب جیوری جیوری اپنی کتاب تاریخ القرآن ص۶۲ تا ص۶۷ بذیل عنوان "شیعہ اور قرآن" شیعہ اکابر علماء متقدمین و متاخرین کے بیانات شافیہ نقل کرنے کے بعد ان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"یہ ان علماء شیعہ کے اقوال ہیں جو اہل تشیع میں مقبول و مستند ہیں اور ان اقوال میں نہ تاویل کی گنجائش ہے اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان لوگوں نے تقیہ سے کہا ہے کیونکہ ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہوں نے اہلسنت کی تردید میں رسائل لکھے ہیں ان کی نسبت تقیہ کا گمان نہیں کیا جا سکتا اور ابو جعفر قمی کی کتاب الاعتقاد اور ملا محسن کی تفسیر صافی یہ دونوں کتابیں شیعہ کے نصاب درس میں داخل ہیں اسلئے یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے فرقہ کے خلاف اپنے فرقہ کو تعلیم دیتے" اسی طرح مولانا ابو محمد عبدالحق صاحب حقانی مقدمہ تفسیر حقانی ص۷۳ پر لکھتے ہیں "کہ محققین علماء شیعہ سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔" اگرچہ ہم اپنی کتاب احسن الفوائد فی شرح العقائد میں اس موضوع پر سیر حاصل تبصرہ کر چکے ہیں۔ مگر یہاں بھی بقدر ضرورت اس بحث کا اعادہ کیا جاتا ہے

شیعہ علماء اعلام کا اظہار حق و حقیقت

رئیس المحدثین جناب شیخ صدوق اپنے رسالہ اعتقادیہ میں فرماتے ہیں "اعتقادنا فی القرآن ان القرآن الذی انزلہ اللہ تعالیٰ علی نبیہ صلی اللہ علیہ وآلہ ھو ما بین الدفتین وھو ما فی ایدی الناس لیس باکثر من ذالک ـــــ ومن نسب الینا انا نقول اکثر من ذلک فھو کاذب۔

ہمارا عقیدہ قرآن مجید کے متعلق یہ ہے کہ وہ قرآن جو خداوند عالم نے اپنے نبیؐ پر نازل فرمایا وہ یہی ہے جو دو دفتیوں کے درمیان لوگوں کے پاس موجود ہے اس سے زیادہ نہیں ہے اور جو شخص ہماری طرف یہ نسبت دیتا ہے کہ ہم اس سے زیادہ کے قائل ہیں وہ جھوٹا ہے ،،

ایسا ہی افادہ علامہ سید مرتضیٰؒ ۔ علامہ شیخ طوسیؒ ۔ علامہ طبرسیؒ ۔ علامہ حامد حسینؒ ۔ علامہ بلاغیؒ علامہ حائریؒ ۔ علامہ خوئی اور علامہ علی نقی وغیرہم نے اپنی کتب جلیلہ میں فرمایا ہے صرف یہی نہیں کہ یہ نظریہ ان علماء اعلام کی ذاتی رائے کا نتیجہ ہے بلکہ کلیۃً مندیہ آئمہ اطہار کے ارشادات پر مبنی ہے جیسا کہ عنقریب واضح ہوگا ہاں البتہ ہم اتنا ضرور کہتے ہیں کہ موجودہ قرآن کریم کی ترتیب اس کی تنزیلی ترتیب کے مطابق نہیں ہے اور بعض سورتوں کی بعض آیات دوسرے بعض سورتوں میں درج ہو گئی ہیں اور یہ وہ کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کا [illegible] ہمارے مخاطب نے بھی دبے لفظوں میں کر لیا ہے کہ یہ ترتیب قرآن مطابق تنزیل نہیں ہے بلکہ موافق تلاوت رسول خدا اور تعلیم جبرئیل ہے ،، (آفتاب صفحہ ۳) جب تم خود بھی اس حقیقت کا اقرار کرتے ہو تو پھر شیعوں کے خلاف یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے؟ انہیں بتلائیں کوئی مادی غرض اور سیاسی مصلحت تو کارفرما نہیں؟

چاہتے ہو قوم میں جو ڈالی صدا چلتی رہے کشتی اسلام کے پھر کیوں نہ ہو تم ناخدا

یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ موجودہ ترتیب قرآن "مطابق تنزیل نہیں ہے" یہ کہنا کہ "موافق تلاوت رسول و تعلیم جبرئیل" یہ بات ناقابل فہم و ادراک ہے۔ کیا جس طرح سورتیں نازل ہوتی ہیں۔ ان کے مطابق آنحضرت ان کی تلاوت نہیں فرماتے تھے؟ کیا ترتیب نزول اور ترتیب تلاوت مختلف تھی؟ مالکم کیف تحکمون؟

جمع قرآن کے سلسلہ میں برادرانِ اسلامی سے چند سوالات

اسی طرح یہ بات بھی لائق صحت سے کم نہیں ہے کہ "بے شک سورو آیات قرآن کی ترتیب عہد نبوی میں ہو چکی تھی اور بہت سے لوگوں نے قرآن کو حفظ بھی کر لیا تھا اور اسی ترتیب کے مطابق حضرت عثمان نے قرآن کریم کی کتابت کروا کر قرآن پاک کی اشاعت کر دی" (صفحہ ۳۸) سچ ہے کہ ایک غلطی کو چھپانے کیلئے کئی غلطیاں کرنی پڑتی ہیں اور ایک جھوٹ کیلئے کئی جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ لیکن مسئلہ جوں کا توں رہتا ہے۔ یہاں چند سوالات پیدا ہوتے ہیں اولاً یہ کہ اگر بقول مؤلف عہد رسالت میں قرآن مرتب ہو چکا تھا تو پھر عہد ابی بکر میں اس کو دوبارہ ترتیب کیوں عمل میں لائی گئی؟ ثانیاً اگر پہلے سوال سے قطع نظر کرتے ہوئے عہد شیخین میں کسی ضرورت کے ماتحت ترتیب قرآن کو جائز بھی تسلیم کر لیا جائے تب دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شیخین کے

تفسیر اتقان ج ۱ صفحہ ۶۲ طبع مصر - متعدد اخبار و آثار موجود ہیں جن سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کے حین حیات میں قرآن جمع نہیں ہوا تھا (منہ عفی عنہ)

جمع کردہ قرآن کی موجودگی میں جناب عثمان کو از سر نو تیسری مرتبہ قرآن کو مرتب کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

ثالثاً۔ اگر یہ آخری عثمانی ترتیب شیخین کی ترتیب کے مطابق اور ان کی ترتیب رسول خدا کی ترتیب کے موافق تھی تو عثمان صاحب کو اپنے جمع کردہ قرآن کے علاوہ دوسرے قرآنوں کے جلانے کی کیا ضرورت پڑی؟ (بخاری شریف ج ۳ صفحہ ۱۴۴ طبع مصر) والعیاذ باللہ۔ اگر جناب عثمان کی جمع و ترتیب بالکل ترتیب رسول کے مطابق تھی تو پھر جامع قرآن کے لقب کے جناب رسول خدا مستحق ہیں یا عثمان؟ کیا اہلسنت میں کوئی رجل رشید ہے جو ان سوالات کے تحقیقی اور مقنع جوابات دے کر منہ مانگا انعام حاصل کرے؟ مگر ہم علی وجہ البصیرت کہہ سکتے ہیں کہ ؎ نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

حضرت امیر علیہ السلام کا جمع کردہ قرآن کیسا تھا؟

اہلسنت ان روایات کو جن میں حضرت امیر علیہ السلام کے قرآن مرتب کرنے کا تذکرہ ہے جامع عثمان کی طرح خوب اچھالتے ہیں کہ شیعوں کا قرآن اب امام زمانہ کے پاس ہے۔ لہٰذا ان کا اس قرآن پر ایمان نہیں ہو سکتا اس سے وہ عوام الناس کو یہ تاثر دینے کی سعی نا فرجام کرتے ہیں کہ آنجناب کا جمع کردہ قرآن موجودہ قرآن سے حقیقت اور مطالب کے اعتبار سے بالکل الگ تھا۔ حالانکہ کتب اہلسنت سے اس کی تائید نہیں بلکہ اس کی تردید ہوتی ہے۔ اور واضح ہوتا ہے کہ آنجناب نے ترتیب نزول کے مطابق اسے مرتب فرمایا تھا چنانچہ تفسیر اتقان ج ۱ صفحہ ۷۲ طبع مصر میں ہے قد ورد عن علیؑ انہ جمع القرآن علی ترتیب النزول عقب موت النبیؐ اخرجہ ابو داود (کذا فی صفحہ ۶۳/۶۴) یعنی ابو داؤد کے بیان کے مطابق حضرت علیؑ نے آنحضرتؐ کی وفات کے بعد قرآن کو اس کی ترتیب نزول کے مطابق جمع کیا تھا" اور مزید برآں اس میں اپنے تفسیری و تشریحی بیانات و افادات بھی تھے جن سے آیات قرآنیہ کا باہمی ربط اور ان کا شان نزول معلوم ہو جاتا تھا اسی بنا پر مسلم عالم اہلسنت ابن سیرین کہا کرتا تھا کہ لو اصیب ذلک الکتاب کان فیہ العلم) اگر جناب امیر علیہ السلام کا جمع کردہ قرآن مجید دستیاب ہو جاتا تو علم کا ذخیرہ ہاتھ آ جاتا (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۸۵ طبع جدید مصر) ابن طبرسی سے یہ بھی مروی ہے کہ آنجناب نے اس میں ناسخ و منسوخ کو بھی جمع کر دیا تھا (تفسیر اتقان ج ۱ صفحہ ۵۹)

ان شیعی روایات کا جو موہم تحریف ہیں تحقیقی جواب

مذکورہ بالا تحقیق بیان حقیقت ترجمان سے ان شیعی روایات کا حقیقی حل واضح ہو جاتا ہے جو بظاہر موہم تحریف ہیں۔ جن کا ایک شمہ مؤلف آفتاب نے بھی نقل کیا ہے۔ مثلاً جابر والی روایت کہ امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ جو شخص سوائے علی اور ائمہ اہلبیت کے نزول کے مطابق جمع قرآن کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے (اصول کافی) اس میں بھی "کما انزلہ اللّٰہ" کے الفاظ موجود ہیں۔ اور جن روایات میں وارد ہے کہ یہ آیت یوں نازل ہوئی تھی یا جبرئیل سے یوں

لائے تھے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت کا حقیقی مفہوم جو بموجب ان علیما جبریل امین رب جلیل کی بارگاہ سے لاتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ وہ جملے تفسیری و توضیحی تھے اسی طرح وہ روایت جس میں درج ہے کہ امام رضا نے ابن ابی نصر کو قرآن دیا۔ اور اس نے کھول کر دیکھا تو اس میں بدیل سورہ لم یکن الذین کفروا الخ ستر شخصوں کے نام بقید ولدیت موجود تھے: ظاہر ہے کہ وہ تفسیر و تشریح قرآن تھی نہ کہ تنزیل قرآن یہ ایسا صاف و سادہ مفہوم ہے جو کسی سلیم الطبع اور صحیح الدماغ آدمی پر مخفی و مستور نہیں ہے۔ ع الاان اکمۃ لم یبصر القمرا

الزامی جواب

اور اگر اس مفہوم کے تسلیم کرنے میں برادران اسلامی کو اباء و انکار ہو تو پھر ہم بہانگ دہل کہتے ہیں کہ اگر ایسی روایات کی بنا پر شیعوں کا قرآن پر ایمان نہیں ہو سکتا تو پھر

ع این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

بعینہ اسی قسم کی بکثرت روایات خود اہلسنت کی کتابوں میں موجود ہیں۔ لہذا ان کی موجودگی میں اہلسنت کا ایمان بھی قرآن مجید پر نہ ہے اور نہ ہی ہو سکتا ہے لہذا۔

ع یہی تھے وہ صاب سولوں پاک ہو گئے۔

اب جب کہ بقول اہلسنت موجودہ قرآن پر شیعوں کا ایمان نہیں اور بقول شیعہ اہلسنت کا اس پر ایمان نہیں تو آخر قرآن پر کس کا ایمان ہے؟ شاید ہندوؤں کا ہوگا!

ع شرم تم کو مگر نہیں آتی
لیجیے ان روایات کا ایک شمہ بیان کیے دیتے ہیں

وہ روایات اہلسنت جو موہم تحریف ہیں

(۱) موجودہ قرآن مجید میں یہ آیت مبارکہ یوں پڑھی جاتی ہے حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطی وقوموا للہ قانتین گر تفسیر در منثور جز ا ص ۳۰۲ میں عمرو بن رافع سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کنت اکتب مصحفا لحفصۃ زوج النبی فقالت اذا بلغت ھذہ الایۃ فاذنی حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطی فلما بلغتہا اذنتہا فاملت علی حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطی وصلوۃ العصر وقوموا للہ قانتین وقالت اشہد انی سمعتہا من رسول اللہ یعنی میں جناب حفصہ زوجہ رسول کے قرآن کی کتابت کرتا تھا انہوں نے کہا کہ جب آیت حافظوا علی الصلوۃ الخ تک پہنچو تو مجھے اطلاع دینا چنانچہ جب میں اس آیت پر پہنچا تو میں نے ان کو اطلاع دی انہوں نے اس آیت کو اس طرح لکھایا حافظوا علی الصلوۃ والصلوۃ الوسطی وصلوۃ العصر اور کہا میں گواہی دیتی ہوں کہ میں نے اس آیت کو جناب رسول خدا سے اسی طرح سنا مگر موجودہ قرآن میں تو العصر غائب ہے

(۲) موجودہ قرآن میں یہ آیت اس طرح ہے یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک

فان لم تفعل فما بلغت رسالته واللہ یعصمک من الناس ۔ مگر تفسیر درمنثور ج ۲ ص۲۹۸ طبع مصر میں جناب ابن مسعود سے روایت ہے کہ عہد نبوی میں ہم اس کو اس طرح پڑھا کرتے تھے یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ''ان علیاً مولی المومنین'' وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ ''، مگر آج ''ان علیاً مولی المومنین'' ندارد ہے۔

(۳) تفسیر اتقان ج ۲ ص۲۶ تفسیر درمنثور ج ۵ ص۱۸۰ پر متعدد روایات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلے قرآن مجید میں آیت رجم'' بھی تھی۔ ابی بن کعب بیان کرتے ہیں۔ کنا نقرأ فیہا آیۃ الرجم قلت وما آیۃ الرجیم؟ قال اذا زنا الشیخ والشیخۃ فارجموھما البتۃ نکالاً من اللہ واللہ عزیز حکیم یعنی ہم اس سورۃ (احزاب) میں آیت رجم بھی پڑھا کرتے تھے میں (ذر بن جیش) نے کہا کہ وہ آیت رجم کیا تھی؟ کہا اذا زنا الشیخ الخ ۔ مگر موجودہ قرآن میں اس آیت کا کہیں نام و نشان تک نہیں ہے جناب عمرؓ کہا کرتے تھے لولا ان یقول الناس زاد عمر فی کتاب اللہ لکتبت آیۃ الرجم بیدی اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے کہ عمرؓ نے کتاب خدا میں زیادتی کردی ہے تو میں اپنے ہاتھ سے قرآن مجید میں آیت رجم لکھ دیتا بخاری ج ۴ ص۱۶۳ طبع مصر، اس سے جناب حضرت عمرؓ کا نقیصہ باز ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔

(۴) موجودہ قرآن مجید میں یہ آیت اس طرح ہے ''ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین آمنو صلو علیہ وسلمو تسلیما مگر روایات اہلسنت سے ثابت ہوتا ہے کہ ''قبل ان یغیر عثمان المصاحف'' عثمانؓ کے قرآن مجید میں تغیر و تبدل کرنے سے پہلے جناب عائشہؓ و حفصہؓ کے مصاحف میں اس آیت کا تتمہ اس طرح تھا والذین یصلون الصفوف الاول ''، مگر آج یہ تتمہ موجود نہیں ہے (تفسیر درمنثور ج ۵ ص۲۲۰ واتقان ج ۲ ص۲۵ ۔

(۵) موجودہ قرآن میں یہ آیت اس طرح ہے کفی اللہ المومنین القتال لیکن اہلسنت کی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصل میں یہ آیت یوں نازل ہوئی تھی ''وکفی اللہ المومنین القتال بعلی بن ابیطالب (ملاحظہ ہو تفسیر درمنثور ج ۵ ص۱۹۱) مگر موجودہ قرآن میں اس آیت کے اندر جناب امیر علیہ السلام کا اسم گرامی موجود نہیں ہے بنظر اختصار اسی مختصر مقدار پر اکتفا کی جاتی ہے ورنہ محمد سفینہ چاہئے اس بحر بے کراں کیلئے

سہ انکہ غم دل با تو گفتم و بدل ترسیدم ٭ کہ دل اندوہ شوی ورنہ سخن بسیار است۔

ناظرین کرام نے بچشم خود ملاحظہ فرمایا ان روایات کا لب و لہجہ بعینہ وہی ہے جو شیعہ روایات کا ہے لہٰذا بات بالکل واضح ہے کہ اگر ان روایات کی بنا پر شیعوں کا قرآن پر ایمان نہیں ہو سکتا تو پھر ان روایات کی وجہ سے اہلسنت کا بھی قرآن پر ایمان نہیں ہو سکتا اس لئے وہ اپنے ایمان بالقرآن

کو ثابت کرنے کے لئے جو جواب ان روایات کا پیش کرینگے بعینہ وہی جواب ہماری طرف سے بھی سمجھ لیں! فما ھو جوابکم فھو جوابنا یہ بات واضح رہے کہ اگر مولوی کرم الدین آف بھیں بقول خود دو امام جلال الدین سیوطی کے مقلد نہیں تو ہم بھی ثقۃ الاسلام کلینیؒ اور ان کے استاد محترم جناب علی بن ابراہیم قمیؒ کے مقلد نہیں ہیں کہ ان کی رائے ہمارے لئے حجت ہو (اور جہاں تک ان کی نقل کردہ روایات کا تعلق ہے ان کا حل ہم نے سابقاً پیش کر دیا ہے)

اوا سے دیکھ لو جاتا رہے گلہ دل کا ؛ بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا۔

نسخ والی تاویل علیل کا ابطال

مولوی کرم دین صاحب نے ان روایات سے اشارۃً گلو خلاصی کرانے کے لئے "نسخ" کا کمزور سہارا لینے کی بیجا کوشش بھی کی ہے کہ "آیات نازل تو ہوئیں مگر بعد میں منسوخ التلاوہ ہوگئیں اور یہ واقعہ عہد نبوی کا ہے نہ بعد کا" یہ تاویل بچند وجہ تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہونے کی وجہ سے قابل اعتبار نہیں ہے۔

اولاً۔ نسخ صرف عہد رسالت میں واقع ہو سکتی ہے نہ کہ ان کے بعد چنانچہ تفسیر اتقان جلد ۲ صفحہ ۲۶ طبع مصر میں بالوضاحت لکھا ہے کہ "غیر جائز نسخ شئی من القرآن بعد وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی وفات رسولؐ کے بعد نسخ قرآن جائز نہیں ہے مگر ان روایات میں تصریحات موجود ہیں کہ عثمانؓ تک تغیر و تبدل کرنے سے پہلے ازواج النبی فلاں آیت کو اس طرح پڑھتی اور لکھواتی تھیں اور فلاں فلاں صحابی فلاں آیت کو اس طرح پڑھتے تھے۔ اگر فی الواقع وہ آیات منسوخ ہوگئی تھیں تو کیا رسولؐ کی گھر والیوں کو اس بات کا علم نہ تھا جس کا مولوی کرم دین کو ہوگیا۔

ع بہر خدا کہ عارف سالک بکس نگفت ۔ در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید؟

ثانیاً۔ نسخ کے چند شرائط ہیں۔ جب تک وہ موجود نہ ہوں اس وقت تک کسی آیات کو منسوخ تصور نہیں کیا جا سکتا منجملہ ان شرائط کے ایک یہ ہے "انما یرجع فی النسخ الی نقل صحیح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او من صحابی یقول آیۃ کذا نسخت کذا" یعنی نسخ کے سلسلہ میں صرف جناب رسول خداؐ کی صریح حدیث یا کسی صحابی کے صریحی قول پر ہی اعتماد کیا جا سکتا ہے جس میں یہ وضاحت ہو کہ فلاں آیت نے فلاں آیت کو منسوخ کر دیا ہے (تفسیر اتقان ج ۲ صفحہ ۲۴) دوسری یہ کہ "ولا یعتمد فی النسخ قول عوام المفسرین بل ولا اجتہاد المجتہدین من غیر نقل صحیح ولا معارضۃ بینۃ الخ" یعنی نسخ کے متعلق سوائے حدیث صحیح یا بینہ و برہان کے صرف عام مفسرین کے قول بلکہ ائمہ مجتہدین کے اجتہاد پر بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ (ایضاً ج ۲ صفحہ ۲۴)

بنابریں مولوی کرم الدین صاحب جو بیچارے نہ مفسر ہیں اور نہ مجتہد ان کے کھوکھلے دعویٰ کا

کیا ذرہ باقی رہ جاتا ہے؟ ہاں اگر ان کے ہمنواؤں میں کچھ علمی دم خم ہے تو اس سلسلہ میں کوئی حدیث صحیح پیش کریں اور اپنے علم و فضل اور وسعت نظر کی ہم سے داد لیں وان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ۔

ثالثاً۔ ارشاد قدرت ہے ما ننسخ من آیۃ او ننسھا نأت بخیر منہا او مثلہا۔ ہم جب بھی کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں یا بھلاتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی اور آیت لاتے ہیں اس ارشاد ربانی سے بعبارۃ النص واضح ہوتا ہے کہ جس قدر آیات منسوخہ ہوں اتنی ہی ناسخ آیات موجود ہوتی ہیں۔ لہٰذا دعویداران نسخ اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو وہ ان آیات کی ناسخ آیات پیش کریں۔ اور ہم سے ایک ہزار روپیہ نقد بطور انعام حاصل کریں کوئی ہے مرد میدان جو حاصل کرے یہ انعام؟

ع کس بمیداں درنمی آید سواراں راچہ شد؟

بعض علماء کا نظریہ پورے مذہب کا نظریہ نہیں ہو سکتا۔ جب مولف آفتاب ہدایت یہ تسلیم کرتے ہیں کہ "اس مسئلہ میں علماء شیعہ کے درمیان اختلاف ہے بعض تحریف کے قائل ہیں اور بعض اس کے منکر" (صہ۵۲ آفتاب) تو یہ کہاں کا انصاف ہے کہ بعض علماء کے نظریہ کو پورے مذہب کا نظریہ قرار دیتے ہوئے پورے مذہب کو مطعون کیا جائے جب تک کسی مذہب کے تمام ذمہ دار علماء کا کسی نظریہ پر اتفاق نہ ہو اس وقت تک اسے اس مذہب کا نظریہ نہیں کہا جا سکتا مولوی صاحب موصوف کا یہ کہنا ہے کہ "دوسرے فریق یعنی منکرین تحریف کا صرف اپنا قول ہی ہے کوئی حدیث و دلائل ہیں وہ پیش نہیں کرتے پھر ان کا قول بلا دلیل کس طرح مانا جا سکتا ہے؟ (صہ۵۳) تو یہ درست نہیں ہے کیونکہ یہ فریق اپنے نظریے کے ثبوت میں آئمہ معصومین کے ارشادات پیش کرتا ہے مگر ان کے دیکھنے کیلئے دیدہ بینا چاہیئے۔ ع دیدہ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے؟

موجودہ قرآن کی توثیق از آئمہ اہلبیت۔ لیجئے ہم ذیل میں ان احادیث و ارشادات کا ایک شمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں ۱ جناب امیر علیہ السلام اسی موجودہ قرآن مجید کے متعلق فرماتے ہیں "ان اخذتم بما فیہ نجوتم من النار و دخلتم الجنۃ" اگر تم نے اس پر عمل کیا تو جہنم سے نجات پا جاؤ گے اور جنت میں داخل ہو جاؤ گے (احتجاج طبرسی صہ۸۲) ۲ حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں "ما بین الدفتین کتاب اللہ" کہ جو کچھ دو دفتیوں کے درمیان موجود ہے یہ خدا کی کتاب ہے" (نہج البلاغہ شرح صہ) ۳ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں اقرؤا کما یقرأ الناس۔ قرآن کو اسی طرح پڑھو جس طرح دوسرے مسلمان پڑھتے ہیں (مقدمہ سادسہ تفسیر صافی) حضرت امام علی نقی علیہ السلام فرماتے ہیں اجمعت الامۃ قاطبۃ لا اختلاف بینہم فی ذلک علی ان القرآن حق لا ریب فیہ عند جمیع فرقہا (الی ان قال) فاذا شہد القرآن بتصدیق خبر و تحقیقہ فانکرتہ طائفۃ

من الامۃ وعارضتہ بحدیث من ھذہ الاحادیث المزورۃ فصارت بانکارہا و دفعہا الکتاب کفاراً ضلالاً الخ یعنی قرآن مجید وہ برحق کتاب ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں پس جب قرآن کسی حدیث کی شہادت دے دے اور امت کا کوئی گروہ اس کا انکار کردے اور کسی من گھڑت حدیث کو اسکے مقابلہ میں پیش کردے تو وہ اس انکار کی وجہ سے گمراہ اور کافر بن جائے گا (احتجاج طبرسی ص۲۴۹ طبع النجف)

روایتِ صادقؑ کا جواب! باقی رہی وہ روایت صادقؑ جس میں وارد ہے کہ قرآن کی سترہ ہزار آیات تھیں اور موجودہ قرآن کی آیات بقول مولف ۶۶۶۶ ہیں (ص۳۴۰ افتاب) بعد از تسلیم صحت سند اس کے دو جوابات دیئے جا سکتے ہیں

پہلا حِلّی جواب: محققین پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ قرآن کے رکوعات وآیات کی تقسیم اعداد کا تجزیہ پیغمبر اسلام سے ثابت نہیں ہے بلکہ یہ محض تلاوت کی سہولت کی خاطر بعد کی پیداوار ہے لہذا عین ممکن ہے کہ یہ اختلاف آیات کی کمیت (مقدار) کے اختلاف پر مبنی ہو یعنی بعض نے ایک حصۂ قرآنی کو ایک آیت شمار کیا ہو اور بعض نے اسے دو آیتیں قرار دے دیا۔ چنانچہ ابن عباس کا قول ہے کہ جمیع الی القرآن ستۃ الاف آیۃ وست عشر آیۃ۔ یعنی آیات قرآنی کی کل تعداد چھ ہزار چھ سو سولہ (۶۶۱۶) (تفسیر اتقان ج اص۶۹)۔ فاصل درنی چھ ہزار قرار دیتے ہیں اور بعض کا قول ہے کہ چھ ہزار دو سو چار ہیں (اتقان ج اص۶۹) اور مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے اپنی حمائل مترجم میں جو انڈکس دیا ہے اس میں ۶۲۳۷ آیات درج ہیں۔ اور مولوی صاحب ۶۶۶۶ بتاتے ہیں۔ تو اس اختلاف کی سوائے اس کے اور کیا تاویل کی جا سکتی ہے چنانچہ علامہ سیوطیؒ اور دیگر کئی علماء نے یہی نظریہ اختیار کیا ہے

دوسرا الزامی جواب! عبداللہ بن عمر کہا کرتے تھے لایقولن احد اخذت القرآن کلہ ومایدریہ ما کلہ قد ذہب منہ قرآن کثیر۔ کوئی شخص ہرگز یہ نہ کہے کہ میں نے پورا قرآن شریف حاصل کرلیا ہے اسے کیا خبر کہ پورا قرآن شریف کتنا تھا؟ بہت سا قرآن تو جا چکا ہے (تفسیر درمنثور ج اص۲۵) تو جو جواب اہلسنت اس روایت کا دیں گے وہی جواب ہم اپنی روایت کا دیں گے حذو النعل بالنعل والقذۃ بالقذۃ۔

جفر وجامعہ اور مصحف فاطمہؑ والے ایراد کا جواب! مؤلف افتاب نے شیعہ کے متعدد قرآن کا تیسرا عنوان قائم کر کے اس کے ذیل میں جفر وجامعہ اور مصحف فاطمہؑ والی روایات کو جو غلط انداز اور غلط ترجمہ کے ساتھ پیش کیا ہے اس سے انہوں نے اپنے علم وفضل اور دین ودیانت کا بھانڈا چوراہے پر پھوڑ دیا ہے سچ ہے۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد ٭ میلش اندر طعنۂ پاکاں زند

شفاالخفاجی طبع مصر ج ۱ ص ۱۳ پر ،، مصحف فاطمہؑ کا تذکرہ موجود ہے نیز کتاب کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون مطبوعہ مصر میں بھی جفر و جامعہ کی پوری پوری تشریح و توضیح موجود ہے اور چونکہ یہ اشیاء تبرکات امامت سے ہیں اس لیئے وہ امام العصر والزمان عجل اللہ تعالیٰ فرجہ کے پاس موجود ہیں دوسرے لوگوں سے ان کا پہلے تعلق تھا اور نہ اب ہے۔ فکشفنا عنک غطائک فبصرک الیوم حدید۔

بقول اہلسنت قرآن میں غلطیاں ہیں : مولوی صاحب نے بموجب آنیکہ "نزلہ بر عضو ضعیف می ریزد" حضرت علامہ حائری مرحوم کے تلمیذ رشید مولانا مرزا احمد علی صاحب مرحوم پر جو نزلہ گرایا ہے کہ انہوں نے لکھا ہے کہ قرآن میں غلطیاں ہیں۔ حاشا وکلا کوئی بھی شیعہ کبھی یہ جرأت و جسارت نہیں کرسکتا۔ انہوں نے تو آپ کے بزرگوں کا کاشتہ برداشت کیا ہے۔ اور آپ کے خلفا کا آموختہ دھرایا ہے اگر شک ہو تو ذرا امام جلال الدین سیوطی کی تفسیر اتقان ج ۱ ص ۱۰۳ طبع مصر اٹھا کر دیکھیں۔ یہ بحث بہت طویل ہے۔ صاحب استقصاء الافحام نے پورے تیس صفحات تک اسے پھیلا کر لکھا ہے ہم صرف بطور نمونہ دو چار حوالے پیش کرتے ہیں جن سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ قرآن میں غلطی کا قائل کونسا فرقہ ہے؟

۱۔ جب عثمان صاحب کے حکم سے کتابت قرآن مکمل ہوگئی اور قرآن ان کی خدمت میں پیش کیا گیا تو انہوں نے اسے ملاحظہ کرنے کے بعد کہا۔ ان فی القرآن لحنا وستقیمہ العرب بالسنتہا۔ یعنی قرآن میں کچھ غلطیاں ہیں عرب اپنی زبانوں سے خود درست کرلیں گے (۱) معالم التنزیل بغوی ص ــــ اتقان ص ــــ مشکل القرآن ابن قتیبہ (۲) ان ھذان لساحران قالوا ذلک خطأ من الکاتب۔ کہا ہے اس آیت میں کاتبوں سے غلطی ہوگئی ہے کہ ان ھذین کی بجائے ان ھذان لکھ دیا وقیہ کفایۃ لمن لہ ادنی درایۃ (معالم التنزیل و اتقان)

۳۔ لکن الراسخون فی العلم منہم والمؤمنون یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک والمقیمین الصلوٰۃ اس آیت میں ،، والمقیمین الصلوٰۃ ،، کے متعلق جناب عائشہ اور ابان بن عثمان کا فیصلہ ہے کہ غلط کہ یہ غلط ہے (دراصل اسے والمقیمون الصلوٰۃ ہونا چاہیئے تھا) (تفسیر اتقان)

عقلی دلیل کا جواب ۔ باقی رہا یہ امر کہ جس جامع قرآن کے ایمان پر شیعہ کو یقین نہیں اس کے جمع کردہ قرآن پر وہ کس طرح ایمان لا سکتے ہیں؟ تو اس کا جواب واضح ہے کہ ہم اس لئے اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ ہمارے آئمہ معصومینؑ نے اس کی توثیق کر دی ہے جیسا کہ سطور بالا میں واضح کیا جا چکا ہے۔ اگر ان کی توثیق نہ ہوتی تب البتہ ہمارے لئے اس پر اعتقاد کرنا مشکل ہو جاتا مگر جب علمی مشکل کشاؤں نے یہ مشکل حل کر دی ہے تو اب کوئی اجمال و اشکال باقی نہیں رہا والحمدللہ علی احسانہ۔

شیعوں میں حافظ قرآن نہ ہونے کا مضحکہ خیز استدلال ۔ سچ ہے کہ الغریق یتشبث بکل حشیش

یعنی ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ان حضرات کو جب اپنے مذہب کی صداقت پر عقلی و نقلی دلائل و براہین نہیں ملتے تو ایسے عجیب و غریب بذلوجی حرکات کرتے ہیں مما الضحک منہ الثکلیٰ۔ بھلا اس بات میں بھی کوئی وزن ہے کہ شیعوں میں کوئی حافظ قرآن نہیں اور نہ ہو سکتا ہے اگر افریقہ کے صحرائے اعظم میں یا قرون مظلمہ میں کوئی شخص ایسی بڑ مارتا تو شاید اُسے معذور سمجھا جا سکتا تھا لیکن اس درخشندہ روشن اور سائنسی دور میں کوئی شخص ایسی بے پر کی اڑاتا ہے تو اس کا صحیح مقام "پاگل خانہ" ہے ہم نے تو ثقہ آدمیوں سے سنا ہے کہ عیسائیوں اور آریوں میں بھی حافظ قرآن ہوتے تھے اور ہیں اور ہم نے قرآن میں یہ پڑھا ہے کہ شیطان لوگوں کو قرآن بھلاتا ہے (ولینسیہم ذکر اللہ) (اور یہ شیطان کا ہی فعل ہو سکتا ہے)۔ مگر برادران اسلام یہ کہتے ہیں کہ "اصحاب ثلاثہ" لوگوں کو قرآن بھلا دیتے ہیں۔ اب ارباب دانش و بینش خود غور فرمائیں کہ اصحاب ثلاثہ کی توہین یہ لوگ کرتے ہیں یا ہم؟ سچ ہے کہ نادان دوست سے عقلمند دشمن بہتر ہوتا ہے۔

بعض شیعہ حفاظ کا تذکرہ

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ مذہب شیعہ میں ہمیشہ بڑے بڑے حفاظ قرآن رہے ہیں اور ہیں۔ امامیہ مشن لکھنؤ نے دو جلدوں میں ایک کتاب شائع کی ہے جس کا نام "تذکرہ حفاظ شیعہ" ہے جس میں صرف شیعہ حفاظ کے حالات و سوانح حیات مذکور ہیں اس وقت صرف صوبہ پنجاب میں بفضل ایزدی بیسیوں شیعہ حفاظ کرام موجود ہیں۔ ذیل میں بعض حفاظ کے اسماء گرامی درج کیے جاتے ہیں (۱) صدر الحفاظ دا لواعظ مولانا الحاج حافظ سیف اللہ صاحب جعفری مدظلہ[رحمۃ اللہ] آف چونیاں ضلع قصور (۲) رئیس الحفاظ حافظ عبد العلی صاحب آف جمن شاہ ضلع مظفر گڑھ۔ (۳) رئیس الحفاظ حافظ راجہ محمد عنایت صاحب آف گرڑھا تحصیل پنڈدادنخان ضلع جہلم۔ (۴) زعیم الحفاظ جناب مولانا حافظ سید ریاض حسین صاحب نجفی علی پور ضلع مظفر گڑھ (۵) افتخار الحفاظ حافظ شیر خان چک نمبر ۸ و شمالی ضلع سرگودھا (۶) فخر الحفاظ مولانا حافظ سید محمد سبطین صاحب آف علی پور ضلع مظفر گڑھ (۷) عماد الحفاظ مولانا سید محمد حسین صاحب آف علی پور (۸) فخر الحفاظ حافظ علی محمد صاحب آف بھوجہ ضلع جھنگ۔ (۹) نخبۃ الحفاظ حافظ شیر محمد صاحب آف جسوال تحصیل پھالیہ ضلع گجرات (۱۰) زبدۃ الحفاظ حافظ سید قادر علی شاہ صاحب آف بھابڑہ تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا (۱۱) زبدۃ الحفاظ حافظ سید فضل حسین صاحب آف کوٹلہ قائم علی شاہ ضلع ڈیرہ اسماعیل خان (۱۲) ظہیر الحفاظ جناب مولانا حافظ عبد الحلیم صاحب آف پنڈدادنخان ضلع جہلم (۱۳) فخر الحفاظ حافظ اقبال حسین صاحب آف بی شاہ تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا (۱۴) نعیم الحفاظ جناب مولانا حافظ غلام حیدر صاحب آف چک نمبر ۲ آف گھوڑپور تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا۔ (۱۵) قیم الحفاظ حافظ علی محمد صاحب آف دھجہ ضلع سرگودھا (۱۶) عمدۃ الحفاظ [redacted] حافظ قاری نور محمد صاحب وارد پارہ چنار (۱۷) معین الحفاظ حافظ محمد سبطین

---

[1] اب مرحوم ہو چکے ہیں کا انتقال پُرملال ۲۴ اگست ۱۹۸۰ء مطابق ۲۹ ماہ رمضان ۱۴۰۰ھ بمقام میو ہسپتال لاہور ہوا اور چونیاں میں سپرد خاک ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خدا حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا انکی وفات سے مذہب و ملت کی دنیا میں وہ رخنہ و خلا پیدا ہوا ہے جس کے پر ہونے کی کوئی امید نہیں ہے۔ سجادت اور اخلاق و جادو بیان شان خطابت و جہاد رنی۔
(سوگوار مصنف)

یعنی ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ان حضرات کو جب اپنے مذہب کی صداقت پر عقلی و نقلی دلائل و براہین نہیں ملتے تو ایسے عجیب و غریب بدبوجی حرکات کرتے ہیں مما تضحك منه الثكلىٰ۔ بھلا اس بات میں بھی کوئی وزن ہے کہ شیعوں میں کوئی حافظ قرآن نہیں اور نہ ہو سکتا ہے اگر افریقہ کے صحرائے اعظم میں یا قرون مظلمہ میں کوئی شخص ایسی بڑ مارتا تو شاید اُسے معذور سمجھا جا سکتا تھا لیکن اس درخشندہ روشن اور سائنسی دور میں کوئی شخص ایسی بے پرکی اڑاتا ہے تو اس کا صحیح مقام "پاگل خانہ" ہے ہم نے تو ثقہ آدمیوں سے سنا ہے کہ عیسائیوں اور آریوں میں بھی حافظ قرآن ہوتے تھے اور ہیں اور ہم نے قرآن میں یہ پڑھا ہے کہ شیطان لوگوں کو قرآن بھلاتا ہے (فانسيهم ذكر الله) (اور یہ شیطان کا ہی فعل ہو سکتا ہے)۔ مگر برادران اسلام یہ کہتے ہیں کہ "اصحاب ثلاثہ" لوگوں کو قرآن بھلا دیتے ہیں۔ اب ارباب دانش و بینش خود غور فرمائیں کہ اصحاب ثلاثہ کی توہین یہ لوگ کرتے ہیں یا ہم؟ سچ ہے کہ نادان دوست سے عقلمند دشمن بہتر ہوتا ہے۔

بعض شیعہ حفاظ کا تذکرہ

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ مذہب شیعہ میں ہمیشہ بڑے بڑے حفاظ قرآن رہے ہیں اور ہیں۔ امامیہ مشن لکھنؤ نے دو جلدوں میں ایک کتاب شائع کی ہے جس کا نام "تذکرہ حفاظ شیعہ" ہے جس میں صرف شیعہ حفاظ کے حالات و سوانح حیات مذکور ہیں اس وقت صرف صوبہ پنجاب میں بفضل ایزدی بیسیوں شیعہ حفاظ کرام موجود ہیں۔ ذیل میں بعض حفاظ کے اسماء گرامی درج کیے جاتے ہیں (۱) صدر الحفاظ و الوعاظ مولانا الحاج حافظ سیف اللہ صاحب جعفری مدظلہ[1] آف چونیاں ضلع قصور (۲) رئیس الحفاظ حافظ عبدالعلی صاحب آف جمن شاہ ضلع مظفر گڑھ۔ (۳) رئیس الحفاظ حافظ راجہ محمد عنایت صاحب آف گڑھا تحصیل پنڈدادنخان ضلع جہلم۔ (۴) زعیم الحفاظ جناب مولانا حافظ سید ریاض حسین صاحب نجفی علی پور ضلع مظفر گڑھ (۵) افتخار الحفاظ حافظ شیر خان چک نمبر ۸ و شمالی ضلع سرگودھا (۶) فخر الحفاظ مولانا حافظ سید محمد سبطین صاحب آف علی پور ضلع مظفر گڑھ (۷) عماد الحفاظ مولانا سید محمد حسین صاحب آف علی پور (۸) فخر الحفاظ حافظ علی محمد صاحب آف بجوعہ ضلع جھنگ۔ (۹) نخبۃ الحفاظ حافظ شیر محمد صاحب آف جسوال تحصیل پھالیہ ضلع گجرات (۱۰) زبدۃ الحفاظ حافظ سید نادر علی شاہ صاحب آف بھابڑہ تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا (۱۱) زبدۃ الحفاظ حافظ سید فضل حسین صاحب آف کوٹلہ قائم علی شاہ ضلع ڈیرہ اسماعیل خان (۱۲) ظہیر الحفاظ جناب مولانا حافظ عبدالحلیم صاحب آف پنڈدادنخان ضلع جہلم (۱۳) فخر الحفاظ حافظ اقبال حسین صاحب آف بتی شاہ تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا (۱۴) نعیم الحفاظ جناب مولانا حافظ غلام حیدر صاحب آف چک نمبر ۳ آف گھوڑپور تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا۔ (۱۵) قیم الحفاظ حافظ علی محمد صاحب آف دیجھ ضلع سرگودھا (۱۶) عمدۃ الحفاظ حافظ قاری نور محمد صاحب وارد پارہ چنار (۱۷) معین الحفاظ حافظ محمد سبطین

[1] آپ مرحوم [illegible] کا انتقال پُرملال ۲۴ اگست ۱۹۸۰ء بمطابق ۲۹ ماہ رمضان ۱۴۰۰ھ بمقام میو ہسپتال لاہور ہوا اور چنیوٹ میں سپرد خاک ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خدا حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا آپ کی وفات سے مذہب و ملت کی دیوار میں وہ رخنہ و خلا پیدا ہوا ہے جس کے پُر ہونے کی کوئی امید نہیں ہے۔ [illegible]
(سوگوار مصنف)

صاحب آف لڑی بھیال تحصیل پنڈدادنخان ضلع جہلم۔ وغیرہم کثر اللہ امثالہم۔

شیعہ حفاظ قرآن کی قلت کی وجہ ۔ ہاں یہ درست ہے کہ جس طرح بمقابلہ برادران اسلامی ہماری تعداد کم ہے اسی نسبت سے ان کے حفاظ کے بالمقابل ہمارے حفاظ کرام کی تعداد بھی قلیل ہے (وقلیل من عبادی الشکور) ان کے ہاں کثرت کی وجہ وہ نہیں جس کا ذکر مؤلف نے کیا ہے بلکہ یہ بدعت عمری، (نماز تراویح) کی برکت ہے ان کی اکثریت دنیوی فائدہ کی خاطر قرآن حفظ کرتی ہے اور ہماری اقلیت محض ثواب اخروی کی خاطر یاد کرتی ہے وشتان ما بینہما ؎

سماع وعظ کجا نغمہ رباب کجا ٭ ببیں تفاوت راہ کجاست تا بکجا۔

آخر کلام میں مؤلف نے چکوال میں شیعوں کو اپنے جس چیلنج کرنے اور رئیس الحفاظ حافظ کفایت حسین صاحب مرحوم کے بلائے جانے اور ان کے ناکام ہونے کا جو لطیفہ بیان کیا ہے وہ اہالیان چکوال کے ثقہ بیان کے مطابق بالکل کیفہ ہے اس مناظرہ کے دیکھنے والے بفضلہ تعالیٰ کچھ ذمہ دار افراد آج بھی بقید حیات موجود ہیں۔ جو شیعہ علماء وحفاظ کی نمایاں کامیابی کے چشم دید گواہ ہیں۔ نہ معلوم بزعم خود صدیقؓ کے ماننے والوں کی آنکھوں کا پانی کہاں ڈھلک گیا ہے۔ کہ ان کو صریح کذب بیانی کرتے ہوئے ذرا بھی جھجک محسوس نہیں ہوتی سچ ہے۔ چو بے حیا باشی ہر چہ خواہی کن۔ اس مناظرہ کی مکمل روئیداد کتاب "میزان المقال در مناظرہ چکوال" میں مندرج ہے تفصیلات معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات اس کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

جہاں تک امام زمانہؑ اور قاتلان سید الشہداؑ کے مذہب کے متعلق صاحب کتاب کی ہرزہ سرائی کا تعلق ہے ہم اس کتاب کے مناسب مقامات پر جہاں بالتفصیل مؤلف نے ان موضوعات کو چھیڑا ہے ان پر مناسب نقد و تبصرہ کریں گے انشاء اللہ قارئین کرام انتظار فرمائیں وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ ہباءً منثورا۔ اب ذیل میں ان کے مایہ ناز مسئلہ "مدح صحابہ" کا تذکرہ مع بیّنہ تبصرہ پیش کرتے ہیں وبیدہ ازمۃ التحقیق وہو خیر رفیق۔

فضائل اصحاب ثلاثہ کا ثبوت قرآن کریم سے

اس عنوان کے تحت مؤلف کتاب نے صفحہ ۶ سے لے کر صفحہ ۱۰ تک وہ آیات قرآنی درج کی ہیں جن سے بزعم خویش "وہ اصحاب ثلاثہ کے فضائل روز روشن کی طرح واضح ہیں،" (صفحہ ۶) اس سلسلہ میں انہوں نے اٹھائیس عدد آیات مبارکہ کو پیش کر کے ان سے استدلال کیا ہے۔ ہم انہی کی ترتیب کے مطابق نمبر وار یکے بعد دیگرے ان آیات کو انہی کے ترجمہ اور خلاصہ استدلال کے ساتھ درج کر کے پھر بڑے اختصار مگر دلائل قاہرہ کے ساتھ ثابت کریں گے کہ ان آیات کا فضائل ثلاثہ کے ساتھ اتنا بھی ربط و تعلق نہیں ہے جتنا کہ سراب کا آب کے ساتھ ہوتا ہے۔ معزز ناظرین سے التماس ہے کہ وہ فریقین کے کلام و بیان اور دونوں کے استدلال کو بنظر انصاف دیکھنے کے بعد حق و باطل کا فیصلہ کریں اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ ـــ!

پہلی آیت والذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ والذین آووا ونصروا اولئک ھم المؤمنون حقا لہم مغفرۃ ورزق کریم (پ ۱۰ س انفال ع ۵)

ترجمہ ۔ جو لوگ ایمان لائے اور خدا کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا اور جنہوں نے مسلمان مہاجرین کو پناہ دی اور ان کی مدد کی وہ لوگ بالتحقیق مؤمن ہیں ان کے لیے مغفرت اور اعلیٰ نصیب بہشت ہے۔"

اس آیت میں خدا تعالیٰ نے بڑی صفائی سے کھلے الفاظ میں اصحاب ثلاثہ کے ایمان حقیقی اور ان کے بخشا جانے اور جنتی ہونے کی تصدیق فرمائی ہے اصحاب ثلاثہ بے شک والذین آمنوا کے پورے طور پر مصداق ہیں اور آنحضرت کے ساتھ ایمان لائے۔ آپ کے ساتھ خدا کی راہ میں ہجرت کی کفار سے جہاد کئے الخ۔۔۔

(آفتاب صـ ٦٠)

الجواب قبل اس سے کہ اس استدلال کا جواب دیا جائے۔ ایک قاعدہ کلیہ ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔ جو نہ صرف یہاں بلکہ آئندہ تمام متعلقہ آیات ومباحث میں بہت ہی کار آمد وسود مند ثابت ہوگا۔ اور وہ یہ ہے کہ بموجب "القرآن یفسر بعضہ بعضاً" (بعض قرآن دوسرے قرآن کی تفسیر کرتا ہے۔) جہاں بھی قرآن میں صرف اسلام وایمان لانے یا صرف ہجرت ونصرت کرنے یا صرف بیعت رسول کرنے پر بے حساب اجر وثواب بیان کیے گئے ہیں وہ چند شرائط کے ساتھ مشروط ہیں اگر وہ شرائط پائے گئے تو ثواب بھی ملے گا اور دوسرے آثار بھی مرتب ہوں گے اور اگر وہ شرائط نہ پائے گئے تو نہ وہ ثواب ملے گا اور نہ ہی دوسرے آثار مرتب ہوں گے کیونکہ اذا فات الشرط فات المشروط۔ وہ شرائط اگرچہ بہت ہیں مگر سب کی بازگشت تین بڑے شرائط کی طرف ہے جو یہ ہیں (۱) ایمان (۲) عمل صالح مع اخلاص (۳) استقامت اور خاتمہ بالخیر۔ ذیل میں بقدر ضرورت ان ہر سہ شرائط کی وضاحت کی جاتی ہے۔

حصول ثواب اور کسب فضائل کے شرائط کا بیان

پہلی شرط ایمان ہے قرآن مجید کی مختلف کڑیاں باہم ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ حصول ثواب کی پہلی شرط خالص ایمان ہے

چنانچہ ارشاد قدرت ہے وعد اللہ المؤمنین والمؤمنات جنات تجری من تحتہا الانہار خلدین فیہا الایہ (پ ١٠) س ١٥ ع ٩) ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں سے اللہ نے (بہشت کے) باغوں کا وعدہ کر لیا ہے جن کے تلے نہریں (پڑی) بہہ رہی ہوں گی (اور وہ) ان میں ہمیشہ رہیں گے (ترجمہ ڈپٹی نذیر احمد) اس سے معلوم ہوا کہ وعدہ ہائے جنت صرف اہل ایمان سے ہیں۔ مزید برآں دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔ ان اللہ حرمہما علی الکافرین (پ ٨ ع) خدا نے جنت اور اس کی نعمتیں کافروں پر حرام قرار دے دی ہیں لہٰذا جب بھی خدا اہل ایمان کے گروہ سے داخل جنت ہونے کی خوشخبری دے گا تو کسی بھی شخص کو اس گروہ میں داخل کرنے سے پہلے اس بات کی اچھی طرح جانچ پڑتال کرنا لازم ہوگی کہ آیا اس شخص میں ایمان پایا جاتا ہے یا نہ ؟

دوسری شرط عمل صالح ہے چونکہ ایمان ایک کیفیت قلبی ہے جس کا تعلق باطن کے ساتھ ہے ولما یدخل الایمان فی قلوبکم) لہٰذا ایک ظاہر بین انسان کیلئے اس کے وجود کی تصدیق کرنے کے لئے عمل صالح کا ہونا

ضروری ہے کیونکہ ظاہر آئینہ باطن ہے لہذا اس کے بغیر نہ ایمان مکمل ہو سکتا ہے اور نہ ہی ثابت ارشاد قدرت ہے ان اللہ یدخل الذین آمنوا وعملوا الصالحات جنات تجری من تحتہا الانہار (پ ۲۵ س شوری ع) جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کئے ان کو خداوند کریم ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرماتا ہے والذین آمنوا وعملوا الصالحات فی روضات الجنات لہم ما یشاؤن عند ربہم ذلک ھو الفضل الکبیر۔ (پ ۲۵ س شوری ع ۴) جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح بھی کئے۔ خدا ان کو بانہائے بہشت کے سبزہ زاروں میں داخل کرے گا وہ جو کچھ چاہیں گے ان کے پروردگار کے ہاں ان کے لئے موجود ہوگا یہی تو خدائے کریم کا بڑا فضل واحسان ہے۔ ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات (پ ۳۰ س العصر ع ۲۸) قسم ہے زمانہ کی تمام لوگ خسارے میں ہیں سوائے انکے جو ایمان اور عمل صالح بجالائے۔ ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات اولئک ہم خیر البریۃ جزاؤہم عند ربہم جنات عدن تجری من من تحتہا الانہار خالدین فیہا ابدا (پ ۳۰ س لم یکن ع ۲۲) بے شک جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح بھی کئے یہی لوگ بہترین خلائق ہیں ان کے پروردگار کی بارگاہ میں ان کی جزا یہ ہے کہ ان کے رہنے کیلئے باغ بہشت ہیں جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بہرحال یہ حقیقت ہے کہ ایمان کا ثمرہ مشروط بہ اعمال صالحہ ہے۔

ع کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحرگاہی

اور اعمال صالحہ کی روح "اخلاص" ہے ارشاد قدرت ہے اعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین" یعنی خلوص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرو۔

تیسری شرط استقامت اور خاتمہ بالخیر ہے

اس سلسلہ کی آخری اور اہم شرط جو فی الحقیقت چند شرائط کی جامع ہے یہ ہے کہ انسان ایمان پر ثابت قدم رہے اس کی صداقت وحقانیت میں شک وشبہ نہ کرے اور اسی پر اسکا خاتمہ ہو۔ کیونکہ اسی پر نجات کا دارومدار ہے آنحضرت کا ارشاد ہے انما الاعمال بالخواتیم (بخاری ومسلم مشکوۃ باب الایمان بالقدر) اور اس اثنا میں اس سے کوئی ایسا جرم بھی سرزد نہ ہو۔ جو حبط اعمال کا موجب ہو۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا فلا خوف علیہم ولا ہم یحزنون اولئک اصحاب الجنۃ خالدین فیہا جزاء بما کانوا یعملون (پ ۲۶ س احقاف ع ۲) بے شک جن لوگوں نے کہا کہ پروردگار اللہ ہے پھر (آخر تک اسی عقیدے پر) قائم رہے تو (آخرت) میں نہ تو ان پر (کسی قسم کا) خوف ہوگا اور نہ وہ کسی طرح آزردہ خاطر ہوں گے یہی تو ہیں اہل جنت کہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ ان کے عملوں کا بدلہ ہے جو دنیا میں کرتے رہے۔

(۲) انما المؤمنون الذین آمنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا وجاہدوا باموالہم وانفسہم فی سبیل اللہ اولئک ہم الصادقون (پ ۲۶ س حجرات ع ۱۴) پس سچے مسلمان تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر کسی قسم کا شک وشبہ نہیں کیا اور اللہ کے راستہ میں اپنی جان ومال سے کوشش کی حقیقت میں یہی سچے مسلمان ہیں۔

(۳) یا ایہا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجہروا لہ بالقول کجہر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون (پ ۲۶ س حجرات ع ۱۳) مسلمانو! اپنی آوازوں کو پیغمبر کی آواز سے اونچا ہونے دو اور نہ ان کے ساتھ بہت زور سے بات کرو جیسے تم ایک سے ایک زور سے بولا کرتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا

ہلاکت ہو جائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

۴۔ الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانہم بظلم اولٰئک لہم الامن وھم مھتدون (پ۷ س انعام ع ۱۵) جو لوگ خدا پر ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان میں بے اتفاقی کی آمیزش نہیں کی یہی لوگ ہیں جو امن و اطمینان خاطر کے مستحق ہیں اور یہی لوگ راہ راست پر بھی ہیں۔

۵۔ یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم (پ۲۶ س محمد ع ۸) مسلمانو! اللہ کے حکم پر چلو اور رسول کے حکم پر چلو (اور رسول کی مخالفت کر کے) اپنے عملوں کو ضائع نہ کرو۔

۶۔ قل ھل ننبئکم بالاخسرین اعمالا الذین ضل سعیہم فی الحیوۃ الدنیا وھم یحسبون انہم یحسنون صنعا (پ۱۶ س کہف ع ۱۲) اے پیغمبر کہہ دو! تو ہم تمہیں وہ لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بڑے گھاٹے میں ہیں، ان تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیاوی زندگی کی کوشش سب گئی گزری ہوئی اور وہ اپنی غلط فہمی سے اسی خیال میں ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔

۷۔ یا ایہا الذین آمنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفا فلا تولوھم الادبار ومن یولہم یومئذ دبرہ الا متحرفا لقتال او متحیزا الی فئۃ فقد باء بغضب من اللہ ومأواہ جہنم وبئس المصیر (پ۹ س انفال ع ۱۲) مسلمانو! جب کافروں سے مڈبھیڑ ہو جائے تو ان کو پیٹھ نہ دینا۔ اور جو شخص ایسے موقع پر کافروں کو اپنی پیٹھ دے گا تو (سمجھنا کہ) وہ خدا کے غضب میں آ گیا اور آخر کار اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے مگر ہاں لڑائی کے لئے کنی کاٹتا ہو یا اپنے لوگوں میں جا کر شامل ہونے کیلئے کافروں کے سامنے سے ٹل جائے تو کوئی مضائقہ نہیں،،

۸۔ انما المؤمنون الذین آمنوا باللہ ورسولہ واذا کانوا معہ علی امر جامع لم یذھبوا حتی یستاذنوہ (پ۱۸ س نور ع ۱۵) سچے مسلمان تو بس وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور جب کسی ایسی بات کیلئے جس میں لوگوں کے جمع ہونے کی ضرورت ہے پیغمبر کے پاس ہوتے ہیں تو جب تک پیغمبر سے اجازت نہ لیں نہیں جاتے،،

۹۔ ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یعلم اللہ الذین جاھدوا منکم ویعلم الصابرین (پ۴ س آل عمران ع ۱۴) کیا تم اس خیال میں ہو کہ جنت میں جا داخل ہو گے۔ حالانکہ ابھی تک اللہ نے نہ تو ان لوگوں کو جانچا ہے جو تم میں جہاد کرنے والے ہیں اور نہ ان لوگوں کو جانچا ہے جو لڑائی میں ثابت قدم رہتے ہیں۔

۱۰۔ والذین ینقضون عہد اللہ من بعد میثاقہ ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض اولٰئک لہم اللعنۃ ولہم سوء الدار (پ۱۳ س رعد ع ۹) اور جو لوگ خدا کے ساتھ پکا قول و قرار کر کے پیچھے عہد شکنی کرتے اور جن تعلقات کے جوڑے رکھنے کا خدا نے حکم دیا ہے ان کو توڑتے اور ملک میں فساد برپا کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے پھٹکار ہے اور ان کے لئے پھٹکار کے علاوہ برا انجام بھی ہے،، (ترجمہ مولانا نذیر احمد دہلوی) ان حقائق کی روشنی میں یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو گی کہ جب تک ان تمام شرائط کو ملحوظ نہ رکھا جائے اس وقت تک کسی شخص کو اللہ کے وعدوں کا مستحق قرار

نہیں دیا جا سکتا۔ ان شرائط کو پیش نظر رکھے بغیر صرف بعض مطلق آیات پر نظر کر کے کوئی نظریہ قائم کرنے والا شخص ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی اس حدیث کہ "ما من عبد قال لا الہ الا اللہ ثم مات دخل الجنۃ" (جو شخص لا الہ الا اللہ کہہ دے اور پھر مر جائے وہ داخل جنت ہوگا) (بخاری ج ا ص۲۳۲ طبع مصر ج ۴ ص۱۰ مشکوۃ کتاب الایمان فصل اوّل ص۱۵) پر نظر کر کے یہ عقیدہ قائم کرے کہ نجات کے لئے صرف کلمۂ توحید کا اقرار کر لینا کافی ہے اور کسی عقیدہ و عمل کی ضرورت نہیں ہے تو جس طرح بلا شبہ یہ استدلال غلط ہے۔ اسی طرح وہ بھی غلط ہے جس طرح یہاں بموجب "الاحادیث یفسر بعضہا بعضاً" کہا جاتا ہے کہ کلمۂ توحید مفید ضرور ہے۔ مگر بشرطہا و شروطہا۔ سہ حرف نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل؟ ؎ دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

اسی طرح وہاں بھی بموجب "القرآن یفسر بعضہ بعضاً" دوسری آیات کی روشنی میں یہی کہا جائے گا کہ جب تک دوسرے شرائط موجود نہ ہوں اس وقت تک صرف ہجرت یا نصرت یا بیعت بخشش کیلئے کافی نہیں ہے۔ وھذا حق لا یعتریہ شکٌ!

اس تمہیدی بیان حقیقت ترجمان کے بعد ہم کہتے ہیں کہ آپ کے محبوب القلوب اصحاب ثلاثہ اس پیش کردہ آیت مبارکہ میں داخل نہیں ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ خلاق عالم نے اس آیت مبارکہ میں جن لوگوں سے مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے ساتھ ہی ان کے پانچ اوصاف جلیلہ کا تذکرہ بھی فرمایا ہے۔

۱ ایمان (۲) ہجرت (۳) جہاد (۴) پناہ دینا (۵) نصرت کرنا۔ آخری دو صفتوں کا تعلق تو چونکہ انصار سے ہے۔ اور یہ حضرات مہاجرین میں شمار کیے جاتے ہیں اس لئے ان صفتوں کا قرآن میں تلاش کرنا ہی عبث ہے۔ البتہ پہلی تین صفتوں کے متعلق گذارش ہے کہ قطع نظر دوسری شرائط کے یہاں ان تینوں صفات میں سے ایک بھی موجود نہیں ہے۔ یہاں نہ خالص ایمان ہے نہ خالص ہجرت ہے اور جہاد کا فقدان تو عیاں راچہ بیان مصداق ہے۔ اس اجمال کی بقدر ضرورت ذیل میں تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

اصحاب ثلاثہ کے ایمان کا بیان

حضرت ابوبکر کا ایمان۔ کتب سیر و تواریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعثت پیغمبر اسلام سے کچھ عرصہ قبل ایک راہب نے ابوبکر صاحب کو خبر دی تھی کہ عنقریب ایک دعویدار نبوت ظاہر ہوگا اور تمہیں ان کی وجہ سے بڑے دنیوی فوائد حاصل ہوں گے حتی کہ ان کی وجہ سے تمہیں حکومت ہاتھ آئے گی (تاریخ الخلفاء ص۲۳ صواعق محرقہ ص۱۲ سیرۃ حلبیہ ج ا ص۳۱ ازالۃ الخفاء مقصد ۲ ص۲) اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیوی طمع و لالچ میں آکر آپ نے حسب ظاہر اسلامی کلمہ پڑھا۔ کیونکہ اگرچہ ابتداء اسلام میں آنحضرتؐ کے پاس کوئی خاص مال [illegible] نہ تھا مگر چونکہ راہب نے (جس کی پیشگوئی پر آپ کو پورا یقین تھا) ملکی فتوحات اور غنائم کی خبر دی تھی اس لئے بموجب ایکہ دنیا بامید قائم است بظاہر سایہ کی طرح آنحضرتؐ کے ساتھ چمٹے رہتے تھے تاکہ وقت آنے پر پورا پورا استفادہ کر سکیں وہ اس حقیقت سے واقف تھے کہ پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ اسی مطلب کی طرف اشارہ ہے اس حدیث میں جسے ناسمجھ لوگ فضائل ابی بکر میں پیش کیا کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ ما سبقکم ابوبکر بصوم ولا صلوٰۃ ولا بشئی وقر فی قلبہ (مجالس المؤمنین) ابوبکر نے تم پر کسی صوم و صلوٰۃ کی وجہ سے سبقت حاصل نہیں کی بلکہ ایک ایسی چیز کی وجہ سے کی ہے جو ان کے دل

راسخ ہو چکی تھی (یعنی بحیرا راہب کی پیش گوئی) یہی وجہ ہے کہ آنحضرتؐ ان کے ایمان کو قابل ایقان نہ سمجھتے تھے وہ اسلام بھی لائے مگر آنحضرت پھر بھی ہمیشہ یہی فرماتے رہے۔ الشرک فیکم اخفی من دبیب النمل۔ کہ شرک تم میں چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی چلتا ہے جب خلیفہ صاحب نے کہا یا رسول اللہ! کیا شرک یہ نہیں کہ خدا کے ساتھ کسی اور خدا کو مانا جائے؟ تو آنحضورؐ نے ڈانٹ کر فرمایا۔ ثکلتک امک یا ابا بکر الشرک اخفی فیکم من دبیب النمل۔ اے ابوبکر! تیری ماں تیرے ماتم میں روئے! شرک تم میں چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی چلتا ہے (کنز العمال ج ۲ ص ۱۲۹ تفسیر ابن کثیر مطبوعہ برحاشیہ فتح البیان ج ۵ ص ۲۲۹ طبع مصر۔ در منثور ج ۴ ص ۵۴ وغیرہ)

اور ان پر شیطانی تسلط کا یہ عالم تھا کہ خود کہا کرتے تھے۔ ان لی شیطانا یعتریني فاذا ضغت فسددونی۔ میرا ایک شیطان ہے جو بعض اوقات مجھ پر غالب آجاتا ہے۔ لہذا جب میں سیدھے راستہ سے بھٹک جاؤں تو مجھے سیدھا کر دینا۔ (الامامۃ والسیاسۃ۔ ص ۱۳ طبع مصر) اس کے ساتھ ساتھ یہ آیات مبارکہ بھی پیش نظر رہیں کہ خداوند عالم نے شیطان سے فرمایا تھا۔ ان عبادی لیس لک علیہم سلطان الخ بے شک جو میرے (خالص) بندے ہونگے ان پر تیرا کوئی زور نہ ہوگا (سورۃ الحجر پ ۱۴) ایک اور مقام پر فرماتا ہے۔ انہ لیس لہ سلطان علی الذین آمنوا وعلی ربہم یتوکلون انما سلطانہ علی الذین یتولونہ والذین ہم بہ مشرکون۔ (پ ۱۴ س النحل) جو لوگ مومن ہیں اور اپنے پروردگار پہ بھروسہ کرتے ہیں ان پر شیطان کا قابو نہیں ہے۔ ہاں اس کا زور تو صرف ان لوگوں پر چلتا ہے جو اس سے دوستی رکھتے ہیں اور اسے خدا کا شریک سمجھتے ہیں۔ ایک اور مقام پر فرماتا ہے انا جعلنا الشیاطین اولیاء للذین لا یؤمنون۔ (پ ۸ س) ہم شیاطین کو انہی لوگوں کا ولی بناتے ہیں جو ایمان نہیں رکھتے۔ ان آیات نے تو خلیفہ صاحب کا رہا سہا بھرم بھی ختم کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت عمر کا بیان

آنحضرت کے اعلان نبوت کے چھ سال بعد تک عمر صاحب برابر پیغمبر اسلام کو مختلف طریقوں سے اذیت پہنچاتے رہے اور ان کے خلاف ریشہ دوانیاں کرتے رہے حتی کہ ایک مرتبہ ابوجہل نے اعلان کیا کہ جو شخص محمدؐ کو قتل کرے گا میں اسے سرخ و سیاہ رنگ کی ایک سو اونٹنی اور ایک ہزار اوقیہ چاندی دوں گا۔ یہ سن کر عمر صاحب جوش میں آگئے اور شمشیر بکف ہو کر رسولؐ کو قتل کرنے کے مذموم ارادے سے روانہ ہوئے الخ (تاریخ الخلفا ص ۱۳۳ تاریخ الخلفاء ص ۸۷ صواعق محرقہ ص ۵۵ شرح نہج البلاغہ حدیدی ج ۲ ص ۵۹) میں روایت کا تتمہ یوں مروی ہے کہ جب عمر صاحب تلوار حمائل کئے ہوئے بارگاہ نبوی میں پہنچے تو آنحضرتؐ باہر تشریف لائے اور عمر کے دامن اور برہنہ تلوار کو جھنجوڑ کر فرمایا۔ ما انت بمنتہ یا عمر حتی ینزل اللہ بک من الخزی والنکال ما انزل بالولید بن المغیرۃ فقال عمر اشہد ان لا الہ الا اللہ الخ اے عمر! معلوم ہوتا ہے تم اس وقت تک اس حرکت سے باز نہیں آؤ گے جب تک تمہارے بارے میں ذلت و رسوائی کی وہی باتیں خدا نازل نہ کر دے جو ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل کی ہیں (یہ دھمکی سن کر فوراً عمرؐ نے کلمہ شہادتین زبان پر جاری کیا۔ یہ ہے عمر صاحب کے اسلام لانے کی اصل اور کہانی جو علماء اہلسنت کی زبانی

پیش کی۔ دی گئی ہے نہ وہ جوان کے ہوا خواہ شدہ طمطراق سے بیان کیا کرتے ہیں کہ ہمشیرہ کے پاس گئے اور قرآن سن کر اجزا سن کر اتنے متاثر ہوئے کہ کلمہ اسلام پڑھ لیا قرآن تو وہ پہلے بھی مسلسل چھ سال سے سن رہے تھے غور طلب بات تو یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی تہدید شدید اپنا کام کر گئی تھی۔ اب اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ خدا نے ولید کے بارے میں کیا نازل کیا تھا تو سورہ نون کی آیات کی تلاوت کریں ارشاد ہوتا ہے۔ ولا تطع کل حلاف مھین ھماز مشاء بنمیم مناع للخیر معتد اثیم عتل بعد ذلک زنیم (پ۲۹ س نون ع ۱) اور تم (کسی ایسے نابکار کے کہنے میں نہ آجانا جو بہت قسمیں کھاتا ہے (اور) آبرو باختہ ہے (لوگوں پر) آوازے کسا کرتا ہے (ادھر کی ادھر، ادھر کی ادھر) چغلیاں لگاتا پھرتا ہے اچھے کاموں کو روکتا دیتا ہے (حد بندگی) سے بڑھ گیا ہے بدبخت ہے اکھڑ ہے (ان عیوب) کے علاوہ بداصل بھی ہے۔" (ترجمہ نذیری) یہ تو صحیح ہے کہ عمر صاحب کے ظاہری کلمہ اسلام پڑھنے سے وہ آیتیں ان کے بارے میں نہ اتریں جن کی آنحضرتؐ نے ان کو دھمکی دی تھی مگر قابل غور بات یہ ہے کہ آیا اس سے فوراً وہ مشابہت ختم ہو گئی اور وہ حقیقت بھی بدل گئی جس کی بنا پر آنحضرتؐ نے مذمت والی آیات کے نازل ہونے کی دھمکی دی تھی یا وہ حقیقت بدستور قائم رہی تھی؟

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے، فتدبروا ولا تکن من الغافلین

تاریخی واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اظہار اسلام کے بعد بھی ان کا قلبی میلان اپنے سابقہ مذہب ہی کی طرف رہا تھا۔ چنانچہ بطور نمونہ صرف ایک واقعہ لکھا جاتا ہے جناب جابر بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ عمر بن الخطاب توریت کا ایک نسخہ لائے اور بارگاہ نبوی میں اسے پڑھنا شروع کیا۔ وہ جوں جوں پڑھتے جاتے آنحضرتؐ کے چہرہ انور کا رنگ متغیر ہوتا۔ چنانچہ جب ابوبکر صاحب نے یہ ماجرا دیکھا تو عمر سے کہا تجھے رونے والیاں روئیں کیا رسول کریم کے چہرے پر نظر نہیں کرتا؟ جب عمر نے آنحضرتؐ کے چہرے پر غیظ و غضب کے آثار آشکار دیکھے تو کہا کہ ہم خدا اور رسول کے غضب سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں ہم خدا کے خدا، اسلام کے دین اور محمدؐ کے نبی ہونے پر راضی ہیں۔ مگر اس کے باوجود آنحضرتؐ نے قسم کھا کر فرمایا۔ والذی نفس محمد بیدہ لو بدا لکم موسیٰ فاتبعتموہ وترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل، ولو کان حیاً وادرک نبوتی لاتبعنی (مشکوٰۃ ص۳۲ ازالۃ الخفاء ص۱۲۹ وغیرہ) مجھے اس خدائے قدیر کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری (محمدؐ کی) جان ہے کہ اگر اس وقت جناب موسیٰؑ ظاہر ہو جائیں تو تم یقیناً مجھے چھوڑ کر ان کی اتباع کرو گے۔ اور اگر ایسا کرو گے تو راہ راست سے بھٹک جاؤ گے حالانکہ (میرا مقام وہ ہے کہ) اگر موسیٰ زندہ ہوتے اور میرے زمانہ کو پاتے تو ضرور وہ میری اتباع کرتے۔" آنحضرتؐ نے اپنے اس بلیغ بیان سے ان حضرات کے اسلام و ایمان کا بھانڈا بالکل چوراہے پر پھوڑ دیا ہے (عاقلاں را اشارہ کافیست) اس لئے ہم کلام اندیشہ و مکرر نمی کنم۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر جناب عمر کا شک فی النبوۃ کرنا اور اس کا اظہار ان الفاظ میں کرنا کہ "ما شککت منذ اسلمت الا یومئذ" کتب کثیرہ میں باسانید کثیرہ مروی ہے (ملاحظہ ہو تفسیر در منثور ج ۶ ص ۷۷ وغیرہ

جلد دوم ۲ صفحہ ۲ وغیرہ) اس کے ساتھ ساتھ سورہ حجرات کی وہ آیت بھی پیش نظر ہے جس میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔ انما المؤمنون الذین آمنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا الخ۔ کہ مومن تو بس وہی لوگ ہیں جو خدا اور رسول پر ایمان لانے کے بعد پھر کبھی شک نہ کریں اس سے جناب خلیفہ صاحب کے ایمان کی قلعی بالکل کھل جاتی ہے اور ان کے اسلام کی حقیقت طشت ازبام ہو جاتی ہے۔

عمر صاحب عموماً جناب حذیفہ سے (جن کو آنحضرت نے بعض منافقین کے نام بتائے تھے اس لئے انکو صاحب السر (راز دار رسول) کہا جاتا تھا۔ دریافت کیا کرتے تھے کہ کہیں میرا نام تو منافقوں میں نہیں ہے؟ مگر وہ بحکم نبوی کے مطابق بتانے سے گریز کرتے۔ بالآخر ایک دن خود ہی کہہ دیا۔ باللہ یا حذیفۃ انا من المنافقین۔ اے حذیفہ! خدا کی قسم میں منافقوں میں سے ہوں۔ (میزان الاعتدال ج ا صفحہ ۲۹۵) صاحبان انصاف غور فرمائیں جو صاحب خود قسمیں کھا کھا اپنے منافق ہونے کا اعلان کریں (واقرار العقلاء علی انفسہم جائز) تو ہم کیونکر ان کو مومن کامل تصور کر سکتے ہیں؟ یہ مدعی سست، گواہ چست والا معاملہ ہو جائے گا۔ جسے دانشمندانہ معاملہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔

اوپر آیات قرآنیہ کی روشنی میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ آنحضرتؐ کی بارگاہ میں ان کی آواز پر اپنی آواز بلند کرنے سے اعمال حبط وضبط ہو جاتے ہیں اور کتب حدیث وتاریخ گواہ ہیں کہ قرطاس کے واقعہ کے وقت عمر صاحب نے علاوہ دیگر گستاخیوں کے یہ بے ادبی بھی کی تھی جس کی وجہ سے آنحضرت نے "قوموا عنی" (میری بزم نبوت سے اٹھ جاؤ) فرما کر ان کو اپنی بارگاہ سے نکال دیا (بخاری ج ۳ صفحہ ا طبع مصر مشکوٰۃ ج ۲ صفحہ ۵۴) ایسے گستاخ اور طرید رسول کو ہم کس طرح انکھیں بند کر کے مومن کامل مان لیں۔ نیز یہ حقیقت بھی پیش نظر ہے کہ جناب امیر علیہ السلام ابوبکر وعمر صاحبان کو "کاذب" (جھوٹا) آثم (گنہگار) "غادر" (غدار) اور خائن (خیانتکار) سمجھتے تھے (مسلم ج ۲ صفحہ ۹۰ مع شرح نووی) والحق مع علی وعلی مع الحق، مسلم الثبوت حدیث نبوی ہے العاقل یکفیہ الاشارۃ والبلید لا ینفعہ الف عبارۃ۔

حضرت عثمان کا ایمان

بعض مورخین کے بیان سے واضح و عیاں ہوتا ہے کہ جناب عثمان اسلام کو حقیقی دین سمجھ کر اسلام نہیں لائے تھے بلکہ بعض مسلمان عورتوں کے ساتھ شادی کرنے کے عشقی جذبہ کے پیش نظر کلمہ پڑھا تھا۔ چنانچہ کتاب خصائص کبریٰ ج ا صفحہ ۱۳۱ طبع مصر میں باسناد ابن عساکر لکھا ہے کہ حضرت عثمان عورتوں کے بڑے شائق تھے۔ اور جناب رقیہ بنت رسول (بقول اہلسنت) جمال باکمال کی مالک تھیں۔ عثمان کو ان سے شادی کرنے کا شوق دامنگیر ہوا مگر ان کا عقد پہلے عتبہ سے ہو چکا تھا جب ان کو اُدھر سے طلاق ہو گئی تو عثمان صاحب اسلام لے آئے تاکہ گوہر مقصود ہے دامن بھر لیں یعنی رقیہ سے ان کی شادی ہو گئی!!

اب ارباب بصیرت انصاف فرمائیں جو صاحب صرف جنسی حُب کی خاطر عورتوں سے شادی رچانے کی خاطر اسلام لے آئے ہم کس طرح ان کو کامل الایمان مان سکتے ہیں؟

اور اسلام لائے (بلکہ ظاہری خلافت اسلامیہ پر قابض ہونے) کے بعد بھی حالت یہ تھی کہ جناب عائشہ ام المومنین کا فتویٰ ان کے حق میں یہ تھا۔ اقتلوا نعثلاً فانہ کفر (او فجر) اس نعثل[1] کو قتل کر دو کہ وہ کافر (یا کہا فاجر) ہو گیا ہے (روضۃ الاحباب ج ۳ صہ ۱۲ کامل ابن اثیر ج ۳ صہ ۸۰ تاریخ ابن جریر طبری ج ۵ صہ ۱۲۳ الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ صہ ۴۸ تذکرہ خواص الامہ صہ ۳۸، ۴۰۔ النوار الصنہ پ ۵ صہ ۱۰۹ وغیرہ)

یہ تو تھا ام المومنین کا قتل کا فتویٰ اور جن لوگوں نے اس پر عمل درآمد کیا ان میں بیسیوں رضی اللہ تعالیٰ عنہم یعنی اصحاب رسول ، یا تابعین بہم باحسان تھے جنہوں نے صرف انہیں قتل کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ تین دن تک ان کو دفن بھی نہیں ہونے دیا اور لاش مزبلہ پر پڑی رہی (حیواۃ الحیوان ج ۱ صہ ۵۰ سیرت حلبیہ ج ۲ صہ ۸۰) اور بالآخر بعض لوگوں نے رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بمقام "حش کوکب" جو کہ یہودیوں کا (یعنی عثمان صاحب کا آبائی قبرستان تھا) دفن کر دیا۔ جسے معاویہ نے اپنے دور حکومت میں جنت البقیع میں شامل کیا (تاریخ خمیس صہ ۲۶۵ کامل ابن اثیر ج ۳ صہ طبری ج ۵ صہ ۱۴۳ مروج الذہب برحاشیہ کامل ج صہ ۱۳۹ اصابہ بذیل ترجمہ جبلہ بن عمرو ج ۱ صہ ۲۲۴ وغیرہ) برادران اسلامی کے نظریہ کے مطابق قاتل بھی رضی اللہ ہیں اور مقتول بھی رضی اللہ۔ اس لئے اس نازک معاملہ میں ہمارے لئے سکوت ہی بہتر ہے کیونکہ ع اگر گویم زبان سوزد۔ قتل عثمان سے قبل مہاجرین نے جو خط اہل مصر کے نام لکھا تھا اس میں یہ الفاظ موجود تھے "فان کتاب اللہ قد بدل وسنۃ رسول اللہ قد غیرت" یعنی عثمان کے دور میں کتاب خدا اور سنت رسول کو متغیر و متبدل کر دیا گیا ہے (الامامۃ والسیاسۃ طبع ثانی مصر صہ ۲۹/۳۱ صہ ۳۲/۳۸) مہاجرین کی اس معتبر شہادت کے بعد مزید کسی گواہ کی گواہی کی ضرورت نہیں ہے (لان العیان یغنی عن البیان اس لئے ع جو سر گندا در گواہ کی حاجت نہیں ہے۔ اندیشہ کہ غم دل با تو گفتم دیجاں ترسیدم ﷺ کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است!

اصحاب ثلاثہ کی ہجرت کا بیان

۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایمان ثلاثہ کی حقیقت واضح کر دینے کے بعد ہجرت کے موضوع پر مزید خامہ فرسائی کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہجرت ایمان کی فرع ہے یعنی اگر کسی شخص کا ایمان خالص و کامل ہے تو اس کی ہجرت بھی کامل اور خالص ہوگی اور اگر کسی کا ایمان ہی مشکوک یا معدوم العدم ہے۔ تو پھر اس کی ہجرت بھی ویسی ہی ہوگی بہر حال چونکہ پیغمبر اسلام نے ملکی فتوحات اور مالی غنائم کی پیشین گوئی کی تھی (جیسا کہ عنقریب اس کی تفصیل ایمان ابوبکر میں بیان ہو چکی ہے) تو اسی طمع و لالچ کے ماتحت جس طرح اظہار اسلام

---

[1] نہایہ ابن اثیر باب النون مع العین میں ہے۔ کان اعداء عثمان یسمونہ نعثلاً تشبیہا برجل من مصر کان طویل اللحیۃ اسمہ نعثل وقیل النعثل الشیخ الاحمق الخ اور یعنی عثمان کے مخالف لوگ ان کو نعثل کہتے تھے۔ مصر کے ایک لمبی داڑھی والے آدمی سے تشبیہ دیتے ہوئے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نعثل بوڑھے احمق کو کہتے ہیں۔" بہر حال ع تا نباشد چیزکے مردم نگویند چیزہا (منہ عفی عنہ)

کیا تھا اسی طرح ہجرت کی تکلیف بھی برداشت کی جیسا کہ عام لوگ متوقع کامیابی و کامرانی کے شوق میں طرح طرح کی مصیبتیں اور زحمتیں برداشت کرتے ہیں۔ اگرچہ نتیجہ بعض اوقات برعکس ہی برآمد ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ بغیر خلوص نیت نہ کوئی ہجرت ہجرت ہے نہ کوئی عمل عمل ہے۔ چنانچہ آنحضرت کا ارشاد ہے۔ انما الاعمال بالنیات وانما لامرئٍ ما نوی فمن کانت ہجرتہ الی اللہ ورسولہ فہجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن کانت ہجرتہ الی دنیا یصیبہا او امرأۃ یتزوجہا فہجرتہ الی ما ہاجر الیہ۔ یعنی تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ اور ہر شخص کو اس کی نیت کا پھل ملے گا۔ لہذا جس شخص کی ہجرت خدا اور رسول کی طرف (ان کی خاطر) ہوگی۔ اس کی تو خدا اور رسولؐ کی طرف ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے شادی کرنے کی خاطر تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف سمجھی جائے گی۔" (مشکوٰۃ حدیث اوّل) (اس ارشاد نبوی میں قول اوّل اور ثالث کی طرف صریحی اشارہ پایا جاتا ہے) — اور اصل مہاجر تو وہ ہے جو مناہی شرعی کا تارک ہو چنانچہ آنحضرت کا ارشاد ہے۔ المسلم من سلم المسلمون من یدہ ولسانہ والمہاجر من ہاجر ما نہی اللہ عنہ رواہ البخاری (مشکوٰۃ کتاب الایمان فصل اوّل ص۱۲) یعنی حقیقی مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں اور مہاجر وہ ہے جو ان چیزوں سے الگ رہے جن سے خدا نے منع کیا ہے۔ اسی کتاب کے ص۱۸ پر یوں مروی ہے۔ فرمایا۔ المہاجر من ہاجر الخطایا والذنب " درحقیقت مہاجر وہ ہے جو گناہوں سے اپنا دامن بچائے" ان حقائق کی روشنی میں واضح و آشکار ہو گیا کہ جو شخص باوجود ظاہری ہجرت کے گناہوں سے (جن میں ایک گناہ کبیرہ جنگ سے فرار بھی ہے ملاحظہ ہو تفسیر کبیر ج ۳ ص۹۹) اپنے دامن کو نہ بچا سکے۔ نیز اس کی ہجرت خالصًا لوجہ اللہ نہ ہو تو اس کی یہ ہجرت بالکل بے کار سمجھی جائے گی اور اس کا وجود و عدم برابر متصور ہوگا۔ کما لا یخفی علیٰ اولی الالباب۔

اصحاب ثلاثہ کے جہاد کا بیان۔

باقی رہی تیسری صفت یعنی جہاد فی سبیل اللہ تو اس سعادت سے اصحاب ثلاثہ کا دامن بالکل خالی اور صفحہ صفر کے برابر نظر آتا ہے ان کی زندگیوں کا ایک خاصا حصہ رسولِ خدا کے ساتھ غزوات نبویہ میں شرکت کرتے میں گزر گیا، مگر اہل تاریخ کا یہ بیان آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ ماضی بواولا ضرب واقط "۔ اس پورے زمانہ میں نہ کبھی کسی کو کوئی ضرب لگائی تھی اور نہ کبھی کسی سے کوئی چوٹ کھائی تھی"

واہ رے شجاعت و بہادری! شجاعت اس کو کہتے ہیں؟

اور کتب سیر و تواریخ کے صفحات شاہد ہیں کہ کبھی کسی جنگ میں قدم نہیں جماتے تھے، بلکہ ہمیشہ راہِ فرار اختیار کرنے میں سلامتی دیکھی تھی ہم ذیل میں بڑے اختصار کے ساتھ بعض اسلامی غزوات سے ان حضرات کے فرار کا اقرار انہی کے علماء کبار کی زبان سے درج کرتے ہیں کیونکہ سے خوشتر آں باشد کہ سِرِّ دلبراں ؛ گفتہ آید در حدیث دیگراں

جنگ بدر

اسلام کی یہ پہلی معرکۃ الآراء جنگ تھی جس میں مسلمان بہت ہی قلیل المقدار اور وہ بھی اسلحۂ جنگ سے تہی دست تھے۔ دوسری طرف کفار کا لشکر جرار تھا۔ جو پوری طرح اسلحہ جنگ سے مسلح تھا۔ اس جنگ

میں اہل ایمان کی بڑی کڑی آزمائش تھی اس میں بہت سے لوگ بُری طرح ناکام ہوگئے اور جو ثابت قدم رہے خداوند عالم نے تین ہزار فرشتے نازل کرکے اِن کی مدد فرمائی۔ بالآخر خدا کے فضل و کرم سے میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا بڑے بڑے صنادید قریش مارے گئے، باقیماندہ نے راہ فرار اختیار کی۔ ارباب تاریخ کا بیان ہے کہ اس جنگ میں جس قدر کفار قتل ہوئے ان میں سے نصف تنہا جناب امیر علیہ السلام نے واصل جہنم کیئے اور نصف باقی مسلمانوں اور تین ہزار فرشتوں نے مل کر قتل کئے (شرح تجرید از علامہ قوشجی صہ ۴۸۶) اس جنگ میں بڑے بڑے صنادید قریش آنجناب کے ہاتھ سے واصل جہنم ہوئے صاحب روضۃ الصفا کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب عثمان تو اور بہت سے اصحاب کی طرح اس جنگ میں سرے سے شامل ہی نہیں ہوتے تھے (کذافی ازالۃ الخفاج ا صہ ۸۷) اور اس کی وجہ اُنہوں نے یہ لکھی ہے، جو عذر گناہ بدتر از گناہ کی مصداق ہے کہ ان کا خیال تھا کہ جنگ ہوگی ہی نہیں۔ ہاں البتہ جناب ابوبکر و عمر کے آنحضرتؐ کے ہمراہ جانے کا تو تاریخ سے پتہ چلتا ہے مگر تاریخ ان کا کوئی جنگی کارنامہ پیش کرنے سے قاصر نظر آتی ہے۔ ہاں جناب ابوبکر کے متعلق بعض کتابوں میں یہ ملتا ہے کہ وہ "عریش" پر (جو کھجور کی شاخوں کا ایک چھپر تھا جو آنحضرت کے بیٹھنے کیلئے بنایا گیا تھا) آنجنابؐ کے ساتھ بیٹھے ہوئے دور سے جنگ کا نظارہ کرتے رہے تھے (بخاری ج ۱ پ ۲ صہ ۱۲) ارشاد قدرت ہے۔ فضل اللہ المجاهدین باموالهم وانفسهم على القاعدين درجة، کہ خدا نے مال و جان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھے والوں پر فضیلت دی ہے۔

جنگ اُحد جنگ اُحد سے اصحاب ثلاثہ کے فرار کا اہسنت کے علماء کبار نے اقرار کیا ہے ذیل میں چند حوالے سپرد قلم کیے جاتے ہیں۔ تاریخ خمیس ج ۱ صہ ۴۳۱ طبع مصر میں مرقوم ہے۔ قال ابوبکر لما صرف الناس یوم احد عن رسول اللہ کنت اول من جاء النبیؐ، ابوبکر صاحب بیان کیا کرتے تھے کہ جب احد کے دن تمام لوگ رسول خدا کو چھوڑ کر چلے گئے تو میں سب سے پہلے رسول کے پاس واپس آ گیا تھا (یعنی صرف تین دن کے بعد)

کنز العمال ج ۵ صہ ۲۷۴ طبع حیدرآباد میں جناب عائشہ صاحبہ سے مروی ہے۔ کلما ذکر احدا الی بکر، "جب بھی میرے والد احد کا دن یاد کرتے تھے تو رونے لگتے تھے۔

تفسیر کبیر ج ۳ صہ ۱۰/۱۴۴ میں ہے ومن المنهزمين عمر الا انه لم يكن في اوائل المنهزمين ولم يبعد الخ یعنی احد کے دن منجملہ بھاگنے والوں کے ایک عمر بھی تھے مگر وہ سب سے پہلے بھاگنے والوں میں سے نہیں تھے اور نہ ہی زیادہ دور گئے تھے (بلکہ صرف بھاگ کر کوہ احد پر پناہ لی تھی)۔ تفسیر در منشور ج ۲ صہ ۸۸ ذیل آیت ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعان۔ تو جناب عمر کی زبانی نقل کیا ہے۔ کلیب بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ بروز جمعہ جناب عمر نے خطبہ میں سورہ آل عمران پڑھی۔ اور ان کو یہ بات پسند تھی کہ اس سورہ کو خطبہ جمعہ میں پڑھیں۔ جب اس آیت (ان الذین تولوا الخ) پر پہنچے تو کہا لما کان یوم احد هزمنا ففررت حتى صعدت الجبل فلقد رايتني انزو كاننی اروی، جب روز احد ہمیں شکست ہوئی تو میں بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا۔ میں اس طرح پہاڑ پر چھلانگیں لگا رہا تھا کہ گویا پہاڑی بکری ہوں۔

اسی طرح عثمان کا فرار بھی ثابت ہے ۔ تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۲۲ میں لکھا ہے ومنهم عثمان انهزم مع رجلین من الانصار یقال لہما سعد وعقبۃ انهزموا حتی بلغوا موضعاً بعیداً ثم رجعوا بعد ثلاثۃ ایام الخ یعنی منجملہ اُحد کے بھگوڑوں کے ایک عثمان بھی تھے جو سعد وعقبہ نامی دو انصاری مردوں کے ساتھ بھاگے تھے اور بھاگتے بھاگتے بہت دُور نکل گئے تھے یہاں تک کہ تین دن کے بعد واپس آئے اسی طرح ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۔۔ اور خصائص نسائی ص ۶۲ پر بھی فرار عثمان ہے کا تذکرہ موجود ہے ۔

تفسیر در منثور ج ۲ ص ۸۰ پر مذکور ہے ۔ لما کان یوم احد انهزم الناس صعدوا فی الجبل والرسول یدعوہم فی اخراہم ۔ یعنی اُحد کے دن جب مسلمان بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ رہے تھے تو رسول اُن کو پیچھے سے بلاتے تھے کہ میری طرف آؤ" مگر قرآن خبر دیتا ہے کہ وہ کچھ اس طرح بدحواس ہو کر بھاگ رہے تھے کہ پیچھے مڑ کر دیکھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتے تھے ۔ اذ تصعدون ولا تلوون علی احد والرسول یدعوکم ۔ ہاں یہ یاد رہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے حسب معمول اس جنگ میں بھی خداداد شجاعت وبہادری کے وہ محیر العقول کارنامے انجام دیئے اور شمع رسالت کے اس حقیقی پروانے نے جاں نثاری وجان سپاری کے ایسے بے نظیر نمونے پیش کیئے کہ آسمان کے فرشتوں نے یہ کہہ کر ترانے پڑھے ۔

لا فتی الا علی ∴ لا سیف الا ذوالفقار

(مدارج النبوۃ ۲ ص ۱۲۵ معارج رکن رابع ص ۱۰۱ وغیرہ) مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۲۸ میں ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا تو چرا بہ برادران ملحق نہ گشتی تم اپنے بھاگنے والے بھائیوں میں کیوں شامل نہ ہوتے [illegible] آنجناب نے عرض کیا اکفر بعد ایمانی (ایمان کے بعد کفر نہیں ہے) جبرئیل نے زمین پر اتر کر علیؑ کی ہمدردی وجان نثاری کی یوں داد دی کہ یا رسول اللہ ہذہ المواساۃ (یہ ہمدردی و ایثار ہے) آنحضرتؐ نے فرمایا کیوں نہ ہو انہ منی وانا منہ، علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں

اس پر ستم ظریفی یہ بھی ہوئی کہ شیطان نے جعل بن سراقہ کی شکل میں متشکل ہو کر تین بار یہ ندا دی کہ "الا ان محمداً قد قتل" آگاہ باشید کہ محمدؐ قتل ہو گئے اس منحوس ندا نے رہی سہی کسر بھی نکال دی (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۲۳ میں لکھا ہے کہ اس وقت بعض منافقوں نے کہا ۔ وکان نبیاً لما قتل ارجعوا الی اخوانکم ودینکم،، اگر آپ نبی ہوتے تو قتل نہ ہوتے چلو اپنے سابقہ بھائی بندوں اور اپنے سابقہ دین کی طرف (تاریخ خمیس ص ۴۸۹) اور بعضوں نے تو ابوسفیان کی خدمت میں اپنی جان بخشی کرانے کے انتظام بھی کرنے شروع کر دیئے ۔ چنانچہ کتاب عروج الاسلام ترجمہ تاریخ کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۲۵ میں ہے "جس وقت مشہور ہوا کہ رسول اللہ صلعم مارے گئے تو کچھ مسلمانوں نے کہا کہ کوئی ایسا ہے کہ جو عبداللہ بن ابی بن سلول کو جا کر بلا لائے تاکہ وہ ابوسفیان سے ہمارے لئے امن اس سے پہلے حاصل کرے کہ ہم کو وہ قتل کر ڈالیں،، صاحب آیات محکمات نے ج ۲ ص ۲۱۴ پر بحوالہ مسند امام احمد بن حنبل لکھا ہے:- ان الشیخان انهزما یوم احد ورجع عمر ینشف دموعہ ویسأل علیاً العفو فقال الست المنادی قتل محمد فارجعوا الی ادیانکم فقال انما نادیٰ بہ ابوبکر ثم نزلت ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعان انما استزلہم الشیطان، یعنی اُحد کے دن شیخین (ابوبکر و عمرؐ) بھاگ نکلے

پھر جناب عمرؓ نو پوچھتے ہوئے واپس آئے اور حضرت علیؓ سے معافی مانگنے لگے! آنجناب نے فرمایا کیا تم نے یہ منادی کی تھی کہ محمدؐ قتل ہوگئے ہیں. اس لئے اب تم اپنے سابقہ دین کی طرف پلٹ جاؤ) عمرؓ نے کہا نہیں (میں تے نہیں بلکہ یہ ندا) کسی نے دی تھی اس وقت یہ آیت نازل ہوئی الذین تولوا الخ.

ان حقائق کے ساتھ خداوند عالم کا یہ فرمان بھی ملحوظ خاطر رہے کہ وما اصابکم یوم التقی الجمعان فباذن اللہ ولیعلم المومنین ولیعلم الذین نافقوا۔ الایۃ۔ جس روز (مسلمانوں اور کافروں کی) جماعتوں کی آپس میں مڈبھیڑ ہوئی تھی اس روز تم کو (شکست وغیرہ کی) جو مصیبت پہنچی تھی وہ خدا کے حکم سے تھی اور اس سے یہ غرض بھی تھی کہ خدا اہل ایمان کو معلوم کرلے اور منافقوں کو بھی معلوم کرلے (پ ۴ آل عمران ع ۸) اسی طرح آیت مبارکہ ماکان اللہ لیذر المومنین علی ماانتم علیہ حتی یمیز الخبیث من الطیب (پ ۴ ال عمران ع ۹) میں بھی یہی فلسفۂ جنگ وہزیمت بیان کیا گیا ہے کہ طیب اور خبیث الگ الگ ہو جائیں. چنانچہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں صاحب معالم التنزیل ص ۲۰۰ لکھتے ہیں " ومعنی الآیۃ حتی یمیز المنافق من المخلص فمیز اللہ المومنین من المنافقین یوم احد حیث اظہروا النفاق وتخلفوا عن رسول اللہ" یعنی اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ (یہ جنگ اور اس کے شدائد اس لئے درپیش آئے تھے کہ) خدا منافقوں کو مخلص مومنین سے علیحدہ کردے. چنانچہ اس نے احد کے دن ایسا کردیا اور مومنین کو منافقین سے الگ کردیا یعنی منافق لوگ اپنے نفاق کا پردہ چاک کرکے رسول سے علیحدہ ہوگئے (کذا فی تفسیر الدر المنثور ج ۲ ص ۱۰۴) ان فی ذلک لآیات لقوم یعقلون.

ایک شبہ کا ازالہ

کہا جاتا ہے کہ جب خدا نے ان لوگوں کا یہ جرم معاف کردیا تو پھر اس کے ذکر سے کیا حاصل؟ ہمیں اس کے جواب میں صرف یہ کہنا ہے کہ کسی جرم کی سزا معاف ہوجانے سے وہ جرم جرم ہونے سے خارج نہیں ہوجاتا مثلاً ایک آدمی نے چوری کی اور اس کا یہ جرم ثابت بھی ہوگیا مگر اس کو معاف کردیا گئی اور شرعی حد اس پر جاری نہیں ہوئی تو اس سے چوری چوری ہونے سے خارج نہیں ہوجاتی اور نہ چور چور ہونے سے خارج ہوتا ہے اور بدنامی اس آدمی کی اس وجہ سے ہوئی تھی وہ دور نہیں ہوتی اور نہ ہو سکتی ہے. یہ درست ہے کہ اس جنگ میں اصحاب جرم فرار کی سزا سے بچ گئے مگر اس سے فرار کا داغ تو نہیں مٹا وہ تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کے لئے کلنک کا ٹیکہ بن گیا. علاوہ بریں ان حضرات سے اس کے بعد بھی بارہا یہ گناہ کبیرہ سرزد ہوتا رہا. چنانچہ واقعات ذیل سے واضح و عیاں ہے اس نے ان کے جا بیکار ان حضرات آڑے کر کہاں کہاں اس کو سہرا بنائیں گے.

جنگ خندق واحزاب

درحقیقت اس سے پہلی تمام لڑائیاں اس عام جنگ کا پیش خیمہ تھیں جو تمام عرب و یہود متفقہ قوت وطاقت سے کرنا چاہتے تھے اس جنگ میں عرب کے مختلف قبائل شامل تھے. فتح الباری میں تصریح ہے کہ ان کی مجموعی تعداد چوبیس ہزار سے زائد تھی اور عمرو بن عبدود جیسے عرب

کے نامی گرامی بہادر جرنیل و شہسوار ساتھ تھے جو تنہا ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا جنگ بدر میں زخمی ہو کر واپس چلا گیا تھا اور قسم کھائی تھی کہ جب تک انتقام نہ لوں گا بالوں میں تیل نہ ڈالوں گا۔ (سیرۃ النبی شبلی) ادھر اصحاب پیغمبر نے (جن کی تعداد کم و بیش تین ہزار تھی) فوجوں کی یہ کثرت دیکھی تو اکثریت کی حالت یہ تھی کہ مارے خوف و ہراس کے کلیجے منہ کو آگئے۔ سکرات موت کی کیفیت طاری ہو گئی تھا اور رسول پر اعتراض کرنے لگے کہ ہم سے فتح و نصرت کے جو وعدے کئے تھے وہ سب فریب و دھوکہ تھے کچھ لوگ آنحضرت سے آکر کہنے لگے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں اس لئے اجازت دیجئے۔ اور جاتے وقت مخلص اصحاب کو بھی بہکانے کی کوشش کی۔ کہ چلو گھر چلو ہم مخالف فوج کی اس سیل بیکراں کے بالمقابل نہیں ٹھہر سکتے۔ خداوند عالم نے ان تمام واقعات کی اپنے کلام پاک میں خبر دی ہے واذ زاغت الابصار و بلغت القلوب الحناجر و تظنون باللہ الظنونا ھنالک ابتلی المومنون و زلزلوا زلزالاً شدیداً واذ یقول المنافقون والذین فی قلوبہم مرض ما وعدنا اللہ و رسولہ الا غروراً۔ واذ قالت طائفۃ منہم یااہل یثرب لا مقام لکم فارجعوا ویستاذن فریق منہم النبی یقولون ان بیوتنا عورۃ وما ہی بعورۃ ان یریدون الا فراراً۔ (پ ۲۱ س احزاب ع ۱۸) مطلب وہی ہے جو سطور بالا میں مذکور ہوا ہے مگر کامل ایمان صحابہ کرام پر ان کے بہکانے کا بالکل کوئی اثر نہ ہوا۔ بلکہ دشمن کی اس کثیر التعداد فوج کو دیکھ کر ان کے یقین و ایمان میں مزید استحکام پیدا ہو گیا چنانچہ خداوند عالم ان کے حال کی اس طرح خبر دیتا ہے ولما رای المومنون الاحزاب قالوا ھذا ما وعدنا اللہ و رسولہ وصدق اللہ و رسولہ وما زادہم الا ایماناً وتسلیماً (پ ۲۲ س احزاب ع ۱۹)

پیغمبر اسلامؐ نے جناب سلمان محمدیؓ کی رائے کے مطابق حفظ ماتقدم کے طور پر اپنے اردگرد خندق کھودی تھی جسے دشمن عبور نہیں کر سکتا تھا خندق اتفاقاً ایک جگہ سے کم عریض (تھوڑی چوڑی) تھی عمرو بن عبدود نے گھوڑے کو مہمیز کیا اور اس پار پہنچ کر پیغمبر اسلامؐ سے مبارز طلب کیا پیغمبر اسلامؐ نے صحابہ کو مقابلے کیلئے فرمایا مگر مورخین لکھتے ہیں کہ بزم صحابہ میں یوں سناٹا طاری تھا۔ کانہم علی رؤسہم الطیور۔ کہ گویا سروں پر پرندے بیٹھے ہیں (روضۃ الاحباب ج ۱ ص ۲۱۲) سب سے زیادہ رعب جناب عمر بن الخطاب پر طاری تھا کیونکہ جب آنحضرت نے صحابہ سے اس خاموشی کا سبب دریافت کیا تو جناب عمر یوں گویا ہوئے یا رسول اللہ! یہ عمرو بن عبدود ہے جو عرب کے بہادروں میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا (پھر عمرو کے ساتھ اکیلے سفر شام کرنے اور ایک ہزار ڈاکوؤں کے حملہ کرنے اور عمرو کے تنہا ان کا مقابلہ کر کے ان کو بھگانے والا مشہور واقعہ بیان کیا)۔ جو روضۃ الصفا ج ۲ ص ۱۳۳ مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۶۱ وغیرہ میں مذکور ہے جسے سن کر اصحاب کے اور بھی چھکے چھوٹ گئے۔ المختصر آنحضرتؐ نے تین بار اس حکم کا تکرار فرمایا لیکن جب ہر بار سوائے حیدر کرار غیر فرار کے اور کوئی شخص شمع رسالت کا پروانہ اشداء علی الکفار کا مظہر بن کر آمادہ پیکار نہ ہوا تو تیسری مرتبہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو میدان جنگ میں جانے کی اجازت دی اور مزید براں اپنے دست مبارک سے انہیں اپنی زرہ پہنائی سر پر

اپنا عمامہ باندھا تلوار ذوالفقار مرحمت فرمائی اور دُعا دے کر روانہ کیا (خصائص سیوطی ج ۱ ص۲۳۰ سیرت حلبیہ ج ۲ ص۳۴۰) جب جناب امیرؑ میدان کار زار کی طرف بڑھے تو فرمایا قد برز الایمان کلہ الی الکفر کلہ۔ (حیوٰۃ الحیوان ج ۱ ص ۲۷۴/۲۴۹ طبع مصر) یہ وقت اسلام اور مسلمانوں کے لئے بڑا نازک تھا اسلام کی بقا و فنا کا سوال درپیش تھا المختصر حیدر کرار اس دیو پیکر سرخیل لشکر کفار کے مقابل گئے اور زبردست رن پڑا بالآخر اسد اللہ الغالب نے ایک ہی وار میں اس کا سرتن سے جدا کردیا۔ ادھر آپ نے نعرہ تکبیر بلند کیا ادھر پیغمبر اسلامؐ سجدۂ شکر میں جھک گئے اور فرمایا ضربۃ علی یوم الخندق افضل من عبادۃ الثقلین (شرح مقاصد ص ۳۰۰/۳۰۱ مدارج النبوۃ ج ۲ ص۲۳۳ روضۃ الاحباب ج ۱ ص۳۱۹ وغیرہ۔) عمرو بن عبدود کا قتل ہونا تھا کہ مخالفین میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ اس طرح خداوند عالم کا وہ وعدۂ فتح پورا ہوا جو اس نے مومنین سے کیا۔ کفار اپنے مذموم ارادوں میں ناکام ہوئے اور اسلام کی شاندار فتح ہوئی۔ ؎

جس وقت ظفریاب ہوئے حیدر کرار ⁂ ایک ہاتھ میں سر عمرو کا تھا ایک میں تلوار
فرمایا نبیؐ نے یہ اعلان و بہ تکرار ⁂ افضل ہے دو عالم کی عبادت سے یہ اک وار

سرفتح کا تھا پاؤں پہ خالق کے ولی کے
جبریل امیں چومتے تھے ہاتھ علیؑ کا

اس جنگ میں اصحاب ثلاثہ نے اسلام و مسلمانوں کی جو خدمت کی وہ ناظرین کرام نے ملاحظہ کرلی۔ آخر میں اس جنگ سے متعلق ایک اور واقعہ سماعت فرمالیجئے۔ جس سے ان حضرات کے ایمان و جہاد کا راز بالکل ہی طشت از بام ہوجاتا ہے۔ خندق کی رات (جبکہ سخت سردی پڑرہی تھی اور بارش بھی برس رہی تھی) آنحضرت نے فرمایا کوئی آدمی ہے جو اس وقت جاکر کفار کی خبر لائے۔ جو ایسا کرے گا وہ قیامت کے دن میرے ہمراہ ہوگا مگر کوئی آدمی نہ اٹھا۔ دوبارہ بھی اعلان فرمایا مگر پھر بھی کوئی نہ اٹھا۔ تیسری مرتبہ فرمایا یا ابابکر! تم جاکر خبر لاؤ ابوبکر نے کہا استغفر اللہ ورسولہ میں خدا اور رسول سے معافی چاہتا ہوں پھر فرمایا ان شئت ذھبت یا عمر! اگر چاہو تم چلے جاؤ! عمر نے بھی کہا استغفر اللہ ورسولہ! پھر حذیفہ سے فرمایا اور وہ لبیک کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور تعمیل حکم کی" (تفسیر درمنثور ج ۵ ص۱۸۵) تھوڑے سے اختلاف الفاظ کے ساتھ یہ واقعہ ان کتابوں میں بھی مذکور ہے۔ کنز العمال ج ۵ ص۲۸۹ مواہب لدنیہ ج ۲ ص۱۱۸ مسند احمد حنبل ج ۵ ص۳۹۲ کامل ابن اثیر ج ۲ ص۹۱ طبری ج ۳ ص۴۲ وغیرہ) اس واقعہ سے روز روشن کی طرح واضح ہوجاتا ہے کہ ان حضرات میں فداکاری و جاں نثاری اور حکم رسول کے پاس داری کا کس قدر جذبہ موجود تھا! فاعتبروا یا اولی الابصار۔

جنگ خیبر

غزوۂ خیبر اسلامی غزوات میں سے ایک عظیم غزوہ ہے جو یہودیوں سے لڑا گیا خیبر میں یہودیوں کے مضبوط قلعے تھے جن میں قریباً بیس ہزار جنگی آدمی موجود تھے ان میں سے سب سے زیادہ مضبوط قلعہ قموص تھا جس کا مسلمانوں نے محاصرہ کر رکھا تھا ہر روز آنحضرت کسی صحابی کو علم لشکر دے کر فتح کے لئے روانہ

کرتے مگر معمولی زد و خورد کے بعد بے نیل مرام واپس آجاتے ارباب تاریخ کا بیان ہے کہ اس اثنا میں آنحضرت نے ایک بار ابوبکر کو اور دو بار عمر کو بھی اسلامی لشکر کی قیادت سونپی مگر ہر بار جونہی حارث (یا مرحب) سے مڈبھیڑ ہوئی تو دونوں نے بلا تامل فرار اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہیں آیا جب بھاگتے اور آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے تو وہ لشکر کو بزدل بتاتے اور لشکر ان کو بزدل بتاتا یجبنهم ویجبنونه (کنز العمال ج ۵ ص۲۸۳) کنز العمال کی روایت کے الفاظ فلم یلبثوا ان ھزموا عمر و اصحابہ یعنی بالکل تھوڑی دیر میں یہودیوں نے عمر اور اس کے ساتھیوں کو بھگا دیا" اور شرح تجرید فاضل قوشجی ص۴۸۶ کے الفاظ یہ ہیں۔ رجعوا منهزمین خائفین "یعنی وہ خوف زدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے" ان حقائق کا شبلی نعمانی جیسے متعصب مورخ نے بھی اقرار کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں "قلعہ قموص مرحب کا تخت گاہ تھا۔ اس مہم پر آنحضرت نے حضرت ابوبکر و عمر کو بھیجا۔ لیکن دونوں ناکام واپس آئے طبری میں روایت ہے کہ جب خیبری قلعہ سے نکلا تو حضرت عمر کے پاؤں جم نہ سکے اور آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی فوج نے نامردی کی۔ لیکن فوج والوں نے ان کی نسبت خود یہی شکایت کی" (سیرۃ النبی ج ۱ ص۴۴۵) بعد ازاں شبلی نے اس روایت پر جو قدح کی ہے وہ بار علمیت سے بھی زیادہ کمزور ہے کما لا یخفی

ان لوگوں کی روش و رفتار سے ملول خاطر ہو کر ایک رات آنحضرت نے یہ اعلان واجب الاذعان فرمایا لاعطین الرایة غدا رجلا کرارا غیر فرار یحب اللہ ورسولہ ویحبه اللہ ورسولہ لا یرجع حتی یفتح اللہ علی یدیہ۔ کل میں علم لشکر اس مرد کو دوں گا جو بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والا ہوگا اور دشمن کو پیٹھ دکھانے والا نہ ہوگا وہ خدا اور رسول سے محبت رکھتا ہوگا اور خدا اور رسول اس کو دوست رکھتے ہوں گے وہ اس وقت تک واپس نہیں لوٹے گا جب خدا اس کے ہاتھوں پر (قلعہ خیبر) فتح نہیں کرے گا (روضۃ الصفا روضۃ الاحباب ج ۱ ص۲۹۲ معارج النبوۃ ج ۴ ص۲۱۳ مسند احمد حنبل ج۱ ص۹۹ طبع مصر وغیرہ) وہ رات اصحاب نے بڑی بے چینی اور انتظار میں گزاری کیونکہ ہر آدمی کی یہی تمنا تھی کہ کل علم لشکر اسے ملے (خصائص نسائی ص۱۲ طبع مصر) اور حضرت عمر کا یہ بیان تو ضرب المثل ہے وہ کہا کرتے تھے ومن امارت را ہرگز دوست نداشتہ مگر ہماں روز۔ میں نے اس دن کے سوا کبھی امارت و ولایت کی خواہش نہیں کی (روضۃ الصفا و روضۃ الاحباب) صاحب حملہ حیدری نے جناب عمر کی اس دلچسپ خواہش پر خوب طنز کیا ہے

عجب زو کہ ایں آرزوئے نمود ٭ کہ عمر فرار نہ شنیدہ بود

صبح ہوئی اور اصحاب جمع ہوئے تو آنحضرت نے سب پر ایک سرسری نظر ڈالی اور فرمایا علی کہاں ہیں؟ عرض کیا گیا کہ وہ اس قدر آشوب چشم میں مبتلا ہیں کہ اپنے پاؤں تک نہیں دیکھ سکتے آنحضرت نے حکم دیا کہ ان کو میرے پاس لاؤ جب جناب لائے گئے تو آنحضرت نے ان کا سر مبارک اپنے زانوئے اقدس پر رکھا اور آنکھوں میں اپنا لعاب دہن ڈال کر یوں دعا کی اللھم اکفه الحر والبرد خداوندا ان کو سردی و گرمی سے بچا۔ چنانچہ حضرت علی نے اسی وقت شفا پائی۔ پھر آنحضرت نے اپنی زرہ آپ کو پہنائی تلوار حمائل کر کے ساتھ باندھی اور علم لشکر ہاتھ میں دے کر روانہ کیا (روضۃ الاحباب ج ۱ ص۲۹۲) تھوڑی دور جا کر جناب امیر نے عرض کیا یا رسول اللہ اقاتلهم کہاں تک اور کس بات پر لڑوں؟ آنحضرت نے فرمایا، قاتلهم حتی یشهدوا ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ

جب تک کلمہ شہادت نہ پڑھیں اس وقت تک جنگ برابر جاری رکھو۔ المختصر آنجناب میدان کارزار میں پہنچے قلعہ قموص کے پاس پہنچ کر علم پتھر میں گاڑ دیا صبح وستور مرحب کا بھائی حارث اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ سامنے آیا (جو پہلے صحابہ کرام کو بھگا بھگا کر کافی دلیر ہو چکا تھا) حیدر کرار نے ایک ہی وار میں اسے واصل جہنم پہنچا دیا۔ یہ منظر دیکھ کر مرحب کو تاب ضبط نہ رہی اسلحۂ جنگ سے لیس غصہ سے بھرا ور نشۂ شجاعت سے مخمور ہو کر یہ رجز پڑھتا ہوا میدان میں نکلا ع انا الذی سمتنی امی مرحبًا الخ ...... میں وہ ہوں جس کا نام ماں نے مرحب رکھا ہے۔ اس کے جواب میں شاہ مردان شیر یزداں یہ رجز پڑھتے ہوئے اس کی طرف بڑھے۔

ع انا الذی سمتنی امی حیدرًا ، میں وہ ہوں جس کا نام ماں نے حیدر رکھا ہے مرحب نے چاہا کہ پہلے وار کرے مگر جناب امیر نے آگے بڑھ کر ذوالفقار صاعقہ بار سے ایک ایسا زبردست وار کیا کہ ملعون کے سر و تن کو دو نیم کرتی ہوئی تلوار اس کے زین کے قربوس تک پہنچ گئی۔ حضرت امیر خیبر گیر مرحب کو قتل کرنے کے بعد دوسرے بہادروں کی طرف بڑھے اور سات اور بہادروں کو خاک و خون میں ملا دیا۔ یہ ماجرا دیکھ کر یہودیوں پر کچھ ایسا رعب طاری ہوا کہ ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور راہ فرار اختیار کی۔ آنجناب ان کا تعاقب کرتے ہوئے قلعہ قموص تک پہنچ گئے اور اس کے آہنی دروازہ میں ہاتھ ڈال کر اس طرح سے زور سے اکھاڑ کر دور پھینکا کہ سارا قلعہ ہل گیا۔ اہل قلعہ نے الاماں کی آوازیں بلند کیں اور جناب امیر نے جناب رسول خدا سے اجازت حاصل کرنے کے بعد ان کو امان دی اور اس طرح یہ جنگ فتح و نصرت سے ہمکنار ہوئی جب جناب امیر اس نمایاں کامیابی کے بعد واپس تشریف لائے تو آنحضرت نے خیمہ سے نکل کر آپ کا استقبال کیا اور بغل گیر ہو کر پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا یا علی! تمہاری سعی مشکور ہے، خدا تم سے راضی ہے اور میں بھی راضی ہوں (روضۃ الصفا و روضۃ الاحباب وغیرہ) خدا کا یہ ارشاد پہلے پیش کیا جا چکا ہے کہ یا ایہا الذین آمنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفًا فلا تولوھم الادبار۔ (تا قولہ تعالی) فقد باء بغضب من اللہ وماواہ جہنم وبئس المصیر (پ ۹ س انفال ع) اس آیت مبارکہ میں تو یہ حکم صریح موجود ہے کہ جب کفار سے مڈبھیڑ ہو تو ان کو ہرگز پیٹھ نہ دکھانا۔ لہذا صادق الایمان وہی ہوگا جو میدان جنگ میں جائے تو یا فتحیاب ہو کر واپس آئے یا پھر شہید ہو جائے مگر اصحاب ثلاثہ عجیب مومن ہیں کہ میدان میں جاتے ہیں اور بلا فتح مع السلامت کفار کو پیٹھ دکھا کر واپس آجاتے ہیں نہ معلوم مولوی کرم الدین صاحب اور ان کے ہمنوا اس آیت کے آخری حصہ فقد باء بغضب من اللہ وماواہ جہنم کہ ایسا کرنے والا غضب خداوندی میں گرفتار ہوگا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا کی کیا تاویل کرتے ہیں؟

ع دل اہل نظر از سبب سے انصاف طلب ہے۔

جنگ حنین

فتح مکہ کے بعد یہ جنگ لڑی گئی یہ جنگ بھی بڑی معرکۃ الآراء تھی کفار کی تعداد تقریبًا تیس ہزار اور مسلمانوں کی سولہ اور بقولے بارہ ہزار تھی اور اب کی مرتبہ مسلمانوں کو اپنی کثرت پر بڑا ناز تھا چنانچہ جب اسلامی فوج ظفر موج حنین کی طرف جا رہی تھی تو جناب ابوبکر نے اپنی کثرت تعداد پر بھروسہ کرتے ہوئے کہا کہ اب ہم ہرگز مغلوب نہ ہوں گے، جب آنحضرت نے یہ فقرہ سنا تو انہوں نے اسے ناپسند کیا اور یہی فقرہ خدا کی ناراضگی کا سبب بنا اور ابتدائے جنگ میں

مسلمانوں کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا (روضۃ الاحباب روضۃ الصفا وغیرہ) ابتدائی ہزیمت کی کیفیت شبلی نعمانی کے لفظوں میں سنیئے لکھتے ہیں " فوج اسلام نے جن کی تعداد بارہ ہزار تھی صبح کے وقت حملہ کیا اُدھر کمین گاہوں سے تیر اندازوں کے دستے نکل آئے اور تیروں کا مینہ برسا دیا مقدمۃ الجیش ابتری کے ساتھ بے قابو ہو کر پیچھے ہٹا اور پھر تمام فوج کے پاؤں اکھڑ گئے " (سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۹)

اب باقی کس قدر رہے؟ اس میں اختلاف ہے ۱؎ روضۃ الصفا سے ظاہر ہوتا ہے کہ سولہ افراد آنحضرت کے ہمراہ رہ گئے جن میں نو بنی ہاشم میں سے تھے ۲؎ اور روضۃ الاحباب (ج ۲) ص ۲۵ سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف چار شخص باقی رہ گئے (۱ حضرت علیؑ ۲ جناب عباس ۳ جناب ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب ۴ جناب عبداللہ بن مسعود " تاریخ خمیس میں بھی اسی قول کو اختیار کیا گیا ہے کیفیت یہ تھی کہ حضرت علیؑ و عباسؓ سامنے سے آنحضرت کی حفاظت کر رہے تھے اور جناب ابوسفیان بن حارث سواری کی لگام پکڑے ہوئے تھے اور ابن مسعود بائیں جانب تھے نیز فتح الباری شرح بخاری میں ہے (علی نقل عنہ)

کہ جب اصحاب آنحضرتؐ کو نرغۂ اعداء میں گھرا ہوا چھوڑ کر چلے گئے تو صرف چار شخص باقی رہ گئے تین بنی ہاشم میں سے اور ایک غیر ہاشمی (جن کے اسماء گرامی اوپر موجود ہیں) اس وقت آنحضرت یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

انا النبی لا کذب ؛ انا ابن عبد المطلب

۲؎ اور فاضل قوشجی نے ان ساتھ دینے والوں کی تعداد نو لکھی ہے۔ بہرحال خواہ سولہ ہوں یا نو ہوں یا چار ان میں کہیں بھی اصحاب ثلاثہ کے نام نظر نہیں آتے۔ بلکہ وہ تو بالیقین مفرورین میں شامل تھے چنانچہ بخاری ج ۳ ص ۴۳ طبع مصر میں ابوقتادہ سے مروی ہے

فانہزم المسلمون وانہزمت معہم فاذا بعمر بن الخطاب فی الناس فقلت ما شان الناس قال امر اللہ۔

اور اس دن جب مسلمان بھاگے اور میں بھی بھاگا تو میں نے اس جماعت میں جناب عمر کو بھی چند لوگوں کے ساتھ دیکھا میں نے ان سے کہا لوگوں کا کیا حال ہے کہا خدا کی مرضی۔

اس وقت آنحضرت نے جناب عباس کو حکم دیا (جو کہ بلند آواز تھے) کہ اصحاب کو ندا دو چنانچہ انہوں نے باآواز بلند کہا یا معشر الانصار یا اصحاب الشجرہ یا اصحاب سورۃ البقرۃ۔ اے گروہ انصار اے درخت والو، اے سورۂ بقرہ والو (اس میں بیعت الرضوان کی طرف اشارہ تھا جس میں اس بات پر بیعت کی تھی کہ اب کبھی دشمن کو پیٹھ نہیں دکھائیں گے۔

بہرحال اس ندا کا یہ اثر ضرور ہوا کہ سو انصار واپس بارگاہ نبویؐ میں پہنچ گئے مگر ان میں مہاجر کوئی نہیں تھا (ملاحظہ ہو تاریخ روضۃ الصفا ج ۲ ص ۱۰۸ اور تفسیر در منثور ج ۳ ص ۲۲۵)

الغرض، جب انصار واپس آگئے اور پھر لڑائی شروع ہوئی تو کفار کی طرف سے ایک نامی گرامی پہلوان ابوجرول رجز پڑھتا ہوا میدان میں نکلا اس صورت دھولت سے اصحاب ایسے مرعوب ہوئے کہ سوائے شاہ مردان شیر یزداں کے اور کوئی مقابلہ کے لئے نہ نکلا آنجناب نے ذوالفقار شعلہ بار کے ایک ہی وار سے فی النار کیا جس سے کفار کا حوصلہ پست ہو گیا ان کے اور بھی ستر آدمی مارے گئے جن میں چالیس اسد اللہ الغالب کے ہاتھ سے قتل ہوئے اور باقی تیس دوسرے مجاہدین کے ہاتھوں واصل جہنم ہوئے (معارج النبوہ رکن چہارم ص ۲۹۳)

خداوند عالم نے انہی واقعات حنین کا ان آیات میں تذکرہ فرمایا ہے لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئا وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المومنین وانزل جنودا لم تروہا وعذب الذین کفروا وذلک جزاء الکافرین (پ ۱۰ س توبہ ع ۱۰) (مسلمانو اللہ بہت سے موقعوں پر تمہاری مدد کر چکا ہے اور (خاص کر) حنین کے دن جبکہ تمہاری کثرت نے تم کو مغرور کر دیا تھا (کہ ہم بہت ہیں) تو وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور (اتنی فراخ) زمین باوجود وسعت کے تم پر تنگی کرنے۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور (نیز) مسلمانوں پر اپنی (طرف سے) تسلی نازل فرمائی اور تمہاری مدد کو فرشتوں کے ایسے لشکر بھیجے جو تم کو دکھائی نہیں دیتے تھے اور کافروں کو بڑی مار دی اور کافروں کی یہی سزا ہے۔" (ترجمہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب)

مذکورہ بالا حقائق کے پیش نظر یہ امر مزید کسی دلیل کا محتاج نہیں رہتا کہ جن اہل ایمان پر "سکینہ خداوندی" نازل ہوا ان سے مراد وہ مخلص باصفا صحابی ہیں جو آنحضرت کے ہم رکاب رہے (جنکی تعداد سابقاً ذکر ہو چکی ہے) اور وہ سو انصاری جو جناب عباس کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور پھر جم کر میدان وغا میں داد شجاعت دی بہر حال ہمارے مخاطب کے خاص ممدوح یعنی اصحاب ثلاثہ پر اس کا اطلاق کسی طرح بھی نہیں ہو سکتا۔ وہو المقصود بیعت شجرہ میں فرار نہ کرنے پر بیعت کر چکے تھے اور اس سے پہلے جنگ احد میں فرار ہو چکے تھے۔ خیر وہ تو خدا نے معاف کر دیا مگر آئندہ کے لئے یہ تہدید شدید ضرور فرما دی تھی "وان تتولوا کما تولیتم من قبل یعذبکم عذابا الیما" (پ ع)

اگر اب بھی اسی طرح فرار کیا جس طرح اس سے پہلے (جنگ احد میں) کیا تھا تو خدا تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔ لیکن سطور بالا میں ناقابل تردید تاریخی حقائق کی روشنی میں ثابت کر دیا گیا ہے کہ اس کے بعد بھی یہ حضرات جنگ خیبر و جنگ خندق اور حنین میں برابر اس عہد کی مخالفت کر کے میدان جنگ سے بھاگتے رہے تو اب یقیناً وہ مندرجہ ذیل آیت کی زد میں آ جائیں گے ولقد کانوا عاہدوا اللہ من قبل لا یولون الادبار وکان عہد اللہ مسئولا (پ ۲۱ س احزاب ع ۱۸) (حالانکہ یہی لوگ اس سے پہلے خدا سے عہد کر چکے تھے کہ ہم دشمن کے مقابلہ میں پیٹھ نہ دکھائیں گے (اور ان لوگوں نے جو خدا سے عہد کیا تھا) اس کی تو ان سے) باز پرس ہو کر رہے گی۔ (ترجمہ نذیریہ) اسی طرح یہ آیت بھی ان پر منطبق ہو گی (من یولہم یومئذ دبرہ تا قولہ) فقد باء بغضب من اللہ ومأواہ جہنم وبئس المصیر (جو کافروں کو پیٹھ دکھائے گا وہ خدا کے قہر وغضب میں مبتلا ہو گا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہو گا۔ جو بری جگہ بازگشت ہے۔ ظاہر ہے کہ مذمت و سرزنش کسی خاص جنگ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اس میں عمومیت پائی جاتی ہے یہ ہے ان حضرات کے "اشداء علی الکفار" کی شجاعت اور صولت و سطوت کی داستان عبرت توامان جو اختصار سے ساتھ گوشگذار کر دی گئی ہے لیکن وہ "ما اکثر العبر وما اقل الاعتبار"۔ ان حقائق کی روشنی میں روز روشن کی طرح یہ بات واضح و آشکار ہو گئی کہ جو آیت مبارکہ مولوی کرم الدین صاحب نے اصحاب ثلاثہ کے حق میں پیش کر کے اس سے ان کی فضیلت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ان کی وہ کوشش ناکام ناتمام ہے اصحاب ثلاثہ اور ان کے تابعین ہرگز اس میں

شامل نہیں ہیں (اور نہ ہو سکتے ہیں) من آنچہ شرط بلاغ است باتو میگویم ہ تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال ۔

ہم اس طویل سمع خراشی کے لئے اپنے معزز ناظرین سے معذرت چاہتے ہیں کہ باوجود بنا بر اختصار یہاں رشتہ کلام غیر معمولی طور پر طویل ہو گیا مگر ہمارے اس تفصیلی بیان حقائق ترجمان سے دراصل ان تمام آیات کا جواب باصواب معلوم ہو گیا ہے جو مولوی صاحب نے پیش کی ہیں یا اس مقام پر محبان ثلاثہ پیش کیا کرتے ہیں چنانچہ ہم آئندہ (دوسری متعلقہ آیات کے ذیل میں اسی تفصیلی جواب کا حوالہ دے کر بہت اختصار کے ساتھ کام لیں گے اس طرح اس طوالت کی کچھ تلافی ہو جائے گی انشاء اللہ والحمد للہ علی وضوح الحق والحقیقہ تلک آیات اللہ نتلوھا علیک بالحق فبای حدیث بعد اللہ وآیاتہ یؤمنون ۔

دوسری آیت والذین ہاجروا فی سبیل اللہ من بعد ما ظلموا لنبوئنھم فی الدنیا حسنۃ ولاجر الآخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون ۔ ترجمہ جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی ان کے مظلوم ہونے کے بعد ہم ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے اور قیامت کا اجر تو بہت بڑا ہے ‘‘ باری تعالیٰ نے اس آیت میں ان مہاجرین کاملین کی شناخت کا جو نیا منے محض خدا کی راہ میں سچی نیت سے ہجرت اور اتباع رسول میں وطن چھوڑا ایک عمدہ نشان بتلا دیا ہے وہ یہ ان کی قابل قدر جانفشانی اور مخلصانہ خدمت کا معاوضہ ان کو دنیا میں بھی عطا ہوگا لنبوئنھم فی الدنیا حسنۃ ۔ یعنی ان کو مسند جلیل خلافت عطا ہوگی اور قیامت میں ان کا رتبہ بہشت بہت ہی اعلیٰ ہوگا اب ہم شیعہ صاحبان سے پوچھتے ہیں کہ یہ پیشگوئی اصحاب ثلاثہ کے حق میں پوری ہوئی یا نہ ؟ ماننا پڑے گا کہ پوری ہوئی اور بڑی صفائی سے اصحاب ثلاثہ آنحضرت کی زندگی میں مقرب خاص اور حضوری رہے اور آپ کے انتقال کے بعد آپ کی مقدس اور مبارک مسند پر جاگزیں ہوتے ۔ خلافت رسولؐ کی کرسی کا اعزاز نصیب ہوا جس قدر فتوحات ملکی ان کو نصیب ہوئیں ان کی شہادت ایک ایک تاریخ عالم میں موجود ہے ‘‘ الخ آفتاب ص۱۹۱)

الجواب اس استدلال کی رکاکت و کمزوری ارباب علم و اطلاع پر پوشیدہ نہیں ہے کیونکہ اولاً اس آیت مبارکہ میں خداوند عالم نے ان اصحاب باصفا سے دنیا میں حسنہ اور آخرت میں اجر عطا کرنے کا وعدہ جلیلہ فرمایا ہے جنہوں نے محض رضائے خدا کے لئے ہجرت کی (ہاجروا فی سبیل اللہ) جیسے مولوی صاحب نے بھی تسلیم کر لیا ہے ابھی ہم اوپر پہلی آیت کے جواب میں بڑی وضاحت کے ساتھ یہ ثابت کر چکے ہیں کہ اصحاب ثلاثہ کی ہجرت خالصاً لوجہ اللہ نہ تھی اور یہ امر بھی اس مقام پر منکشف کیا جا چکا ہے کہ اس قسم کے خدائی وعدے چند شرائط کے ساتھ مشروط ہوتے ہیں منجملہ ان کے ایمان، استقامت اور عمل صالح بھی ہیں ۔ اور اصحاب ثلاثہ میں یہ تینوں شرطیں مفقود ہیں (تفصیل پہلی آیت کے جواب میں گزر چکی ہے) پھر کس طرح تمام حقائق سے آنکھیں بند کر کے ان حضرات کو اس آیت کا مصداق تسلیم کیا جا سکتا ہے ؟

ثانیاً حسنہ دنیوی سے مسند خلافت اور دنیوی اقتدار مراد لینا تفسیر بالرائے کی (جو بالاتفاق حرام ہے) ایسی بدترین مثال ہے کہ جس کی نظیر شاید خود اصحاب ثلاثہ کے حالات میں بھی نہ مل سکے گی کیونکہ تاریخ اسلام [illegible]

واقعات ملتے ہیں کہ جب ان لوگوں سے کسی ایسی آیت کے معنی دریافت کئے

خلفاء ثلاثہ کی جہالت از کتاب اللہ جاتے جو انہیں معلوم نہ ہوتے تو اپنی لاعلمی کا صاف اقرار کر لیتے یا اگر وہ کوئی غلط معنی بیان کرتے اور ان کو صحیح معنی بتائے جاتے تو اعتراف کر لیتے چنانچہ جب جناب ابوبکر سے وفاکہۃ وابّا کے معنی دریافت کئے جاتے ہیں اور وہ جواب میں کہتے ہیں ای سماء تظلنی وای ارض تقلنی ان انا قلت فی کتاب اللہ مالا اعلم" کون سا آسمان مجھ پر سایہ ڈالے گا اور کون سی زمین مجھے اٹھائے گی اگر میں کتاب خدا کے بارے میں وہ بات کہہ دوں جس کا مجھے علم نہیں ہے۔

(تفسیر اتقان ج ۱ ص ۱۱۵)

اسی طرح جب عمر صاحب نے مغالات فی المہور" (عورتوں کا حق مہر زیادہ مقرر کرنے) کی مناہی کی اور ایک بوڑھی عورت نے قرآنی آیات وآتیتم احداہن قنطارا کیساتھ استدلال کیا تو عمر نے یہ باتیں الفاظ اقرار کر لیا، کل الناس افقہ من عمر حتی المخدرات فی الحجال۔ سب لوگ عمر سے زیادہ مسائل شریعت جانتے ہیں حتی کہ پردہ نشین بوڑھی عورتیں بھی (کنز العمال ج ۸ ص ۲۹۸ ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۱۷۷ بالفاظ مختلفہ، حیواۃ الحیوان ج ۱ ص ۲۳ تفسیر مدارک ج ۱ ص ۱۹۱ تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۵۳۔)

جناب عثمان نے ایک ایسی عورت کے رجم کا حکم دے دیا جس نے چھ ماہ کے بچے کو جنم دیا تھا حضرت علیؑ نے ٹوکا کہ اسے رجم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ خدا فرماتا ہے حملہ وفصالہ ثلاثون شھرا یعنی حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہے پھر فرماتا ہے والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین۔ کہ مائیں پورے دو سال اپنے بچوں کو دودھ پلائیں اس سے معلوم ہوا کہ دو سال دودھ پلانے کی مدت اور چھ ماہ حمل کی اس طرح کامل تیس ماہ ہو گئے جناب امیر علیہ السلام کا یہ قرآنی استدلال سن کر عثمان نے آدمی بھیجا کہ اس عورت کو رجم نہ کیا جائے مگر افسوس کہ خلیفہ کی لاعلمی کی وجہ سے وہ (بیچاری) رجم ہو چکی تھی"۔ (کشف المغطا عن المؤطا ص ۵۳ طبع لاہور (نقلاً من فلک النجاۃ) مگر آج ثلاثہ کے مریدان باصفا اور وکیلان بلا تنخواہ قرآنی آیات کے من مانے معنی بیان کرتے ہیں اور حق وحقائق سے ذرہ بھی شرم وحیا نہیں کرتے اور وہ بھی اصحاب ثلاثہ کی حمایت میں کیا ان کی اس روش مخالفہ سے اصحاب ثلاثہ کی روحیں ان سے خوش ہوں گی؟ اگر یہ معنی کرنے والوں میں کچھ بھی جرأت ہے تو وارثان قرآن کی کوئی صحیح حدیث تائید میں پیش کریں اگر ایسا نہ کر سکیں (اور ہرگز نہیں کر سکتے) تو انہیں من فسر القرآن برایہ فلیتبوأ مقعدہ من النار (جو شخص قرآن کی تفسیر اپنی منشا سے کرے اسے اپنا ٹھکانا جہنم میں سمجھنا چاہیے (تفسیر اتقان ج ۱ ص ...) کی بڑی تہدید شدید سے ڈرنا چاہیے۔

ثالثاً اگر حسنہ دنیوی سے دنیاوی مسند اقتدار مراد لی جائے تو پھر ان تمام انبیاء و مرسلین کو اس حسنہ سے تہی دست ماننا پڑے گا جن کو دنیوی اقتدار نصیب نہیں ہوا بلکہ وہ قید و بند میں مبتلا رہے ... وہ بیچارے عالم بقا ہو گئے یا بڑی بے دردی و سفاکی کے ساتھ شہید کر دئیے گئے ارشاد ایزدی ہے تقتلون فریقاً و تاسرون فریقاً (جب بھی کوئی نبی و رسول بھیجا جاتا) تو تم بعض کو قتل کر دیتے تھے اور بعض کو قید کر دیتے تھے تو کیا یہ معنی کرنے والے نبیوں کا اس حسنہ سے تہی دامن ہونا تسلیم کریں گے؟ جن کے دامن حسنات دنیوی و اخروی سے پُر ہوتے ہیں۔

والیھا اجرٌ حسنہ" کے یہی معنی ہیں (مسند اقتدار کا حاصل ہونا) تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا ہجرت کرنے والے یا ان میں سے مخلص خدا کی راہ میں سچی نیت سے ہجرت کرنے والے صرف "اصحاب ثلاثہ ہی تھے؟ کہ حسب وعدہ خدا نے صرف ان کو دنیا میں معاوضہ عطا فرمایا اور دوسروں کو محروم رکھا۔ دوسروں کی محرومی کی وجہ کیا ہے؟ جبکہ معاوضہ ملنے کے سبب میں سب باہم شریک ہیں؟ جواب میں اگرچہ یہ کہا جائے کہ سب مخلص نہ تھے تو ہمارا مدعا حاصل ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ سب مخلص تھے تو پھر بتایا جائے کہ اکثریت کی اس حسنہ سے محرومی کا باعث کیا ہے؟

خامساً۔ مستدل کا یہ کہنا کہ "آنحضرت کی زندگی میں مقرب خاص اور حضوری رہے" ان کے مقربِ بارگاہ اور حضوری خاص ہونے کا سابقہ اوراق میں پردہ چاک کیا جا چکا ہے کہ زندگی بھر ان پر خدا اور رسول کی وعید و تہدید کے تازیانے برستے رہے اور بالآخر پیغمبر نے اپنے آخری لمحاتِ حیات میں انہیں اپنی بزم رسالت سے بھی اٹھا دیا (بخاری شریف)

سادساً۔ صاحب کتاب کا یہ کہنا کہ آپ کے ارتحال کے بعد کرسی خلافت کا اعزاز نصیب ہوا"، یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ آیا ان کو یہ اعزاز خدا نے عطا فرمایا تھا اگر ایسا ہے تو وہ آیت پیش کی جائے یا رسول خدا نے انہیں یہ شرف بخشا تھا؟ اگر ایسا ہے تو وہ حدیث نبوی پیش کی جائے! اور اگر نہ خدا نے انہیں خلیفہ بنایا نہ رسول نے اس کا اعلان فرمایا بلکہ بلطائف الحیل سے خدا اور رسول کے مقرر کردہ خلیفہ کو محروم اقتدار کرکے اپنے بعض جی حضوری قسم کے ہمنواؤں کی ملی بھگت سے خود بخود مسند خلافت پر قبضہ کرکے بیٹھ گئے تو پھر سوچنا چاہیئے کہ یہ لائق فخر کارنامہ ہے یا خیانت مجرمانہ؟ سابعاً بالفرض اگر ظاہری اقتدار کا حاصل ہونا کوئی بڑا قابل رشک شرف و اعزاز ہے تو پھر اصحاب ثلاثہ اس اعزاز کے حاصل کرنے میں منفرد نہیں بلکہ یزید پلید، ولید عنید، مروان طرید اور متوکل مرید وغیرہم جیسے شریر، ظالم و جفا کار اور خبیث و بدکار بھی اس شرف میں ان کے ساتھ برابر کے شریک ہیں

ثامناً۔ ملکی فتوحات کو صداقت کی دلیل قرار دینا بھی مولف محترم کی خوش فہمی ہے ورنہ معمولی دینی معلومات رکھنے والے لوگ جانتے ہیں کہ اس چیز کو کسی شخص کی صداقت اور حقانیت کی دلیل نہیں قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ اہلسنت کی متعدد روایات میں وارد ہے ان اللہ یؤید ہذا الدین بالرجل الفاجر۔ خدا اس دین کی تائید فاسق و فاجر آدمی کے ذریعے کر دیتا ہے۔ یا۔ ان اللہ یؤید الدین باقوام لاخلاق لہم۔ خدا دین کی تائید ایسے لوگوں سے بھی کر دیتا ہے جن کا دین میں کوئی حصہ نہیں ہوتا (ملاحظہ ہو کنز العمال ج ۵ ص ۲۱۲ تفسیر اتقان ج ۲ ص ۱۳۵ روضۃ الاحباب ج ۱ ص ۳۵۳ وغیرہ)

بخاری مع فتح الباری ج ۳ ص ۱۳۱ طبع دہلی میں یہاں تک تصریح موجود ہے کہ "امر بلالا فنادی فی الناس انہ لا یدخل الجنۃ الا نفس مسلم وان اللہ لیؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر" آنحضرت نے جناب بلال کو حکم دیا کہ لوگوں میں اعلان کریں کہ بغیر مسلمان ہونے کے اور کوئی شخص بہشت عنبر سرشت میں داخل نہ ہو سکے گا اور خدا اس دین کی تائید فاسق و فاجر شخص سے بھی کر دیتا ہے"

لہ خلافت ثلاثہ کی کیفیت انعقاد کی تفصیلات معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب "اثبات الامامت" کی طرف رجوع کریں (منہ عفی عنہ)

فاعتبروا یا اولی الابصار

۵ مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے ۔ آئینہ دیکھئے گا ذرا دیکھ بھال کر

الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ (پ ۱۷، س ح ع ۱۳)

تیسری آیت ۔ **ترجمہ** ۔ جو لوگ اپنے دیار سے ناحق نکال دیئے گئے صرف اس بات پر کہ کہتے تھے کہ ہمارا رب ایک خدا ہے ،، اس آیت میں بھی ان مہاجرین کی شناخت بتلائی گئی ہے کہ ہاجروا فی سبیل اللہ ،، کے مصداق وہی لوگ ہیں جو صرف خدا کی توحید کا کلمہ پڑھنے پر اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے تھے ۔ یا کسی اور بات پر اپنے دیار سے بھاگتے تھے ہرگز نہیں صرف اسی دعویٰ ،، ربنا اللہ کے بدلے جو مخالفین اسلام کو ناگوار گزرتا تھا ۔ انہی لوگوں کا نشان رب العباد ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے ۔ الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ الخ یہ ایسا مخلص گروہ ہے کہ ان کو زمین پر تمکن (اقتدار) حاصل ہو جاتے تو پھر بھی نماز پڑھتے، زکوٰۃ دیتے بھلائی کا حکم کرتے اور برائی سے منع کرتے ہیں) دیکھو یہ نشان ان نفوس مقدسہ میں کیسا چمکتا ہوا دکھائی دیتا ہے الخ ... افسوس شیعہ ایسے پاک نفوس کے حق میں بدگمانی کرتے ہیں الخ
آفتاب صہ۲۲

(**الجواب**) اس سلسلہ کی پہلی آیت کے جواب میں تفصیل کے ساتھ ثابت کیا جا چکا ہے کہ اس قسم کی آیات متعلقہ دوسرے شرائط و قیود کا لحاظ کیئے بغیر استدلال کرنا بلا تشبیہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص من قال لا الہ الا اللہ ومات علیہ دخل الجنۃ (بخاری و مسلم وغیرہ) سے استدلال کرتے ہوئے کہے کہ نجات کے لئے صرف بطور تلقلقہ لسانی لا الہ الا اللہ ، کہہ لینا کافی ہے (حتیٰ کہ محمد رسول اللہ کہنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں تا باعمال دیگر چہ رسد؟) اور اگر وہ استدلال صحیح نہیں ہے تو یہ بھی درست نہیں ہے اور چونکہ اصحاب ثلاثہ ان مقررہ شرائط پر پورے نہیں اترتے اس لئے اس فضیلت سے محروم متصور ہونگے منجملہ دیگر شرائط کے ایک اہم شرط اخلاص فی العمل بھی ہے اور یہ شرط یہاں مفقود ہے یہ حقیقت قرآنی آیات سے ثابت ہے کہ جن لوگوں کو کفار نے مکہ سے نکالا اور وہ ہجرت کرکے مدینے آئے وہ تمام مخلص نہ تھے ۔ بلکہ بعض کی ہجرت خالصۃً لوجہ اللہ تھی اور بعض کی بطمع مال و منال چنانچہ خداوند عالم انہی صحابہ کو خطاب کرکے فرماتا ہے منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الاخرۃ (تم میں سے بعض دنیا کے طلب گار ہیں اور بعض دین کے ایک اور مقام پر فرماتا ہے تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الاخرۃ تم دنیوی متاع چاہتے ہو حالانکہ خدا تو آخرت چاہتا ہے ۔ دنیائے دوں کے طلب گار اگر مہاجر و انصار نہیں ہیں تو پھر وہ لوگ کون ہیں؟ اور بالذات یہ خطاب کن لوگوں سے ہے؟ یہ درست ہے کہ بظاہر تو ان ہجرت کرنے والوں کا جرم کفار کی نظر میں صرف اقرار توحید تھا مگر جب علیم بذات الصدور ذات نے وضاحت فرما دی کہ سب مہاجر اس کام میں مخلص نہ تھے تو اب ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ مولف کے ممدوحین کی یہ ہجرت طلب دنیا تھی نہ طلب دین ۔

تمول ابوبکر چنانچہ انہوں نے مدینہ پہنچ کر غنائم وغیرہ فدائح سے خوب دولت کمائی اور حطام دنیا کو خوب دل کھول کر سمیٹا ذیل میں ان کا ایک مختصر سا نقشہ پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت عمر نے کئی ہزار روپیہ ان کے گھر سے ضبط کر کے بیت المال میں داخل کیا (الریاض النضرہ ج ۲ ص ۱۳۹ طبع مصر) (۲) حضرت صدیق کے پاس چالیس ہزار روپے نقد موجود تھے (تاریخ کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۲۰۵)

تمول عمر (۱) آپ نے اپنے خاص مال سے اپنے ایک خسر کو دس ہزار درہم دیئے (طبقات ابن سعد قسم اول ج ۳ ص ۲۱۹) (۲) اپنے عہد خلافت میں پانچ ہزار روپیہ اپنی تنخواہ مقرر کی (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۲۴۲) (۳) شبلی نعمانی لکھتے ہیں "وقت رحلت جب قوم کے کام سے فراغت ہو چکی تو اپنے ذاتی مطالب پر توجہ کی عبداللہ اپنے بیٹے کو بلا کر کہا کہ مجھ پر کس قدر قرض ہے؟ معلوم ہوا کہ چھیاسی ہزار درہم، فرمایا کہ میرے متروکہ سے ادا ہو سکے تو بہتر ورنہ خاندان بنی عدی سے درخواست کرنا اور اگر وہ بھی پورا نہ کر سکیں تو کل قریش سے، یہ صحیح بخاری کی روایت ہے، لیکن عمر بن شبہ نے کتاب المدینہ میں بسند صحیح روایت کی ہے کہ نافع جو حضرت عمر کے غلام تھے کہتے تھے کہ عمر پر قرض کیونکر رہ سکتا تھا حالانکہ ان کے ایک وارث نے اپنے حصہ وراثت کو ایک لاکھ پر بیچا تھا (دیکھو فتح الباری مطبوعہ مصر ج ۷ ص ۵۳) الخ ...." (الفاروق ج ۱ ص ۱۲۱ طبع لاہور)

تمول عثمان (۱) ایک ہزار اونٹ غلہ سے چھڑا ہوئے ہوئے شام سے آئے (الریاض النضرہ ج ۱ ص ۱۰) (۲) ایک کنواں پینتیس ہزار میں خریدا (ایضاً ج ۲ ص ۹۲) (۳) پچیس ہزار میں ایک زمین خریدی (ایضاً ص ۱۴۳) (۴) شہادت کے وقت آپ کے خزانچی کے پاس تین کروڑ پانچ لاکھ درہم اور ایک لاکھ دینار اور ہزار اونٹ ربذہ میں موجود تھے (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۵۳) جناب عبدالرحمن بن عوف (جو کہ حضرت عثمان کے داماد اور مجلس شوریٰ کے میر مجلس تھے) نے وقت وفات چالیس ہزار نقد اور پانچ سو گھوڑے اور ڈیڑھ ہزار اونٹ چھوڑے (ریاض نضرہ ج ۲ ص ۲۹۱) اگر ان حضرات کے دوسرے متعلقین مثل طلحہ و زبیر وغیرہ کے تمول کی داستانیں بیان کی جائیں تو لوگ کان پکڑنے لگیں خدا کا وعدہ ہے انی لا اضیع عمل عامل منکم کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا لہذا جو دنیا کے لئے تگ و تاز کرتا ہے اسے دنیا دے دیتا ہے اور جو آخرت کیلئے کدوکاوش کرتا ہے اسے ثواب بے حساب سے نوازتا ہے یعنی

مصرعہ: دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

اصحاب ثلاثہ اور انکے ہمنواؤں کے خشوع وخضوع کا بیان

ارشاد ربانی ہے قد افلح المومنون الذین ہم فی صلوتہم خاشعون (پ ۱۸ س مومنون ع ۱) یعنی اہل ایمان رستگاری حاصل کریں گے جو گریہ وزاری اور عجز و انکساری کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ اصحاب ثلاثہ اور ان کے ہم نوالہ وہم پیالہ حضرات جس خوف و خشیہ کے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے اس کی جھلکیاں قرآن اور تاریخ اسلام کے صفحات پر نمایاں نظر آتی ہیں۔ بطور نمونہ مشتے از خروارے ملاحظہ ہو عن ابن عباس کانت امرأة تصلی خلف رسول اللہ حسناء من احسن الناس مکان بعض القوم

یتقدم حتیٰ یکون فی الصف الاول لئلا یراہا ویستاخر بعض حتیٰ یکون فی الصف المؤخر فاذا رکع نظر من تحت ابطہ فانزل اللہ ولقد علمنا المستقدمین منکم ولقد علمنا المستاخرین (تفسیر در منثور ج ۴ ص ۱۲۵) یعنی ایک نہایت حسین وجمیل عورت جناب رسول کے پیچھے آکر نماز پڑھا کرتی تھی بعض اصحاب اس لئے پہلی صف میں کھڑے ہوتے تاکہ ان کی اس پر نظر نہ پڑے اور بعض اس لئے پچھلی صف میں کھڑے ہوتے تھے تاکہ اس کو دیکھ سکیں جب رکوع کرتے تو بغلوں کے نیچے سے اس کو دیکھتے رہتے جس پر یہ آیت نازل ہوئی ولقد ..... ،، یہ حضرات کے ممدوحین کے زہد و ورع کا عالم ہے کہ عین حالت نماز میں بھی نامحرم عورتوں کو تاکا کرتے تھے یہ درست ہے کہ اس روایت میں اصحاب ثلاثہ کی تصریح نہیں ہے مگر ایسا کرنے والے تھے تو صحابہ کرام اور مہاجرین عظام کہاں ہیں۔ الصحابۃ کلہم عدول کی گردان کرنے والے وہ آئیں اور یہ روایت ملاحظہ فرمائیں سیوطی کے علاوہ بھی بہت سے مفسرین و محدثین نے نقل کیا ہے اور یہ واقعہ ہجرت سے پہلے سرزمین مکہ کا ہے۔

نمبر۲۔ نماز جمعہ کی حالت میں اصحاب کا نماز توڑ کر مال تجارت کیلئے دوڑ جانا خود قرآن مجید میں مذکور ہے، پیغمبر صاحب کے عہد میں ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ آپ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے اتنے میں ملک شام سے تجارت کا غلہ لے کر آیا اور اس نے لوگوں کو آگاہ کرنے کیلئے نقارہ بجایا جو لوگ بیٹھے خطبہ سن رہے تھے اس تماشے کی سیر دیکھنے اور کچھ خرید و فروخت کے لئے کھسک گئے صرف بارہ آدمی رہ گئے اس پر یہ عتاب نازل ہوا،، (حاشیہ ترجمہ مولانا نذیر احمد دہلوی ص۲۲) یعنی یہ آیت نازل ہوئی واذا رأوا تجارۃ اولھوا انفضوا الیہا وترکوک قائما (پ ۲۸ س جمعہ ع) سب مفسرین نے اس آیت مبارکہ کا یہی شان نزول بیان کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ مفسرین نے بپاس خاطر صحابہ "خطبہ،، کے لفظ کا اضافہ کیا ہے ورنہ بخاری شریف میں تو بروایت جابر بن عبداللہ انصاری یہ تصریح موجود ہے کہ آنحضرت نماز پڑھا رہے تھے اور صحابہ پڑھ رہے تھے کہ یہ واقعہ پیش آیا ہے بینما نحن نصلی مع النبیؐ اذا قبلت عیر تحمل الطعام،،

نیز عام طور پر تو یہی مشہور ہے کہ بارہ آدمی باقی رہ گئے تھے مگر عسقلانی نے فتح الباری میں لکھا ہے (علی مانقل فی الکمات) لم یبق مع النبی الا رجلان وامرأۃ ،، کہ آنحضرت کے پاس صرف ایک عورت اور دو مرد باقی رہ گئے تھے واللہ العالم اگرچہ یہاں بھاگ جانے والوں کی صراحت نہیں ہے مگر قرین عقل بات یہی ہے کہ اس میں وہ لوگ تو پیش پیش ہوں گے جن کا پیشہ ہی تجارت تھا اور گلیوں کوچوں میں پھیرے لگایا کرتے تھے۔ ارباب الفاق، انصاف فرمائیں کہ جو لوگ نماز جیسی عظیم عبادت کو توڑ کر لہو ولعب اور مال متاع کے پیچھے دوڑ جائیں ان کو کیونکر مومن مخلص کہا جا سکتا ہے ارشاد ایزدی ہے یاایہا الذین آمنوا لا تلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ ومن یفعل ذلک فاولئک ہم الخاسرون (پ ۲۸ س منافقون ع) اے ایمان والو تمہیں مال و اولاد خدا کی یاد سے غافل نہ کر دے اور جو ایسا کریں گے وہ خسارہ میں رہیں گے،،

حضرت عمر کہا کرتے تھے اجہش جیشی وانا فی الصلوٰۃ (کنز العمال ج ۴ ص ۔ کذا فی الفاروق ج ۲ ص ۲۲۳) میں نماز بھی پڑھتا جاتا اور لشکر بھی مرتب کرتا رہتا ہوں،، ایک مرتبہ فرمایا انا تقتل القمل وانا فی الصلوٰۃ میں جوئیں بھی مارتا رہتا ہوں

اور نماز پڑھتا رہتا ہوں (کنز العمال) سبحان اللہ۔ ایسے پاک نفوس اور خاشع و خاضع نمازی شاید چشم فلک نے آج تک نہ دیکھے ہوں

گے ؎ برزباں تسبیح و دردل گاؤ خر ٭ ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر؟

یہ خاندان نبوت تھا کہ نماز و عبادت میں محویت کا یہ عالم تھا کہ خوف و خشیۂ الٰہی سے گریہ و بکا کرتے کرتے چوب خشک کی

طرح گر پڑتے اور حالت نماز میں پائے اقدس سے تیر نکال لیا جاتا تو خبر تک نہ ہوتی تھی۔

بہرحال ؎ آں زمیں را آسمانے دیگر است۔

علاوہ بریں یہ بات بھی سوچنے کے قابل ہے کہ اگر آیت مبارکہ الذین ان مکنٰہم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ الخ کے مصداق یہ حضرات

ہیں تو پھر اس آیت کے مصداق کون ہیں؟ جس میں خدا فرماتا ہے فہل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم

اولٰئک الذین لعنہم اللّٰہ فاصمہم واعمیٰ ابصارہم (پ ۲۶ س محمد ع) پس کیا ہو تم نزدیک اس بات کے کہ اگر والی ہو تم

ملک کے یہ کہ فساد کرو بیچ زمین کے اور کاٹو قرابتیں اپنی یہ لوگ ہیں (ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب) ہم جے ہے ؎

چوتھی آیت للفقراء المہاجرین الذین اخرجوا من دیارہم واموالہم یبتغون فضلاً من اللّٰہ ورضواناً وینصرون اللّٰہ ورسولہ اولٰئک ہم الصادقون (پ ۲۸

س حشر ع ۲) واسطے ان مفلس مہاجرین کے جو اپنے دیار و املاک سے نکالے گئے اور اللہ کا فضل اور اس

کی رضامندی چاہتے ہیں اور خدا اور اس کے رسول کی نصرت کرتے ہیں وہی لوگ سچے ہیں اس آیت میں خداوند

عالم نے ان فقراء مہاجرین کو صادق و مصدوق ٹھہرایا ہے جو اپنے دیار اموال چھوڑ کر محض خدا کے فضل اور

اس کی رضا کے طلب میں جلاوطن ہو گئے اور ینصرون اللہ ورسولہ کے مصداق تھے شیعہ بتائیں کہ اصحاب ثلاثہ

اس آیت کے مصداق ہیں یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ ان کو صادقین کا مبارک لقب عطا فرماتا ہے اولٰئک ہم الصادقون

کہنے والا کون ہے؟ اگر یہ خدا کا کلام ہے تو یقیناً سمجھ لو اس فقرہ کے اثر سے ابوبکرؓ کی نسبت وصف صدق

میں مبالغہ کا صیغہ یعنی (صدیق) شہرت پذیر ہوا ابوبکر رسول پاک کی نصرت میں سب سے اول نمبر پر

ہیں آپ نے خدمت اور حفاظت کا حق غار ثور جیسے ہولناک مکان میں پورے طور پر ادا کیا، الخ ..... (آفتاب ص۹۳)

الجواب بے شک اس آیت مبارکہ میں مہاجرین کی شان بیان کی گئی ہے مگر معمولی غور و تامل کرنے سے واضح ہو جاتا

ہے کہ یہ آیت سب مہاجرین پر صادق نہیں آتی بلکہ صرف ان حضرات پر منطبق ہوتی ہے جن میں تین صفات پائی جائیں

(۱) فقیر و نادار ہوں نہ کہ غنی و مالدار۔ نمبر ۲۔ ان کی ہجرت خدا کی رضا جوئی کے لیے ہو نہ کہ طلب دنیا کے لئے نمبر ۳ اور وہ جہاد کر کے خدا

اور رسول کی نصرت کا حق بھی ادا کریں مگر سوئے اتفاق سے اصحاب ثلاثہ میں ان تینوں صفات کا فقدان ہے جہاں تک ان کے فقیر

و نادار نہ ہونے بلکہ غنی و مالدار ہونے کا تعلق ہے وہ ابھی اوپر تیسری آیت کے جواب میں عیاں ثلاثہ کے بیانات سے ثابت

کیا جا چکا ہے اور جہاں تک ان کی ہجرت کے خالصاً لوجہ اللہ ہونے بلکہ طلب دنیا کے لئے ہونے کا تعلق ہے اس پر بھی

اور تیسری آیت کے جواب میں کافی تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ کہ

؎ دیکھی نہ جملہ زر او یقین ٭ پیچھے پھر دیا پیچھے پھر دین

اور جہاں تک خدا اور رسول کی نصرت سے منہ موڑنے اور ہر جہاد سے کفار کو پیٹھ دکھا کے میدان چھوڑنے کا تعلق ہے اسے پہلی آیت کے جواب میں ناقابل رد انکار، ثقہ مفسرین، محدثین اور مورخین کے بیانات شافیہ کی روشنی میں کما حقہ ثابت کیا جا چکا ہے (ان مقامات کی طرف رجوع کیا جائے) اور یہ بات مسلم ہے کہ شرف ہجرت کا حاصل ہونا دوسرے شرائط کے علاوہ صبر و ثبات کے ساتھ جہاد کرنے پر موقوف ہے، چنانچہ خدا رسول فرماتا ہے۔ ثم ان ربک للذین هاجروا من بعد ما فتنوا ثم جاهدوا وصبروا ان ربک من بعدها لغفور رحیم (پ ۱۴ س نحل رکوع ۹) پھر جو لوگ مبتلائے مصیبت رہے۔ پیچھے گھر بار چھوڑے۔ پھر (خدا کی راہ میں) جہاد کئے اور (تکلیفوں پر) صبر کیا (اے پیغمبرؐ) ہمارا پروردگار ان (سب امتحانوں) کے بعد (قیامت کے دن) البتہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (ترجمہ نذیری)

لہٰذا جب اصحاب ثلاثہ میں ان صفات ثلاثہ میں سے کوئی صفت بھی نہیں پائی جاتی تو پھر کس طرح ان کو اس میں داخل کیا جا سکتا ہے؟ برادران اسلامی میں عام طور پر یہ مشہور ہے کہ ابوبکرؓ صاحب کو "صدیق" کا لقب جلیل جناب رسول خداؐ نے مرحمت فرمایا تھا۔ مگر مولوی کرم الدین صاحب کے بیان سے واضح و عیاں ہو گیا کہ یہ عطیۂ رسولؐ نہیں بلکہ اس فقرہ (اولئک هم الصادقون) کے اثر سے شہرت پذیر ہوا، سحر جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

حضرت علی صدیق اکبر اور فاروق اعظم ہیں

جناب رسول خدا فرماتے ہیں الصدیقون ثلاثۃ، حبیب النجار مومن آل یٰس وحزقیل مؤمن آل فرعون وعلی ابن ابی طالب وهو افضلهم اخرجه البخاری (ارجح المطالب ص۱۲۲) اور صدیق اکبر کا لقب جلیل تو جناب امیر علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ جناب رسول نے آپکو خطاب کرتے ہوئے فرمایا انت الصدیق الاکبر والفاروق الذی تفرق بین الحق والباطل، یا علیؑ! تم صدیق اکبر اور حق و باطل میں فرق کرنے والے فاروق ہو (الحاوی للفتاوی سیوطی ج ۲ ص ۲۰ علی ما نقل فی الفلک) جناب امیر المومنین خود فرمایا کرتے تھے۔ انا عبد اللّٰہ واخو رسوله وانا الصدیق الاکبر لا یقولها بعدی الا کاذب مفتر صلیت مع رسول اللّٰہ قبل الناس بسبع سنین۔ میں خدا کا بندہ اور اس کے رسولؐ کا بھائی ہوں اور میں صدیق اکبر ہوں میرے علاوہ جو اس کا ادعا کرے گا وہ جھوٹا اور افترا پرداز ہوگا میں نے عام لوگوں سے سات برس پہلے رسول خدا کے ساتھ نماز پڑھی (تاریخ کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۲۵ طبری ج ۲ ص ۲۱۲/۲۱۱) اور جہاں تک سفر ہجرت میں ابوبکر صاحب کا نصرت رسول اور غار ثور میں حفاظت رسول کرنے اور انوار رسالت سے استفادہ کرنے کا تعلق ہے اس پر ہم عنقریب آیت غار کے ضمن میں مفصل تبصرہ کریں گے (انشاء اللہ) اور ثابت کریں گے کہ یہ آیت غار جناب ابوبکر صاحب کے لئے باعث فخر نہیں بلکہ موجب عار و شنار ہے۔ یہ ہمارے بھائیوں کی سادگی ہے کہ وہ اس واقعہ کو فضائل ابوبکر میں شمار کرتے ہیں

جو اگر رذائل میں شامل نہیں تو فضائل میں بھی قطعاً داخل نہیں ہے۔ مگر اس کا کیا علاج کہ

؎ سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجا است

پانچویں آیت

السابقون الاولون من المهاجرین والانصار والذین اتبعوهم باحسان رضی الله عنهم ورضوا عنه واعدلهم جنت تجری من تحتها الانهار خلدین فیها ابداً ذلک الفوز العظیم (پ ۱۱ س توبہ ع ۲) اور مہاجرین میں سے سب سے پہلے سبقت کرنے والے اور انصار لوگ اور جو نیکی میں ان کے تابع ہوئے خدا ان سے راضی ہوا۔ اور وہ خدا سے راضی ہوئے اور خدا نے ان کے لئے باغ تیار کئے ہوئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی۔ وہ ان میں ہمیشہ عیش کریں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت میں صحابہ کے مراتب کا بیان ہے خداوند کریم نے سب کا ذکر درجہ وار فرمایا ہے مدارج میں پہلے مہاجرین، پھر انصار، بعدہ تابعین ہیں۔ اسی ترتیب سے آیت میں اس کا ذکر ہوا اللہ تعالےٰ نے ہر سہ گروہ صحابہ کا جنتی ہونا اور ان کو پروانہ خوشنودی بارگاہ ایزدی سے عطا ہونا بیان فرما دیا ہے یہ آیت پکار پکار کر کہتی ہے کہ فضیلت میں مہاجرینؓ دوسرے صحابہ کرام پر فائق ہیں اور پھر مہاجرینؓ میں سے سب سے بڑا رتبہ اس شخص کا ہے جو سب سے اسبق فی الهجرة مع الرسولؐ ہے جانتے ہو وہ کون شخص ہے؟ ابوبکرؓ صدیق ہیں جو بحکم اس آیت کریمہ کے افضل الصحابہ ہیں؟ الخ .... آفتاب ص ۱۲۹

الجواب

معلوم نہیں مہاجرینؓ و انصارؓ کی فضیلت والی آیات کی بلا تحقیق و تدقیق بھرتی کرنے سے ناقل موقف یا دوسرے حضرات کو کیا حاصل ہوتا ہے؟ جب تک یہ واضح نہ ہو جائے کہ اصحاب ثلاثہ ان میں شامل ہیں اور ان میں وہ تمام شرائط بھی پائے جاتے ہیں جو شرف ہجرت حاصل کرنے کیلئے ضروری ہیں کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ساون کے اندھے کیطرح (جسے ہر شے سبز نظر آتی ہے) یہ حضرات بھی کچھ اس طرح فنا فی الثلاثہ ہو گئے ہیں کہ ان کو ہر جگہ ثلاثہ کی جلوہ نمائی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا اگرچہ وہاں ان کا نام و نشان بھی نہ ہو۔ بہر حال یہاں چند امور قابل غور ہیں۔ اوّلاً۔ یہ کہ یہاں سبقت سے مراد کیا ہے سبقت الی الاسلام یا سبقت فی الهجرت اس بارہ میں مفسرین اسلام کے درمیان اختلاف ہے لیکن جس شق کو بھی اختیار کیا جائے اصحاب ثلاثہ بہر صورت اس شرف سے محروم نظر آتے ہیں بظاہر قول راجح یہ ہے کہ سبقت سے مراد سبقت اسلامی ہے۔ کہ مہاجرین و انصار ہر دو کو شامل ہے (آیت میں "من"، بیانیہ ہے) سورۃ واقعہ کی آیت مبارکہ السابقون اولئک المقربون سے بھی اس کی تائید مزید ہوتی ہے۔

حضرت علیؑ سابق الاسلام ہیں

بہر حال جہاں تک سبقت اسلامی کا تعلق ہے تمام شیعہ خیر البریہ اور منصفین اہلسنت اس بات پر متفق ہیں کہ یہ شرف خدائے منان نے امیر مومنان حضرت علی علیہ السلام کو عطا فرمایا۔ بلکہ علامہ ابن عبدالبر (دمشقی) نے تو اپنی کتاب استیعاب ج ۲ ص ۴۵۹ میں اس پر جوائے اجماع کیا ہے اور علامہ ابن حجر عسقلانی تقریب التہذیب ج ۲ ص ۱۳۷ ؛ اس پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد بطور نتیجہ لکھتے ہیں کہ الترجح انہ اول من اسلم۔

ترجیح اسی قول کو ہے کہ آپ (حضرت علیؑ) ہی سابق الاسلام ہیں"۔ فاضل مورخ ابوالفداء اپنی تاریخ ج ۱ صـ۱۱۸ پر لکھتے ہیں۔

"فذھب صاحب السیرۃ وکثیر من اہل العلماء ان اول الناس اسلاماً علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وعمرہ تسع سنین (وقیل) احدی عشرۃ سنۃ وکان فی حجر رسول اللہ صلعم قبل الاسلام فلم یزل علی مع النبی حتی بعثہ اللہ نبیاً فصدقہ علیؑ صاحب سیرۃ اور اکثر اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت علی ہی سب مسلمانوں سے سابق الاسلام ہیں۔ اظہار اسلام کے وقت آپ کی عمر نو برس تھی اور بعض نے کہا ہے کہ گیارہ سال تھی۔ آپ ظہور اسلام سے پہلے آنحضرت کی آغوش تربیت میں تھے، جب خدا نے آپکو مبعوث برسالت فرمایا۔ تو آپ نے سب سے پہلے آپ کی تصدیق کی"۔ چنانچہ قرآن مجید کی آیت مبارکہ والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم الصادقون (پ س ع) جو صدق لایا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہی صادقین ہیں۔ کی تفسیر میں مروی ہے والذی جاء بالصدق رسول اللہ۔ والذی صدق بہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ یعنی جاء بالصدق سے مراد رسول خدا اور صدق بہ سے مراد علی ابن ابی طالب ہیں" (تفسیر در منشور ج ۵ صـ۳۲۸) اور اس پر تو تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ حضرت علی نے بہ عمر سے کہ عمر تک ایک لمحہ کے لئے بھی کبھی شرک نہیں کیا۔ اسی لئے آپکو کہا جاتا ہے کرم اللہ وجہہ (صواعق محرقہ صـ۷۲ طبع قدیم مصر) ہم سمجھتے ہیں کہ خود رسول خدا کے فیصلہ کے بعد یہ نزاع فضول ہے کہ "اولکم اسلاماً علی ابن ابی طالبؑ" تم سب سے علی سابق الاسلام ہیں (استیعاب ابن عبدالبر ج ۲ صـ۴۵۷) وانہ اول اصحابی اسلاماً۔ واکثرھم علماً واعظمھم حلماً"۔ کہ حضرت علیؑ میرے تمام اصحاب سے سابق الاسلام سب سے زائد العلم اور عظیم الحلم ہیں (ایضاً صـ۲۲۶) اب بھی جو اس فیصلہ کو نہیں تسلیم کرے گا وہ اس آیت کی تہدید سے نہیں بچ سکتا ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ نولہ ماتولیٰ ونصلہ جھنم وساءت مصیرا (پ س ع)

خود حضرت امیرؑ اس بات کے مدعی تھے فرماتے ہیں انا اول من صلی واول من آمن باللہ ورسولہ ولم یسبقنی الی الصلوٰۃ الا نبی اللہ، یعنی پہلا شخص ہوں جس نے (رسولؐ کے ساتھ) نماز پڑھی۔ اور میں پہلا آدمی ہوں جس نے خدا اور رسول پر ایمان لانے کا اظہار کیا اور سوائے جناب رسول کے اور کسی شخص نے نماز پڑھنے میں مجھ پر سبقت نہیں کی" (استیعاب ج ۲ صـ۴۵۶/۴۵۷) اور آپ کا یہ مشہور شعر بھی اس سلسلہ میں نص صریح کی حیثیت رکھتا ہے۔

سبقتکم الی الاسلام طراً ✽ غلاماً ما بلغت اوان حلمی

میں نے اظہار اسلام میں اس وقت تم سب لوگوں پر سبقت کی جبکہ میں ہنوز سن بلوغت کو بھی نہیں پہنچا تھا ابوبکر صاحب (جن کی سبقت اسلامی کے بڑے ڈھنڈورے پیٹے جاتے ہیں) کے متعلق خود مورخین اہلسنت کی تصریحات موجود ہیں کہ ان سے پہلے بہت سے لوگ مشرف با سلام ہو چکے تھے۔ حتیٰ کہ مورخ جلیل علامہ طبری نے تو یہ روایت درج کی ہے کہ ان سے پہلے پچاس سے زیادہ آدمی ایمان لا چکے تھے۔ چنانچہ ابن سعد نے محمد بن موسیٰ سے روایت کی ہے کہ محمد کہتے ہیں قلت لابی کان ابوبکر اولکم اسلاماً فقال لا ولقد اسلم قبلہ اکثر من خمسین" میں نے اپنے باپ (موسیٰ) سے دریافت

کیا بیا ابوبکر تم لوگوں سے پہلے اسلام لاتے تھے کہا نہیں۔ ان سے پہلے پچاس سے زیادہ آدمی اسلام لاچکے تھے" (تاریخ طبری ج ۲ صفحہ ۲۱۵ طبع مصر) علاوہ بریں ان کی سابق الاسلامی کے متعلق نہ کوئی حدیث رسول موجود ہے۔ اور نہ ہی تاریخ سے خود آپ کا یہ دعوی کرنا ثابت ہے۔ بلکہ یہاں تو مدعی سست و گواہ چست والا معاملہ ہے اور عمر صاحب کا بعثت کے چھٹے سال اسلام لانا۔ پہلے ایمان عمر کے حالات میں درج کیا جا چکا ہے۔ لہذا بنابریں ماننا پڑتا ہے کہ اصحاب ثلاثہ سبقت اسلامی کے اس شرف سے محروم ہیں۔

اور اگر اس سبقت سے سبقت فی الہجرت مراد لی جائے۔ تو باتفاق تمام اہل اسلام ہجرت

ہجرت حبشہ کا اجمالی تذکرہ

حبشہ کو تقدم زمانی حاصل ہے کیونکہ وہ اس مدینہ والی ہجرت سے پہلے واقع ہوئی تھی اس میں ضرور اختلاف ہے کہ اس ہجرت میں مہاجرین کی تعداد کیا تھی؟ چنانچہ حاشیہ قرآن مترجم مولوی نذیر احمد صفحہ ۱۹۳ وحمائل مترجم مولوی شاہ عبدالقادر صفحہ ۱۹۲ پ ۷ ع ۱) میں ان کی تعداد اسی لکھی ہے اور قرآن مجید مترجم مولوی اشرف علی صاحب تھانوی مقدمہ صفحہ ۳۷ پر ان کی تعداد تین سو درج ہے۔ طبقات ابن سعد مطبوعہ لیڈن ج ۱ صفحہ ۱۳۸ میں ایک سو سے زائد تعداد لکھی ہے۔ عینی شرح بخاری ج ۸ صفحہ ۱ میں بیاسی نفوس کا تذکرہ ہے روضۃ الاحباب ج ۱ صفحہ ۹ میں نوے سے زائد تعداد لکھی ہے اور روضۃ الصفا ج ۲ صفحہ ۷۵ ومدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۵ میں صرف جماعت کثیرہ لکھی ہے، بہر نوع تعداد جو بھی ہو مگر ایک بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ابوبکر و عمر اس جماعت مہاجرین اولین میں ہرگز شامل نہیں تھے اور اسی ہجرت کو مورخین نے الہجرۃ الاولی قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو تاریخ طبری ج ۲ صفحہ ۲۲۱ طبع مصر) لہذا اس معنی کے اعتبار سے بھی حضرات کے خاص ممدوحین اصحاب ثلاثہ اس سعادت سے تہی دامن نظر آتے ہیں افسوس ہے کہ مریدان باصفا ہاتھ پیر تو بہت مارتے ہیں مگر

؎ کوئی امید بر نہیں آتی کوئی صورت نظر نہیں آتی

سچ ہے ؎ تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل * کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

اور اس سبقت سے سبقت فی النصرت مراد لی جائے تو پہلے اس سے مہاجرین خارج ہو جائینگے اور دوسرے انصار ہوتے ہیں سبقت کرنا بظاہر نظروں میں جچنے والی بات نہیں (اگرچہ تاویل بعید ممکن ہے)

ثانیاً :- دیکھنا یہ ہے کہ مہاجرین وانصار سے یہ جنت الفردوس کے جو وعدے کئے گئے ہیں یہ مطلق ہیں یا کچھ شرائط کے ساتھ مشروط ہیں؟ اس سلسلہ کی پہلی آیت کے جواب میں یہ بات قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح و آشکار کی جا چکی ہے۔ کہ یہ وعدے مطلق نہیں، بلکہ صدق ایمان، عمل صالح، خلوص نیت اور استقامت کے ساتھ مشروط ہیں نیز اسی مقام پر نیز دوسرے کئی مقامات پر کئی بار یہ حقیقت بھی آشکار کی جا چکی ہے کہ اصحاب ثلاثہ میں شرائط موجود نہیں لہذا بموجب "اذا فات الشرط فات المشروط" وہ وعدئے جنت بھی ان کے حق میں کالعدم سمجھے جائیں گے۔

یہاں تک تو روئے سخن مہاجرین کی طرف تھا بفضلہ تعالی ثابت ہو گیا کہ شرف ہجرت انہوں کو نصیب ہے

جو مومن مخلص اور مجاہد صابر ہونگے اور شاک و مرتاب نہیں بلکہ دین مبین پر ثابت و مستقیم ہونگے۔

اسی طرح جن انصار کی مدح کی

انصار میں وہ لوگ بھی تھے جو رسولؐ خدا پر اعتراض کیا کرتے تھے

گئی ہے ان سے مراد وہ انصار ہیں جنہوں نے خلوص نیت کے ساتھ و قربتہ الی اللہ، جان و مال سے اسلام اور مسلمانوں کی نصرت و اعانت کی ان میں ایسے لوگ ۔۔ ہرگز شامل نہیں جن کی نیتیں خالص یعنی یا جن کے اعمال و افعال شائستہ نہ تھے ورنہ ظاہر ہے کہ بظاہر انصار کے زمرہ میں ایسے لوگ بھی داخل تھے جو آنحضرتؐ پر تقسیم غنائم وغیرہ کے سلسلہ میں زبان اعتراض دراز کیا کرتے تھے جس کی قرآن ان الفاظ میں خبر دیتا ہے « ومنہم من یلمزک فی الصدقات فان اعطوا منہا رضوا وان لم یعطوا منہا اذا ھم یسخطون (پ ۱۰ س توبہ ع ۷) اے رسول! ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو صدقات و خیرات کے تقسیم کرنے میں تجھ پر عیب لگاتے ہیں اگر ان کو خواہش کے مطابق حصہ مل جاتے تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر ان مرضی کے مطابق حصہ نہ ملے تو پھر ناراض ہو جاتے ہیں۔

([illegible] ج ۲ ص ۹۱۲ (مطبوعہ مولوی خلیل احمد سہارنپوری) میں ہے انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ قال ناس من الانصار الخ۔ یعنی جب مال ہوازن آنحضرتؐ نے تقسیم کیا تو اس میں سے سو سو اونٹ قریش کو دیئے اس پر انصار نے کہا خدا رسول کو معاف کرے وہ قریش کو دیتے ہیں اور ہمیں نہیں دیتے حالانکہ قریش کے خون ہماری تلواروں سے ٹپک رہے ہیں » بخاری کی اسی جلد ص ۴۴۳ پر عبد اللہ سے مروی ہے کہ جب آنحضرتؐ نے جنگ حنین کا مال غنیمت تقسیم کیا تو ایک انصاری نے کہا ما اراد بہا وجہ اللہ ۔ یعنی اس تقسیم میں رسول خدا نے اللہ کی رضا جوئی کو سامنے نہیں رکھا (معاذ اللہ) میں نے جا کر جب آنحضرتؐ کو اس بات کی اطلاع دی تو چہرہ اقدس کا رنگ متغیر ہو گیا اور فرمایا۔ خدا موسیٰ پر رحمت نازل کرے ان کو اس سے بھی زیادہ اذیت دی گئی تھی مگر انہوں نے صبر کیا (لہٰذا میں بھی صبر کرتا ہوں) جنگ بدر سے جو مال غنیمت ہاتھ آیا تھا اس میں سے ایک [illegible] کی چادر اور ایک تلی گم ہو گئی کچھ حضرات نے یہ خیال کیا کہ یہ چیزیں آنحضرتؐ نے اڑائی ہیں اس پر خدا نے رسول کی صفائی میں قرآن نازل کیا ماکان لنبی ان یغل ومن یغلل یأت بما غل یوم القیامۃ (پ ۴ س آل عمران ۸) « کسی نبی کی شان نہیں کہ وہ خیانت کرے اور جو خیانت کرے گا اسے وہ چیز بروز قیامت لانی پڑے گی » (ملاحظہ ہو ترجمہ مولوی شاہ عبد القادر، مولوی نذیر احمد تفسیر حسینی ج ۱ ص ۹۷ وغیرہ) انہی وجوہ کی بنا پر مفسر بیضاوی نے والذین تبوؤا الدار کی تفسیر میں لکھا ہے۔ المراد بہم الانصار الذین ظہر صدقہم » کہ اس سے مراد وہ ۔۔ انصار ہیں جن کی صداقت ظاہر ہو چکی ہے »

ان حقائق کی روشنی میں شمس فی نصف النہار واضح و آشکار ہو گیا ہے کہ مہاجر ہوں یا انصار یا ان کے تابعین ابرار خوشنودی خدا پروردگار اور جنت الفردوس کا پروانہ انہی کو ملے گا۔ جن کا ایمان صحیح اور عمل صحیح ہو گا۔ وذلک فضل [illegible] (دنیل ماھد)۔

؎ یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا ٭ ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں؟

اصحاب ثلاثہ اس سعادت سے بہر حال محروم ہیں۔ باقی رہا رفیق کار کا سفر غار تو اس پر ہم وہاں تنقید و تبصرہ کریں گے جہاں مولف آیت غار پیش کریں گے۔ فانتظروا انی معکم من المنتظرین۔

چھٹی آیت

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعد اللہ الحسنیٰ (پ ۲۷ س حدید ع ۱۷)

ترجمہ، ان اشخاص کی برابری کوئی نہیں کر سکتا۔ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے اپنا مال خرچ کیا اور کفار سے لڑے۔ یہ لوگ بہت اعلیٰ درجے والے ہیں۔ ان لوگوں نے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد مال خرچ کیا اور دشمن سے لڑے اور سب کے لئے وعدہ اللہ تعالیٰ نے دے دیا ہے اس آیت میں ایزد متعال نے اس بات کا فیصلہ فرما دیا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے یاران رسولؐ جنہوں نے جانی و مالی خدمت کی بہت بڑا رتبہ رکھتے ہیں اب کوئی شخص انکار کر سکتا ہے کہ اصحاب ثلاثہ پہلے گروہ میں داخل ہیں جو فتح مکہ سے پہلے اپنی جان و مال کو آقائے نامدار رسول پاک پر نثار کئے ہوئے تھے اور کفار نابکار سے جہاد و قتال کرتے رہے۔ ابوبکر نے اپنا سارا مال جو گھر میں رکھتے تھے لا کر پیش کر دیا اور خود کمبل اوڑھ لیا پھر غار ثور میں انہی کے گھر سے سیدانس جان کا نان و نفقہ پہنچتا رہا۔ الخ (آفتاب صـ۴۵)

الجواب:۔ اس آیت مبارکہ میں پروردگار عالم نے فتح مکہ سے پہلے اور اس کے بعد جانی اور مالی قربانیاں دینے والوں کے مدارج کا تفاوت بیان فرمایا ہے کہ پہلی قسم کو دوسری قسم پر فضیلت حاصل ہے ہمارا اس ارشاد ربانی پر مکمل ایمان ہے بھلا کون ایسا مسلمان ہو سکتا ہے جو ارشاد رب العباد میں شک و شبہ کر سکے؟ مگر اس سے مجانِ ثلاثہ کے ہاتھ کیا آیا؟ غیرت ان کے ممدوحین تو نہ پہلے زمرہ میں داخل ہیں اور نہ دوسرے گروہ میں شامل یعنی نہ الی الذی نہ الی الذی

جہاں تک ان کی جانی قربانیوں کا تعلق ہے وہ بالتفصیل پہلی آیت کے جواب میں ذکر ہو چکی ہیں کہ نہ فتح مکہ سے قبل اور نہ اس کے بعد کبھی کسی کافر کو ضرب لگائی تھی نہ کبھی کسی سے کوئی چوٹ کھائی تھی اور نہ کبھی کسی جنگ میں ثابت قدمی دکھائی تھی۔ ؎

این سعادت بزور بازو نیست!

اور جہاں تک ان حضرات کی مالی قربانیوں کا تعلق ہے اگرچہ ان کے مریدان باصفا اس سلسلہ میں بہت کچھ بیان کیا کرتے رہتے ہیں (جس کا ایک شمہ اسی آیت کے ذیل میں مولوی کریم الدین صاحب نے بھی بیان کیا ہے) مگر افسوس ہے کہ قرآنی حقائق اور تاریخی مسلمات سے اس کی تائید نہیں ہوتی بلکہ اس کے برعکس ثبوت ملتے ہیں ان لوگوں کو مال خرچ کرنے سے زیادہ مال جمع کرنے کی فکر دامن گیر رہتی تھی چنانچہ جب جنگ احد میں یاران رسول آنحضرتؐ کو چھوڑ کر راہ فرار اختیار کر گئے اور آنحضرت نے جناب امیرؑ سے فرمایا کہ تم اپنے بھائیوں کے ساتھ کیوں نہ چلے گئے؟ تو آپ نے عرض کیا

"آیا کافر شوم بعد از ایمان مرا تبو کار است یا یاراں و برادراں کہ در پئے غنیمت رفتند و ہزیمت خوردند چہ کار دارم"
(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۲۶) کیا ایمان کے بعد کافر بنوں ؟ مجھے آپ سے واسطہ ہے مجھے اُن یاروں سے کیا سروکار جو مال غنیمت کے پیچھے دوڑے اور شکست کھائی "۔

جناب مولانا شبلی نعمانی صاحب نے یہ کہہ کر ان کا رہا سہا بھرم کھول دیا کہ اُن کو مال غنیمت سے زیادہ کوئی شئے عزیز نہ تھی ۔ غنیمت اس قدر محبوب تھی کہ ان کو کفار کے مسلمان ہو جانے پر رنج ہوتا تھا کہ اس کا مال نہ ملے گا ۔ آنحضرت کی خبر شہادت سُن کر اصحاب ایسے بھاگے کہ بعضوں نے تو مدینے سے اِدھر دم نہ لیا ۔ حضرت عمر و طلحہ اور دیگر مہاجرین و انصار نے مایوس ہو کر سپر ڈالدی کہ اب لڑنے سے کیا فائدہ اور علیحدہ جا کر بیٹھ گئے الخ (سیرۃ النبی ج ۱)

سارا مال خرچ کرنا تو کجا قرآن و حدیث سے تو یہ مستفاد ہوتا ہے کہ یہ لوگ راہ خدا میں چند درہم بھی خرچ نہیں کر سکتے تھے ۔ آیت مبارکہ یاایها الذین آمنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجواکم صدقۃ (پ ۲۸ س مجادلہ ع ۲) اے ایمان کے دعویدارو جب رسول سے تخلیہ میں کوئی بات کرنا ہو تو اس سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو "۔ کے شان نزول کے متعلق قریباً سب مفسرین و محدثین نے یہی لکھا ہے کہ اصحاب رسول یکے بعد دیگرے ہر وقت اور دیر تک آنحضرتؐ سے تخلیہ میں باتیں کرتے رہتے تھے جس سے آنحضرتؐ کو اذیت تو ہوتی تھی مگر اپنے حسن خلق کی وجہ سے کچھ نہ کہتے تو بالآخر خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کے خلوص و ایمان کا امتحان لینے کی خاطر یہ حکم نازل کیا کہ تخلیہ سے پہلے کچھ مال بطور صدقہ دیا کرو ۔ بنا بر مشہور دس روز تک یہ حکم برقرار رہا ۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ سوائے شاہ اولیا علی مرتضیٰ کے اور کسی نے اس پر عمل نہ کیا آپ کے پاس کل ایک دینار تھا جسے تڑوا کر آپ نے دس درہم لئے اور ہر روز ایک درہم صدقہ دیتے اور آنحضرت سے راز کی باتیں کرتے حتیٰ کہ اس اثنا میں دس مرتبہ آنحضرت سے راز و نیاز کی باتیں کیں مگر دوسرے صحابہ نے اس دوران تخلیہ کا نام بھی نہ لیا ۔ جو غریب و نادار تھے وہ اپنی غربت و تنگدستی کی وجہ سے رک گئے اور جو متمول و مالدار تھے ان کو مال خرچ کرنے کی توفیق نہ ہوئی اس کے بعد خدا نے یہ فرما کر کہ ءاشفقتم ان تقدموا بین یدی نجواکم صدقات الآیۃ یہ حکم منسوخ کر دیا ۔ ملاحظہ ہو تفسیر در منثور ج ۶ ص ۱۸۵ تفسیر حسینی ج ۲ ص ۳۸۳ وغیرہ)

یہ جناب ابوطالبؑ ان کے عظیم فرزند حضرت علیؑ ، جناب جعفر طیار اور حضرت حمزہ ، جناب سلمان فارسی ، جناب ابوذر غفاری ، جناب بلال اور حضرت عمار و امثالہم تھے جن کی جانی و مالی قربانیوں کی بدولت درخت اسلام پھلا پھولا اور پروان چڑھا ۔

؎ ولولا ابوطالب و ابنہ = لما مثل الدین شخصاً فقاما

یعنی ؎ گر نبودے دست حیدر ذوالفقار = کے شدے اللہ اکبر آشکار

مؤلف نے ابوبکر صاحب کے جس مالی ایثار کا تذکرہ کیا ہے اگر جرأت ہے تو اصول مناظرہ کے مطابق ہماری معتبر کتابوں سے اس کا ثبوت پیش کریں " سوچیدیا قسم کی تاعرانہ تکبوں سے مطلب برآری نہیں ہو سکتی ورنہ دعویٰ بلا دلیل سے بجز رسوائی

وجگ ہنسائی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا اس کے برعکس کتب اہلسنت سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ بوقت ہجرت طعام رسانی کا انتظام کرنے کا حضرت علیؓ کو حکم دے گئے تھے (ملاحظہ ہو تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۴۴، ۲۴۵) چنانچہ اُن کے تشریف لے جانے کے بعد جب تک آنحضرتؐ غارِ ثور میں قیام پذیر رہے حضرت علیؓ ہی آنکے خورد و نوش کا بندوبست کرتے رہے (ملاحظہ ہو تفسیر در منثور ج ۳ ص ۲۴۰ سیرۃ حلبیہ ج ۲ ص ۲۳۳ طبع مصر)

من آنچہ شرطِ بلاغ است با تو می گویم ۔ تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

ابوبکر صاحب آنحضرتؐ پر اپنا مال خرچ کرنے کی بجائے الٹا اُن سے مال ہتھیاتے تھے چنانچہ درہم سے خرید کردہ اونٹنی آنحضرتؐ کے ہاتھ درہم میں صرف سو درہم نفع پر فروخت کی تھی۔ (ملاحظہ ہو مدارج النبوۃ ج ۲ ص ـــ)

ساتویں آیت

ھو الذی ایدک بنصرہ و بالمومنین والف بین قلوبھم لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم و لکن اللہ الف بینھم انہ عزیز حکیم یا ایھا النبی حسبک اللہ و من اتبعک من المومنین (پ ۱۰ س انفال ع ۴) وہ ایسا خدا ہے اے رسول جس نے تجھے خاص اپنی نصرت سے تائید کی اور مومنوں کی جماعت سے اور ان کے دلوں کو جوڑ دیا اگر تو ساری زمین کی دولت خرچ کر دیتا ان کے دلوں کو جوڑ نہ سکتا تھا وہ زبردست حکمت والا ہے اے نبی تجھے کافی ہے اللہ اور تیرے پیروکار مومن ،، اس جگہ خداوند عالم رسول پاک کو تسلی بخش الفاظ میں فرماتا ہے کہ ہر چند کفار مکر کریں تیرا بال بیکا نہیں کر سکتے آخر میدان آپ کے ہاتھ میں ہوگا آپ کی حامی اور مددگار ایک تو ہماری نصرت ہے ۔ دوسرا آپ کے ماتحت وہ الٰہی فوج ہے جس کا معائنہ ڈاکٹری نسبت امراض قلبی (قساوت و جبن) وغیرہ کرنے والے ہم خود ہیں اس بیڑہ کے جنگی ملازمین کے دل ہم نے باہم ایسے جوڑ دیئے ہیں کہ ممکن نہیں کہ کوئی ان میں پھوٹ ڈال سکے اور یہ تالیفِ قلوب کسی انسانی حکمت کا کام نہیں یہ صرف ہماری زبردست حکمت کا کام تھا رب العباد نے کھلے لفظوں میں فرمایا کہ جماعت رسول میں تو ایک خاص مخلص جماعت کو بارگاہ الٰہی سے مقربین کا لقب مل چکا ہے ۔ پھر شیعہ باوجود الٰہی شہادت کے ان کی بابت کیسے اشتباہ کر سکتے ہیں الخ (آفتاب ص ۹۵)

الجواب ۔ بموجب الحق یجری علی اللسان ،، (حق زبان پر جاری ہو ہی جاتا ہے والحمد للہ الذی اجری الحق علی لسانہ) مولف صاحب نے ادھر ادھر بہت کچھ ہاتھ پیر مارنے کے بعد بے ساختہ یہ اقرار بھی کر لیا کہ جماعت رسول میں ایک خالص مخلص پاک دل گروہ ہمارے خاص حکم سے داخل کیا گیا ہے اور اسی گروہ کو مومن کا لقب مل چکا ہے " یہی ہم کہتے ہیں کہ رسول کے ساتھ جو جماعت (مہاجرین و انصار پر مشتمل تھی) وہ ساری کی ساری ان صفات جمیلہ کی حامل نہ تھی جو ان آیات میں بیان کئے گئے ہیں ۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر اس ساری جماعت کا ڈاکٹری معائنہ نسبت امراض قلبی (قساوت و جبن وغیرہ)

خود خدا نے کرلیا ہوتا تو وہاں نہ نفاق ہوتا نہ شک ، اور نہ باہمی بغض و عداوت ہوتی اور نہ یہ بزدلی ہوتی کہ ہمیشہ ہر جنگ میں راہ فرار اختیار کرتے رہتے اور نہ خدا کو یاران کی مذمت میں قرآن نازل کرنا پڑتا (جیسا کہ یہ تمام حقائق سابقہ اوراق میں تفصیلاً بیان کیئے جاچکے ہیں) وہ خدا اس طرح تو حکیم مطلق کے کیمیاوی معائنہ پر حرف آتا ہے ہاں یہ صحیح ہے کہ اس بڑی جماعت میں مخلص مومنین کی ایک قلیل تعداد ضرور ایسی تھی جسکا دامن مذکورہ بالا نقائص سے پاک تھا. جس کا واحد نصب العین ہی یہ تھا کہ اپنا تن من دھن خدا کی راہ میں صرف کرکے اسلام اور بانی اسلام کی حفاظت و حراست کی جائے. اسی گروہ کا خدا یہاں تذکرہ فرما رہا ہے نواب مولف کی بیان کردہ تشریح میں تھوڑی سی ترمیم کے بعد اصل تشریح یوں ہوگی کہ وہ اس جگہ خدائے کریم رسول پاک کو تسلی بخش الفاظ میں فرماتا ہے کہ ہر چند کفار تجھ سے مکر لڑائیں منافقین میدان چھوڑ جائیں، مشکوک الایمان بزدلی دکھائیں بدکردار بدعملی کرکے باہمی جھگڑے اٹھائیں مگر یہ تیرا بال بیکا نہیں کرسکتے دشمن کے مقابلہ میں آپ بالکل مطمئن رہیں آخر میدان آپ کے ہاتھ میں ہوگا دشمن تیرے مقابلے کی کیا تاب رکھ سکتا ہے جب آپ کی حامی و مویدایک تو ہماری نصرت ہے دوسرا آپ کے ماتحت وہ الٰہی فوج ہے جسکا معائنہ ڈاکٹری نسبت امراض قلبی (قساوت جبین) وغیرہ کرنے والے ہم خود ہیں مگر افسوس مولف کے ممدوحین خاص یعنی اصحاب ثلاثہ اس مقدس گروہ میں داخل نہیں ہیں اگر جرات ہے تو پہلے ان کو منافقین کے زمرہ سے نکالو اور مخلص مومنین کے گروہ میں داخل کرو تب ہم غور کریں گے کہ یہ آیت اُن پر منطبق ہوتی ہے یا نہ ؟ اگر یہ حضرات اس مقدس گروہ مومنین میں داخل ہوتے تو پھر ان میں وہ جسمانی و روحانی امراض از قسم قساوت و جبن وغیرہ موجود نہ ہوتے جو زندگی کے ہر ہر موڑ اور حیات مستعار کے ہر ہر قدم اور ہر ہر میدان سے ظاہر ہوتے رہے جن کے بہت سے نمونے صفحات بالا میں پیش کئے جاچکے ہیں اور مزید اوراق آئندہ بیان کیئے جائیں گے «اتقوا اللہ العزیز اولئک الذین لم یرد اللہ ان یطہر قلوبہم» اور وہ مقدس گروہ نہیں ہے مگر وہی جس کے اسلامی غزوات میں عدیم النظیر خدمات کا تذکرہ پہلی آیت کے ضمن میں کیا جاچکا ہے یعنی حضرت علی مرتضیٰ اور دیگر بعض اصحاب باوقار رضوان اللہ علیہم اجمعین خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔

آٹھویں آیت

محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم تراھم رکعاً سجداً یبتغون فضلاً من اللہ ورضواناً سیماھم فی وجوھہم من اثر السجود (پ س فتح ع ۱۲)

محمد اللہ کا رسول ہے اور جو لوگ اس کے ساتھ (اس کے خواص) ہیں وہ کافروں پر سخت زور آور ہیں آپس میں محبت کرنے والے ہیں تو ان کو دیکھتا ہے رکوع سجود کرنے والا خدا کا فضل اور رضا چاہتے ہیں ان کے چہروں میں سجود کے نشان موجود ہیں۔ اس آیت میں حق سبحانہ وتعالیٰ ان خاصان بارگاہ احدی کے اوصاف جمیلہ کا بیان فرماتا ہے اور ان کی اعلیٰ ہمت جوانمردی اور باہمی اتفاق اور ان کے کریکٹر و چال چلن اطاعت الٰہی کی تعریف کرتا ہے یعنی میرے اس اصولی شہنشاہ کی کیفیت ان بہادروں کے ہاتھوں ہے ہر ایک وہ اس شہنشاہ کا ساتھ دینے والے والذین معہ کے مفہوم اور معیت کے مضمون پر خوب موزوں ہیں اشداء علی الکفار دشمن کی فوج پر غیظ و غضب سے ٹوٹ پڑتے

والے دشمن پران کی شدت قہرو صولت کا ایک ایسا اثر پڑتا ہے کہ دیکھتے ہی ان کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں۔ رحماء بینھم، آپس میں ایک دوسرے پر جان دینے والے صحابہ کرام کے باہمی اتفاق کو ظاہر کرنے کے لئے "رحماء" کا لفظ کس قدر موزوں ہے وصف جمعیت ہزار ہزار اتفاق کو اپنے اندر لپیٹے ہوئے ہے تراھم رکعا سجدا یعنی باوجود اس اقتدار عظیم کے جو اسلامی سرداروں کو حاصل ہے پھر بھی رکعاً یعنی سرنیاز خم کئے ہوئے سجداً بلکہ سرنیاز زمین پر رکھے ہوئے دیکھو گے۔ یبتغون فضلاً الخ یہ خدائی پن کے افسر کسی دنیوی اعزاز کے طالب اور دولت کے خواہاں نہیں۔ ہاں صرف اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ سیماھم ان کے ماتھوں پر امتیازی خدائی نشان کثرت سجود کے باعث تاباں و درخشاں ہیں دونوں آیات مذکورہ بالا اس امر کی شاہد عادل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں صحابہ کرام کے ہیں ایسی سچی محبت والفت اور ایک دوسرے سے پیار تھا جو زائل ہونے والا نہ تھا یہ تو الہی شہادت ہے لیکن شیعہ صاحبان اس کے خلاف یہ کہتے ہیں کہ اور تو اور حضور علیہ السلام کے خاص الخاص اصحاب و احباب کے دل بھی صاف نہ تھے بلکہ وہ ایک دوسرے کے خلاف کینہ و حسد دل میں رکھتے تھے اصحاب ثلاثہ کو حضرت سے بیر تھا اور علی مرتضیٰ کو ان سے خصومت۔ پھر قارئین کرام خود ہی انصاف کریں کہ شیعہ کو سچا جانیں یا قول خدا پر ایمان لائیں الخ .... آفتاب صہ ۲۷)

الجواب۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس آیت مبارکہ میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حقیقی ایمانی و روحانی معیت رکھنے والے افراد کاملہ و نفوس زاکیہ کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے مگر اس سے ہمارے بھائیوں کو کچھ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ ان کے خاص الخاص ممدوحین صحابہ یعنی اصحاب ثلاثہ اور ان کے تابعین اس مقدس جماعت میں ہرگز شامل نہیں ہیں کیونکہ اس آیت مبارکہ میں جس قدر اس مقدس جماعت کے اوصاف حسنہ بیان کئے گئے ہیں ان میں ان کا فقدان نظر آتا ہے اس حقیقت کو کما حقہ سمجھنے کے لئے درج ذیل امور پر غور کرنا ضروری ہے۔

والذین معہ کے مصداق کی تحقیق

سب سے پہلی قابل غور بات یہ ہے کہ "والذین معہ" میں معیت کے اقسام شش گانہ سے مراد کیا ہے؟ آیا اس سے معیت (۱) ایمانی مراد ہے یا ۲۔ معیت فی النصرۃ والاعانۃ یا ۳۔ معیت فی الذات یا ۴۔ معیت فی الصفات یا (۵) معیت فی الزمان یا (۶) معیت فی المکان؟ آخری دو معنی یعنی معیت زمانی و مکانی تو قطعاً مراد نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ امر بالبداہت ثابت ہے کہ یہ معیت مومن و کافر کے درمیان بھی ثابت ہے (دونوں ایک مقام میں ہوتے ہیں) ایک زمانہ میں ہوتے ہیں البتہ باقی اقسام کا احتمال ہو سکتا ہے اگرچہ پہلی قسم اظہر ہے بہرحال وبہرصورت اہلبیت نبوت تو اس کے فرد اکمل نظر آتے ہیں اور اصحاب ثلاثہ خارج۔ اگر یہاں معیت سے معیت ایمانی مراد لی جائے تو یہ خانوادہ عصمت و طہارت فطری مسلمان ہے لم یعبد واصنما قط۔ انہی کو پیغمبر اسلام نے کل ایمان فرمایا ہے (حیوٰۃ الحیوان) اور انہی کے ایمان کو چودہ طبق سے بھاری قرار دیا ہے (الریاض النضرۃ)

اور ان کی ایک ضربت کو ثقلین کی عبادتوں پر فوقیت دی ہے (ارجح المطالب)۔ یہی بزرگوار ہیں جو ابتداء سے انتہا تک رسول کے ساتھ رہے کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی کفار کا ساتھ نہیں دیا لیکن وہ بعض اصحاب ثلاثہ ہرگز شامل نہیں ہیں کیونکہ پہلی آیت کے جواب میں تفصیلی دلائل سے ان کا عدم ایمان ثابت کیا جا چکا ہے لہذا جب تک ان کے ہوا خواہ پہلے ان کا ایمان ثابت نہ کریں اس وقت تک ان کو اس مقدس جماعت میں داخل کرنے کی سعی مشکور نہیں ہو سکتی۔

اور اگر معیت فی النصرۃ والاعانت ہے تو اہلبیت نبوی سے بڑھ کر کون معین و مددگار رسول تھا سوائے حیدر کرار جعفر طیار، حمزہ جرار، عبیدہ نامدار (واعنالهم علیهم رضوان الملک الغفار) کے اور کون شیر بیشہ شجاعت تھا جس نے اپنی جان کی بازی لگا کر اسلام و بانی اسلام کی حفاظت و سرفرازی کے لئے اس طرح کام کیا کہ آسمانی فرشتوں نے حدیہ تہنیت پڑھا۔

لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار

انہی کی بدولت اسلام کو چار چاند لگ گئے اور چہار دانگ عالم میں اس کے ڈنکے بجنے لگے اور کفر کے پرچم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سرنگوں ہو گئے اور الا ان حزب اللہ ھم الغالبون کے روح پرور مناظر دیکھے گئے وہ لوگ اس کا مصداق نہیں ہو سکتے جن کی تلواریں طول میں سات بالشت اور عرض میں ایک بالشت تھیں۔ مگر میدان وغا میں کبھی میان سے نکلنے کی نوبت نہیں آئی تھی (کما نقل عن روضۃ الصفا) اور کبھی راہ خدا میں چوٹ کھائی اور کسی کافر کو قتل کرنا تو کجا اسلامی غزوات میں ان کا کوئی کبھی مارا بھی ثابت نہیں ہے اور اگر معیت فی الذات مراد ہے تو مذکورہ بالا مقدس افراد کے علاوہ کون آنحضرت سے نسبی قرابت قریبہ رکھتا ہے اور کون ہے جس کے متعلق پیغمبر اسلام نے انا وعلی من نور واحد (ریاض نضرہ ج ۲ صفحہ ۱۶۴)۔ انا وعلی من شجرۃ واحدۃ والناس من اشجار شتی (ارجح المطالب) علی منی وانا منہ (مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۶۳۸) اور لحمک لحمی ودمک دمی فرمایا ہو حضرات ثلاثہ جو تیمی وعدوی اور اموی شجرہ ملعونہ فی القرآن کے افراد ہیں ان کو پیغمبر کی ذات سے کیا ربط و تعلق ہے؟

"اور اگر معیت فی الصفات مراد ہے تو نمونۂ رسالت کے علاوہ اور کون ہے جو صفات نبوی کا آئینہ بردار ہو اور سوائے نبوت اور اس کے خصائص کے باقی تمام صفات کمالیہ اور نعوت جمالیہ میں رسول اسلام کے ساتھ مشارکت رکھتا ہو اور انفسنا وانفسکم کا مصداق ہو۔ وہ اس معیت میں کس طرح شریک رسول ہو سکتے ہیں جن کو خود عمت العربیہ علم نہیں تھا کہ وہ خلیفہ رسول (آنحضرت کے قائم مقام اور ان کی صفات کے مظہر) ہیں یا خالفہ (وہ احمق جس کے کوئی خیر و خوبی نہ ہو) ہیں۔" (نہایہ ابن اثیر ج ۱ صفحہ ۳۱۰ طبع مصر)

اشداء علی الکفار کی تحقیق

دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ اشداء علی الکفار کے مصداق کون ہیں؟ پہلا مرحلہ (والذین معہ) کے مصداق معین ہو جانے کے بعد اب تمام صفات کے مصداق خود بخود معلوم ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ تعریف اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا ان ہی کی ابتدا

(والذین معہ) کی خبر بعد خبر ہیں۔ ترجمہ والذین معہ کے مصداق اہلبیت نبوت اور ان کے خالص اتباع ہیں (جیسا کہ واضح کیا جا چکا ہے) تو وہی ذوات مقدسہ ان صفات جلیلہ کے حامل بھی ہونگے۔ مطلب یہ کہ جو آنحضرت کے ساتھ ہیں وہی کافروں پر سخت اور باہم مہربان ہیں الخ

ولی اللہی تفسیر اور اس پر تنقید

یہ مطلب عقلاً و نقلاً کسی طرح بھی صحیح نہیں کہ آیت کے جتنے جزے کر دیے جائیں اور ہر ہر صفت کا موصوف علیحدہ علیحدہ قرار دیا جائے جیسا کہ شاہ ولی اللہ دہلوی نے ازالۃ الخفا مقصد اول صہ ۲۳۸ پر لکھا ہے (اور بالعموم مفسرین اہلسنت بھی یہی راگ الاپا کرتے ہیں) کہ والذین معہ سے ابوبکر، اشداء علی الکفار سے عمر رحماء بینہم سے عثمان تراھم رکعاً سجداً سے حضرت علی یبتغون فضلاً سے مراد طلحہ و زبیر اور سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود سے عبدالرحمن بن عوف سعد بن ابی وقاص اور ابو عبیدہ بن جراح مراد ہیں و تفسیر نہ عقلاً درست ہے اور نہ نقلاً۔ عقلاً اسلئے درست نہیں کہ باتفاق نحویین و مفسرین والذین معہ مبتدا ہے اور اشداء علی الکفار رحماء بینہم الخ اس کی خبر بعد خبر ہے۔ مطلب یہ کہ جو والذین معہ کے مصداق ہیں وہی اشداء علی الکفار وہی رحماء بینہم ہیں باوجود ان فقروں کے مبتدا و خبر اور موضوع و محمول ہونے کے اگر الذین معہ کا مصداق ابوبکر اور اشداء علی الکفار کا مصداق عمر کو ٹھہرا ہر ہر صفت کا مصداق ایک ایک شخص کو قرار دیا گیا تو پھر معنی یہ ہونگے ہیں کہ ابوبکر، عمر ہیں اور عمر عثمان ہیں یہ حمل جزئی حقیقی بر جزئی حقیقی ہے جو تمام اہل منطق کے نزدیک عقلاً محال ہے۔ اگر اس حمل کو ممکن ثابت کر دیا جائے تو پھر یہ ترتیب بھی ممکن ہو سکتی ہے و اذلیس فلیس و علیہ تو ہم بھی اصحاب ثلاثہ کے فی الجملہ باہمی اتحاد کے قائل ہیں مگر صفات میں نہ ذات میں فتدبر واللہ ولی التوفیق"

علاوہ بریں کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اگر شیعہ یہ کہیں کہ آیت مبارکہ انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ الخ میں والذین آمنوا سے مراد حضرت علی ہیں تو زمین سر پر اٹھائی جاتی ہے کہ جمع سے واحد کیونکر مراد ہو سکتا ہے؟ اور یہاں خود جمع سے واحد مراد لے رہے ہیں کہ والذین معہ سے ابوبکر اشداء علی الکفار سے عمر اور رحماء بینہم سے مراد عثمان ہیں یہاں ایک نکتہ بھی توجہ کے قابل ہے کہ شیعوں پر تو بڑے شد و مد سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ سوائے چند اصحاب کے دوسروں کے قائل نہیں لیکن یہاں خود اعتراض کنندگان نے اسی چیز کا مظاہرہ کیا ہے کیا ان کو رسول پاک کے ہزاروں بلکہ لاکھوں اصحاب میں سے صرف یہی آٹھ دس افراد اس آیت کے مصداق ملے ہیں؟ اور نقلاً اس لئے درست نہیں کہ والذین معہ کا مصداق اس لئے ابوبکر کو قرار دیا جاتا ہے کہ وہ غار ثور میں اور سفر ہجرت میں آنحضرت کے ساتھ تھے ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ معیت زمانی و مکانی میں کوئی فضیلت کی بات نہیں ہے یہ تو کافر و مومن کے درمیان بھی ہوتی رہتی ہے بالخصوص معیت فی الغار ابوبکر کے لئے کوئی باعث افتخار کارنامہ نہیں بلکہ الٹا ان کے لئے باعث عار و شنار ہے جیسا کہ اس آیت کے ذیل میں ہم ذکر کریں گے۔

سہ ۔ بس کن حدیث غار کہ ننگ است نزد عقل ٭ آں حزن و بے قراری شیخ معظم

عمر کو اشداء علی الکفار اس لئے قرار دیا جاتا ہے کہ کہتے ہیں انہوں نے مدۃ العمر میں نوفل نامی ایک شخص کو قتل کیا۔

تھا۔ اور ہمارے مخاطب لکھتے ہیں کہ "دشمن پران کی شدت قہر و صولت کا یہ اثر پڑتا تھا کہ ان کو دیکھتے ہی ان کے چھکے
چھوٹ جاتے تھے" مگر تاریخی حقائق اس کے برعکس یہ شہادت دیتے ہیں کہ کفار کو دیکھتے ہی عمر پر ان کی شوکت و صولت
و صلابت کا کچھ ایسا اثر پڑتا تھا کہ چھکے چھوٹ جاتے تھے پیغمبر اسلام کو نرغۂ اعداء میں گھرا ہوا چھوڑ کر پہاڑوں میں جا کر
پناہ لیتے اور منہ ماتے کوہی کی طرح اچکتے پھرتے اور پوری زندگی میں صرف خیبر میں دو بار قیادت جنگ ملی تھی مگر
ہر بار کفار کے ادھیڑ حملے کی بھی تاب نہ لا سکے اور مع الخیر بھاگ کر اور جان بچا کر واپس آگئے اور "جب خیبری قلعے
سے باہر نکلے تو حضرت عمر کے قدم نہ جم سکے اور آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ فوج نے نامردی کی لیکن
فوج نے خود ان کی نسبت یہی شکایت کی" (سیرۃ النبی ج ۱ صفحہ ۲ شبلی نعمانی) جنگ خندق میں جب عمرو بن عبدود نے

هل من مبارز؟ کا نعرہ بلند کیا تو ہمارے بھائیوں کے اشداء علی الکفار پر کچھ ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ گویا روح
تن سے مفارقت کر گئی خدا نے اسکی کیا کیا تصویر کشی فرمائی ہے رأیتهم ینظرون الیک تدور اعینهم کالذی یغشی
علیه من الموت۔ گھبراہٹ سے تمہاری طرف دیکھتے تھے اور ان کی آنکھیں اسطرح گھومتی تھیں جیسے کسی شخص پر موت کی
بیہوشی طاری ہو (پ ۲۱ احزاب ع ۲) (روضۃ الصفا ج ۲ صفحہ ۱۲۵ معارج النبوۃ ص ۱۶۱ وغیرہ) انہی اشداء علی الکفار سے
جب آنحضرت نے فرمایا کہ مکہ جاؤ اور کفار سے کہو کہ ہم صرف عمرہ ادا کرنے کی غرض سے آرہے ہیں تو جناب عمر نے اپنی شدت

کا یوں ثبوت دیا کہ یا رسول اللہ ان کی طرف سے مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے علاوہ بریں میرے قبیلے بنی عدی کا بھی کوئی شخص
مکہ میں موجود نہیں ہے جو مجھے پناہ دے میری رائے یہ ہے کہ حضرت عثمان بھیجے جائیں کیونکہ وہ خاندان بنو امیہ کے ایک
باعزت رکن ہیں" (تاریخ الامۃ ج ۱ صفحہ ۲۹ از حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری) الغرض کسی ایک اسلامی جنگ میں بھی
ان کا جم کر کفار سے لڑنا ثابت نہیں بلکہ یہی اشداء علی الکفار ہیں جن کے متعلق شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ "خلافت کے زمانہ
میں وہ کافروں کے ساتھ جس رحمدلی اور لطف سے برتاؤ کرتے تھے آج مسلمان سے مسلمان نہیں کرتے" (الفاروق
ج ۲ صفحہ ۱۳۵) کیا اشداء علی الکفار ایسے ہی ہوتے ہیں؟ شرم شرم

گر مسلمانی ہمیں است کہ حافظ دارد ؎ وائے گر از پس امروز بود فردائے

ان حقائق سے واضح و عیاں ہو گیا کہ عمر کا اشداء علی الکفار ہونا محض بے بنیاد و مفروضہ ہے البتہ وہ اشداء علی
الآل و الاصحاب ضرور تھے اور بقول بعض علماء بلا ریب جناب خلیفہ ثانی اس شدت و صلابت میں لاثانی تھے۔ "
نہ خوف از خدا و نہ بیم از رسول " دروازہ جناب سیدہ عالم پر کھڑے ہو کر کہا کہ اگر آپ کے ہاں لوگ اس طرح
جمع ہوتے رہیں تو میں ان کی وجہ سے گھر میں آگ لگا دوں گا " (الفاروق شبلی ج ۱ صفحہ ۵) حتی کہ اس معصومہ بی بی کو
وہ صدمہ پہنچایا کہ جناب محسن کی شہادت واقع ہو گئی (الملل والنحل صفحہ ۲۶ طبع ایران) وسیعلم الذین ظلموا ای
منقلب ینقلبون۔

اور جہاں تک رحماء بینہم کے رحم و کرم کا تعلق ہے اس کا کچھ شمہ قبل ازیں اسلام کی تصویر کشی اور پہلی آیت کے جواب میں بیان ہو چکا ہے۔ اور کچھ بعد ازیں مطاعن عثمان کے ضمن میں بیان کیا جائے گا یہاں اتنا اشارہ کافی ہے کہ وہ دوسروں پر نہیں۔ البتہ اپنے اقرباء و اعزا پر بہت ہی رحم کیا کرتے تھے چنانچہ اپنے مادری بھائی ولید بن عقبہ جیسے شراب خوار کو کوفہ کا حاکم بنا دیا جس نے صبح کی نماز چار رکعت پڑھائی مصلے پر شراب کی قے کی اور کہا اگر کہو تو کچھ رکعتیں اور پڑھا دوں (الاصابہ ج ۳ صفحہ ۶۳۸ وغیرہ۔)

مروان طرید رسول کو نہ صرف مدینہ بلایا بلکہ اسے بہن کا رشتہ بھی دیا اور اپنا میر منشی مقرر کیا اور زکوٰۃ و خمس کے لاکھوں روپیہ بالخصوص خمس افریقہ اس کے حوالہ کر دیا (الامامت والسیاست صفحہ ۳۰ تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۰۱) دوسرے اصحاب پر یہ رحم تھا کہ عبداللہ بن مسعود کو اس قدر پٹوایا کہ اس کی ہڈی پسلی ٹوٹ گئی (تاریخ خمیس صفحہ ۲۶۷ طبع مصر) اور جناب عمار بن یاسر کو اس قدر مارا کہ ان کو فتق کا عارضہ لاحق ہو گیا (تاریخ الخمیس صفحہ ۲۷۱ الامامت والسیاست صفحہ ۳۳)

مولوی کرم الدین صاحب نے جو یہ کہا ہے کہ شیعہ کو سچا جانیں یا خدا پر ایمان لائیں''، ہم عرض کریں گے کہ شیعوں کے نظریہ اور خدا کے ارشاد میں ہرگز کوئی تضاد و اختلاف نہیں ہے شیعہ بھی سچے ہیں اور ان کا خدا بھی سچا ہے آپ صرف براہ کرم اصحاب ثلاثہ کو ان آیات میں داخل کرنے کی ناکام کوشش نہ کریں جس سے ان کا دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے۔

سے مانو نہ مانو جان جہاں اختیار ہے ٭ ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جائیں گے۔

نویں آیت

لا تجد قوما یومنون باللہ والیوم الاخر یوادون من حاد اللہ و رسولہ ولو کانوا آباءھم او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ ویدخلھم جنت تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ اولئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ ھم المفلحون

(پ ۲۸ س مجادلہ ع ۳) نہ پائے گا تو ایسی قوم کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ پر اور پچھلے دن یعنی قیامت پر کہ دوستی کریں ان لوگوں سے جو مخالف ہوتے خدا کے اور اس کے رسول کے اگرچہ ان کے باپ یا بھائی یا خویش ہوں۔ ان کے دلوں میں خدا نے ایمان رکھ دیا ہے اور ان کو مدد دی اپنے غیب کے فیض سے اور داخل کرے گا ان کو بہشت میں جس کے نیچے نہریں بہتی ہونگی سدا رہیں ان میں اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی ہیں یہ الٰہی جماعت فلاح والی ہوتی ہے۔ اس آیت میں مخلص مومنین کی پڑتال کا ایک عمدہ معیار حق سبحانہ و تعالیٰ نے بتلا دیا ہے وہ یہ کہ اس مخلص جماعت کی پہچان یہ ہے کہ اعداء خدا و رسول سے کبھی دوستی نہ کریں گے اگرچہ کیسے ہی ان کے اقرباء کیوں نہ ہوں۔ اب ہم صرف اصحاب ثلاثہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کو اس کسوٹی پر پرکھ سکتے ہیں تاریخ اسلام شاہد ہے کہ الحب للہ والبغض للہ انہی حضرات کا خاصہ لازمہ تھا۔ جنگ بدر

میں فاروق اعظم کے ہاتھ سے عاص بن ہشام آپ کا حقیقی ماموں قتل ہوا۔ قیدیوں کے معاملہ میں رائے دیتے کے وقت پکار کر کہہ دیا تھا کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے عزیز کو قتل کرے۔ فاروق اعظم نے اپنے بیٹے تک شرعی حد کے اجراء میں لحاظ نہیں فرمایا تھا کیا شیعہ صاحبان کوئی معتبر شہادت اس کے برخلاف پیش کر سکتے ہیں؟ کسی دشمن خدا و رسول کے ساتھ انہوں نے یارانے گانٹھ لیے ہوئے تھے؟ کبھی بھی پیش نہیں کر سکیں گے۔ ان آیات سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ اسلام کے معاملہ میں کسی اپنے بیگانے کا لحاظ نہ کرتے تھے لیکن شیعہ اس کے برخلاف یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اصحاب ثلاثہ (معاذ اللہ) کافر و منافق تھے لیکن جناب امیر علیہ السلام ان سے یارانہ گانٹھے رہے ہر معاملہ میں ان کے مشیر کار بنے رہے۔ مال غنائم میں ان کے حصہ دار بنے رہے حتیٰ کہ اپنے لخت جگر حضرت امام حسین علیہ السلام کی شادی خانہ آبادی کے متعلق بھی حضرت عمر کے رہین منت ہوئے تزویج فاطمہ کی سلسلہ جنبانی بھی پہلے صدیق و فاروق نے ہی کی حضرت علی ان منافقین کے پیچھے نمازیں بھی پڑھتے رہے ہر بات میں ہاں میں ہاں ملاتے رہے کبھی ان سے قتال و جدال نہیں کی پھر شیعہ بتلائیں کہ امیر علیہ السلام آیت لا تجد قوما الخ کا مصداق کس طرح ہو سکتے ہیں؟ کیا کوئی شیعہ اس کا جواب دے سکتا ہے؟ (آفتاب صفحہ ۹۴)

الجواب ۔ مؤلف کی عادت ہے کہ ہمیشہ خلط مبحث کرتے ہوئے ایک ہی سانس میں کئی متنازعہ فیہ امور کو چھیڑ کر گڈمڈ کر دیتے ہیں جس کے جواب میں باوجود اختصار کی کوشش کرنے کے رشتہ کلام ہو جاتا ہے اسی آیت کو لیجئے اس میں دو کفار کے ساتھ محبت نہ کرنے کے مسئلہ میں کتنے غیر متعلق مسائل گھسیڑ دیئے ہیں اور پھر لطف یہ کہ فرار کے نام لیوا ہو کر بھیڑ کر ارو غیر فرار کے شیعوں کو للکار کر کہتے ہیں کہ کیا کوئی شیعہ اس کا جواب دے سکتا ہے؟ واہ رے قاضی تیری شہبازی!

؎ پڑا فلک کو کبھی دل جلوں سے کام نہیں ٭ جلا کے خاک نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

واقعاً خدائے رحمٰن نے مومن اور غیر مومن، مخلص اور غیر مخلص کی پہچان کا یہ میزان مقرر فرمایا ہے کہ وہ خدا اور رسول کے دشمنوں سے دوستی نہیں کرتے اگرچہ وہ انکے خویش و اقربا ہی کیوں نہ ہوں۔ مگر افسوس کا مقام یہ ہے کہ ہمارے بھائیوں کے پیارے صحابہ کرام کی اکثریت اس معیار پر پوری نہیں اترتی کیونکہ صحابہ میں ایسے لوگوں کی کمی نہ تھی جو در پردہ اپنے کافر رشتہ داروں اور دوستوں سے خفیہ تعلقات و راہ و رسم دوستی رکھتے تھے۔ چنانچہ خداوند عالم نے بار بار ایسے لوگوں کی مذمت فرمائی اور انکو کفار کے ساتھ محبت کرنے سے منع فرمایا۔ یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا اباءکم و اخوانکم اولیاء ان استحبوا الکفر علی الایمان ومن یتولھم منکم فاولئک ھم الظالمون (پ ۱۰ س توبہ ع ۳) اے ایمان کے دعویدارو! اگر تمہارے قریبی رشتہ دار ماں باپ اور بہن بھائی (ایمان کے بالمقابل کفر کو اچھا سمجھیں تو ان سے دوستی نہ کرو اور جو ان سے میل محبت رکھیں گے وہی ظالم ہونگے ایک اور مقام پر ارشاد فرماتا ہے۔ یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذوا عدوی و عدوکم

اولیاء تلقون الیھم بالمودۃ وقد کفروا بما جاءکم من الحق یخرجون الرسول وایاکم ان تؤمنوا باللہ ربکم ان کنتم خرجتم جہادا فی سبیلی وابتغاء مرضاتی تسرون الیھم بالمودۃ وانا اعلم بما اخفیتم وما اعلنتم ومن یفعلہ منکم فقد ضل سواء السبیل (پ۲۸ س الممتحنہ ع ۱) اے ایمان والو! اگر تم میرے راستہ میں جہاد کرنے اور میری خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے گھروں سے نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ ان کی طرف دوستی کے پیغام نہ بھیجو حالانکہ وہ اس (دین) حق کا انکار کر چکے ہیں جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس آیا ہے (بلکہ) وہ رسول کو اور تم کو صرف اس وجہ سے نکالتے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان لائے ہو (بایں ہمہ) تم پوشیدہ طور پر ان کے پاس دوستی کے پیغام بھیجتے ہو حالانکہ جو کچھ تم کرتے ہو خواہ چھپا کر کرو یا اعلانیہ کرو میں اس سے واقف ہوں تم میں سے جو ایسا کرے گا وہ (سمجھ لے) کہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا،، اگر جماعت صحابہ میں اس جرم کے مجرم نہ تھے تو خدائے قہار نے یہ تہدید و وعید کن کو فرمائی ہے؟ پھر الصحابہ کلہم عدول کا نظریہ کہاں گیا؟ خدا نے تو ایسا کرنے والوں کو فاسق و فاجر قرار دیا ہے ارشاد فرماتا ہے۔ ولو کانوا یؤمنون باللہ والنبی وما انزل الیہ ما اتخذوھم اولیاء ولکن کثیرا منھم فاسقون پ ۶ س ۵ ع ۱۱) یہ لوگ اگر فی الحقیقت خدا و رسول اور جو کچھ اس پر نازل کیا گیا پر ایمان رکھتے تو کبھی ان کفار و مشرکین کو دوست نہ بناتے۔ لیکن ان میں سے تو اکثر فاسق و فاجر ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ آیا اصحاب ثلاثہ بھی اس زمرہ میں شامل تھے جن کی مذمت ان آیات میں کی گئی ہے یا نہ؟ تو تاریخی حقائق کی روشنی میں اس کا جواب اثبات میں ہے۔ ذیل میں بعض روایات کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے (۱) شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخفا مقصد دوم صفحہ ۲۸۵ پر بحوالہ نسائی و حاکم یہ روایت درج کی ہے کہ کفار قریش کے کچھ لوگوں نے رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم آپ کے پڑوسی ہیں ہمارے کچھ غلام کاروبار سے جی چرا کر آپ کے پاس چلے آئے ہیں (اور مسلمان بن گئے ہیں) ان کو فی الحقیقت اسلام میں کوئی رغبت نہیں وہ ہمیں واپس کر دیجئے۔ آنحضرت نے ابوبکر سے دریافت کیا تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟ کہا یہ لوگ ٹھیک کہتے ہیں یہ آپ کے ہمسایہ اور حلیف ہیں (یعنی ان کے آدمی واپس کر دیجئے) یہ سنکر آپ کا چہرۂ انور متغیر ہو گیا پھر عمر سے فرمایا تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے بھی ابوبکر والا جواب دیا یہ سنکر پھر آپ کا چہرۂ اقدس متغیر ہو گیا اسکے بعد کفار سے فرمایا اے گروہ قریش! بخدا، خدا ایسا شخص بھیجے گا جس کے قلب کا اس نے ایمان سے امتحان کر لیا ہے جو تمہیں مارے گا یہ سنکر ابوبکر نے کہا یا رسول اللہ کیا وہ شخص میں ہوں؟ فرمایا نہیں عمر نے کہا کیا میں ہوں؟ فرمایا نہیں! بلکہ وہ شخص ہے جو (میرے) نعلین کی مرمت کر رہا ہے اور اس سے پہلے آنحضرت نے اپنے نعلین مرمت کرنے حضرت علی کو دیئے تھے ایمان عمر کے ضمن میں بحوالہ بخاری لکھا جا چکا ہے کہ انہوں نے تورات لا کر آنحضرت کی خدمت میں پڑھنی شروع کی اور آپ کے چہرے انور کا رنگ مبارک متغیر ہو گیا یہودیوں سے میل جول رکھنے اور درس تورات میں شمولیت کرنے کے واقعات کی جناب شبلی نعمانی نے بھی تصدیق کی ہے۔ فرماتے ہیں "یہ

امر صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ یہودیوں کے ہاں جس دن تورات کا درس ہوتا تھا حضرت عمر اکثر شریک ہوتے تھے ان کا خود بیان ہے کہ درس کے دن ان کے وہاں جایا کرتا تھا۔ یہودی کہا کرتے تھے کہ تمہارے ہم مذہبوں میں ہم تم کو سب سے زیادہ دوست رکھتے ہیں کیونکہ تم ہمارے پاس آتے ہو" (الفاروق ج ۲ صد ۲۱۹) کیا یہ مولف کی پیش کردہ روایت کی کھلی ہوئی خلاف ورزی نہیں ہے۔؟

حضرت عثمان کے تو کفار سے اور بھی گہرے مراسم تھے کتب اہلسنت سے ثابت ہے کہ بنی امیہ کے کچھ کافر جو مدینہ میں جاسوسی کرنے کی غرض سے آتے تھے ان کے قیام وطعام کا انتظام جناب عثمان کے گھر ہوتا تھا چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرتؐ کو اطلاع ملی کہ معاویہ بن مغیرہ آپ کے گھر میں چھپا ہوا ہے آنجناب نے عثمان کو حکم دیا کہ تین دن کے اندر اندر اسے مدینہ سے نکال دو مگر آپ نے تعمیل نہ کی کسی صحابی نے موقع پا کر اسے قتل کر دیا (علی ما نقلہ فی المحکمات)

باقی رہا عمر صاحب کا جنگ بدر میں اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کرنا یہ صرف افسانہ ہے ورنہ اسلامی تاریخیں دوسرے غزوات کی طرح جنگ بدر میں بھی عمر صاحب کا کوئی جنگی کارنامہ پیش کرنے میں قاصر نظر آتی ہیں اور جہاں تک اساری بدر کے متعلق آنحضرتؐ کا عمر سے رائے طلب کرنا اور ان کے یہ رائے دینے کا تعلق ہے کہ ہر شخص اپنے عزیز کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے"، بنا بر تسلیم روایت جب یہ رائے ایسی سفاکانہ، بہیمانہ اور خلاف شریعت تھی کہ خود صاحب شریعت نے اسے ٹھکرا دیا تو پھر اس میں مدح کی کونسی بات ہے؟ اگر ان حضرات میں عقل و فکر کی کوئی رمق ہوتی تو اس واقعہ کو قطعاً کبھی عمر کی مدح میں بیان نہ کرتے مگر آہ انہا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور یہی ہے ہیں اسی طرح اپنے بیٹے ابو شحمہ پر حد جاری کرنے میں بھی ان کی کوئی فضیلت نہیں ہے کیونکہ ان کا جرم طشت ازبام ہو چکا تھا شرعی شہادتیں مکمل تھیں اب اگر حد جاری نہ کرتے تو شاید خالق کی طرف سے تو ان کی نبھ جاتی مگر اب مخلوق معاف نہ کرتی علاوہ ازیں اس واقعہ سے تو بموجب "خود میاں فضیحت و دیگراں را نصیحت" ان کی فضیحت ہوتی ہے کہ جو دوسروں پر اشداء ہونے کا دعویدار ہو خود اس کی گرفت اپنے گھر میں ایسی ڈھیلی ہو کہ شرب خمر جیسے سنگین جرائم کا ارتکاب کیا جائے۔ اہل انصاف فرمائیں کہ اس واقعہ کے ذکر میں خلیفہ دوم کی فضیحت ہے یا فضیلت۔

؎ ذهب الحمار ليستفيد لنفسه = قرنا فآب وماله اذنان

مولف کے ضمنی مسائل پر تبصرہ

اصل استدلال کا جواب باصواب تو یہاں تک مکمل ہو گیا ہے اب ان ضمنی مسائل پر بھی مختصر الفاظ میں تبصرہ کیا جاتا ہے

جن کو مولف نے یہاں چھیڑا ہے تفصیل کے ساتھ ان پر وہاں گفتگو کی جائے گی جہاں مولف بالتفصیل ان مسائل کا تذکرہ کریں گے۔

قولہ، حضرت علی علیہ السلام ان سے یارانہ گانٹھے رہے۔ جہاں تک حضرت علی کے خلفاء کے ساتھ یارانہ گانٹھنے اور دوستانہ تعلقات رکھنے کا تعلق ہے اس کے متعلق جناب عمر کی شہادت کافی ہے جو صحیح مسلم ج ۲ صفحہ مع شرح نووی طبع ۹۰ النشئ یعنی ویعیتم

وہاں میں مذکور ہے کہ آپ نے حضرت علی و عباس کو خطاب کرکے کہا وایتمانی کاذباً اثماً غادراً خائناً کہ تم دونوں مجھے جھوٹا گنہگار، غدار اور خائن سمجھتے ہو اور (صرف یہی نہیں بلکہ) جو مجھ سے بہتر تھا (ابوبکر) تم اُسے بھی ایسا ہی سمجھتے رہے۔ مگر حضرت علی و عباس نے اس کی رد نہ کرکے بلکہ اپنی خاموشی سے اس پر مہر تصدیق ثبت فرما دی ہے کہ ہاں ہم تم لوگوں کو ایسا ہی جانتے ہیں جیسا تم نے بیان کیا ہے۔

قولہ "وہ ہر معاملہ میں ان کے مشیر کار رہے" یہ سفید جھوٹ ہے صرف جنگ قادسیہ اور غزوہ روم میں آپ سے مشورہ لیا گیا تھا اور آپ نے آنحضرتؐ کے فرمان المستشار مؤتمن" کے مطابق صائب مشورہ دیا قرآن شاہد ہے کہ عزیز مصر نے (جو کہ کافر تھا) جب حضرت یوسف سے مشورہ طلب کیا تو انہوں نے اُسے صحیح مشورہ دیا تھا تو کیا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عزیز مصر اور جناب یوسف باہم شیر و شکر تھے اور ان کے تعلقات دوستانہ تھے **؟ مالکم کیف تحکمون ؟**

قولہ "وہ مال غنائم سے حصہ دار بنتے رہے" یہ اتنا بڑا افترا ہے کہ قریب ہے آسمان کا شامیانہ پھٹ جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ جب عام شیر کسی کا کیا ہوا شکار نہیں کھاتا تو کیا اسد اللہ الغالب کے لئے یہ ممکن تھا کہ دوسرے کا کیا ہوا مال کھا لیں حاشا و کلا۔ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا اس کا کوئی قابل اعتبار ثبوت نہیں ہے۔ اگر بقول حضرت غنائم سے حصہ لیتے تھے اور ان جنگوں [illegible] بھی بھیجے گئے تھے تو پھر دور ثلاثہ میں کسی جنگ میں خود کیوں شریک نہیں ہوئے؟ حضرت علی اور اصحاب ثلاثہ کو باہم شیر و شکر بنانے والوں کے پاس ہے کوئی اس کا جواب؟ ہاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

قولہ "حتی کہ اپنے لخت جگر حضرت امام حسین علیہ السلام کی شادی خانہ آبادی کے متعلق بھی حضرت عمر کے رہین منت ہیں" اس امر میں مورخین کے درمیان شدید اختلاف ہے کہ جناب بی بی شہربانو کس دور خلافت میں آئیں؟ عام طور پر یہی مشہور ہے کہ وہ دور عمر میں آئیں۔ مگر محققین مورخین نے اس قول کو رد کیا ہے۔ چنانچہ شبلی نعمانی نے الفاروق جلد ۲ صفحہ ۲۱۹ طبع لاہور میں اس کو بالکل بے اصل قرار دیا ہے بعض یہ کہتے ہیں کہ عثمان کے دور میں آئیں اسی قول کی بابت شبلی نعمانی نے اپنا رجحان ظاہر کیا ہے لیکن صاحب ناسخ التواریخ اور صاحب منتہی الآمال کا نظریہ ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام کے ظاہری دور خلافت میں آئیں تو جب اس قدر اقوال موجود ہیں تو کیوں نہ اس آخری قول کو اختیار کیا جائے۔؟

اور بنا بر تسلیم اگر کہ عہد عمر میں جنگ قادسیہ کے وقت آئیں تو چونکہ اس جنگ میں حضرت علی کا مشورہ شامل تھا نیز وہ بی بی عاقلہ، بالغہ اور رشیدہ تھیں اور انہوں نے اپنے ارادہ و اختیار سے حضرت امام حسین علیہ السلام کے حبالۂ عقد میں آنا پسند کیا تو اس میں کسی کے احسان کا کیا سوال؟ وہ جنگ میں آئیں اس کے جائز یا حرام ہونے کو اس میں کیا دخل ہے؟

قولہ "تزویج فاطمہؑ کی سلسلہ جنبانی بھی پہلے صدیق و فاروق نے کی تھی" بنا بر تسلیم یہ سلسلہ

جنبانی اس نے کی تھی کہ چونکہ پہلے آپ نے یہ رشتہ طلب کرکے خائب وخاسر ہو چکے تھے اس لئے چاہا کہ اس رسوائی میں حضرت علی کو بھی شامل کریں لیکن جسے خدا بلند کرے اسے کون پست کرسکتا ہے اور جسے خدا عزت دے اسے کون ذلیل کر سکتا ہے؟ اگر وہ اس سلسلہ میں مخلص ہوتے تو جب خود عمر رسیدہ تھے کئی کئی بیویاں گھر میں موجود تھیں اور صاحب اولاد بلکہ صاحب احفاد بھی تھے اور دوسری طرف حضرت علی نوجوان غیر شادی شدہ تھے تو اپنی بجائے پہلے پہل ان کے لئے کیوں سلسلہ جنبانی نہ کی؟

پھر تو یہ جس کی پردہ داری ہے؟

قولہ: " حضرت علی ان منافقین کے پیچھے نمازیں بھی پڑھتے رہے "، اگر کسی سنی یا شیعی روایت سے یہ ثابت کردیں کہ اقتدا کی نیت کی تھی تو ہم منہ مانگا انعام دینے کے لئے تیار ہیں صرف خلف یا " وراء " وغیرہ الفاظ سے کام نہیں چلے گا۔ اس طرح نماز تو خلف الجدار اور خلف الاسطوانہ بھی ہو جاتی ہے اور ہوتی رہتی ہے کوئی ہے اس انعام کا خواہشمند؟۔

گوئے ایمان وسعادت درمیاں افگندہ اند ۔ پس کسے بمیداں درنمی آید سواراں راچہ شد۔

قولہ: " کبھی ان سے قتال وجدال نہیں کی۔ جس حکمت ومصلحت کے ماتحت پیغمبر اسلام نے منافقین سے جہاد بالسیف نہیں فرمایا بلکہ صرف قولی جہاد پر اکتفا کی بعینہ اسی مصلحت کی بناء پر شیر خدا نے بھی ان سے جہاد بالسیف نہیں کیا فما ھو جوابکم فھو جوابنا ان فی ذلک لآیات لقوم یعقلون۔

دسویں آیت

الذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم اعظم درجۃ عند اللہ واولئک ھم الفائزون یبشرھم ربھم برحمۃ منہ ورضوان وجنت لھم فیھا نعیم مقیم (پ ۱۰ س توبہ ع ۸) جو لوگ ایمان لائے اور خدا کی راہ میں ہجرت اور جہاد کیا اپنی جانی ومالی خدمات سے دریغ نہ کیا خدا کے ہاں بڑا رتبہ رکھتے ہیں اور وہی لوگ اپنی مراد کو پہنچنے والے ہیں خدا ان کو اپنی رحمت اور خوشنودی کی بشارت دیتا ہے اور بہشتوں کی جس میں ابدی عیش کریں گے۔

ان آیات میں مہاجرین اور مومنین کا اعلیٰ رتبہ ہونا اور ان کا فائز الدارین ہونا بیان کیا گیا ہے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اصحاب ثلاثہ اس آیت کے مصداق نہ تھے؟ کونسا وصف اوصاف مذکورہ آیت کریمہ سے مسلوب کرسکتے ہیں؟ کیا حضرات بطمع دنیا ایمان نہیں لائے تھے کیا آپ کے ساتھ ہجرت کا شرف حاصل نہیں کیا تھا؟ جہاد فی سبیل اللہ کے فرض کے تارک تھے؟ آفتاب صہ ۴۹)

الجواب۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ اس آیت مبارکہ میں مومنین مخلصین۔ مہاجرین صادقین

اور مجاہدین صابرین کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے اور اس کا کوئی بھی منکر نہیں مگر یہ حکم عام ہے جس میں بھی یہ صفات ہوں گی وہ ان کا مصداق قرار پائے گا مگر مولوی کرم الدین صاحب تو اس سے خاص اصحاب ثلاثہ کی فضیلت ثابت کرنا چاہتے ہیں اور یہ مسئلہ مبتدی طلبہ بھی جانتے ہیں کہ لا دلالۃ للعام علی الخاص باحدی الدلالات الثلاث۔
علاوہ بریں مشکل یہ ہے کہ ان تمام صفات مذکورہ فی الآیۃ سے اصحاب ثلاثہ کے دامن خالی نظر آتے ہیں نہ ان کے دامن میں ایمان کی دولت ملتی ہے نہ ان کے پاس خالصاً لوجہ اللہ ہجرت کا ذخیرہ ہے اور نہ ہی ان کے پاس کسی مالی و جانی جہاد کا ثبوت ملتا ہے تو پھر کس طرح انکو اس آیت میں شامل کیا جا سکتا ہے؟ ہمارا صرف زبانی دعویٰ ہی نہیں بلکہ اس سلسلہ کی پہلی آیت کے جواب میں بالخصوص اور دوسری آیات کے جوابات میں بالعموم ان امور کو قرآن کریم و حدیث پیغمبر اسلام کے ناقابل تردید دلائل و براہین سے ثابت کیا جا چکا ہے اس لئے بار بار ان کے اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر حامیان ثلاثہ میں کچھ بھی جرأت و ہمت ہے تو پہلے ان کا ایمان اور کسی جہاد میں ان کا صبر و ثبات ثابت کریں پھر ان کو ان آیات میں داخل کرنے کی کوشش کریں جن میں مومنین و مجاہدین کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔
دونہ خرط القتاد — نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے ۔ یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں۔

گیارھویں آیت

ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون وعدا علیہ حقا فی التوراۃ والانجیل والقرآن ومن اوفی بعھدہ من اللہ فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہ وذلک ھو الفوز العظیم التائبون العابدون السائحون الراکعون الساجدون الآمرون بالمعروف والناھون عن المنکر والحافظون لحدود اللہ وبشر المومنین (پ ۱۱ س توبہ ع ۱۴) ترجمہ خدا نے خرید لی مومنوں سے ان کی جانیں اور مال (کہ اس کی راہ میں خرچ کریں) اس قیمت پر کہ ان کو بہشت ملے گا) خدا کی راہ میں لڑتے ہیں اور پھر قتل کرتے ہیں (کفار کو) اور قتل ہوتے ہیں (کافروں کے ہاتھ سے) اس کے ذمے وعدہ ہو چکا ہے سچا توراۃ اور انجیل اور قرآن میں اور کون ہے قول کا پورا اللہ سے زیادہ؟ خوشی مناؤ اے ایمان والو اس سودے پر جو خدا نے تم سے کیا (یعنی فانی چیز دے کر ابدی نعیم لے لیا) اور یہی بڑی کامیابی ہے یہ (مسلمان) توبہ کرنے والے (برائیوں سے) بندگی کرنے والے (دل سے) شکر بجا لانے والے (نعمت اسلام پر) بے لگاؤ رہنے والے (دنیا کے تعلقات سے) رکوع و سجود کرنے والے بھلائی کا امر کرنے والے، برائی سے منع کرنے والے، نگاہ رکھنے والے حدود اللہ کو۔ اور ان کو مبارکباد دیجیے (کہ ایسے القاب حضور الٰہی سے ان کو عطا ہوئے)

دیکھو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان سچے مومنوں کو جنہوں نے اس کی راہ میں جانیں اور اموال حاضر

حاضر گئے۔ چونکہ وعدۂ بہشت عطا کرنے کا دے دیا اور فرما دیا کہ یہ وعدہ سچے مومنوں کے لئے ہے وہ کیا ہے اور الکریم اذا وعد وفیٰ۔ اب شیعہ حضرات سے ہم پوچھتے ہیں کیا خدا سے یہ سودا کرنے والے اصحاب ثلاثہ نہ تھے؟ انہوں نے اپنی جان و مال خدا کی راہ میں وقف کر دیا تھا اور اس کے عوض خدا نے ان کیلئے عطیہ عظیم اخروی کا وعدہ بھی بارگاہ ایزدی سے ہو چکا پھر ان کی شان والا میں شک کرنے کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ یہ کتنی بے انصافی ہے کہ حق تعالیٰ تو ان کو مبارکباد کے ساتھ وعدے دے ان کی تعریف کرے اور شیعہ اس کے خلاف الٹا ہی راگ گائیں (آفتاب ص)

الجواب - اس آیت کو بھی دوسری آیات مبارکہ کیطرح مولوی صاحب کے مدعا کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ وہ خود یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ وعدہ ان سچے مومنوں کے لئے ہے جنہوں نے خدا کی راہ میں جانیں اور اموال حاضر کیے ان کے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب رسول میں کچھ غیر سچے مومن بھی تھے ورنہ یہ قید (سچے مومنین کی) عبث و بے فائدہ ہو کر رہ جائے گی اور پہلی آیت کے جواب میں قرآن و حدیث کے مسلمہ حقائق کی روشنی میں یہ حقیقت واضح کی جا چکی ہے کہ اصحاب ثلاثہ اسی زمرہ (یعنی غیر سچے مومنین) میں شامل ہیں لہٰذا اس وعدے میں جو سچے مومنین سے فرمایا ہے داخل نہیں ہو سکتے۔ علاوہ بریں اس آیت میں خدا نے ان سچے مومنین کے جو اوصاف جلیلہ بیان فرمائے ہیں ان کا ان حضرات کہیں نام و نشان بھی نظر نہیں آتا۔ مثلاً خدا فرماتا ہے کہ میں نے جنت کے عوض ان سے ان کی جان اور مال خرید لئے ہیں لہٰذا وہ اپنی جان کو اپنی جان اور اپنے مال کو اپنا مال نہیں سمجھتے (بلکہ وہ اسے اللہ کی امانت جانتے ہیں اس سوچ کا لازمی نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ وہ مال بھی بے دریغ راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح جم کر راہ خدا میں لڑتے بھی ہیں پھر یا تو کفار کو قتل کرتے ہیں (اور خود زندہ رہ کر غازی کہلاتے ہیں) یا خود ان کے ہاتھ سے جام شہادت نوش کرتے ہیں (اور شہید راہ خدا کہلاتے ہیں) بہرحال وہ میدان وفا سے منہ موڑ کر اور پیغمبر خدا کو نرغہ کفار میں گھرا ہوا چھوڑ کر بھاگتے نہیں ہیں کیا اصحاب ثلاثہ کا جنگ بدر و حنین و خندق و خیبر وغیرہا سے اپنی جان بچا کر اور کفار کو پیٹھ دکھا کر راہ فرار اختیار کرنا اور کسی ایک جنگ میں بھی ثابت قدمی سے جم کر جہاد نہ کرنا ہم پہلی آیت کے جواب میں مسلمہ تاریخی حقائق کی روشنی میں ثابت کر آئے ہیں ع ایں نہ ہمہ راز است کہ معلوم عوام است۔

اور جہاں تک ان حضرات کے مالی قربانیوں سے پہلو تہی کرنے اور جی چرانے کا تعلق ہے ہم چھٹی آیت کے جواب میں واضح کر چکے ہیں کہ جب آیت نجویٰ نازل ہوئی (کہ آنحضرت سے تخلیہ میں بات کرنے سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو) تو باوجودیکہ دس دن تک یہ حکم باقی رہا۔ مگر ان حضرات کو چند ٹکے خرچ کر کے آنحضرت سے علیحدگی میں بات کرنے کی توفیق نہ ہوئی جبکہ اس سے پہلے آنحضرت کا آرام ہی خراب کر رکھا تھا کیا ایسے ہی لوگوں سے خدا نے جنت کا پختہ وعدہ

کر دکھایا ہے جن کو قولی و عملی اقرار کے مطابق رسول سے اپنی جان زیادہ عزیز تھی تو کیا ایسے لوگ رضی اللہ عنہم کے مصداق ہو سکتے ہیں؟

اس آیت کے صحیح مصداق۔ اگر اس آیت کے صحیح مصداق دیکھنے ہوں جو ان تمام صفات قرآنیہ سے متصف تھے، جو مومن کامل تھے، جو مال و جان سے اس طرح جم کر جہاد کرتے تھے کہ معرکۂ جہاد سے قدم سر کانے اور دشمن کو پیٹھ دکھانے کا نام بھی نہیں جانتے تھے جن کی عبادت گذاری اور شب زندہ داری کے باعث پیشانیوں پر گھٹے پڑ گئے تھے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں اس قدر سخت و شدید تھے کہ کسی عزیز سے عزیز اور قریب سے قریب کی بھی ذرا برابر کد و رعایت نہیں کرتے تھے تو آئیے انہیں خانوادہ مصطفےٰؐ میں اور ان کے جانثاروں اور پیروکاروں میں دیکھئے۔

وہ زور وہ شوکت وہ سخاوت وہ شجاعت ٭ وہ خلق وہ اعجاز وہ ہمت وہ کرامت
وہ خوف الٰہی وہ عبادت وہ عدالت ٭ وہ شکر وہ تسبیح وہ فاقہ وہ قناعت
الطاف یتیموں پر ترحم غربا پر ٭ تھا خاتمہ ان سب کا فقط عقدہ کشا پر

والذین یبیتون لربھم سجداً و قیاماً۔ انہی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

انہی سچے مومنین اور مجاہدین فی سبیل اللہ میں سے جناب جعفر ابن ابی طالب (برادر حضرت علیؑ) بھی تھے جن کی شجاعت و بسالت کے متعلق مورخ شبلی جنگ موتہ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں کہ:

"یہ منظر دیکھ کر علمدار اسلام فوج پر حملہ آور ہوا حضرت زید برچھیاں کھا کر شہید ہوئے ان کے بعد حضرت جعفرؓ نے علم ہاتھ میں لیا گھوڑے سے اتر کر پہلے خود اپنے گھوڑے کے پاؤں پر تلوار ماری کہ اس کی کونچیں کٹ گئیں پھر اس بے جگری سے لڑے کہ تلواروں سے چور چور ہو کر گر پڑے حضرت عبد اللہ بن عمر کا بیان ہے کہ میں نے ان کی لاش دیکھی تھی تلواروں اور برچھیوں کے نوے زخم تھے لیکن سب کے سب سامنے کی جانب تھے پشت نے یہ داغ نہیں اٹھایا"

ایک مرتبہ حضرت عمر نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! لانت احب الیّ من کل شئ الامن نفسی۔ یا رسول اللہ۔ سوائے اپنی جان کے باقی ہر چیز سے آپ مجھے زیادہ عزیز ہیں آنحضرت نے فرمایا۔ والذی نفسی بیدہ لا یومن احد کم حتی اکون احب الیک من نفسک۔ اس خدائے قدیر کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا جب تک میں اسے اس کی جان سے زیادہ عزیز نہ ہوں اس واقعہ سے ایمان عمر کی حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ مگر اس کے لئے دیدۂ بینا کی ضرورت ہے۔ ع

دیدۂ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے؟

(بخاری ج ۴ ص ۱۰ نسیم الریاض ج ۳ ص ۳۸۵ درمنثور ج ۳ ص ۲۲۳) (ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۱۱۱ وغیرہ (منہ عفی عنہ)

(سیرۃ النبی ج ۱ ص ۲۴۷ کذا فی تاریخ الامۃ ص ۱۳۱ طبع علی گڑھ) اسی مقدس جماعت کے ایک فرد حضرت حمزہ ہیں جنہوں نے جنگ احد میں شجاعت و دلیری اور جاں نثاری کے وہ ان مٹ نقوش چھوڑے جو رہتی دنیا تک شہیدان راہ خدا کے لئے مشعل راہ کا کام دیتے رہیں گے فاضل مورخ شبلی لکھتے ہیں:

"وہ کہ حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ و ابو دجانہ فوجوں کے دلوں میں گھس گئے اور صفیں کی صفیں صاف کردیں حضرت حمزہؓ دو دستی تلواریں مارتے بڑھ جاتے اور جس طرف بڑھتے تھے صفیں کی صفیں صاف ہو جاتی تھیں حضرت علیؓ اور ابو دجانہ کے بے پناہ حملوں سے فوج کے پاؤں اکھڑ گئے اور مطلع صاف ہو ہوگیا لیکن ساتھ ہی مسلمانوں نے لوٹ شروع کردی۔ اتنے میں غل مچ گیا کہ آنحضرتؐ نے وفات پائی۔ اس آواز سے عام بدحواسی چھاگئی۔ بڑے بڑے دلیروں کے پاؤں اکھڑ گئے اس ہلچل اور اضطراب میں اکثروں نے تو بالکل ہمت ہار دی۔ حضرت علیؓ تلوار چلاتے اور دشمنوں کی صفیں الٹتے جاتے تھے۔ لیکن کعبہ مقصود رسول اللہ کا پتہ نہ تھا۔ حضرت انسؓ کے چچا ابن نضر لڑتے لڑتے موقع سے آگے نکل گئے تو دیکھا کہ حضرت عمرؓ نے مایوس ہو کر ہتھیار پھینک دیئے۔ پوچھا عمرؓ بیٹھے کیا کرتے ہو کہا اب کیا کریں رسول اللہ نے تو شہادت پائی۔ ابن نضر نے کہا آنحضرت کے بعد ہم کیا کریں گے یہ کہا اور فوج میں گھس گئے اور شہادت پائی۔ الخ" (سیرت النبی جلد ۱ ص ۲۴۷)

اسی سلسلہ کی ایک کڑی جناب عبیدہؓ ہیں جنہوں نے جنگ بدر میں اپنے مقدس خون سے درخت اسلام کی آبیاری کی اور فداکاری کا وہ اعلیٰ نمونہ پیش کیا کہ اسلامی غزوات کی تاریخ میں اس کی مثال شاید ہی مل سکے اور اسی مقدس گروہ کے سردار و سپہ سالار جناب حیدر کرار شیر قرار تھے جن کی شدت و صلابت اور شجاعت و بسالت کے کارنامے رقم کرنے سے قلم و زبان عاجز و حیران ہے۔ ؎

علیؓ کی تیغ چمکی بارہا اعداء کے لشکر میں ٭ جمل میں بدر میں صفین میں خندق میں خیبر میں
دم پیکار تیغ شاہ مرداں پھیر جاتی تھی ٭ زرہ میں چار آئینہ میں دستانہ میں بکتر میں

بہرحال یہ حقیقت ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ کہ

؎ دم نبرد عرب کے دلیر ڈٹ نہ سکے ٭ وہ گاڑے دین کے جھنڈے کہ پھر اکھڑ نہ سکے

جن کی شجاعت و دلیری پر ملائکہ مقربین نے آواز تحسین و آفرین بلند کی۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں "ہر جا ہیکہ شیر بیشہ ہیجا علی مرتضیٰ بدفع مشرکاں مشغول گشت رسول خدا فرمود اے علی ای شنوی مدح خود را کہ ملک آسمان میگوید ہے لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار"

انہی بزرگوں کی شان میں خدا فرماتا ہے۔ ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانہم بنیان

مرصوص. بے شک خدا اُن لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں یوں صف باندھ کر لڑتے ہیں کہ گویا سیسہ پلائی ہوئی دیواریں ہیں اور یہی لوگ ہیں مصداق جاھدوا جاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ اولٰئک ھم الصادقون کے اور انہی کے حق میں نازل ہوا ہے۔ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون۔ اور انہی سے خدا نے جنت الفردوس کا پختہ وعدہ فرمایا ہے۔ اسی خاندان علی میں وہ روزہ دار شب زندہ دار عبادت گذار موجود ہیں کہ جن میں سے کوئی امام المتقین کوئی زین العابدین اور کوئی سید الساجدین نظر آتا ہے ولنعم ماقیل سہ

علی ہے نفس مصطفیٰ وہی سب اس میں عادتیں ۔ سپہر تھر تھرا گیا دکھائیں وہ شجاعتیں

زمیں وہ جگمگا اٹھی وہ دل سے کیں عبادتیں ۔ تن ابو تراب سے چمک رہی تھیں آیتیں۔

رکوع میں، سجود میں، قیام میں، قعود میں

یہی وہ آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر بزرگوار ہیں کہ جنہوں نے یہ فریضہ خداوندی ادا کرتے کرتے اپنی جانیں جان آفرین کے حوالہ کر دیں۔ اور یہی وہ مقدس گروہ ہے جس نے خداوندی حدود و قیود کی حفاظت کرتے کرتے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا۔ بھرا ہوا گھر لٹوا دیا اور اپنا گلا کٹوا دیا مگر حدود خداوندی کو ہرگز ہرگز نہ ٹوٹنے دیا۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ سہ بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن ۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔

شیعہ بے انصافی نہیں کرتے بلکہ بے انصافی محبان ثلاثہ کرتے ہیں۔ کہ خدا مدح و ثنا اور لوگوں کی کرتا ہے اور حامیان ثلاثہ اور راگ الاپتے ہیں اور ان لوگوں کو ان میں شامل کرنے کی سعی لا حاصل کرتے ہیں جنکا اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا لیکن سہ گرنہ بیند بروز شپرہ چشم ۔ چشمہ آفتاب را چہ گناہ

بارھویں آیت

وجاھدوا فی اللہ حق جہادہ ھو اجتباکم وما جعل علیکم فی الدین من حرج ملۃ ابیکم ابراھیم ھو سمّاکم المسلمین من قبل وفی ھذا لیکون الرسول شھیدًا علیکم وتکونوا شھداء علی الناس (پ ۱۷ س حج ع ۱۰) ترجمہ۔ اور خدا کی راہ میں سچا جہاد کرو خدا نے پسند کیا اور نہیں رکھی تم پر دین میں کچھ مشکل۔ یہ دین تمہارے باپ ابراہیم کا ہے اللہ نے تمہارا نام مسلمان (حکم بردار) پہلے ہی سے رکھا ہوا ہے۔ (یعنی اگلی کتابوں میں) تاکہ رسول صلعم تمہارا گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ ہو۔ دیکھو اس آیت میں مومنان مجاہدین کے اسلام و ایمان پر کیسی قوی شہادت الٰہی موجود ہے کہ ان کا نام نہ صرف قرآن میں بلکہ پہلی آسمانی کتابوں میں پہلے ہی مسلمان رکھا ہوا ہے۔ کیا خلفائے کرام سے بڑھ کر جاہد و فی سبیل اللہ کا حامل ہو سکتا ہے؟ پھر شیعہ اگر خدا کی جملہ آسمانی کتابوں سے ان کے سچے اسلام کی شہادت مٹا سکتے ہیں تو مٹائیں الخ (آفتاب صداقت)

الجواب۔ جب مولف محترم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس آیت میں مومنین مجاہدین کے اسلام و ایمان پر شہادت الٰہی موجود ہے

تو اب اگر وہ یہ چاہتے ہیں کہ اپنے خاص ممدوحین یعنی اصحاب ثلاثہ کو اس مقدس گروہ میں شامل کریں تو براہ کرم پہلے زحمت فرما کر اپنے ان خلفاء کرام کا ایمان و ایقان اور جہاد فی سبیل اللہ میں اُن کا صبر و ثبات اور قیام و دوام ثابت کریں۔ پھر بڑی کوشش سے ان کے فضائل کا ڈھنڈورا پیٹیں اور اگر وہ یہ کام نہیں کر سکتے اور یقیناً صبح قیامت کے طلوع ہونے تک نہیں کر سکتے۔ انشاء اللہ۔ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرًا۔ تو پھر انہیں اخلاقاً، شرعاً، اور رواجاً، قانوناً یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان آیات وافی ہدایات کو جو مومنین مجاہدین کے حق میں نازل ہوئی ہیں کھینچ تان کر اپنے چہیتے خلفاء پر فٹ کرنے کی ناکام کوشش کریں۔ ہم نے جن قوی شہادتوں سے ان حضرات کا عدم ایمان اور جہاد سے فرار ثابت کیا ہے جب تک یہ لوگ اپنی تفاسیر احادیث اور سیر و تواریخ کی تمام کتابوں کو دریا برد نہ کر دیں۔ اس وقت تک اس مقصد سے گلو خلاصی نہیں کرا سکتے اس امت مسلمہ سے وہی مقدس گروہ مراد ہے جس کے اسلام و ایمان کی دعا خود حضرت خلیل نے کی تھی۔ واجعل امۃ مسلمۃ لک وابعث فیھم رسولاً منھم (پ س ع)

اور جو اس فطری اسلام پر قائم و دائم رہے اور ایک لمحہ کے لئے بھی غیر خدا کے سامنے اپنی گردنیں خم نہ کیں اور ان کی پہچان کا سب سے بڑا نشان یہی ہے کہ جناب خاتم الانبیاء اسی خانوادہ کے چشم و چراغ ہیں اور یہ نہیں ہیں مگر بنی ہاشم ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔

تیرھویں آیت۔

لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم واثابھم فتحاً قریباً ومغانم کثیرۃ یاخذونھا وکان اللہ عزیزاً حکیماً (پ س فتح ع) بالتحقیق رب العالمین ان مومنین سے راضی ہو چکا ہے جب کہ وہ درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کر رہے تھے پس خدا نے ان کے دلوں کا حال جان لیا۔ خدا نے ان پر رحمت اتاری اور انکو فتح قریب عطا کی اور بہت سا مال غنیمت انہوں نے حاصل کیا۔ خدا غالب، حکمت والا ہے۔ اس آیت میں خداوند کریم نے بیعت رضوان کے شاملین کو اپنی رضا عطا فرمائی اور ان پر رحمت کا نازل کرنا اور فتح و حصول غنائم کی مبارک بادی ہے شیعہ بتائیں کیا خوشنودی کا پروانہ منافقین کو بھی ملا کرتا ہے؟ کبھی نہیں۔ جو لوگ اس بیعت میں شامل ہوگئے اور اس پر قائم رہے ان کو منشور رضا الٰہی عطا ہو چکا ہے۔ اور الٰہی دربار سے ملا ہوا منشور پھر واپس نہیں لیا جاتا یہ بات تو مسلم الثبوت ہے کہ اصحاب ثلاثہ میں سے شیخین تو اس بیعت میں شریک تھے اور حضرت عثمان رسالتمآب کی تعمیل حکم کے لئے مدینہ منورہ میں سفیر بن کر گئے تھے اور گویا وہ اس بیعت میں پہلے ہی داخل ہو چکے تھے۔ دوم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو بھی اسی طرح بیعت میں شریک فرمایا کہ خاص اپنے دست مبارک کو دست عثمان بنایا (دیکھو روضہ کافی جلد ۲ صفحہ ۱۵) سے اس

مضمون کی ایک روایت درج کی ہے اور پھر اس کی تائید مزید حیات القلوب و حملہ حیدری سے کی ہے مطلب سب کا وہی ہے جو مذکور ہو چکا ہے اس واقعہ سے حضرت عثمان کی نمایاں فضیلت کا ثبوت ملتا ہے۔

۱. آنحضرت کا حضرت عثمان کو دیگر اصحاب کبار سے جن میں حضرت علی بھی تھے اس خاص اہم کام کے لئے منتخب کرنا۔

۲. بیعت رضوان کے وقت حضور علیہ السلام کا اپنے دست مبارک کو دست عثمان قرار دے کر بیعت عثمان لینا پھر تعجب ہے کہ ایسے صریح فضائل کا ثبوت پاکر شیعہ حضرات عثمان کی ذات کی نسبت شک و شبہ کریں۔ الفضل ما شہدت بہ الاعداء۔ ایک اور ثبوت۔ فروع کافی جلد دوم کتاب الروضہ صفحہ ۱۴۷ میں درج ہے۔ ترجمہ امام جعفر صادق نے فرمایا۔ اختلاف بنی عباس کا یقینی ہے اور ندا بھی یقینی ہے امام مہدی علیہ السلام کا خروج بھی امر یقینی ہے۔ راوی نے پوچھا ندا کیونکر ہوتا ہے امام نے کہا کہ ایک منادی آسمان سے ندا کرتا ہے۔ حضرت علی اور ان کے پیرو فائز (کامیاب) ہیں اور آخر دن کہ حضرت عثمان اور ان کے پیرو فائز (کامیاب) ہیں۔ امام صادق علیہ السلام کی ایسی کھلی زبردست شہادت کے بعد بھی اگر شیعہ حضرات عثمان کی فضیلت کے قائل نہ ہوں تو پھر ان سے خدا سمجھے۔ سوال شیعہ بیعت الرضوان کے شاملین میں ایسے لوگ بھی تھے، جنہوں نے بیعت کو توڑ دیا اور ان کا خاتمہ بالخیر نہ ہوا جیسے اجد بن قیس وغیرہ۔ جواب۔ ایسا شاذ و نادر و جود (اجد بن قیس وغیرہ) اگر بیعت کو توڑ کر کفار میں مل جائے تو کیا مضائقہ یہ شخص پہلے ہی ضعیف الایمان منافق تھا لیکن اصحاب ثلاثہ کو ایسے مردود پر قیاس کرنا پرلے درجے کی حماقت ہے جو مرتے دم تک اس عہد پر قائم رہ کر فائز المرام ہوئے اگر یہ لوگ بیعت شکن ہوتے تو مسند خلافت نبوی پر انکو بیٹھنا کس طرح نصیب ہوتا اور حضرت علی شیر خدا ان کے ہاتھ پر بیعت کیوں کرتے پھر حضرت عثمان جن کو خاندان نبوت میں دو دفعہ دامادی کا فخر حاصل ہوا بشہادت امام صادق علیہ السلام روزانہ آسمانی ندا بقول علی مرتضیٰ ہوتی ہے۔ ایسے دینے کس طرح تباہ ہو سکتے ہیں تشیعو ہوش کرو۔ الفاق الفاق ،، (آفتاب صفحہ ۴۲)

الجواب خدا صرف مومنین با تمکین سے راضی ہوا

یہ آیہ وافی ہدایہ دوسری آیات مبارکہ کی طرح صرف مومنین بایقین کی شان میں نازل ہوئی ہے نہ کہ منافقین و مذبذبین کے حق میں چنانچہ اس کا ثبوت اسی آیت میں بالفاظ جلی موجود ہے لقد رضی اللہ عن المومنین ... مومنین با تمکین سے جبکہ انہوں نے بیعت کی اس کے بعد فعلم ما فی قلوبھم اور فانزل السکینۃ علیھم کی ضمیر (ھم) کا مرجع ہر دو مقامات پر یہی اہل ایمان ہیں۔ یعنی خدا نے انہی اہل ایمان کا دلی حال معلوم کرلیا اور انہی پر تسلی نازل فرمائی۔

نزول سکینہ بانیٔ اسلام یا اہل ایمان پر ہوتا ہے

مطالعۂ قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نزول سکینہ ہمیشہ یا رسول اسلام پر ہوتا ہے یا اہل ایمان پر ارشاد قدرت ہے فانزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المؤمنین والزمھم کلمۃ التقویٰ (پ ۲۶ ع ۱) خدا نے اپنے رسول اور مومنین کو اپنی طرف سے تسلی واطمینان قلب عطا کی اور انکو تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا ھو الذی انزل السکینۃ فی قلوب المومنین لیزدادوا ایمانا مع ایمانھم وہ خدا وہ ہے جس نے اہل ایمان کے دلوں میں اطمینان وتحمل کو اتارا تاکہ ان کے پہلے ایمان میں اور زیادتی ہو پچھلی آیات کے جواب میں حضرات ثلاثہ کا عدم ایمان ثابت کیا جا چکا ہے تفسیر درِ منثور میں ابن عباس سے مروی ہے کہا انما نزلت السکینۃ علی من علم منہ الوفا یعنی سکینہ صرف ان لوگوں پر نازل ہوا جن کے متعلق خدا کو علم تھا کہ وہ اس عہد وپیمان پر وفا کریں گے۔

بیعت رضوان کرنے والوں میں بنا بر اصول اہلسنت منافق وفاسق بھی داخل تھے

اگر لقد رضی اللہ عن المؤمنین کی بجائے یوں ہوتا کہ لقد رضی اللہ عن المبایعین تحت الشجرۃ (کہ خدا درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں سے راضی ہوا۔ تب تو البتہ عمومی رضا وخوشنودی خدا کا کسی حد تک خیال پیدا ہوتا۔ مگر یہاں تو خدا نے پہلے ہی اپنی رضامندی کو صرف اہل ایمان کے ساتھ مخصوص فرما دیا ہے اور اس میں اس طرف بھی صریح اشارہ موجود ہے کہ اس بیعت کرنے والی جماعت میں کچھ منافق بھی شامل تھے جنہوں نے بعد میں نکث بیعت کیا ایک فرد یعنی اجد بن قیس کا وجود تو ہمارے مخاطب نے بھی بایں الفاظ تسلیم کر لیا ہے "اور ایسا شاذ ونادر وجود اگر بیعت توڑ کر کفار میں مل جائے تو کیا مضائقہ یہ شخص پہلے ہی ضعیف الایمان منافق تھا،، (آفتاب صـ ۲۷) ابھی چند سطریں پہلے یہی مولوی صاحب فرما رہے تھے کہ "اس آیت میں خدا وند کریم نے بیعت رضوان کے شاملین کو اپنی رضامندی کی سند عطا فرمائی ہے۔ تو اگر بقول ان کے صرف ایک منافق کا وجود بھی تسلیم کر لیا جائے۔ تب بھی وہ قضیہ موجبہ کلیہ تو بہر حال ختم ہو جاتا ہے کہ "خدا تمام بیعت کرنے والوں سے راضی ہوا،، اور یہ معلوم ہے کہ موجبہ کلیہ کا عکس سالبہ جزئیہ ہوتا ہے آئیے اب ہم مزید چند منافقین وناکثین کی نشاندہی کرتے ہیں۔

(۱) انہی بیعت کرنے والوں میں سے ایک عبدالرحمٰن بن عدیس البلوی المصری بھی تھا۔ استیعاب میں اس کے متعلق لکھا ہے کان ممن بایع تحت الشجرۃ رسول اللہ قال ابو عمرو وھو کان الامیر علی جیش القادمین من مصر الی المدینۃ الذین حصروا عثمان وقتلوہ۔ یعنی یہ شخص درخت کے نیچے بیعت رسولؐ کرنے والوں میں سے تھا اور یہ اس مصری لشکر کا سردار تھا جس نے آکر پہلے عثمان کا محاصرہ کیا اور پھر انہیں قتل کیا۔ (کذا فی مروج الذہب ج ۲ صـ ۳۴۱ طبع جدید) عجیب بات ہے کہ قاتل اور مقتول ہر دو بیعت الرضوان میں شامل ہیں۔ اب عقلاً یہاں تین صورتیں متصور ہوتی ہیں۔ یا تو ہر دو کو جنتی قرار دیا جائے یا ہر دو کو جہنمی سمجھا جائے یا ایک کو جنتی اور دوسرے کو جہنمی پہلی

صورت میں قاتل و مقتول اور ظالم و مظلوم دونوں کی مساوات لازم آتی ہے جو عقلاً و شرعاً قبیح ہے۔ علاوہ آخری دو شقوں میں سے جس شق کو بھی اختیار کیا جائے برادران اسلامی کا وہ قاعدہ کلیہ بہر حال ختم ہو جاتا ہے کہ بیعت رضوان کے شاملین سب جنتی ہیں۔

مگر صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کیلئے!

(۲) حضرت عمار کا قاتل ابو الغادیہ بھی بیعت رضوان کے شاملین میں سے تھا۔ چنانچہ ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ ج ۳ ص ۱۷۹ (ج ۳ ص ۱۶۱ طبع مصر) میں لکھا ہے کہ ان قاتل عمار بن یاسر ابو الغادیہ کان ممن بایع تحت الشجرۃ ذکر ذلک ابن حزم وغیرہ یعنی ابن حزم وغیرہ (علماء اہلسنت) نے بیان کیا ہے کہ جناب عمار بن یاسر کا قاتل ابو الغادیہ بھی تحت الشجرۃ بیعت کرنے والوں میں سے تھا حالانکہ جناب عمار کے قاتلوں کے متعلق پیغمبر اسلام کا مشہور فرمان ہے ویح عمار تقتلک الفئۃ الباغیۃ (بخاری ج ۱ ص ۶۴ طبع مصر) افسوس ہے عمار پر! انکو باغی گروہ قتل کرے گا اور کنز العمال میں روایت موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قاتل عمار و سالبہ فی النار یعنی جناب عمار کا قاتل دوزخی ہے۔

(۳) انہی بیعت کرنے والوں میں صاحب جمل احمر بھی تھا جس کی اس جماعت میں شمولیت اور پھر اس کے غیر ناجی ہونے کا تذکرہ کنز العمال (علی ما نقل عنہ) میں بروایت جابر وغیرہ موجود ہیں (۴) اور انہی بیعت کنندگان میں مغیرہ بن شعبہ بھی تھا (جیسا کہ اصابہ ج ۳ ص ۴۵۲ مع استیعاب میں مذکور ہے) یہ وہی مغیرہ ہے جسے عمر نے بصرہ کا گورنر بنایا تھا اور جب اس نے زنا کیا تو اسے معزول کر دیا اور پھر معاویہ نے اپنے دور حکومت میں اسے کوفہ کا گورنر بنایا اور جب کسی بات سے ناراض ہو کر اسے معزول کرنا چاہا تو اس نے بطائف الحیل خلافت یزید کیلئے زمین ہموار کر کے معاویہ کی خوشنودی حاصل کی اور گورنری پر بحال رہا (الامامۃ والسیاسۃ ص ۱۴۳ تاریخ الخلفاء ص ۱۳۲ طبع لاہور۔ روضۃ الصفا ج ۳ ص ۲۶/۲۵ طبع لکھنؤ) تو اگر ایسے لوگوں سے خدا راضی ہے تو پھر یزید پلید اور اس کی خلافت سے بھی بدرجہ اولیٰ خوش ہے ورنہ اسے مسند نبی پر بیٹھنا کس طرح نصیب ہوتا؟ کیا ہماری اسلامی برادری یہ تسلیم کرنے پر آمادہ ہے؟

سہ۔ اندکے غم دل با تو گفتم و بجاں ترسیدم ٭ کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است۔

یہ بیعت رضوان کس بات پر تھی؟

اور اگر بفرض محال چند لمحوں کے لئے یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ خدا ان سب لوگوں سے راضی ہوا جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی تو پھر بھی بات یہاں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ چند امور قابل غور و تامل باقی رہ جاتے ہیں اول یہ کہ یہ بیعت کس بات پر لی گئی تھی؟ دوم یہ کہ یہ رضامندی کس بات پر تھی؟ سوم یہ کہ یہ رضامندی مطلق تھی یا کسی شرط کے ساتھ مشروط تھی؟ سو امر اول کے متعلق واضح ہو کہ چونکہ سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے پہلے جنگ احد، خندق وغیرہ میں اپنے اکثر اصحاب کا فرار دیکھ چکے تھے اس لئے انہوں نے اس بات پر بیعت لی تھی کہ آج کے بعد جب بھی میدان جنگ میں جائیں گے تو مر جائیں گے مگر کبھی دشمن کو پیٹھ دکھا کر راہ فرار اختیار نہیں کریں گے۔ چنانچہ سیرت حلبیہ ج ۳ ص ۱۹ تفسیر کبیر ج ۷ ص ۹۹ صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳۰، ۱۲۹ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۲۵ طبع مصر ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۲۳ میں ہے تبایعوہ علی ان لا تفروا ابداً کہ ان لوگوں نے تحت الشجرہ

اس بات پر بیعت کی تھی کہ وہ کبھی بھی جنگ سے فرار نہیں کریں گے۔

اس سے دوسرے امر کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جب انہوں نے اس بات پر بیعت کر لی تو خدا کو ان کا یہ فعل پسند آیا اور فتح قریب (فتح خیبر) اور مغانم کثیرہ (مغانم ہوازن وغیرہ) کا وعدہ بھی فرمایا جسے بعد میں صادق الوعد خدا نے پورا بھی کر دیا۔

یہ رضامندی مشروط بالقائے عہد تھی۔

اب رہا تیسرا امر تو پہلے دونوں امور کے منقح اور واضح ہو جانے کے بعد اس کی حقیقت بھی آشکار ہو جاتی ہے کہ اظہار رضا و خوشنودی کی سند اس بیعت پر بقاء و ثبات کے ساتھ مشروط تھی کہ اگر یہ لوگ اس عہد پر قائم رہے تو یہ تمغہ بھی باقی رہے گا لیکن اگر اس عہد پر وفا نہ کی تو یہ تمغہ واپس لے لیا جائے گا چنانچہ اس بات کا تصریحی بیان درج ذیل آیت میں موجود ہے ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم فمن نکث فانما ینکث علی نفسہ ومن اوفی بما عاھد علیہ اللہ فسیؤتیہ اجرا عظیما (پ ۲۶ س فتح ع ۹) (اے پیغمبر) جو لوگ (صلح حدیبیہ) کے وقت تمہارے ہاتھ پر (لڑنے مرنے) کی بیعت کر رہے تھے وہ تم سے نہیں بلکہ خدا سے بیعت کر رہے تھے (کہ تمہارا ہاتھ نہیں بلکہ) خدا کا ہاتھ اُن کے ہاتھ پر ہے تو جو (ایسا پکا قول و اقرار کئے پیچھے اس کو) توڑے تو توڑنے کا وبال خود اسی پر پڑے گا اور جو اس عہد کو پورا کرتا رہے گا جو اس نے خدا کے ساتھ کر لیا ہے تو عنقریب خدا اُس کو بہت بڑا اجر دے گا (ترجمہ نذیری) صلح حدیبیہ والی بیعت سے مراد یہی بیعت ہے جو بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے بھی یہی لکھا ہے کہ (والآیۃ نزلت فی بیعۃ الرضوان)۔

اس سے یہ امر کالشمس فی نصف النہار واضح و آشکار ہو گیا کہ یہ رضامندی اور وعدہ اجر و ثواب اس عہد پر قائم رہنے اور اس پر بقاء کے ساتھ مشروط ہے ایسا نہیں کہ خدا نے ان لوگوں کو ابدی خوشنودی کا پروانہ دے کر جنت کا پٹہ ان کے نام الاٹ کر دیا اور انہیں کہہ دیا کہ جو تمہیں کھلی چھٹی ہے جو چاہو کرتے پھرو چاہے وفائے عہد کرو یا نہ کرو بہرحال تمہارے صرف ظاہری اقرار و عہد سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تم راضی ہو گیا ہوں اور تم جنت الفردوس کے وارث اور اس کی حوروں کے شوہر بن گئے ہو کیا کوئی عقل سلیم رکھنے والا آدمی یہ بات باور کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں یہ وہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ جناب مولوی کرم الدین صاحب نے بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر اس کا اقرار کر ہی لیا ہے چنانچہ اپنے استدلال منقولہ بالا میں لکھتے ہیں جو لوگ اس بیعت میں شامل ہو گئے اور اس پر قائم رہے ان کو منشور رضائے الٰہی عطا ہو چکا ہے۔ (آفتاب ہدایت) الحمد للہ الذی اجری الحق علی لسانہ۔

اکثر شاملین بیعت اس عہد سے منحرف ہو گئے

اب صرف ایک امر قابل غور باقی رہ جاتا ہے کہ آیا یہ بیعت کرنے والے تمام لوگ اپنے کئے ہوئے عہد

پر باقی رہے تھے یا اس سے منحرف ہو گئے تھے؟ بسو جو اسر حدیث و تاریخ کی ناقابل تردید شہادتوں سے ثابت ہے وہ یہ کہ جس خدشہ کا اظہار خدائے قہار نے پہلے ہی فرما دیا تھا (فمن نکث) وہ صحیح ثابت ہوا یعنی معدودے چند افراد کے سوا باقی بیعت کرنے والوں کی اکثریت اس عہد کو توڑ بیٹھی اور حسب سابق بعد والی جنگوں (مثل خیبر و حنین وغیرہ) میں بزدلی کا مظاہرہ کر کے میدان جنگ سے دشمنوں کو پیٹھ دکھا کر فرار ہو گئی باوجودیکہ رسول) پکار رہے تھے!

سه انا النبی لا کذب ٭ انا ابن عبد المطلب

اور جناب عباس (عم رسول) بحکم رسول بھاگنے والوں کو یا اصحاب الشجرہ، یا اصحاب بیعت رضوان یاد دلاتے رہے۔ شرم دلاتے رہے مگر مطابق ارشاد ایزدی ثم ولیتم مدبرین۔ یار لوگ پھر بھی پیٹھ دکھا کر بھاگ ہی گئے۔ یہ بات یاد رہے کہ ان تمام جنگوں میں ان بھاگنے والوں میں سر فہرست اصحاب ثلاثہ نظر آتے ہیں ان تمام امور کے حوالہ جات دیکھنے کے لئے اسی کتاب کے چند صفحے پیچھے الٹنے کی زحمت فرمائیے اور پہلی آیت کے جواب میں واقعات جنگ خیبر و حنین پر ایک سرسری نظر ڈال لیجئے یہ سب حقائق اجاگر ہو جائیں گے حالانکہ خدائے جبار و قہار دھمکی دے چکا تھا۔ وان تتولوا کما تولیتم من قبل یعذبکم عذابا الیما (پ ۲۶ س فتح ع ۱۰) اور اگر اب (اس پختہ عہد و پیمان کے بعد بھی اس طرح پیٹھ دکھائی جس طرح اس سے پہلے دکھا چکے ہو تو خدا تمہیں سخت عذاب دے گا" اب وہی خدا ان بھاگنے والوں کا ان الفاظ میں شکوہ کرتا ہے۔ ولقد کانوا عاهدوا الله من قبل لا یولون الادبار و کان عهد الله مسئولا (پ ۲۱ س احزاب ع ۱۰) یہ اس سے پہلے خدا سے وعدہ کر چکے تھے کہ اب پیٹھ نہیں دکھائیں گے سو خدا کے وعدے کے مطابق ضرور سوال کیا جائے گا بنا بریں یہ لوگ ان خوش قسمت لوگوں کی فہرست سے خارج سمجھے جائیں گے جن سے رضوان الہی اور ثواب بے حساب کا وعدہ فرمایا گیا ہے اور مومنین کی بجائے ناکثین (ومن نکث) کے زمرہ میں شامل ہو کر ومن یولهم یومئذ دبره فقد باء بغضب من الله وماواه جهنم وبئس المصیر کی تہدید و وعید کے سزاوار پائیں گے۔ ابن مسیب سے روایت ہے وہ اپنے والد (مسیب) سے نقل کرتے ہیں کہ میں براء بن عازب سے ملا اور کہا طوبی لک صحبت رسول الله وبایعته تحت الشجرة. طوبی (خوشخبری ہے) تمہارے لئے تم نے صحبت رسول کا شرف حاصل کیا اور بیعت الشجرہ بیعت کی۔ فقال یا ابن اخی انک لا تدری ما احدثنا بعده (یہ سنکر انہوں نے کہا برادر زادہ تم نہیں جانتے کہ ہم نے اس کے بعد کیا کیا بدعتیں ایجاد کیں) بخاری ج ۳ ص ۳۱۸ طبع مصر) اور ایسے لوگوں کا انجام بخاری و مسلم کی احادیث حوض سے ظاہر ہو سکتا ہے۔ اور پیغمبر اسلام کی وفات حسرت آیات کے بعد ان لوگوں نے خاندان نبوت پر مصائب و نوائب کے جو پہاڑ گرائے اور جس طرح اپنا خاتمہ خراب کیا وہ عیاں راچہ بیاں کا مصداق ہے۔

ان اصحاب ثلاثہ کے احداث و بدعات دیکھنے کیلئے تاریخ الخلفاء وغیرہ اسلامی سیر و تواریخ کے اوراق کھلے ہوئے ہیں۔

نعوذ بالله من الحور بعد الکور وانما الاعمال بالخواتیم۔ اللهم ارزقنا حسن الخاتمة بحق النبی و عترته الطاهرة۔

کچھ جناب عثمان کے متعلق

اور جہاں تک عثمان صاحب کے متعلق مولف کی غیر متعلق باتوں کا تعلق ہے ان کا مختصر جواب یہ ہے کہ عثمان کو سفیر بنا کر بھیجنے کا انتخاب آنحضرت نے نہیں کیا تھا آنحضرت نے تو یہ حکم حضرت دوم کو دیا تھا مگر بزعم اہلسنت اشداء علی الکفار ہونے کے باوجود خوف جان انکار کیا اور انہی کی تجویز پر عثمان کو بھیجا گیا چنانچہ تاریخ الامۃ ج ۱ ص ۱۲۹ طبع علی گڑھ) میں لکھا ہے کہ جب آنحضرت نے ان کو حکم دیا کہ کفار سے جا کر کہو کہ ہم لڑنے کیلئے نہیں بلکہ صرف اعمال عمرہ بجا لانے کیلئے آئے ہیں تو انہوں نے جواب میں کہا یا رسول اللہ ان کی طرف سے مجھے جان کا خطرہ ہے علاوہ بریں میرے قبیلے بنی عدی کا بھی کوئی شخص مکہ میں موجود نہیں ہے جو مجھے پناہ دے میری رائے یہ ہے کہ حضرت عثمان بھیجے جائیں کیونکہ وہ خاندان بنی امیہ کے ایک باعزت رکن ہیں" (کذا فی سیرۃ النبی ج ۱ ص ۴۴۲ و روضۃ الاحباب ص ۳۵۰ وغیرہ) لیجئے عثمان کی فضیلت تو ثابت ہونے سے رہی البتہ عمر صاحب کی ایمان داری اور جان نثاری کے ڈھول کا پول بھی کھل گیا اور ثابت ہوگیا کہ وہ انہی لوگوں میں سے تھے جو امن و آشتی کے وقت تو بڑھ چڑھ کر اپنی فدا کاری و جان نثاری کا اظہار کرتے ہیں

می خواہم از خدا بدعا صد ہزار جان ٭ تا صد ہزار بار بمیرم برائے تو
من کیستم کہ بہر تو جاں را فدا کنم ٭ اے صد ہزار جان مقدس برائے تو

لیکن جب واقعاً جان قربان کرنے کا وقت آتا تو عذر ہائے لنگ کے دفتر کھول کر بیٹھ جاتے۔ کہتے یا رسول اللہ کفار قریش مجھے مار ڈالیں گے اس لئے مجھے معاف دیجئے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق خدا فرماتا ہے اولئک لم یومنوا فاحبط اعمالھم ایسے لوگ درحقیقت ایمان لائے ہی نہیں اسلئے خدا نے ان کے تمام اعمال اکارت کر دیئے ہیں (پ ۲۱ س احزاب ع ۲)

آنحضرت کے عثمان کی طرف سے بیعت لینے کی مصلحت

معلوم ہوا کہ جناب عثمان اس لئے سفارت پر بھیجے گئے کہ ان کے کفار قریش سے اچھے تعلقات تھے۔ باقی رہا ان کے لئے آنحضرت کا اپنے ہاتھ پر بیعت لینا تو بنا بر صحت روایت (جو کہ خبر واحد ہے اور مقام اعتقاد میں ناقابل اعتماد) اس میں بھی ان کی ہرگز کوئی فضیلت نہیں چونکہ آنحضرت باعلام اللہ جانتے تھے کہ عثمان بھی اپنے دونوں ہم نوالہ و ہم پیالہ دوستوں کی طرح اس بیعت پر قائم نہیں رہ سکیں گے بلکہ آئندہ ہونے والی جنگوں میں راہ فرار اختیار کریں گے اس لئے اگر ان کی طرف سے بیعت نہ ہوتی تو ان کو یہ عذر پیش کرنے کا موقعہ مل جاتا کہ انہوں نے تو فرار نہ کرنے کا عہد کیا ہی نہ تھا۔ اس لئے آنحضرت نے اتمام حجت کیلئے اور ان کے اس عذر کو قطع کرنے کے لئے اپنے ہاتھ پر ان کی طرف سے بیعت لی تاکہ وہ عہد پیمان سب سے زیادہ پختہ ہو جائے اور توڑنے والے کیلئے سب سے زیادہ باعث وبال قرار پائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور وہ تحت بیعت میں ہمیشہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ برابر کے شریک رہے باقی رہی ان کی مزعومہ دامادی تو اس پر وہاں مفصل بحث کی جائے گی جہاں مولف اس کا باقاعدہ عنوان عثمان میں تذکرہ کریں گے

اور جہاں تک بعضہ کافی ج۸ ص۱۳۶ والی روایت کا تعلق ہے کہ دن کے آخری وقت ندا آئیگی کہ عثمان کے پیرو فائز ہیں تو مولف اوراق کے ہمنواؤں کو معلوم ہونا چاہئیے کہ بموجب «الاحادیث یفسر بعضھا بعضًا» بحارالانوار ج۱۲ ص۲۷۰ ترجمہ فارسی میں اس کی وضاحت موجود ہے کہ جو منادی صبح کے وقت حضرت علی کے شیعوں کی فوز و فلاح کی ندا کرے گا (کہ علی اور ان کے پیرو کار فائز المرام ہیں) وہ ندائے ربانی ہوگی (لا ان الحق مع علی وعلی مع الحق) اور جو ندا دن کے آخری حصہ میں ہوگی کہ عثمان کے پیرو فائز ہیں) وہ ندائے شیطانی ہوگی۔ سچ ہے۔

؎ گلیم بخت کسے کہ بافتند سیاہ ٭ باآب زمزم وکوثر سفید نتواں کرد۔

آہ عثمان کے ہوا خواہو ہم

خروج دجال کے وقت عثمان کے حیدار اس کے تابعدار ہونگے تمہیں یہ خوشخبری سناتے ہیں

میزان الاعتدال ذہبی ج ا ص۳۳۶ طبع مصر ذیل ترجمہ زید بن وہب حضرت حذیفہ سے مروی ہے فرمایا جب دجال خروج کرے گا تو اس کے وہی پیرو کار ہوں گے جو عثمان کے حیدار ہونگے"، لیجئے یہ سعادت مبارک ہو مبارک کیونکہ

؎ یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا ٭ ہر مدعی کے واسطے دارو رسن کہاں

چودھویں آیت

لقد تاب اللہ علی النبی والمھاجرین والانصار الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ من بعد ما کاد یزیغ قلوب فریق منھم ثم تاب علیھم انہ بھم رؤف رحیم (پ ۱۱ س توبہ ع ۱۴) ترجمہ۔ خدائے رحیم نے نبی اور ان مہاجرین وانصار پر رحمت کی توجہ فرمائی جو تنگی کے وقت آپ کے تابع ہوئے بعد اس کے پھر جانے لگے تھے ان میں سے بعض کے دل۔ پھر ان پر رجوع برحمت فرمایا۔ خدا ان پر بڑا شفیق اور بڑا مہربان ہے اس آیت میں ان مہاجرین وانصار کی تعریف فرماتا ہے جنہوں نے ساعۃ العسرۃ (جنگ تبوک) میں شریک ہوکر آنحضرت کی اتباع کی۔ کیا اس جنگ میں اصحاب ثلاثہ شریک نہ تھے؟ بلکہ جناب امیر عثمان نے تو اس مہم میں ایک قابل نمایاں خدمت پیش کی تھی وہ یہ کہ تین سو اونٹ مع سامان کے اور ایک ہزار اشرفی طلائی کی امداد دی تھی الخ .... (آفتاب ص۲۴)

الجواب۔ اس میں کیا شک وشبہ ہوسکتا ہے کہ جن حضرات نے عسرت اور تنگدستی کے وقت آنحضرت کی خلوص نیت کے ساتھ اتباع کی اور مالی وجانی قربانیاں پیش کیں کے نخل اسلام لگانے اور پروان چڑھانے میں بھرپور حصہ لیا وہ قابل صد ستائش ہیں اور ان کا یہ کارنامہ زریں حرفوں سے لکھے جانے کے قابل ہے مگر قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ باتفاق تمام مورخین اسلام دیگر اسلام جنگ تبوک تو لڑی ہی نہیں گئی تو اب یہاں اصحاب ثلاثہ کارنامہ کیا انجام دیتے یہ بات کس قدر عجیب ہے کہ جو جنگیں لڑی گئیں ان

بلکہ ہمیشہ کفار کو پیٹھ دکھا کر میدانِ جنگ سے راہ فرار اختیار کرتے رہے اور جس جنگ میں مسلمانوں اور کافروں کا آمنا سامنا ہوا ہی نہیں اس میں بڑے کارنامے انجام دیے۔

؎ بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است۔؟

باقی رہا جان کا مالی ایثار کرنا تو اصول مناظرہ کے مطابق مولف اور انکے ہم مذہبوں کو اسکا قطعی ثبوت کتب شیعہ سے پیش کرنا چاہیے جب تک ایسا نہ کیا جائیگا ہمارے جواب دہی کا فرض عائد ہی نہیں ہوگا انما یتقبل اللہ من المتقین۔ خدا تو صرف متقیوں سے عمل کو قبول فرماتا ہے۔ تقوے کا درجہ تو ایمان سے بھی بلند تر ہے تو جن کا ایمان ہی تاحال ثابت نہیں ہوسکا (پہلی آیت کے جواب میں بحث ایمانِ عثمان کی طرف رجوع کیا جائے) ان کے تقوے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور جب تک ایمان و تقوے ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک کسی عمل کی قبولیت کا سوال ہی خارج از بحث ہے پھر اس کے پیش کرنے سے کیا حاصل؟ فقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلنا ہ ھباءً منثورًا۔

پندرھویں آیت

ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ فاتقوا اللہ لعلکم تشکرون اذ تقول للمؤمنین الن یکفیکم ان یمدکم ربکم بثلاثۃ آلاف من الملائکۃ منزلین (پ ۴ س ال عمران ع ۱۳) ترجمہ اور بے شک خدا نے تمہیں بدر کی مہم میں نصرت دی تھی۔ درآنحالیکہ تم کمزور تھے سو تم اللہ سے ڈرو۔ تاکہ شکریہ ادا کرو جبکہ تو کہتا تھا مومنین سے کیا تمہیں یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری امداد کرے اس آیت میں شرکاءِ جنگ بدر کو مومنین کا لقب درگاہ رب العزت سے عطا ہو چکا ہے اور شیخین معرکہ بدر میں ضرور شامل تھے۔ جن کی تائید و نصرت کے لئے اللہ العالمین نے تین ہزار فرشتے بھیجے الخ۔۔۔۔۔۔ (آفتاب ۲،۷، ۵)

الجواب دوسری آیات مبارکہ کی طرح اس آیت مقدسہ کے پیش کرنے سے بھی ہمارے بھائیوں اور ان کے ممدوحین کو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اولاً تو اس آیت میں ان شرکاءِ بدر سے خطاب ہے جنہوں نے اس جنگ میں مثالی جنگی کارنامے انجام دیئے تھے جیسے حضرت امیر علیہ السلام، جناب حمزہ اور حضرت ابو عبیدہ بن الحارث وامثالہم جن کی خداداد شجاعت و شہامت اور تین ہزار فرشتوں کی معاونت و کاوش سے خدا نے اسلام اور مسلمانوں کو فتح و کامرانی عنایت فرمائی اور سابقاً پہلی آیت کے جواب میں بضمن جنگ بدر واضح کیا جا چکا ہے کہ شیخین کی اگرچہ اس جنگ میں شرکت تو ثابت ہے مگر ان کا کوئی جنگی کارنامہ پیش کرنے سے کتب فریقین قاصر نظر آتی ہیں اور ارباب عقل و بصیرت جانتے ہیں کہ "ایں قسم حاضر نشدن بہتر از حاضر شدن است"۔

ثانیاً بالفرض اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ تمام شرکاءِ جنگ کو خطاب ہے تو حقائق قرآنی پر نظر رکھنے والے حضرات

سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ ایمان اور مومن کے الفاظ دو معنوں میں استعمال کیے گئے ہیں ایک عمومی معنیٰ میں جو اسلام کے مترادف ہے یعنی صرف زبان سے اظہار کلمہ شہادتین خواہ عقیدہ قلبی اس کے مطابق ہو یا نہ ہو اور کردار اچھا ہو یا برا۔ دوسرے خصوصی معنے جس میں اقرار لسانی کے ساتھ ساتھ تصدیق قلبی اور صحت عمل بھی ضروری ہے اسی پہلے معنیٰ کے اعتبار سے خدا بعض نام و نہاد مومنین سے فرماتا ہے یا ایہا الذین آمنوا آمنوا باللہ والرسول (پ س ع) اے ایمان والو (یعنی جو صرف زبان سے ایمان لائے ہو) خدا اور رسول پر ایمان لے آؤ (یعنی اعتقاد و عمل کو صحیح کرو)۔ دیکھو اس آیت میں لفظ ایمان اپنے انہی دونوں معنے کے اعتبار سے استعمال ہوا ہے۔ نیز اسی پہلے معنیٰ کے اعتبار سے خداوند عالم نے باغیوں کو بھی مومن کہا ہے۔ وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فقاتلوا التی تبغی حتی تفئ الی امر اللہ (پ س ع) جب مومنین کے دو گروہ آپس میں جنگ کریں تو باغی گروہ سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم (صلح) کی طرف رجوع کرے،، حالانکہ اہلسنت والجماعت کے نزدیک باغی لوگ ایمان بلکہ اسلام سے اس قدر دور ہیں کہ ان کی نماز جنازہ بھی جائز نہیں ہے (در مختار ج ۱ ص، مسلم مع شرح نووی ج ۱ ص ۳۱۴) لہٰذا اگر یہ خطاب سب شرکاء جنگ سے ہے تو پھر مومنین کی لفظ کا استعمال اسی عمومی معنے کے اعتبار سے ماننا پڑے گا جس سے استدلال کرنے والوں کو فائدہ کی بجائے نقصان پہنچنے کا زیادہ امکان ہے۔ قد بینا الآیات لقوم یعقلون۔

سولہویں آیت

واذ غدوت من اھلک تبوئ المؤمنین مقاعد للقتال واللہ سمیع علیم (پ ۴ س آل عمران ع ۱۳) ترجمہ۔ اور جب تو صبح کو اپنے گھر سے جا کر مومنوں کو لڑائی کی جگہ پر بٹھاتا تھا خدا سننے والا اور جاننے والا ہے۔ یہ آیت جنگ احد کا واقعہ بیان کرتی ہے اس میں شاملین جنگ مذکورہ کے ایمان پر تنصیص ہے اس جنگ میں اصحاب ثلاثہ موجود تھے۔ طعن شیعہ شیعہ کہتے ہیں کہ اصحاب ثلاثہ جنگ احد میں رسول کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ اور جو شخص جنگ سے بھاگ جائے وہ مومن نہیں ہو سکتا۔

جواب: اصحاب ثلاثہ کی نسبت یہ الزام ایک ایسا بیہودہ بہتان و افترا ہے جس کا کوئی ثبوت ہمارا کتب معتبرہ سے نہیں دے سکتے اور یہ امر کہ قرآن میں بعض مسلمانوں کے پیٹھ پھیر جانے کا ذکر ہے جیسا کہ ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعان۔ سو اس آیت یا ایسی دیگر آیات میں کہیں تصریح نہیں ہے کہ یہ کون افراد تھے؟ علی المرتضیٰ یا ان کے پیرو تھے یا ثلاثہ یا ان کے اتباع۔ پھر جب ان اشخاص کا یہ قصور معاف کر دیا گیا تو پھر اس معافی کے بعد بڑا ظلم ہے وہ شخص جو ان کو مجرم سمجھے ولقد عفا اللہ عنھم شیعہ کا اس بارے میں عقیدہ یہ ہے کہ احد کے دن بغیر علی اور ابو دجانہ انصاری کے سب لوگ بھاگ گئے تھے جیسا کہ فروع کافی ج ۳ صفحہ ۴۲ میں درج ہے، سو اگر شیعہ کا یہ قول مان لیا جائے اور یہ الزام

ناقابلِ عفو جرم قرار دیا جاتا (نعوذ باللہ) علاوہ صرف ابو دجانہؓ مسلمان رہ جاتے ہیں اور شیعہ کے مسلّمہ خالص مومنین مقدادؓ، ابوذرؓ، سلمانؓ، عمارؓ (وغیرہ) بھی دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ سب افسانے یار لوگوں کے گھڑے ہوئے اور بالکل خرافات ہیں جن کی کوئی اصلیت نہیں ہے یہ مانی ہوئی بات ہے کہ جنگ احد میں اصحاب ثلاثہ حضرت علیؓ کی طرح ثابت قدم رہے تھے الخ......

(آفتاب ص ۶۲)

الجواب: مؤلف آفتاب کے یہ بودے اور کمزور استدلال دیکھ کر بے ساختہ عربوں کا یہ مقولہ یاد آجاتا ہے کہ الغریق یتشبث بکل حشیش، یعنی ڈوبنے والا تنکے کا سہارا لیتا ہے بجائے اس کے کہ وہ کسی اسلامی غزوہ میں اپنے ممدوحین خاص یعنی اصحاب ثلاثہ کا کوئی جنگی کارنامہ پیش کریں وہ ہر جنگ کے متعلق صرف یہی کہنا کافی سمجھتے ہیں کہ "اس جنگ میں اصحاب ثلاثہ شامل تھے" گھڑ دوڑ کے مقابلے میں جن گھوڑوں کو انعام دیا جاتا ہے ان کے تین طبقے ہوتے ہیں، پہلا، دوسرا، تیسرا اور جو گھوڑا ان تینوں انعامات میں سے کوئی بھی انعام حاصل نہ کر سکے اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ فلاں گھوڑا بھی اس دوڑ میں شامل ہوا تھا بالکل یہی کیفیت [illegible] اصحاب ثلاثہ کی ہے ہر جنگ میں تحسین و آفرین الٰہی اور نبوی انعام و اکرام تو حضرت علیؓ یا ان کے پیروکار لے جاتے ہیں اور محبان ثلاثہ صرف یہ کہہ کر اپنا دل بہلاتے ہیں کہ ہمارے بزرگ (اصحاب ثلاثہ) بھی اس جنگ میں شامل تھے۔ اللہ کے بندو اگر ہمت و جرأت ہے تو ان کا کوئی جنگی کارنامہ بھی تو پیش کرو۔ اور اگر ایسا نہیں کر سکتے (اور یقیناً نہیں کر سکتے) تو پھر خاموشی کو ڈھال بناؤ اور ہمیشہ کیلئے چپ ہو جاؤ کیونکہ۔

ع خاموشی معنیٔ دارد کہ در گفتن نمی آید۔

لفظ مسلمین کا منافقین پر اطلاق۔

باقی رہا یہ کہنا کہ اس جنگ کے شاملین کو مومنین کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے، تو ابھی آیت نمبر ۵ کے جواب میں بالتفصیل واضح کیا جا چکا ہے کہ ایمان کے ایک عمومی معنی ظاہری (لسانی اقرار) کے بھی ہیں اور اس اعتبار سے منافقین کو بھی مسلمین و مومنین کہا جا سکتا ہے چنانچہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الایمان ص۱۷۲ طبع مصر پر (علی ما نقل فی عنہ) لکھا ہے "وقد اتفق العلماء علی ان اسم المسلمین فی الظاہر یجری علی المنافقین (الی ان قال) کما کان النبی یجری علیہم احکام الاسلام الظاہر یعنی سب علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسلمین کا نام حسب ظاہر منافقین پر بھی جاری ہوتا ہے۔ جس طرح کہ آنحضرت ان (منافقین) پر اسلام کے ظاہری احکام جاری فرماتے تھے۔ (کذا فی احیاء العلوم للغزالی ص۱۰۸ ج ۱ طبع لکھنو)

جنگ احد سے فرار ثلاثہ کا اہل سنت کی کتب معتبرہ سے ثبوت۔

اور یہ جو کہا ہے کہ اصحاب ثلاثہ کا جنگ احد سے فرار بیہودہ بہتان اور تہمت ہے اور کوئی خبر ہماری کتب معتبرہ میں نہیں ہے اور یہ افسانے اور خرافات ہیں، یہ فقرہ

پڑھ کر مؤلف کی کوتاہ اندیشی، تنگ نظری یا پھر انتہائی تعصب و ہٹ دھرمی پر تحیّر ہی نہیں افسوس ہوتا ہے وہ اس مستند تاریخی واقعہ کو جس کے تذکرہ سے اہلسنت کی کتب معتبرہ چھلک رہی ہیں، بیہودہ و بہتان و افترا قرار دیتے ہیں، اگر یہ لوگ اس وقت قید حیات سے آزاد نہ ہوتے تو ہم ان سے پوچھتے کہ آیا تاریخ خمیس (جلد ا صفحہ ۴۳۲ طبع مصر) کنز العمال ج ۵ ص ۲۷۴ طبع حیدرآباد) تفسیر کبیر امام رازی (ج ۳ ص ۱۸/۱۲۲ طبع مصر) تفسیر درمنثور امام سیوطی (ج ۲ ص ۸۸ طبع مصر) اور مسند احمد بن حنبل وغیرہ یہ آپ کی کتابیں ہیں یا شیعوں کی؟ اور آیا یہ کتب معتبرہ ہیں یا غیر معتبرہ؟ اور اگر یہ کتب اہلسنت میں اور یہی معتبر ہیں تو جو واقعہ (فرار ثلاثہ بروز جنگ احد) ان تمام کتب میں مذکور ہے (تفصیل بھی آیت کے جواب میں بعنوان جنگ احد مذکور ہے) تو ایسے مسلم الثبوت واقعہ کو بیہودہ، و افترا قرار دینے والے آپ کون ہوتے ہیں؟ اور آپ کی حیثیت کیا ہے؟ اور اگر اپنی ہٹ دھرمی سے ایسے روشن واقعہ کا انکار کرتے ہیں تو ع چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

یہ کہہ کر فرار ثلاثہ کی خفت کو ہلکا نہیں کیا جا سکتا کہ آیت میں بھاگنے والوں کے ناموں کی تصریح نہیں ہے کہ علی المرتضیٰ یا ان کے پیرو تھے یا ثلاثہ یا ان کے اتباع؟ کہ ارباب علم و فضل جانتے ہیں کہ آیات میں ساری تفصیلات کا تلاش کرنا عبث ہوتا ہے۔ تفصیلات تفسیروں، حدیثوں اور تاریخوں ہی میں ملتی ہیں۔ سو وہ تصریحات ہم نے آیت ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعان کی تفسیر میں کتب تفسیر و حدیث اور تاریخ سے پیش کر دی ہیں جس سے محبان ثلاثہ قیامت تک گلو خلاصی نہیں کرا سکتے۔

نیز شرم نہیں کہ جنگ کے بھگوڑوں کی فہرست میں شاہ مرداں شیر یزداں حیدر کرار غیر فرار کا نام لینا (اگرچہ بطور احتمال ہی ہو) جناب کے جن کی ثبات کی خدا خود تعریف کرتا ہے۔ یقاتلون فی سبیلہ صفا کانہم بنیان مرصوص اور فرشتے ان کی شان میں یوں رطب اللسان نظر آتے ہیں، لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار، جن کی ایک ضربت کو رسول الثقلین ثقلین کی عبادت سے بھاری فرماتے ہیں یا ثلاثہ کو ہم زبان میں حیدر کرار کا ثانی قرار دینا جن کے اسلامی جنگوں سے فرار کا اپنے بیگانے اقرار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، تاحمیت و حمایت کی بدترین مثال ہے۔ بھلا حیدر کرار کو فرار سے کیا تعلق؟ اور فرار کو کرار سے کیا نسبت؟ ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ کیونکہ

ع این زمین را آسمانے دیگر است۔

جنگ احد میں جرم فرار کے معاف ہونے کا صحیح مفہوم

باقی رہا یہ کہنا کہ جب ان لوگوں کا قصور معاف کر دیا گیا تو پھر ان کو مجرم کہنے کا کیا مطلب ہے؟ یہ درست ہے کہ جنگ احد کے بھگوڑوں کو رب کریم کی بارگاہ سے معافی مل گئی تھی مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس معافی کا مطلب کیا ہے؟ ارباب عقل پر مخفی نہیں کہ حق تعالیٰ کے اس عفو کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں سزا نہیں دی۔ اس عفو سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ جرم فرار سے بھی بری کر دیئے گئے دیکھئے ایک حاکم کسی مجرم کو (بعد ثبوت

جرم، سزا معاف کر دیتا ہے لیکن وہ نفسِ جرم سے بری نہیں ہوتا بلکہ رجسٹر جرائم میں اس کا نام درج کر دیا جاتا ہے اور پولیس اسکے کردار و رفتار، اعمال و افعال پر خاص نظر رکھتی ہے۔ اسی طرح اگرچہ اصحاب بپاداشِ جرم فرار، عذابِ الٰہی سے تو بچ گئے۔ لیکن اس عفو سے داغِ فرار نہیں مٹا بلکہ وہ ہمیشہ کے لئے باقی رہا۔ ھوالمطلوب۔ "یہاں بحث فرار سے ہے نہ کہ سزا سے" (آیاتِ محکمات) علاوہ بریں یہ عفو بھی صرف جنگ احد سے مخصوص ہے نہ کہ دوسرے غزوات سے۔ لہٰذا اس عفو کو کہاں کہاں پھیلایا جائے گا؟

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

یہ کہنا کہ "اگر شیعہ کا قول مان لیا جائے (کہ صرف حضرت علی اور ابو دجانہ انصاری باقی رہ گئے تھے) تو جناب ابوذرؓ، سلمانؓ، عمارؓ اور مقدادؓ بھی دائرہ ایمان سے خارج ہو جائیں گے" تو پہلے ان حضرات کی اس جنگ میں شمولیت آپ ثابت کر دیں پھر ان کا صبر و ثبات ہم ثابت کر دیں گے۔

ع۔ بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا۔

ان ناقابلِ رد حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ اصحابِ ثلاثہ کا جنگ احد میں حضرت علیؑ کی طرح ثابت قدم رہنا یہ لوگوں کا گھڑا ہوا افسانہ ہے۔ اور بالکل خرافات میں سے ہے جن کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ والحمد للہ علیٰ ظہور الحجۃ وکشف المحجۃ۔

سترھویں آیت۔

وقذف فی قلوبھم الرعب یخربون بیوتھم بایدیھم وایدی المؤمنین (پ ۲۸ س حشر ع ۴) خدا نے ان یہودیوں کے دلوں میں رعب ڈال دیا اجاڑنے لگے اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے۔

اس آیت میں جن مسلمانوں نے رسول پاک کے حکم سے یہودیوں کے گھروں کو برباد کیا خدا ان کے ایمان کی گواہی دیتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اصحابِ ثلاثہ ان مومنوں کے سرگروہ اور قافلہ کے سردار تھے۔ افسوس قرآن جابجا ان پاک نفوس کے فضائل بیان کرتا ہے۔ مگر شیعوں کے دلوں پر ایسی مہر لگی ہے کہ سمجھنے سے قاصر ہیں۔ (آفتاب صداقت)

الجواب۔ خدا نے یہود کے گھروں کو اس بزرگوار کے ذریعہ سے برباد کیا تھا جس کے حق میں پیغمبر اسلامؐ نے یہ اعلان فرمایا تھا کہ لاعطین الرایۃ غداً رجلاً کرارا غیر فرار یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ ولا یرجع حتی یفتح اللہ علی یدیہ میں علم لشکر کل اس مرد کو دوں گا جو بڑھ بڑھ کر حملے کرنے والا اور دشمن کو پیٹھ نہ دکھانے والا ہوگا وہ خدا اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوگا اور خدا اور رسول اس سے محبت کرتے ہوں گے۔ وہ اس وقت تک واپس نہ آئے گا جب تک خدا اس کے ہاتھ پر قلعہ خیبر کو فتح نہ کر دے گا۔ (روضۃ الاحباب جلد ا صفحہ ۳۴۲ مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۱۳، مسند احمد بن حنبل ج ا ص ۹۹ روضۃ الصفا وغیرہ) اور یہ بزرگوار باتفاق فریقین حضرت امیر علیہ السلام تھے یا ان کے ماتحت

چند مخلص اہل ایمان علیہم الرحمۃ والرضوان۔

شیخین کا جنگ خیبر سے فرار۔

باقی رہے آپ کے مومنوں کے سردار اور قافلہ سالار تو یہ بات تو درست ہے کہ ان کو اپنی ساری زندگی میں صرف اسی جنگ خیبر میں پیغمبر اسلام نے سرداری سونپی تھی مگر یہ قافلہ سالاری انکو راس نہ آئی اور خائب و خاسر بے نیل مرام میدان چھوڑ کر بھاگ آئے شبلی نعمانی لکھتے ہیں وہ قلعہ قموص مرحب کا تخت گاہ تھا۔ اس مہم پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر و عمر کو بھیجا لیکن وہ ناکام واپس آئے۔ طبری کی روایت ہے کہ جب خیبری قلعے سے نکلے تو حضرت عمر کے پاؤں جم نہ سکے اور آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ فوج نے نامردی کی ہے۔ لیکن فوج والوں نے خود ان کی نسبت یہی شکایت کی؟ (سیرۃ النبی ج ۱ صفحہ ۳۵۹) مگر آنحضرت نے سرداروں کو بدل کر اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ فوج کی شکایت درست تھی۔ اصل میں سردار ہی نامرد تھے نہ کہ فوج یہ بڑے ہی کھلے ہوئے حقائق ہیں خدا اور رسول جابجا ان بھگوڑوں کی مذمت کر رہے ہیں۔ مگر محبان ثلاثہ کے دلوں پر کچھ ایسی مہریں لگ گئی ہیں اور نظروں پر کچھ ایسے پردے پڑ گئے ہیں کہ وہ ان کو سمجھ ہی نہیں سکتے سچ ہے۔ انھا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور۔

سہ بدر بولے زیر گردوں گر کوئی میری سُنے ٭ ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے۔ [1]

اٹھارویں آیت۔

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون (پ ۴ س آل عمران ع ۱) ترجمہ۔ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے۔ جو داعی الی الخیر آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر ہو۔ یہ لوگ نجات پانے والے ہیں اب بتاؤ کہ کیا اصحاب ثلاثہ بھی ان اوصاف کے نہ تھے۔ جبکہ انہوں نے اپنی زندگی ہی اسی کام میں وقف کر دی اور ملک کے ملک فتح کر کے ان میں توحید کی روح پھونک دی تو منطوق اس آیت کے مظہر ماننے پڑیں گے (آفتاب ہدایت)

الجواب ملکی فتوحات دلیل ایمان نہیں ہیں۔

قبل ازیں دوسری آیت کے جواب میں واضح کیا جا چکا ہے کہ ملکی فتوحات کو کسی شخص کے ایمان و ایقان کی دلیل نہیں قرار دیا جا سکتا کیونکہ بعض اوقات خدا اپنے دین کی نصرت ایسے لوگوں سے بھی کر دیتا ہے جن کا خود دین میں کوئی حصہ نہیں ہوتا (ملاحظہ ہو بخاری مع فتح الباری ج ۳ ص ۱۳۱ طبع دہلی۔ کنز العمال ج ۱ ص ۱ تفسیر اتقان ج ۲ ص ۳۵ وغیرہ)۔

---

[1] اگرچہ یہ آیت غزوہ تبوک سے متعلق ہے (جو بڑا ہنسی گیا) مگر چونکہ بقول شبلی نعمانی "یہ واقعہ غزوہ خیبر کی داستان کا دیباچہ ہے" (سیرت النبی ج ۱ ص ۲۰۱) اس لئے ہم نے متن میں واقعات خیبر کا اجمالاً تذکرہ کر دیا ہے۔ فتدبر (منہ عفی عنہ)

علاوہ بریں آیت اوسط کے جواب میں وضاحت کی جا چکی ہے کہ ہر عمل میں اخلاص ضروری ہے اور یہی چیز روح عمل ہے جس کے بغیر عمل ایک ایسا ڈھانچہ ہے جس میں روح نہ ہو یا ایسا پھول ہے جس میں خوشبو نہ ہو اور یہ بات اپنے مقام پر ثابت کی جا چکی ہے کہ ان حضرات نے جو ملکی فتوحات کیں۔ یہ ان ممالک میں روح اسلام و توحید پھونکنے کے لئے نہیں تھیں بلکہ حدود مملکت کی توسیع ہوس اقتدار کو پورا کرنے اور دونوں ہاتھوں سے مال و دولت سمیٹنے کے جذبہ کے ماتحت تھیں جن کے لئے ثلاثہ کی زندگیاں وقف تھیں جیسا کہ تیسری آیت کے جواب میں واضح کیا جا چکا ہے۔

ثلاثہ کی فتوحات نے اسلام کو بدنام کیا ہے۔ اے کاش یہ لوگ یہ ملکی فتوحات نہ کرتے۔ انہی لوگوں اور انہی کی ان مزعومہ فتوحات نے اسلام کو اغیار کی نظروں میں بدنام کیا اور ان کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے نہ کہ اپنی صداقت و حقانیت کے بل بوتے پر پھیلا ہے۔

> چوں از قوم یکے بے دانشی کرد ٭ نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را۔

انیسویں آیت فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ اذلۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ لا یخافون لومۃ لائم ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ واسع علیم (پ ۶ س مائدہ ع ۱۲) ترجمہ خدا ایسی قوم کو لائے گا جن کو رسول دوست رکھے گا اور وہ اس کو دوست رکھیں گے۔ یہ قوم مسلمانوں پر مہربان، کفار پر سخت گیری کرنے والی ہے۔ خدا کی راہ میں لڑتے ہیں اور کسی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے یہ خدا کی عنایت ہے جسے چاہے بخشے۔ خدا وسیع علم والا ہے۔ بتاؤ یہ قوم کون تھی؟ نبی کریم سے سچے دل سے محبت اور نبی کریم ان سے محبت رکھتے تھے۔ کیا ثلاثہ اس کے مصداق نہیں؟ کیا اصحاب رسول اللہ اور یاران غاران کا نام یونہی مشہور ہو گیا؟ سوچو اور پھر سوچو (آفتاب ہدایت)

الجواب۔ حسب الامر ہم نے مکرر اور سہ کرر سوچا ہے۔ لیکن بالآخر ہم تو اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ آپ بلا سوچے سمجھے ملا عبدالشکور لکھنوی وغیرہ کے آموختہ کو دہرائے جاتے ہیں اور گویا زبان حال سے بآواز بلند کہہ رہے ہیں۔

> در پس آئینہ صفت طوطی داشتہ اند ٭ آنچہ استاد ازل گفت بگو میگویم

اگر آپ تھوڑا سا بھی غور و فکر کرتے تو یہ حقیقت خود آپ کی کتابوں سے آپ پر روز روشن کی طرح واضح و عیاں ہو جاتی کہ یہ آیت مبارکہ امیر المومنین یعسوب الدین حضرت علی بن ابی طالب علیہ افضل التحیۃ والتسلیم کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ جب آپ کے اصحاب رسول اور یاران غار میدان جنگ سے کفار کو پیٹھ دکھا کر راہ فرار اختیار کر گئے تو آپ خدا و رسول نے ان صفات جلیلہ کے حامل بزرگوار کو میدان کارزار میں بھیجنے کا فیصلہ... کیا ادھر اس آیت کو پڑھیے اور ادھر اس اعلان رسول کے الفاظ کو دیکھیے جو ابھی اوپر آیت ۱۷ کے جواب میں پیش کیا جا چکا ہے (لاعطین الرایۃ غدا الخ......) تا عین الیقین حاصل ہو

ہوجائے گا کہ دونوں جگہ (آیت و حدیث) کے مصداق جناب حیدر کرار غیر فرار اور ان کے حقیقی تابعدار و جاں نثار ہیں اور اگر اس کے ابتدائی حصہ پر سرسری نگاہ ڈالیں گے تو اپنے ممدوحین کا ارتداد بھی معلوم ہوجائے گا۔ جو یوں ہے۔ یا ایھا الذین اٰمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم الخ ..... اے ایمان کے دعویدارو تم میں سے جو شخص دین سے برگشتہ ہوجائے گا تو خدا ایسی قوم کو لائے گا۔ الخ باقی رہی اصحاب رسول کے ارتداد یار ہونے کی شہرت پر تو محققین کا فیصلہ ہے کہ بلا دلیل و برہان فقط شہرت بیک فلس نمی ارزد۔ کیونکہ رب شھرۃ لا اصل لھا۔ ہم اس کے قائل نہیں کہ ہر کہ کہنہ شود سلطانی شود۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ ثابت ہوا کہ اس آیت مبارکہ کے تمام سیاق و سباق پر نظر ڈالنے سے یہ حقیقت الم نشرح ہوجاتی ہے کہ جو لوگ جنگ خیبر میں میدان چھوڑ کر بھاگ گئے تھے وہ مرتد ہیں (اور وہی مؤلف آفتاب کے مخصوص یار و اصحاب) اور جو جم کر لڑے تھے اور قلعہ خیبر کو فتح کیا تھا وہ خدا رسول کے محب و محبوب ہیں اور وہ ہیں جناب حیدر کرار اور ان کے پیروکار۔

بیسویں آیت

وما لھم الا یعذبھم اللہ وھم یصدون عن المسجد الحرام وما کانوا اولیاءہ ان اولیاؤہ الا المتقون ولکن اکثرھم لا یعلمون (پ ۹ س انفال ع ۴) اللہ ان کو کیوں عذاب نہ کرے حالانکہ وہ پیغمبر کو مسجد الحرام سے بند کرتے ہیں اور وہ کافر مسجد کے متولی نہیں ہیں۔ اس کے متولی تو متقی لوگ ہیں لیکن کافر جانتے نہیں۔

بتائیے مسجد الحرام کے متولی کون لوگ تھے جن کے متقی ہونے کی الٰہی شہادت مل رہی ہے۔ مسجد الحرام کے متولی بعد وفات نبوی وہی آپ کے خلفاء راشدین تھے جن کو شیعہ ناسمجھی سے منافقوں کا خطاب دے رہے ہیں اور بشہادت الٰہی مسجد الحرام کعبۃ اللہ کے متولی متقین ہی ہوسکتے ہیں ولکن الشیعۃ لا یعلمون (آفتاب ص۳۳)

الجواب۔ اس میں کیا شک ہے کہ مسجد الحرام ہو یا کعبۃ اللہ یا کوئی اور منبر و محراب شرعی نقطہ نظر سے اس کے حقیقی ولی و وارث متقین بلکہ امام المتقین ہی ہیں شرعی نقطہ نگاہ سے انہی ذوات قدسیہ کو امت مرحومہ کی قیادت و سیادت کا حق حاصل ہے مگر اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ بموجب مثل جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ جو شخص جس طرح بھی مسجد الحرام کی تولیت پر قابض ہوجائے تو وہ متقین کی فہرست میں بھی شامل ہوجائے۔ اگرچہ وہ منافقین فاجرین اور فاسقین کے زمرہ میں داخل ہو؟ ظاہر ہے کہ خلفاء بنو امیہ و بنی عباس کے زمانہ میں جو شخص خلیفہ کہلاتا تھا مسجد الحرام اور کعبۃ اللہ کا متولی بھی وہی ہوتا تھا۔ بنا بریں یہ تولیت صرف اہلسنت کے مزعومہ خلفائے راشدین تک ہی محدود نہیں رہتی بلکہ ان کے بعد مروان، یزید، ولید، سفاح، اور متوکل عباسی جیسے بدکار، شراب خوار اور حرام کار بھی اس کے متولی رہے ہیں۔ لہٰذا مولوی کرم الدین صاحب کے خیال محال کے مطابق تو یہ تمام لوگ متقین ہی

قرار پا گئے۔ مالکم کیف تحکمون؟ سوائے سنی سنائی باتوں پر عمل درآمد کرنے والوں کے اور اپنے مذہب کی گرتی ہوئی دیوار کو
سہارا دینے کی ناکام کوشش کرنے والوں کے اور کوئی بھی صحیح الدماغ ایسا بودا اور کمزور استدلال کر سکتا ہے؟ مگر
کیا کیجئے ان لوگوں کی بدنصیبی کی حالت یہ ہے کہ لہم قلوب لا یفقہون بہا ولہم اذان لا یسمعون بہا ولہم اعین
لا یبصرون بہا اولئک کالانعام بل ہم اضل۔ صحیح ہے ومن لم یجعل اللہ لہ نورًا فما لہ من نور

سو۔ یارب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے میری بات ؛ دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زبان اور

ومنہم الذین یؤذون النبی ویقولون ہو اذن قل اذن خیر لکم یؤمن باللہ

اکیسویں آیت۔ ویؤمن للمؤمنین ورحمۃ للذین آمنوا منکم۔ ترجمہ۔ منافقین میں سے بعض ایسے

لوگ ہیں جو پیغمبر کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ایک کان ہے (یعنی ہر ایک کی بات سنتا ہے) کہدے
کہ کان (سننے والا) تمہارے لئے بہتر ہے جو خدا کے کلام کی تصدیق کرتا ہے اور سچے مومنین کی بات مانتا
ہے اور تم میں سے ان لوگوں کے لئے رحمت ہے جو سچے مومن ہیں اس آیت میں حق تعالیٰ نے صاف بتا دیا
ہے کہ رسول خدا مخلص مومنین کی باتیں سنتے اور ان کی تصدیق فرماتے تھے اور یہ مسلمہ بات ہے کہ اصحاب
ثلاثہ آنحضرت کی مجلس شوریٰ کے اعلیٰ ممبران تھے۔ آپ جملہ امور میں بحکم شاورہم فی الامر ان سے مشورہ
لیتے۔ نیز جس قدر آپ کی نظر عاطفت ثلاثہ پر تھی اس سے انکار ہو نہیں سکتا کیونکہ آپ نے ان کے گھر
سے ناطے لئے اور اپنے گھر سے دیئے اور یہ آیت سے ثابت ہے کہ آپ کی نگاہ عاطفت مومنوں پر ہی
ہوا کرتی تھی۔ پھر شیعہ صاحبان کا آپ کے مصاحبوں اور آپ کے مخلص دوستوں آپ کے قرابتداروں
کے ایمان میں شک کرنا سخت ناانصافی اور صریح بے ایمانی ہے (آفتاب ص۹۸)

الجواب۔ یہ استدلال بچند وجوہ مخدوش و ناتمام ہے اوّلًا اس آیت کے شان

اس آیت کا شان نزول۔ نزول کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایمان کے وہی عمومی معنی مراد
ہیں جو پندرھویں آیت کے جواب میں بیان کیے گئے ہیں (یعنی صرف زبانی اقرار شہادتین اور اسی جگہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ
اس معنی کے اعتبار سے اس کا ظاہری اطلاق منافقین پر بھی ہوتا ہے چنانچہ مروی ہے کہ کچھ ناقص الایمان لوگوں نے
اسلام و بانی اسلام کے خلاف کچھ باتیں کیں جب اہل ایمان نے آنحضرت کی خدمت میں ان لوگوں کی شکایت کی اور آنحضرت نے
ان کو بلا کر ان سے حقیقت حال دریافت کی تو انہوں نے حلفیہ بیان دے دیا کہ انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ آپ نے
ان کی تصدیق کر دی بزعم رسول سے نکل کر انہی لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ رسول تو بالکل کان ہیں (معاذ اللہ) کہ
جو کچھ ان کے سامنے کوئی کہہ دے اس کی بات مان لیتے ہیں (جملہ تفاسیر) انتہی اسی قول کی خداوند کریم نے اس آیت میں
رد فرمائی ہے کہ آنحضرت کا ایسا ہونا ہی تمہارے لئے بہتر ہے جو ظاہری کلمہ پڑھنے والوں کی بات مان لیتے ہیں۔ ورنہ

اگر پوری تحقیق اور چھان بین سے کام لیا گیا تو پھر ان لوگوں کے نفاق و شقاق کا پردہ چاک ہو جائے گا۔ اور وہ ذلیل و رسوا ہو جائیں گے۔ بنا بریں ہمارے مخالف نے یہ اُپج کہیں سے لگائی ہے کہ رسول خدا مخلص مومنین کی باتیں سنتے اور ان کی تصدیق کرتے ہیں اس آیت کا شان نزول تو یہ بتاتا ہے کہ وہ رحمۃ للعالمین منافقین کی باتیں بھی سنتے اور بظاہر ان کی تصدیق فرماتے تھے۔

اصحاب سے مشورہ کرنے کی حقیقت

ثانیاً یہ کہنا بھی خلاف واقع ہے کہ اصحاب ثلاثہ آپ کی مجلس شوریٰ کے ممبران اعلیٰ تھے کیا آنحضرت نے کوئی ایسی مجلس شوریٰ تشکیل دی ہوئی تھی جس کے کچھ مخصوص ارکان تھے؟ تاریخ ایسی کوئی شہادت پیش کرنے سے قاصر نظر آتی ہے باتفاق جمیع علماء اسلام آنحضرت لوگوں سے مشورہ کرنے کے محتاج نہ تھے۔ بھلا جن پر ہر وقت فیضان الٰہی و وحی سماوی کا سلسلہ جاری ہو اور ہر ہر معاملہ میں براہ راست خدائے تعالیٰ سے ہدایت و فیض حاصل کر سکتے ہوں اور خود اعقل الناس ہوں نیز معصوم عن الخطا ہوں وہ کس طرح چند ناقص العقل، گنہگار اور ناقص العیار لوگوں کے مشورہ کے محتاج ہو سکتے ہیں؟ ان ھذا الا اختلاق! بات صرف اس قدر ہے کہ خدائے تعالیٰ نے آنحضرت کو محض ان کے ہمراہیوں کی تالیف قلب کی خاطر یہ حکم دیا تھا کہ بعض امور حرب و ضرب میں ان سے بھی بظاہر مشورہ کر لیا کریں تاکہ وہ خوش باش رہیں اور یہ نہ سمجھیں کہ رسول ہمیں تو کسی شمار و قطار میں نہیں سمجھتے۔ ورنہ آنحضرتؐ صرف وحی الٰہی کی متابعت فرماتے تھے اور بحکم اتبع مایوحیٰ الیک من ربک جانب اللہ مامور تھے نہ کہ کسی مشیر یا تدبیر کے مشورہ کے۔ افسوس کہ محبان ثلاثہ اپنے ثلاثہ کی محبت میں کچھ ایسے اندھے ہو گئے ہیں کہ وہ ان کی مدح کے جوش میں تنقیص رسولؐ کرنے میں بھی کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے اور یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ آپ "بہت باتوں میں انہی کی صلاح و مشورہ پر کام کرتے تھے" (آفتاب ص۶۷) بلکہ اس طرح تو شان توحید پر بھی حرف آتا ہے کہ اس نے ایسے کامل العقل اور زائد الفضل افراد کو چھوڑ کر آنحضرتؐ کو کیوں خلعت نبوت سے سرفراز فرمایا، جو ہر ہر بات میں ان لوگوں کے محتاج تھے؟

آنحضرت منافقوں کے ساتھ زیادہ مدارات فرماتے

کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذباً!

مولف نے بار بار سفر و حضر میں ثلاثہ کو ہمراہ رکھنے اور ان پر زیادہ نظر کرم کرنے سے ان کے ایمان پر استدلال کیا ہے تو ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ آنحضرت کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ منافقوں کے ساتھ ان کی (تالیف قلب کی خاطر) مومنوں سے بھی زیادہ لطف و کرم فرماتے تھے۔ چنانچہ فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر جلد ۴ ص۴۴۹ طبع مصر پر بذیل آیت ومنھم من یلمزک فی الصدقات؟ بروایت ابو بکر اصم۔ جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دن آنحضرتؐ نے اپنے بعض اصحاب سے دریافت فرمایا کہ آیا تم فلاں شخص کو جانتے ہو؟ اس نے کہا کہ اس کے سوا اور کچھ نہیں جانتا کہ آپ اسے اپنی بزم میں سب سے زیادہ قریب بٹھاتے ہیں اور اسے زیادہ مال و منال سے نوازتے ہیں۔ یہ سن کر آنحضرتؐ نے فرمایا وہ منافق ہے اور اس کے نفاق کی وجہ سے ہی اس سے یہ اچھا سلوک کرتا ہوں تاکہ وہ دوسرے لوگوں کے دین و ایمان کو خراب نہ کرے۔ اس حقائق کی روشنی

روشنی میں واضح ہوگیا کہ صرف قرب مجلسی یا زیادہ نظر التفات کو کسی شخص کے مومن ہونے کی دلیل قرار نہیں دیا جاسکتا جب تک دوسرے دلائل و براہین سے اس کا ایمان ثابت نہ ہو جائے ۔ فتدبر وتشکر

رسول کے ناطہ لینے والی فضیلت کا جواب

ثالثًا ثلاثہ پر آنحضرت کی زیادہ نظر عاطفت کے ثبوت میں یہ پیش کرنا کہ آپ نے ان کے گھر سے ناطے لئے اور خود دیئے یہ بھی انوکھا استدلال ہے جہاں تک ناطہ لینے کا تعلق ہے آپ نے صرف ثلاثہ سے ہی نہیں بلکہ ابو سفیان (جبکہ وہ کافر تھا) اور حی بن اخطب یہودی سے بھی ناطے لئے ہیں تو کیا یہاں بھی اس امر کو ان لوگوں پر آنحضرت کی نگاہ عاطفت کی دلیل قرار دیا جاسکتا ہے؟ اور اگر وہاں نہیں تو یہاں کس طرح اور کیوں ؟؟

ہے کچھ تو ہو کہ لوگ کہتے ہیں ” آج غالب غزل سرا نہ ہوا ۔

اور جہاں تک ان کو اپنا رشتہ دینے کا تعلق ہے ۔ ہم اس بات کے بے اصل و بے بنیاد ہونے پر وہاں مکمل تبصرہ کریں گے جہاں مؤلف اس عنوان کے تحت اس خیالی فضیلت کا تذکرہ کریگے انشاء اللہ معصومین کے ماننے والے شیعیان حیدر کرار نہ بے انصاف ہیں اور نہ بے ایمان ۔ مولف نے ان کو اپنے آئینہ میں دیکھنے کی کوشش کی ہے ۔ ورنہ اصل حقیقت یہ ہے کہ شیعہ حضرات آپ کی طرح دشمن عقل و خرد نہیں وہ علی وجہ البصیرت جانتے ہیں کہ صحبت بے کار ہے اگر اس میں حقیقی اسلام نہ ہو دوستی بے فائدہ ہے ۔ اگر اس میں وفا کی جان نہ ہو اور قرابت عبث ہے ۔ اگر اس میں ایمان نہ ہو ورنہ اگر صرف صحبت یا قرابت کی کوئی حقیقت یا وقعت ہوتی تو پھر بعض قرابتداران و مصاحبان رسول کی مذمت میں خدا قرآن کی پوری پوری سورتیں نازل نہ کرتا فتدبر وتشکر ولا تکن من الجاحدین ۔ بے ایمانی اور بے انصافی تو یہ ہے کہ فاضل و مفضول ، صالح و طالح ، عالم و جاہل ، عاقل و احمق ، بہادر و بزدل ، کرار ، فرار ، معصوم ، گنہگار اور مخلص و ریاکار غرض کہ سب کو یکساں سمجھا جائے اور یہ نعرہ بلند کیا جائے کہ ؏

ہم مرتبہ ہیں یاران نبی کچھ فرق نہیں ان چاروں میں ۔ اور اس واضح فرق کو نظر انداز کر دیا جائے کہ ؏

وہ یار نبی یہ نفس نبی ہے فرق بہت ان چاروں میں ۔

بائیسویں آیت

واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا وکنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منھا (پ ۴ س ال عمران ع ۲) ترجمہ ۔ اللہ کا احسان یاد کرو جب تم آپس میں دشمن تھے ۔ پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور اس کی مہربانی سے تم بھائی بھائی ہوگئے اور تم آگ (دوزخ) کے گڑھے کے کنارے پر تھے پھر خدا نے تمہیں اس سے نجات دی ۔ اس آیت میں اللہ تعالٰے نے خبر دی ہے کہ اسلام سے قبل صحابہ کرام کی باہم پشتینی عداوتیں چلی آتی تھیں جن کو اسلام کی روشنی نے بالکل مٹا دیا اور آپس

میں ایسی اخوت پیدا کر دی کہ اس بھائی بندی کا رشتہ ہمیشہ رہنے والا تھا۔ لیکن شیعہ اس کے برخلاف یہ کہتے ہیں کہ اسلام لا کر بھی ان میں عداوت بدستور رہی۔ ماننا پڑے گا کہ اصحاب ثلاثہ اور علی المرتضیٰ باہم بھائی بھائی اور شیر و شکر تھے۔ نیز آیت سے ثابت ہو چکا ہے کہ اسلام لانے سے پیشتر یہ لوگ دوزخ کے کنارے پر تھے لیکن اسلام کی نعمت حاصل ہونے کے بعد آتش دوزخ ان پر حرام ہو گئی۔ لیکن اگر شیعہ کا قول مانا جائے تو وفات نبوی کے بعد سوائے معدودے چند اشخاص (تین چار) کے سب کے سب مسلمان مرتد و کافر ہو گئے اور جہنم کے گڑھے میں گر گئے تو پھر فانقذکم کا مضمون غلط ہو گیا اور مخبر صادق کی شہادت جھوٹی ہو گئی (آفتاب صفحہ ۸۸، ۹۷)

الجواب اس استدلال میں دو چیزیں قابل توجہ ہیں پہلا حضرت علیؓ اور ثلاثہ کا باہم شیر و شکر ہونا اور دوسرے صحابہ پر آتش دوزخ کا حرام ہونا۔ جہاں تک پہلے موضوع کا تعلق ہے ہم بقدر ضرورت نویں آیت کے جواب میں اس پر تبصرہ کر چکے ہیں۔ قارئین کرام اس مقام کی طرف رجوع فرمائیں۔ اعادہ و تکرار کے لئے صفحات کتاب متحمل نہیں ہیں اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے۔

ہاں البتہ یہاں دوسرے موضوع پر بقدر ضرورت تبصرہ کیا جاتا ہے۔ یہ درست ہے کہ نعمت اسلام سے پہلے یہ لوگ آتش جہنم کا ایندھن بن چکے تھے (خدائے رحیم نے اسلام اور بانی اسلام کو بھیج کر گویا ان کو آتش جہنم کے بھڑکتے ہوئے شعلوں سے نکال لیا اور جنت میں جانے کا راستہ دکھا دیا۔ (انا ھدیناہ السبیل اما شاکرا واما کفورا) مگر یہ کس آیت یا کس حدیث کا ترجمہ ہے کہ اسلام لانے کے بعد ان پر آتش دوزخ حرام ہو گئی۔ ان ھذا الا بھتان عظیم۔

نجات از دوزخ و دخول در جنت مشروط بچند شرائط ہے

پہلی آیت کے جواب کی تمہید میں قرآن و حدیث کی ناقابل رد شہادتوں سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ جہنم سے نجات اور جنت کا حصول اسلام و ایمان لانے کے بعد چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔ منجملہ ان کے ایک شرط عمل صالح بجا لانا دوسری شرط موجب حبط اعمال باتوں سے اجتناب کرنا اور تیسری استقامت علی الاسلام اور خاتمہ بالخیر ہونا ہے کیونکہ انما الاعمال بالخواتیم ان تمام آزمائشوں میں کامیابی کے بعد کہیں جا کر جہنم سے گلو خلاصی ہوتی ہے۔ اور جنت الفردوس میں قدم رکھنا نصیب ہوتا ہے۔

سہ۔ یہ ممکن ہے بندہ ہو افضل ملک سے ؛ مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ۔

اسلام ہرگز اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ انسان کلمۂ اسلام پڑھنے کے بعد بالکل مطلق العنان اور اس طرح پدر مادر آزاد ہو جائے کہ جو چاہے کرتا پھرے۔ پس آتش دوزخ اس پر حرام ہو جائے حاشا وکلا ارشاد قدرت ہے۔

احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا آمنا وھم لا یفتنون ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا

ولیعلمن الکاذبین (پ ۲۰ س عنکبوت ع ۲) کیا لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ (زبان سے) اتنا کہنے سے چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لاتے ہیں اور انکو آزمایا نہ جائیگا اور ہم نے ان لوگوں کو بھی) آزمایا تھا) جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں تو خدا ان لوگوں کو ضرور معلوم کرکے رہے گا (جو اظہار ایمان میں) سچے ہیں اور جھوٹوں کو بھی معلوم کرکے رہے گا۔" (ترجمہ نذیری) ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا ہے۔ ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یعلم اللہ الذین جاھدوا منکم ویعلم الصابرین (پ ۴ س ال عمران ع ۱۴) کیا تم اس خیال میں ہو کہ جنت میں داخل ہو گئے حالانکہ اللہ نے نہ تو ان لوگوں کو جانچا ہے جو تم میں سے جہاد کرنے والے ہیں اور نہ ان لوگوں کو جانچا ہے جو (لڑائی میں) ثابت قدم رہتے ہیں (ایضاً) الی غیر ذالک من الایات الکثیرۃ۔

ہم صادق و صحیح صحابہ کی تعظیم کو جزو ایمان سمجھتے ہیں

لہذا جو خوش قسمت افراد ایمان لانے کے بعد ثابت قدم رہے اور ایمانی معیار پر پورے اترے وہ یقیناً دارین میں فائز و کامران ہو گئے ہم ایسے بزرگوں کی تعظیم و تکریم کو جزو ایمان، ان کی ولا کو جزو جان بلکہ ان کی خاکِ پا کو طوطیائے چشم بنانا اپنے لئے باعث سعادت سمجھتے ہیں اور ان کے لئے دعاء استغفار کرنا اپنی مذہبی فریضہ جانتے ہیں جیسا کہ صحیفہ کاملہ کی دعائیں اس پر شاہد صادق بیان ہوں گی۔ اس معیار پر پورے نہ اتر سکے وہ خسر الدنیا والآخرۃ و ذالک ھو الخسران المبین کے مصداق قرار پائے۔ اور یہ حقیقت محتاج بیان نہیں کہ خدائے حکیم نے چار انگلیاں بھی برابر نہیں بنائیں ستارے گنڈ پڑھنے والے اور بزم رسالت میں بیٹھنے والے بھی یکساں اور ایک جیسے نہ تھے۔ بقول شاعر

ہر کہ بدنے جمہور نداشت ۔۔ دیدار روستے نبی سود نداشت ۔

(آدم سے لے کر جیتے تک ہر دور کی طرح اس آخری امتحان میں بھی بہت تھوڑے سے تھے۔ وہ خوش قسمت افراد جو کامیاب ہوئے وہ شاکر و کامران رہے۔ اگرچہ خدائے مہربان اور نبی آخر الزمان نے آپ کوئی امکانی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ سچ ہے۔

شعر جنہیں ہو ڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں ۔

ارتداد صحابہ کی وبا

تاریخ اسلام گواہ ہے کہ گروہ صحابہ میں عام گناہوں سے بڑھ کر رفتہ رفتہ نوبت بارتداد رسید اور یہ سلسلہ تبیرہ اگرچہ آنحضرتؐ کی زندگی میں شروع ہو گیا تھا مگر بعد ازاں تو اس نے ایک وبا کی شکل اختیار کر لی۔

وہ آیات جو ارتداد صحابہ پر دلالت کرتی ہے

ذیل میں بطور نمونہ اس قسم کی چند آیات و روایات پیش کی جاتی ہے (۱) ذالک بانھم امنوا ثم کفروا

فطبع علی قلوبھم فھم لا یفقھون (پ ۲۸ س منافقون ع ۲) ایمان لائے پھر کفر اختیار کیا اور اب انکے دلوں پر مہر لگ گئی ہے بس وہ نہیں سمجھتے (۲) ان الذین کفروا بعد ایمانھم ثم ازدادوا کفرا لن تقبل توبتھم واولئک ھم الضالون (پ ۳ س آل عمران ع ۸) جو لوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہوگئے اور کفر میں بہت آگے بڑھ گئے ان کی توبہ ہرگز قبول نہ کی جائے گی اور یہی لوگ ہیں راہ گم کردہ (۳) یا ایھا الذین اٰمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ الخ ۔ (پ ۶ س مائدہ ع ۸) اے ایمان کے دعویدارو، جو شخص اپنے دین سے پھر جائے جنہیں وہ دوست رکھتا ہے اور وہ خدا سے محبت کرتے ہیں ۔ اس آیت کی تفسیر میں ملا حسین واعظ کاشفی نے اپنی تفسیر صفحہ ۱۶۸ پر لکھا ہے "بعد از رسالت مآب تمام عرب مرتد شدند الا اہل مکہ و مدینہ" (۴) وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئا وسیجزی اللہ الشاکرین (پ ۴ س آل عمران ع ۱۵) اور محمد نہیں ہیں مگر اللہ کے رسول۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں پھر اگر حضرت محمد مر جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم الٹے پاؤں (سابقہ کفر کی طرف) پلٹ جاؤ گے؟ اور جو شخص الٹے پاؤں پھرے گا وہ خدا کا کچھ نقصان نہیں کرے گا (بلکہ اپنا نقصان کرے گا۔ اور عنقریب خدا شکر گزاروں کو جزائے خیر دے گا۔

وہ احادیث جو ارتداد صحابہ پر دلالت کرتی ہیں

آنحضرت با علام اللہ اپنے اصحاب کے مرتد ہونے کی خبر دے گئے تھے چنانچہ احادیث حوض جو کہ متواتر ہیں (شرح مسلم نووی) اور متعدد طرق و اسانید اور مختلف الفاظ سے صحاح ستہ میں مروی ہیں اس بات پر شاہد عادل ہیں فرماتے ہیں۔ یجاء برجال من امتی فیوخذ بھم ذات الشمال فاقول اصحابی فیقال انک لا تدری ما احدثوا بعدک فاقول کما قال العبد الصالح وکنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم الآیۃ فیقال انھم لم یزالوا مرتدین علی اعقابھم منذ فارقتھم ۔ میری امت کے کچھ آدمیوں کو اس حالت میں پکڑ کر لایا جائیگا کہ ان کے نامہ ہائے اعمال ان کے بائیں ہاتھوں میں ہونگے (جو کہ جہنمی ہونے کی علامت ہے) میں کہوں گا یہ تو میرے اصحاب ہیں! مجھے کہا جائے گا تم نہیں جانتے انہوں نے تمہارے بعد کیا کیا؟ میں وہی بات کہوں گا جو بندہ صالح (حضرت عیسیٰ) نے کہی تھی کہ میں تو اس وقت تک ان پر نگران تھا جب تک ان کے درمیان موجود تھا تب مجھ سے کہا جائے گا کہ تمہاری وفات کے بعد یہ لوگ اپنے الٹے پاؤں پھر گئے تھے (بخاری ج ۱ صفحہ ۔ طبع مصر مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۸۲ خصائص سیوطی ج ۲ صفحہ ۱۲۳)

مسلم ج ۲ صفحہ ۲۴۹ طبع دہلی میں ہے آنحضرت نے فرمایا۔ انا فرطکم علی الحوض من ورد شرب ومن شرب لم یظما ابدا ولیردن علی اقوام اعرفھم ویعرفونی ثم یحال بینی وبینھم فاقول انھم منی فیقال انک لا تدری ما عملوا بعدک فاقول سحقا سحقا لمن بدل بعدی۔ میں تم سے پہلے حوض کوثر پر موجود ہوں گا۔ جو شخص آئے گا اس سے پئے گا اور جو پئے گا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا اس اثناء میں میرے پاس کچھ ایسے لوگ آئیں گے جن کو میں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہونگے کہ اچانک میرے

اور اُن کے درمیان پردہ حائل ہو گا میں کہوں گا کہ یہ تو میری جماعت میں سے ہیں کہا جائے گا تم نہیں جانتے انہوں نے تمہارے بعد کیا عمل کیئے؟ اس وقت میں کہوں گا دُوری ہو دوری ہو ان کیلئے جس نے میرے بعد اپنی حالت بدل لی،، بعض روایات میں یہ الفاظ موجود ہیں مجھ سے کہا جائے گا۔ اما شعرت ما عملوا بعدک واللہ ما برحوا بعدک یرجعون علی اعقابھم کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اُنہوں نے تمہارے بعد کیا عمل کئے، بخدا یہ تو آپ کے بعد اپنے اُلٹے پاؤں پر پلٹ گئے تھے (صحیح مسلم، بخاری ج ۴ صفحہ ۹۴ طبع مصر) بعض روایات کے الفاظ یہ ہیں! فیقال انک لا تدری ما احدثوا بعدک۔ تمہیں معلوم نہیں کہ انہوں نے تمہارے بعد دین میں کیا کیا احداث و بدعات پھیلائے (صحیح مسلم وغیرہ) آنحضرت اپنے عین حیات میں ایسے بعض لوگوں کے بارے میں ایسا فرما گئے تھے۔ چنانچہ ایک موقعہ پر ابوبکر صاحب نے آپؐ سے استدعا کی کہ اس کے ایمان کے متعلق کچھ تصدیق فرما دیں۔ آنحضرت نے فرمایا ما ادری ما تحدثون بعدی۔ مجھے کیا خبر میرے بعد تم کیا کیا احداث اور بدعات پھیلاؤ گے (ملاحظہ ہو موطا مالک صفحہ ۱۷۳ طبع دہلی باب فضل الشہداء اور کتاب المغازی للواقدی صفحہ ۱۰۲ باب غزوۂ احد وغیرہ) علامہ سیوطی نے خصائص ج ۲ صفحہ ۲۷۵ میں ابن سعد سے روایت کی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ ما نفضنا ایدینا من التراب حتی انکرنا قلوبنا ہم جونہی دفن رسول سے فارغ ہوئے تو ہم نے اپنے دلوں کو بدلا ہوا پایا آیت نمبر ۳ کے جواب میں بخاری ج ۳ صفحہ ۹۵ سے براء بن عازب کا قول نقل کیا جا چکا ہے جس میں انہوں نے آنحضرت کے بعد احداث و بدعات پھیلانے کا اعتراف کیا ہے۔ بہرحال انہی حالات کا نتیجہ تھا جو غصب حقوق اور قتل نفوس کی صورت میں ظہور پذیر ہوا اور بالخصوص بعض نام نہاد صحابہ نے خاندان نبوت پر وہ مظالم ڈھائے اور وہ مصائب فرشتا دیکھ دیکھ کو ناشتہ گمراہی گرائے کہ بے ساختہ منہ سے نکلتا ہے۔ شعر:

دیپیچ کافر نہ کند آنچہ مسلمان کردند۔

ان احداث و بدعات کی بقدر ضرورت تفصیل مطاعن ثلاثہ کے ضمن میں بیان کی جائے گی انشاء

وہ اخبار و آثار جو ارتداد صحابہ پر دلالت کرتے ہیں۔

تفسیر نیشا پوری میں ہے (علی ما نقل عنہ) خلیفہ اوّل کے زمانہ میں سات قبیلے مرتد ہو گئے تھے اور ایک قبیلہ دوسرے خلیفہ کے عہد میں۔ (۲) شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں،، ما انکار نمی کنیم کہ در عصر اوّل مسلمان نوشے فتنہ نداشتند یعنی کہ بعد وفات آنحضرت بسیارے مرتد گشتند،، (قرۃ العین صفحہ ۱۹۳) (۳) عروج اسلام ترجمہ تاریخ کامل صفحہ ۱۴۱ ج ۵ میں ہے ” جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی اور حضرت ابوبکر نے اسامہ کے لشکر کو روانہ کیا تو تمام عرب مرتد ہو گئے اور ملک میں فساد کی آگ چاروں طرف پھیل گئی اور قریش کے سوا ہر ایک قبیلہ بالکل مرتد ہو گیا۔ حضرت ابوبکر کے پاس ہر طرف سے نبی کے امیروں کے خطوط آئے کہ عرب مرتد ہو گئے اور عموماً سب قبیلوں میں بغاوت پھیل گئی ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں مؤلف کا یہ ارشاد کہاں تک درست ہے کہ ”شیعہ کے اعتقاد میں سوائے معدودے چند اشخاص کے باقی سب مسلمان مرتد و کافر ہو گئے “ اب تو معلوم ہو گیا کہ یہ صرف شیعوں کا ہی اعتقاد نہیں بلکہ سارے اسلامی فرقوں کا یہی نظریہ ہے۔ دمن یکفر فانہ یکفر ... والسان وقلبہ مطمئن بالایمان۔ سہ نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریادیوں کرتے نہ کھلتے راز سربستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں۔

تیئسویں آیت

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم اٰیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین (پ ۴ س ال عمران ع ۷) ترجمہ خدا نے مسلمانوں پر احسان کیا کہ ان میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو ان کو ہماری آیتیں سناتا اور پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تحقیق وہ پہلے صریح گمراہی میں تھے۔

یہ آیت اور اس قسم کی دوسری آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم کی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ آپ کے شاگردان رشید سب کے سب جملہ امراض ظاہری وباطنی سے بالکل پاک وصاف ہو گئے تھے اور نور اسلام کی چمک کے بعد ناممکن تھا کہ پھر ظلمات وکفران کے قلوب پاک میں جگہ کرتی اور واقعی نبی آخر الزمان کی قوت تاثیر ایک معجزہ تھی۔ کہ تھوڑی سی مدت میں مشرق سے مغرب تک نور اسلام پھیل گیا۔ لیکن اکثر شیعہ کا قول مانا جائے تو معاملہ برعکس ہو جاتا ہے کیونکہ بقول شیعہ بہت سے اصحاب اربعہ جو آپ کی نسل کے اعلیٰ ممبران تھے۔ آپ کے مجبور شام کے مشیر بالتدبیر تھے۔ ان کا تزکیہ بھی آپ سے نہ ہو سکا۔ اور آپ کی وفات کے بعد تو سب کے سب مسلمان سوائے تین چار اشخاص کے دل پھر گئے اور کفر ونفاق اختیار کر لیا بھائیو کچھ تو غور کرو کس قدر اسلام اور بانی اسلام پر دھبہ آتا ہے اور مخالفین کو طعن کا موقعہ ملتا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ بے ہودہ گوئی اور لغویات ہیں۔ الخ (آفتاب ص ۷۹)

الجواب

اس استدلال میں کوئی نئی چیز پیش نہیں کی گئی۔ بلکہ اس میں بعض باتیں وہ ہیں جو ابتدا سے کتاب میں بذیلی عنوان "اسلام کی تصویر جو رافضی پیش کرتا ہے" بیان کی جا چکی ہیں اور ہم نے ان کا تفصیلی جواب باصواب بھی وہیں پیش کر دیا ہے اور بعض وہ ہیں جو آیت نمبر ۲۲ کے ضمن میں بیان کی گئی ہیں جس کے جواب میں ہم نے بفضلہ تعالیٰ قرآنی آیات تاریخی واقعات اور روایات متواترات سے اکثر صحابہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے بعد مرتد ہو جانا ثابت کر دیا ہے۔

اکثر صحابہؓ کے ارتداد وناکامی سے رسولؐ کی تعلیم وتبلیغ پر کوئی ایراد وارد نہیں ہوتا

اور اس میں آنحضرتؐ کے بیان معجز توامان اور تعلیم وتبلیغ پر ہرگز کوئی ایراد عائد نہیں ہوتا۔ بلکہ سراسر آپؐ کے ان ہم نشینوں کی ہی نااہلی ونالائقی ثابت ہوتی ہے اگر کسی مدرسہ کے تمام طالب علم ناکام ہو جائیں تب تو ہر آدمی مدرس اور معلم ہی کو مورد طعن قرار دے گا لیکن اگر چند لڑکے ہی پاس ہو جائیں تو ہر شخص یہی سمجھے گا کہ پڑھانے والے نے تو کوئی کوتاہی نہیں کی بلکہ صحیح پڑھایا ہے۔ ورنہ یہ چند لڑکے بھی کامیاب نہ ہوتے لہٰذا اس صورت میں ناکام ہونے والوں کی ناکامی کی ذمہ داری خود انہی پر عائد ہو گی۔ جو ناکام ہوئے ہیں۔

گزشتہ انبیاء کی تبلیغ اور اس کے مایوس کن نتائج

حضرت نوح نے ساڑھے نو سو سال تک قوم کو بے مثال تبلیغ کی مگر نتیجہ کیا نکلا؟ فما امن معہ الا قلیل۔ سوائے چند آدمیوں کے اور کوئی ایمان نہ لایا تو کیا کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ ان کی تبلیغ میں کوئی نقص تھا؟ نہیں بلکہ ہر شخص اسے قوم نوح کی نااہلی پر محمول کرے گا۔ حضرت موسیٰ نے بڑی جد و جہد سے اپنی قوم کی فلاح و بہبود کے لئے عرصہ دراز تک کام کیا، مگر ان کے کوہ طور پر جاتے ہی قوم کی اکثریت گوسالہ پرستی کر کے مرتد ہو گئی تو کوئی یہ وہم بھی کر سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ کی تعلیم و تبلیغ ناقص تھی؟ نہیں بلکہ ہر باانصاف آدمی یہی کہے گا کہ قوم نااہل و ناکارہ تھی۔ تو بعینہٖ یہی صورت حال یہاں بھی درپیش ہے۔ کیونکہ یہ قانونِ قدرت اور آئینِ فطرت ہے کہ

ہر آدمی اپنی فطری استعداد کے مطابق کسب فیض کرتا ہے

یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حینِ حیات میں جب بھی کوئی آزمائش کا موقعہ آیا تو بہت ہی تھوڑے اشخاص کامیاب ہوتے تھے۔ اور آپ کی وفات حسرت آیات کے بعد جب بڑی آزمائش کی گھڑی آئی تو تب بھی بہت تھوڑے تھے وہ خوش قسمت لوگ جو اس امتحان و ابتلاء میں کامیاب ہوئے اور جو ناکام و نامراد ثابت ہوئے تو اس میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کوئی قصور نہیں۔ اور نہ اس سے ان کی تعلیم و تبلیغ پر کوئی ایراد وارد ہوتا ہے۔ بلکہ ہر باانصاف آدمی یہی سمجھے گا کہ ؎

نہ ہو طبیعت ہی جن کی قابل وہ تربیت سے نہیں سنورتے
ہوا نہ سرسبز رہ کے پانی میں عکس سرو کنار جو کا

حقیقت امر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات والا صفات فیوض و برکات ربانیہ کا سرچشمہ تھی۔ اور ہر آدمی نے اپنی ذاتی فطرت و استعداد اور لیاقت کے مطابق اس سے استفادہ اور کسب فیض کیا ہے جس طرح باران رحمت سے ہر زمین اپنی حیثیت کے مطابق استفادہ کرتی ہے۔

؎ باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست ٭ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم و خس

علامہ تفتازانی کا بیان حقائق ترجمان

علامہ تفتازانی شرح مقاصد ج ۲ صفحہ ۳۰۶ طبع اسلامبول میں لکھتے ہیں۔ اما ما وقع بین الصحابۃ من المحاربات والمشاجرات علی الوجہ المسطور فی کتب التواریخ والمذکور علی السنۃ الثقاۃ فیدل بظاہرہ علی ان بعضہم قد حاد عن طریق الحق وبلغ حد الظلم والفسق الخ یعنی صحابہ رسول کے درمیان جو جنگ و جدال اور مشاجرات و تنازعات واقع ہوئے جیسا کہ کتب تاریخ میں مسطور اور معتبر آدمیوں کی زبان پر مذکور ہیں وہ بظاہر اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ بعض صحابہ جادۂ حق سے منحرف ہو گئے۔ اور فسق و فجور اور ظلم و جور کی حد تک پہنچ گئے۔

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں ✽ گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیرِ ما؟

چوبیسویں آیت واعلموا ان فیکم رسول اللہ لو یطیعکم فی کثیر من الامر لعنتم ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان اولٰئک ھم الراشدون فضلاً من اللہ ونعمۃ واللہ علیم حکیم (پ ۲۶ س حجرات ۳) ترجمہ: مسلمانو! جان لو کہ تمہارے درمیان اللہ کا رسولؐ ہے۔ اگر وہ اکثر باتوں میں کہنا مانیں تو تم بڑی تکلیف ہو لیکن اللہ نے ایمان کو تمہارا محبوب بنایا ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں رچا دیا ہے اور کفر و شرک و نافرمانی سے تمہیں متنفر بنا دیا ہے یہی لوگ ھدایت پانے والے ہیں اور ان پر اللہ کا احسان ہے خدا دانا حکیم ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کے دلوں میں خدا نے ایمان کو راسخ اور مضبوط کر دیا ہے اور ایمان کے ساتھ ان کو محبت طبعی ہو گئی ہے اور کفر و فسق سے ان کو ہمیشہ کے لئے نفرت ہو گئی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایمان کے خلاف کوئی بات ان سے سرزد ہونا محال تھی۔ پھر ان پاک نفوس پر یہ الزام کہ ان کی ایمانی حالت ایسی متزلزل تھی کہ نبی کریمؐ کی زندگی میں بھی ان کا ایمان صرف رسمی اور ظاہری تھا اور آپ کی وفات کے بعد خاندانِ رسالت پر علانیہ ظلم کرنے شروع کر دیئے کیا یہ آیت کریمہ مذکورہ کی صریح تکذیب نہیں۔ عبرت۔ عبرت۔ عبرت۔ (آفتاب ص ۰۰)

الجواب تو یہ ہے کہ اپنے خاص ممدوحین اصحاب ثلاثہ کا ایمان و ایقان ثابت کریں۔ مگر آیات وہ پیش کرتے ہیں جن میں بالعموم بعض افراد صالحہ کی تعریف و توصیف تو کی گئی ہے مگر انہیں اصحاب ثلاثہ سے اتنا بھی ربط نہیں ہے جتنا کہ کھجور کی گٹھلی سے چھلکے کا ہوتا ہے کیونکہ اولاً تو دلالۃ العام علی الخاص ــ اس میں کیا شک و شبہ ہے کہ بعض اصحاب و احباب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ضرور ایسے کامل الایمان تھے جن کے دلوں میں ایمان راسخ تھا اور انہیں گناہ و عصیان سے قلبی نفرت بھی تھی مگر وہ کون تھے؟ قرآن و حدیث اور تاریخ اسلام پر سرسری نظر رکھنے والے حضرات پر ان کی تشخیص چنداں مشکل نہیں۔ وہ وہی تھے جو خود فرمایا کرتے تھے لو کشف الغطا لما ازددت یقینا (واجب و ممکن کے درمیان جو حجاب ہیں وہ حجاب اٹھا بھی دیئے جائیں تب بھی میرے ایمان و ایقان میں کچھ اضافہ نہ ہوگا (کیونکہ وہ آخری نقطہ کمال تک پہنچ گیا ہوا ہے) ارشاد حضرت علیؑ مندرجہ شرح فقہ اکبر ص ۱۰۳ طبع گلزار محمدی لاہور) یا وہ مراد ہیں جن کے متعلق پیغمبر فرماتے ہیں سلمان منا اھل البیت (اصابہ وغیرہ) یا وہ جن کے متعلق بانی اسلام شہادت دیتے ہیں ــ ما اقلت الغبراء وما اظلت الخضراء علی ذی لہجۃ اصدق من ابی ذر (یعنی آسمان نے کسی ایسے آدمی پر سایہ نہیں ڈالا اور نہ زمین نے اٹھایا ہے جو

ابوذر سے زیادہ راست گو اور سچا ہو (تقریب التھذیب) یا ان جیسے افراد کامل و نفوس زاکیہ مقصود ہیں جنہوں نے چشمۂ فیوض و برکات سے خوب سیر ہو کر اور دل کھول کر استفادہ کیا اور گوہر مقصود سے اپنے دامن مراد پر کئے۔ بہر حال وہ تمام نہاد صحابہ قطعاً اس مقدس زمرہ میں داخل نہیں۔ جن کے متعلق پیغمبر اسلام یہ فرماتے ہیں کہ الشرک فیکم اخفی من دبیب النمل۔ شرک تم میں چیونٹیوں کی چال سے بھی زیادہ مخفی چلتا ہے۔ (خطاب رسول راجع بالی بکر تفسیر در منثور ج ۲ ص ۵۳ تفسیر فتح البیان ج ۵ ص ۲۲۳ طبع مصر) اور نہ وہ اس میں شامل ہو سکتے ہیں جو صلح حدیبیہ کے موقعہ خود رسالتمآب کی نبوت میں شک کر بیٹھے تھے (ماشککت منذ اسلمت الایومئذٍ قول عمر تفسیر در منثور ص ۷۷ وغیرہ) اور نہ وہ مراد ہو سکتے ہیں جو بعض عورتوں سے شادی کرنے کی خاطر اسلام لاتے تھے (ملاحظہ ہو کیفیت اسلام عثمان خصائص کبریٰ جلد ۱ ص ۱۳ طبع مصر) اور نہ ہی وہ لوگ اس میں داخل ہو سکتے ہیں جو ہر جنگ میں رسول خدا کو تنہا چھوڑ کر میدان سے منہ موڑ جاتے تھے۔ (ملاحظہ ہو خلفائے ثلاثہ اور ان کے ہمنواؤں کے فرار کی بحث بذیل جواب آیت اولیٰ) اور نہ ہی وہ لوگ مراد ہو سکتے ہیں جن پر خود آنحضرت نے اپنے حین حیات میں شرب خمر، حد زنا اور قذف محصنات جیسے سنگین جرائم کے ارتکاب پر شرعی حدود جاری فرمائے تھے (حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ، اور ماعز اسلمی وغیرہ کے حالات ملاحظہ ہوں۔ ترجمہ فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۲۲۳) اور نہ ہی وہ لوگ اس کے مصداق ہو سکتے ہیں جن کی ابدی ہلاکت کی مخبر صادق نے احادیث حوض میں خبر دی ہے۔ جن کا ایک شمہ سابقہ آیت کے جواب میں پیش کیا جا چکا ہے۔ اور نہ ہی ان کے اتباع و پیروکار اس جماعت میں داخل ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ جب ان کے پیر مغاں ہی داخل نہیں تو ان کے مریدان باصفا کس طرح داخل ہو سکتے ہیں؟ یہ وہ لوگ تھے کہ نہ ان کے دلوں میں ایمان راسخ تھا اور نہ ہی ان کو گناہوں سے نفرت تھی۔ بلکہ وہ یقولون بافواھھم مالیس فی قلوبھم کے مصداق تھے۔ ایسے ہی لوگوں نے آنحضرت کے حین حیات میں خفیہ طور پر اور آپ کی وفات حسرت آیات کے بعد علانیہ طور پر اسلام اور آنحضرت کے خاندان ذی شان کے خلاف ریشہ دوانیاں کیں۔ بالخصوص آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان لوگوں نے جو نارو اسلوک کیا اور ظلم و ستم کے جو کوہ ہائے گراں ان پر گرائے۔ ان کے پیش نظر کسی شاعر نے بجا کہا ہے کہ ؎

ہیچ کافر نہ کند آنچہ مسلماں کردند

ان مظالم کا کچھ اجمالی تذکرہ سابقہ اوراق میں مختلف مقامات پر کیا جا چکا ہے اور آئندہ بھی مناسب مقامات پر کیا جائیگا انشاءاللہ[1]

مؤلف کی مبالغہ آرائی دیکھئے کہ ایسے لوگوں کو صرف پاک نفوس کہنے پر اکتفا نہیں کی بلکہ یہاں تک لکھ دیا کہ وہ ایمان کے خلاف کوئی بات ان سے سرزد ہونا محال تھی حالانکہ حقیقی معصوم بھی ترک عصیان پر مجبور نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی عصمت اختیاری ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے خیر سے مؤلف کو محال کا مفہوم ہی معلوم نہیں ہے۔ ورنہ ایسی بے پر کی نہ اڑاتے محال تو وہ

---

[1] ان امور کی تفصیلات معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب سعادۃ الدارین کی طرف رجوع کریں منہ عفی عنہ

بالذات ہو یا بالغیر بہر حال محال ہے اور ممکن کی ضد ہیچ ہے ؎

پیراں نمی پرند مریداں می پرانند

بایں ہمہ حقائق اصحاب ثلاثہؓ کو اس آیت کا مصداق قرار دینا کیا قرآن کی متعدد آیات پیغمبر اسلام کی معتبر روایات اور اور تاریخی مسلمات کی صریح تکذیب نہیں ہے؟ مقام عبرت ہے! مگر آہ۔ ما اکثر العبر و ما اقل الاعتبار ؎

کاخ جہاں پُر است ز ذکر گذشتگاں
لیکن کسے کہ گوش نہد ایں صدا کم است

پچیسویں آیت

فانزل اللہ سکینتہ علی رسولہ و علی المومنین والزمھم کلمۃ التقوی وکانوا احق بھا واھلہ وکان اللہ بکل شیءٍ علیما (پ۲۶ س فتح ع ۱۱)

ترجمہ:۔ پھر خدا نے سکینہ (رحمت) اپنے رسول اور ایمان والوں پر نازل کی اور صفت تقویٰ ان کے لئے لازم کر دی اور وہ اس انعام کے مستحق تھے اور خدا ہر شے کا علم رکھتا ہے۔

یہ سورۂ فتح کی آیت ہے جس میں مجاہدین حدیبیہ کے فضائل و مناقب کا بیان ہے۔ جسمیں یہ ذکر ہے کہ اللہ کریم کی طرف سے اصحاب حدیبیہ پر سکینہ نازل ہوا اور صفت تقویٰ ان کے لئے ایسی وصف لازم ہو گئی جو کبھی منفک نہیں ہو سکتی اور یہ بھی فرمایا کہ یہ سچے جاں نثاران رسولؐ فی الواقع اس انعام عظیم کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔ اب آپ ہی بتائیں کہ جن لوگوں کے لئے صفت تقوےٰ لازم کی گئی ہو کیا وہ منافق ہو سکتے ہیں (آفتاب ص۱۸۱)

الجواب اس استدلال میں کوئی نئی چیز پیش نہیں کی گئی بلکہ وہی بات دوسرے لفظوں میں دوہرائی گئی ہے۔ جو قبل ازیں آیت نمبر ۱۳ میں کہی جا چکی ہے اور ہم اس مقام پر اسکا مکمل و مفصل جواب باصواب پیش کر چکے ہیں لہٰذا اس کے اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں ہے سر دست یہاں صرف اس قدر اجمالی اشارہ کر دینا کافی ہے کہ اس آیت مبارکہ میں دو چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ایک حقیقی اہل ایمان پر سکینہ کے نازل کرنے کا۔ دوسرے صفت تقوےٰ کو ان کے لئے لازم کرنے کا۔ مؤلف نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ "سچے جاں نثاران رسولؐ فی الواقع اس انعام عظیم کے سب سے زیادہ مستحق و سزاوار تھے" اور بدقسمتی سے مؤلف کے محبوب القلوب ثلاثہ ان دونوں نعمتوں سے تہی دامن نظر آتے ہیں نہ ان کا حقیقی ایمان ثابت ہے (آیت نمبر ۱ کا جواب ملاحظہ ہو) اور اسلام و بانی اسلام پر جاں نثار کرنے کی بجائے ہر جنگ سے ان کا فرار ضرور ثابت ہے۔ کچھ تو خوف خدا کرو۔ بھلا وہ لوگ کس طرح اس آیت کے مصداق ہو سکتے ہیں جنہوں نے اسی صلح حدیبیہ کے موقعہ پر شک فی النبوۃ کیا تھا (در منثور ج ۶ ص ۷۷) اور اسی بیعت الرضوان میں آئندہ میدان جنگ سے کفار کو پیٹھ نہ دکھانے کا پختہ وعدہ کیا تھا جس سے بعد میں منحرف ہو گئے اور بعد والی جنگوں (جیسے خیبر

حنین وغیرہ) میں بدستور سابق فرار پر فرار کرتے رہے (آیت نمبر ۱۵ و نمبر ۱۶ اسکے جواب میں یہ سب حقائق بیان کئے جا
چکے ہیں فراجع) عربی کا مقولہ ہے (ثبت العرش ثم النقش) پہلے تختی ثابت کرو۔ پھر اس پر کچھ نقش و نگار کرو۔
اس لئے اگر ہمت ہے تو پہلے اصحاب ثلاثہؓ کا حقیقی ایمان ثابت کرو اور پھر کوئی دوسری بات کرو۔ لیکن یقین
سمجھو کہ ایسا کرنا تمہارے لئے قیامت تک ممکن نہیں ہے۔ ولو کان بعضھم لبعض ظھیراً
نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے ✿ یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

چھبیسویں آیت | الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا فانزل اللہ
سکینتہ علیہ (پ ۱۰ س توبہ ع ۱۳) ترجمہ۔ اگر تم اس کی مدد نہ کرو (تو کیا مضائقہ) خدا اس
کا ناصر ہے (جس نے اس وقت نصرت دی) جبکہ کفار نے اس کو مکہ سے نکال دیا وہ دوسرا تھا دو لوگ
میں سے جبکہ وہ دونوں (دوست) غار میں تھے اور جبکہ اپنے رفیق سے کہہ رہا تھا کہ غم نہ کیجئے یقیناً
خدا ہمارے ساتھ ہے۔

اس آیت پر بنظر انصاف غور کرنے سے فضائل صدیق ستاروں کی طرح چمکتے دکھائی دیتے ہیں۔

(۱) ایسے ہولناک وقت میں بامر الٰہی ابوبکر صدیق کا انتخاب ہونا اور صدیق اکبر کا ایسے خطرناک موقع پر
اپنے اخلاص میں یکتا نکلنا بڑی بہادری ہے۔ دشمن کی تلواروں کے سایہ تلے سے اپنے پیارے آقا کو
بچا کر اپنے کندھے پر سوار کر کے غار ثور میں لے جانا صدیق اکبر کے فضل عظیم پر روشن دلیل ہے۔

(۲) خدا کے حضور سے ثانی اثنین اور لصاحبہ ثانی رسول اور صاحب نبی دو عظیم الشان خطابوں
کا عطا ہونا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا لا تحزن ایک تسلی بخش فقرہ بھی اس عاشق صادق کے لئے
کچھ کم فخر نہیں ہے اور یہ مانی ہوئی بات ہے کہ عاشقان ذات احمدی اگر اس سردار دو جہاں کے منہ
سے کوئی معمولی اور اتفاقی فقرہ بھی سن لیا کرتے تھے تو مدت العمر اس کا لازمی ورد رکھتے اور اس کو
طرۂ امتیاز سمجھتے چنانچہ علی المرتضیٰ عنہ کا چہرہ خاک آلود دیکھ کر فرمایا قم یا ابا تراب۔ وہ فقرہ جناب
علی المرتضیٰ کو ایسا پیارا ہوا کہ اپنی کنیت ہی اس کو بنا لیا۔ ایسا ہی ایک صحابی کو ابوھریرہ کہہ دیا انہوں
نے فخر کے ساتھ یہی کنیت اختیار کی۔ ایک دفعہ ابوذرؓ کے جواب میں فقرہ علی رغم انف ابی ذر
فرمادیا۔ وہ اس حدیث کو ہر مجلس میں ذکر کرتا اور یہ فقرہ فخر سے دہرایا کرتا۔ آنجناب کا اس خلوت
کی مجلس میں ابوبکر جیسے عاشق صادق کو لا تحزن کا دلاسا دینا اور پھر اس کا کلام الٰہی میں درج ہونا
صدیق اکبر کے حصہ میں تھا۔ کون ہے جو صدیق کی ہمسری کا دم بھر سکتا ہے۔

(۳) پھر دوسرا ایک فقرہ جو لا تحزن کے بعد صدیق اکبر نے اس زبان سے سنا ان اللہ معنا کا تعظیمی فقرہ ہے جو صدیق اکبر پر روشن دلیل ہے۔ جانتے ہو معیت کیا معنی رکھتی ہے؟ ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون۔ خدا کی معیت متقین اور محسنین کو ہی نصیب ہوتی ہے۔ پھر جب معیت ایزدی آیت مذکورہ کی رو سے صدیق اکبر کے لئے منصوص ہوگئی تو پھر اس کا متقی و محسن ہونا کسی مزید دلیل کا محتاج نہ رہا۔ معنا کی ضمیر جمع پر غور کرو۔ معی یا معک نہیں فرمایا بلکہ معنا فرمایا۔ یعنی خدا تیرے اور میرے دونوں کے ساتھ ہے۔ یہ بھی خدمت گزاری کا صلہ ہے۔

(۴) پھر قول الٰہی فانزل اللہ سکینتہ علیہ پر غور فرمائیے۔ یعنی خداوند کریم نے سکینتہ (اپنی رحمت) اس پر نازل فرمائی۔ کیا رحمت الٰہی کا حاصل کرنا کوئی معمولی بات ہے۔

(۵) قول باری تعالیٰ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین (کافروں نے رسول کو اس حالت میں گھر سے نکالا کہ اسکے ساتھ ایک شخص اور بھی تھا) اس امر کی دلیل ہے کہ کفار کو جس قدر عداوت رسول سے تھی اسی قدر ابوبکر صدیق سے بھی تھی اور ہر دو کو یکساں اپنا دشمن سمجھتے تھے۔ جاننے غور ہے کہ قرآن پاک میں جس خصوصیت کے ساتھ ابوبکر صدیق کا صاحب رسول ثانی اثنین ہونا اور رفیق غار کو صراحت سے بیان کیا گیا ہے اور کسی صحابی کا ذکر بالتصریح نہیں پایا جاتا۔ واقعہ غار کی تصدیق کتب شیعہ سے

واقعہ غار نے تصدیق مصاحبت صدیق اکبر با رسول اللہ سے انکار کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ اس لئے شیعہ مصنفین اس واقعہ کی تصدیق پہ مجبور ہوئے۔ (تفسیر حسن عسکری ص۲۲ میں ہے۔ ان اللہ تعالیٰ (بحذف عربی عبارت) ترجمہ: خلاصہ کلام امام علیہ السلام کا یہ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام رسول پر وحی لائے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ ابوجہل اور جماعت قریش نے تیرے قتل کی تدبیر کی ہے۔ آگے چل کر فرمایا اور خدا نے تجھ کو حکم دیا ہے کہ ابوبکر کو اپنا رفیق سفر بناؤ۔ اگر وہ موافقت و موانست کرے اور اپنے عہد پر قائم رہے تو جنت میں بھی تیرے ساتھ ہوگا۔ پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم ابوبکر کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے ابوبکر تو راضی ہے کہ اس سفر میں میرے ہمراہ ہو؟ اور کفار قریش جس طرح میرے قتل کے لئے مجھے تلاش کریں ویسے ہی تیرے قتل کے لئے در پے ہوں۔ اور اس بات کی تشہیر ہو کہ تو نے ہی مجھے اس بات پر آمادہ کیا اور میری رفاقت کے سبب سے تجھے قسم قسم کے عذاب پہنچیں۔ ابوبکر نے کہا یا رسول اللہ میں تو وہ شخص ہوں کہ اگر آپ کی محبت میں عمر بھر مجھے عذاب اور تکالیف پہنچتی رہیں (نہ مروں نہ آرام پاؤں) تو میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ آپ کو چھوڑ کر دنیا کی شہنشاہی قبول کر لوں۔ میری جان مال اور اہل و عیال سب کے سب آپ پر قربان ہوں (آپ کو چھوڑ کر

کہاں جاؤں ؟) یہ سنکر رسول اللہ نے فرمایا تحقیق اللہ تعالیٰ تیرے دل پر مطلع ہوا اور تیرے دل کو تیری زبان کے موافق پایا۔ بالیقین خدا نے تجھے منزلۂ سمع و بصر گردانا اور تجھ کو میرے ساتھ وہ نسبت ہے جو سر کو جسم سے اور روح کو بدن سے ہے۔ شیعوں کے دلوں میں اگر کچھ بھی عزت امام حسن عسکری کی ہے تو وہ امام والا مقام کی روایت پڑھ کر غور کریں کہ اس سے حضرت ابوبکر صدیق کی کس قدر تعریف ہوتی ہے ؟ اس روایت سے حسب ذیل امور ثابت ہیں (۱) ابوبکر صدیق کی رفاقتِ رسول سفر ہجرت میں اللہ کے حکم سے عمل میں آئی (۲) اللہ تعالےٰ نے ابوبکر صدیق کو اس خدمت کے لئے خاص طور پر منتخب فرمایا تھا اسلام میں ابوبکر کی فضیلت کو آشکارا کرنا مقصود تھا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے رسول پاک کو اطلاع دے دی کہ اگر صدیق اکبر نے اس خدمت کو صدق دل سے انجام دیا تو جنت میں رفاقتِ رسول نصیب ہو گی الخ ۔۔۔ (۴) رسول پاک کا یہ فرمانا کہ ابوبکر تجھے پسند ہے کہ کفار تیرے اور میرے درپے آزار یکساں ہوں ؟ کیونکہ ان کو معلوم ہے کہ یہ سفر ہجرت تیرے ہی صلاح و مشورے سے اختیار کیا گیا ہے۔ ابوبکر کی عظمتِ شان کی دلیل ہے۔ (۵) باوجودیکہ شدائد سفر سے حضور علیہ السلام نے اپنے جانباز عاشق کو آگاہ کر کے یقین دلایا تھا کہ اس سفر میں سخت ترین مصائب کا سامنا ہے۔ پھر عاشق صادق کا ان کو قبول کر کے کہنا کہ مجھے اپنے آقا کے نامدار کا ساتھ چھوڑنا ہرگز منظور نہیں۔ بقول شخصے ؎

یک جاں چہ متاعیست کہ سازیم فدائت ❊ اما چہ تواں کرد کہ موجود ہمیں است

(۶) پھر حضور علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ ابوبکر اللہ علیم و خبیر کو تیرے اخلاص و عقیدت کا علم تھا۔ اس لئے تیرا میرا یہ جوڑ بنایا کہ تو میرے سمع و بصر کی بجا ہے الخ

سبحان اللہ اس سے بڑھ کر فضائلِ صدیقی کا ثبوت شیعہ کی معتبر کتب سے اور کیا چاہئے !

دوسری شہادت

واقعہ غار کی تصدیق میں دوسرا استشہاد شیعہ کی بڑی مستند کتاب حملۂ حیدری سے پیش کیا جاتا ہے۔ ؎

چنیں گفت راوی کہ سالار دیں ❊ چوں سالم بحفظ جہاں آفریں الخ (بحذف نظم)

(ترجمہ الخ بذکر نتائج بنظر اختصار ۔۔) اس قصہ سے جو شیعہ فاضل مصنف حملۂ حیدری نے بیان کیا ہے۔ حسب ذیل امور ظاہر ہوتے ہیں :۔

(۱) سفر ہجرت کا راز حضور علیہ السلام نے پہلے اپنے محرم راز صدیق اکبر کو بتا دیا تھا (۲) صدیق حضور کا جانثار عاشق رات بھر گھڑیاں گن گن کر اس وقت کا منتظر رہا تھا (۳) ابوبکر نے باوجود پیرانہ سالی حضور والا کو اپنے کندھے پر سوار کر لیا (۴) عاشق صادق کو خدا تعالیٰ نے فوق العادت طاقت بخشی کہ وہ

گراں بار نبوت کا متحمل ہو گیا (۵) جب تیرہ غار میں داخل ہوا تو حضور علیہ السلام کو نہ داخل ہونے دیا جب تک کہ مار و مور موذیت کے تمام سوراخ بند نہ کر لئے (۶) آخر کار گزند افعی کی تکلیف برداشت کی اور اس امر کو عین راحت سمجھا (۷) تین دن رات اس آفتاب عالم تاب کے انوارِ تاباں تنہا حاصل کئے جنہوں نے دو جہان کو روشن کر رکھا تھا۔ (۸) حضور سرورِ کائنات اپنے مخلص دوست ابو بکر کے تین دن رات متواتر مہمان رہے۔ چنانچہ ہر روز کھانا ابو بکر کے گھر سے جاتا تھا کیا رسول اللہ کافر و منافق کے گھر کا کھانا ایسے نازک وقت میں منظور کر سکتا تھا (۹) سواری کا بندوبست بھی پسر ابو بکر نے کیا اور حضور علیہ السلام نے ایک ہی اونٹ پر اپنے یارِ غار کو اپنے ساتھ سوار کیا اور مبارک سفر ہجرت اس کی ہمراہی میں طے فرمایا۔

تیسری شہادت

شیعہ کی مستند کتاب تفسیر قمی صفحہ ۱۵۹ میں پائی جاتی ہے۔ قولہ الا تنصروہ الخ (بحذف عربی) ترجمہ: "راوی کہتا ہے مجھ سے میرے باپ نے حدیث بیان کی اس نے بعض رجال سے جنہوں نے امام صادق تک روایت پہنچائی۔ امام نے فرمایا جب تک کہ تھے رسول پاک غار میں ابو بکر کو فرمایا کہ میں جعفر اور اس کے ساتھیوں کی کشتی کو دیکھ رہا ہوں جو دریا میں کھڑی ہے اور میں انصار مدینہ کو بھی دیکھ رہا ہوں جو اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ابو بکر نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ ان کو دیکھ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ ابو بکر نے کہا مجھے بھی دکھا دیجئے۔ حضور نے ابو بکر کی آنکھوں کو اپنے دست مبارک سے مس فرمایا تو اس کو وہ تماشا نظر آیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا تو صدیق ہے" اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ غار میں جو اسرار حضور انور مشاہدہ فرما رہے تھے۔ ان کے مشاہدہ میں ابو بکر کو بھی شریک کیا اور آنکھوں کو دست مبارک سے مس فرمایا۔ تو سب کچھ نظر آنے لگا۔ پھر آپ نے ابو بکر سے کہا کہ بے شک تو صدیق ہے۔ علاوہ ازیں یہ حدیث اس بات پر نص ہے کہ ابو بکر کو بہ صدِ خدمات سفر ہجرت و مصاحبتِ غار لقب صدیق بارگاہِ رسالتمآب سے عطا ہوا تھا جس کی شہادت کتب شیعہ صراحت سے دے رہی ہیں۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء الخ۔

اعتراضات شیعہ

واقعۂ غار کے متعلق اگرچہ نص صریح مشعر فضائل صدیق اکبر موجود ہے۔ مگر بقول شخصے

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد ❊ عیب نماید ہنرش در نظر

شیعہ حضرات نے یہاں بھی فضول اعتراضات کر کے اپنی خوش فہمی کا ثبوت دیا ہے جن کا دفعیہ ضروری ہے

اعتراض شیعہ: آیت میں لصاحبہ سے ابو بکر کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ قرآن میں دو مصاحب یوسف کا ذکر ہے یا صاحبی السجن حالانکہ وہ کافر تھے جواب: سبحان اللہ شیعہ صاحبان کی قرآن فہمی کا کیا کہنا۔ قرآن میں صاحبی یوسف نہیں بلکہ صاحبی السجن مذکور ہے (جیل کے رہنے والے قیدی)۔ غرض

صاحب الرسول کہلانا اور چیز ہے اور صاحب السجن اور شئی ہے۔ مثلاً جیل میں رہنے والے یوسف کے ساتھی پیغمبر کے ساتھ نہیں گنے گئے بلکہ اپنے جرم کے باعث اسیر ہوتے تھے اور صاحب والا ساتھی خدا کے خاص حکم اور رسول پاک کے انتخاب سے رفیق سفر بنایا گیا تھا۔ ایسا ہی قال لصاحبه وهو یحاوره وغیرہ کو سمجھو۔ صرف صاحب کے لفظ کی فضیلت نہیں بلکہ فضیلت مضاف الیہ (رسول) کی مبارک نسبت سے پیدا ہوئی ہے جو کسی دوسرے کے نصیب نہیں ہوسکتی۔ سچ پوچھو تو شیعہ ایڑی چوٹی کا زور ماریں تو اس صراحت اور وضاحت سے ولایت علی بلا فصل کیا قرآن سے علی المرتضیٰؓ کا صاحب رسول ہونا بھی ثابت نہیں کر سکتے ھاتوا برهانکم ان کنتم صادقین

اعتراض شیعہ ۔ رسول کا ساتھی ہونا فضیلت کی بات نہیں کیونکہ نوح ولوط علیہ السلام کی عورتیں رسول کی ہم صحبت ہونے کی وجہ سے کافر نہیں۔ جواب۔ اگر معترض کو کچھ عقل ہوتی تو ان عورتوں پر صدیق کو قیاس نہ کرتا۔ ہر امر میں مستثنیات ہوتے ہیں باوجودیکہ خدا تعالیٰ نے الخبیثٰت للخبیثین والخبیثون للخبیثٰت والطیبات للطیبین والطیبون للطیبٰت کا کلیہ بیان فرمایا ہے۔ لیکن دو عورتوں کے حکم سے استثناء فرما دیا ہے۔ ضرب الله مثلا للذین کفروا امراة نوح وامرأة لوط الخ لیکن معاذ اللہ کیا خدیجة الکبریٰ اور عائشہ صدیقہ کو ان پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ کلا وحاشا اسی طرح صدیق اکبر ایسے جانباز کی صحبت رسول کو امراۃ لوط و نوح پر قیاس کرنا پہلے درجہ کی حماقت ہے۔

اعتراض ۔ لاتحزن کا کلمہ تعریف کا موجب نہیں ہے۔ یہ صیغہ نہی کا ہے اور جس بات سے خدا نے منع کیا ہو وہ داخل معصیت ہے۔ جواب۔ شیعہ ایسے اعتراض کرتے وقت اگر قرآن کی باقی آیت پر بھی نظر ڈال لیا کریں تو ایسی خرافات لکھنے کی ضرورت نہ رہے۔ اس قسم کے کلمات پیغمبروں کی نسبت بھی مذکور ہیں اور جب حضرت موسیٰ کا عصا اژدہا بنا تو آپ بمقتضائے بشریت ڈر کر بھاگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لا تخف انی لا یخاف لدی المرسلون۔ (۲) جب ساحروں نے اپنی رسیاں جادو سے سانپ بنا کر دوڑائے اس وقت حضرت موسیٰ خائف ہوگئے اللہ العالمین نے فرمایا لا تخف انک انت الاعلیٰ (۳) جب حضرت ابراہیم نے فرشتوں کو انسانی شکل میں دیکھا تو ڈر گئے۔ فرشتوں نے تسلی دی۔ قالوا لا تخف انا ارسلنا الی قوم لوط (۴) لوط کے پاس جب فرشتے آئے تو وہ ڈر گئے۔ فرشتوں نے تسلی دی۔ قالوا لا تخف ولا تحزن انا منجوک واهلک الا امراتک (۵) رسول پاک کو خطاب کرکے حق تعالیٰ نے فرمایا لا تحزن علیهم ولا تکن فی ضیق مما یمکرون (۶) مومنین سے خطاب ہے لا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنة التی کنتم توعدون

اب شیعہ بتائیں۔ یہ سب نہی کے صیغے ہیں۔ جو اولی العزم مرسلین کے خطاب میں ہیں۔ کیا لا تخف ولا تحزن کے خطاب کو ان کی عظمت شان اور شفقت الٰہی پر محمول کرو گے یا انکی توہین و ہتک قرار دو گے۔

اعتراض۔ شیعہ کہتے ہیں جب کفار آئے تو ابوبکر رونے لگے تاکہ ان کو اطلاع ہو جائے کہ پیغمبر اسلام غار میں چھپے ہوئے ہیں۔ جواب۔ اس سے بڑھ کر بے ہودہ اعتراض اور کیا ہو سکتا ہے کیا علیم و خبیر کو بھی یہ خبر نہ تھی کہ رسول علیہ السلام کو مصاحب ابوبکر دیا گیا اور رسول بھی اس بات سے ناآشنا تھے کہ ابوبکر اللہ سے اندر سے دشمنی رکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ابوبکر نہ روئے نہ چلائے البتہ گھبراہٹ پیدا ہوئی کہ محبوب دو جہاں خدا کے پیارے رسول کو کافر تکلیف نہ پہنچائیں۔ حزن اپنے لئے نہیں ہوتا بلکہ کسی دوسری چیز یا شخص کے لئے ہوتا ہے۔ جیسے وابیضت عیناہ من الحزن۔ غرض جو اپنی ذات کے لئے گھبراہٹ ہو اس کو خوف سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو دوسرے کے لئے ہو اسے حزن کہتے ہیں۔

اعتراض۔ انزل اللہ سکینتہ علیہ میں علیہ کی ضمیر رسول کی طرف راجع ہے نہ کہ ابوبکر کی طرف جیسا کہ آیت الا تنصروہ میں باقی ضمائر کے مرجع بھی رسول کریم ہیں۔

جواب۔ جب شیعہ تسلیم کرتے ہیں کہ گھبراہٹ رسول پاک کو نہیں بلکہ ابوبکر صدیق کو تھی اور اسی لئے لا تحزن محض ان کی تسکین کے لئے فرمایا گیا تو پھر سکینہ (جس کے معنی ہی تسکین ہے) رسول پر اتارنے کی کیا ضرورت تھی؟

اعتراض۔ ابوبکر کا آنحضرت کو اپنے کندھے پر اٹھانے کا قصہ غلط معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ بیت الحرام سے بت توڑنے کے وقت جب اسد اللہ الغالب (ع) نے درخواست کی تھی کہ حضور میرے کاندھے پر سوار ہوں تو آنحضرت نے فرمایا تھا کہ تم گرانبار نبوت کو کیسے برداشت کر سکتے ہو۔

جواب۔ یہ مشیت ایزدی ہے کہ ایک وقت ایک بڑا توانا شخص سے ایک کام نہ ہو سکے تو دوسرے وقت میں وہی کام ایک ضعیف و نحیف آدمی سے ہو سکے جیسا کہ آیت انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوٰت والارض فابین ان یحملنہا وحملہا الانسان گرانبار امانت کو برداشت کرنے کی طاقت آسمان اور زمین کو باوجود اس عظمت کے نہ ہو سکی لیکن اس کو ایک ضعیف مخلوق انسان نے قبول کر لیا۔ پھر وہی خدا اگر وہ کام جو اسد اللہ نہ کر سکے۔ صدیق اکبر کو اس کے کرنے کی توفیق بخش دے۔ تو اسکو کون روک سکتا ہے۔

اعتراض۔ اندھیری رات کو تاریک غار میں ابوبکر کو سوراخ کس طرح نظر آئے جن کو بند کرتا پھرا۔

جواب۔ یہ ضروری نہیں کہ چند میل مسافت کے بعد غار ثور تک پہنچنے کے وقت بھی تاریکی شب موجود تھی بلکہ

وہاں پہنچنے تک صبح کی روشنی کا وقت ضرور ہو گیا ہو گا نیز اگر شیعہ معترضین کو اس بات کا بھی اعتقاد ہو کہ چہرۂ انور رسول اقدس وہ سراج منیر تھا کہ اس کی نورانی شعاعوں کے سامنے آفتاب کی روشنی بھی ہیچ تھی۔ اس شمع انور کی موجودگی میں بھی ابوبکر کو سوار نظر آتے ہوں۔ امید ہے کہ اب معترض کی تسلی ہو گئی ہو گی۔ انتہی ملخصاً (آفتاب ہدایت ص۸۱ تا ص۹۲)

الجواب —

نالۂ بلبل شیدا تو سنا ہنس ہنس کر
اب جگر تھام کے بیٹھو مری باری آئی

مخالفین کا طریقہ استدلال

قدیم الایام سے اہل خلاف اس آیت مبارکہ سے تین طرح سے فضیلت ابوبکر پر استدلال کیا کرتے تھے (جو اگرچہ فی نفسہ تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ جیسا کہ عنقریب واضح ہو گا ان شاء اللہ) (۱) ابوبکر کو صاحب رسول کہا گیا ہے (۲) آنحضرتؐ نے ابوبکر کو اپنے ساتھ شامل کر کے فرمایا ہے ان اللہ معنا۔ خدا ہمارے ساتھ ہے (۳) خدا نے ابوبکر پر سکینہ نازل کیا۔ اگر مولوی کرم الدین آف بھیں نے ایک چوتھے طرز استدلال کا اضافہ کیا ہے کہ (۴) حبیب خدا نے اپنے رفیق سفر سے فرمایا لاتحزن۔ حزن نہ کر۔

لطیفہ

مولوی صاحب کا یہ طرز استدلال دیکھ کر ہمیں ایک لطیفہ یاد آ گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ کسی عمر رسیدہ آدمی کی کسی بڑے دربار میں گالیاں دے کر توہین کی گئی۔ مگر اس کی کم عقل اولاد اس بات پر فخر و مباہات کیا کرتی تھی کہ ہم اس بزرگ کی اولاد ہیں جس کی فلاں بڑے دربار میں بے عزتی کی گئی تھی۔

بلاتشبیہ یہی کیفیت ابوبکر اور ان کے مداح خاص مولوی کرم الدین صاحب کی ہے۔ اس بے چارے سفید ریش بزرگ کو بچوں کی طرح بارگاہ نبوی سے سرزنش کی جا رہی ہے کہ چپ بھی کرو، رو رو کر کیوں مغز کھا گئے ہو۔ مگر ان کے نادان دوست ان کی اس رسوائی پر فخر و ناز کر رہے ہیں۔

ع — بریں عقل و دانش بباید گریست

مؤلف کی روش پر تبصرہ

مؤلف نے اپنے نامۂ اعمال کی طرح یہاں پورے چودہ صفحے سیاہ کر ڈالے ہیں اور اس طول لاطائل میں کام کی ایک بات بھی نہیں کہی۔ وہی طرز استدلال ہے جس کے بیسیوں مرتبہ اہل حق کی طرف سے دندان شکن جوابات دیئے جا چکے ہیں۔ یا پھر فرضی اعتراضات قائم کر کے یا بعض عوام الناس کی زبان سے سن کر اور ان کے جوابات میں زور بیان صرف کر کے کتاب کے صفحات بڑھائے گئے ہیں۔ حالانکہ ان میں سے بعض اعتراضات ایسے بودے و کمزور ہیں کہ کوئی اہل علم ایسے اعتراض کر ہی نہیں سکتا۔ بہرکیف ہم تمام پرانے اور نئے طرز استدلال کے شافی و کافی جوابات اور مؤلف کے فرض کردہ اعتراضات شیعہ کے جوابوں کے جوابات پیش کر کے اہل عقل و خرد کو دعوت فکر دیتے ہیں کہ بغیر جانبداری سے غور و فکر کر کے یہ فیصلہ کریں کہ اس آیت سے ابوبکر کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ یا ان کی فضیحت و رسوائی ظاہر ہوتی

ہے؟ اور یہ کہ آیا اس آیت میں فضائل ابوبکر کے ستارے چمک رہے ہیں۔ یا ان کے رذائل کے انگارے دہک رہے ہیں۔

اس امر کی تحقیق کہ سفر ہجرت میں آنحضرت باامر الٰہی ابوبکر کو ہمراہ لے گئے تھے یا وہ خود گئے تھے؟ جیسا کہ مولوی صاحب نے یہاں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آنحضرت نے باامر الٰہی خود ابوبکر صاحب کا انتخاب کیا تھا ہمیشہ اہل خلاف اس امر کو ثابت کرنے کے لئے ایڑھی چوٹی کا زور صرف کیا کرتے ہیں۔ مگر افسوس بقول شخصے

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی

تاریخی حقائق سے اس امر کی تائید نہیں بلکہ تردید ہوتی ہے۔ اور یہ واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت نے اس سفر ہجرت کیلئے نہ ابوبکر صاحب سے کوئی مشورہ لیا تھا اور نہ ہی اس خفیہ سفر میں ان کو ہمراہ لے جانے کا کوئی پروگرام مرتب کیا تھا بلکہ آنجناب تو باامر الٰہی اپنے برادر خورد حضرت علی کو اپنے بستر پر سلا کر تنہا اس اہم سفر پر روانہ ہوئے۔ مگر جب ابوبکر کو کسی طرح آپ کے اس سفر کی اطلاع ہوئی تو (خدا معلوم کس قصد سے راستہ میں آنحضرت سے جا ملے اور ہمراہ چلنے کی خواہش ظاہر کی۔ اور آنحضرت نے (خواہ افشائے راز کے خوف سے یا کسی اور مصلحت سے) ان کو واپس نہ لوٹایا بلکہ ہمراہ ہی رکھا۔ ذیل میں چند تاریخی حوالجات پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) تفسیر در منثور ج ۳ صفحہ ۲۴۳ طبع مصر۔ خصائص نسائی طبع مصر صفحہ ۴ مترجم اردو طبع لاہور صفحہ پر ہے کہ شب ہجرت ابوبکر آنحضرت کے دولت سرا پر حاضر ہوئے۔ حضرت علی چادر رسول اوڑھ کر بستر رسول پر دراز تھے۔ انہوں نے علی کو نبی سمجھ کر کہا یا رسول اللہ! حضرت علی نے فرمایا وہ تو چاہ میمون کی طرف چلے گئے ہیں۔ چنانچہ ابوبکر انکے پیچھے گئے اور راستہ میں جا ملے۔ حتی کہ پھر غار ثور میں داخل ہوئے (کذا فی ازالۃ الخفا مقصد ۲ صفحہ ۲۶۶) (۲) کنز العمال ج ۸ صفحہ ۳۳۴ میں باسناد ابی نعیم ابن عباس سے مروی ہے کہ شب ہجرت حضرت علی چادر نبی اوڑھ کر بستر رسول پر سوتے تھے اور کفار و مشرکین ان کو رسول سمجھ کر پتھر مار رہے تھے۔ اچانک ابوبکر آئے اور کہا یا رسول اللہ! حضرت امیر نے چادر سے سر نکال کر فرمایا وہ تو بئر میمون کی طرف تشریف لے گئے۔ چنانچہ ابوبکر ان کے پیچھے گئے اور پھر ان کے ہمراہ غار میں داخل ہوئے (۳) تفسیر در منثور ج ۳ صفحہ ۲۴۰ میں بروایت ابن مردویہ و ابن نعیم فی الدلائل ابن عباس سے منقول ہے کہ جب رات کے وقت آنحضرت غار کی طرف تشریف لے جا رہے تھے اور پیچھے سے ابوبکر پہنچے تو رسول خدا نے ان کی آہٹ محسوس کر کے خیال کیا شاید کفار میں سے کوئی کافر ہے جو میری تلاش میں آپہنچا ہے۔ اس لئے آنحضرت نے تیز تیز قدم اٹھائے یہ معلوم کر کے ابوبکر کی نے آنحضرت پہچان کر ٹھہر گئے۔ یہاں تک کہ ابوبکر جا ملے اور پھر دونوں غار میں گئے (۴) تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۴۴ و سیرۃ حلبیہ ج ۲ صفحہ ۳۳ میں در منثور کی سابقہ روایت کی طرح مرقوم ہے۔ مگر ان میں یہ اضافہ ہے کہ جب آنحضرت نے ابوبکر کی آہٹ محسوس کی تو ان کو کوئی کافر و مشرک سمجھ کر اس قدر تیز تیز چلے کہ جوتے کا تسمہ ٹوٹ گیا جس کی وجہ سے پائے

اقدس کا انگوٹھا زخمی ہوگیا۔ یہاں تک کہ ابوبکر نے آواز دی تب آنحضرتؐ نے ان کو پہچان کر توقف کیا اور پھر ہمراہ لے گئے۔

قرآن مجید سے بھی اسی مطلب کی تائید مزید ہوتی ہے۔ ارشاد ہے اذ اخرجہ الذین کفروا (جبکہ کفار نے رسول کو مکہ سے نکالا) اخرجہ میں واحد کی ضمیر بتلا رہی ہے کہ کفار نے صرف رسولِ خدا کو نکالا تھا۔ اگر کوئی اور نکلا ہے تو وہ خود بخود نکلا ہے۔ اس سے اس بات کا اعلان واضح و عیاں ہو جاتا ہے کہ کفار کو صدیق سے وہی عداوت تھی جو رسول پاک سے تھی؟

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

ان حقائق کی روشنی میں ان آثار کا جعلی ہونا آشکار ہوگیا۔ جن میں آنحضرتؐ کا ابوبکر کو یا مراہی ہمراہ لے جانا بڑے طمطراق سے بیان کیا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ آثار ابوبکر صاحب کے بعض مریدانِ باصفا کی ایجاد و اختراع ہیں۔ علاوہ بریں اصول مناظرہ کی بنا پر مخالفین کی روایات ہمارے خلاف حجت نہیں ہو سکتیں۔ کما لا یخفی۔

تفسیر عسکری والی روایت کا جواب

جہاں تک تفسیر منسوب بہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی روایت کا تعلق جس سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ کاروائی بحکم ایزدی عمل میں لائی گئی۔ یہ احتجاج بوجوہ غلط ہے۔ اولاً محققین علمائے شیعہ کے نزدیک اس تفسیر کا استناد امام علیہ السلام کی طرف صحت کی حد تک نہیں پہنچا بلکہ علامہ شیخ جواد بلاغی نے اپنی مشہور تفسیر آلاء الرحمن کے مقدمہ میں قطعی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اس تفسیر کی نسبت امام حسن عسکری کی طرف بالکل غلط ہے اس لئے علماء اعلام اسکے مندرجات کی جب تک دوسرے مصادر و مآخذ شرعیہ سے مطابقت نہ کر لیں۔ اس وقت تک اس کے متفردات پر اعتماد نہیں کرتے۔ اور چونکہ یہ روایت بھی اسی کتاب کے متفردات میں سے ہے جس کی تائید دیگر ارشادات معصومین سے نہیں ہوتی اسلئے وہ ناقابل اعتبار ہے۔

ثانیاً قطع نظر امر اول کے اگر اس روایت پر معمولی سا غور کیا جائے تو اس سے بجائے ابوبکر کی فضیلت کے الٹا اس کی مذمت ثابت ہوتی ہے۔ اگرچہ مؤلف نے بڑی دلیری سے ترجمہ میں بددیانتی کی ہے مگر پھر بھی وہ بعض جملوں کا صحیح ترجمہ کر گئے ہیں جس سے ابوبکر کی پوزیشن بالکل مشتبہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ ابتدائی جملے یہ ہیں فلانک انسان ساعدک وازرک وثبت علی تعاهدک وتعاقدک کان فی الجنۃ من رفقائک جس کا ترجمہ مولوی کرم الدین صاحب نے یوں کیا ہے "اگر وہ موافقت و موانست کرے اور اپنے عہد پر قائم رہے تو جنت میں بھی تیرے ساتھ ہوگا" (آفتاب صفحہ ۱۳۳) یہ حرفِ شرط ہی ابوبکر کے اظہار ہمدردی و موافقت کو مشتبہ بنا رہا ہے۔ مدعا ظاہر ہے کہ اگر وہ فی الواقع مخلص ہوتے تو یہ حرفِ شرط نہ لگائے جاتے۔ بعد ازاں یہ لکھا ہے کہ جب آنحضرتؐ نے ابوبکر کو بلا کر ان سے ماجرا بیان کیا اور انہوں نے بڑا حوصلہ افزا جواب دیتے ہوئے اپنے جذبہ جاں نثاری کا اظہار کیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا ان اطلع اللہ علی قلبک ووجد ما فیہ موافقا لما جری علی لسانک جعلک منی بمنزلۃ السمع والبصر جس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اگر خدا تیرے دل پر مطلع ہوا اور اسے تیرے زبانی اقرار کے مطابق

پایا تو وہ تجھے بمنزلہ میرے کان اور آنکھ کے بنا دے گا"۔ ایک مخصوص گروہ کی خدا نے قرآن میں یہ علامت بیان کی ہے۔ واذا رأیتهم تعجبك اجسامهم وان یقولوا تسمع لقولهم۔ اگر ان کی ظاہری وضع قطع کو دیکھا جائے تو بھلی معلوم ہوتی ہے اور جب اپنی چکنی چپڑی باتیں کرتے ہیں تو سننے پر طبیعت آمادہ ہوتی ہے مگر اندر سے کھوکھلے ہوتے ہیں (کانهم خشب مسندة) یقولون بافواههم مالیس فی قلوبهم۔ منہ سے وہ بات کہتے ہیں جو دل میں نہیں ہوتی۔ اسلئے پیغمبر اسلام نے حرف شرط لگا کر ان صاحب کی باتوں کو مشکوک بنا دیا اور بڑا بلیغ اشارہ فرمایا کہ تم اسی گروہ سے ہو جو صرف اپنی باتوں سے دوسروں کا من موہ لیتے ہیں۔ اگر وہ مخلص ہوتے تو آنحضرتؐ اس طرح انکے جذبۂ فداکاری کے اظہار کو مشتبہ نہ بناتے۔ مگر ان الفاظ کا ترجمہ ہمارے مولوی کرم الدین صاحب نے یوں کیا ہے "تحقیق اللہ تعالیٰ تیرے دل پر مطلع ہوا اور تیرے دل کو تیری زبان کے مطابق پایا بالیقین خدا نے تجھے بمنزلہ میرے سمع و بصر کے گردانا" (صـ۲۷۸) تو گویا موصوف نے "ان" کو (جو کہ حرف شرط ہے) "انّ" پڑھا جو کہ حرف مشبہ بفعل ہے۔ بہرحال اگر مولوی صاحب موصوف نے فی الواقع ایسا ہی سمجھا ہے تو پھر اپنے علم و فضل کا جنازہ نکالا ہے کیونکہ علم نحو کے مبتدی طلبہ بھی جانتے ہیں کہ انّ جو حرف مشبہ بفعل ہے اور تحقیق کے معنی میں آتا ہے۔ وہ فعل پر داخل نہیں ہوتا بلکہ اسم پر داخل ہوتا ہے اور یہاں ان کے بعد فعل ماضی اطلع موجود ہے جو اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ یہ "ان" حرف شرط ہے اور یہ جملہ شرطیہ ہے۔ اور جعلك منی بمنزلة السمع والبصر اسکی جزا ہے کما لا یخفی علی اولی النہی۔ اور اگر اسے مخففہ عن المثقلہ قرار دیا ہے تو یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ اسمیں دو باتوں کا ہونا لازم ہے۔ ایک یہ کہ اسکے بعد افعال مفید علم و ظن یعنی افعال ناقصہ یا افعال شک و یقین ہوں دوسرے یہ کہ اس کی خبر پر لام داخل ہو۔ جیسے ان نظنك لمن الکاذبین۔ وان کانت لکبیرة الا علی الخاشعین (ملاحظہ ہو شرح متین صـ۲۷) اور یہاں ایسی کوئی بھی چیز موجود نہیں ہے۔ اور اگر یہ کارروائی عمداً کی ہے۔ تو پھر اپنی دیانت و امانت کا بھانڈا چوراہے پر پھوڑا ہے۔ سچ ہے حب الشیء یعمی ویصم کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے۔ یہ لوگ اصحاب ثلاثہ کی محبت میں کچھ ایسے اندھے اور بہرے ہو گئے ہیں کہ نہ حق کو دیکھتے ہیں اور نہ حق بات پر کان دھرتے ہیں۔ صم بکم عمی فهم لا یرجعون۔ فی قلوبهم مرض فزادهم اللّٰہ مرضا۔

بایں ہمہ پھر بھی شیعوں کو بد اندیش قرار دیتے ہوئے یہ شعر لکھتے ہیں۔

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد ٭ عیب نماید ہنرش در نظر

اسے کہتے ہیں چوری اور پھر سینہ زوری ع چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

آپ ہی اپنے جور و جفا پہ ذرا غور کریں ٭ ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

حملہ حیدری والی نظم کا جواب

اور جہاں تک کتاب حملہ حیدری کی نظم کا تعلق ہے اگرچہ مؤلف نے اسے شیعہ کی بڑی مستند کتاب کہہ کر سادہ لوح عوام کو غلط

ثابت کر دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔ مگر اربابِ نظر جانتے ہیں کہ حملہ حیدری کا مولف وناظم نہ محدثین شیعہ میں سے ہے اور نہ علماء و مجتہدین میں سے بلکہ وہ صرف فردوسی کی طرح شیعی المذہب شاعر ہے۔ ظاہر ہے کہ شعرائے کرام کو علمی تحقیقات اور فنی موشگافیوں سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔ ان کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ تاریخ میں جو رطب و یابس دیکھا اسے شعری قالب میں ڈھال دیا۔ تذکرہ شعراء کی کتب بالخصوص کتاب مآثر الامراء سے معلوم ہوتا ہے کہ حملہ حیدری کا مولف عالمگیر جیسے متعصب سنی بادشاہ کے دور میں قلعہ گوالیار کا کلید دار تھا۔ اس بادشاہ کے وقت شیعہ بڑی تکلیف میں مبتلا تھے۔ لہذا جب مصنف حملہ حیدری نے حضرت امیر علیہ السلام کے جنگی کارناموں کو نظم کرنا شروع کیا تو اس سلسلہ میں جو کچھ کتب اہلسنت جیسے مدارج و معارج النبوۃ وغیرہ میں درج تھا اسے نظم کا جامہ پہنا دیا اور بموجب دروغ بر گردنِ راوی یہ کہہ کر کذب بیانی سے اپنی گلو خلاصی کرا لی کہ ؏

من از گفتِ راوی بیاں می کنم ⁂ جو ابیش برو گفتہ گر بیش و کم

میں تو صرف راوی کا بیان نقل کرتا ہوں۔ اگر اس نے (اصل واقعہ میں) کچھ کمی بیشی کی ہے تو اس کا ذمہ دار وہ ہے۔

ایسے حالات کسی مطلب کے اثبات میں ایسی کتاب کو شیعہ کی بڑی مستند کتاب کہہ کر پیش کرنا اور اس کے مندرجات کو ہمارے خلاف استعمال کرنا انتہائی حماقت یا بدفریبی ہے۔ یا پھر محتاط سے محتاط الفاظ میں انتہائی بے انصافی ہے۔ ضرورت پڑنے پر اپنی صحیح بخاری کی صحت سے بھی انکار کر دینا اور ہماری کتاب شاعری کو بڑی مستند کتاب قرار دینا کہاں کا انصاف ہے؟

اعدلوا ھو اقرب للتقوی ان اللہ یحب المقسطین۔ جب ان دو نوں کتابوں اور ان کے مندرجات کی حقیقت واضح ہو گئی تو ان کے مندرجات پر مولف نے جو تفریعات قائم کی تھیں وہ بموجب بناء الفاسد علی الفاسد خود بخود ساقط عن الاعتبار ہو گئیں۔ سچ ہے۔

؎ خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج ⁂ تا ثریا مے رود دیوار کج !!!

لفظ صاحب کی حقیقت کا انکشاف

پرستارانِ ثلاثہ آیت میں وارد شدہ لفظ "لصاحبہ" پر بڑا زور دیا کرتے ہیں کہ اس میں ابوبکر صاحب کو رسول کا صاحب کہا گیا ہے۔ حالانکہ اگر معمولی فکر و انصاف سے کام لیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس لفظ میں قطعاً کوئی فضیلت نہیں ہے۔ لغت عرب میں صاحب (جس کی جمع صحب واصحاب وصحبہ وصحاب وصحبان وصحابہ وصحابہ ہے) کے معنی ہیں ملازم (کسی چیز کو لازم پکڑنے والا) معاشر (کسی چیز سے میل جول رکھنے والا) اور جب کہا جائے کہ "صاحب امر الملک" تو اس کے معنی وزیر کے ہوتے ہیں اور جب صاحب الشئی کہا جائے تو اس کے معنی مالک شئی کے ہوتے ہیں (ملاحظہ المنجد صفحہ طبع بیروت)

قارئین کرام نے ملاحظہ فرمایا کہ صاحب اسے کہا جاتا ہے جو کسی کے ہمراہ ہو اور اس سے میل جول رکھتا ہو۔

اس میں یہ کوئی شرط نہیں کہ وہ مسلمان ہو یا کافر، مخلص ہو یا منافق۔ عالم ہو یا جاہل، عاقل ہو یا احمق، نیک ہو یا بد، جنتی ہو یا جہنمی بلکہ اس میں تو یہ بھی کوئی قید نہیں کہ انسان ہو یا حیوان۔ اور پھر حیوان سے تو بیل ہو یا گدھا۔ چنانچہ شاعر عرب کہتا ہے ؎

ان الحمار مع الحمار مطیۃ ٭ واذا خلوت بہ فبئس الصاحب

یعنی ویسے تو گدھا اچھی سواری ہے۔ مگر جب خلوت ہو (اور وہ دولتیاں مارنے پہ آجائے) تو بہت برا صاحب (ساتھی) ہے۔ یہاں گدھے پر لفظ صاحب کا اطلاق کیا گیا ہے۔ مقام عبرت و تدبر ہے۔

آیت فنادوا صاحبہم فتعاطی فعقر۔ یعنی قوم ثمود نے اپنے صاحب (ساتھی قدار) کو بلایا اس نے (ناقہ صالح کی) کونچیں کاٹ دیں (پ ۲۷ س قمر ع ۹) یہاں ہر دو فریق (صاحب و مصحوب) کافر ہیں۔ اسی طرح آیت مبارکہ فقال لہ صاحبہ وھو یحاورہ اکفرت بالذی خلقک من تراب۔ اس (مومن) نے اپنے ساتھی (کافر) سے کہا۔ تو نے اس ذات کا انکار کیا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا۔ یہاں کافر کو مومن کا صاحب قرار دیا گیا ہے۔ اولئک اصحاب الجنۃ ھم فیہا خالدون۔ وہ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ لا یستوی اصحاب النار واصحاب الجنۃ جہنمی اور جنتی برابر نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح رسول خدا کو کفار کا صاحب کہا گیا ہے۔ وما بصاحبکم من جنۃ۔ تمہارے صاحب (محمدؐ) کو کوئی جنون نہیں ہے۔ "انہی حقائق کی بنا پر تو ہمارے مولوی صاحب نے بادل ناخواستہ یہ تسلیم کر لیا ہے کہ صرف صاحب کے لفظ کی فضیلت نہیں بلکہ یہ فضیلت مضاف الیہ (رسول) کی مبارک نسبت سے پیدا ہوتی ہے۔" (آفتاب ص ۸۹) اسے کہتے ہیں۔ ؎

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

اگر مولوی صاحب تھوڑی اور فراخدلی سے کام لیتے اور تھوڑا سا غور و فکر فرماتے تو ان کو یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا کہ اس مبارک نسبت سے بھی کچھ نتیجہ نہیں آتا۔ جب تک اپنے پاس دولت ایمان و اخلاص نہ ہو۔ قطع نظر اس سے کہ وہ کون لوگ تھے؟ اتنا تو ہمارے مولوی صاحب مانتے ہیں کہ بزم رسول میں آپ کے پاس بیٹھنے والوں میں منافق بھی تھے۔ (اذا جاءک المنافقون قالوا نشہد انک لرسول اللہ۔ ومن اہل المدینۃ مردوا علی النفاق وغیرہ آیات ۔۔۔ ہوں)۔ آنحضرت فرمایا کرتے تھے کہ ان فی اصحابی منافقین۔ میرے پاس بیٹھنے والوں میں کچھ منافق بھی ہیں (تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۔۔۔) تو کیا ان منافقین کو یہ مبارک نسبت کچھ فائدہ دے گی؟ حاشا وکلا!

اور اگر اس بات پر اصرار ہو کہ نبی کی طرف کافر کی نسبت قرآن سے دکھائی جائے تو یہ ارشاد ربانی کافی ہے۔

یا صاحبی السجن ءارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار (پ ۱۲ س یوسف ع ۵) اے قید خانہ کے رفیقو! کیا جدا جدا معبود بہتر ہیں یا اللہ اکیلا غالب بہتر ہے (ترجمہ شاہ رفیع الدین) اے یاران مجلس زندان! (دیکھو تو سہی کہ جدا جدا بہت سے معبود اچھے ہیں یا خدائے یگانہ و زبردست" (ترجمہ مولوی نذیر احمد دہلوی)

ایک تاویل علیل کا جواب

اس مقام پر مؤلف کی یہ تاویل کہ قرآن میں "صاحبی یوسف" نہیں بلکہ "صاحبی السجن" مذکور ہے۔ وہ ہر دو صاحب السجن (جیل کے رہنے والے قیدی) تھے صاحب الرسول کہلانا اور چیز ہے اور صاحب السجن اور شئی (آفتاب صفحہ ۹۹) بالکل علیل اور محاورات عرب سے انکی ناواقفیت کی روشن دلیل ہے۔ ورنہ ارباب علم جانتے ہیں کہ یہاں صاحب کی اضافت سجن کی طرف اسی طرح مجازی ہے جسطرح "سارق اللیل" میں سارق کی اضافت لیل کی طرف۔ تو کیا سارق اللیل کا ترجمہ مولوی صاحب یہ کریں گے "رات کے چرانے والا" یا یوں کریں گے۔ "رات کے وقت چوری کرنے والا" یقیناً آخری ترجمہ ہی صحیح ہے۔ رات کی طرف سرقہ کی نسبت مجازاً صرف اس لئے دی گئی ہے کہ وہ سرقہ (چوری) کیلئے ظرف ہے یعنی رات میں چوری واقع ہوئی۔ ورنہ ظاہر ہے کہ خود رات مسروقہ مال نہیں۔ بعینہ یہی کیفیت "یا صاحبی السجن" کی ہے۔ وہ ہر دو کافر ساتھی تو جناب یوسف کے ہی تھے۔ مگر چونکہ یہ صحبت و ہمنشینی قید خانہ میں ہوئی تھی۔ بایں طور کہ صاحب ہر دو کافر اور مصحوب حضرت یوسفؑ اور مصحوب فیہ (جہاں صحبت رہی) قید خانہ۔ بدیں وجہ صاحب کی نسبت سجن کیطرف دیدی گئی۔ مطلب یہ ہوا کہ اے قید خانہ میں میرے ساتھیو! اگر اب بھی تسلی نہ ہوئی ہو تو آئیے آپ کے بعض نامور مفسرین کی تصریحات پیش کردیں۔

علامہ فخر الدین رازی اپنی تفسیر کبیر ج ۵ صفحہ ۱۳۰ طبع مصر میں لکھتے ہیں یریدیا صاحبی فی السجن یعنی حضرت یوسف کی مراد یہ ہے کہ اے قید خانہ میں میرے دو ہمراہیو۔ ایسا ہی تفسیر ابو السعود مطبوع برحاشیہ تفسیر کبیر ج ۴ صفحہ ۱۷۹ اور تفسیر کشاف علامہ زمخشری ج ۱ صفحہ ۲۳۱ میں مرقوم ہے (ای صاحبی فی السجن)

خوشتر آن باشد کہ سر دلبراں ؎
گفتہ آید در حدیث دیگراں

ثانی اثنین کے ساتھ تمسک کا جواب

محبان ثلاثہ اس بات پر بے حد اترایا کرتے ہیں کہ خدا نے اس آیت میں ابوبکر کو ثانی رسول (ثانی اثنین) فرمایا ہے اور یہ ایک بڑی فضیلت ہے۔ اسے کہتے ہیں ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ بھلا اسمیں فضیلت کی کیا بات ہے ثانی اثنین کا ترجمہ ہے "دو میں کا دوسرا" مطلب یہ کہ غار میں آنحضرت تنہا نہ تھے بلکہ ایک اور شخص بھی ان کے ہمراہ تھا۔ خود مولوی صاحب نے اس لفظ کا ترجمہ یہ کیا ہے "کہ وہ دوسرا تھا دو میں سے" (آفتاب صفحہ ۸۱) یہ علم الاعداد کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ جب کہیں دو آدمی ہوں گے تو ہر ایک کو ثانی اثنین کہیں گے۔ اور اگر تین ہوں گے تو ہر ایک کو ثالث ثلاثہ "تین میں کا تیسرا" و علی ھذا القیاس۔ خواہ ایک آقا ہو اور دوسرا غلام یا ایک ملک پاک اور دوسرا سگ ناپاک، ایک اندھا ہو اور دوسرا بینا آدمی۔ اس کی کوئی قید نہیں۔ اور اگر

اور اگر حضرات کو لفظ ثانی سے دھوکا لگا ہے کہ وہ کبھی مماثلت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے "زید ثانی اسد" تو یہ خیال بالکل محال ہے۔ کیونکہ جب اس لفظ کے یہ معنی مراد ہوں تو پھر اس لفظ (ثانی) کو اس چیز کی طرف اضافت دی جاتی ہے جس سے مشابہت دینا مقصود ہو جیسے "زید ثانی اسد" کہ زید شیر کا ثانی ہے اور یہاں ثانی کی اضافت ہے اثنین کی طرف تو بنا بریں معنی یہ ہوں گے وہ مشابہ ہے دو سے اور یہ بالکل مہمل و بے معنی سی بات ہے۔ علاوہ بریں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اسی مقام پر خدائے حکیم نے لفظ ثانی آنحضرتؐ کے لیے استعمال فرمایا ہے اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذھما فی الغار۔ جبکہ نکالا کافروں نے رسول کو۔ وہ غار میں دو میں کے دوسرے تھے۔ تو اگر یہاں ثانی کے معنی مشابہ و مماثل کے ہوں تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ رسول ابو بکر کے مماثل ہیں۔ رسول مشبہ اور ابو بکر مشبہ بہ قرار پائیں گے اور چونکہ یہ مسلم ہے کہ مشبہ بہ مشبہ سے اقوی ہوتا ہے (جیسے "زید کالاسد" کہ زید مثل شیر کے ہے مگر شیر قوی ہے زید سے) تو اس سے لازم آئے گا کہ ابو بکر جناب رسول خدا سے بھی افضل ہوں۔ ولم یقل بہ احد من المسلمین فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ان اللہ معنا سے استدلال کا جواب

مداحان ثلاثہ بڑے طمطراق سے فقرہ ان اللہ معنا سے ابو بکر کی فضیلت ثابت کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں کہ رسول خدا نے فرمایا کہ خدا تیرے اور میرے ساتھ ہے۔ اور چونکہ بنص آیت ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون خدا کی معیت صرف متقین اور محسنین کو ہی نصیب ہوتی ہے اس سے ثابت ہے کہ ابو بکر متقی و محسن ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس جملہ سے بھی ابو بکر کی بجائے فضیلت کے فضیحت ثابت ہوتی ہے۔ سچ ہے۔

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

معیت کی دو قسمیں ہیں (۱) معیت جسمانی (۲) معیت روحانی۔ پھر اس معیت روحانی کی چند قسمیں ہیں معیت فی التائید معیت فی النصرۃ معیت فی العلم۔ معیت فی القدرۃ معیت فی الاجر والثواب۔ معیت جسمانی تو جسموں میں ہوتی ہے اور خدا جسم و جسمانیت سے منزہ ہے۔ لہذا وہ تو یہاں مراد ہو ہی نہیں سکتی۔ اسی طرح معیت فی الاجر والثواب یہاں مراد نہیں لی جا سکتی۔ کیونکہ یہ آخرت میں ہوگی نہ کہ دنیا میں۔ باقی رہی معیت روحانی اور اس کی قسمیں تو معیت فی التائید والنصرۃ اہل تقویٰ کے شامل حال ہوتی ہے جیسا کہ آیت ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون کا مفاد ہے۔ لیکن جہاں تک معیت فی العلم والقدرۃ کا تعلق ہے یہ کفار و مشرکین کو بھی حاصل ہے۔ ارشاد قدرت ہے۔ ما یکون من نجوی ثلاثۃ الا ھو رابعھم ولا خمسۃ الا ھو سادسھم ولا ادنی من ذالک ولا اکثر الا و ھو معھم (پ س ع) جہاں

بھی تین آدمی سرگوشی کرتے ہیں خدا ان میں کا چوتھا ہوتا ہے اور جہاں پانچ ہوتے ہیں خدا چھٹا ہوتا ہے یا اس سے کم و بیش ہوتے ہیں خدا ضرور ان کے ساتھ ہوتا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرماتا ہے۔ وھو معکم این ما کنتم (پ ۲۷ س حدید ع ۱) تم جہاں کہیں بھی ہو وہ (خدا) تمہارے ساتھ ہے۔ بالغرض علم و قدرت کے لحاظ سے خدا ہر نفس کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسکا ارشاد ہے نحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ ہم انسان کی رگِ حیات سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ لہٰذا عین ممکن ہے کہ یہاں اس معیت سے یہی علم و قدرت (والی معیت) مراد ہو؟ اور اگر معیت فی التائید والنصرۃ مراد لی جائے تو پھر قابلِ غور امر یہ ہے کہ معنا کی ضمیر متکلم سے مراد کون ہیں؟ عین ممکن ہے کہ بطور اطلاق جمع بر واحد یہاں صرف رسولِ خدا مقصود ہوں۔ جیسا کہ کلام مجید میں "انا" اور "نحن" جمع کے صیغے صرف ذات پروردگار کیلئے استعمال ہوئے ہیں اور یہ اطلاق اہلِ عربیت کے نزدیک جائز ہے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اسی آیت میں اس جملہ کے بعد ہے۔ وایدہ بجنود لم تروھا۔ خدا نے اپنے رسولؐ کی نصرت کی ایسے لشکروں سے جن کو تم نہیں دیکھتے تھے معلوم ہوا کہ یہ تائید و نصرت صرف رسول کی تھی نہ کہ ابوبکر کی۔

اور اگر یہ بھی تسلیم نہ ہو تو ممکن ہے آنحضرتؐ کے ساتھ حضرت امیر علیہ السلام شامل ہوں اور بعض اخبار سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ ازالۃ الخفا میں ہے (علی ما نقلہ فی رجم الجمرات) کہ جناب ابوبکر صاحب رو رہے تھے آنحضرتؐ نے رونے کا سبب پوچھا انہوں نے کہا میں اپنے لئے تھوڑا رو رہا ہوں۔ مجھے تو علی کی فکر ہے کہ دشمن ان کو قتل کر دیں گے یہ سنکر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ ان اللہ معنا۔ تم ہماری فکر نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔

علاوہ ازیں ان کی گھبراہٹ شانِ اہلِ ایمان کے خلاف ہے۔ وہ ہر شدت و راحت میں خدا پر بھروسہ کرتے ہیں۔ وعلی اللہ فلیتوکل المومنون اور اگر اس سے بھی قطع نظر کر لی جائے۔ اور ابوبکر کو بھی اس میں شامل کیا جائے تب بھی اتنا تو مخالف بھی تسلیم کرے گا کہ آنحضرتؐ مقصود بالذات اور ابوبکر بالتبع و بالعرض ہیں۔ تو اس سے زیادہ سے زیادہ ان کا طفیلی ہونا ثابت ہوگا۔ اور یہ کوئی فضیلت نہیں ہے۔ بنابریں جب تک ان تمام احتمالات کا سدباب نہ ہو جائے۔ اس وقت تک اس فقرہ سے ابوبکر کی فضیلت ثابت کرنا ممکن نہیں ہے۔ اور ان کا سدباب اس وقت تک نہیں ہو سکتا۔ حتی یلج الجمل فی سم الخیاط۔ (جب تک سوئی کے ناکہ سے اونٹ نہ گذر جائے)

انزالِ سکینہ والے استدلال کا جواب

مریدانِ ثلاثہ اس سے بھی فضیلت ابوبکر پر استدلال کیا کرتے ہیں کہ خدا نے ان پر سکینہ نازل کیا۔ فانزل اللہ سکینتہ علیہ۔ مؤلف نے اگرچہ آیت کے ترجمہ میں تو فقرہ کا ترجمہ ہی نہیں کیا۔ لیکن بعد میں لکھا ہے کہ "چونکہ گھبراہٹ ابوبکر کو تھی اسلئے تسکین بھی انہی پر نازل ہوئی"

ثلاثہ کی یا ان کے مریدوں کی یہ بدقسمتی ہے کہ وہ ہاتھ پیر تو بہت مارتے ہیں مگر گوہرِ مقصود ہاتھ نہیں آتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نزولِ سکینہ بہت بڑی فضیلت ہے۔ کیونکہ مطالعہ قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نزولِ سکینہ یا رسولوں پر ہوتا ہے یا مومنین پر لیکن اس شومئ قسمت کا کیا علاج کہ جن الفاظ میں کوئی فضیلت نہ تھی۔ وہاں تو رسول خدا کے ساتھ ابوبکر کا بھی تذکرہ ہے اور جو امر باعثِ فضیلت تھا وہاں اسے بالکل نظرانداز کر دیا گیا۔ اور یہ ہم صرف اس لئے نہیں کہتے کہ باقی ضمیروں کا مرجع آنحضرت ہیں تو یہاں علیہ کی ضمیر کا مرجع انہی کو ہونا چاہیئے بلکہ یہ بدو وجہ ہے۔ اوّلاً اس لئے کہ فریقین کے مفسرین نے یہی افادہ فرمایا ہے۔ چنانچہ جہاں تک قرائت اہلبیت کا تعلق ہے۔ انہوں نے بجائے علیہ کے علیٰ رسولہ پڑھا ہے۔ جیسا کہ تفسیر برہان ج ۱ صفحہ ۴۲۲ طبع قدیم میں مروی ہے اور باقی اسلامی برادری کے اکثر مفسرین نے بھی یہی لکھا ہے کہ یہ نزولِ سکینہ جناب رسول خدا پر ہوا۔ چنانچہ تفسیر حسینی تفسیر جامع البیان، معالم التنزیل۔ ترجمان القرآن، مدارک۔ فتح البیان، جلالین اور تفسیر ابوالسعود وغیرہ سب تفاسیر میں قریب قریب یہی لکھا ہے۔ فانزل اللّٰہ سکینتہٗ علیہ۔ ای امنتہٗ علیٰ رسول اللّٰہ خدا نے اپنا امن وامان رسول پر نازل کیا اور مولوی نذیر احمد دہلوی (مشہور سنی مترجم) اس فقرہ کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

"پھر اللہ نے اپنے پیغمبر پر اپنی (طرف سے) تسلی اتاری۔"

ثانیاً اس لئے کہ اس فقرہ کے بعد بلا فاصلہ ارشاد ربانی ہے وایدہٗ بجنود لم تروھا یعنی اس نزولِ سکینہ کی تکمیل اس طرح ہوئی کہ خدا نے ایسے لشکروں سے ان (رسولِ خدا) کی تائید کی جن کو تم دیکھتے نہیں تھے۔ اس بات پر تمام اہلِ اسلام کا اتفاق ہے کہ ملائکہ کے ذریعے رسول ہی کی تائید کی گئی تھی تو ماننا پڑے گا کہ نزولِ سکینہ بھی انہی پر ہوا تھا۔ باقی رہا یہ خیال کہ رسول کو گھبراہٹ نہ تھی۔ گھبراہٹ تو ابوبکر کو تھی تو اسکے متعلق اتنا عرض ہے کہ ابوبکر کی گھبراہٹ کی خدا کو کیا پرواہ! ہاں جہاں تک رسول کی کیفیت کا تعلق ہے تو کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ وہ اس تکلیف دہ صورتِ حال میں مطمئن تھے اور انکو کوئی روحانی وجسمانی پریشانی نہ تھی؟ اپنی شان کے خلاف سمجھ کر گھبراہٹ کے اظہار نہ کرنے سے اصل پریشانی کی نفی تو نہیں ہوتی۔ پھر اگر نزولِ سکینہ کا معیار یہی ہے کہ جو گھبراہٹ ظاہر کرے اس پر سکینہ نازل ہو۔ تو پھر تو جنگِ خندق وخیبر وحنین کے بھگوڑوں پر سکینہ نازل ہونا چاہیئے تھا مگر خدا تو یہ فرماتا ہے فانزل اللّٰہ سکینتہ علیٰ رسولہ وعلی المؤمنین کہ خدا نے اپنے رسول اور اہلِ ایمان (صابر مجاہدین) پر سکینہ نازل کیا۔ بلکہ اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو اس آیت نے ابوبکر کا نام مومنین کی فہرست سے ہی خارج کر دیا ہے۔ ورنہ اگر وہ مومن ہوتے تو آنحضرت کے ساتھ ان پر بھی سکینہ نازل ہوتا۔ وا ذلیس فلیس۔ فضیلتِ ابوبکر ثابت ہونے سے تو رہی الٹا ان کا لعنتِ ایمان سے تہی دامن ہونا ثابت ہو گیا۔ ونعم ما قیل ؎

ذھب الحمار لیستفید لنفسہ ✤ قرنًا فاب وما لہ اذنان

لا تحزن سے اثبات فضیلت کا جواب

ابوبکر کا غار میں حزن و بے قراری کا اظہار کرنا اور رسول خدا کو بھی بے آرام کرنے کی کوشش کرنا تو ناقابل تردید شہادتوں سے ثابت ہے چنانچہ (۱) تفسیر ابن کثیر برحاشیہ فتح البیان طبع مصر میں ص۸۰ پر لکھا ہے۔ فجعل ابو بکر یجزع ان یطلع علیہم احد الخ۔ ابوبکر نے اس خوف سے جزع فزع شروع کر دی کہ کوئی کافر ان پر مطلع نہ ہو جائے۔ تفسیر کبیر ج۴ ص۴۳۸ طبع مصر میں ہے۔ بکی ابو بکر۔ اس وقت ابوبکر رونے لگے (۲) تفسیر بیضاوی میں لکھا ہے۔ ان ابا بکر کان منزعجا۔ ابوبکر منزعج تھے۔ انزعاج کے معنی لغت میں قلق و اضطراب اور بلند آواز سے آہ و فغاں کرنے کے ہیں (ملاحظہ ہو قاموس، صراح، منجد وغیرہ) اس وقت آنحضرتؐ نے ان سے کہا لا تحزن۔ حزن نہ کرو۔ اب اسے تسلی و تسکین کا رنگ دینے سے خفت کا داغ دھل نہیں سکتا لہذا یہاں یہی کہا جائے گا کہ ابوبکر کا یہ فعل خدا اور رسول کی نظر میں ناپسندیدہ تھا اس لئے رسول نے ان کی زجر و توبیخ کی اور اس طفلانہ حرکت پر انہیں ٹوکا۔ اب اس لا تحزن کا قیاس انبیاء و مرسلین اور کامل الایمان مومنین کے لا تخافوا و لا تحزنوا پر کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اس لئے ان کو تسلی دی جاتی ہے کہ کوئی حزن و ملال نہ کرو۔ ان الذین یخشون ربہم بالغیب لہم مغفرۃ و اجر کبیر۔ اور یہاں تو سرے سے ایمان ہی ثابت نہیں۔ بہر حال کلمہ لا تحزن ہر جگہ نہ تسکین و تسلی کے لئے آتا ہے اور نہ ہر مقام زجر و توبیخ کیلئے بلکہ اس بات کا فیصلہ ہر جگہ قرائن حالیہ و مقالیہ کو دیکھ کر ہی کیا جا سکتا ہے کہ کہاں تسلی کیلئے ہے اور کہاں زجر کیلئے کیونکہ

ع ہر سخن جائے و ہر نکتہ مقامے دارد

مگر اس کے لئے عقل وافر اور توفیق کامل درکار ہے۔ جو نصیب اعداء نہیں ہے۔ نیز مؤلف نے خوف و حزن کے درمیان جو فرق بیان کیا ہے وہ ایجاد بندہ کے زمرہ میں داخل ہے جس کا کوئی ثبوت لغت عرب میں موجود نہیں ہے۔ لہذا ابوبکر کی یہ جزع فزع اور خوف و ہراس اپنی ہلاکت کے ڈر سے تھا کہ پیغمبر اسلام کے لئے ان یقولون الا کذبا ہے۔

پس کن حدیث غار کہ عار است نزد عقل ٭ آں حزن و بے قراری شیخ محترم

مشکل مقامات پر ابوبکر رونے سے آنحضرتؐ کی امداد کیا کرتے تھے

معلوم ہوا کہ شیخ صاحب نے اس سفر میں صرف رونے دھونے سے آنحضرتؐ کی امداد و نصرت کی بس اور وہ اس سلسلہ میں بڑے مشاق تھے جب بھی کوئی مشکل موقع آتا آپ رونے پر خوب زور دیتے چنانچہ ایک مرتبہ کفار نے مسجد الحرام میں آنحضرتؐ کو پکڑ کر سر و ریش سے کھینچنا شروع کیا یہ دلخراش منظر دیکھ کر ابوبکر الگ کھڑے رہے اور رو رو کر صرف یہ کہا اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ

کیا تم صرف اس بات پر ایک آدمی کو قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار خدا ہے۔ (سیرۃ حلبیہ ج ۱ ص۳۲)
اسی طرح جب اس سفر ہجرت میں سراقہ بن مالک دہانہ غار کے قریب آپہنچا تو آپ نے رونے پر خوب نقد صرف فرمایا (درمنثور ج ۳ ص۲۴۳)

تفسیر قمی والی روایت کا جواب

مؤلف نے تفسیر قمی سے جو روایت نقل کی ہے۔ جس میں آنحضرتؐ کا ابوبکر کو لقب صدیق عطا کرنے کا تذکرہ ہے۔ یہ استدلال بدوجوہ ناقابل اعتبار ہے۔ اولاً یہ روایت مرسل و مجہول ہے۔ ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ ایسے اعتقادی امور میں ایسی روایات ناقابل اعتماد ہوتی ہیں۔ ثانیاً مؤلف نے اس کے نقل کرنے میں خیانت مجرمانہ کا مظاہرہ کیا ہے۔ ورنہ پوری روایت دیکھنے کے بعد بجائے فضیلت کے الٹا شیخ صاحب کی رذیلت ثابت ہوتی ہے۔ اصل بات یوں ہے کہ جب آنحضرتؐ نے دیکھا کہ شیخ گریہ کن باوجود لا تحزن کا تازیانہ لگنے کے خاموش نہیں ہو رہے تو ان کی توجہ کو دوسری طرف پھیرنے کے لئے جناب جعفر طیارؓ کی کشتی کا معجزہ دکھایا۔ مگر اس کا بھی کوئی خوشگوار اثر نہ ہوا۔ کیونکہ روایت کا تتمہ اس طرح ہے کہ فاضمر تلک الساعۃ انہ ساحر۔ اس وقت ابوبکر نے دل میں کہا کہ آنحضرت جادوگر ہیں۔ جب باعلام اللہ آنجناب کو شیخ صاحب کی قلبی کیفیت کی اطلاع ہوئی تو فرمایا انت الصدیق اس صورت حال میں اس فقرہ کے دو معنے ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ استفہام انکاری ہے (بحذف حرف الاستفہام) کیا تو صدیق ہے؟ کیا (یعنی صدیق ایسے ہوتے ہیں؟) دوسرے یہ کہ یہ بطور تذلیل و تحکم ہے جیسے خدا اہل دوزخ سے کہتا ہے۔ ذق انک انت العزیز الکریم۔ چکھ ذائقہ جہنم کا کیونکہ تو صاحب عزت و کرامت ہے:

ع آئینہ دیکھئے گا ذرا دیکھ بھال کر

مہمانی ابوبکر کا جواب

یہ جو کہا گیا ہے کہ آنحضرتؐ تین دن ابوبکر کے مہمان رہے۔ یہ بات خلاف واقعہ ہے۔ خود کتب اہلسنت سے ثابت ہے کہ آنحضرت کیلئے طعام بھجوانے کا انتظام حضرت علی علیہ السلام نے کیا تھا۔ چنانچہ تفسیر درمنثور ج ۳ ص۲۴۲ اور سیرۃ حلبیہ ج ۲ ص۳۲ طبع مصر میں ہے کہ عامر بن فہیرہ کے ذریعہ حضرت علی علیہ السلام نے طعام کی رسانی کا انتظام فرمایا تھا۔ نہ معلوم یہ لوگ ایسے من گھڑت قصص کا سہارا کیوں لیتے ہیں؟

ع جھوٹ کے ہوتے نہیں پیرے دوست

ے وکم قد رأینا من فروع کثیرۃ ❊ تموت اذا لم تحیهن اصول

ابوبکر کے آنحضرتؐ کو کندھے پر اٹھانے کا جواب

اسی طرح یہ فرضی فضیلت بھی بڑے زور و شور سے بیان کی جاتی ہے کہ سفر ہجرت میں ابوبکر صاحب نے آنحضرتؐ کو کاندھے پر اٹھایا تھا اور بار نبوت کے متحمل ہوئے تھے۔ یہ بات تاریخی حقائق کے خلاف ہے تاریخ تو یہ بتاتی ہے کہ آنحضرتؐ باوجود اس کے کہ پائے اقدس سے خون جاری تھا مگر پیدل چل کر غار تک پہنچے تھے۔ چنانچہ تاریخ طبری ج ۲ صفحہ ۲۴۴ پر ہے فانطلقا و رجل رسول اللہ تستو دمًا حتی انتھی الی الغار (یعنی جب راستے میں ابوبکر آملے اور آنحضرتؐ ان کو کافر سمجھ کر تیز چلنے کی وجہ سے پائے اقدس کا انگوٹھا زخمی ہو گیا تھا تو دونوں چلے اس حالت میں کہ آنحضرتؐ کے پاؤں سے خون جاری تھا۔ حتی کہ غار تک پہنچے اور اگر یہ بات بعض کتب اہلسنت میں درج ہے تو وہ ہمارے خلاف سند نہیں ہے اور اگر بالفرض ایسا ہوا بھی ہو تو اس میں کونسی فضیلت کی بات ہے ؟ آنحضرتؐ خچر اور گدھے پر تو بالعموم سوار ہوا ہی کرتے تھے اور وہ آپ کا بوجھ برداشت بھی کرتے تھے۔ تو اگر کبھی آنحضرتؐ نے شیخ صاحب سے انہی سواروں کا کام لے لیا ہو تو اس سے زیادہ سے زیادہ اس پیرسال کو وہی شرف حاصل ہوگا جو ان جیوانات کو حاصل تھا۔ ہم اسلامی برادری کو مخلصانہ مشورہ دیتے ہیں کہ ایسے بے سر و پا فضائل بیان کر کے اور نادان دوست کا کردار ادا کر کے اپنے خلفاء کو مزید ذلیل و رسوا نہ کیا کریں۔

ے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں
مانیں نہ مانیں مالک و مختار آپ ہیں

شب ہجرت حضرت امیر کا محیر العقول کارنامہ

ابوبکر صاحب کے متعلق اس واقعہ میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں۔ حالانکہ جیسا کہ ہم نے واضح و آشکار کر دیا ہے۔ ان کو یہاں سوائے ذلت و رسوائی اور جگ ہنسائی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا لیکن وہ شیر کردگار، امام ابرار یعنی حیدر کرار غیر فرار جس نے بلکہ ایذ دجیارا ایسے حالات ناسازگار میں بستر رسول مختارؐ پر سو کر ایثار و فداکاری اور جاں نثاری کا وہ عدیم المثال مظاہرہ کیا جس کی نظیر جبرئیل و میکائیل جیسے مقرب بارگاہ خدا جلیل القدر فرشتے بھی پیش نہ کر سکے اور جن کے جذبہ ایثار پر خود خدائے بزرگ و برتر نے فخر و مباہات کیا۔ اور ان کی شان میں آیت جلیلہ ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد نازل فرمائی۔

ے
شب ہجرت شدہ آمادۂ ایثار حیات ٭ جز علی کیست کہ ایں طرز وفا می داند؟

مذکورہ بالا اجمالی حقائق کی تفصیلات مع حوالہ جات معلوم کرنے کے شائقین مندرجہ ذیل کتب کی طرف رجوع کریں۔

مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۵۵۲، ارجح المطالب صفحہ ۵۰۲، تاریخ احمدی صفحہ ۶۷، تفسیر کبیر ج ۲ صفحہ ۲۸۳، سیرۃ النبی ج ۱ صفحہ ۱۹۹، تاریخ ابوالفداج ۱ صفحہ ۱۲۷، کامل بن اثیر ج ۲ صفحہ ۲۰، تاریخ طبری ج ۲ صفحہ ۲۲۹ وغیرہ وغیرہ) بجائے اس کے کہ یہ لوگ کمالات علوی کا اقرار کریں۔ انکی نشرواشاعت کریں اور ان پر ایمان لے آئیں اسکے برعکس نہ صرف یہ کہ یہ لوگ ان حقائق کا انکار کرتے ہیں بلکہ یہ کہہ کر شیعیانِ حیدر کرار کے زخموں پر نمک پاشی بھی کرتے ہیں کہ شیعہ ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں تو اس صراحت و وضاحت سے وہ ولایت علی تو کجا قرآن سے علی المرتضیٰ کا صاحب رسول ہونا بھی ثابت نہیں کر سکتے" (آفتاب صفحہ ۲) کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم۔

یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ المشرکون۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن ؛ پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

کیونکہ فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے ؛ وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

کجا یار غار اور کجا نفس رسول مختار (باتفاق مفسرین آیت مباہلہ میں وانفسنا وانفسکم سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں)

سماعِ وعظ کجا نغمۂ رباب کجا ؛ ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا؟

ستائیسویں آیت

وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امناً یعبدوننی ولا یشرکون بی شیئاً ومن کفر بعد ذالک فاولئک ھم الفاسقون (پ ۱۸ س نور ع س) ترجمہ

خدا نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک اعمال کئے وعدہ کر لیا ہے کہ بالضرور ان کو زمین میں جانشین اور خلیفہ ضرور بنائے گا جیسا کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا جو تم سے پہلے تھے۔ اور ان کو اس دین میں جس کو ان کے لئے پسند کر چکا ہے تمکن (مضبوط) کر دے گا اور خوف کے بعد ان کی حالت کو امن سے بدل دے گا اور وہ پرستش کریں گے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ جس نے اس کے بعد کفر ان کیا وہ لوگ فاسق ہیں۔

اس آیت میں احکم الحاکمین نے ایک بڑے معرکہ کے مسئلہ خلافت کا بھی فیصلہ کر دیا ہے۔ دیکھو رب العالمین نے فرمایا ہے کہ ہم نے اخص الخواص جماعت مومنین کو حتمی وعدہ

دے دیا ہے کہ ان کو خلافت کی مسند ضرور دی جائے گی جیسا کہ اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کے سچے پیروں کو ہم نے خلافت عطا فرمائی۔اس وقت دین مرضیہ کو خوب استقامت ہوگی۔اور خوف کا زمانہ امن سے بدل جائے گا۔یہ جماعت ایسے مخلص عباد صالحون کی ہوگی کہ باوجود اقتدار عہدۂ خلافت حاصل ہونے کے بھی میری توحید پر قائم رہیں گے۔

اب ہم شیعہ صاحبان سے دریافت کرتے ہیں کہ یہ وعدۂ الٰہی اصحاب ثلاثہ کے حق میں پورا ہوا یا نہیں؟ اگر ہوا تو کیا وہ الذین آمنوا وعملوا الصالحات کے مصداق تھے یا نہ؟ اگر نہیں تھے تو کیوں انعام الٰہی (عطیہ خلافت معہودہ) سے مشرف ہوگئے اس کے وعدوں میں تخلف کا خیال کرنا کفر ہے اور اس کے ارادہ و مشیت میں یہی تھا کہ بعد وفات سرور کائنات آپ کی خلافت کا اعزاز ان کے چار برگزیدہ اصحاب کو عطا فرمایا جائے یہ اعزاز چونکہ ان کی پاک خدمات کے صلہ میں تھا لہٰذا اس کے عطا ہونے پر ان کی خدمات کا بھی پورا لحاظ ہوا۔جس کی خدمات اسلام میں سب سے زیادہ ہیں۔جس نے خدا کی راہ میں بہت زیادہ دکھ اٹھائے جس نے ہادیٔ اسلام کی دعوت سب سے پہلے بلا کسی امتحان لینے کے قبول کی۔اور پُر خطر موقع میں ہمدم و یارِ غار رہا۔جس کو رسول پاک نے اپنی زندگی میں اخیر وقت اپنے مصلے پر کھڑا کرنے اور امامت پر مامور کرنے کا امتیاز بخشا ہے اس کو سب سے پہلے اس اعزاز سے حصہ ملے منطوق آیت صاف پکار رہا ہے کہ خلفاء اربعہ نے اپنے اختیار اور کوشش سے نہ کسی منصوبہ سے خلافت کی تحصیل کی۔بلکہ محض خدائے پاک کے ارادہ سے اس کے حتمی وعدہ کے بموجب ان کو اعزازات ملے۔جو نشان ان موعود لہم کا خدائے کریم نے بیان فرمایا ہے۔یعنی آمنوا وعملوا الصالحات جو لوگ ان اوصاف میں جملہ صحابہ سے فائق تھے وہی مستحق ہو سکتے ہیں اور یہ امر مسلم ہے کہ خلفائے اربعہ جو دیگر صحابہ کرام سے اوصاف میں فاضل تھے وہی اس امر جلیل کے مستحق تھے۔ادھر زمانہ خلافت بھی محدود کر دیا گیا۔چنانچہ رسول برحق نے الخلافۃ من بعدی ثلاثون سنۃ فرما کر اس کی میعاد تیس سال بیان فرما دی تھی۔تو پھر فرمائیے کہ سوائے اس ترتیب کے جو سلسلہ خلافت میں وقوع میں آئی۔اور صورت ہی کونسی تھی؟

صاحبان غور کیجئے یہ آیت خلفاء ثلاثہ کے ابدی ایمان پر شاہد عادل ہے۔پھر یہ بھی فرما دیا کہ اس میری شہادت کے بعد بھی اگر میرے ان پاک بندوں کے ایمان میں کوئی شخص کلام

کریں گے اور ان کے احسان عام کا کفر کرے گا تو سمجھ لیں وہ گمراہ بد بخت، فاسق ہے شیعہ صاحبان ذرا انصاف کی عینک لگا کر آیت پڑھیں اور بتائیں تو سہی ولیبدلنہم من بعد خوفہم امنًا کا مصداق کونسا زمانہ ہے؟ کیا وہ زمانہ عہدِ خلافت جو جناب امیر علیہ السلام کا تھا شیعہ صاحبان تو مانتے ہیں کہ وہ زمانہ تو سخت پُر آشوب تھا۔ پھر ایسا پُر آشوب زمانہ تو اس پیشگوئی ولیبدلنہم الخ کا مصداق نہیں ہو سکتا۔ فی الحقیقت یہ خلفائے ثلاثہ کا زمانہ تھا حتیٰ کہ خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں وہ امن قائم ہوا جس سے شیعہ بھی انکار نہیں کر سکتے۔ (آفتاب ص ۹۵)

الجواب یہ آیت مبارکہ جو آیتِ استخلاف کے نام سے مشہور ہے ہمیشہ پرستارانِ ثلاثہ اسے بڑے شد و مد کے ساتھ تقریر و تحریر میں خلافتِ ثلاثہ کے اثبات میں پیش کیا کرتے ہیں اور گلے پھاڑ پھاڑ کر بزعم خویش اس سے فضائل ثلاثہ بیان کرتے ہیں ہمارے مخاطب نے اسے بڑے طمطراق سے پیش کر کے اسے ایمان ثلاثہ اور خلافت اسلامی جیسے معرکۃ الآراء مسئلوں کا فیصل قرار دیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر اس آیتِ مبارکہ کے سیاق و سباق، اس کے شانِ نزول اور بالخصوص اس کے اصل الفاظ میں غور و فکر کیا جائے تو ان حضرات کی امیدوں پر پانی پھر جاتا ہے۔ اور ان کے خیالات کی بلند و بالا عمارت زمین بوس ہوتی ہوئی نظر آتی ہے اور یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اس آیت کا متنازعہ فیہ مسئلہ کے ساتھ بالکل کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ اس حقیقت کو کما حقہ سمجھنے کے لئے چند امور کی تنقیح ضروری ہے۔

چند امور مہمہ کی تنقیح

(۱) اس خلافت سے مراد کیا ہے؟ (۲) یہ وعدۂ خلافت کن لوگوں سے کیا گیا ہے؟ (۳) یہ وعدہ کب پورا ہوا؟ (۴) اس آیت کا شانِ نزول کیا ہے۔ (۵) پہلے استخلاف سے کیا مراد ہے؟ اور (۶) کیا اصحاب ثلاثہ میں یہ اوصاف پائے جاتے ہیں؟

اس استخلاف سے کیا مراد ہے؟

اسلامی کتابوں میں جب لفظ خلافت یا خلیفہ لکھا جائے تو اس سے بالعموم اسلامی خلافت مراد ہوتی ہے۔ لیکن خلافت کے لغوی معنیٰ ہیں کسی کی قائمقامی اور جانشینی۔ قرآن مجید میں یہ لفظ لغوی و اصطلاحی دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا اس کے لغوی یا اصطلاحی معنیٰ متعین کرنے سے قبل قرائن حالیہ و مقالیہ اور بالخصوص مفسرین اسلام کی تفسیروں کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ بنا بریں جب اس آیت میں غور کیا جاتا ہے۔ تو واضح ہوتا ہے کہ یہاں خلافت سے اسلامی اصطلاحی خلافت یعنی خلافت نبویہ مراد نہیں بلکہ لغوی معنی کے اعتبار سے خلافت مراد ہے یعنی کسی فرد یا جماعت کی جانشینی ان کے مُلک و مِلک پر تسلط، ان کے دیار و امصار پر غلبہ

اسلامی برادری کے مشہور مفسرین کی تفسیروں سے یہی مطلب ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ تفسیر جلالین میں لیستخلفنھم فی الارض کے معنی یہ لکھے ہیں بدلاً عن الکفار۔ یعنی خدا مسلمانوں کو کافروں کی زمین میں وارث بنائے گا۔ (۲) تفسیر مدارک میں اس کے معنے یہ لکھے ہیں۔ ای ارض الکفار وعدھم ان ینصر الاسلام علی الکفر ویورثھم الارض یعنی خدا نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اسلام کی مدد کرے گا اور مسلمانوں کو کافروں کی زمین کا وارث بنائے گا۔ (۳) تفسیر ابن جریر ج ۱۸، ص ۱۲۲ طبع مصر (۴) معالم التنزیل مع ابن کثیر ج ۶ ص ۱۱۳ طبع مصر میں بھی یہی لکھا ہے کہ مسلمانوں کو کفار کی زمین کا جانشین بنائے گا۔ خلاصۂ کلام کہ یہاں رسولِ خدا کی جانشینی مراد نہیں ہے بلکہ کفار کی قائم مقامی مراد ہے۔

یہ وعدہ کن لوگوں سے کیا گیا ہے؟

اگرچہ ہمارے مولانا کرم الدین صاحب نے پہلے یہ کہا ہے کہ "یہ وعدہ مومنین کی اخص الخواص جماعت سے ہے" (آفتاب ص ۹۵) اور پھر اس اخص الخواص جماعت کے مصداق خلفاء اربعہ کو قرار دیا ہے" (ص ۹۵) مگر جب مزید چھان بین کی تو ان میں سے بھی صرف اصحاب ثلاثہ کو باقی رکھا ہے (ص ۹۵) سچ ہے۔

ع مہما تکن عند امرء من خلیقۃ ٭ وان خالھا تخفی علی الناس تعلم

اصل میں ان لوگوں کی یہ ساری تگ و تاز اور جد و جہد صرف ثلاثہ کی حمایت میں ہوتی ہے۔ اگرچہ بطور وزن بیت حضرت امیرالمومنین کو بھی انکے ساتھ شامل کر لیتے ہیں مگر غیر شعوری طور پر اصل حقیقت ظاہر ہو ہی جاتی ہے اور انکی ناصبیت و خارجیت کا بھانڈا عین چوراہے میں پھوٹ جاتا ہے سچ ہے۔

ع چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد ٭ میلش اندر طعنۂ پاکاں زند

بہرحال جو کچھ موصوف کے ہم مذہب و ہم مسلک مفسرین کے افادات سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس موعود لہم جماعت سے تمام اہل ایمان صحابہ کرام بلکہ قیام قیامت تک سارے صحیح العمل مسلمان مراد ہیں چنانچہ پہلے امر کی تنقیح میں جو حوالہ جات پیش کئے گئے ہیں ان سے اس مطلب پر بھی خوب روشنی پڑتی ہے۔ (۱) مزید برآں دو چار حوالہ جات پیش کئے جاتے ہیں۔ (تفسیر کشاف ج ۳ ص ۲۲ طبع مصر میں لکھا ہے۔ الخطاب للنبی ولمن معہ ومنکم للبیان یعنی آیت وعد اللہ الذین الخ میں جو خطاب ہے۔ وہ رسول اسلام اور ان کے صحابہ کرام کو ہے اور منکم میں (من) بیانیہ ہے (نہ تبعیضیہ) تفسیر ترجمان القرآن ص ۱۰۷ میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے (بحوالہ فلک النجاۃ)۔ یہ وعدہ جمیع امت کے لئے ہے۔ بعض نے کہا صحابہ سے خاص ہے اور اسکی کوئی وجہ نہیں کیونکہ ایمان اعمال صالح کچھ صحابہ ہی کے ساتھ خاص نہیں تھے۔ بلکہ اس کا واقع ہونا اس امت کے ہر فرد سے ممکن ہے۔ (پھر کہا) اور اس شخص

کا قول بہت بعید ہے۔ جو کہتا ہے کہ یہ وعدہ خاص ہے خلفاء اربعہ کے ساتھ یا مہاجرین کے ساتھ۔ یا یہ کہ ارض سے مراد ارض مکہ ہے اور تو پہچان چکا کہ اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوتا ہے نہ سبب خاص کا (کذا فی تفسیر فتح البیان ج ۶ صفحہ ۳۳۶) ؎

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

اس خلافت سے مراد خلافت کلی ہے یا جزئی؟

یہ امر بھی سوچنے کے لائق ہے کہ آیۂ ایمان سے جس خلافت و جانشینی کا وعدہ کیا گیا ہے اس سے مراد خلافت کلی ہے۔ یعنی یہ کہ تمام روئے زمین سے کفار و مشرکین کا خاتمہ ہو جائے گا اور اہل اسلام و ایمان ہی ان کے املاک و اموال کے وارث و جانشین ہوں گے۔ جیسا کہ آیت مبارکہ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ کا مفاد ہے۔ یا اس سے مراد خلافت جزئی ہے؟ یعنی صرف بعض کفار کی زمین و جائداد پر مسلمان قابض ہوں گے؟ اگر خلافت سے مراد خلافت کلی ہے تو پھر یہ وعدہ ہنوز پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا بلکہ اس کی تکمیل ظہور مہدی دوراں اور نزول مسیح زماں کے وقت ہو گی جیسا کہ شیعہ سنی تفاسیر میں مذکور ہے چنانچہ درمنثور ج ۳ ص ۲۳۱ تفسیر خازن جلد ۲ ص ۲۴۰ فتح البیان۔ ابن کثیر وغیرہ تفاسیر اہلسنت اور تفسیر صافی و قمی و برہان وغیرہ تفاسیر شیعہ میں بذیل آیت لیظھرہ علی الدین کلہ لکھا ہے ذالک عند نزول عیسیٰ و خروج المہدی فلا یبقی اھل دین۔ الا دخلوا فی الاسلام الخ

یہ وعدہ کب پورا ہوا اور اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

اور اگر خلافت سے مراد خلافت جزئی ہے تو پھر یہ وعدہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حین حیات میں فتح مکہ کے بعد پورا ہو گیا تھا اور یہی امر اسلامی برادری کی کتب تفسیر و حدیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ تفسیر درمنثور ج ۵۔ تفسیر خازن ج ۳ ص ۳۶۷ تفسیر ابن جریر جلد ۱۸ ص ۱۰ اور فتح البیان ص ۲۳ وغیرہ میں مذکور ہے اور یہ آیت مبارکہ اس وقت نازل ہوئی جب صحابہ کرام نے (ہر وقت کی جنگ و جدل اور خوف و ہراس سے دل برداشتہ ہو کر) بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ، ابد الدھر نحن خائفون۔ ما یاتی علینا یوم نضع السلاح؟ یارسول اللہ کیا ہم ہمیشہ خائف و ترساں ہی رہیں گے۔ یا کبھی ایسا دن بھی آئے گا کہ ہم ہتھیار اتار دیں گے اور امن و اطمینان کی زندگی بسر کریں گے؟ اس وقت خداوند عالم نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (کذا فی تفسیر کشاف ج ۳ ص ۷۲ و ابن کثیر مع معالم ج ۶ ص ۱۳۶ ولباب النقول فی اسباب النزول ج ۲ سورۂ نور۔ ابن کثیر وغیرہ

مفسرین نے لکھا ہے کہ فقد فعلہ تبارک وتعالیٰ ولہ الحمد والمنۃ فانہ صلعم لم یمت حتی فتح اللہ علیہ مکۃ والبحرین وسائر جزیرۃ العرب وارض الیمن الخ اسی طرح مدارج النبوۃ ج ۱ صفحہ ۲۲۵ لکھنؤ میں ہے "وتحقیق وفا کرد وے سبحانہ وعدۂ خود را لمحن او وفی بعہدہ من اللہ - وللہ الحمد والمنۃ ونرفت آنحضرتؐ از عالم تاکہ فتح کردہ حق تعالیٰ مکہ وخیبر وبحرین وباقی جزیرۂ عرب را واراضی یمن تمام الخ - - - - ہر دو عبارات کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے اپنے پیغمبر اور صحابہ سے جو وعدہ کیا تھا وہ آنحضرتؐ کے حین حیات میں حق تعالیٰ نے پورا کر دیا۔ کیونکہ ان کی وفات سے پہلے مکہ اور بحرین۔ باقی جزائر عرب اور یمن وغیرہ فتح ہو گئے تھے" (اور مسلمان مرفہ الحال وفارغ البال ہو گئے تھے)

علامہ وحید الزمان (مترجم صحاح ستہ) اپنی تفسیر وحیدی صفحہ ۴۸۷ سورۂ نور حاشیہ نمبر ۵ میں لکھتے ہیں "یہ وعدہ اللہ تعالیٰ کا پورا ہوا اور مسلمانوں کو آنحضرت صلعم کی زندگی میں عرب کے کافروں سے بے فکری ہو گئی"

تفسیر ترجمان القرآن صفحہ ۲۰ بذیل سورۂ نور پ ۱۸ اسی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے "اور پورا کیا یہ وعدہ اللہ تبارک وتعالیٰ ولہ الحمد والمنۃ اجی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہ ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے فتح کر دیا کہ آپ کے واسطے مکہ اور خیبر اور بحرین اور عرب کا کل جزیرہ الخ پھر وہ با امن ہوئے اور ہتھیار رکھ دیئے یمن" بیان کے لئے ہے الخ - - - نحاس نے کہا اور یہ قول صحیح ہے، اور معنی یہ ہیں کہ اللہ سبحانہ ان کے خوف کی جگہ امن کو رکھ دے گا اور چلے جاویں گے ان سے خوف کے اسباب جن میں وہ ... ہیں - اسی طرح سے کہ نہ ڈریں گے مگر اللہ سبحانہ سے"

پہلے استخلاف سے مراد کیا ہے؟

باقی رہی اس بات کی تنقیح کہ خداوند عالم نے اس آیت میں جو یہ فرمایا ہے کہ میں تم کو اس طرح خلافت ارضی دوں گا جس طرح تم سے پہلے لوگوں کو دی ہے تو اس تشبیہ سے مراد کیا ہے؟ سو مخفی نہ رہے کہ کائنات میں ابتدائے آفرینش سے سلسلۂ اضداد جاری ہے۔ نور کے ساتھ ظلمت، ایمان کے ساتھ کفر، علم کے ساتھ جہل، خیر کے ساتھ شر، وغیرہ وغیرہ اور ان کی باہمی چپقلش اور ستیزہ کاری بھی محتاج بیان نہیں ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

یہ ضرور ہوتا رہا ہے کہ ابتداء میں باطل کی طاقتوں نے باہم مجتمع ہو کر حق و اہل حق کو دبانے اور صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا اور اکثر و بیشتر کچھ وقت کے لئے ان کو غلبہ و تسلط بھی رہا مگر سنت اللہ ہمیشہ سے یہی رہی ہے اور ہمیشہ یہی رہے گی۔ (ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا) کہ آخری

فتح حق اور اہلِ حق کی ہی ہوتی ہے۔ مشاہدہ شاہد ہے کہ۔

نہ یزیدؔ کا وہ ستم رہا نہ زیادؔ کی وہ جفا رہی
جو رہا تو نام حسینؑ کا جسے زندہ رکھتی ہے کربلا

قوم نوح نے کتنے مظالم جناب نوحؑ پر کئے۔ مگر بالآخر حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔ قوم لوطؑ اور صالحؑ نے کس قدر ستم کیشیاں کیں مگر طاقت حق کے سامنے بہت دیر تک نہ ٹھہر سکے۔ اور انجام کار ہلاکت کے ایسے اتھاہ گڑھے میں گر گئے کہ پھر اٹھنا نصیب نہ ہوا۔ فرعون نے بنی اسرائیل پر کس قدر ظلم و جور کے کوہ ہائے گراں گرائے مگر انجام دنیا کے سامنے ہے کہ رود نیل کی موجوں کا لقمہ بن کر عالم رنگ و بو سے اس کے نقش و نگار محو ہو گئے۔ اسی طریقۂ مستمرہ کے مطابق خدا نے مسلمانوں کو تسلی دی کہ جس طرح پہلے میں کافروں کو نیست و نابود کر کے ان کے املاک و اموال کا وارث و جانشین مسلمانوں کو بناتا رہا ہوں اسی طرح اب بھی تمہارے دشمنوں کو مغلوب و مقہور کر کے تمہیں ان کا وارث بناؤں گا۔ چنانچہ خداوند عالم ان تمام واقعات کی قرآن مجید میں خبر دیتا ہے۔

۱۔ واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح وزادکم فی الخلق بصطۃ (پ۸ س اعراف ع۹)

(ترجمہ) اور یاد کرو جب اس نے تم کو قوم نوح کے بعد سردار بنایا اور تم ہی کا پھیلاؤ زیادہ کیا۔

۲۔ واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد عاد وبوأکم فی الارض (پ۸ س اعراف ع۱۰)

(ترجمہ) اور یاد کرو جب اس نے تم کو قوم عاد کے بعد سردار بنایا اور زمین پر آباد کیا۔ (ترجمہ مولانا فتح محمد)

۳۔ قال موسیٰ عسیٰ ربکم ان یہلک عدوکم ویستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعملون (پ۹ س اعراف ع۱۹)

(ترجمہ) کہا نزدیک ہے کہ رب تمہارا کھپا دے تمہارے دشمن کو اور نائب کرے تم کو ملک میں اور پھر دیکھے تم کو کہ کیا کام کرتے ہو

(ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی)

۴۔ فانتقمنا منہم فاغرقناہم فی الیم بانہم کذبوا بآیاتنا وکانوا عنہا غافلین واورثنا القوم الذین کانوا یستضعفون مشارق الارض ومغاربہا (پ۹ س اعراف ع)

(ترجمہ) پھر ہم نے بدلہ لیا ان سے پھر ڈبو دیا گہرے پانی میں اس پر کہ جھٹلائیں ہماری آیتیں اور کر رہے ان سے تغافل اور وارث کئے ہم نے جو لوگ کمزور ہو رہے تھے اس زمین کے مشرق اور مغرب کے جس میں برکت رکھی ہم نے۔ (شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی) ۵۔ فاراد ان یستفزہم من الارض فاغرقناہ ومن معہ جمیعا وقلنا لبنی اسرائیل اسکنوا الارض (پ۱۵ س بنی اسرائیل ع۱۲) (ترجمہ) تو اس نے چاہا کہ ان کو سرزمین (مصر) سے نکال دے تو ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو ڈبو دیا اور اس کے بعد بنی اسرائیل سے کہا کہ تم اس ملک میں رہو سہو

۵۔ یہ قصہ تو حضرت موسٰےؑ اور ان کی قوم بنی اسرائیل اور ان کے دشمن فرعون کا تھا کہ خدا نے فرعون اور فرعونیوں کو ہلاک و برباد کر کے ان کی ہر چیز کا مالک و متصرف بنی اسرائیل کو بنایا۔ اب ذرا مثیل موسٰے یعنی حضرت رسولِ خدا اور مسلمانوں اور انکے دشمنوں کا معاملہ بھی سنو۔ خدا فرماتا ہے:۔

۶۔ واذکروا اذ انتم قلیل مستضعفون تخافون ان یتخطفکم الناس فاٰوٰکم وایدکم بنصرہٖ ورزقکم من الطیبات (پ ۹ س انفال ع ۳)

(ترجمہ) اور (اس وقت کو) یاد کرو جب تم زمین (مکہ) میں قلیل اور ضعیف سمجھے جاتے تھے اور ڈرتے رہتے تھے کہ لوگ تمہیں اڑا (نہ) لے جائیں (یعنی بے خانماں نہ کر دیں) تو اس نے تم کو جگہ دی اور اپنی مدد سے تمکو تقویت بخشی اور پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں (ترجمہ مولانا فتح محمد)

۷۔ اٰمنوا باللّٰہِ ورسولہ وانفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ (پ ۲۷ س حدید ع)

(ترجمہ) تو خدا پر اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ اور جس (مال) میں اس نے تم کو (اپنا) نائب بنایا ہے اس میں سے خرچ کرو (سابقہ)

۸۔ واورثکم ارضھم ودیارھم واموالھم وارضًا لم تطئوھا پ ۲۱ س الاحزاب ع ۹)

(ترجمہ) اور ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے مال کا اور اس زمین کا جس میں تم نے پاؤں بھی نہیں رکھا تھا تمکو وارث بنا دیا۔ (سابقہ)

۹۔ لقد صدق اللّٰہ رسولہ الرؤیا بالحق لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللّٰہ اٰمنین محلقین رؤسکم ومقصرین لا تخافون پ ۲۶ س فتح ع ۴)

(ترجمہ) بیشک خدا نے اپنے پیغمبر کو سچا (اور) صحیح خواب دکھایا کہ تم خدا نے چاہا تو مسجد حرام میں اپنے سر منڈوا کر اور اپنے بال کتروا کر امن و امان سے داخل ہو گے اور کسی طرح کا خوف نہ کرو گے۔

۱۰۔ ولقد مکنّٰکم فی الارض وجعلنا لکم فیھا معایش قلیلًا ما تشکرون (پ ۸ س ع ۸)

(ترجمہ) البتہ (تحقیق) ہم نے تم کو جگہ دی زمین میں اور اس میں تم کو روزیاں دیں اور تم تھوڑا شکر کرتے ہو (شاہ عبدالقادر محدث دہلوی)

یہ سب ان تشبیہات کا مطلب کہ جس طرح خداوندِ عالم ہمیشہ کفار و مشرکین اور دشمنانِ دین کو مغلوب و مقہور کر کے ان کے جان و مال کا وارث اہلِ ایمان کو بناتا رہا ہے۔ اس امتِ مرحومہ کے ساتھ بھی وہ ایسا ہی سلوک کرے گا اور بے شک اس رحیم و کریم خدائے بزرگ و برتر نے آنحضرتؐ کے حینِ حیات میں ایسا کر دیا۔ قارئین کرام نے دیکھ لیا کہ جو الفاظ آیت استخلاف میں موجود ہیں۔ خلافت فی الارض، مثل خلافتِ سابقہ، تمکین فی الارض، خوف کے بعد امن وہ تمام الفاظ خداوندِ عالم نے مذکورہ بالا آیات میں استعمال فرمائے ہیں جو بطور امتنان و احسان خدا نے نازل فرمائی ہیں والحمدللّٰہ علیٰ احسانہ العمیم!

نتیجۂ کلام

ان ناقابلِ رد حقائق و دقائق کی روشنی میں یہ بات مثل روز روشن واضح و آشکار ہو گئی کہ اس آیت مبارکہ کا خلافت ابوبکر و عمر و عثمان سے دور کا بھی کوئی واسطہ و تعلق نہیں ہے اور اس موعود لہم جماعتِ مسلمین سے صرف "اصحاب ثلاثہ" کو مراد لینا قرآن کی سراسر تفسیر بالرائے ہے جو باتفاق فریقین ناجائز و حرام اور اس کا مرتکب بشہادت رسولؐ جہنمی ہے (من فسّر القرآن برائہ فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ تفسیر اتقان وغیرہ) پرستارانِ ثلاثہ کے لئے لمحۂ فکریہ ہے۔ ان کو سوچنا چاہیئے کہ وہ محبتِ ثلاثہ میں بصر و بصیرت سے اندھے ہو کر کس راستے پر گامزن ہیں اور اس کا انجام کیا ہو گا؟

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی ❊ کایں راہ کہ مے روی بترکستان است

مگر بموجب حب الشیٔ یعمی ویصم ثلاثہ کی محبت نے انہیں ایسا اندھا اور بہرہ بنا دیا ہے کہ اپنی آخرت بھی بھول گئے ہیں۔ ان حقائق کی روشنی میں اس طرح حق و باطل کے اظہار و انکشاف کے باوجود اگر مناظرین اہلسنت اس آیت کا مصداق ثلاثہ بناتے ہیں۔ فان لم یستجیبوا لک فاعلموا انما یتبعون اھوائھم ومن اضل ممن اتبع ھواہ بغیر ھدی من اللہ ان اللہ لا یھدی القوم الظالمین۔

کور را باور نمی دارند روز داوری ❊ کایں ہمہ دخل و فضل در کار داور می کنند

اعلامیہ

اس حقیقت کے کالشمس فی رابعۃ النہار واضح و آشکار ہو جانے کے بعد کہ اس آیت٥ رطب و یابس جمع کرنے پر کوئی گرفت نہیں کرتے ورنہ ان باتوں کا ایسا تجزیہ کرتے کہ مؤلف کی روح قبر میں بھی بے قرار ہو جاتی۔ علاوہ بریں ان امور پر قبل ازیں مکمل تبصرہ کیا جا چکا ہے اس لئے اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ اور امامتِ ابوبکر والے فرضی قصہ سے ان کی خلافت پر استدلال کا مکمل جواب وہاں دیا جائے گا جہاں مؤلف اس کا باقاعدہ تذکرہ کریں گے۔ فانتظروا انی معکم من المنتظرین

ایضاح

بعض حضرات نے اس مقام پر دو ایراد وارد کئے ہیں۔ اوّل یہ کہ ہماری بیان کردہ تفسیر امام زین العابدینؑ اور امام محمد باقرؑ کی بیان کردہ تفسیر کے خلاف ہے کیونکہ انہوں نے اس بات کا مصداق امام مہدیؑ اور ان کے اصحاب کو قرار دیا ہے۔ دوم یہ کہ جن تفاسیر اہلسنت کے حوالے دیئے گئے ہیں ان میں خیانت کی گئی ہے یعنی ان کی پوری عبارتیں نقل نہیں کی گئی ہیں۔ سو اوّل عرض ہے کہ ہماری بیان کردہ تفسیر کو امامینؑ کی تفسیر کے خلاف قرار دینا ایسا سمجھنے والے کی خوش فہمی ہے۔ ورنہ ہم نے بذیل عنوان "اس خلافت سے مراد خلافتِ کلی ہے یا جزئی؟" شیعہ وسنی کی تفاسیر کی روشنی میں واضح کیا ہے۔ کہ اگر اس خلافت سے مراد خلافت کلی لی جائے تو اس کی تکمیل حضرت امام العصرؑ کے ظہور کے وقت ہو گی۔ (۱۳۳) اسی طرح نہج البلاغہ اور اس کی شرح ابن میثم بحرانی سے جو حوالجات پیش کئے گئے ہیں وہ بھی ہمارے مدعا کے خلاف نہیں بلکہ اس کے مؤید ہیں کہ اس استخلاف سے مراد کیا ہے۔ مسلمانوں جو اپنے اصحابِ ثلاثہ کو ہی ٹھہراتے ہیں تو پھر وہ ایسے آپ کو اس آیت کا مصداق بناتے ہیں۔

٥ مبارکہ کا اصحاب ثلاثہ سے کوئی تعلق و ربط نہیں ہے ہم مؤلف کے مدح ثلاثہ میں

کا غلبہ و تسلط مراد ہے پیغمبر اسلام کی جانشینی و قائمقامی مراد نہیں ہے۔

اور جہاں تک تفاسیر کے حوالہ جات میں خیانت کا تعلق ہے تو ہم اسکا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ خیانت تب ہوتی کہ سیاق و سباق کو نظر انداز کر کے مراد مؤلف کے خلاف درمیان سے عبارت کا کوئی ٹکڑا پیش کیا جاتا۔ یا نقل عبارت میں کوئی لفظی یا معنوی تحریف کی جاتی مگر ہم نے کہیں بھی ایسا نہیں کیا۔ ہاں بقدر ضرورت عبارات نقل کی ہیں کیونکہ تمام طویل و عریض عبارتوں کے نقل کرنے کی یہ کتاب متحمل نہ تھی لہٰذا یہی ضرورت تھی۔ ظاہر ہے کہ اسے اختصار کا نام تو دیا جا سکتا ہے۔ مگر اسے خیانت کہنا خود خیانت کے معنٰی سے جہالت کی غمازی کرتا ہے۔ اگر ان تفسیروں کے بعض مؤلفین نے کھینچ تان کر اس آیت کو اصحاب ثلاثہ پر فٹ کرنے کی کوشش کی ہے تو یہ انکے مذہبی تعصب کا نتیجہ ہے جس سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں ہے ہم نے تو انکی وہ عبارتیں کتاب میں پیش کی ہیں جہاں انکے قلم سے حق بات ٹپکی ہے۔ لان الحق یجری علی اللسان۔ والحق یعلو ولا یعلی علیہ۔

فکشفنا عنک غطائک فبصرک الیوم حدید !!

اگر عبارت کو توڑ نے کی کتاب کافی ہے ... کیا یہ خیانت نہیں ہے۔

اٹھائیسویں آیت

ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون (پ۱۷ س ع ۷) ترجمہ۔ ہم نے ذکر (تورات) کے علاوہ زبور میں بھی لکھ دیا ہے کہ زمین موعود کے وارث میرے پاک بندے ہوں گے۔ اس آیت میں ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے۔ خداوند علیم و خبیر خبر دیتا ہے کہ تورات و زبور میں پہلے ہی لکھا جا چکا ہے کہ الارض المقدسہ (زمین کنعان) کے وارث میرے پاک بندے ہونگے اب بتائیے کہ یہ کس کے ہاتھ پر فتح ہوئی؟ حضرت عمر فاروق کے ہاتھ پر فتح ہوئی اور اس آیت کی رو سے آپ عباد صالحون میں سے ہوئے۔ شیعہ پر ہماری حجت ہے کہ خدا کے نزدیک وہ عباد صالحون میں شمار نہیں ہیں۔ اگر ہیں تو کیوں ارض مقدسہ کی وراثت ان کو نصیب نہیں؟

بعض مفسرین نے ارض سے مراد حرمین شریفین کی زمین مراد لی ہے۔ بہر حال ارض سے مراد زمین شام (بیت المقدس) ہو یا مکہ مدینہ کی زمین اس کی وراثت ہمیشہ اہلسنت والجماعت کے قبضہ میں رہی ہے اور تا قیامت رہے گی۔ سوال۔ مخالفین اعتراض کرتے ہیں کہ اس زمین پر ایک دفعہ یزید بھی حکومت کر چکا ہے۔ عرصہ دراز ہوا بوساطت دین نصاریٰ کا بھی عمل رہا اور اب وہاں وہابیوں کا قبضہ ہو گیا ہے۔ جواب۔ یہ اعتراض آیت کے الفاظ پر غور نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے آیت میں یرث کا لفظ موجود ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اس سرزمین پر وارثانہ قبضہ

صالح بندوں کا ہوگا۔ اگر کوئی فاسق بدمذہب شخص یا قوم تھوڑے دنوں کے لئے وہاں غاصبانہ قبضہ کر کے حکومت کرے اور کچھ دنوں کے بعد وہاں سے دھکا دے کر نکال دیا جائے تو یہ آیت کا مصداق ہرگز نہیں ہوسکتا۔ یزید کا غاصبانہ قبضہ گنتی کے دن رہا۔ شریف حسین نے اگر نصاریٰ کو دخیل کیا تو اس کا بھی وہی حشر ہوا جو یزید کا ہوا تھا۔ وہابی پہلے بھی وہاں کچھ حکومت کر چکے ہیں۔ پھر ان کا نام و نشان مٹ گیا۔ میرا ایمان ہے کہ یہ بھی چند روزہ بات ہے۔ وہاں سے یہ لوگ بھی ذلت و خواری سے نکال دیئے جائیں گے عقلی دلیل یہ ہے کہ چونکہ ان مقاماتِ مقدسہ میں بہت سے اولیاء اللہ کے مرقد ہیں۔ لہٰذا ان کی حکومت ایسے شخص کے ہاتھ میں رہنی چاہیئے جو سب کی یکساں عزت کرتا ہو۔ سو ایسے مسلمان اہلسنت ہی ہیں۔ اگر شیعہ کو وہاں دسترس ملے تو ان دونوں اصحاب کے مزارات کی بےحرمتی کرنے سے دریغ نہ کریں۔ وہابی قابو یافتہ ہوں تو چونکہ ان کے دلوں میں روضۂ نبوی کا بھی احترام نہیں بلکہ ان کے ایک بزرگ کا قول ہے کہ ھذا صنم اکبر ولو اقدر علیہ لھدمتہ اور بس چلے تو سب کی بےحرمتی سے دریغ نہ کریں۔ اسی لئے خدائے علیم و خبیر نے اپنے تمام نوشتوں میں یہ حتمی وعدہ لکھ دیا ہے کہ اس ارض مقدسہ کی حکومت بطور وراثت ہم اپنے عبادِ صالحین ہی کے سپرد کریں گے۔ تاکہ مقاماتِ مقدسہ کے احترام میں فرق نہ آسکے واللہ غالب علیٰ امرہٖ (آفتاب)

الجواب مؤلف کے اس قسم کے بودے اور رکیک استدلالات دیکھ کر بےساختہ یہ شعر زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

ایسے کمزور دلائل کا جواب لکھتے ہوئے بھی شرم دامنگیر ہوتی ہے۔ مگر کیا کیا جائے کہ اگر جواب نہ دیا جائے تو یہ لوگ بغلیں بجاتے ہیں کہ ہماری کتاب لاجواب ہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ بہرکیف اس امر میں مفسرین کے درمیان شدید اختلاف ہے کہ یہاں الارض سے مراد کیا ہے؟ (۱) اکثر نے تو اس سے تمام زمین مراد لی ہے اور لکھا ہے کہ ھذا وعد منہ تعالیٰ باظہار الدین و اعزاز اھلہ یعنی اس آیت میں خداوند عالم اس بات کا وعدہ فرما رہا ہے کہ دینِ اسلام کو غلبہ حاصل ہوگا اور دیندار معزز و محترم ہوں گے (تفسیر ابی السعود برحاشیہ تفسیر کبیر ج ۶ ص ۹۰ طبع مصر) اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ غلبہ کب حاصل ہوگا۔ ابھی ابھی آیت استخلاف کے جواب میں بحوالہ کتب اہلسنت ثابت کیا جا چکا ہے کہ یہ

حضرت مہدی دوران کے ظہور اور جناب عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت ہوگا (در منثور ج ۴ ص ۲۲۳ خازن ج ۴ ص ۲۲۳ وغیرہ) اور یہ تو خود مؤلف بھی تسلیم کرتے ہیں کہ "یورث" کا مفہوم یہ ہے کہ وارثانہ قبضہ صالح بندوں کا ہوگا۔ اگر کوئی فاسق و فاجر بد مذہب شخص یا قوم تھوڑے دنوں کے لئے وہاں غاصبانہ قبضہ کرکے حکومت کرے اور کچھ دنوں کے بعد وہاں سے دھتکار کر نکال دیا جائے تو وہ ہرگز "یورث" کا مصداق نہیں ہو سکتا ہے۔ (آفتاب ص ۹۰) بنا بریں ہم کہتے ہیں کہ امام زمان عجل اللہ فرجہ کے ظہور تک زمین پر لوگوں کا قبضہ چونکہ غاصبانہ ہے۔ اس لئے وہ یورث کے مصداق نہیں ہو سکتے جب حقیقی وارث ارض تشریف لائے گا تو وہ سب کو دھتکار کر وہاں سے نکال دے گا۔ اور وارثانہ قبضہ کرکے حکومت الٰہیہ قائم کرے گا۔ انشاء اللہ العزیز۔

؎ لکل اناس دولۃ یرقبونہا
ودولتنا فی آخر الدھر یظھر

اس میں طول وقصر زمان کا کوئی سوال نہیں کیونکہ ع غیر طویل کلما ھو نازل

(۲) استاد المفسرین جناب عبد اللہ بن عباس سے اس کی تفسیر یہ مروی ہے کہ اس ارض سے مراد ارض جنت ہے۔ جیسا کہ اس کی تائید ارشاد خداوندی سے بھی ہوتی ہے۔ قالوا الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ واورثنا الارض نتبوأ من الجنۃ حیث نشاء۔ جنتی کہیں گے سب تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جس نے ہم سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا اور ہمیں زمین کا وارث بنا دیا۔ اب ہم جنت میں جہاں چاہتے ہیں قیام کرتے ہیں۔ (تفسیر ابی السعود بر حاشیہ تفسیر کبیر رازی ج ۶ ص ۱۰۸ و تفسیر کشاف ج ۳ ص ۲۲ طبع مصر وغیرہ) اور اسی تفسیر کو مؤلف آفتاب ہدایت کے فرزند قاضی مظہر حسین صاحب نے بھی اختیار کیا ہے۔ چنانچہ آفتاب ہدایت ص ۹۰ کے ذیلی حاشیہ پر لکھتے ہیں "بعض محققین کا ارشاد ہے کہ اس آیت میں الارض سے مراد ارض جنت ہے اور سیاق قرآنی سے یہ معنی زیادہ مناسبت رکھتا ہے" (مظہر حسین) اس ایک سطری عبارت میں بیٹے نے اپنے باپ کی تمام سعی و کوشش پر پانی پھیر دیا۔ لو ع

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

بہر کیف اس تفسیر کی بنا پر اس آیت کا موضوع بحث کے ساتھ تعلق ہی ختم ہو جاتا ہے کما لا یخفیٰ

(۳) بعض مفسرین نے "قیل" کہہ کر (جو کہ اس قول کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ ہے) اس سے ارض مقدسہ مراد لی ہے (تفسیر کشاف و ابو السعود صفحات بالا) بنا بریں مؤلف کو اس سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ ہم اٹھارویں آیت کے جواب میں واضح کر چکے ہیں کہ ملکی فتوحات کو کسی شخص کے ایمان کی دلیل

نہیں قرار دیا جاسکتا ہے۔

اس زمین کی بدقسمتی ہے کہ روزِ فتح سے کہ آج تک ہمیشہ اشرار کے قبضہ میں نظر آتی ہے مؤلف نے صرف یزید پلید کے اقتدار کو گنتی کے چند دنوں کا غاصبانہ قبضہ کہہ کر گلو خلاصی کرانے کی بیجا کوشش کی ہے (اگر یزید کا قبضہ غاصبانہ ہے باوجود اس کے کہ اس میں اہلسنت کے چاروں طریقہ ہائے خلافت پائے جاتے ہیں (اجماع، نص سابق برلاحق، شوریٰ اور تسلط بالغلبہ) تو یزید کے والد صاحب میاں معاویہ کے متعلق کیا خیال ہے؟ جن کی کوششوں سے یزید برسرِ اقتدار آیا۔ علاوہ بریں کیا اسی ارض مقدسہ پر مدت ہائے دراز تک مروان جیسا طرید رسول، عبدالملک جیسا ظالم (جس کے ظلم کی کمترین مثال حجاج ثقفی جیسے سفاک حاکم کو مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط کرنا ہے جس نے ایک لاکھ بیس ہزار نفوس کو قتل کیا) ہشام جیسا قاتل سادات، ولید بن یزید جیسا شراب خوار و بدکار اس ارضِ مقدسہ پر قابض نہیں رہا؟ اور کیا بنی عباسیہ کے سلاطین... مدتِ دراز تک اس ارضِ مقدسہ پر قابض و مسلط نہیں رہے؟ کیا یہ سب اہلسنت و الجماعت تھے؟ فلیبك علی الاسلام من كان باكيا۔ مگر مؤلف مجبور ہے کہ اس کی مذہبی کتابوں میں تو یہ لکھا ہے کہ ھولاء خلفاء النبی۔ یہ سب رسول کے خلیفے ہیں۔ مگر یہاں پھر یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ انہی کتابوں میں یزید کو بھی چھٹا خلیفہ رسول تسلیم کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو شرح فقہ اکبر ص۸۲ مطبوعہ دہلی سیرۃ النبی سید سلیمان ندوی ج ۳ ص۲۸۱ تاریخ الخلفاء ص۱۰ طبع مصر وغیرہ) لہٰذا صرف یزید کا استثناء لایخل مقصد ہے؟ بلکہ آج اسی ارض مقدسہ پر ایسے سوشلسٹوں بلکہ کمیونسٹوں کا قبضہ ہے جنہوں نے چند سال ہوئے خدا کا جنازہ نکال نذر آتش کر دیا تھا (جیسا کہ ملکی اخبارات و جرائد کی فائلیں شاہد ہیں العیاذ باللہ) اور یہی کیفیت حرمین شریفین کی زمین کی ہے کہ کبھی اس پر خارجی قابض ہیں، کبھی ناصبی اور کبھی وہابی اور عین چالیس پشتوں سے تو موجودہ وہابی خاندان برسرِ اقتدار ہے جس نے تمام مزاراتِ مقدسہ مسمار کر دیئے ہیں۔ ؎

ارى فيئهم في غيرهم متقسما

وايديهم من فيئهم صفرات

مؤلف کی عقل و خرد کی داد دینی چاہیے جو ایسے اقتدار اور تسلط کو اپنی صداقت کی دلیل قرار دیتے ہوئے شیعوں کو صرف اسلئے عباد صالحین سے خارج کرتے ہیں کہ ان کے پاس اس زمین کی عنانِ اقتدار نہیں ہے؟ یاللعجب!

علاوہ بریں یہ تفسیر (الارض سے ارضِ مقدسہ یا ارضِ حرمین مراد لینا) اس لئے بھی غلط ہے کہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ خدا کی مشیت ہی یہ ہے کہ صرف زمین کا یہ مختصر سا حصہ صدرِ لچ بندوں

کے قبضہ میں رہے اور باقی تمام زمین بے شک دہریوں، ملحدوں، کافروں اور فاسقوں کے زیر اقتدار ہے! حالانکہ یہ بات قطعاً غلط ہے۔ ان اللہ لا یرضی لعباد ہ الکفر ا اس لئے پہلی تفسیر اور ہماری توجیہہ ہی کو صحیح تسلیم کرنا پڑے گا۔ اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ ؎

اگر اب بھی نہ تم سمجھو تو پھر تم سے خدا سمجھے

فضائل اصحاب ثلاثہ کا ثبوت کتب شیعہ سے

قرآنی براہین قاہرہ بیان ہو چکے۔ اب ہم اصحاب ثلاثہ کا کامل الایمان ہونا، حضرت علی المرتضیٰ اور ان کا شیر و شکر ہونا اور ایک دوسرے کا خیر خواہ اور مشیر کار ہونا، نبی علیہ السلام کے قرابت دار اور سچے تابعدار ہونا، مقبول بارگاہِ الٰہی ہونا بشہادت ائمہ اہلبیت کتب معتبرہ شیعہ سے بیان کرتے ہیں۔ الخ ۔۔۔۔ (آفتاب ص۲۱)

الجواب مؤلف نے بزعم خود قرآنی براہین سے فارغ ہو چکنے کے بعد اب عنانِ بیان شیعی روایات کی طرف موڑی ہے۔ ہم بھی بفضلہ تعالےٰ جبکہ ان کے قرآنی براہین کی حقیقت طشت از بام کر کے ان کو بجائے آب سراب، بجائے دلائل ماثورہ ہبا منثورا اور بجائے براہین قرآنی وساوس شیطانی ثابت کر چکے تو اب ان کے روایاتی استدلالات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں انشاء اللہ الرحمٰن بتائید سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام ان کا تار و پود بکھیر کر مؤلف کا نقل روایات و واقعات میں دجل و فریب کا پردہ چاک کر کے ان کے ممدوحِ خاص (اصحاب ثلاثہ) کا جناب امیر خیبر گیر سے بجائے شیر و شکر و مشیر ہونے کے ان کا دشمن ازلی ہونا، بجائے تابعدار اور قرابت دار رسول ہونے کے ان کا دنیا دار اور عصیاں کار ہونا اور بجائے مقبول بارگاہ ہونے کے ان کا مردود بارگاہِ خدا و رسول ہدیٰ ہونا کتب فریقین سے کچھ ایسے ناقابلِ انکار دلائل جاندار سے واضح و آشکار کریں گے کہ نہ صرف پرستاران ثلاثہ کی بلکہ ثلاثہ کی روحیں بھی یوم القرار تک بے قرار ہو جائیں گی۔ انشاء اللہ المنتقم الجبار

جاؤ گے تم کہاں شیعوں کو چھیڑ کے
رکھ دیں گے تیرے مذہب کا بخیہ ادھیڑ کے

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

فضیلتِ ابوبکر کی پہلی روایت اور اس کا جواب

خلیفہ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے واقعہ غار کے متعلق تفسیر عسکری۔ قمی اور حملہ حیدری کی عبارتیں اوپر لکھی جا چکی ہیں جن

سے فضیلت صدیق کا نمایاں ثبوت ملتا ہے۔ اب دوسری کتب سے روایات لکھی جاتی ہیں

اوّل۔ فروغ کافی ص ۔ میں ایک طویل حدیث مرویہ جناب صادق علیہ السلام درج ہے جس میں صدقہ سے متعلق ذکر ہے کہ کل مال صدقہ نہیں کر دینا چاہیئے تاکہ خود ملوم و محسور نہ بن جائے۔ آگے لکھا ہے۔ ھذہ احادیث رسول اللہ ۔ ۔ ۔ (بحذف عبارت عربی) ترجمہ۔ یہ احادیث رسول پاک ہیں جن کی تصدیق کتاب اللہ کرتی ہے۔ اور کتاب اللہ کی تصدیق (اپنے عمل سے) مومنین کرتے ہیں جو کتاب اللہ سمجھنے کے اہل ہوں۔ ابوبکر نے بوقتِ وفات جب اس کو وصیت کے لئے کہا گیا فرمایا کہ میں پانچویں حصہ مال کی وصیت کرتا ہوں۔ چنانچہ پانچویں حصہ کی وصیت کی۔ حالانکہ خدا نے تیسرے حصہ کی اجازت دی ہوئی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ تیسرے حصہ کی وصیت میں زیادہ ثواب ہے تو ایسا ہی کرتا۔ پھر ابوبکر کے دوسرے درجہ پر فضل و زہد میں تم سلمانؓ اور ابوذرؓ کو سمجھتے ہو۔ پس سلمانؓ کو کوئی عطیہ دیتا ہوتا پورے سال کی خوراک ذخیرہ کر لیتا۔ حتیٰ کہ سال آئندہ کو پھر عطیہ حاصل ہوا۔ لوگوں نے کہا آپ باوجود زاہد ہونے کے ایسا کرتے ہیں؟ آپ کو معلوم نہیں کہ آج ہی فوت ہو جائیں۔ جواب دیا تمہیں میرے زندہ ہونے کی امید نہیں ہے؟ جیسا کہ میرے مرجانے کا اندیشہ ہے۔ اے جاہلو! تمہیں معلوم ہو کہ نفس اپنے صاحب پر سرکشی کرتا ہے جب تک کہ اسے قدرے معیشت نہ مل جاتے۔ جس پر اسے بھروسہ ہو۔ اور جب وہ اپنی معیشت فراہم کر لے مطمئن ہو جاتا ہے اور ابوذر کے پاس اونٹنیاں اور بکریاں رہتی تھیں جو دودھ دیتی تھیں اور جب ان کے عیال کو دودھ کی حاجت ہوتی یا کوئی مہمان آجاتا یا اپنے متعلقین کو بھوکا دیکھتے ان میں سے اونٹ یا بکری ذبح کر لیتے۔ اور سب میں تقسیم کر دیتے اور اپنے لئے ایک آدمی کی خوراک رکھ لیتے جو دوسروں سے زائد نہ ہو۔ تم جانتے ہو کہ ان تین مقدس بزرگوں سے بڑھ کر بڑا زاہد کون ہو سکتا ہے؟

حالانکہ ان کی شان میں رسول پاکؐ نے فرمایا جو کچھ فرمایا۔ اس حدیث سے حسب ذیل باتیں ظاہر ہوئیں۔ (۱) حضرت امام علیہ السلام کے نزدیک ان مومنین کاملین میں سے تھے جو کتاب اللہ کے سمجھنے کی اہلیت رکھتے تھے۔ (۲) حضرت سلمانؓ و ابوذرؓ فضل و زہد میں دوسرا درجہ رکھتے تھے۔ اور ابوبکر کا اول درجہ تھا (۳) حضرت ابوبکر برگزیدہ زاہدوں میں سے تھے۔ (۴) حضرت ابوبکر کی شان میں آنحضرتؐ نے بہت سی احادیث بیان کی ہوئی تھیں۔

سوال شیعہ ممکن ہے من ازھد من ھؤلاء کا اشارہ صرف سلمانؓ و ابوذرؓ کی طرف ہو۔

جواب۔ اگر معترض عقل کا اندھا نہیں ہے تو ابتداء حدیث میں الفاظ الکتاب یصدقہ اھلہ من المومنین کے بعد ذکر ابوبکر کا ہونا اور پھر سلمان و ابوذر کے متعلق امام علیہ السلام کا یہ فرمانا۔ ثم من علمتم بعد لا فی فضلہ و زھدہ۔ پھر ھؤلاء کا اشارہ الیہ صرف دو کو سمجھنا پہلے درجہ کی حماقت ہے۔ افسوس شیعہ اپنی مستند کتابوں میں اصحاب ثلاثہ کے زہد و تقوے کی نسبت ایسی شہادت ائمہ اہلبیت علیہم السلام پڑھ کر بھی ان کی بھلائی سے باز نہیں آتے ختم اللہ علی قلوبھم (آفتاب ہدایت)

الجواب یہ استدلال بچند وجوہ ناقابل اعتبار ہے۔ اولاً اس روایت کے دو راوی بدعقیدہ ہیں۔ پہلا ہارون بن مسلم جو جبری العقیدہ تھا (ملاحظہ ہو رجال نجاشی ص۳۰۳ نقد الرجال ص۳۶۶) دوسرا مسعدہ بن صدقہ ہے جو سنی المذہب تھا۔ چنانچہ نقد الرجال ص۳۴۲ پر لکھا ہے قال الشیخ فی الرجال عامی۔ یعنی جناب شیخ طوسیؒ نے اپنے رجال میں لکھا ہے کہ یہ عامی (سنی) ہے۔ بنا بریں یہ روایت ہمارے خلاف حجت نہیں بن سکتی۔ ثانیاً اس روایت کے نقل کرنے میں خیانت مجرمانہ سے کام لیا گیا ہے۔ جس روایت کا یہ ٹکڑا یہاں پیش کیا گیا ہے۔ یہ فروع کافی کے پورے تین صفحات پر پھیلی ہوئی ہے جس کا سیاق و سباق چھوڑ کر اور درمیان سے چند جملے نقل کرکے عوام کو گمراہ کرنے کی مذموم کوشش کی گئی ہے اس روایت کا پس منظر یوں ہے کہ چند صوفی (یہ گروہ اہلبیت سے روحانی اقتدار سلب کرنے اور لوگوں کو ان سے علیحدہ کرنے کی خاطر بنی امیہ کی گہری سازش کی پیداوار ہے) جن میں سفیان ثوری بھی تھے (جو لوگوں کو ترک دنیا اور ترک معیشت کی خلاف اسلام تعلیم دیا کرتے تھے) حضرت صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امام کے ظاہری لباس فاخرہ پر زبان اعتراض دراز کی۔ امام نے اس کا مسکت خصم جواب دیا۔ اس کے ساتھیوں نے کہا کہ حضور یہ اپنا مدعا دلائل سے نہیں پیش کر سکا۔ امام نے فرمایا تم بیان کرو۔ ان لوگوں نے اس بات پر دلیلیں پیش کیں کہ سارا مال راہ خدا میں لٹا دینا چاہیئے۔ امام عالی مقام نے قرآن و حدیث سے ان کے استدلال کو رد فرمایا آخر میں اسی ضمن میں بطور اصول مناظرہ مسلمات خصم پیش کرتے ہوئے وہ جملے ارشاد فرمائے جو اس استدلال میں پیش کئے گئے ہیں کہ ابوبکر کو لیجئے جسے تم سب سے بڑا زاہد سمجھتے ہو اس نے بھی اپنے مال کے پانچویں حصہ کی وصیت کی تھی۔ پھر سلمانؓ اور ابوذرؓ کو دیکھئے جن کو تم زہد و تقوے میں دوسرے درجہ پر سمجھتے ہو وہ بھی سارا مال راہ خدا میں نہیں لٹاتے تھے بلکہ کچھ خرچ کرتے

اور کچھ کھولیتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس ارشاد میں امام علیہ السلام نے اپنا عقیدہ بیان نہیں فرمایا بلکہ مخاطب کے نظریہ کے مطابق بات کر رہے ہیں جس پر خود یہی فقرہ کھلی دلیل ہے "ثم من قد علمتم بعد لا فی فضلہ وزھدہ کار سلمان و ابو ذر" جس کا ترجمہ خود مولوی کرم الدین صاحب نے یہ کیا ہے "پھر ابو بکر کے درجہ پر فضل و زہد میں تم سلمان و ابوذر کو سمجھتے ہو" (آفتاب صفحہ ۱) یہ فقرہ بہانگ دہل بتا رہا ہے کہ امام اپنے مد مقابل کے عقیدہ کے مطابق گفتگو فرما رہے ہیں نہ کہ اپنے اعتقاد کے موافق۔

ثالثاً۔ من ازھد من ھؤلاء۔ ان سے بڑھ کر زاہد کون ہے؟ قرینہ عقل یہ ہے کہ بطور جمع لوق الواحد یہ اشارہ جناب سلمانؓ و ابوذرؓ کی طرف ہے۔ مؤلف نے فرضی سوال کے جواب میں جو اسے حماقت اور اندھے پن سے تعبیر کیا ہے۔ یہ خود ان کی اپنی کوتاہ اندیشی اور کور چشمی کی دلیل ہے

وکم من عائب قولاً صحیحاً ❊ وآفتہ من الفھم السقیم

ورنہ اسی کلام میں اس بات کا قطعی قرینہ موجود ہے کہ یہ اشارہ انہی دونوں بزرگوں کی طرف ہے اور وہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا کے بعد بلا فاصلہ یہ عبارت موجود ہے۔ ولم یبلغ من امرھما ان صار لا یملکان شیئا کما تامرون الناس بالقاء امتعتھم الخ۔۔۔۔ ان سے بڑھ کر کون زاہد ہے۔ حالانکہ جناب رسول خدا نے ان کے حق میں وہ کچھ فرمایا سو فرمایا (اینہا ہمہ راست کہ معلوم عوام است) اور اس کے باوجود یہ دونوں بزرگوار ایسے نہ تھے کہ اپنے پاس کچھ نہ رکھتے ہوں (سب کچھ لٹا دیتے ہوں) جس طرح تم لوگوں کو حکم دیتے ہو۔ یہاں صرف تثنیہ کا صیغہ موجود ہے۔

رابعاً۔ بنا بر تسلیم اینکہ " ھؤلاء " کا اشارہ بشمول ابو بکر تینوں کی طرف ہے تب بھی اس سے مؤلف کو کچھ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ امام علیہ السلام نے معتقدین ابی بکر پر حجت تمام کرنے کے لئے ایسا فرمایا ہے چنانچہ اس با ضابطہ گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ معترضین لاجواب ہو گئے اور اپنا سا منہ لے کر چلے گئے۔ امید کامل ہے کہ ان جوابات سے ہمارے معترضین کی بھی تسلی ہو گئی ہو گی اور

ع اگر اب بھی نہ یہ سمجھیں تو پھر ان سے خدا سمجھے

اصل استدلال کے تار منثورا ہو جانے سے وہ سب تفریعات بھی باد ہوا ہو گئیں جو اس استدلال پر کی گئی تھیں

ع سمجھ میں معنیٔ توحید آ تو سکتا ہے
تیرے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کیجئے

انہا لا تعمی الابصار بل تعمی القلوب التی فی الصدور۔

دوسری روایت اور اس کا جواب

علامہ طبرسی کتاب مجمع البیان میں تحریر کرتا ہے کہ آیت وسیجنبھا الا تقی الذی الخ........ ابوبکر کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اور روایت یوں ہے۔ عن ابن زبیر قال ان الآیۃ نزلت فی ابی بکر الخ ترجمہ۔ ابن زبیر نے روایت ہے کہ آیت شانِ ابوبکر میں نازل ہوتی ہے۔ اس نے غلاموں کو جو اسلام لائے اپنے مال سے خرید لیا۔ جیسا کہ بلال اور عامر بن فہیرہ اور ان کو آزاد کیا۔ اب جس کی خدمات یہ ہوں کہ بلال جیسے عاشق حضرت نبوی کو کفار کے ہاتھ سے اپنا مال خرچ کر کے نجات دلائے اور آزاد کر دے اور اللہ تعالیٰ اس کے نہ صرف متقی بلکہ اتقی ہونے کی شہادت دے اس شخص کی شانِ والا میں گستاخی کرنا کتنی جسارت ہے۔ خدا رافضی کو ہدایت دے (آفتاب صلا)

الجواب

خداوندِ عالم برادرانِ اسلامی کو بھی ہدایت دے کہ وہ اپنے بزرگوں کے من گھڑت فضائل و مناقب بیان کرنے میں دین و دیانت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا کریں۔ اس بات کو امین الاسلام علامہ طبرسی علیہ الرحمۃ کی امانت، وسعتِ قلب اور عالی ظرفی پر ہی محمول کرنا چاہیئے کہ وہ باوجود ایک معتقد شیعہ عالم ہونے کے اپنی تفسیر میں جہاں پہلے اپنے ائمہ طاہرین کے ارشادات پیش کرتے ہیں وہاں مخالفین کا نظریہ بھی بلا رد و قدح پوری دیانتداری کے ساتھ پیش کر دیتے ہیں چنانچہ تفسیر مجمع البیان کے ناظرین کرام پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ وہ مجاہد، قتادہ اور سدی وغیرہ مفسرین اہلسنت کے اقوال سے بھری پڑی ہے۔ اکثر تو مفسرین کا نام لے کر ہی تفسیر نقل کرتے ہیں اور جہاں صرف "ذی" یا "قیل" فرمائیں وہاں اکثر و بیشتر ان کی مراد مخالفین کی بیان کردہ تفسیر ہوتی ہے۔ مؤلف کی پیش کردہ روایت بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اور اس کا ناقابلِ رد ثبوت یہ ہے کہ اس کا راوی ابن زبیر سنی ہے اس لئے یہ ہمارے خلاف بطور سند پیش نہیں کی جا سکتی۔ یا بالفاظ دیگر آیت کی یہ تفسیر ابن زبیر سنی کے نظریہ کی ترجمانی کرتی ہے۔ اس لئے ہمارے خلاف حجت نہیں بن سکتی

تیسری روایت اور اس کا جواب

سوم۔ کتاب احتجاج صلا میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی حدیث درج ہے آپ نے فرمایا لست بمنکر فضل ابی بکر و لست بمنکر فضل عمر و لکن ابا بکر افضل۔ ترجمہ۔ میں ابوبکر و عمر کے فضائل کا

منکر نہیں ہوں۔ البتہ ابوبکر فضیلت میں برتر ہیں پھر جس شخص کو امام باقر افضل سمجھتے ہوں اسکی فضیلت کا انکار کرنا شقاوت ہے۔ (آفتاب ص۱)

شقاوت وہ نہیں بلکہ شقاوت و طغاوت بلکہ خدائی احکام کی کھلی ہوئی بغاوت یہ ہے کہ

الجواب ہدایت قوم کے دعویدار ہو کر نام نہاد آفتاب ہدایت نامی کتاب کے مؤلف ہونہار ہو کر اور برزعم خویش صدیق کے تابعدار ہو کر ایسی خیانت مجرمانہ و روش منافقانہ کا ارتکاب کریں کہ معلم ملکوت بھی شرما جاتے افسوس جب قوم کے نام نہاد علماء کا یہ حال ہو تو پیران کے مقتدیوں کا کیا حال ہوگا؟ وہ تو زیر لب یہی گنگناتے ہوں گے ؎ ماہ مریداں رو بسوئے کعبہ چوں آریم چوں

رو بسوئے خانہ خمار دارد پیر ما

مختصر یہ کہ یہ استدلال انتہ سکاری کو چھوڑ کر صرف لا تقربوا الصلوٰۃ کے ساتھ تمسک کرنے کی بدترین مثال ہے۔ احتجاج طبرسی کی جس روایت کا یہ جملہ یہاں نقل کیا گیا ہے۔ یہ اس طویل مکالمے کا ایک فقرہ ہے۔ جو حضرت امام محمد تقی اور قاضی یحییٰ بن اکثم کے درمیان فضائل ثلاثہ کے موضوع پر ہوا تھا اور امام نے اپنے کلام معجز نظام میں ثلاثہ کی فضیلت میں قاضی یحییٰ کی پیش کردہ چند وضعی احادیث کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر دی تھیں قاضی ایک ایک کر کے فضائل ثلاثہ میں وہ حدیثیں پیش کرتا رہا اور امام عقلی و نقلی دلائل سے انہیں باطل قرار دیتے رہے۔ اس وقت احتجاج طبرسی مطبوعہ نجف اشرف ہمارے سامنے موجود ہے اس کے ص۱۲۷، ۱۲۸ پر یہ پورا مکالمہ موجود ہے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف کو احتجاج طبرسی دیکھنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ ورنہ ایسے غلط ہوتے اور امام محمد تقی کی بجائے امام محمد باقر علیہ السلام کا نام درج ہوتا۔ اسی سلسلہ میں قاضی نے کہا ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان حق بولتی ہے۔ امام علیہ السلام نے اس کے رد میں فرمایا۔ لست بمنکر فضل عمر و لکن ابابکر افضل من عمر فقال علی راس المنبر ان لی شیطانا یعتریني فاذا ملت فسددونی۔ میں عمر کی فضیلت کا انکار نہیں کرتا (بشرطیکہ ثابت ہو) مگر ابوبکر عمر سے افضل ہے (جیسا کہ مخاطب کا عقیدہ تھا) تو جو افضل تھا اس (ابوبکر) نے تو بر سر منبر کہا تھا کہ میرا ایک شیطان ہے جو مجھ پر مسلط ہو جاتا ہے۔ لہذا جب میں راہ راست سے بھٹک جاؤں تو مجھے سیدھا کر دینا (ملاحظہ ہو الامۃ والسیاسۃ ص۱ طبع مصر) امام کا مطلب یہ تھا کہ جس کو تم افضل مانتے ہو جب اس کا یہ حال ہے کہ شیطانی تسلط و غلبہ سے محفوظ نہیں تو جو مفضول ہے اس کی زبان پر ہر وقت حق کس طرح جاری ہو سکتا ہے؟ ارباب انصاف فرمائیں کہ اس طرح امام کے قول سے ابوبکر و عمر کی فضیلت ثابت ہوتی ہے یا سراسر ان کی فضیحت ہوتی ہے۔

؎ نہ سمجھو گے تو پھر سمجھو گے تم یہ چیستاں کب تک؟

امام علیہ السلام کے ارشاد کا مطلب سمجھنے کے لئے بصارت کے ساتھ ساتھ بصیرت کی بھی ضرورت ہوتی ہے ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً فمالہ من نور۔

چوتھی روایت اور اس کا جواب

چہارم۔ کتاب مجالس المومنین مجلس سوم صفحہ ۸۹ میں ہے کہ حضرت سلمان فارسی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام حضرت ابوبکر کی شان میں صحابہ کی مجلس میں بیٹھ کر ہمیشہ یوں فرمایا کرتے تھے۔ ما سبقکم ابو بکر بصوم وصلوٰۃ ولکن بشی وقر فی قلبہ۔ ترجمہ۔ ابوبکر نے تم سے زیادہ نماز و روزہ ادا کرنے میں فوقیت حاصل نہیں کی بلکہ اس سے صدق وصفاقلبی کی وجہ سے اس کی عزت و وقار بڑھا ہے۔ (آفتاب صفحہ)

الجواب حسب عادت یہاں بھی مؤلف نے خیانت مجرمانہ سے کام لیا ہے۔ اور روایت کے نقل کرنے میں لفظی و معنوی تحریف کی ہے۔ لفظی اس طرح کہ ایک تو اس کے ماقبل و مابعد کو نظر انداز کر دیا ہے دوسرے اس طرح کہ فی صدرہ کو فی قلبہ لکھا ہے پوری روایت دیکھنے کے بعد ابوبکر کی فضیلت کی جگہ رذیلت ثابت ہوتی ہے۔ منقولہ بالا عبارت کا پہلا حصہ یوں ہے کہ آنحضرت نے بڑی حکمت عملی اور تحصول جاہ و توسعہ دستگاہ امیدوار گردانید تا آنکہ باں طمع مسلمان شد۔ یعنی آنحضرت نے ابوبکر کو مال وجاہ کا طمع دلایا یہاں تک کہ وہ اسی لالچ میں آکر مسلمان ہوگیا اس کے بعد آنحضرت ہمیشہ اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کرتے تھے۔ ما سبقکم ابو بکر بصوم وصلوٰۃ ولکن بشیئ وقر فی صدرہ۔ ومراد آنحضرت در سینہ ابوبکر نہادہ شد حب ریاست کہ باں مفتوں شدہ بازگشت نمود یعنی آنحضرت کی مراد یہ تھی کہ ابوبکر کے سینہ میں حب ریاست جاگزیں ہے۔ جس کی وجہ سے اسلام لایا ہے۔ (سابقاً فضائل ثلاثہ کے سلسلہ میں پیش کردہ آیات میں سے پہلی آیت کے جواب میں بذیل ایمان ابی بکر بحیرا راہب کے طمع دلانے پر ابوبکر کا ایمان لانا برادران اسلامی کی کتابوں کے حوالہ سے ثابت کیا جا چکا ہے) یہ درست ہے کہ جس وقت ابوبکر اسلام لاتے اس وقت پیغمبر اسلام کے پاس کوئی مال ومنال اور دنیوی جاہ وجلال نہ تھا مگر ابوبکر کو چونکہ بحیرا راہب کی پیشگوئی پر مکمل ایمان تھا اس لئے اس انعام کے لالچ میں اسلام کا اظہار کیا اور اس سلسلہ میں فی الجملہ زحمتیں بھی برداشت کیں۔ جس طرح لوگ امتحان میں کامیابی کے بعد والی سہولتوں کے پیش نظر تیاری کی صعوبتیں برداشت کرتے ہیں۔ ورنہ انہوں نے نماز و روزہ کی ادائیگی میں تم لوگوں پر کوئی سبقت حاصل نہیں کی۔ اس سے تو ابوبکر کے سابق الاسلام ہونے والا نظریہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ سابق الاسلام ہوتے تو سابق فی الصوم و الصلوٰۃ بھی ضرور ہوتے۔

معنوی تحریف اس طرح کی گئی ہے کہ "ولکن بشیء وقرنی صدرہ" کا ترجمہ غلط کیا گیا ہے صحیح ترجمہ یوں ہے کہ ابوبکر نے نماز و روزہ ادا کرنے کی وجہ سے تم پر سبقت نہیں کی بلکہ بوجہ اس چیز کے سبقت کی ہے جو ان کے سینہ میں مرکوز و جاگزین و ساکن ہے۔ لفظ وقر باب وقر یقر (مجرد) بروزن وعد یعد کی ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے جس کا مصدر وقر ہے اور جس کے معنی جاگزین ہونے کے ہیں لے باب تفصیل سے یا وقر بروزن شرف جس کا .... قرار دینا اور پھر اس کا صلہ "فی" بنانا کلام عربی سے اپنے نابلد ہونے کا ثبوت فراہم کرنے کے مترادف ہے اور پھر اس کا ترجمہ یوں کرنا بلکہ اس کے صدق و صفا قلبی کی وجہ سے اس کی عزت و وقار بڑھا ہے، عجائبات روزگار میں سے ہے۔

نے فروعت محکم آید نے اصول
شرم باید از خدا و از رسول

ایضاح ہم نے لفظ وقر کی جو تشریح کی ہے اس کے لئے عربی زبان کی مشہور لغت قاموس جلد ۲ صفحہ ۱۵۵-۱۵۲ طبع مصر، مشہور لغت القرآن والحدیث مجمع البحرین صفحہ ۳۲۵ طبع ایران اور مفردات راغب اصفہانی صفحہ ۵۵ طبع مصر دیکھی جا سکتی ہیں۔

پانچویں روایت اور اس کا جواب

پنجم شیعہ کی بڑی معتبر کتاب کشف الغمہ مطبوعہ ایران صفحہ ۲۲۰ میں یہ روایت درج ہے

سئل الامام علیہ السلام الخ ..... (بحذف عبارت) ترجمہ۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے تلوار کو مرصع کرنے کے متعلق دریافت کیا گیا تو امام علیہ السلام نے فرمایا جائز ہے کیونکہ ابوبکر نے اپنی تلوار کو مرصع کیا ہے۔ راوی کہنے لگا آپ اس کو صدیق کہتے ہیں؟ امام غضبناک ہو کر اپنے مقام سے اٹھے اور کہنے لگے بہت اچھا صدیق، بہت اچھا صدیق، بہت اچھا صدیق جو اس کو صدیق نہ کہے خدا اسے دنیا و آخرت میں جھوٹا کرے۔" (آفتاب صفحہ ۱۰۰)

الجواب کشف الغمہ جناب شیخ ابوالفتح اربلی کی تالیف ہے اور اس کا موضوع فضائل و مناقب ائمہ اطہار کا بیان کرنا ہے۔ اس سلسلہ میں وہ فریقین کی کتابوں سے استفادہ کرتے ہیں۔ خود مؤلف علیہ الرحمہ نے کتاب کے مقدمہ میں وضاحت کر دی ہے کہ انہوں نے اس کتاب میں اکثر حدیثیں مخالفین کی کتابوں سے ان پر اتمام حجت کرنے کے لئے نقل کی ہیں چنانچہ مذکورہ بالا روایت ابوالفرج بن جوزی (متعصب سنی عالم) کی کتاب صفوۃ الصفوۃ سے لی ہے جیسا کہ اسی کتاب کے صفحہ ۲۲۰ سطر ۱۲ پر مرقوم ہے "قال الشیخ ابوالفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد بن الجوزی رحمہ اللہ فی کتاب صفوۃ الصفوۃ الخ ادریس

صفحہ کی سطر اسپر صراحت موجود ہے کہ آخر کلام ابن الجوزی فی ھذا الباب۔ لہذا یہ کلام مریدانِ ثلاثہ کے لئے تو سند ہو سکتا ہے۔ مگر شیعیانِ حیدر کرار کے نزدیک پر کاہ کے برابر بھی وزن نہیں رکھتا ستم ظریفی دیکھیئے کشف الغمہ میں اہلسنت کی کتاب کا نام موجود ہے۔ اس کے متعصب مؤلف کا نام مذکور ہے۔ عبارت کی ابتدا و انتہا مسطور ہے مگر باایں ہمہ عوام کو یہ تاثر دیا جا رہا ہے کہ شیعہ کی بڑی معتبر کتاب کشف الغمہ صفحہ ۲۲۰ مطبوعہ ایران میں یہ روایت درج ہے۔ سچ ہے۔ اذا القیت جلباب الحیاء فاصنع ماشئت یعنی ؎

بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن

مخفی نہ رہے نعم الصدیق میں نعم حرفِ ایجاب کو جس کے معنی ہیں ہاں وہ صدیق ہے جو سؤال کے جواب میں واقع ہوتا ہے جیسا کہ یہاں ہے افعال مدح میں سے قرار دیتے ہوئے اسے نِعْمَ پڑھ کر ترجمہ یوں کرنا "بہت اچھا صدیق" یہ آفتاب ہدایت کے نوادرات میں سے ہے فافہم

؎ سخن شناس نہٖ دلبر خطا اینجا است

چھٹی روایت اور اسکا جواب

ششم۔ کتاب ناسخ التواریخ جو شیعہ کی مستند کتاب ہے اسکی جلد ۲ صفحہ ۲۹۵ میں ہے۔ "واز پس اوّل (زید بن حارثہ) ابوبکر مسلمان شد الخ (بحذف عبارت فارسی) ترجمہ اور زید بن حارثہ کے بعد ابوبکر مسلمان ہوئے ان کا نام عبداللہ اور لقب عتیق اور کنیت ابوبکر ہے اور بیٹے ابو قحافہ کے ہیں جن کا نام عثمان ہے۔ ان کا نسب یوں ہے۔ عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرۃ بن کعب بن لوی۔ ابوبکر علم انساب خوب جانتے تھے اور ان کا نسب بھی محفوظ تھا اور بعض قریشیوں سے ان کی خوب محبت تھی۔ چند اشخاص کو انہوں نے خفیہ دعوتِ اسلام دی اور پیغمبر کے پاس لائے۔ آپ نے ان پر اسلام پیش کیا سب سے پہلے جو ترغیب ابوبکر پر مسلمان ہوئے تھے عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد الشمس بن عبد المناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی تھے۔ دوسرے شخص زبیر بن عوام بن خویلد بن عبد العزیٰ بن قصی تھے۔ یہ زبیر حضرت خدیجہ علیہا السلام کے بھتیجے تھے۔ تیسرے شخص عبد الرحمٰن بن عوف بن عبد عوف بن عبد الحارث بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی تھے اور چوتھے سعد بن ابی وقاص جن کا نام مالک تھا وہ بیٹے اہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی اور پانچویں طلحہ بن عبداللہ بن عثمان بن عمرو بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی ہیں۔ یہ سب لوگ ابوبکر کے دوستوں میں سے تھے اور

انہی کی راہ نمائی سے یہ سب اسلام لائے اور ابوبکر کے بعد عبیدہ اسلام لائے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر بڑے پایہ کے شخص تھے اور برگزیدہ خاندان قریش تھے۔ پہلے ہی ان کے نام (عبداللہ) میں توحید کی جھلک موجود تھی۔ علم الانساب کی خاص مہارت رکھتے تھے اور محفوظ النسب تھے۔ ان کے طفیل بڑے بڑے اکابر قریش اسلام میں داخل ہوئے۔ کیا ایسا شخص منافق ہو سکتا ہے؟ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم

(آفتاب ص۱۰۵)

الجواب: جہاں تک ابوبکر کی بلند پائیگی اور خاندان قریش میں سے برگزیدگی کا تعلق ہے اسکے لئے امام طبری کا یہی بیان کافی ہے جو انہوں نے اپنی تاریخ ج ۲ ص۲۲۲ طبع مصر میں درج کیا ہے۔ کان ابو بکر قبل ان یشتغل بامر المسلمین تاجراً یغدو کل یوم فی السوق یبتاع الثیاب وکانت لہ قطعۃ غنم۔ ابوبکر خلافت ملنے سے پہلے بازاروں میں پھیری پر چیز بیچا کرتے تھے اور چند بکریاں بھی پال رکھی تھیں۔ جنہیں خود چراتے تھے اور کبھی کوئی دوسرا چراتا نیز قبیلہ کی بکریوں کا دودھ بھی دوہا کرتے تھے۔ نام خواہ عبداللہ ہو اور خواہ عتیق۔ اظہار اسلام سے قبل ان کی اصنام پرستی اور دیار کفر و شرک کی کوچہ گردی وہ مسلمہ حقیقت ہے کہ جس کا نہ کبھی خود انہوں نے انکار کیا تھا اور نہ ان کے مریدان صفا کیش قیامت تک اس پر پردہ ڈال سکتے ہیں۔ تاریخ میں بیسیوں کفار کے نام عبداللہ کو رہیں۔ بہت دور جانے کی ضرورت نہیں۔ سرکار خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد کا اسم گرامی بھی حضرت عبداللہ تھا۔ مگر مولوی کرم دین کے امام اعظم کا فتوٰی یہ ہے کہ ووالدا رسول اللہ ماتا علی الکفر (شرح فقہ اکبر ص۱۳۰ طبع لاہور) آنحضرتؐ کے والدین کی بحالت کفر وفات ہوئی (العیاذ باللہ) یہاں کیوں نہیں کہا کہ ان کے نام میں توحید کی جھلک تھی۔

شرم تم کو مگر نہیں آتی

اور جہاں تک ان کی نسب دانی کا تعلق ہے یہ ایک ایسا علم ہے کہ لا ینفع من علمہ ولا یضر من جہلہ۔ اپنے عالم کو (آخرت میں) کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا اور جاہل کو کوئی نقصان نہیں دیتا اور جہاں تک ابوبکر کے نسب کی صحت کا تعلق ہے شیعوں نے کبھی ان کے نسب میں قدح نہیں کی اور کر بھی کیونکر سکتے ہیں جبکہ محمد بن ابی بکر اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی والدہ ماجدہ بھی اسی خانوادہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ لیکن اسلام سب

زیادہ تقویٰ وطہارت پر نظر کرتا ہے۔ ان اکرمکو عند اللہ اتقاکم اور جہاں تک ان کے اکابر قریش کو داخل اسلام کرنے کا تعلق ہے۔

اس سلسلہ میں جن اکابر کے نام گنوائے گئے ہیں وہ سب کے سب دشمنان اہلبیت رسول ہیں ایک نے سردار اہلبیت کی خلافت غصب کی تیسرے نے پہلے کے لئے فضائے خلافت ہموار کی۔ دوسرے اور پانچویں نے جنگ جمل میں امام برحق کے خلاف جنگ میں بھرپور حصہ لیا اور چوتھے نے چوتھے مرتبہ پر بھی جناب امیرؑ کی بیعت نہیں کی اور اسی کا تربیت یافتہ شقی ازلی عمر بن سعد تھا جس نے کربلا کے میدان میں خاندان مصطفٰےؐ کے خون ناحق کے ساتھ ہولی کھیلی۔ یہ تھے ابوبکر صاحب کے مسلمان کردہ دوست۔ گویا کہ این خانہ ہمہ آفتاب است۔ اے کاش! کہ ابوبکر ان لوگوں کو مسلمان نہ بناتے لدرنہ یہ آل محمد پر ظلم ڈھاتے

ع ہیچ کافر نکند آنچہ مسلمان کردند

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

اظہار حقیقت

مخفی نہ رہے کہ ناسخ التواریخ ہماری کتب معتبرہ متندہ میں سے نہیں ہے۔ بلکہ ایک عام تاریخی کتاب ہے جس میں ہر قسم کا رطب و یابس مواد موجود ہے اور اس کے مؤلف لسان الملک مرزا محمد تقی معروف بہ سپہر کاشانی مرحوم ایران کے سابق شاہی خاندان قاچار کے فرد اور عربی و فارسی کے اچھے ادیب تھے مگر ان کا شمار مجتہدین عظام تو کجا علماء کرام میں بھی نہیں ہوتا۔ لہذا ناسخ التواریخ کو شیعہ کی بڑی مستند کتاب اور سپہر مرحوم کو نہ صرف عالم بلکہ مجتہد اعظم ظاہر کر کے عوام الناس کو دھوکہ دینا جیسا کہ ادارہ اسلامی کیا کرتے ہیں) دیانت وامانت کے سراسر منافی ہے اعاذنا اللہ منہ و جمیع اھل الایمان۔

ساتویں روایت اور اس کا جواب

ہفتم۔ تفسیر مجمع البیان طبرسی (شیعہ کی معتبر تفسیر ہے) تفسیر آیت الذی جاء بالصدق وصدق بہ فالئک ھم المتقون

ترجمہ۔ اور جس نے تصدیق کی اس کی وہی لوگ متقی ہیں۔ میں لکھا ہے قیل الذی جاء بالصدق رسول اللہ وصدق بہ ابوبکر

ترجمہ۔ جو شخص آیا ساتھ صدق کے وہ رسول خدا ہیں اور جس نے تصدیق کی

ان کی اس سے مراد ابوبکر ہیں۔ (آفتاب صلا)

الجواب اس سلسلہ کی دوسری روایت کے جواب میں اس حقیقت کا انکشاف کیا جا چکا ہے کہ علامہ طبرسیؒ نے اپنی تفسیر میں یہ طریق کار اختیار کیا ہے کہ وہ جہاں حقیقی مارشان قرآن یعنی آئمہ اہلبیت علیہم السلام کا فرمان پیش کرتے ہیں وہاں بالصراحت مخالف مفسرین کے اقوال بھی درج کرتے ہیں اور جہاں تصریح نہ ہو بلکہ صرف "قیل" کہہ کر کوئی قول نقل کریں تو وہ قول بھی بالعموم مخالفین کا ہوتا ہے اہل علم جانتے ہیں کہ لفظ "قیل" (کہا گیا ہے) اس قول کے ضعیف ہونے کی دلیل ہوا کرتا ہے۔ بناء بریں یہ قول مفسرین اہلسنت کا ہے۔ جو شیعوں پر حجت نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اسی قول کے آخر میں تصریح موجود ہے کہ عن ابی العالیۃ والکلبی۔ یعنی اس قول کے قائل ابوالعالیہ اور کلبی سنی ہیں۔ جہاں تک روایت معصومین کا تعلق ہے مفسر موصوف نے ثابت کر دیا ہے کہ اس سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے الذی جاء بالصدق وصدق بہ علی بن ابی طالب المروی عن ائمۃ الھدیٰ محمد وآل محمد (تفسیر مجمع البیان ج ۴ ص۳۶) وھوا لحق لان الحق مع علی وعلی مع الحق۔ یہ ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے جو ناظرین کتاب پر ہرگز پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ نہ معلوم یہ لوگ جان بوجھ کر ابلہ فریبی کرتے ہیں یا ایسے کورے ہیں کہ ایسی واضح بات بھی نہیں سمجھ سکتے۔

ہرگز نہ ہوئے مغز سخن سے آگاہ

لاحول ولا قوۃ الا باللہ

آٹھویں روایت اور اس کا جواب

ہشتم۔ کتاب معرفۃ الرجال (معروف بہ رجال کشی) مطبوعہ بمبئی ص۳ میں یہ حدیث بروایت بریدہ اسلمی درج ہے۔ قال سمعت اباداؤد قال حدثنی بریدۃ الاسلمی قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الجنۃ تشتاق الی ثلاثۃ فجاء ابوبکر فقال انت الصدیق انت ثانی اثنین اذھما فی الغار فلو سئلت رسول اللہ من ھؤلاء الثلاثۃ۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ مجھے بریدہ نے بتایا کہ میں نے رسول خدا صلعم سے سنا کہ بہشت تین شخص کا مشتاق ہے۔ اتنے میں ابوبکر آگئے تو حضور نے فرمایا تو صدیق ہے تو دوسرا آدمی ہے جو غار میں تھے۔ راوی کہتا ہے۔ کاش میں حضور سے پوچھتا کہ وہ تین کون ہیں (آفتاب صلا)

الجواب جس حدیث سے یہ اقتباس لیا گیا ہے وہ رجال کشی طبع بمبئی کے صفحہ ۳۲ پر موجود ہے اور مؤلف نے اس سے اس اقتباس کے لینے میں خیانت و بددیانتی کی انتہا کر دی ہے۔ کچھ الفاظ بدل دیئے گئے کچھ الفاظ کو غلط پڑھ کر غلط ترجمہ کیا گیا ہے اور کچھ حصہ چھوڑ دیا گیا ہے جس سے مطلب کچھ کا کچھ ہو کر رہ گیا ہے پوری عبارت دیکھنے سے نہ صرف ابوبکر بلکہ ان کے ہم پیالہ وہم نوالہ جناب عمر کی بھی انتہائی رسوائی ظاہر ہوتی ہے۔ منہ پہلی تحریف۔ الفاظ روایت میں ہے فقیل لہ جب ابوبکر آئے تو ان سے کہا گیا تو صدیق ہے تو دو کا دوسرا ہے جب وہ غار میں تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ کہنے والے رسول خدا نہ تھے بلکہ کوئی اور شخص تھا اس قیل لہ کو بدل کر قال بنایا گیا تاکہ ضمیر کا مرجع رسول خدا کو بنایا جا سکے کہ حضور نے فرمایا تو صدیق ہے (۲) دوسری تحریف۔ ولو سئلت رسول اللہ۔ یہ سئلت مخاطب کا صیغہ ہے۔ مطلب یہ کہ حاضرین نے ابوبکر سے کہا کہ اگر تم رسول سے پوچھ لیتے تو اچھا ہوتا کہ وہ تین بزرگوار کون سے ہیں جن کی جنت مشتاق ہے۔ اسے سئلت متکلم کا صیغہ پڑھ کر راوی کا قول قرار دیا گیا ہے۔ راوی کہتا ہے کاش میں حضور سے پوچھتا۔ (۳) تیسری تحریف یہ کی گئی ہے کہ روایت کا تتمہ جس کے بغیر مطلب ادھورا رہ جاتا ہے چھوڑ دیا گیا ہے۔ اصل واقعہ یوں ہے کہ جب آنحضرت نے فرمایا کہ جنت تین شخصوں کی مشتاق ہے اور پھر خاموش ہو گئے اس اثنا میں ابوبکر آ گئے۔ ان سے کہا گیا تم صدیق ہو غار میں ثانی اثنین ہو۔ کتنا بہتر ہو کہ تم رسول سے دریافت کرو کہ وہ تین شخص کون ہیں؟ ابوبکر نے کہا مجھے سوال کرنے میں یہ اندیشہ ہے کہ اگر ان میں میرا نام نہ ہوا تو بنی عدی کے لوگ مجھے طعنے دیں گے۔ پھر عمر آئے ان سے یہ کہہ کر استدعا کی گئی کہ تم فاروق ہو تم آنحضرتؐ سے دریافت کرو کہ وہ تین بزرگ کون ہیں؟ انہوں نے کہا مجھے یہ خطرہ ہے کہ اگر ان میں میرا نام نہ نکلا تو بنی تیم میرا مذاق اڑائیں گے۔ بعد ازاں حضرت امیر علیہ السلام تشریف لائے ان کی خدمت میں استدعا کی گئی۔ وہ دریافت کرنے پر فوراً آمادہ ہو گئے اور فرمایا اگر ان میں میرا نام شامل ہوا تو خدا کی حمد کروں گا اور اگر نہ ہوا تب بھی حمد باری کروں گا۔ چنانچہ آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! وہ تین حضرات کون ہیں جن کی جنت مشتاق ہے۔ آنحضرت نے فرمایا ان میں سے پہلے تو تم ہو دوسرے سلمانؓ اور تیسرے عمار بن یاسر"۔ . . . . (رجال کشی صفحہ ۳۲) فکشفنا عنك غطاءك فبصرك اليوم حديد۔

نویں حدیث اور اس کا جواب نہم۔ احتجاج طبرسی بروایت امیر المومنین یہ حدیث درج ہے کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی جبل حراء اذ تحرك الجبل فقال له قر

فانہ لیس علیک الا نبی وصدیق وشہید۔ ترجمہ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ ہم پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے ساتھ حرا پر تھے تو پہاڑ نے جنبش کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا ٹھہر جا تجھ پر ایک نبی، دوسرا صدیق اور تیسرا شہید بیٹھے ہیں۔ کیا ان دو روایتوں کو پڑھ کر بھی شیعوں کو حضرت ابوبکر کی صدیقیت میں کچھ شک باقی رہے گا۔ (آفتاب صد)

الجواب ابوبکر کی صدیقیت تو ثابت ہونے سے رہی۔ البتہ نقلِ روایات میں آپ کی یہ کارستانی دیکھ کر آپ کے کذاب ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں رہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یا تو احتجاج طبرسی دیکھی ہی نہیں (جب ہی تو صفح نمارد ہے) اور اگر دیکھی ہے تو پھر فریب دہی اور دسیسہ کاری کے کسی سکول میں باقاعدہ تربیت حاصل کی ہے۔ مولف کتاب اس وقت خدا کی بارگاہ میں پہنچ چکا ہے اور اپنے کردار کی جزا وسزا پا رہا ہوگا اگر زندہ ہوتا تو ہم اسکا گریبان پکڑ کر پوچھتے کہ اس روایت میں جمع متکلم کا جو صیغہ موجود ہے کہ ہم پیغمبر کے ساتھ جبل حرا پر تھے تو اس ہم سے کون حضرات مراد ہیں؟ اس وقت احتجاج طبرسی مطبوعہ نجف اشرف ہمارے پیش نظر ہے۔ وہ حدیث جس سے یہ اقتباس نقل کیا گیا ہے احتجاج کے ص۱۱۱ سے ص۱۲۱ تک پورے دس صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور متعلقہ عبارت ص۱۱۱ پر موجود ہے۔ مگر اس تمام عبارت میں ابوبکر کا کہیں نام ونشان بھی نہیں ہے بنابریں نبی جناب رسول خدا صدیق وشہید جناب امیر علیہ السلام قرار پاتے ہیں۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اصل عبارت یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ قر جبل فانہ لیس علیک الا نبی او صدیق وشہید۔ اے پہاڑ ٹھہر جا تجھ پر سوائے نبی یا صدیق شہید کے اور کوئی نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ صدیق وشہید ایک ہی شخص کے دو عنوان ہیں۔ اس صورتِ حال میں اسے ابوبکر کی صدیقیت سے کیا واسطہ؟

سماعِ وعظ کجا نغمۂ رباب کجا
ببیں تفاوتِ راہ از کجا است تا بہ کجا

دسویں روایت اور اس کا جواب دھم۔ نہج البلاغت جو شیعوں کی مستند کتاب ہے جس میں جناب امیر علیہ السلام کے خطبات اور اقوال درج ہیں لکھا ہے۔ ملّٰہ بلاد فلان فلقد قوم الاود وداوی العمد۔ (بحذف عبارت) ترجمہ۔ خدا فلاں (ابوبکر) پر رحمت کرے کجی کو سیدھا کیا بیماری (جہالت) کا علاج کیا۔ سنت رسول کو قائم کیا۔ بدعت کو پیچھے چھوڑا۔ دنیا سے پاک اور کم عیب ہو کر گزر گیا۔ خوبی کو پایا اور شر وفساد سے پہلے چلا گیا۔ خدا کی بندگی کا حق ادا کیا

اور تقوے جیسا کہ چاہیئے اختیار کیں۔ فوت ہو گیا اور لوگوں کو پیچ در پیچ راستوں میں چھوڑ گیا کہ گمراہ کو راستہ نہیں ملتا اور راہ پانے والا یقین نہیں کرتا (نہج البلاغہ مطبوعہ بیروت جلد اوّل صفحہ ۳۵۰) شارحین نہج البلاغہ نے لفظ فلاں سے ابوبکر یا عمر مُراد لیا ہے دیکھو اس خطبہ میں علی المرتضیٰ صدیق کی کیسی تعریف فرماتے ہیں۔ (آفتاب صفحہ ۱)

الجواب باوجود یہ تسلیم کرنے کے کہ نہج البلاغہ میں جناب امیر علیہ السلام کے خطبات اور اقوال درج ہیں" پھر بھی اسے شیعوں کی کتاب قرار دینا اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام بھی صرف شیعوں کے امام ہیں ؎ رضینا قسمۃ الجبار فینا۔ بہرکیف یہ عبارت بھی بچند وجہ مؤلف کے لئے مفید مطلب نہیں ہے۔

اوّلاً۔ شارحین نہج البلاغہ میں شدید اختلاف ہے کہ اس "فلاں" سے مُراد کون ہے؟ کسی نے ابوبکر کسی نے عمر کسی نے محمد بن ابوبکر اور بعض نے حضرت سلمان مراد لیا ہے الغرض

؎ ہر کس بقدر فہمش فہمید مدعا را

اور بعض نے جناب امیر کے زمانہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والے ان ساتھیوں کو مراد لیا ہے جو آنحضرت کے بعد پیدا ہونے والے فتنہ و فساد اور وبائے ارتداد سے پہلے راہئ ملک بقا ہو گئے۔ فاضل علی بن الناصر نے اعلام نہج البلاغہ میں لکھا ہے۔ "مدح بعض اصحابہ بحسن السیرۃ وانہ مات قبل الفتنۃ التی وقعت بعد رسول اللہ علیہ وآلہ" اسی طرح فاضل راوندی نے اپنی شرح نہج البلاغہ میں لکھا ہے "انما اراد بعض اصحابہ فی زمن رسول اللہ ممن مات قبل وقوع الفتنۃ وانتشارھا (علی ما نقل عنھما) لہٰذا بموجب اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال جب تک ممدوح کی تعیین نہ ہو جائے۔ اس وقت تک یہ استدلال ناقابل اعتماد تصور کیا جائے گا۔

ثانیاً۔ اگر یہاں فلاں سے مراد ابوبکر یا عمر کو لیا جائے تو پھر خطبہ شقشقیہ میں جہاں حضرت امیر علیہ السلام نے لقد تقمصھا فلان فرما کر اس "فلان" کی سخت مذمت فرمائی ہے اس سے مراد بھی ابوبکر یا عمر کو لینا پڑے گا۔ اس طرح امام کے کلام معجز نظام میں تناقض پیدا ہو جائے گا جس سے امام کی شان بلند ہے۔ لیکن چونکہ خطبہ شقشقیہ کی مذمت والے کلام میں تو بالاتفاق فلاں سے مراد ابوبکر ہیں جیسا کہ داخلی قرائن قطعیہ سے واضح ہے۔ اس لئے اس بظاہر مدح والے کلام سے کوئی اور شخص مراد لینا پڑے گا۔ (وھو المقصود)

ثالثاً۔ اگر بفرض محال یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس سے ابوبکر یا عمر مُراد ہیں۔ تو چونکہ امام

کا یہ کلام ذو وجھین ہے اس سے مذمت ومدح کے دونوں پہلو نکل سکتے ہیں۔ اسلئے اس کلام کے دو معنی مراد لئے جائیں گے۔ جو آنجناب ؑ کے دوسرے واضح کلام کے عین مطابق ہوں۔ اور وہ اسطرح ہو سکتے ہیں۔

(۱) کجی کو سیدھا کیا (یعنی بہ نسبت ثالث شورش پسندوں کی سرکوبی کی) یا معنی یہ ہیں کہ کجی کو اور زیادہ مضبوط کیا۔ بنا بر انکہ تقویم کے معنی مضبوط کرنے کے سمجھے جائیں (۲) مرض (فتنہ) کا علاج کیا یعنی ظاہری نظام حکومت اچھا رکھا۔ یا یہ کہ ستون (کج) کھڑا کیا (۳) فتنہ وفساد کو اپنا خلیفہ بنایا یعنی بعد میں آنے والے کی حالت اس سے ابتر تھی۔ (۴) خود ساختہ سنت کو قائم کیا (یعنی دین میں بدعتیں پھیلائیں) (۵) صاف لباس سے گیا۔ یعنی بنسبت خلیفہ سوم اس کا ظاہر اچھا تھا۔ جب ہی تو لوگوں نے زیادہ شور نہیں مچایا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ باطن بھی پاک وصاف تھا۔ (۶) بہ نسبت خلیفہ ثالث کے کم عیب تھا۔ یہ مطلب نہیں کہ بالکل بے عیب تھا (۷) حکومت کے خیر یعنی مال ومتاع کو حاصل کیا۔ (۸) آتش فساد بھڑکنے سے پہلے فوت ہو گیا۔ (۹) اپنے خیال کے مطابق خدا کی اطاعت کی کہ بدعات کو عبادات سمجھا۔ (۱۰) بہ نسبت خلیفہ ثالث ظاہری نقائص سے بچا رہا ثالث بالخیر کی طرح کھل کر نہیں کھیلا۔ (۱۱) در پردہ دین کا نقشہ ایسا بدل گیا اور اسکا حلیہ ایسا بگاڑ گیا کہ گمراہ راہ نہیں پاتا۔ اور راہ پانے والا یقین نہیں کرتا۔ آخر کلام میں آنجناب ؑ نے قدرے کھل کر مذمت آمیز جملے ارشاد فرمائے ہیں۔ تاکہ پہلے ذو معنی فقروں کا صحیح مفہوم سمجھنے میں ممد ومعاون ثابت ہوں

(ابطال الاستدلال) ۵

ہزار نکتہ باریک تر ز مو اینجا ست
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

گیارھویں روایت اور اس کا جواب

تحریک ابوبکر نے کی۔ جلاد یازدہم تزویج فاطمہ کی

العیون اردو جلد اول ص۱۶۲ میں درج ہے (اس روایت کا لب لباب یہ ہے کہ ایک مرتبہ ابوبکر، عمر اور سعد بن معاذ نے مسجد میں نبوی میں بیٹھ کر مشورہ کیا کہ اشراف قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جناب فاطمہ کی خواستگاری کی مگر حضرت نے یہی جواب دیا کہ انکا اختیار پروردگار کو ہے۔ اور حضرت علی نے اس بارہ میں کچھ نہیں کیا۔ ہمیں گمان ہے کہ ان کی تنگ دستی کے انہیں کوئی امر مانع نہیں۔ خدا و رسول نے فاطمہ کو سبب تنگدستی علی کیلئے رکھا ہے۔ اٹھو علی کے پاس چلیں اور ان سے کہیں کہ فاطمہ کی خواستگاری کریں۔ اگر تنگدستی مانع ہے

تو ان کی مدد کریں گے۔ چنانچہ حضرت امیرؑ کے گھر گئے اور دریافت کرنے پر آنے کا مقصد بیان کیا۔ کہ ابوبکر نے کہا اے ابوالحسن! کوئی فضیلت فضیلتہائے نیک سے نہیں ہے مگر یہ کہ تم اور لوگوں پر اس فضیلت میں سابق ہو۔ "تم کو کیا چیز فاطمہؑ کی خواستگاری سے مانع ہے۔ آنسو چشم ہائے مبارک سے جاری ہوئے اور فرمایا۔ کون ایسا ہوگا جو فاطمہ کی خواستگاری نہ چاہتا ہو؟ ولیکن بسبب تنگ دستی۔ اظہار سے شرم آتی ہے۔ الغرض ان لوگوں نے حضرتؑ کو راضی کیا کہ رسول اللہ کے پاس جاکر خواستگاری کریں۔ الخ اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر کو کس قدر خیر خواہی امیر علیہ السلام کی مطلوب تھی۔ کہ اس مبارک رشتہ کی تحریک کی۔ کیا دشمن بھی کسی کی خیر خواہی کیا کرتے ہیں؟ (آفتاب ص!)

الجوابؑ قبل ازیں نویں آیت کے جواب میں اس موضوع پر تبصرہ کیا جا چکا ہے کہ اس سلسلہ کی تمام کڑیاں ملانے سے یہ بات صبح صادق کی طرح روشن ہو جاتی ہے کہ ان حضرات کی اس تحریک میں فی الواقع خلوص اور جذبہ ہمدردی کارفرما نہ تھا بلکہ صرف اپنی خفت کا داغ مٹانے اور جناب امیرؑ کو اپنے ساتھ ملانے کیلئے یہ سب کاروائی عمل میں لائی گئی تھی۔ اور اسکی چند وجوہ ہیں۔ (۱) جبکہ شیخین عمر رسیدہ۔ کئی کئی بیویوں کے شوہر، متعدد اولاد کے والد تھے۔ اور دوسری طرف جناب امیر علیہ السّلام نوجوان غیر شادی شدہ تھے۔ تو اگر وہ اس تحریک میں مخلص تھے تو پہلے اس مقدس رشتہ کی اپنے لئے تحریک کیوں کی تھی؟ (جو کہ جلاء العیون کے اسی صفحہ پہ مذکورہ بالا عبارت سے صرف ایک سطر پہلے مذکور ہے۔) پہلے ہی جنابِ امیرؑ کو یہ مشورہ کیوں نہ دیا؟ (۲) جب ان کو معلوم ہو گیا تھا کہ حضرت امیر علیہ السلام نے تنگ دستی کی وجہ سے تاحال خواستگاری نہیں کی۔ اور انہوں نے ان سے مالی امداد کا وعدہ کیا تھا۔ تب جناب امیر نے خواستگاری کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے شرف قبولیت بخشا تو پھر اپنی پیشکش کے مطابق مالی امداد کیوں نہیں کی؟ حتیٰ کہ جناب امیرؑ نے اپنی زرہ فروخت کرکے شادی کے اخراجات برداشت کئے۔ (جیسا کہ بارھویں دلیل میں خود مؤلف نے اس کا اقرار کیا ہے) (۳) حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ بقول شیخین کے جب "جمیع قریش (جن میں خود شیخین بھی شامل تھے) نے فاطمہؑ کی خواستگاری کی اور حضرت نے قبول نہ کی" اور لکا سا جواب ملا۔ تو یہ لوگ بہت خفیف ہوتے اسلئے اس خفت کو ہلکا کرنے یا اس رسوائی میں اپنے ساتھ شریک کرنے کیلئے جناب امیر سے تحریک کی کہ ان کو بھی نفی میں جواب ملے گا۔ مگر بموجب مصرعہ " جن کے رتبے ہیں سوا ان کی سوا مشکل ہے۔ حضرت امیر علیہ السلام نے خواستگاری کی۔ ادھر بارگاہِ نبویؐ میں فوراً قبول ہو گئی۔ گویا خدا اور رسول ان کی

خواستگاری کا انتظار کر رہے تھے۔ اور آنجناب ؑ کو وہ شرف حاصل ہوا۔ کہ اس میں کوئی انکا شریک وسہیم نہیں ہے۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

اظہارِ حق

ابوبکر کے اس بیان سے " اے ابوالحسن؟ کوئی فضیلت فضیلت ہائے نیک سے نہیں ہے۔ مگر یہ کہ تم اور لوگوں پر اس فضیلت میں سابق ہوئے" سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک حضرت امیرؑ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام لوگوں سے افضل ہیں۔ مگر مریدانِ ابابکر ان کو علی سے افضل بتاتے ہیں۔ کیا یہ مدعی سست اور گواہ چست والا معاملہ نہیں ہے؟ مالکم کیف تحکمون؟

بارھویں روایت اور اُس کا جواب

دوازدہم۔ جہیز فاطمہ ابوبکرؓ نے خرید کیا۔ چنانچہ جلاء العیون اُردو ص۱۶۲ پر مذکور ہے "جناب امیر نے فرمایا۔ حضرت رسول نے مجھے حکم دیا۔ یا علی ؑ! اٹھو اور اپنی زرہ بیچ ڈالو۔ قیمت لایا اور روپے حضرت کے دامن میں ڈال دیئے۔ ایک مٹھی روپیہ لیا اور بلال کو بلا کر دیا۔ اور فرمایا۔ فاطمہ کے لئے عطر و خوشبو لے آئیں۔ درہم سے دو مٹھیاں لیکر ابوبکر کو دیں اور فرمایا۔ بازار میں جا کر کپڑا وغیرہ جو کچھ اثاث البیت درکار ہے لے آئیں عمار بن یاسر اور جماعت صحابہ کو ابوبکر کے پیچھے بھیجا اور سب بازار میں پہنچے۔ پس ایک پیراہن سات درھم کو۔ ایک مقنعہ چار درھم کو (الغرض چند ضروری اشیاء خانہ خریدیں) اسباب مذکور اٹھایا اور حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لاتے حضرت ہر ایک چیز کو دست مبارک میں اٹھا کر ملاحظہ فرماتے اور کہتے تھے میرے خداوندا! میرے اہل بیت پر مبارک کر۔" اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ کی دوستی کے علاوہ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اسقدر بھروسہ تھا کہ جہیزِ فاطمہ کی خرید پر بھی وہی مامور ہوتے (آفتاب ص۲۸۱)

الجواب

قبل ازیں چھٹی روایت کے جواب میں تاریخ طبری ج۲ صفحہ۲۲۱ طبع مصر کے حوالے سے یہ واضح کیا جا چکا ہے (اور یہ حقیقت مسلم ہے) کہ حصولِ اقتدار سے قبل ابوبکر صاحب کپڑے کا کاروبار کیا کرتے تھے۔ اسلئے ضرورت تھی کہ کپڑا وہ شخص خریدے جو اچھے برے نیز اس کے بھاؤ وغیرہ سے واقف ہو۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کام ان کے سپرد فرمایا۔ اور جہاں تک ان پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعتماد کا تعلق ہے تو آنجناب ؑ نے جناب عمارؓ اور ایک جماعت صحابہ کو ابوبکر کے پیچھے بھیج کر ان پر عدم اعتماد ظاہر کر دیا۔ مگر اس کا کیا علاج کہ

سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجاست ۵

تیرھویں روایت اور اس کا جواب

یزدھم۔ جلاء العیون اردو ص۲۷۷ میں لکھا ہے ثعلبی نے روایت کی ہے کہ جس وقت مرض رسول کریم پر سنگین دورہ ہوا۔ اس وقت ابوبکر آئے اور کہا یا حضرت! آپ کس وقت انتقال کریں گے؟ حضرت نے فرمایا میرے اجل حاضر ہے۔ ابوبکر نے کہا آپ کو غسل کون دے گا؟ حضرت نے فرمایا جو میرے اہلبیت سے مجھ سے زیادہ قریب ہے الخ ابوبکر نے پوچھا کس طرح آپ پر نماز پڑھیں۔ اس وقت جوش و خروش اور غلغلہ مردم بلند ہوا۔ اب شیعو سے پوچھا جائے کہ ابوبکر معاذ اللہ عجیب منافق تھے۔ کہ آخر وقت بھی حضور علیہ السلام سے راز کی باتیں اور وصیتیں اسی کو سناتے رہے الخ غرض حضور کو اپنے محب صادق ابوبکر صدیق سے اس درجہ محبت و پیار تھا کہ بوقت نزع بھی اسی کو شرف ہمکلامی بخشا (خوشحال ابوبکر (آفتاب ہدایت)

الجواب یہ استدلال "الغریق یتشبث بکل حشیش (یعنی ڈوبنے والا ہر تنکے کا سہارا لیتا ہے) کی بدترین مثال ہے ورنہ اگر مؤلف کچھ بھی حقیقت پسندی سے کام لیتے اور معمولی غور و فکر کرتے تو یہ تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور استدلال پیش کرکے اپنے بودے دلائل کی تعداد میں اضافہ نہ کرتے۔ (۱) اس وقت جلاء العیون طبع ایران ہمارے پیش نظر ہے۔ اس کے ص۳۰ پر یہ روایت موجود ہے۔ اور ثعلبی سنی عالم سے منقول ہے جو شیعوں پر حجت نہیں (۲) یہ سوالات اس قدر احمقانہ ہیں کہ صاحب خلق عظیم کا ہی یہ کام تھا کہ انہوں نے ان کے جوابات دیئے۔ ورنہ انکی جگہ کوئی اور ہوتا تو یہ جواب ..... باشد خموشی کہکر خاموش ہو جاتا۔ ارباب عقل و خرد سوچیں کہ جو آدمی جاں بلب ہو۔ اسکے حبدار و تیماردار اس سے کبھی یہ بھی پوچھا کرتے ہیں "آپ کس وقت انتقال کریں گے" اس سوال سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سوال کرنیوالا بڑی بے تابی سے مرنے والے کی موت کا انتظار کر رہا ہے۔ "آپ کا بازگشت کہاں ہے؟" اسکا مطلب تو یہ ہوا کہ ابوبکر صاحب کو تاحال یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ پیغمبر اسلام کا انجام کیا ہے؟ نہ ہے معرفتِ ابوبکر! (۳) اسمیں وصیت کی کوئی بات نہیں اور نہ کوئی راز ہے بلکہ صرف ابوبکر کے چند عامیانہ سوالات کے مختصر جوابات ہیں۔ یہ روایت "در بیان و قائع کہ در ہنگام وفات آنحضرت بظہور رسید" کے عنوان کے تحت درج ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت والا عنوان "در بیان وصیت نمودن حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ" ص۲۸ سے ص۳۲ تک پھیلا ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے جو وصیتیں کرنا تھیں وہ اپنے اہل بیت کو کر چکے تھے۔ اب تو زیارت اور مزاج پرسی کرنے والوں سے حجرہ کچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ جناب ابوبکر آئے اور مذکورہ بالا عاقلانہ سوالات کئے اور خلق عظیم کے مالک نے ان کے مناسب جوابات دیے۔ (۴) اس بات پر کہ حجرہ لوگوں سے بھرا ہوا تھا دلیل یہ ہے کہ اس روایت میں وارد ہے۔ جب ابوبکر نے یہ پوچھا کہ کس طرح آپ پر نماز پڑھیں؟ تو اس وقت جوش و خروش اور غلغلہ آواز مردم بلند ہوا۔" اب ان حقائق کی روشنی میں اہل سنت سے پوچھا جاتا ہے کہ وہ خدا کو حاضر و ناظر سمجھ کر بتائیں کہ آیا اس واقعہ سے ابوبکر کی منقبت ظاہر ہوتی ہے یا حماقت و منقصت؟ ؎

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

چودھویں روایت اور اس کا جواب

چہاردھم۔ شیعہ کی متعدد کتب میں شیخین کی نسبت حضرت امام جعفرؑ سے مروی یہ حدیث موجود ہے ھما امامان عادلان قاسطان کانا علی الحق وماتا علیه فعلیهما رحمة الله یوم القیامة۔ ترجمہ: ابوبکر و عمر دونوں امام عادل۔ اور بالانصاف حق پر تھے۔ حق پر ہی فوت ہوئے۔ ان دونوں پر خدا کی رحمت ہو قیامت کے دن۔ (آفتاب ص ۲۹)

الجواب جن لوگوں کو حضرت امیر علیہ السلام کاذب، آثم، گنہگار، غدار اور خیانت کار سمجھتے تھے (ملاحظہ ہو صحیح مسلم مع شرح نووی ج ۲ ص ۹۰) ان کے مقتدیوں سے دیانت و امانت کی توقع رکھنا خیال محال ہے۔ اگر ان لوگوں میں امانت کا کچھ رمق بھی ہوتا تو نقل روایات میں اس قدر خیانت کا ارتکاب نہ کرتے۔ اور اگر دیدے کا پانی بالکل نہ ڈھلک گیا ہوتا۔ تو ہرگز ایسی روایات سے ثلاثہ کی فضیلت ثابت کرنے کی ناکام کوشش نہ کرتے کہ اگر ان کی حقیقت کے چہرے سے نقاب کشائی کی جائے۔ تو بجائے فضیلت کے الٹا پیرو مرید ہر دو کی فضیحت و رسوائی اور جگ ہنسائی ہو۔ آہ۔ ما اکثر العبر وما اقل الاعتبار۔

؎ کاخ جہاں پُر است ز ذکر گذشتگاں
لیکن کسے کہ گوش دہد ایں صدا کم است

لیجیے ہم اس روایت کا سیاق و سباق۔ اس کا پس منظر اور پھر امام کی زبانی اس کی تشریح پیش کئے دیتے ہیں تاکہ گندم نما جو فروش دکانداروں کے دجل و فریب کا پردہ چاک ہو جائے۔ "روی انه سئل رجل من المخالفین من الامام الصادق فقال یا ابن رسول الله: ما تقولُ فی ابی ابکر و عمر فقال هُما امامان الخ ...... روایت کی گئی ہے کہ مخالفین اہل بیت میں ایک شخص نے امام جعفر صادق سے دریافت کیا کہ فرزند رسول آپ ابوبکر و عمر کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ اس کے جواب میں امامؑ نے بطور تقیہ یہ ذو معنی کلام ارشاد فرمایا

جس کے معنائے قریب سے مدح اور معنائے بعید سے مذمت ظاہر ہوتی ہے فلما انصرف الناس قال له رجل من خاصته یا بن رسول الله! لقد تعجبت مما قلت فی حق ابی بکر و عمر! جب علم لوگ (بشمول سائل) اٹھ کر چلے گئے۔ تو خاصانِ امام میں سے ایک شخص نے کہا۔ فرزند رسول آج آپ نے ابو بکر و عمر کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا ہے مجھے اس سے بڑا تعجب ہوا ہے (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کے اصحاب امام سے ایسا کلام بھی شیخین کے متعلق سننے کے عادی نہ تھے جس سے بظاہر مدح مترشح ہوتی ہو) امام نے اپنے کلام کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔ نعم هما اماما اهل النار کما قال سبحانه وجعلنا هم ائمة یدعون الی النار۔ اما القاسطان فقد قال الله تعالیٰ واما القاسطون فکانوا لجهنم حطباً واما العادلان فلعدولهما عن الحق کقوله تعالیٰ والذین کفروا بربهم یعدلون۔ والمراد من الحق الذی کانا مستولیین علیه هو امیر المومنین۔ حیث آذیاه وغصبا حقه۔ والمراد من موتهما علی الحق انهما ماتا علی عداوته من غیر ندامة عن ذالک والمراد من رحمة الله رسول الله، فانه کان رحمة للمومنین وسیکون خصماً لهما ساخطاً علیهما منتقماً منهما یوم الدین ؛ ہاں۔ وہ دونوں امام ہیں۔ مگر اہل دوزخ کے۔ جیسے خدا فرماتا ہے کہ کچھ امام ہم نے ایسے بھی پیدا کئے ہیں جو لوگوں کو جہنم کی طرف بلاتے ہیں۔ اور قاسط کے (وہ معنی یہاں مراد ہیں ظالم) جو اس ارشاد خداوندی میں مراد ہیں۔ کہ جو قاسط (ظالم) ہیں وہ جہنم کا ایندھن ہیں ۔۔۔ اور عادلان سے مراد ہے حق سے عدول و روگردانی کرنے والے چنانچہ خدا فرماتا ہے جو لوگ کافر ہیں وہ حق سے عدول کرتے اور اپنے پروردگار کے برابر (اپنے جھوٹے معبودوں کو) بناتے ہیں۔ حق سے مراد جناب امیر المومنین ہیں جن کے یہ دونوں برخلاف تھے انکو اذیت پہنچائی اور ان کا حق غصب کیا اسی حق کے خلاف مرے یعنی اپنے کردار پر کوئی ندامت ظاہر نہ کی بلکہ علی دشمنی پر ہی مرے۔ رحمت سے مراد جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو اہل ایمان کیلئے رحمت ہیں۔ یہ رحمت یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت کے دن ان دونوں کیخلاف ہوں گے اور ان سے انتقام لیں گے؛؛ (احقاق الحق ص۹)"

ہم پرستاران شیخین کو شیخین کے سر کی قسم دے کر پوچھتے ہیں کہ اس پوری روایت کو اپنے سیاق و سباق کیساتھ دیکھنے کے بعد اس سے شیخین کی فضیلت ثابت ہوتی ہے یا رذیلت ؟ بینوا توجروا !

نہ سمجھو گے تو پھر سمجھو گے تم یہ چیستاں کب تک ؟؟؟

پندرھویں روایت اور اس کا جواب

پانزدھم۔ نہج البلاغہ کی شرح کبیر مؤلفہ کمال الدین بن میثم بحرانی جو علامہ ہیں

تصنیف کی گئی میں یوں درج ہے یہ وکان افضلھم فی الاسلام کما زعمت وانصحھم للہ ورسولہ الخلیفۃ الصدیق والفاروق۔ ترجمہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اسلام میں سب سے بہتر اور خدا اور رسول کے بڑے مبلغ اسلام! حضورؐ کے جانشین حضرت ابوبکر اور عمر فاروق تھے۔ اب میں پندرہ شہادت کتب شیعہ سے لکھ کر حضرات شیعہ کو دوازدہ آئمہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ اس قدر روشن شہادت دربارہ تعریف، اعتراف فضیلت و صدیقیت حضرت ابوبکر دیکھ کر بھی تم لوگ ضد سے باز نہ آؤ گے؟ (آفتاب ص)

الجواب مؤلف نے اس استدلال میں بھی اپنی روایتی خیانت مجرمانہ یا تجاہل عارفانہ سے کام لیکر عوام الناس کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی مذموم کوشش کی ہے اور نقل روایت میں لفظی و معنوی تحریف کی ہے۔ اگر اس روایت کو اس کے پس منظر کی روشنی میں دیکھا جائے بلکہ اگر خود انہی پیش کردہ الفاظ میں غور کیا جائے تو اس سے بجائے شیخین کی مدح کے الٹا ان کی مذمت ثابت ہوتی ہے۔ خدا ان لوگوں کو ہدایت کرے جو انتم سکاریٰ، کو نظر انداز کر کے صرف لا تقربوا الصلوٰۃ کے ساتھ تمسک کر کے حب ثلاثہ میں اپنے دین و ایمان کا بیڑا غرق کر رہے ہیں۔ آہ وما تغنی الآیات والنذر عن قوم لا یؤمنون۔ منقولہ بالا عبارت حضرت امیر المؤمنین کے اس طویل مکتوب گرامی کا ایک ٹکڑا ہے جو آنجناب نے امیر شام معاویہ بن ابی سفیان کے نام اسکے ایک خط کے جواب میں لکھا تھا۔ یہ خط وکتابت شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی ج ۳ ص العقد الفرید لابن عبد ربہ اندلسی طبع مصر ج ۳ ص اور شرح ابن میثم بحرانی وغیرہ میں بالتفصیل درج ہے" معاویہ نے قتل عثمان کی ذمہ داری آنجناب پر عائد کرتے ہوئے ایک لمبا چوڑا خط آپ کو لکھا جسمیں بزعم خویش بعض اصحاب کے فضائل بیان کرتے ہوئے حضرت امیرؑ کو انکا حاسد قرار دینے کی جسارت کی تھی خط میں لکھا تھا ۔۔۔ واجتبیٰ لہ من المسلمین اعوانا ایدہ بھم وکانوا فی منازلھم عندہ علی قدر فضائلھم فی الاسلام فکان افضلھم فی الاسلام وانصحھم للہ ولرسولہ الخلیفۃ من بعدہ وخلیفۃ خلیفتہ الخ ۔۔۔۔ فکلھم حسدت وعلی کلھم بغیت۔ الخ یعنی خدا نے اپنے رسول کی تائید و نصرت کیلئے مسلمانوں میں سے کچھ مددگار منتخب کئے۔ وہ اسلام میں اپنے فضائل کی مقدار کے مطابق آنحضرت کی نگاہ میں درجہ رکھتے تھے۔ اور اسلام میں سب سے افضل اور خدا و رسول کے بہی خواہ پہلے خلیفہ اور انکے جانشین (عمر) تھے۔ مگر آپ نے (اے علی) سب سے حسد کیا۔ اور سب کے خلاف بغاوت کی " (بحوالہ مذکورہ بالا) اسکے جواب میں حضرت امیرؑ نے ایک عدیم النظیر مکتوب معاویہ کو

روانہ فرمایا۔ انہیں فرماتے ہیں ۔۔۔۔ وذکرت ان اللہ اجتبی لہ من المسلمین اعوانا ایدہ لہم فکانوا فی منازلہم عندہ علی قدر فضائلہم فی الاسلام وکان افضلہم فی الاسلام کما زعمت وانصحہم للہ ولرسولہ الخلیفۃ الصدیق وخلیفۃ الخلیفۃ الفاروق الخ

(مخفی نہ رہے کہ العقد الفرید اور شرح حدیدی میں لفظ الصدیق اور الفاروق موجود نہیں ہے۔) ذکرت امرا ان تم اعتزلک کلہ وان نقص لم یلحقک ثلمۃ وما انت والصدیق فالصدیق من صدق بحقنا وابطل باطل عدونا وما انت والفاروق فالفاروق من فرق بیننا و بین اعدائنا ۔۔۔۔۔

وذکرت ابطائی عن الخلفاء وحسدی ایاہم والبغی علیہم فاما البغی فمعاذ اللہ ان یکون واما الکراھۃ لہم فواللہ ما اعتذر للناس من ذالک ۔۔۔۔۔ (العقد الفرید ج ۳ ص ۱۰۸ طبع مصر سطر ۱۱، ۱۸ / نہج البلاغہ ص ۱۹۹ طبع ایران وغیرہ) (اے معاویہ) تو نے (اپنے خط میں) ذکر کیا ہے کہ خدا نے رسول کی نصرت کیلئے کچھ مسلمان چنے اور وہ اپنے فضائل اسلامی کیمطابق آپکی نظر میں منزل ومقام رکھتے تھے اور تیرا گمان ہے کہ اسلام میں سب سے افضل اور خدا اور رسول کے سب سے بڑے خیرخواہ خلیفہ صدیق اور ان کے جانشین فاروق تھے ۔۔۔۔ سو تم نے ایک ایسی بات کا ذکر کیا ہے کہ اگر وہ درست ہو تو تمہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں اور اگر غلط ہے تو تمہارا کوئی نقصان نہیں ۔۔۔ تمہیں کیا خبر کہ صدیق کون ہے؟ صدیق وہ ہے جو ہمارے حق کی تصدیق کرے اور ہمارے دشمن کی غلط بات کو غلط کہے۔ تمہیں کیا پتہ کہ فاروق کون ہے؟ فاروق وہ ہے جو ہم اور ہمارے دشمنوں کے درمیان فرق کرے (سب کو ایک جیسا نہ سمجھے) ۔۔۔۔ تم نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ میں ان لوگوں پر حسد کرتا رہا اور ان کے خلاف بغاوت پھیلاتا رہا۔ سو جہاں تک بغاوت کا تعلق ہے خدا کی پناہ کہ کبھی کی ہو۔ اور جہاں تک ان کو ناپسند کرنے کا تعلق ہے بخدا میں اسکی لوگوں سے عذر خواہی کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں۔" (کیونکہ یہ صحیح ہے) اس خط وکتابت سے درج ذیل امور بعبارۃ النص واضح وآشکار ہوتے ہیں:

(۱) عام مسلمانوں کے موجودہ عقیدہ کہ "افضل الناس بعد النبی ابوبکر ثم عمر الخ ۔۔۔۔۔ کا سنگ بنیاد، پہلے پہل امیر معاویہ نے رکھا۔ ورنہ قرآن وحدیث سے تائید تو درکنار خود ثلاثہ نے بھی کبھی اس بات کا دعوی نہیں کیا تھا۔ (۲) حضرت امیر علیہ السلام کی نظر اقدس میں یہ عقیدہ سراسر باطل تھا اور آپ اسے صرف معاویہ کا زعم باطل سمجھتے تھے۔ واضح رہے کہ ہمارے مولوی کرم الدین صاحب لفظ "کما زعمت" لکھنے کے باوجود اسکا ترجمہ شیر مادر کیطرح ہضم کر گئے ہیں۔ نیز انہوں نے "انصحہم للہ ورسولہ" کا ترجمہ "خدا ورسول کے بڑے مبلغ اسلام" کیا ہے جو ان کے دین ودیانت اور فضل وکمال کا شاہکار ہے۔ (۳) جناب امیر شورش پسند نہیں تھے اس

لئے باوجود غصبِ حقوق کبھی امن عامہ کو تہہ و بالا نہیں کیا بلکہ ہمیشہ صبر و شکیبائی سے کام لیا۔ (۵) آنجناب خلافتِ ثلاثہ کو ناپسند کرتے تھے اور ان کے باہمی تعلقات ناخوشگوار تھے اس سے اُن کے باہمی شیر و شکر ہونے والے نظریہ کی قلعی کھل جاتی ہے۔ اب ہم مولوی کرم الدین اور ان کے ہم پیالہ و ہم نوالہ حضرات کو ان کے باسہ خلفاء (جن میں چھٹے یزید ہیں) کی قسم دے کر پوچھتے ہیں کہ ان پندرہ[۱۵] شہادات کے جوابات میں ہم نے جو الزامی و تحقیقی حقائق پیش کئے ہیں۔ ان کے پیشِ نظر ابوبکر کے دامن میں کوئی سی فضیلت بھی باقی رہ جاتی؟ یا انکے دین و ایمان اور فضل و شان کا جنازہ بڑی دھوم دھام سے نکل جاتا ہے۔ سُنیو اب بھی تم فضائل ابوبکر بیان کرنے سے باز نہ آؤ گے؟؟؟ اور کب تک نادانِ دوست کا کردار ادا کر کے اُن کی رسوائی اور جگ ہنسائی کرتے رہو گے۔ سچ ہے:-

دشمنِ دانا کہ پئے جان بود

بہتر از آں دوست کہ ناداں بود

وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ ۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم ==:-

(حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ)

پہلی روایت اور اس کا جواب

(۱) حضرت عمر کے اسلام لانے کے متعلق ملا باقر مجلسی شیعی بحار الانوار جلد ۱۲ میں مسعود عیاشی سے یوں روایت کی ہے۔ روی العیاشی عن الباقر علیہ السلام ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم قال اللھم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب او بابی جھل بن ھشام ۔ ترجمہ: مسعود عیاشی امام باقر علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے دعا فرمائی کہ اے خدا اسلام کو عمر بن خطاب یا ابوجہل بن ہشام کے اسلام لانے سے عزت بخش۔ سو حضور کی دعا مستجاب ہوئی۔ حضرت عمر کے اسلام لانے کی کیفیت صاحب حملہ حیدری یوں لکھتا ہے۔ چناں بد کہ بوجہل زاں سرزنش ۔ بکیفے تشد عداوت منش آفتاب صفحہ ۱۰۱ (بعد ازاں حملہ حیدری کے چند اشعار نقل کئے ہیں۔ جن میں بطریق مشہور زن و ہمشیرہ عمر صاحب کے اسلام لانے کی کیفیت درج ہے۔ یعنی ایک روز ابوجہل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کو قتل کرنے والے کو ایک ہزار اونٹ وغیرہ بطور انعام دینے کا اعلان کیا۔ یہ سن کر عمر تیار ہوگیا۔ بہن کے گھر پہنچا تو قرآن کی چند آیتیں سن کر اس قدر متاثر ہوا کہ بزمِ رسول میں جاکر اپنے اسلام لانے کا اعلان کر دیا۔ ناقل) بعد ازاں صاحب آفتاب نے ملا پر لکھا ہے روایات بالا سے حسب ذیل امور ظاہر ہوتے ہیں جو حضرت عمر کی فضیلت کا نمایاں ثبوت ہیں:۔

(۱) آپ کا اسلام لانا حضور سرور کائنات کی استجابت دعا کا نتیجہ ہے ۔۔۔۔۔ (۲) اسلام عمر کسی دنیوی لالچ یا طمع سے نہیں بلکہ صداقتِ اسلام دیکھنے اور کلام الٰہی کی قوتِ اعجاز کی خاص تاثیر ہونے کے سبب ہوا ۔۔۔۔ (۳) حضرت عمر کے اسلام کا خیر مقدم رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب رسولؐ نے گرمجوشی کیا اور حضورؐ علیہ السلام نے بغلگیر ہو کر برکات پہنچائیں (۴) حضرت عمر کے جلال و جبروت کا نتیجہ تھا کہ آپ کے اسلام لاتے ہی شوکتِ اسلام دوبالا ہوگئی۔ اور بجائے خفیہ عبادت کے خدا کے گھر کعبۃ اللہ میں کر نماز باجماعت پڑھی گئی۔ (بعد ازاں صہ ۱۲۲ پر ناسخ التواریخ صہ ۱۶۱ (جلد ہند اردو) سے عمر کے اسلام لانے کی کیفیت یوں درج کی ہے " دیار رسول اللہ از بہر آں آمدہ ام کہ کیش مسلمانی گیرم و کلمہ توحید بر زبان رانم الخ۔ بحذف فارسی) ترجمہ۔ عمرؓ نے عرض کی حضور میں اسلئے حاضر ہوا ہوں کہ مذہبِ اسلام قبول کروں۔ یہ کہہ کر کلمہ توحید پڑھا۔ آنحضرتؐ حضرت عمر کے اسلام لانے سے ایسے خوش ہوئے کہ بلند آواز سے تکبیر کہی۔ آپ کی تکبیر اصحاب نے سنی اور سب نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اور حضرت عمر کے استقبال کو باہر نکلے۔ اسوقت حضرت عمر نے عرض کی۔ حضورؐ! کافر تو لات و عزیٰ کی پرستش ظاہر ہو کر کریں ہم خدائے قدوس کی عبادت کیوں چھپ کر کریں۔ پھر انہوں نے کعبہ جانے کا ارادہ کر لیا۔ (آفتاب ۱۲۳ ۔۔۔ (بعد ازاں کعبۃ اللہ کی طرف بایں طور جانے کی کیفیت بیان کی ہے کہ ایک طرف ابوبکر اور دوسری طرف عمر۔ آگے آگے حضرت علی اور پیچھے پیچھے اصحاب تھے۔ بالآخر کعبۃ اللہ کے پاس جاکر دو رکعت نماز پڑھی۔ اور پھر واپس آتے۔ (بعد ازاں لکھا ہے کہ

" اور اب جاتے غور ہے کہ اسلام لاتے ہی حضرت عمر کی حسنِ عقیدت کا یہ حال ہوگیا تھا کہ دین حق کے پاس ہیں کفار سے دوبدو گئے۔ اور ان کو للکارا کہ اگر ذرہ برابر رسول پاک کی شان والا میں بے ادبی کی تو میری تلوار ہوگی اور تمہارا سر ۔۔۔۔۔۔

پھر حضور علیہ السلام جن کو علوم اوّلین و آخرین سب معلوم تھے، اسلام عمر پر اس قدر خوشی کیوں مناتے۔ اگر معلوم تھا کہ بالآخر اس نے اسلام سے پھر جانا ہے اور میرے اہلبیت کو تکلیف پہنچانی ہے شیعو! خدارا انصاف کرو۔ الیس منکم رجل رشید؟" آفتاب صفحہ ۱۱۳۔

الجواب مولف کتاب نے روایات فضائل ابوبکر سے فراغت پانے کے بعد اب فضائل عمر کی طرف توجہ فرمائی ہے۔ ہم بھی بحمد اللہ بعونہ تعالٰی ان روایات کی حقیقت واضح کر چکے اور ان کے چہرے سے نقاب کشائی کر کے ان کے حقیقی خدوخال ناظرین کرام پر نمایاں کر چکے اور مؤلف کے دجل و فریب کا پردہ چاک کر چکے تو اب روایات فضائل عمر کی اصلیت کو اجاگر کرتے ہیں وبیدہ ازمۃ التحقیق ....)

(۱) جہاں تک روایت اللّٰھم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب الخ ...... کا تعلق ہے پچند وجوہ اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ اولاً یہ روایت مرسل و مقطوع ہے اور مقام اعتقاد میں ایسی روایات حجت نہیں ہوتیں ثانیاً اس روایت میں عمر صاحب کو ابوجہل کے اسلام لانے کا کوئی تذکرہ نہیں بلکہ صرف انکی وجہ سے اسلام کو تقویت پہنچانے کا ذکر ہے اور سابقہ اوراق میں کئی جگہ بالتفصیل یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ بعض اوقات خداوند حکیم اسلام کی نصرت و تائید ایسے لوگوں سے بھی کر دیتا ہے جو فاسق و فاجر ہوتے ہیں۔ ملاحظہ ہو بخاری مع فتح الباری ج ۲ صفحہ ۱۳۱ طبع دہلی، اتقان ج ۲ صفحہ ۱۲۵ کنز العمال ج ۱ صفحہ ۱۸ وغیرہ)

رابعاً جناب عمر آنحضرت کے اعلان نبوت کے چھٹے سال اسلام لائے۔ حالانکہ اعلان نبوت کے تین سال بعد اعلانیہ اسلامی احکام کی تبلیغ اور ان پر عملدرآمد شروع ہو چکا تھا۔ اور آیت مبارکہ فاصدع بما تؤمر و اعرض عن الجاھلین کا نزول ہو چکا تھا۔ یہ ایسے کھلے ہوئے حقائق ہیں کہ ان میں ہرگز مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ پھر اسلام عمر سے اسلامی احکام کی اعلانیہ اشاعت میں کیا مدد ملی؟ خامساً۔ کتب اہلسنت سے ثابت ہے کہ جناب عمر ایسے ڈرپوک اور کمزور تھے کہ اپنا دفاع بھی نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری مترجمہ تسہیل الباری ج ۲ صفحہ ۴۴۳۔ باب اسلام عمر (علی ما نقلہ فی ابطال الاستدلال) بہ اسناد عبداللہ بن عمر سے اپنے باپ (عمر) کا قصہ اسلام یوں مروی ہے۔ قال بینما ھو (عمر) فی الدار خائف اذ جاءہ العاص بن وائل السہمی الخ ......

کہا حضرت عمر ڈرتے ہوئے گھر میں بیٹھے تھے (تسہیل الباری میں یوں وضاحت کی ہے" ف قریش سے ڈرتے تھے کہ وہ مسلمان ہونے پر کیا کرتے ہیں۔ استنے میں ابو عمرو العاص بن وائل سہمی ان کے پاس آیا۔ وہ بنی سہم کے قبیلے سے تھا جو جاہلیت میں ہمارے حلیف تھے۔ اور اس نے کہا کہ عمر تمہارا کیا حال ہے؟ (کیوں خائف و آزردہ ہو؟) انہوں نے کہا کہ قوم بنی سہم کے لوگ کہتے ہیں کہ اگر میں مسلمان ہوا تو وہ مجھے مار ڈالیں گے۔ عاص نے کہا وہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ (حضرت عمر کہتے ہیں) عاص کے کہنے پر مجھے اطمینان ہوا کیونکہ وہ بنی سہم کا سردار تھا۔ (پھر

کہا، عاص نے لوگوں سے کہا۔ دیکھو۔ عمر کو مت ستاؤ۔ یہ سمجھ رکھو عمر میری پناہ میں ہے۔ یہ سنتے ہی لوگ پھوٹ گئے۔" انتہی ملخصاً۔ قارئین کرام فیصلہ کریں کہ جو شخص علانیہ اپنے اسلام کا اظہار نہیں کر سکتا اور ڈر کے مارے دبک کر گھر میں بیٹھا ہوا ہے وہ اسلامی مراسم و شعائر کو کھلم کھلا بجا لانے میں کیا اعانت و نصرت کر سکتا ہے؟ سادہ مؤلف نے نقل روایت میں دیانتداری سے کام نہیں لیا۔ ورنہ پوری روایت دیکھنے سے تو عمر کی انتہائی رسوائی ہوتی ہے۔ اس روایت میں بزبان امام یوں مروی ہے۔ فانزل اللّٰہ ھٰذہ الآیت وماکنت متخذ المضلین عضدا۔" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعا کے بعد خدا نے یہ آیت نازل کی۔ ماکنت متخذ الخ کہ میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا معین و مددگار نہیں بناتا۔ (کذا فی الصافی ج۲) اس سے تو عمر صاحب کا ضال و مضل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جن کی امداد کو خدا قبول کرنے پر راضی نہیں ہے نعم ماقیل

ع ذھب الحمار لیستفید لنفسہ ❊ قرنا فآب ومالہ اذنان

جہاں تک حملہ حیدری اور ناسخ التواریخ کے بیان کے مطابق عمر کے اسلام لانے کی کیفیت کا تعلق ہے ہم سابقا آیت ۲۶ کے جواب میں حملہ حیدری کی حقیقت کھول کر بیان کر چکے ہیں۔ کہ اولاً اس کا مؤلف کوئی مجتہد یا محدث یا عالم دین نہیں بلکہ فردوسی کی طرح صرف شیعی المذہب شاعر ہے۔ ثانیاً یہ شخص عالمگیر جیسے متعصب سنی بادشاہ کے عہد میں قلعہ گوالیار میں کلیداری کے منصب پر فائز تھا اور اس نے اسی طرح واقعات نظم کئے ہیں جس طرح بالعموم اہلسنت کی کتب سیر و تواریخ میں مذکور ہیں۔ اور خود یہ کہہ کر کہ۔

من از گفتہ راوی بیان می کنم

جوابش بر وگفتہ گر بیش و کم

یعنی دروغ برگردن راوی اپنی گلو خلاصی کرا لی تھی لہٰذا اس کتاب کے مندرجات کی جب تک دوسری شیعی کتب معتبرہ سے تائید نہ ہو جائے اس وقت تک ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اور قریب قریب یہی کیفیت ناسخ التواریخ کی ہے جس پر سابقہ عنوان میں پہلی روایت کے جواب کے ضمن میں تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ اگرچہ یہ کتاب شیعی دور حکومت (ایران) میں لکھی گئی ہے مگر لکھنے والے بزرگ لسان الملک مرزا محمد تقی سپہر کاشانی کا شمار علماء کبار تو درکنار علماء صغار میں بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ صرف صاحب فضل ادیب ہیں۔ اور ان کی کتاب میں ہر قسم کا رطب و یابس موجود ہے۔ وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں اس پر تمام مورخین کے نظریات و آراء نقل کر دیتے ہیں لہٰذا جو کچھ انہوں نے اسلام عمر کے سلسلہ میں رقم فرمایا ہے وہ مشہور کتب تواریخ اہلسنت کا خلاصہ ہے۔ ورنہ اصل حقیقت وہی ہے جو ہم محققین اہلسنت کے حوالہ جات سے سابقاً پہلی آیت کے جواب میں درج کر چکے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب ابوجہل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کرنے پر سرخ و سیاہ رنگ کے

ایک سو اونٹ اور ایک ہزار اوقیہ چاندی دینے کا اعلان کیا (تاریخ الخلفاء ص۱۲۳) اور عمر صاحب اس انعام بطور انعام کے لالچ میں آکر تلوار حائل کر کے بارگاہ نبوی میں پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکے دامن سے پکڑ کر انہیں جھنجوڑا اور فرمایا۔ ما انت بمنتہٍ یا عمر! حتی ینزل اللہ بک من الخزی والنکال ما انزل بالولید بن مغیرۃ فقال عمر! اشھد ان لا الہ الا اللہ الخ۔۔۔۔۔ اے عمر! معلوم ہوتا ہے کہ تم اس وقت تک ان حرکتوں سے باز نہیں آؤگے جب تک تمہاری ذلت و رسوائی میں وہی آیتیں نازل نہ ہوں جو ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہو چکی ہیں۔ یہ سنتے ہی عمر نے کلمہ شہادت پڑھا۔" (ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء ص۱۲۳ صواعق محرقہ ص۱۲ شرح نہج البلاغہ حدیدی ج ۲ ص۱۵ وغیرہ)۔۔۔۔ یہ کہنا کہ انہوں نے کلام اللہ کی صرف چند آیتیں سن کر اسقدر متاثر ہوتے تھے کہ فوراً اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ روایت و درایت کے بالکل خلاف ہے۔۔۔۔۔ کیا گذشتہ چھ سال میں انہوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس زبان یا کسی اور مسلمان سے خدائے منان کا پاک کلام نہیں سنا تھا۔؟ اور اگر سنا تھا (اور یقیناً سنا ہوگا) تو پہلے یہ اثر کیوں نہ ہوا؟ روایت گھڑنے والے کو اس بات کا شاید خیال نہیں رہا۔ ورنہ اسکی بھی کوئی توجیہہ پیش کرتا۔ ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ یہ روایت (اللھم اعز الاسلام الخ۔۔۔) صرف مقطوع السند ہی نہیں بلکہ موضوع بھی ہے بہرکیف مؤلف نے اس قصہ پر جو تفریعات بطور بناء الفاسد علی الفاسد قائم کیں تھیں۔ وہ اصل بنیاد کے منہدم ہونے سے خود بخود ختم ہو گئیں ؛ والحمد للہ رب العالمین۔

سنیو! خدارا کچھ تو عقل و انصاف سے کام لو۔ کب تک ایسے بے سروپا فضائل ثلاثہ بیان کر کے خود رسوا ہو گے۔ اور اپنے بزرگوں کو رسوا کرو گے۔ الیس فیکم رجل رشید ؟؟

نہ سوچو گے تو مٹ جاؤ گے اے حضرت عمر والو

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

دوسری روایت اور اس کا جواب

(۲) نہج البلاغہ ص۱۸۹ میں ہے "من کلام لہ علیہ السلام وقد شاورہ عمر فی الخروج الی غزوۃ الروم بنفسہ وقد تکفل اللہ الخ (خذف عربی) ترجمہ۔ (۱) جب خلیفہ ثانی عمر نے روم پر چڑھائی کی اور حضرت علی سے مشورہ کیا تو آپ نے فرمایا۔ نواح اسلام کو غلبہ دشمن سے بچانے اور مسلمانوں کی شرم رکھنے کا اللہ تعالیٰ ہی کفیل ہے جو ایسا خدا ہے جس نے انہیں اس وقت فتح دی ہے جبکہ ان کی تعداد نہایت قلیل تھی۔ اور کسی طرح فتح نہیں پا سکتے تھے۔ انہیں اس وقت مغلوب ہونے سے روکا ہے جب یہ کسی طرح روکے

نہیں جا سکتے تھے۔ اور جو خداوندِ عالم حیّ لا یموت ہے۔ اب اگر تو خود دشمن کیطرف کوچ کرے۔ اور تکلیف اٹھائے تو یہ سمجھ لے کہ پھر مسلمانوں کو انکے اقصائے بلاد تک پناہ نہ ملے گی اور تیرے بعد کوئی ایسا مرجع نہ ہوگا۔ جس کی طرف رجوع کریں لہٰذا تو دشمنوں کیطرف اس شخص کو بھیج۔ جو کارآزمودہ ہو۔ اسکے ماتحت ان لوگوں کو روانہ کر دو۔ جو جنگ کی سختیوں کے متحمل ہوں اور اپنے سردار کی نصیحت کو قبول کریں اب اگر خدا غلبہ نصیب کرے گا تب تو وہ چیز ہے جسے تو دوست رکھتا ہے اور اگر اس کے خلاف ظہور میں آیا تو ان لوگوں کا مددگار اور مسلمانوں کا مرجع تو موجود ہے" نیرنگِ فصاحت ص۱۹۱) ۔۔۔۔ حضرت علی المرتضےٰ کے اس کلام سے حسب ذیل امور ثابت ہوتے ہیں۔ (۱) حضرت عمر کو حضرت علی المرتضےٰ پر پورا اعتماد و بھروسا تھا اور باہمی کامل اتحاد تھا۔ کہ ہر ایک معاملہ میں اُن سے مشورہ لیا جاتا تھا۔ ورنہ یہ مسلم ہے کہ کوئی شخص اپنے دشمن سے ایسے اہم معاملہ میں مشورہ نہیں لیا کرتا۔ (۲) حضرت علی المرتضےٰ حضرت عمر کو مسلمانوں کا ملجا و ماویٰ سمجھتے تھے ۔۔۔۔۔ اسی وجہ سے آپ نے حضرت عمر کو یہ مشورہ نہ دیا کہ اس مہم میں بذاتِ خود معرکۂ کارزار میں جائیں۔ اگر خدانخواستہ باہمی کدورت ہوتی ۔۔۔۔ تو یہ مشورہ کیوں دیتے؟ ۔۔۔۔ بلکہ ان کی تو یہ خواہش چاہیے تھی کہ یہ خود وہاں جائیں۔ انکا کام تمام ہوا اور آپ کے لئے جگہ خالی ہو ۔۔۔۔۔ (۳) حضرت علی المرتضےٰ حضرت عمر کی کامیابی کو کامیابی اسلام تصور کرتے تھے۔ اسلئے انکو تسلی دی کہ ایزد متعالی تمہارا اور مسلمانوں کا خود حافظ و ناصر ہے۔ جب مسلمان تھوڑے تھے اُس وقت بھی انکی حفاظت فرمائی۔ اور اب تو خدا کے فضل سے مسلمانوں کی تعداد کثیر ہے۔ الخ (آفتاب ہدایت ص۱۱۳)

الجواب ہواخواہانِ ثلاثہ کی یہ روش و رفتار ہمارے لئے ناقابل فہم ہے کہ ایک طرف تو یہ لوگ یہ راگ الاپتے ہیں کہ حضرت علیؑ امور سیاست اور طرز جہانبانی سے ناواقف تھے اور دوسری طرف ثلاثہ سے آپ کا اتحاد و یگانگت ثابت کرنے کیلئے یہ ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ یہ حضرات مملکت کے اہم جنگی سیاسی متعلقات وغیرہ میں آپ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ اور آپ کی اصابت رائے کا لوہا مانتے تھے۔! بہرحال اس مشورہ لینے دینے سے مؤلف نے جو مقصد حاصل کرنے کی کوشش کی ہے وہ حاصل نہیں ہوتا۔ اور اس کی وجوہ یہ ہیں:۔

اولاً۔ اس مشورہ لینے کو باہمی اتحاد کی دلیل نہیں قرار دیا جا سکتا۔ البتہ اس سے حضرت امیر علیہ السلام کے کامل الایمان، انتہائی بلند حوصلہ اور بلند کردار و دیانتدار اور معاملہ فہم و سمجھدار ہونے کی دلیل قرار دیا جا سکتا ہے۔ دیکھئے سرکار سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا یہ نہایت روشن و درخشندہ پہلو ہے کہ وہ کفار

قریش جو آپ کو نبی نہیں جانتے تھے۔ اور آپ سے مخالفت و مخاصمت کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ وہ بھی آپ کو ایسا دیانتدار سمجھتے تھے۔ کہ اپنی امانتیں انہی کے پاس رکھتے تھے۔ اور ان کو یہ وہم و گمان بھی نہ ہوتا تھا کہ اُنکی امانتیں ضائع ہوں گی۔ اسی طرح جناب امیر علیہ السلام کی سیرت و کردار کا یہ نمایاں جوہر ہے کہ وہ صحتِ فکر و نظر، ایمان و دیانت اور اصابت رائے کی اس بلند سطح پر فائز تھے کہ دوست و دشمن کو انکی اصابتِ رائے و صحتِ مشورہ پر مکمل وثوق و اعتماد تھا۔ تو جس طرح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روش و رفتار سے صرف اُن کے کامل دیانتدار ہونے کا ثبوت ملتا ہے اور اس سے کسی طرح بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کفار سے اُن کی یکجہتی و یگانگت تھی بلاشبہ حضرت امیرؑ کے طرزِ عمل سے بھی یہ تو ضرور ثابت ہوتا ہے کہ وہ انتہائی دیانتدار و بلند کردار تھے مگر اس سے کسی طرح بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ثلاثہ اور ان کے درمیان اتحاد و یگانگت تھی اور وہ باہم شیر و شکر تھے۔

ثانیاً حضرت امیر علیہ السلام کے اس مشورہ سے کہ "عمر صاحب بذاتِ خود اس جنگ میں نہ جائیں" یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ وُہ باہم شیر و شکر تھے۔ اور ان کو مسلمانوں کا ملجا و ماویٰ سمجھتے تھے۔ ورنہ اُنکی تو یہ خواہش ہوتی کہ یہ خود جائیں اور ان کا کام تمام ہو۔ اور اُن کیلئے جگہ خالی ہو۔ یہ اندازِ فکر حضرت امیر علیہ السلام کی عظیم شخصیت کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے اصل بات یہ ہے کہ تنگ نظر ملا نے سرکارِ ولایت کو اپنے آئینہ میں دیکھنے کی کوشش کی ہے کہ ایسے لوگ ایسے مواقع پر مخالف کی ہلاکت کی تدبیریں کیا کرتے ہیں۔ اور یہ نہیں سوچا کہ

آں زمین را آسمانے دیگر است

؎ کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر ☆ گرچہ باشد در نوشتن شیر شیر

ایسا مشورہ دینا جناب امیرؑ کیلئے بدرجہ ممکن نہ تھا (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مسلّم ارشاد ہے کہ "المستشار موتمن جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہوتا ہے" لہذا غلط مشورہ دینا خیانت ہے اور حضرت امام المتقین اسے کفر سمجھتے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ "واللہ ما معاویۃ بادھی منی ولکنہ یغدر و یفجر ولولا کراھۃ الغدر لکنت ادھی الناس ولکن کل غدرۃ فجرۃ وکل فجرۃ کفرۃ" لہذا معاویہ مجھ سے زیادہ چالاک نہیں ہے لیکن وہ مکر و غدر اور فسق و فریب کرتا ہے، اور اگر میں ان باتوں کو ناپسند نہ کرتا تو میں سب لوگوں سے زیادہ چالاک ہوتا۔ لیکن ہر غداری، فسق اور ہر فسق کفر ہے (نہج البلاغہ ص۱۲ طبع ایران) (۲) یہاں شخصی مفاد اور نوعی مفاد کا تصادم و ٹکراؤ تھا۔ تو جناب امیر علیہ السلام جیسے محافظ و خیر خواہِ اسلام و مسلمین کیلئے کیونکر ممکن تھا کہ نوعی مفاد کو اپنے شخصی مفاد پر قربان کر دیتے۔ جس طرح عام ابن الوقت سیاستدان کیا کرتے ہیں اسلئے آنجناب نے ذاتی اغراض و مفادات سے بالا ہو کر وہ مشورہ دیا جس میں اسلام کی بقا و فلاح پوشیدہ تھی اور یہ چیز آنجناب کو نہ صرف عمر کی جان بلکہ اپنی جانِ مقدس سے بھی زیادہ عزیز تھی۔ علاوہ بریں آنجناب کے اس فرمان کہ "کسی تجربہ کار اور فنِ حرب و ضرب کے

ماہر کو بھیج دو۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرت امیر کی نگاہِ حق بین میں جناب عمر کا دامن ان خوبیوں سے خالی تھا۔

ثالثاً۔ خلفاء ثلاثہ کے دورِ حکومت میں پورے غزوات و معاملاتِ مملکت میں سے صرف دو مقامات (غزوۂ روم و فارس) میں عمر صاحب کے مشورہ طلب کرنے سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ ہر ایک معاملہ میں آپ سے مشورہ لیا جاتا تھا، غلط ہے۔ ارباب فضل و دانش جانتے ہیں کہ استقراءِ ناقص تو مفید ظن بھی نہیں ہوتا تا بہ یقین چہ رسد؟ علاوہ بریں اس واضح حقیقت کو کیوں نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ اگر بقول ان حضرات کے حضرت امیر علیہ السلام و ثلاثہ میں کامل اتحاد تھا اور وہ باہم شیر و شکر تھے اور جناب امیر ان لوگوں کے ان جنگی کارناموں کو صحیح بھی سمجھتے تھے۔ تو ایسے اسلامی جنرل اور حامیٔ اسلام و مسلمین بہادر نے ان میں عملی حصہ کیوں نہ لیا؟ اور ان جنگوں میں کیوں الگ تھلگ رہ کر خانہ نشین رہے۔؟

رابعاً۔ حضرت یوسف سے کافر عزیز مصر کا مشورہ طلب کرنا اور آنجناب کا اسے صحیح مشورہ دینا قرآن مجید میں مذکور ہے۔ اگر اس سے کافر و نبی کے کامل اتحاد پر استدلال کیا جا سکتا ہے تب تو بلا تشبیہ زیر بحث مشورہ کو بھی مستشیر و مستشار کے باہم شیر و شکر ہونے کی دلیل قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر وہاں ایسا نہیں کیا جا سکتا بلکہ اسے زیادہ سے زیادہ جناب یوسف کی بلند کرداری و دیانتداری کا غماز کہا جاتا ہے کہ کافر بادشاہ کو بھی ان کی اصابت رائے اور دیانتداری پر یقین تھا۔ کہ ضرور وہ ایسا مشورہ دیں گے جس میں قوم کی بھلائی ہوگی۔ اور انہوں نے بھی بادشاہ سے ذاتی رنجش کے باوجود وہ مشورہ دیا جس میں مفادِ عامہ مضمر تھا تو اس مشورہ سے بھی یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت علیؑ دیانت و امانت اور اصابت رائے کے اس بلند درجہ پر فائز تھے۔ کہ عمر جیسے معاند کو بھی یقین تھا کہ وہ ذاتی مفاد سے بلند ہو کر وہ صحیح مشورہ دیں گے۔ جس میں اسلام اور مسلمانوں کی صلاح و فلاح پوشیدہ ہوگی۔ چنانچہ آپ نے قومی مفاد کے مطابق وہ مشورہ دیا۔ جس میں اسلام اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود مضمر تھی واہ! ایسے بلند حوصلگی کہ پیشانی پر بل نہیں آنے دیا کہ آج مجھ سے مشورے کرتے ہو کل کیوں نظر انداز کیا تھا؟ واہ میرے مولا!

ع این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

تیسری روایت اور اس کا جواب

(۳) نہج البلاغہ ص۱۹۰ میں دوسرا خطبہ جناب امیر علیہ السلام (ومن کلام له علیه السلام لعمر بن الخطاب وقد استشاره فی غزوة الفرس بنفسه ان هذا الامر لم یکن الخ (بحذف عربی) ترجمہ۔ جب حضرت عمر نے غزوۂ فارس میں بذاتِ خود جانا چاہا۔ اور حضرت امیر علیہ السلام سے مشورہ لیا تو آپ نے فرمایا دین اسلام کا غالب آنا اور مغلوب ہو جانا کچھ سپاہ کی کثرت و قلت پر موقوف نہیں ہے

یہ اسلام اس خدا کا دین ہے جس نے تمام ادیان و مذاہب پر غالب کیا ہے۔ اور لشکر اسلام اس خدا کی فوج ہے جس نے اسکی ہر جگہ نصرت و تائید کی اور اسے ایک بلند مرتبہ تک پہنچایا۔ دین اسلام کے پیشوا مختار کار (خلیفہ) کا مرتبہ رشتہ مروارید کی مثل ہے جو موتی کے دانوں کو ایک نظام میں منسلک رکھتا ہے۔ اگر رشتہ ٹوٹ جاتے تو تمام دانے متفرق ہو کر بکھر جاتے ہیں.... تم ان کیلئے قطب آسیا بنو اور آسیائے جنگ کو گروہ عرب کے ساتھ گردش دو اور اپنے سوا کسی دوسرے شخص کو ماتحت بنا کر آتش جنگ کو برافروختہ کرو۔ کیونکہ اگر تم مدینہ کے باہر چلے گئے۔ تو عرب کے تمام قبائل اطراف و اکناف سے یک لخت ٹوٹ پڑیں گے۔ اسوقت پیچھے رہنے والی مستورات کی حفاظت تم پر اس چیز سے کہیں زیادہ مقدم ہو جائے گی جو تمہارے سامنے (جنگ) موجود ہے..... (نیرنگ فصاحت صفحہ ۴۷) جناب امیر علیہ السلام کے اس فصیح و بلیغ خطبے میں (قیمتی مشورہ) آفتاب نیمروز کی طرح روشن ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ اور خلیفہ دوم حضرت عمرؓ باہم شیر و شکر تھے... انکو یہی مشورہ دیا کہ آپ بذات خود معرکہ کارزار میں تشریف نہ لیجائیں۔ ایسا نہ ہو کہ ایرانی آپ کو دیکھ کر یکبارگی ٹوٹ پڑیں۔ اگر خدانخواستہ باہمی دشمنی ہوتی حضرت علیؑ کو خوب موقع ہاتھ آگیا تھا یہی صلاح دیتے کہ تم خود لڑائی پر جاؤ تاکہ تم وہاں مارے جاؤ اور خلافت کی گدی ہمارے لئے خالی ہو آپکا یہ فرمانا کہ صاحب اختیار خلیفہ کی مثال رشتہ مروارید کی سی ہے رشتہ ٹوٹ جاتے تو موتی بھی بکھر جاتے ہیں..... تو اس امر پر ناطق فیصلہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ حضرت عمر کو برحق خلیفہ سمجھتے تھے.....آپ نے حضرت عمر کو آسیائے اسلام کا قطب اور محور قرار دیا ہے۔ اس سے زیادہ واضح دلیل اس امر کی کیا ہو سکتی ہے کہ آپ حضرت عمر کو ہی خلیفہ رسول اور پیشوائے اسلام سمجھتے تھے..... حضرات شیعہ کو شرم کرنی چاہیئے کہ جس شخص کی تعریف حضرت علی المرتضیٰ فرمائیں اس کو تم منافق کہو۔ شرم۔ شرم۔ شرم۔ (آفتاب صفحہ ۱۱۶)

الجواب اس استدلال کا بعینہ وہی جواب ہے جو اس سے پہلے استدلال (نمبر ۲) کا ابھی اوپر دیا جا چکا ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام نے "المستشار مؤتمن" کے پیش نظر شخصی جذبات و مفادات سے بالاتر ہو کر وہ صائب مشورہ دیا ہے۔ جس میں اسلام و مسلمانوں کی عزت اور بقاء پوشیدہ تھی۔ اور وہ یہ تھا کہ عمر صاحب سے فرمایا کہ تم خود معرکہ کارزار میں نہ جاؤ۔ کیونکہ آنجناب اسلامی غزوات، احد، خندق، حنین اور خیبر وغیرہ میں انکے فرار کو بچشم خود مشاہدہ کر چکے تھے۔ اس لئے اندیشہ تھا کہ اگر خود گئے اور حسب عادت راہ فرار اختیار کی تو اسلام و مسلمانوں کی ہوا اکھڑ جائے گی۔ کیونکہ انکے سابقہ اور موجودہ فرار کی نوعیت مختلف ہوتی پہلے وہ بحیثیت

ایک سپاہی کے شریک جنگ ہوا کرتے تھے۔ اور اب کی مرتبہ ان کی حیثیت قیم الامر (حاکم) کی تھی جو مہرے میں ڈورے کی منزلت رکھتا ہے۔ جس کے ٹوٹ جانے سے تمام مہرے بکھر جاتے ہیں۔ اور ان کے گر جانے کے بعد دیواریں کھڑی نہیں کی جا سکتیں اسطرح مسلمانوں کا بنا بنایا وقار ختم ہوکر رہ جاتا۔ انکو قیم الامر (حاکم) یا قطب آسیا نے رعیت کہنے سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ آنجناب عمر صاحب کو خلیفہ رسول بھی سمجھتے تھے

ع پڑیں پتھر ایسی سمجھ پہ تم سمجھے تو کیا سمجھے

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حاکم خواہ مسلمان ہو یا کافر نیک ہو یا بد۔ اس کی حیثیت ایک محور کی ہوتی ہے جس کے اردگرد ملک کا نظام گردش کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں آنجناب کا ہی ایک ارشاد دوسرے مقام پر موجود ہے فرماتے ہیں لا بد للناس من امیر بر او فاجر یعمل فی امرته المومن ویستمتع فیها الکافر الخ۔ لوگوں کیلئے حکمران کا وجود لازمی ہے۔ نیکوکار ہو یا بدکار تاکہ مومن عمل کرسکے اور کافر بہرہ مند ہو۔ الخ (نہج البلاغہ) اور یہ بات ظاہر ہے کہ عمر صاحب کو قطع نظر اسکے کہ صحیح یا غلط ہونے کے اقتدار تو حاصل تھا۔ لہذا رعایا میں ان کی مرکزیت مسلم تھی لہذا انکے مرکز چھوڑنے سے سب لوگ گھروں سے نکل پڑتے اور انکی ہزیمت و پسپائی سے سارے مسلمانوں کی پسپائی لازم آتی ان بیانات [redacted] واضح ہوگیا کہ اس کلام معجز نظام سے سوائے عمر کے دنیوی اقتدار کو تسلیم کرنے کے اور کسی بات کا اظہار نہیں ہوتا۔ اہلسنت کو ایسے بعید سے اور رکیک استدلال پیش کرنے سے شرم کرنا چاہئے کہ صحیح مسلم (ج ۲ صفحہ مع شرح نووی) کی روایت صحیحہ کے مطابق حضرت امیر علیہ السلام جن لوگوں کو گنہگار، جھوٹا، غدار اور خیانتکار سمجھتے تھے انکو ایسی بے سروپا باتوں سے باہم شیر و شکر ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرنے میں شرم محسوس

یہ نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے
ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

چوتھی روایت اور اس کا جواب

(۵) اصول کافی ص۲۹۶ میں ہے۔ عن ابی جعفر علیہ السلام قال لما قدمت بنت یزدجرد (بحذف عربی) ترجمہ:۔ امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب یزدجرد (شاہ ایران) کی بیٹی مال غنیمت میں حضرت عمر کے پاس آئی تو مدینہ کی کنواری لڑکیاں اس کو دیکھنے کیلئے آئیں اور جب وہ مسجد میں داخل ہوئی تو مسجد اسکی روشنی سے چمکنے لگی۔ حضرت عمر نے اس کی طرف دیکھا تو اس نے کہا "افیروج باد ہرمز" حضرت عمر نے کہا کیا یہ مجھے گالی دیتی ہے! اور اسکو سزا دینے کا ارادہ کیا تو امیرالمومنین علیہ السلام نے کہا کہ ایسا آپ کو نہ چاہیے، آپ اس کو اختیار دیجئے کہ جس مسلمان کو چاہے پسند کرے اور اسکو اس کے حصہ میں سمجھ لیجئے۔ تو حضرت عمر نے

اس کو اختیار دے دیا۔ اس نے جاکر امام حسین علیہ السلام کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ امیر المومنین نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا: جہان شاہ! امیر المومنین نے فرمایا نہیں بلکہ شہر بانو۔ حضرت امام حسین علیہ السلام سے فرمایا۔ اے ابو عبداللہ! اس سے تمہارا ایک فرزند ہوگا جو تمام روئے زمین کے لوگوں سے بہتر ہوگا۔ چنانچہ زین العابدین پیدا ہوتے۔" اس حدیث سے حسب ذیل امور ثابت ہوتے۔

(۱) حضرت علیؓ اور امام حسین حضرت عمر کی بارگاہ میں باریاب رہے اور مال غنیمت میں ...... برابر حصہ لیتے ...... ؛

(۲) حضرت عمر کو حضرت علی اور ...... امام حسین سے اس قدر محبت تھی کہ ...... شاہی خاندان کی ...... خاتون ...... بخش دی۔ جو تمام سادات کی جدہ علیا ہے۔

(۳) جناب امیر علیہ السلام حضرت عمر کی خلافت کو جائز ...... اور آپ کو برحق خلیفہ جانتے تھے۔ اسی لئے یہ عطیہ قبول کیا۔ ورنہ ایک کافر یا منافق کی فتوحات کا مال غنیمت ایک متقی متورع مسلمان کو ...... لینا ہرگز جائز نہیں ہے ؛

سادات پر حضرت عمر کا بھاری احسان

شیعہ سادات اگر احسان فراموش نہ ہوں تو حضرت عمر کے بار منت سے قیامت تک سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ اگر حضرت عمر حضرت شہر بانو حضرت امام حسین کو نہ بخش دیتے نہ زین العابدین کا وجود ...... ظہور پذیر ہوتا ...... نہ اُن کی پشت سے سادات ہی پیدا ہوتے ...... معاذاللہ اگر حضرت عمر مسلمان نہ تھے تو ان کا بخشا ہوا مال غنیمت نہ حضرت علی کو نہ حضرت امام حسین کو لینا حلال ہوتا۔ تو پھر حضرت شہر بانو کا نکاح بھی جائز نہ ہو سکتا۔ اس امر کے جواب دہ شیعہ سادات ہیں کہ جب معاذاللہ تزویج ہی صحیح نہیں تو اولاد کیسے رشید ہو سکتی ہے؟ ــــ ایک اور بات! پھر قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت شہر بانو ...... کی بخشش بجائے خود بھی ایک بڑی ایثار کی بات تھی کہ اپنی اولاد پر حضرت امام حسین کو ترجیح دی ...... شیعہ کہتے ہیں کہ شیخین نے باوجود مشکل کشا اور خاتون کی منت خوشامد کے باغ فدک ان کو نہ دیا تو شہر بانو کا گراں قدر عطیہ کیسے مل سکتا تھا؟۔ علاوہ ازیں شہزادی تو وہ بیش قیمت شاہانہ پوشاک اور گراں بہا زیورات پہنے ہوئے تھی جن کی قیمت سے فدک جیسے کئی باغ خریدے جا سکتے تھے۔ لباس فاخرہ زرنگار و زیورات و جواہرات حضرت امام حسین کے حوالہ کر دی۔ اگر حضرت عمر کو بزعم شیعہ اہلبیت سے عداوت ہوتی تو وہ ہرگز ایسا نہ کرتے ــــــ شیعہ سخت احسان فراموش ہیں کہ باوجود اس قدر احسانات

کے پھر ان کی شکایات کرتے ہیں ...... (آفتاب ص۱۱/۱۹) ؛

ناله بلبل شیدا تو ہنس ہنس کے سنا
اب جگر تھام کے بیٹھو کہ مری باری آئی

الجواب جس طرح اس استدلال کو برگ و بار دے کر اور اس کی ملمع سازی کر کے پیش کیا جاتا وہ بظاہر عامۃ الناس کو بڑا خوش آیند اور وزنی معلوم ہوتا ہے لیکن اگر بنظرِ انصاف معمولی سے غور و فکر سے کام لیا جائے تو یہ امر الم نشرح ہو جاتا ہے کہ یہ استدلال تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ بودہ و کمزور ہے۔ اور بچند وجہ ناقابل توجہ و التفات ہے۔

اوّلاً جہاد کی دو قسمیں ہیں۔ جہاد ابتدائی ۔ جہاد دفاعی ؛

شیعہ مذہب میں جو یہ شرط ہے کہ جہاد میں نبی یا امام کا اذن ضروری ہے۔ ورنہ اسکے بغیر جہاد صحیح نہیں ہوتا۔ تو یہ شرط جہاد ابتدائی میں ہے۔ نہ دفاعی میں۔ اور وہ جنگ جو غزوۂ فارس کے نام سے مشہور ہے جمیں حضرت شہربانو اسیر ہو کر آئیں یہ دفاعی جنگ تھی۔ کیونکہ مجوسیوں نے مسلمانوں پر پہلے چڑھائی کی تھی۔ جیسا کہ نہج البلاغہ کی اس عبارت میں بھی اس امر کی تصریح موجود ہے جو سابقہ استدلال میں بعنوان مشورۂ عمر با حضرت امیر در غزوۂ فرس مذکور ہے۔ اور اس قسم کی جنگ میں اذنِ نبی و امام کی شرط نہیں ہے لہٰذا یہ جنگ صحیح تھی۔ اور اس سے حاصل شدہ مالِ غنیمت بھی جائز تھا۔ (وہو المطلوب) ؛

ثانیاً۔ مذکورہ بالا حقائق سے قطع نظر کرتے ہوئے اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ یہ جہاد ابتدائی تھا۔ تب بھی کم از کم عہد عمر کی جنگوں میں سے یہ دوسری صحیح جنگ تھی۔ جس میں اقلیم امامت کے پہلے تاجدار اور مسند رسولؐ کے صحیح حقدار یعنی حضرت حیدر کرار سے قبل از جنگ مشورہ طلب کر لیا گیا تھا۔ جیسا کہ مؤلف نے سابقہ استدلال میں اسی مشورہ پر بنا رکھ کر حضرت علی اور ثلاثہ کو باہم شیر و شکر ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے اس لئے اس غزوہ میں جو کچھ مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا وہ جائز تھا ؛ (وہو المقصود)

ثالثاً: شیعیانِ حیدر کرار پر یہ سراسر بہتان ہے کہ وہ جناب عمر یا اسکے دوسرے دو ساتھیوں کو کافر سمجھتے ہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ وہ انہیں مومن نہیں سمجھتے اور یہ بات محتاج بیان نہیں ہے کہ شارع اقدس نے ظاہری شریعت میں غیر مومن کے ساتھ مسلمانوں والا معاملہ روا رکھا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کی طرح اس کے فعل کو بھی مبنی بر صحت تسلیم کیا جائے گا۔ تو جب جنگ صحیح ہوگی تو اس سے حاصل شدہ مالِ غنیمت بھی جائز ہوگا۔

رابعاً:۔ اگر بفرض محال (فرض محال محال نباشد کے طور پر) چند لمحوں کے لئے انکو ایسا ہی مان لیا جائے (تب بھی) اس مال غنیمت کے حلال و جائز ہونے پر کوئی زد نہیں پڑتی کیونکہ جب قرآن میں یہ مسئلہ موجود ہے کہ طلب "علم"

کا کیا ہوا؟ استکار متّقی و متورع مسلمان کیلئے جائز ہے تو ملا تشیہ الکبی لسان کی جنگ سے حاصل شدہ مالِ غنیمت کیوں حضرت امیرؑ یا حضرت امام حسینؑ جیسے متقین بلکہ امام المتقین کے لیے جائز نہ ہوگا ؟ !

خامساً : جناب شہربانو عاقلہ و بالغہ رشیدہ و مختارہ تھیں تو جب انہوں نے اپنے ارادہ و اختیار سے سرکار سید الشہداءؑ کو اپنا سرتاج بنانے کیلئے منتخب کرلیا۔ تو اب اس سوال کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ یہ جنگ جائز تھی یا ناجائز ؟ کیونکہ جنگ جائز ہو یا ناجائز تمام اسلامی مکاتبِ فکر کے نزدیک یہ عقد و ازدواج بہر حال جائز ہے۔

سادساً : گذشتہ تمام جوابات اس بات کے تسلیم کر لینے کی صورت میں ہیں کہ جناب بی بی شہربانو عمر کے دورِ حکومت میں آئیں۔ ورنہ شبلی نعمانی (الفاروق ج ۲ صفحہ ۲۸۵) جیسے کئی مورخین کے نزدیک یہ واقع اصول روایت اور روایت کے مطابق بالکل بے بنیاد ہے۔ اور ان لوگوں میں پھر اختلاف ہے بعض کا یہ خیال ہے کہ عثمان کے دورِ حکومت میں آئیں اور بعض (مثل صاحبِ ناسخ و محدث قمی در منتہی الآمال) کی تحقیق یہ ہے کہ یہ معظمہ حضرت امیر کے ظاہری عہد خلافت میں آئیں بنابریں تحقیق سرے سے یہ معاملہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔

سابعاً : یہ کہنا کہ حضرت علیؑ و امام حسینؑ عمر کی بارگاہ میں جاتے اور مالِ غنیمت سے حصہ لیتے تھے محض اسی واقعہ سے قیاس بے اساس پر مبنی ہے جو استقراء ناقص بلکہ انقص ہے جو مفید ظن بھی نہیں۔ چہ جائیکہ اس سے یقین حاصل ہو ! ممکن ہے کہ جب سارے مدینہ میں غلغلہ بپا تھا کہ اسیرانِ عجم آئے ہیں۔ جن میں شہنشاہ ایران کی شہزادیاں بھی ہیں اور انکو دیکھنے کیلئے سارا مدینہ مسجد نبوی میں امڈ آیا تھا۔ تو یہ ذوات قادسہ بھی اپنے علم لدنی کی بنا پر کہ یہ معظمہ حضرت امام حسینؑ کے حبالۂ عقد میں آنے والی تھیں، تشریف لاتے ہوں۔ اور اس خاتون کے فارسی کلام کرنے اور عمر کے سزا دینے کا ارادہ کرنے کے وقت جناب امیرؑ نے وہ مشورہ دے دیا ہو۔ جو استدلال میں مذکور ہے اور اس طرح حق بحقدار پہنچ گیا ہو۔ اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ یہ بزرگوار ہمیشہ عمر کے دربار میں موجود رہتے تھے اور غنائم سے برابر حصہ لیتے تھے ! ؟

ثامناً : یہ کہنا کہ "عمر کو حضرت علیؑ و امام حسینؑ سے بڑی محبت تھی۔ اسلئے شاہی خاندان کی خاتون بخش دی" جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی۔ بندۂ خدا ! بخشی وہ چیز جاتی ہے جو ذاتی ملکیت میں داخل ہو۔ یہ معظمہ کب عمر کی ذاتی ملکیت تھیں تاکہ اس پر ہبہ بخشش کی تعریف صادق آتی ؟ ۔۔۔۔ وہ تو مالِ غنیمت میں آئیں جو سب مسلمانوں کا مشترکہ مال ہوتا ہے۔ (جن کے سردار آلِ محمدؐ ہیں) اور اپنے حقِ اختیار کو استعمال کرکے حیدرِ کرار کے محبوب کردگار فرزند امام الکونین حضرت امام حسینؑ کو منتخب کرلیا۔ تو اس میں عمر کی بخشش یا ایثار کا کیا سوال ہے ؟ !

تاسعاً : مؤلف نے بے بے پر کی بھی اڑائی ہے کہ حضرت عمر کا سادات پر احسان ہے۔ حق بات یہ ہے کہ عمر کا سادات

کرام پر کوئی احسان نہیں ہے جیسا کہ اوپر واضح وعیاں کیا جاچکا ہے۔ بلکہ یہ سادات کرام کا احسان ہے کہ انکے جدِ امجد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل اونٹ چرانے والا فظ، غلیظ القلب[1] گمنام شخص بظاہر حلقہ بگوشِ اسلام ہوا۔ اور پھر مسندِ خلافت وحکومت پہ بیٹھا۔ اور پورے عالمِ اسلام پہ حکمرانی کی۔ اگر سادات کے جدِ نامدار کا یہ احسان نہ ہوتا تو عمر کو یہ ملک ومال اور یہ سطوت واقتدار اور یہ ظاہری وقار کس طرح نصیب ہوتا؟ بلکہ حسب سابق وادی ضجنان[2] میں صبح شام اونٹ چرایا کرتے۔ یا اپنے والد[3] کی طرح لکڑیاں اکٹھی کرکے بازاروں میں بیچتے اور تنور شکم پُر کرتے اور بالآخر گوشۂ گمنامی میں مرکر ختم ہوجاتے ـــــ مگر افسوس صرف اہلسنت ہی احسان فراموش نہیں بلکہ خود عمر اس قدر محسن کش اور احسان فراموش واقع ہوا تھا کہ جس محسنِ اعظم کے طفیل اسے یہ سب کچھ عز ووقار اور جبروت واقتدار حاصل ہوا تھا اسی کی لاڈلی بیٹی کا گھر جلانے کیلئے دروازے پر آگ ولکڑیاں جمع کیں اور گستاخانہ کلام کیا۔ اور اسی محسنِ اعظم کی ذریت کا حقِ خمس ضبط کیا۔ (الفاروق) پہلوئے فاطمہ پر دروازہ گرایا جس سے شہزادہ محسن کی شہادت واقع ہوئی (الملل والنحل) لہٰذا آج اگر اس عمر کے تابعدار وجدار (اپنی ماؤں کی اولاد جب ہی تو کہتے ہیں کہ خدا قیامت کے دن لوگوں کو ماؤں کے نام سے پکارے گا) سادات عظام کے نسب میں دبے الفاظ میں قدح کرکے اپنے خبثِ باطن اور سادات دشمنی کا ثبوت فراہم کریں۔ تو ہمارے لئے کوئی تعجب کی بات نہیں ہے

ع تلک شنشنة اعرفها من اخزم

ع پسینہ پونچھئے اپنی جبیں سے!

عاشراً۔ جہاں تک مسئلہ فدک کا تعلق ہے اس موضوع پر وہاں مفصل گفتگو کی جائے گی جہاں مؤلف اس عنوان پر گفتگو کا آغاز کریں گے۔ سرِ دست صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ جناب شہر بانو اپنے ساتھ اس قدر لباس

---

[1] فظ غلیظ القلب، عمر صاحب کی تند خوئی و درشت طبعی زبان زدِ خلائق ہے اسی بنا پر کتب سیر وتواریخ میں لکھا ہے کہ جب ابوبکر نے عمر کو خلیفہ بنانا چاہا تو صحابہ نے شور مچایا کہ تم فظ غلیظ القلب کو خلیفہ بناتے ہو (ازالۃ الخفا) مگر ابوبکر صاحب نے کسی کے شور وشر کی پرواہ نہ کرتے ہوئے عمر کے سقیفہ والے احسان کا بدلہ چکا ہی دیا۔ (منہ عفی عنہ)

[2] جناب عمر زمانہ جاہلیت میں وادی ضجنان میں بعض قبائل عرب کے اونٹ چرایا کرتے تھے۔ (ملاحظہ ہو لسان العرب ج۱۷ ص۱۲۱، تاریخ العروس ج۹ ص۲۶۲، طبری ج۵ ص۲۹، ابو الفداء ج۱ ص۱۶۵) (منہ عفی عنہ)

[3] عمر صاحب کے والد خطاب ایندھن اکٹھا کرکے فروخت کیا کرتے تھے اور عمر صاحب بھی انکا ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔ اور اسی مشغلہ پر گذر اوقات تھی۔ (العقد الفرید ج۱ ص۹۱) (منہ عفی عنہ)

فاخرہ اور زیورات وجواہرات لائیں جس سے کئی باغ فدک خریدے جا سکتے تھے۔ یہ خیال بچند وجہ محال ہے۔

(الف) یہ مؤلف کی محض قیاس آرائی ہے (جو انکو ابلیس سے ورثہ میں ملی ہے) کہ جب وہ شہزادی تھیں تو ضرور زیورات وجواہرات ہمراہ لائی ہونگی ورنہ اسکا کوئی قابلِ اعتماد تاریخی ثبوت نہیں ہے۔ اور یہ قیاس اس لئے بے اساس ہے کہ وہ بحالت شہزادگی دربار میں نہیں آئی تھیں بلکہ بحالت اسیری آئی تھیں۔ اور انکا تمام شاہی مال واسباب پہلے ہی مسلمان بطور غنیمت لوٹ چکے تھے۔

(ب) اگر اسے صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس سے جناب عمر کی منقبت نہیں بلکہ منقصت ثابت ہوتی ہے اور ان کی دیانت وامانت کا جنازہ نکل جاتا ہے کہ اس قدر زرِ کثیر صرف ایک بزرگ (امام حسین) کے حوالے کیوں کر دی جبکہ سب مسلمان اس میں شریک تھے۔

(ج) امام حسین نے معصوم ومطہر عن الرجس ہو کر اپنے استحقاق سے زائد حصہ کیوں قبول کیا؟

(د) یہ خیال درحقیقت فدک کے حدود اربعہ نہ سمجھنے کی پیداوار ہے بلکہ اسی دقیانوسی نظریہ پر مبنی ہے کہ باغ فدک چند کھجوروں پر مشتمل تھا۔ جو سراسر غلط ہے۔ (تفصیل مسئلہ فدک بیان کی جائے گی۔ انشاء اللہ) اگر معترض کو حقیقتِ فدک کا علم ہوتا تو یہ بات زبان پہ نہ لاتا! تلك عشرة كاملة نقد منا الی ما عملوا من عمل فجعلناه هباءً منثورا۔

مانو نہ مانو جان جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جائیں گے

پانچویں روایت اور اس کا جواب

(۵) حیات القلوب ج ۲ ص ۲۰۱ میں ہے عامہ وخاصہ روایت کردہ اند کہ جنگ احزاب (بحذف فارسی) ترجمہ خاص عام نے روایت کیا ہے کہ جنگ احزاب میں حضور علیہ السلام خندق کی کھدائی کا کام صحابہ کرام میں اس طرح تقسیم کیا کہ دس دس اشخاص چالیس چالیس گز کی کھدائی کریں۔ جو زمین حضرت سلمان اور حذیفہ کے درمیان تقسیم تھی اس میں ایک پتھر آ گیا۔ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت عرض کیا تو حضور مسجد احزاب سے اتر کر آتے ان سے ہتھیار لے کر تین بار پتھر پر رسید کیا۔ ہر مرتبہ پتھر کا تیسرا حصہ اڑ گیا اور ہر دفعہ کی ضرب سے پتھر سے روشنی نکلی جس سے جہان روشن ہو گیا۔ حضور علیہ السلام نے نعرہ تکبیر بلند فرمایا۔ صحابہؓ نے بھی تکبیر کہی۔ حضور نے فرمایا۔ پہلی روشنی میں میں نے یمن کے محلات دیکھ لئے کہ خدا نے وہ ملک مجھے دے دیا۔ دوسری میں شام کے محلات نظر

آئے اور وہ ملک بھی خدا نے مجھے عطا فرمایا، تیسری کدال کے چوبارے دکھائی دیئے۔ اور خدا نے بادشاہ عجم کی سلطنت مجھے بخش دی۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خدا اس دین کو غالب کرے گا۔ خواہ کفار بُرا منائیں یہی واقعہ فروع کافی جلد ۲ صٹ٭ میں بروایت امام جعفر صادق علیہ السلام درج ہے اور حملۂ حیدری نے بھی اسکو نظم میں لکھا ہے! ع

بداں فاقہ و ضعف سالارِ دیں

ستد تیشہ از دست انصار دیں الخ

پس اب ہم شیعہ حضرات سے دریافت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی یہ پیشگوئی کب، کس کے عہد میں پوری ہوئی؟ یہ بات مسلم ہے کہ روم یمن۔ مدائن حضرت عمر کے عہد میں فتح ہوئے قیصر و کسریٰ کے تخت آپ نے الٹ دیئے۔ پھر اگر معاذ اللہ، حسب زعم شیعہ حضرت عمر منافق یا کافر تھے۔ تو حضور علیہ السلام نے اُنکے فتوحات کی خوشی کیوں کی ——— واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمر کو جناب رسول اللہ ..... اپنا جائز جانشین تصور فرماتے تھے ——— کیا شیعہ صاحبان میں کوئی صاحب بصیرت ہے جو اپنی کتابوں کی بیّن شہادت دیکھ کر خیال کرے کہ جن پاک ہستیوں کی تم شکایت کرتے ہو۔ رسولِ پاک کے دین کی انہوں نے کیسی مدد کی؟ اور کیسے کیسے مادی جبروت سلاطین کو حلقہ بگوشِ اسلام بنایا ——— مولانا شبلی نے الفاروق حصہ دوم میں یورپین مؤرخین کی رائے کے موافق فتوحاتِ فاروقی کی وُسعت اور اس کے حدود اربعہ کی یوں تشریح کی ہے کہ حضرت عمر کے مقبوضہ ممالک کا کل رقبہ ۲۲۵۱۰۳۰ میل مربع یعنی مکّہ معظمہ سے شمال کی جانب ۱۰۳۶ مشرق کی جانب ۱۰۸۷ جنوب کی جانب ۴۸۳۔ میل تھا۔ مغرب کی جانب چونکہ صرف جدّہ تک یہ حکومت تھی۔ اس لئے وہ قابلِ ذکر نہیں ..... سچ تو یہ ہے کہ دنیائے اسلام حضرت عمر کی ذاتِ اقدس پر جس قدر فخر کرے بجا ہے ..... ایک ہزار چھتیس ہزار بلاد و حصار۔ جن میں کفار کی حکومت اور بتوں کی خدائی مانی جاتی تھی فتح کرکے ان کو دارالاسلام بنایا۔ اور باشندگان کو کلمہ توحید پڑھایا۔ جامع مسجدیں تعمیر کیں۔ ہزاروں بُت خانے گرائے۔ اور آتشکدے سرد کیے ——— آپ کی صولت فاروقی نے لشکرِ قیصر و کسریٰ کو ہزیمت دی۔ اور عجم و عراق سے بے شمار مالِ غنیمت حاصل کیا۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

کی ہے خلافت آپ نے کس دھوم دھام سے ✱ ایران سے خراج لیا اور شام سے

شوکت بھی فخر کرتی ہے حضرت کے نام سے ✱ گر شبہ ہو تو پوچھ لو ہر خاص و عام سے

طہران اور عراق میں سکہ بٹھا دیا ٭ گبروں کا نام ملک عجم سے مٹا دیا

(آفتاب ہدایت ص۱۱)

الجواب اس استدلال کا لب لباب یہ ہے کہ جناب عمر نے بہت سے دیار و امصار بلکہ بہت سے ممالک فتح کئے اور انکی وجہ سے اسلام کو بڑی تقویت حاصل ہوئی یہ سب کچھ ٹھیک ہے مگر اس سے نہ جناب عمر کا ایمان ثابت ہوتا ہے نہ خلافت اور نہ ہی نجات کیونکہ ہم گذشتہ باب میں پہلی اور بائیسویں آیت کے جواب میں قرآن وحدیث کی روشنی میں ثابت کر چکے ہیں کہ نجات آخروی کا دارومدار عقیدہ، عمل صالح اور خاتمہ بالخیر یا الفاظ دیگر ایمان مستقر پر ہے۔ اور اٹھارویں آیت کے جواب میں بالتفصیل اس امر پر تبصرہ کیا جا چکا ہے کہ ملکی فتوحات کو کسی شخص کے ایمان کی دلیل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ متعدد کتب تفسیر وحدیث میں مرقوم ہے کہ ان اللہ تبارک وتعالےٰ لیؤید الاسلام برجال ماہم من اہلہ۔ خداوند عالم دین اسلام کی تائید ایسے لوگوں سے بھی کر دیتا ہے جو خود اہل اسلام نہیں ہوتے (کنز العمال ج ۲ ص۱۶۲) بعض روایات میں یہ الفاظ موجود ہیں ان اللہ تبارک وتعالےٰ یؤید الدین باقوام لا خلاق لہم رواہ النسائی وابن حبان) خداوند عالم ایسے لوگوں سے بھی دین کی تائید ونصرت کر دیتا ہے جن کا دین میں کوئی حصہ نہیں ہوتا (تفسیر اتقان ج ۲ ص۳) بعض اخبار میں یہ الفاظ درج ہیں ان اللہ یؤید الدین بالرجل الفاجر خدا اپنے دین کی مدد وتائید فاسقوں فاجروں کے ذریعہ سے بھی کر دیتا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص۱۳۱ مع فتح الباری طبع دہلی) باقی رہی یہ بات کہ بعض ممالک کے فتح ہونے کی پیشگوئی کب اور کس کے عہد میں پوری ہوئی؟ تو اس سے جو کچھ فضل وشرف ثابت ہوتا ہے وہ صرف پیشگوئی کرنے والے بزرگوار کا ہے کہ وہ صاحب علم لدنی اور ما ینطق عن الھویٰ کے مصداق تھے جو کچھ فرمایا وہ من وعن پورا ہوا خواہ جس کے ہاتھ پر ہوا۔ جو روایت استدلال میں حیات القلوب اور فروع کافی کے حوالہ سے پیش کی گئی ہے اس میں اس شخص کے متعلق کوئی ایک لفظ بھی موجود نہیں کہ جس کے عہد میں یہ پیشگوئی پوری ہوگی۔ وہ کون اور کیسا ہوگا۔ حیات القلوب ج۲ طبع نولکشور میں جو روایت ہے اس سے تو اس فاتح کی سراسر مذمت ظاہر ہوتی ہے۔ اس روایت میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ پیشینگوئی فرمائی تو ابوبکر وعمر بایکدیگر گفتند کہ نمی توانیم از ترس بقضائے حاجت بیرون آئیم او وعدہ ملک پادشاہ عجم و پادشاہ روم بما میدہد۔ یعنی ابوبکر وعمر نے (بطور تمسخر ایک دوسرے سے کہا) ہم تو قضائے حاجت (بول وبراز پھرنے کیلئے باہر نکل نہیں سکتے۔ اور یہ (رسولؐ) ہم سے روم وعجم کی بادشاہتیں ملنے کے وعدے کر رہے ہیں۔ [illegible] حملہ حیدری کے بعض اشعار ناظم کے طبع زاد خیالات کے آئینہ بردار ہیں۔ اور ابھی اوپر واضح کیا جا چکا ہے کہ دین کی نصرت بے دینوں سے بھی ہو جاتی ہے...... کیا فرعون نے حضرت موسیٰ کی پرورش کر کے بالواسطہ دین کو تقویت نہیں پہنچائی؟ تو کیا بغیر ایمان وعمل صالح وخلوص نیت اسے کچھ فائدہ حاصل ہوگا؟ حاشا وکلا۔ عمر صاحب کے

ممالک مفتوحہ کی جو فہرست شبلی نعمانی صاحب کے حوالہ سے پیش کی گئی ہے۔ اگر کتب تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو اس سے بہت زیادہ طویل و عریض فہرستیں سکندر اعظم، ہلاکو خاں، اور نپولین وغیرہ فاتحینِ عالم کے حالات میں مل جائیں گی۔ انکا اصل مقصد تو یہ تھا کہ جوع الارض کے تحت اپنا مادی اقتدار بڑھایا جائے۔ اور مال و زر سے خزانوں کو بھرا جائے۔ سو یہ مقصد حاصل ہو گیا۔ جیسا کہ مؤلف نے بالآخر اس حقیقت کا اعتراف کر ہی لیا کہ "آپ کی صولت فاروقی نے لشکر قیصر و کسریٰ کو ہزیمت دی اور عجم و عراق سے بے شمار مالِ غنیمت حاصل کیا" (آفتاب) سچ ہے۔ من اراد الدُّنیا نؤتہٖ منہا وما لہٗ فی الآخرۃ من نصیب۔ اگر سچ پوچھئے تو ان لوگوں کی ان فتوحات نے اسلام کو اغیار کی نظروں میں بدنام کیا ہے اور ان کو یہ کہنے کا موقع فراہم کیا ہے کہ اسلام جو اطراف و اکناف میں پھیلا ہے وہ اپنی صداقت و حقانیت کی بنا پر نہیں بلکہ بزورِ شمشیر پھیلا ہے۔ یہ لوگ اپنے اس زعم باطل کی تائید میں انہی ملکی فتوحات اور انہی خلفاء کے جنگی کارناموں کو پیش کیا کرتے ہیں۔ اسلئے ان فتوحات پر جس قدر افسوس کیا جائے وہ بجا ہے اور کم ہے۔ اے کاش! کہ وہ یہ فتوحات کر کے اسلام کو بدنام نہ کرتے۔

چھٹی روایت اور اس کا جواب

(۶) حیات القلوب جلد ۲ ص۲۲ میں ہے "ابن شہر آشوب وغیرہ روایت کردہ اند کہ روزی آنحضرت نظر کرد بسوئے ذراعہائے سراقہ بن مالک الخ۔۔۔ (بحذف فارسی) ترجمہ۔ ابن شہر آشوب وغیرہ نے روایت کی کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سراقہ بن مالک کے بازوؤں کو دیکھا جو بہت پتلے اور بالوں سے بھرے ہوئے تھے۔ اور فرمایا۔ سراقہ! تمہاری اس روز کیا حالت ہوگی جب شاہ عجم کے کنگن تمہارے ہاتھ میں ہوں گے۔ پھر جب حضرت عمر کے زمانہ میں مدائن فتح ہوا۔ تو آپ نے سراقہ کو طلب کیا اور شاہ عجم کے کنگن اسکے ہاتھ میں پہنا دیئے

اس روایت کو بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کو جن کو قیامت تک کے واقعات کا علم غیب حق تعالےٰ نے بخشا ہوا تھا اپنے جلیل القدر صحابی حضرت عمر کی فتوحات کو دیکھ دیکھ کر ایسی خوشی ہوتی تھی کہ مسلمانوں کو نئے نئے طریق سے بشارت سنا کر حضرت عمر کی جلالت ــــــ پر متنبہ فرماتے تھے ــــــ بھلا اگر حضرت عمر بقول شیعہ ــــــ کافر و منافق ہوتے تو اُن کا جہاد ناجائز ہوتا اور وہ مالِ غنیمت، مالِ مغصوب ــــــ تو کیا رسولِ خدا ــــــ سراقہ کو مالِ حرام ــــــ کے حاصل ہونے کی بشارت دیتے تھے! شیعو غور کرو۔ (آفتاب صفحہ ۱۲۳)

الجواب اس روایت کا بنا بر تسلیم (کیونکہ ہمارے پاس نولکشور لکھنؤ کا مطبوعہ نسخہ موجود ہے اس میں سابقہ روایت کی طرح اس روایت کا بھی محولہ بالا صفحات بلکہ اس سے قبل و بعد بہت دیکھ ڈالے مگر اس کا کہیں نام و نشان نہیں ملا) وہی جواب ہے جو سابقہ روایت کے متعلق دیا گیا ہے کہ اس سے صرف پیشگوئی کرنے والے (حضرت رسولِ خدا) کی صداقت و حقانیت ظاہر ہوتی ہے کہ جس طرح علام الغیوب نے خبر دی تھی اسی طرح وقوع پذیر ہوئی ــــــ اسی لئے پیشگوئیوں کے پورا ہونے کو صداقتِ نبی کی دلیل سمجھا جاتا ہے۔ اس سے کیا غرض کہ وہ کس کے عہد میں پوری ہوتی! یا کس کے ہاتھ پر ظاہر ہوئی! نہ ہی اس میں اس غنیمہ کے جواز یا عدم جواز کا کوئی تذکرہ ہے اور نہ ہی اس سے حاصل شدہ مال کے حلال و حرام ہونے کا اس سے کوئی تعلق ہے! اس میں تو صرف یہ ہے "سراقہ! تمہاری اس روز کیا حالت ہوگی جب شاہِ عجم کے کنگن تمہارے ہاتھ میں ہوں گے" اور اگر بنا بر تنزل یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ان الفاظ سے اس مال کا حلال ہونا سمجھا جاتا ہے تو سابقہ روایت نمبر ۳ کے جواب میں واضح کیا جا چکا ہے کہ یہ غزوۂ فارس بوجہ حضرت علیؑ سے مشورہ طلب کرنے کے جائز اور اس سے حاصل شدہ مال حلال تھا ــــــ مخفی نہ رہے کہ یہاں مؤلف نے یہ لکھا ہے کہ "حق تعالےٰ نے حضور علیہ السلام کو قیامت تک کے واقعات کا علم غیب بخشا ہوا تھا" (صفحہ ۱۲۱) لیکن اسی کتاب کے صفحہ ۱۱ و صفحہ ۱۹۲ پر امام کے علم "ماکان و مایکون" کی رد کرتے ہوئے "اس علم کو خاصۂ ربوبیت قرار دیا ہے" سچ ہے ـ دروغ گو را حافظہ نباشد۔ اسے بغض و عنادِ اہلبیت کی دنیوی سزا سمجھنا چاہیئے کہ ان لوگوں کا حافظہ ختم ہو جاتا ہے اور دینی و ذہنی فہم شعور سلب ہو جاتا ہے اور دیانت و امانت کا جنازہ نکل جاتا ہے "و لعذاب الآخرۃ اشد و ابقی۔" مؤلف کے فرزند قاضی صاحب نے صفحہ ۱۲۱ کے ذیلی حاشیہ میں اس "علم غیب" کی جو تاویل کی ہے کہ اس سے مراد "علم اجمالی" ہے نہ "تفصیلی" تو شیعی عقیدہ کہ "امام کو ماکان و مایکون کا علم ہوتا ہے" کی بھی یہی تاویل فرما دیں تاکہ اخوتِ اسلامی کا کچھ تو حق ادا ہو سکے۔ احمل فعل اخیک المسلم علی الصحۃ ـ تاہم تعصب کا برا کرے جب اسکی پٹی آنکھوں پر بندھ جائے تو پھر آدمی حق و باطل میں امتیاز نہیں کر سکتا۔

شجر ہے فرقہ آرائی تعصب ہے ثمر اس کا ؎ یہ وہ پھل ہے جو جنت سے نکلواتا ہے آدم کو

ساتویں روایت اور اس کا جواب

(۷) یہ امر مسلم ہے کہ حضرت عمرؓ کی دختر نیک اختر حضرت حفصہؓ کو حضور علیہ السلام کی زوجیہ ہونے کا شرف حاصل تھا اور آپ رسول پاک کے خُسر تھے تو معاذ اللہ آپ منافق و کافر ہوتے تو رسولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر شادی نہ کرتے۔ جب آپ کو صریح حکم تھا لا تنکحو المشرکات (مشرک عورتوں سے نکاح مت کرو) لا محالہ ماننا پڑے گا کہ عمر صاحب فضیلت و شریعت تھے ——— بھائیو! خسر بمنزل والد واجب التعظیم ہوتا ہے پھر جو لوگ حضرت عمرؓ کو بُرا بھلا کہتے ہیں وہ گویا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ کو برا کہتے ہیں پھر ایسے لوگوں کا قیامت میں کیا حال ہوگا؟ عبرت، عبرت، عبرت

کیا ہوگیا ہے خبط یہ شیعہ کرام کو — کرتے ہیں سب وشتم صحابہ کرام کو
دیتے مغلظات ہیں منبر پہ بیٹھ کر — ازواجِ پاک سید بیت الحرام کو
حضرت کے دوستداروں کو دیکر یہ گالیاں — دیتے ہیں یہ دکھ رسول علیہ السلام کو
لعنت کا ورد کرتے ہیں صلوات کے بجا — لعنت وظیفہ اُن کا ہے بس صبح و شام کو

حضرت ہمارے رحمتِ عالم ہیں بالیقین — لعنت سے پیار اُمتِ خیر الانام کو
یہ بات بس بعید ہے اے یار عقل سے — لعنت سے پیار ہوتا ہے شر الانام کو
اصحابؓ سے رسولؐ سے سمجھو نہیں جدا — پڑھ کر ذرا تو دیکھو خدا کے کلام کو
ایسی معیت ان کو تھی حاصل رسول سے — بھولے نہ ایک پل میں بھی حضرت کے نام کو
زندہ رہے تو آپ پہ ہر دم فدا رہے — ملحوظ ہر طرح سے رکھا احترام کو
مر کر بھی ساتھ چھوڑا نہ اپنے حبیبؐ کا — آقا سے کیا پیار تھا دونوں غلام کو
پہلو بہ پہلو سوتے ہیں حضرت کے دونوں یار — اور حشر ہوگا ساتھ ہی یوم القیام کو
محشر میں بھی نہ چھوڑیں گے ہرگز نبی کا ساتھ — حتیٰ کہ مل کے جائیں گے دار السلام کو
جلتا ہے گر رقیب حسد سے جلا کرے — بخشا یہ قرب حق نے صحابہ کرام رضؓ کو
آغوش میں نبیؐ کے وہ سوتے ہیں دوستو — رحمت برس رہی ہے وہاں صبح و شام کو
جب کا یجاورُ ونک حق نے بتا دیا — ملتا نہیں پڑوس یہ ہرگز لئیم کو
کرتے ہو اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ — یہ لعن طعن چھوڑ دو اور اتہام کو
ڈالا گلے میں طوق لعنت کا تم نے کیا — کرتے ادا نہیں ہو صلوٰۃ و صیام کو

مرغوب میرجی کو ہے اب وارے کی نشست — مسجد نہیں پسند محبتو امام کو
ڈاڑھی ہے چٹ جناب کی اور مونچھیں دراز ہیں — اور کر رکھا وظیفہ ہے بھنگ حرام کو
کرتے سال بھر میں ہیں مجلس امام کی — پس آپ بخشے جائیں گے یوم القیام کو
مجلس حسین کی تھی واہ واہ کیا — دے کر منادی جمع کیا خاص و عام کو
چوہڑے مُسلّی ۔ڈوم ۔قلندر ہیں جمع یاں — آئے ہیں مل کے پیٹنے حضرت امام کو
سندہ ۔نماز کا نہ لیا عمر بھر میں نام — استنجا بھی کیا نہیں سال تمام کو
ناپاک منہ سے لیں گے یہ نام حسین کو — ہو گی بہت خوشی ہی ائمہ عظام کو
زندہ شہید ہوتے ہیں قرآن ہے گواہ — تم پیٹتے ہو مردہ سمجھ کر امام کو
ہے پیٹنا حرام یہ صادقؑ[1] نے کہدیا — تم بندگی سمجھتے ہو فعل حرام کو
قولِ خدا و قولِ پیغمبرؐ سے ہے ایا — اور خود ہی گھڑ رکھا ہے خیالات خام کو
ہیں دشمنانِ دین نہ مؤمن ہیں یہ دبیر — بس دے رہے ہیں دھوکا یہ مل کر عوام کو

(آفتاب صفحہ ۱۲۵)

الجوابؒ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ جناب حفصہ کو زوجیتِ رسُول کا شرف حاصل تھا مگر قابلِ غور یہ چیز ہے کہ وہ صاحبہ کس طرح رسولِ خداؐ کے حبالۂ نکاح میں آئی تھیں ؟ جو کچھ کتب سیر و تواریخ سے ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ پہلے خنیس بن حذافہ سہمی کی زوجیت میں تھیں ۔ اس کی وفات کے بعد جناب عمر کو انکے عقد ثانی کی فکر ہوئی مگر معلوم ہوتا ہے کہ موصُوفہ کی صُورت و سیرت کی کچھ اچھی شہرت نہ تھی ۔ اسلئے کچھ عرصہ انتظار کیا مگر جب کسی نے منگنی کرنے کی ہمت و جرأت نہ کی تو جناب عمر نے خود جا کر لوگوں کو ان سے نکاح کرنے کی پیش کش کی مگر کسی نے بھی اُن کو قبول نہ کیا ۔ چنانچہ سب سے پہلے اپنے ہم نوالہ و ہم پیالہ ابوبکر صاحب کی خدمت میں التجا کی ۔ لیکن " ابوبکر اعراض نمودہ در جواب ہیچ نگفت " انہوں نے ایسی خاموشی سادھی کہ نفی یا اثبات میں کوئی جواب ہی نہ دیا ۔ جب انہیں اُدھر سے مایوسی ہوئی تو پھر عثمان صاحب کی بارگاہ میں التماس کیا مگر " قبول نہ کرد " انہوں نے بھی اس پیش کش کو قبول نہ کیا ۔ بالآخر ہر طرف سے تھک ہار کر صاحب خلقِ عظیم (فداہ ابی و امی) کی سرکار میں استدعا کی اور انہوں نے از راہِ خلق و مروت اسکو قبول کر لیا ۔ لیکن اس نیک اختر سے آنحضرتؐ کا نباہ نہ ہو سکا اور آخر کار طلاق تک نوبت پہنچ گئی ۔ چوں آں خبر بعمر رسید خاک

---

[1] ۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔

بر سر خود ریخت و گفت بعد ازیں عمر را چہ وقع و مقدار بماند" یعنی جب یہ خبر وحشت اثر عمر صاحب تک پہنچی تو انہوں نے سر میں مٹی ڈالی اور داد و فریاد کی بالآخر انہی کے اصرار سے مجبور ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رجوع فرمالیا" ۔ (روضۃ الاحباب ج ۱ صفحہ ۲۱۲ طبع لکھنؤ وغیرہ) ان حالات میں اس عقد ازدواج کی کیا وقعت رہ جاتی ہے ؟ یہ شیعوں پر سراسر اتہام ہے کہ وہ حضرت ثانی کو کافر سمجھتے ہیں۔ یا انکو گالیاں دیتے ہیں ہم تو کفار و مشرکین پر بھی بموجب آیت "ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ" سب شتم کرنے کو روا نہیں سمجھتے۔ ہاں یہ درست ہے کہ ہم انکو مومن نہیں جانتے اور اگر بفرضِ محال یہ الزام درست بھی ہو تب یہ کس شریعت کا مسئلہ ہے کہ کافر و مشرک کی بظاہر مسلمان لڑکی سے نکاح نہ کیا جائے ؟ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ جناب صفیہ کا والد حیی یہودی نہ تھا ؟ اور کیا جناب ام حبیبہ کا والد ابو سفیان نکاح کے وقت کافر نہ تھا ؟ و ۔ و ۔ و ۔ ؟ تو جو شرف ان لوگوں کو حاصل تھا وہی عمر صاحب کو بھی حاصل ہے ؟ مؤلف کا دعوے یہ ہے کہ "کافر و مشرک کے گھر شادی نہ کرے" اور دلیل میں وہ آیت پیش کی جاتی ہے کہ "مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو" اسے کہتے ہیں "ماروں گھٹنا اور پھوٹے آنکھ" دعوے اور دلیل میں مطابقت کا بھی علم نہیں اور فنِ مناظرہ میں کتاب لکھی جا رہی ہے۔ لقد حسن قدح لیس منہا ؎

بشت کریں دعوئے خدائی کا
شان ہے تیری کبریائی کی

خسر بمنزلہ والد واجب التعظیم ہوتا ہے ! یہ کس آیت قرآن یا پیغمبر اسلام کے کس مستند فرمان سے ثابت ہے ؟ بلّیتوا توجب وا !!! اور اگر اسے صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی بقول مخاطب خسر بمنزلہ والد ہے خود والد تو نہیں ہے۔ تو اگر مؤلف کو یہ اندیشہ ہے کہ خسرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا کہنے والوں کا قیامت میں کیا حال ہوگا ؟ تو کبھی ان لوگوں (اہلسنت والجماعت) کے متعلق بھی سوچا ہے کہ جو رسولِ اسلام کے حقیقی والدین شریفین کو "کافر و مشرک" کہہ کر انکی توہین و تذلیل کرتے ہیں۔ انکا انجام کیا ہوگا ؟ لیجیے ہم بتائے دیتے ہیں ؎

برا ہوگا، برا ہوگا، برا ہوگا

ضیافت طبع کیلئے نظم کا جواب نظم میں اور اسی ردیف قافیہ میں پیش خدمت ہے۔ ھذہ بضاعتکم ردّت الیکم اور یہ بات مسلم ہے کہ عوض معاوضہ گلہ ندارد ؎

لہ (ملاحظہ ہو شرح فقہ اکبر ص ۱۳۰ طبع لاہور) ؎

جوابی نظم اردو

کیا ہو گیا ہے مفتیٔ اشرف مقام کو ٭ کہتا ہے شام روز کو اور روز و شام
ظاہر میں ادعا ہے کہ ہیں تابع نبیؐ ٭ تجویز کر رکھا ہے قیاسِ حرام کو
ظاہر میں نام اور ہے باطن میں کچھ عمل ٭ بدنام کر رہے ہیں یہ سنّت کے نام کو
عُرسوں میں صُوفی ناچتے ہیں ڈوم کی طرح ٭ سمجھے ہوئے ہو خوب تم اس دھوم دھام کو
طبلے پہ تم چڑھاتے ہو نام اُس جنابؐ کا ٭ کیا منہ دکھا سکو گے رسولِ انام کو
گمراہ! کیوں ہے تعزیہ داری پہ طعنہ زن ٭ کیا تو جواب دے گا شہِ خاص و عام کو
دیکھا تھا امّ سلمہؓ نے غم میں حسینؑ کے ٭ بیتاب و سر بخاک رسولِؐ انام کو

آٹھویں روایت اور اس کا جوابؒ

(۸) حیات القلوب ج ۲ ص ۲۱۹ میں ہے۔ "بروایت دیگر مشت خاکے از برائے آنحضرتؐ فرستاد۔ حضرت فرمود کہ اُمّت من بزودی مالک زمین او خواہد شد چنانچہ خاک از برائے می فرستاد۔ دوسری روایت میں ہے کہ کسریٰ (شاہ ایران) نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مشتِ خاک بھیجی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، عنقریب میری اُمّت اس زمین کی مالک ہو گی جیسا کہ خاک اس نے میرے لیئے بھیجی"۔ اب یہ مسلّم ہے کہ یہ پیشگوئی بھی حضرت عمرؓ کے عہدِ فرخ میں پوری ہوئی —— کیا معاذ اللہ حضرت عمرؓ منافق و کافر تھے تو حضرتؐ کا یہ فرمانا کہ میری اُمّت سرزمین ایران کی مالک ہو گی۔ کیسے درست ہو سکتا ہے ؟

کیا امتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کافر و منافق بھی شمار ہو سکتے ہیں ؟ (آفتاب ص۱۳۵)

الجواب اس استدلال کا جواب بعینہٖ وہی ہے جو اوپر استدلال نمبر ۵، ۶ کا دیا جا چکا ہے۔ ھٰذا النعل بالنعل والقذۃ بالقذۃ تطیل الکلام بالتکرار و ما للاختصار

اور یہ جو کہا ہے کہ کیا امتِ رسولؐ میں کافر و منافق شمار ہو سکتے ہیں ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کافر امتِ اجابت میں شمار نہیں ہوتے اگرچہ امتِ دعوت میں شامل ہوتے ہیں (وبینھما بون بعید) مگر ہم انکو کافر نہیں کہتے اور جہاں تک منافقین کا تعلق ہے تو جس طرح بالاتفاق اُن پر دوسرے اسلامی احکام جاری ہوتے ہیں اسی طرح ان پر بظاہر امتِ رسولؐ ہونے کا بھی اطلاق ہو سکتا ہے۔ امتی ہونے کیلئے مؤمن عادل ہونے کی کوئی شرط نہیں ہے۔ جس پر مشہور و مسلم الفریقین حدیث "ستفترق امتی علی ثلاث و سبعین فرقۃ" دلالت کرتی ہے فتدبر ولا تکن من الجاحدین۔ ——— انا ھدیناہ السبیل اما شاکراً و اما کفوراً ——— ۔

کردم اشارتے و مکرر نمی کنم !

نویں روایت اور اس کا جواب

(۹) حضرت عمرؓ داماد علیؑ تھے۔ ایک روشن دلیل اس امر کی کہ حضرت عمرؓ سے حضرت علی المرتضیٰ کو کمال محبت و پیار تھا اور ان کے نزدیک انکی شرافت و نجابت مسلم تھی۔ یہ ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے اپنی دختر بلند اختر حضرت ام کلثوم کا رشتہ حضرت عمر کو دے کر نکاح کر دیا اگر معاذ اللہ وہ منافق تھے تو جناب امیر علیہ السلام نے سیدہ ام کلثوم کا کیوں ایک کافر و منافق سے نکاح کر دیا ؟ شیعہ ——— کو سخت اضطراب لاحق ہوا۔ اور طرح طرح کی تاویلات رکیکہ سے کام لینے لگے۔ ایک روایت یہ وضع کی گئی ہے کہ ام کلثوم جبراً چھین لی گئی ——— دوسری روایت اسی کتاب کے صفحہ مذکورہ میں یوں ہے (بحذف عربی) ہشام بن سالم نے امام صادقؑ سے روایت کی ہے کہ جناب امیر سے ام کلثوم کا ناطہ طلب کیا تو آپ نے کہا وہ چھوٹی لڑکی ہے پھر وہ عباس کو ملے اور کہا ——— میں نے ناطہ تمہارے بھتیجے علی سے مانگا ہے اس نے انکار کر دیا ہے۔ میں زمزم کو لوٹا دوں گا۔ اور تمہارے جملہ اعزازات کو مٹا دونگا اور علی پر دو گواہ سرقہ کرنے کے گذار کر اسکے ہاتھ کاٹ دونگا۔ حضرت عباس حضرت علی کے پاس آئے اور کہا ناطہ کا مجھے وکیل بنا دو۔ حضرت علی نے انکو اجازت دی اور نکاح ہو گیا " ——— ان روایات میں اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے کہ حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر سے ہوا۔ لیکن پہلی روایت میں نہایت مکروہ لفظ (فرج) استعمال کر کے کہا گیا ہے کہ ام کلثوم ہم سے چھین لی گئی ———

دوسری روایت میں بتایا گیا ہے کہ حضرت علی ناطہ دینے پر اسلئے مجبور ہو گئے کہ انکو دھمکی دی گئی کہ تمہارے اعزاز چھین لئے جائیں گے۔ بلکہ تمہیں سرقہ کا اتہام لگا کر قطع ید کی سزا دی جائے گی۔ سوا ہل بصیرت سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کبھی ہو سکتا ہے؟ کہ شجاعت مآب فاتح خیبر حیدر کرار سے انکی معصوم لڑکی جبراً چھین لی جائے، یا اُن کو ڈرا دھمکا کر ناطہ دینے پر مجبور کر دیا جائے ——— کوئی باغیرت بہادر شخص اس قسم کی ذلت کبھی قبول کر سکتا ہے؟ ——— اسی باب تزویج اُم کلثوم میں ایک دوسری روایت درج ہے۔ ——— رسُول نے فرمایا جب تمہارے پاس ایسا شخص (ناطہ مانگنے) آجائے جس کے با اخلاق اور دینداری کا تمہیں اطمینان ہو تو اسے ناطہ دے دو۔ ورنہ زمین میں فتنہ و فساد کا اندیشہ ہوگا۔ (فروع ج ۲ ص ۱۴۱) ——— ——— حضرت علیؓ بھی چونکہ حضرت عمر کے اخلاق و دینداری کو پسند کرتے تھے ——— انہوں نے نکاح کر دیا

شیعہ کی دوسری چال نکاح اُم کلثوم کے متعلق جب شیعہ حضرات کو سخت گھبراہٹ ہوئی ——— تو دوسری چال یہ کہ ——— وہ ام کلثوم حضرت علیؓ کی اپنی بیٹی نہ تھیں۔ بلکہ بنت اسماء بنت عمیس اور حضرت کی ربیبہ تھیں۔ سو احادیث بالا میں اسکی خاص تصریح ہے کہ وہ حضرت کی اپنی دختر تھیں۔ اسلئے اول فرج غصبناہ کہا گیا ——— ورنہ اسماء کی لڑکی چھین لی جاتی تو جناب امیرؓ ——— کو کیا شکایت تھی؟ اور حضرت عمر کو حضرت علیؓ سے خواستگاری نکاح ——— کی کیا ضرورت تھی ——— اسمیں مطلق شک نہیں کہ حضرت ام کلثوم حضرت فاطمۃ الزہرا کے بطن سے حضرت علیؓ کی دختر تھیں اور حضرت علی المرتضیٰ نے بخوشی کر دیا۔ ——— تہذیب الاحکام صفحہ ۳۸ سے دوسری حدیث تحریر کرتے ہیں۔ ——— حضرت صادق اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ام کلثوم بنت علیؓ اور اس کا بیٹا زید بن عمر بن خطاب ایک ہی وقت میں فوت ہوئے۔ اس حدیث میں صاف بیان ہے کہ حضرت ام کلثوم جو حضرت کی زوجہ تھیں علی المرتضیٰ کی دختر تھیں ———

دوسری حدیث (تائید میں) فروع کافی ج ۲ صفحہ ۳۱۱ میں ہے ——— سلیمان بن خالد سے روایت ہے کہ میں نے حضرت صادق (ع) سے پوچھا عورت کا خاوند مر جائے تو وہ عدت کہاں گذارے؟ ——— فرمایا جہاں اس کا جی چاہے ——— جب عمر فوت ہو گئے حضرت علیؓ ام کلثوم کے پاس آئے اور اسکا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے۔ اس حدیث نے اس امر کا فیصلہ کر دیا کہ ام کلثوم زوجہ عمر حضرت علی کی بیٹی تھیں ——— اگر ام کلثوم آپ

کی بیٹی نہ ہوتیں، یا آپ کی رضامندی کے بغیر نکاح ـــــــ ہوتا تو ـــــــ پھر ان کو کیا پڑی تھی کہ وفاتِ شوہر کے بعد انکو اپنے گھر لے آئیں ـــــــ علاوہ ازیں ایک برہانِ قاطع ـــــــ یہ ہے کہ اصول کافی صفحہ ۲۶۲ ـــــــ میں ایک آسمانی وصیت کا ذکر کیا جس میں جناب امیرؑ کو جن مکارہ پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے منجملہ انکے ہتکِ حرمت بھی ہے ـــــــ ملا خلیل قزوینی نے صافی شرح اصول کافی جزو سوم صفحہ ۲۸۲ میں یوں لکھا ہے۔

اشارتست بغصب عمر ام کلثوم بنت فاطمہ علیہا السلام را تا آنکہ آفتادم بر رو ئے خود ـــــــ

اگر آپ حقیقی دختر نہ تھیں بلکہ اسماء بنتِ عمیس کی لڑکی تھیں تو آپکو اس سے غشی آجانے اور منہ کے بل گر پڑنے کی کیا وجہ تھی؟ **فهل من مدكر** ـــــــ محبانِ علی اگر واقعی امیر علیہ السلام کے محب صادق ہیں تو دامادِ علیؑ کو گالیاں دینا ان کو مناسب نہیں کیا شیعہ اس بات پر غور کریں گے ویسے تو شیعہ صاحبان کہا کرتے ہیں :-

علیؑ کو میں محمدؐ سے تو بہتر کہہ نہیں سکتا
مگر اپنے سے بہتر ڈھونڈ کر داماد کرتے ہیں

لیکن یہاں تو اس مقولہ کو بھول کر دامادِ علی کو بجائے بہتر سمجھنے کے بدتر سمجھتے ہیں یا للعجب"
(آفتاب صفحہ ۱۲۹)

الجواب

عقدِ ام کلثوم با عمر کے افسانہ کی محققانہ رد

نالۂ بلبلِ شیدا تو سنا ہنس ہنس کے
اب جگر تھام کے بیٹھو مری باری آئی

گو قدیم الایام سے محبانِ ثلاثہ اہلبیت و عمر کے باہمی تعلقات کو خوشگوار ثابت کرنے کیلئے بڑے شد و مد کے ساتھ اس عقدِ ازدواج کو ثابت کرنے کیلئے ایڑھی چوٹی کا زور صرف کیا کرتے ہیں۔ مگر بموجب

سیاہ بختانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

وہ اس کاغذی کارروائی سے فلاں کے منہ سے شوربختی کے سیاہ دھبے دھو نہیں سکتے۔ اور اپنے مقصد میں آفتابِ قیامت کے طلوع ہونے تک کامیاب نہیں ہو سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ قصہ ایک افسانہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور اصولِ روایت و درایت کی رُو سے بالکل بے اصل و بے بنیاد ہے۔ اس موضوع پر علماءِ شیعہ

نے نہ صرف ضمنی طور پر بلکہ بیسیوں مستقل کتب و رسائل لکھ کر اس افسانہ کی دھجیاں فضائے محیط میں بکھیر کے رکھ دی ہیں۔ اس سلسلے میں کتاب کنز مکتوم اور اسکی شرح نیز السر المکتوم خاصے کی چیزیں ہیں۔ اصولاً چاہیئے تو یہ تھا کہ ان کتب میں مذکورہ دلائل کے جوابات دے کر ہم سے جواب الجواب کا مطالبہ کیا جاتا۔ مگر ہر آنے والا ان دلائل کو تو چھوتا بھی نہیں صرف الفاظ و عبارات میں تھوڑا بہت تغیر و تبدل کر کے انہی فرسودہ اور بیسیوں مرتبہ کے مردودہ دلائل کو دہرا دیتا ہے اور بزعم خویش یہ سمجھتا ہے کہ اس نے بڑا معرکۃ الآراء مسئلہ حل کر دیا ہے۔ بہر حال اب ہم ذیل میں اس واقعہ کے بطلان پر بنا بر اصول روایت و درایت چند براہین پیش کرتے ہیں (۱) مشکوٰۃ المصابیح ص۵۶۵ طبع بمبئی پر مذکور ہے کہ جب ابوبکر و عمر نے سیدۂ عالم جناب فاطمہ زہراؑ کی آنحضرتؐ سے منگنی کی۔ تو آنحضرتؐ نے ان فریقان کی استدعا کو مسترد کر دیا کہ "انہا صغیرۃ" کہ وہ چھوٹی بچی ہے تم سے شادی کے قابل نہیں۔ قریباً سب سنی مؤرخین لکھتے ہیں کہ اسوقت اس بچی کی عمر چار۔ پانچ سال تھی۔ (ملاحظہ ہو۔ صواعق محرقہ۔ ازالۃ الخفین تذکرہ خواص الامۃ۔ ذخائر العقبیٰ الفتح الباری اور استیعاب) وغیرہ تو کیا عقل سلیم یہ باور کر سکتی ہے کہ وہ صغیرۃ السن بچی جوان ہو پھر اسکی شادی ہو اور اسکے ہاں چار اولادیں ہوں اور اسکی سب سے منجھلی صاحبزادی کی اسی بوڑھے کھوسٹ سے شادی کی جائے۔ جو عام قرابت کے لحاظ سے اسکی پڑپوتی ہوتی ہے چار پانچ سال کی دلھن اور ساٹھ سال کا دولہا۔ سبحان اللہ چشم بد دور کیا نادر روزگار جوڑا ہے۔ ایسا کہنے والوں کو چلو بھر پانی میں ڈوب مرنا چاہیئے۔ شرم۔ شرم۔ شرم ٭

(۲) عام اصول فطرت یہ ہے کہ ع

مگر اپنے سے بہتر دیکھ کر داماد کرتے ہیں

جیسا کہ مؤلف نے تسلیم کیا ہے نیز حکم شریعت یہ ہے کہ رشتہ اسے دو جس کا دین و اخلاق پسندیدہ ہو۔ لیکن کجا بہتر اور کجا مساوی اور کجا اخلاق و دین کی پسندیدگی یہاں تو یہ حالت ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام ثانی صاحب کو گنہگار۔ کاذب۔ خیانت کار اور غدار سمجھتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو صحیح مسلم مع شرح نودی ج ۲ ص۹۰ طبع دہلی) دریں حالات آیا یہ ممکن تھا حضرت امیر علیہ السلام ایسے قطب آسیائے شریعت امام۔ ایسے شخص کو اپنے لخت جگر کا رشتہ دے دیتے؟ ہ حاشا وکلا۔

(۳) برادران اسلامی جو اس واقعہ کی صحت کے قائل ہیں انکے اکابر علماء مثل شاہ عبدالعزیز دہلوی (در تحفہ اثنا عشریہ) مولوی حیدر علی (در ازالۃ الغین) نے بالاتفاق لکھا ہے کہ عمر کی زوجہ ام کلثوم کے بطن سے ایک لڑکا مسمیٰ زید پیدا ہوا۔ اور دونوں ماں بیٹے کی بعہد معاویہ ایک ہی دن میں وفات واقع ہوئی حالانکہ جناب ام کلثوم دختر امیر المومنین باتفاق تمام مؤرخین کربلا کے واقعۂ ہائلہ میں موجود تھیں اور بعد از شہادت سید الشہداء اسیری کے مصائب و آلام جھیلنے اور بالآخر رہائی پانے کے بعد مدینہ واپس تشریف لائیں اور کچھ مدت کے انتقال فرمایا۔

(ملاحظہ ہو روضۃ الاحباب، روضۃ الشہداء، مشہد حسین ابو اسحاق اسفرائنی، روضۃ الصفا، تحریر الشہادتین اور حبیب السیر وغیرہ) اس سے روز روشن کیطرح واضح و آشکار ہوتا ہے کہ اگر عمر کی کوئی زوجہ ام کلثوم نامی تھیں اور اُن کے بطن سے کوئی لڑکا مسمیٰ بہ زید تھا۔ تو وہ کوئی اور صاحبہ ہوں گی۔ وہ ہرگز ام کلثوم دختر حضرت امیر نہیں ہو سکتیں۔ وھوا لمقصود ؛

(۴) اس ازدواج کے سلسلہ میں جو شرمناک اور افسوسناک واقعات برادران اسلامی کی کتابوں میں مندرج ہیں۔ وہ حضرت امیر کی مسلّم عصمت و طہارت اور عمر کی منزعومہ بزرگی کے سراسر منافی ہیں۔ اگر ان کو صحیح تسلیم کیا جائے۔ تو کجا عمر کی خلافت اور کجا عدالت بلکہ اُن کی شرافت و انسانیت کا بھی جنازہ نکل جاتا ہے اور اس سے بڑھ کر خاندان نبوت کی توہین بھی نہیں ہو سکتی۔ تفصیلات کے شائقین کتاب استیعاب ابن عبدالبر ج ۲ ص ۷۹۵ طبع حیدر آباد، اصابہ فی تمیز الصحابہ ابن حجر عسقلانی ج ۴ جزء ۸ ص ۲۷۵ طبع مصر وغیرہ کی طرف رجوع کریں۔ ہماری غیرت و حمیت ان واقعات کو "نقل کفر، کفر نباشد" کے طور پر بھی نقل کرنے کی اجازت نہیں دیتی ؎

کردم اشارتے و مکرر نمی کنم

مسلمانوں کے خلیفہ کی عزت و ناموس کی سلامتی اسی میں ہے کہ اس قصۂ عقد و ازدواج کو ایک افسانہ سمجھا جائے وبس ؛ ورنہ ؎

بشکر را منزلت مانند بندہ مرد راست ؛

(۵) اس سلسلہ میں سُنی شیعہ کتب سے جو روایات پیش کی جاتی ہیں وہ اس قدر مضطرب اور باہم متعارض ہیں کہ اُن پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً (الف) کسی روایت میں یہ ہے کہ حضرت امیرؑ خود اس عقد کے متولی تھے (ب) کسی میں یہ مذکور ہے کہ یہ عقد جناب عباس عم رسولؐ کی تولیت میں ہوا۔ (ج) بعض میں یہ درج ہے کہ یہ عقد برضا و رغبت واقع ہوا۔ (د) اور کسی روایت میں یہ لکھا ہے کہ وعید و تہدید شدید کے بعد عمل میں آیا۔ (ہ) بعض میں یہ ہے کہ اس نکاح کے نتیجہ میں ایک لڑکا مسمی بہ زید متولد ہوا۔ (و) بعض میں یہ ہے کہ مرگ پسر کے بعد ماں زندہ رہیں (ز) بعض میں یہ ہے کہ حق مہر چالیس ہزار درہم مقرر ہوا۔ (ح) اور بعض میں یہ ہے کہ صرف ایک ہزار درہم معین ہوا ؛ الی غیر ذالک من الاختلاف الشدید۔ والتفصیل فی الکنز المکتوم فی حل عقد ام کلثوم وغیرہ من الکتب المبسوطۃ ؛ (۶) یہ روایات یا تو بلا سند بعض کتب تاریخ و حدیث میں مذکور ہیں وہ بوجہ ارسال و اہمال اور جو مسند ہیں وُہ بوجہ ضعف رجال نا قابل اعتماد ہیں۔ اُن کے اکثر و بیشتر راوی کذاب و وضاع اور دشمن اہلبیت ہونے کی وجہ سے غیر قابل وثوق ہیں مثلاً ۱ ایک راوی سفیان ہے۔ اگر

اس سے مراد سفیان بن عیینہ ہے جو آخر عمر میں مختلط ہو گیا تھا۔ (میزان الاعتدال ص۱۹۶) اور اگر سفیان ثوری ہے تو یہ شخص ایسا دشمن اہل بیت تھا کہ حضرت صادق آل محمدؐ نے اسے اپنی بزم قدس میں آنے سے روک دیا تھا۔ (ملاحظہ ہو صواعق الانوار ص۲۴۳ حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص۳۔ تہذیب التہذیب ص۳ مطالب السئول ص۲۳۷ تذکرہ خواص الامہ ص۲۴۵ وغیرہ) ۲۔ دوسرا راوی عبدالرحمن بن اسلم ہے جو بتصریح میزان الاعتدال ج۱ ص۲۲۴ و کاشف و حاشیہ کاشف بشہادت یحیٰی بن معین و عثمان دارمی۔ و ابن منکد رواجمع و قتیبہ و ہشام و بخاری و ابو حاتم و ابن مدینی و نسائی ضعیف ہے اور یحیٰی نے کہا "لیس بشیئ" ہے۔

تیسرا راوی زبیر بن بکار ہے۔ یہ شخص دشمن جناب امیرؑ اور وضاع الحدیث تھا۔ چنانچہ احمد بن علی سلیمانی نے اسکو منکرالحدیث قرار دیا اور داضعین حدیث میں شمار کیا ہے۔ جیسا کہ میزان الاعتدال ذہبی ج۱ ص۱۴۵ قلمی میں مذکور ہے۔

چوتھا راوی۔ ابن اسحاق ہے۔ علم مغازی و سیر زیادہ تر اسی سے منقول ہے مگر ائمہ اہلسنت اسے کذاب و دجال بتاتے ہیں۔ چنانچہ میزان الاعتدال ج۱ ص۲۷ قلمی میں ہے کہ ابوداؤد نے کہا کہ ابن اسحاق قدرے معتزلی ہے اور سلیمان تیمی نے کہا کذاب ہے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ "وہ دجالوں میں سے ایک دجال تھا"۔

پانچواں راوی۔ عطا خراسانی ہے جو عقیلی کے نزدیک ضعفاء میں سے ہے اور کذاب و مفتری بھی۔ ابن حبان نے اسکی روایات سے استدلال کو باطل قرار دیا ہے اور بخاری نے اس کی روایات کو مقلوب الاسانید قرار دیا ہے۔ جیسا کہ میزان الاعتدال ج۲ ص۳ قلمی اور انساب سمعانی میں ہے کہ وہ ردی الحفظ اور وہم و خطا و خلل میں گرفتار تھا۔ اسلئے اسکی روایات سے استدلال کرنا باطل ہے۔

چھٹا راوی۔ ابو حنیفہ ہے۔ جہاں تک انکے دین و دیانت، فضل و صیانت اور عقل و ذہانت کا تعلق ہے۔

اگر گویم زباں سوزد

یہ وہی بزرگوار ہیں جن کے متعلق امام غزالی اپنی کتاب منخول میں فرماتے ہیں امّا ابو حنیفہ فقد قلب الشریعۃ ظہرا البطن وشوش مسلکہا و جزم نظامہا الخ۔ یعنی ابو حنیفہ نے شریعت محمدیہ کو الٹ پلٹ دیا ہے۔ اس کے راستہ کو مشوش و مشتبہ فرما دیا۔ اور اس کے کمربند کو کاٹ دیا۔

ساتواں راوی۔ ابو صالح ہے۔ میزان الاعتدال ذہبی ج۲ ص۲۲ قلمی میں ہے "ابن معین نے اسکی توثیق کی ہے۔ مگر میرے نزدیک وہ مرتکب کذب ہوتا تھا اور نسائی نے کہا وہ ثقہ نہیں ہے۔ ابن مدینی کہتا ہے کہ ہم اسے کچھ نہیں سمجھتے"۔

آٹھواں راوی۔ لیث بن سعد ہے۔ نووی نے شرح مسلم میں اسے مجہولین سے شمار کیا ہے۔ وقس علی ہذا

مسائر الزّواجہ معلوم ہوا کہ اس قصہ کا کوئی راوی دشمن اہلبیت ہے، کوئی کذاب ہے، کوئی وضاع اور کوئی مجہول۔ ارباب عقل و دین انصاف سے فیصلہ کریں کیا ایسے راویوں کی روایت پر اعتبار کر کے کوئی نظریہ قائم کیا جا سکتا ہے؟؟

(۷) جہاں تک فروع کافی اور تہذیب الاحکام کی روایات کا تعلق ہے۔ اُن کے متعلق پہلا جواب تو یہ ہے کہ شیعہ علمائے محققین نے اہلسنت کی "صحاح ستہ" کی طرح اپنی کتب کو کبھی "صحاح اربعہ" اور انکو نقد و جرح سے بالا نہیں کہا۔ اس لئے انکے مندرجات کو علم درایہ کے اُصول اور نقد و تبصرہ سے بالا نہیں سمجھا جا سکتا۔ اور باخبر ناظرین کرام پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ یہ روایات بنا بر اصول علم حدیث صحیح السند نہیں ہیں۔ اسلئے وہ حجت نہیں ہو سکتیں

دوسرا جواب یہ ہے کہ ان روایات میں سے اگرچہ بعض میں "بنت علیؑ" کے الفاظ موجود ہیں مگر کسی روایت میں اس "ام کلثوم" کے بطن فاطمہؑ سے ہونے کی صراحت موجود نہیں ہے۔ جناب ملّا خلیل قزوینی کا بیان ان کا ذاتی خیال ہونے کی وجہ سے حجت نہیں ہے۔ اور عنقریب واضح ہو گا کہ بنا بر فرض صحت نکاح وہ ام کلثوم بنت ابی بکر تھیں جو اسماء بنت عمیس کے بطن سے تھیں۔ اور چونکہ وہ جناب امیرؑ کی ربیبہ تھیں اسلئے من باب المجاز ان کو "بنت علی" کہدیا گیا ہے۔ اور یہ جو روایت میں ہے کہ اوّل فرج غصبناہ تو بنا بر تسلیم صحت ممکن ہے اسکی قرأت بفتح راء "فرَج" بمعنی کشائش ہو اور ممکن ہے بسکون راء (فرْج) بمعنی شرمگاہ ہو۔ اور محاورۂ عرب کی رُو سے اس لفظ کے اطلاق و استعمال میں کوئی قباحت نہیں۔ یہ لفظ بطور مفرد و جمع کئی مقامات پر قرآن مجید میں موجود ہے۔ اور بہر دو تقدیر جناب امام نے اس کی نسبت اپنی طرف اسلئے دی ہے کہ ام کلثوم بنت ابی بکر بھی انکی ربیبہ ہونے کی وجہ سے انہی کے خانوادہ کے فرد کی حیثیت رکھتی تھیں۔ اور چونکہ اُن کی والدہ آنجنابؑ کے عقد میں تھیں اسی بنا پر قتل عمر کے بعد اسے اپنے گھر بھی لے گئے تھے۔ اور اسمیں کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔

(۸) مقبولۂ عمر بن حنظلہ وغیرہ روایات میں ائمہ اہلبیتؑ نے اختلاف روایات کی صورت میں ان روایات پر عملدرآمد کرنے کا حکم دیا ہے جو مخالفین کے نظریہ کے مخالف ہوں۔ بنا بریں مذکورہ بالا روایات چونکہ مخالفین کے نظریہ کے مطابق ہیں۔ اور انکے بالمقابل ایک ایسی معتبر روایت موجود ہے جس سے اُن کی نفی ہوتی ہے لہذا بنا بر اُصول روایت وہ مقدم ہوگی اور وہ یہ ہے۔ ابن اذینہ بیان کرتے ہیں قیل لابی عبد اللہ ان الناس یحتجون علینا ویقولون ان امیر المومنین زوّج فلاناً ابنتہ ام کلثوم وکان متکئاً فجلس وقال ایقولون ذلک ان قوماً یزعمون ذلک لا یہتدون الی سواء السبیل سبحان اللہ ما کان یقدر امیر المومنین ان یحول بینہ وبینہا فینقذہا کذبوا لم یکن ما قالوا الخ۔ یعنی حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ لوگ ہمارے برخلاف یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضرت امیرؑ نے اپنی بیٹی ام کلثوم کا عقد فلاں (عمر) کے ساتھ کیا تھا۔ امام تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ یہ سن کر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ اور فرمایا کیا لوگ یہ بات کہتے ہیں؟ جو لوگ یہ بات کہتے وہ کبھی

سیدھے راستہ پہ نہیں آئیں گے۔ سبحان اللہ! کیا امیر المومنینؑ فلاں کو منع کرنے پہ قادر نہ تھے۔؟ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ ایسی کوئی بات واقع نہیں ہوئی۔ (مراۃ العقول شرح کافی (ج ۳ ص ۴۴۹ و ج ۴ ص ۱۹)

(۹) اوپر آٹھویں جواب میں اس بات کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے کہ بنا بر تسلیم صحتِ عقد وہ ام کلثوم بنت ابی بکر تھیں اُن کی والدہ اسماء بنت عمیس نے وفاتِ ابوبکر کے بعد حضرت امیرؑ سے عقد کر لیا تھا۔ اور دونوں صغیر السن بچے محمد بن ابی بکر اور ام کلثوم بنت ابی بکر ہمراہ لائیں۔ چنانچہ ملک العلماء دولت آبادی اپنی کتاب ہدایۃ السعداء میں فرماتے ہیں "اسماء بنت عمیس اوّل زن جعفر طیار بود باز در نکاح ابوبکر آمد از ابوبکر یک پسر و یک دختر ام کلثوم نام زائید بعد ازاں بہ نکاح علی بن ابی طالب آمد ام کلثوم ہمراہ مادر درآمدہ عمر بن خطاب بام کلثوم دختر ابوبکر نکاح کرد۔" کتاب ذخائر العقبیٰ (ص ۱۶۸) میں لکھا ہے۔ فاقبل علی وقال انھا صغیرۃ فقال عمر لا واللہ ما ذلک ولاکن اردت منعی۔ جب عمر نے اس لڑکی کی خواستگاری کی تو حضرت علیؑ نے فرمایا وہ ابھی صغیر السن ہے۔ عمر نے کہا ایسا نہیں ہے بلکہ آپ مجھے یہ رشتہ دینا نہیں چاہتے۔ اسی طرح رجال مشکوٰۃ ص ۶۱۱ از شاہ عبد الحق محدث دہلوی، تاریخ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۲ پر بھی اس منگنی کا تذکرہ موجود ہے۔ چونکہ اس بچی کی تربیت آنجنابؑ کی زیر نگرانی ہوئی تھی۔ اسلئے اسے مجازاً "بنت علیؑ" کہہ دیا گیا۔ اور جناب امیرؑ نے بھی حق سرپرستی کو ادا کرتے ہوئے مقدور بھر اس بچی کو بچانے کی کوشش فرمائی۔ ع

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

اور سخن تراش لوگوں نے بات کا بتنگڑ اور رائی کا پہاڑ بنا دیا۔ اور ایک طوفان بدتمیزی مچا دیا سچ ہے ع

بڑھا بھی دیتے کچھ زیبِ داستاں کے لئے

(۱۰) تمام مذکورہ بالا حقائق سے قطع نظر کرتے ہوئے اگر بفرض محال چند لمحات کے لئے یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ مخدرہ واقعاً دختر امیر المومنینؑ تھیں تو بھی اس سے مخالفین کو کوئی فائدہ نہیں پہونچتا۔ نہ اس سے عمر کی نجات ہو سکتی ہے کیونکہ اسلام میں نجات کا دارومدار ایمان اور اچھے کردار پہ ہے نہ رشتے اور رشتی پہ۔ اور نہ ہی اس سے اہلبیت و عمر کا اتحاد و یکجہتی ثابت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ سب روایات میں جبر و تشدد اور تہدید و وعید کے تذکرے موجود ہیں جس سے عمر کا ظلم اور اہلبیت کی مظلومیت و مقہوریت اظہر من الشمس ہوتی ہے۔ وما علی المسلم من غضاضۃ فی ان یکون مظلوماً (مسلمان کیلئے مظلوم و مجبور ہونا ہونا عیب کی بات نہیں ہے) اور نہ ہی اس سے عمر کا ایمان ثابت ہوتا ہے کیونکہ نکاح کی صحت کے لئے صرف ظاہری اسلام کافی ہے (علی الاسلام یتناکحون ویتوارثون) ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ اس عقد و ازدواج کی ایک افسانہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اور بفرض محال اگر یہ عقد واقع ہوا ہے۔ تو انتہائی جبر و اکراہ کی حالت میں ہوا ہے اور شریعت اسلامیہ

نے ہر حرام چیز کو حتی کہ لحم خنزیر کو بھی عند الضرورۃ حلال قرار دے دیا ہے (فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ) ارشاد معصوم ہے ما من شیئ حرمہ اللہ الا و قد احلہ عند الضرورۃ بنابریں اس کو ان لوگوں کے باہمی تعلقات کے خوشگوار ہونے کی دلیل قرار نہیں دیا جا سکتا، بلکہ اس سے تو الٹا انکی باہمی رنجش و چپقلش اور انتہائی اختلاف و افتراق کا ثبوت فراہم ہوتا ہے ھذہ تذکرۃ فمن شاء ذکرہ ؎

ع الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا =!

یورپین مؤرخین کی شہادت

(۱۰) دسواں استدلال اور اس کا جواب) مؤلف آفتاب ہدایت نے اس خالص اسلامی مسئلہ میں کہ عمر مخلص مؤمن تھا یا منافق؟ جس کے لئے آیات قرآنیہ یا احادیث نبویہ یا ارشادات معصومیہ درکار ہیں سر ولیم میور اور ڈاکٹر موسیو لیبان جیسے بعض انگریز مؤرخین کے بیانات نقل کئے ہیں کہ عمر صاحب دوسرے اسلامی سلطنت کے بادشاہ تھے ...... انکی قوت فیصلہ میں ہمیشہ دانائی اور سنجیدگی پائی جاتی تھی ــــــ انہوں نے اپنے گذارہ میں معمولی سرداران عرب کے قناعت آمیز طریقہ سے کبھی تجاوز نہیں کیا ــــــ آپ امور خلافت کے انصرام میں ایسے خوف سے کام کرتے کہ اکثر اوقات پکار اٹھتے ــــــ کہ کاش! میری ماں مجھے نہ جنتی یا میں گھاس کا پودا ہوتا ــــــ جوانی میں آپ اکھڑ اور تند مزاج اور صاحب انتقام مشہور تھے ــــــ مگر عمر رسیدگی اور تجربہ کاری نے آپ کی فطرت کو نرم کر دیا تھا۔ ــــــ حضرت عمر کا ہی زمانہ تھا جس میں اسلام کی بڑی ملک گیریاں شروع ہوئیں۔ آپ جس قدر عمدہ منتظم تھے اسی قدر عمدہ سپہ سالار بھی۔ اور آپ کا انصاف ضرب المثل ہے ــــــ پھر ان بیانات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے "غیر مسلم مؤرخین کی ان شہادتوں سے عمر کے شہنشاہ اعظم ہو کر زہد و ورع اتقاء و خشیت الٰہی۔ انصاف پرستی اور حق پسندی کا ثبوت ملتا ہے۔ پھر افسوس ہے کہ شیعہ ادعاء اسلام کرتے ہوئے ایسی مایہ ناز ہستی پر زبان طعن دراز کریں۔ ــــــ یہاں مشتے نمونہ از خروارے صرف شیعہ کی مستند و مسلم کتب سے اوپر کی شہادات لکھی ہیں۔ و تلک عشرۃ کاملۃ۔ خدا کرے کسی بھائی کی ہدایت کا باعث ہو۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ (آفتاب ص۳۳) ؎

الجواب

یہ بیانات و خیالات چونکہ اسلامی برادری کے لکھے ہوئے تاریخی بیانات و حالات پر مبنی ہیں جو بموجب "بناء الفاسد علی الفاسد" اصل کی طرح مخدوش بلکہ غلط ہیں کیونکہ ؎

خشت اول چوں نہد معمار کج ؎ تا ثریا می رود دیوار کج !!!

بہت بڑی اسلامی ریاست کے بادشاہ تھے۔ یہ مسلم ہے۔ مگر خلیفۂ رسول خدا اور امام ہدیٰ نہ تھے ”قوت فیصلہ ہمیشہ دانائی الخ۔۔۔۔“ اگر ایسا ہوتا تو بیسیوں مرتبہ غلط فیصلے نہ کرتے اور جناب امیرؑ کے ٹوکنے پر یہ نہ کہتے لولا علی لھلک عمر (شرح مواقف وغیرہ) اور قناعت کرنا ہوتی تو اہل حق کو اپنے حق سے محروم کرکے بلطائف الحیل کرسیٔ اقتدار پر قبضہ نہ کرتے۔ نہ پانچ ہزار روپیہ اپنی تنخواہ مقرر کرتے (طبقات ابن سعد ج ۳ صفحہ ۲۲۲) ——— جب یہ تسلیم ہے کہ جوانی میں اکھڑ اور تند مزاج تھے تو ”خوئے بد کا بدلنا جوئے شیر لانے سے بھی زیادہ مشکل ہے“ انکی یہی تند مزاجی تھی کہ آخری عمر میں رسول زادی کے دروازہ پہ آگ و لکڑیاں لے گئے۔ گھر جلانے اور جناب امیرؑ کو قتل کرنے کی دھمکیاں دیں ——— یہ ٹھیک ہے کہ وہ اچھے سیاست دان اور منتظم تھے مگر اسے ایمان و ایقان سے کیا تعلق؟ لیکن جہاں تک انکے عمدہ سپہ سالار ہونے کا تعلق ہے یہ بات سراسر غلط ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ان کو صرف ایک مرتبہ جنگ خیبر میں سپہ سالاری کرنے کا موقع ملا تھا۔ مگر انہوں نے جس بزدلی اور بے تدبیری کا مظاہرہ کیا اس سے صفحات تاریخ چھلک رہے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ فوج انکو نامرد اور وہ فوج کو نامرد کہتے تھے (سیرۃ النبی) ——— اور جہاں تک انکے اپنے زمانے کی فتوحات کا تعلق ہے وہ کسی جنگ میں بذاتِ خود شریک ہوتے ہی نہیں (الفاروق) - اپنے ہوا خواہوں سے انصاف کرتے ہوں، یہ ممکن ہے۔ مگر جہاں تک خاندانِ نبوت اور انکے نام لیواؤں کا تعلق ہے ان پر تو وہ مظالم ڈھائے اور ان سے وہ بے انصافیاں کیں کہ ع

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں!

اسی وجہ سے تو جب احساس ندامت ہوتا تو کہہ اٹھتے ”ہے کاش! میری ماں مجھے نہ جنتی یا میں گھاس کا پودا ہوتا۔“ سچ ہے کہ الحق یجری علی اللسان۔ بہرکیف قرآن اور رسول کے فرمان کو چھوڑ کر کفار کے بیان پر ایقان کرنا ”ڈوبتے کو تنکے کا سہارا“ والی بات ہے جو ایک مسلمان کو زیب نہیں دیتی اور جہاں تک کتب شیعہ سے فضائل عمریہ کا تعلق ہے۔ ہم نے اس طرح انکی قلعی کھولی ہے کہ پرستاران ثلاثہ میں اگر کچھ بھی شرم و حیا ہوئی تو پھر قیامت تک فضائل ثلاثہ کے سلسلہ میں کتب شیعہ کا نام بھی نہیں لیں گے انشاء اللہ۔ اور یہ ساری کوشش ہم نے صرف اسلئے کی ہے کہ شاید کوئی گم گشتہ راہِ ہدایت اور گرفتار محبت ثلاثہ راہ راست پر آجائے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔ انہ علی کل شیء قدیر۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین۔

فضائلِ عُثمان رضی اللہ عنہ

حضرت عُثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل کے متعلق حسب ذیل شہادت ہم شیعہ کی مستند کتب سے درج کرتے ہیں ا۔

پہلی شہادت ۱ | شیعہ کی صحیح الکتاب معتمدۃ امام علیہ السلام فروع کافی جلد ۲ کتاب الروضہ ص ۹۹ میں ہے :۔ عن محمد بن علی الحلبی قال سمعت اباعبداللہ علیہ السلام یقول اختلاف بنی العباس من المحتوم ـــــــ اس حدیث میں صاف تصریح ہے کہ ہر روز دن کے اول و آخر غیب سے آواز آتی ہے۔ پہلی یہ کہ علی اور ان کے تابعین فائز المرام ہیں ـــــــ پھر اس طرح آواز آتی ہے کہ عثمان اور اس کے تابعین فائز المرام ہیں ـــــــ (آفتاب ص ۱۳۲)

الجواب | یہ بعینہ وہی استدلال ہے جو آیات کے سلسلہ میں آیت نمبر ۱۲ کے ضمن میں مؤلف بیان کر چکے ہیں۔ اور ہم اسکا وہاں مکمل و مدلل جواب باصواب پیش کر چکے ہیں اسکے اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں۔ قارئین کرام اسی مقام کی طرف رجوع فرمائیں۔ یہاں صرف اسقدر عرض کرنا ہے کہ مؤلف کی عبارت میں واقع شدہ لفظ "صحیح الکتاب" اور ترجمۂ عبارت میں "ہر روز آتی ہے" سے فضل و کمال شعاعیں پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہیں حالانکہ اس حدیث میں امام زمانہ کے ظہور کی ان حتمی علامات کا تذکرہ ہے کہ جو زمانۂ ظہور سے تھوڑا وقت پہلے ظاہر ہوں گی۔ منجملہ ان کے ایک نداتے آسمانی بھی ہے (صبح والی ندا رحمانی اور شام والی شیطانی ہوگی)۔ مگر مؤلف کے ترجمہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا آج بھی اس ندا کا سلسلہ جاری ہے۔ سیاق و سباق کو نظر انداز کر کے صرف صیغۂ مضارع پر نظر رکھنا .... عقل و فکر سے تہی دامنی کی بیّن دلیل ہے۔ سچ ہے

"یک من علم را دہ من عقل باید"

دُوسری شہادت | ایسا ہی کتاب مذکور کے صفحہ ۱۵ ا جلد ۳ میں درج ہے مجلس سہیل بن عمرو عند رسول اللہ وحبس عثمان الخ .... اس روایت سے فضیلت عثمان کا نمایاں ثبوت ملتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے ہاتھ کو عثمان کا ہاتھ قرار دے کر بیعت کی (آفتاب ص ۱۳۱)

الجواب یہ استدلال بھی مذکورہ بالا مقام (یعنی آیت نمبر ۱۳ کے ذیل میں) بیان ہو چکا ہے اور ہم اس کا جواب باصواب اسی جگہ دے کر مطلع حقیقت کو ہر قسم کے گردوغبار سے صاف کر چکے ہیں۔ ناظرین کرام تھوڑی سی زحمت کر کے مقام مذکور کی طرف رجوع فرما کر اطمینان قلب حاصل کریں مؤلف نے بار بار انہی فرسودہ دلائل اور حملۂ حیدری کے اشعار کا تکرار کر کے عقلاء روزگار کی انظار میں کسی خوشگوار ذوق کا اظہار نہیں کیا۔ واللہ الموفق وھو العزیز الغفار ؛

تیسری شہادت شیعہ کی مستند کتاب نہج البلاغہ مطبوعہ مصر جلد اوّل ص۲۳۳ میں ہے۔ ان الناس ورائی وقد استسفرونی الخ۔۔۔۔ (بحذف عربی) ترجمہ :۔

حضرت علی نے حضرت عثمان کو جبکہ۔۔۔ آپ کو لوگ سفارش کیلئے انکے پاس لے گئے۔ فرمایا یہ لوگ میرے پیچھے ہیں۔ جو مجھے تمہارے اور اپنے مابین سفیر بنا کر لائے ہیں۔ بخدا میں نہیں جانتا کہ آپکو کیا کہوں۔ میں ایسی کوئی بات نہیں جانتا جسے آپ نہ جانتے ہوں اور نہ ہی آپ کو کوئی ایسی بات بتاتا ہوں جس کو آپ نہ پہچانتے ہوں بیشک میں جو کچھ جانتا ہوں وہ آپ بھی جانتے ہیں۔ جیسا ہم نے دیکھا۔ آپ نے بھی دیکھا ہے۔ جو کچھ ہم نے سنا ہے آپ نے بھی سنا ہے۔ جیسے ہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مصاحبت حاصل کی ہے آپ نے بھی کی ہے اور ابوبکر و عمر آپ سے زیادہ عامل بحق نہ تھے۔ آپ قرابت کی وجہ سے رسول علیہ السلام سے ان سے زیادہ قریب رکھتے ہیں اور آپ کو دامادیٔ رسول کا وہ فخر حاصل ہے جو ان دونوں کو حاصل نہیں ہے" اس خطبہ میں حضرت علی المرتضےٰ نے کمال صراحت سے اوصاف امیرالمومنین عثمان یوں بیان فرماتے ہیں۔ (۱) علم و معلومات میں ہم اور آپ برابر ہیں ——— (۲) ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے جسے ہم جانتے ہوں۔ اور آپ کو اسکا علم نہ ہو۔ (۳) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ——— کی صحبت میں رہ کر جو کچھ ہم نے دیکھا ہے سنا اس میں بھی ہمیں اور تمہیں مساوات ہے ——— (۴) آپ کو حضور علیہ السلام سے دوسرے دو یاروں پر دو وجہ سے ترجیح ہے۔ ایک قرابت کی وجہ سے اور دوم داماد رسول ہونے کے باعث" شیعہ صاحبان میں اگر کچھ بھی انصاف ہو تو انکی تسلی کیلئے جناب امیر کا یہ خطبہ دربارۂ فضیلت عثمان کافی ہے ——— تو پھر شیعہ ہزار بکواس کریں شہادت امیر کی وہ تردید نہیں کر سکتے۔ یہ وہ شہادت ہے جس کے مقابلہ میں روافض کی خرافات کی ذرہ برابر وقعت نہیں ہو سکتی۔۔۔۔ (آفتاب ص۱۲۶)

الجواب ستجاب کے پیرو نے اس استدلال میں کوثر و تسنیم میں دھلی ہوئی جو زبان استعمال کی ہے۔ ہم بمطابق ارشاد رب العباد۔ واذا مروا باللغو مروا کراما۔ اس سے درگذر کرتے ہوئے اصل استدلال کا جواب پیش کرتے ہیں۔ ورنہ ہم بموجب "کلوخ انداز را پاداش سنگ است" تیر کا جواب پتھر سے دینا خوب جانتے ہیں۔ بہرحال امام عالی مقام کے اس کلام سے فضیلتِ عثمان پہ استدلال کرنا بچند وجہ غلط ہے۔

اولاً اس کلام کا پہلا جملہ ان الناس ورائی وقد استسفرونی۔ اس امر پہ دال ہے کہ لوگوں نے حکومت وقت کی روش و رفتار سے تنگ آکر آخری اقدام کرنے سے پہلے بطور اتمام حجت یہ صلح جویانہ اور پرامن طریقہ کار اپناتے ہوئے حاکم وقت (عثمان) کے پاس جناب امیرؑ کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا اور یہ بات واضح ہے کہ سفیر بمنزلہ وکیل ہوتا ہے اور وکیل اپنے موکل کا من وعن پیغام پہنچانے کا امین ہوتا ہے۔ وہ اپنا نظریہ ظاہر نہیں کرتا بنا بریں یہ ان لوگوں کے خیالات و نظریات کی ترجمانی ہے۔ آنجنابؑ کا اپنا اعتقاد و نظریہ نہیں ہے۔

ثانیاً۔ ما اعرف شیئاً تجھلہ۔ سے جناب امیرؑ اور عثمان کے علم میں مساوات مطلقہ پہ استدلال کرنا الفاظ کے موارد استعمال سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ یہاں صرف ان امور کے جاننے میں مساوات مراد ہے۔ جن پہ لوگوں کو اعتراض تھا۔ چنانچہ فاضل ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ ج ۲ ص۴۲۵ طبع مصر میں لکھتے ہیں اقسم علی ذلک انہ لا یعلم ماذا یقول لہ لانہ لا یعرف امراً یجھلہ ای من ھذہ الاحداث خاصۃ وھذا حق لان علیاً لم یکن یعلم منہا ما یجھلہ عثمان۔ یعنی جناب امیرؑ نے قسم کھائی ہے کہ وہ نہیں جانتے کہ کیا کہیں کیونکہ وہ ان بدعات و احداث میں سے کوئی ایسی بات نہیں جانتے جسے عثمان نہ جانتے ہوں۔ اور یہ بات بالکل برحق ہے کیونکہ ان باتوں میں کوئی بات بھی ایسی نہ تھی جسے حضرت علیؑ جانتے ہوں۔ اور عثمان اس سے ناواقف ہوں۔ ـــــ ورنہ ظاہر ہے کہ سوائے اس آدمی کے جس کی چشم بصیرت کو بے جا تعصب و عناد نے اندھا کر دیا ہے۔ اور کوئی شخص پیغمبر اسلامؐ کی تصریحات کے بعد کہ (۱) "انا مدینۃ العلم و علی بابھا (متفق علیہ) (۲) اعلم امتی علی بن ابی طالب (میری تمام امت سے علی زیادہ عالم ہیں)۔ (مناقب خوارزمی فرائد السمطین) (۳) اقضاکم علی (فیصلہ کرنے میں تم سب سے اچھے قاضی علی ہیں) ینابیع المودۃ، کفایۃ الطالب) اور کوئی شخص حضرت امیرؑ کی اعلمیت کا انکار نہیں کر سکتا۔

ثالثاً۔ یہ جو فرمایا ہے کہ صحبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رہ کر جو کچھ ہم نے دیکھا سنا ہے۔ تو نے بھی دیکھا سنا ہے" اس سے بھی فضل و کمال اور مجد و شرف میں مساواتِ مطلقہ ثابت کرنا ہرگز مقصود نہیں ہے۔ بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ تم دین میں جو کچھ احداث و بدعات پھیلا رہے ہو۔ تمہیں ان کی برائی اور برے انجام کا

اچھی طرح علم ہے یعنی تم لا علمی و جہالت کی وجہ سے ان جرائم کا ارتکاب نہیں کر رہے ۔ بلکہ جان بوجھ کر تم یہ سب کچھ کر رہے ہو ۔ خلاصہ یہ کہ اگر لا علمی و جہالت کی وجہ سے کسی شخص سے کوئی لغزش سرزد ہو جاتے تو اسے چنداں قابلِ مواخذہ نہیں سمجھا جاسکتا ۔ لیکن اگر جان بوجھ کر اس جرم کا ارتکاب کیا جاتے ۔ تو اس طرح اسکی سنگینی بڑھ جاتی ہے ۔ جناب امیر اپنے اس کلام معجز نظام میں یہی فرمانا چاہتے ہیں کہ تم صحبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بیٹھنے ان کا کلام سننے اور انکی سیرت و کردار کا مشاہدہ کرنے کے بعد احکام شریعت کی جو یہ خلاف ورزی کر کے احداث و بدعات پھیلا رہے ہو تو تمہارا یہ فعل درگذر کرنے کے قابل نہیں ہے بلکہ یہ وہ نا قابل معافی اور سنگین جرم ہے کہ جو

تم تجاہل میں کسی رنگ سے معذور نہیں

ہماری اس منصفانہ توضیح و تشریح سے واضح ہو گیا کہ امام کا یہ کلام عثمان کا مدحیہ قصیدہ نہیں بلکہ اسکی ہجو ملیح ہے ۔

فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید ۔

چوتھی شہادت اس بارہ میں کہ حضرت عثمان ذوالنورین کو حضور کا داماد ہونے کا فخر حاصل ہے شیعہ کی مستند کتاب حیات القلوب مصنفہ ملا باقر مجلسی جلد دوم صفحہ ۴۲۶ میں ہے :۔ در قرب الاسناد بسند معتبر از حضرت صادق روایت کردہ (بحذف فارسی) ترجمہ قرب الاسناد کے ساتھ بیں معتبر الاسناد حضرت امام جعفر صادق سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد جو حضرت خدیجہ کے شکم سے ہوئی طاہر اور قاسم اور فاطمہ و ام کلثوم ۔ رقیہ ۔ زینب تھیں ۔ فاطمہ کا نکاح حضرت علی سے کر دیا ۔ اور زینب ابوالعاص کو نکاح کر دی ۔ اور ام کلثوم کے ساتھ عثمان کا نکاح ہوا ۔ ابھی وہ حضرت عثمان کے گھر نہ گئی تھیں کہ فوت ہو گئیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہ کا حضرت عثمان سے نکاح کر دیا ۔ اس روایت سے جو شیعہ کے معتبر حوالہ امام جعفر صادق سے مروی ہے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام نے اپنی دو صاحبزادیوں (ام کلثوم و رقیہ) کا نکاح حضرت عثمان سے یکے بعد دیگرے کیا ۔

شیعہ کی بیقراری اس واقعہ سے شیعہ سخت بیقرار ہوتے ہیں ـــــــ کہ اگر حضرت عثمان جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں معاذ اللہ مسلمان نہ تھے ۔ تو حضور علیہ السلام نے اپنی صاحبزادیاں انکو کیوں نکاح کر دیں ؟ جبکہ لا تنکحوا المشرکین .... صریح ممانعت ہو چکی تھی ؟ .... اس موقعہ پر پریشان حال ہو کر بہت حیلہ سازیاں کرتے ہیں ۔ پہلے تو یہ کہتے ہیں کہ سوائے فاطمہ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی لڑکی ہی نہ تھی ـــــــ اسلئے میں اس معاملہ کو ذرا وضاحت سے بیان کرنا چاہتا ہوں ـــــــ کیا رسول پاک صلی اللہ علیہ

وسلم کی حضرت فاطمہؓ کے سوا کوئی اور بیٹیاں بھی ہیں؟ میں حیران ہوں کہ جاہل شیعہ تو معذور ہیں لیکن پڑھے لکھے شیعہ اس بات سے کس طرح انکار کر سکتے ہیں کہ حضورؐ ——— کی حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بطن سے حضرت فاطمہ کے علاوہ اور تین صاحبزادیاں زینب۔ ام کلثوم اور رقیہ تھیں۔ چنانچہ ان کے ثبوت میں ایک تو حیات القلوب کی روایت لکھی جا چکی ہے۔ اب دوسرا ثبوت ملاحظہ فرمائیے! **دوسرا ثبوت** :۔ شیعہ کی مستند کتاب حدیث معتقدہ امام مہدی علیہ السلام اصول کافی ص۲۷۸ میں ہے۔ (بحذف عربی) آپ نے خدیجہ سے نکاح کیا۔ جبکہ بیس اور چند سال کے تھے پس مبعوث ہونے کے پہلے ان کے بطن سے قاسم۔ رقیہ۔ اور زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئیں اور مبعوث ہونے کے بعد طیب طاہر۔ فاطمہ کا تولد ہوا تھا" اس روایت سے صاف ——— ثابت ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں حضرت فاطمہ کے علاوہ رقیہ۔ زینب اور ام کلثوم بھی تھیں جو خدیجۃ الکبریٰ کے شکم مبارک سے پیدا ہوئی تھی ———۔ **تیسرا ثبوت** :۔ شیعہ کی مشہور و متداول کتاب تحفۃ العوام ——— کے ص۵۰ جلد اوّل ——— میں صاف لکھا ہوا ہے

اللھم صل علی رقیۃ بنت نبیک اللھم صل علی ام کلثوم بنت نبیک (اے خدا رحمت بھیجو رقیہ دختر رسول پر! اے خدا رحمت بھیجو ام کلثوم بنت رسول پر) ——— اگر رسولؐ کی ایک بیٹی تھی تو اوراد و ادعیہ میں رقیہ و ام کلثوم بنات النبی کیوں ذکر ہوتی ہیں؟ ......

چوتھا ثبوت :۔ حیات القلوب جلد دوم ص۲۹۶ میں ہے (بحذف فارسی) گیارہ مرد اور چار عورتیں اہل مکہ سے بھاگ کر حبشہ کو روانہ ہوئے۔ منجملہ انکے حضرت عثمان تھے اور رقیہ دختر رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو عثمان کی منکوحہ تھیں۔! ——— کیا شیعہ حضرات ان روایات بنات کی تردید کر سکتے ہیں؟ کلا وحاشا = حق کو چھپانا سہل نہیں اے جانِ من!

جواب شیعہ :۔ جب شیعہ حضرات اس موقع پر پھنس جاتے ہیں ——— تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نکاح اپنی بعثت سے قبل یا ممانعت نکاح با مشرکین سے پہلے کر دیا ہو گا ——— لیکن یہ عذر رکیک قابل سماعت نہیں ہے۔ کیونکہ شیعہ کی کتابوں میں تصریح ہے کہ رقیہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح اس وقت ہوا تھا جب آپ جنگ بدر کو روانہ ہوتے تھے۔ جیسا کہ حیات القلوب جلد دوم ص۵۵۵ پر ہے (بحذف فارسی) ابن بابویہ نے معتبر سند سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی علیہ وآلہ وسلم

کی اولاد خدیجہ کے شکم سے قاسم و طاہر پیدا ہوئے۔ طاہر کا نام عبداللہ تھا اور بیٹیاں ام کلثوم۔ رقیہ۔ زینب اور فاطمہ پیدا ہوئیں۔ فاطمہ کا نکاح حضرت علیؓ سے ہوا اور زینب کا ابوالعاص بن ربیعہ سے نکاح ہوا۔ جو بنی امیہ سے تھا۔ اور ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان بن عفان سے ہوا۔ آپ انکے گھر جانے سے پہلے واصل باللہ ہوگئیں۔ پس جب جنگ بدر کو گئے، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے رقیہ کا نکاح عثمان سے کر دیا" اب شیعہ کا یہ فضول عذر بھی رفع ہو گیا ——— اس وقت مشرکین کو رشتے ناطے دینے کی ممانعت ہو چکی تھی۔ غرض حضرت عثمان کیلئے یہ فخر ——— ان کی فضیلت کیلئے ایک کامل سرٹیفکیٹ ہے۔ حضرت عثمان کے محامد و محاسن کا شمار نہیں ہو سکتا۔ آپ نے جس قدر مالی و جانی خدمت اسلام کی۔ دنیائے اسلام تا قیامت انکی ممنون رہے گی ——— آپکے فضائل کا بین ثبوت کتب شیعہ سے لکھا گیا ہے (آفتاب ص۱۳۸) ؎

الجواب مسئلہ بنات النبیؐ پر علمی تبصرہ

اگرچہ برادران اسلام جناب عثمان کی اضافی فضیلت ثابت کرنے کیلئے ہمیشہ مزعومہ دامادیٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑے طمطراق سے پیش کیا کرتے ہیں۔ مگر عند التحقیق معلوم ہوتا ہے کہ یہ افتخار و استدلال چند وجہ درجۂ اعتبار سے ساقط ہے۔

اولاً:۔ اس امر میں شدید اختلاف ہے کہ جناب سیدہ عالم سلام اللہ علیہا کے علاوہ جو صاحبزادیاں بیان کی جاتی ہیں۔ آیا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صلبی بیٹیاں تھیں یا حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے پہلے شوہر کی اولاد تھیں۔ و یا جناب خدیجہ کی بہن ہالہ کی لڑکیاں تھیں؟ اگرچہ مشہور عند الجمہور یہی ہے کہ یہ آنحضرت صلی علیہ وآلہ وسلم کی صلبی بیٹیاں تھیں۔ مگر ایک طبقہ ہمیشہ سے اس بات کا انکار کرتا چلا آیا ہے چنانچہ السید ابوالقاسم الکوفی متوفی ۳۵۲ھ اپنی کتاب الاستغاثہ ص۶۴ طبع النجف میں تحریر فرماتے ہیں۔ فلما تزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ بخدیجۃ ماتت ھالۃ بعد ذلک بمدۃ یسیرۃ وخلفت الطفلتین زینب ورقیۃ فی حجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وحجر خدیجۃ فربیاھما وکان من سنۃ العرب فی الجاھلیۃ من یربی یتیما ینسب ذلک الیتیم الیہ۔ "یعنی جب جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب خدیجہ سے نکاح کیا تو اس سے تھوڑی مدت بعد ہالہ (جناب خدیجہ کی بہن) وفات پاگئیں اور اس نے اپنے پیچھے اپنی دو لڑکیاں مسمات زینب و رقیہ چھوڑیں۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خدیجۃ الکبریٰ نے ان کی تربیت و پرورش کی اور اسلام سے پہلے عربوں کا یہ دستور تھا کہ جو شخص کسی یتیم کی تربیت کرتا تھا اس

بچہ کی نسبت اُسی شخص کی طرف دی جاتی تھی۔۱۔ سلئے معلوم ہوا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صلبی نہیں بلکہ ربیبہ لڑکیاں ہیں۔ اسکی تائید مزید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید کی پرورش کی تھی تو لوگ ان کو ابن رسول کہا کرتے تھے۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید کی مطلقہ (جناب زینب) سے عقد کیا تو لوگوں نے اعتراض کیا۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بہو سے عقد کیا ہے۔ حتیٰ کہ خدا کو قرآن میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفائی دینا پڑی کہ جسے بیٹا کہدیا جائے وہ درحقیقت بیٹا بن نہیں جاتا۔ نیز ان صاحبزادیوں کے جناب خدیجۃ الکبریٰ کی بھانجیاں ہونے کی تائید مزید تاریخ بلاذری، کتاب استغاثہ ابوالقاسم الکوفی اور کتاب شافی سید مرتضیٰ سے بھی ہوتی ہے۔ جنہوں نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب جناب خدیجہ سے عقد کیا تو وہ باکرہ تھیں۔ نیز کتاب الانوار اور کتاب بدع میں صاف لکھا ہے کہ یہ ہالہ کی بیٹیاں تھیں۔ (بحوالہ مرآۃ العقول ۵ صفحہ ...) ابن ہشام (مشہور مؤرخ اہلسنت) نے لکھا ہے۔ وکانت قبلہ عند ابی ہالہ ابن مالک...... فولدت لہ ہند بن ابی ہالۃ وزینب ابی ہالۃ وکانت قبل ابی ہالۃ عند عتیق بن عائذ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم فولدت لہ عبداللہ وجاریۃ۔ یعنی جناب خدیجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقد کرنے سے پیشتر ابی ہالہ بن مالک کے عقد میں تھیں جس سے اُنکے ہاں ایک لڑکا ہند اور ایک لڑکی زینب متولد ہوئی۔ اور ابی ہالہ سے پہلے عتیق بن عائذ...... کی زوجیت میں تھیں جس سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ (سیرت ابن ہشام ج ۴ صفحہ ۲۹۳) اس سے معلوم ہوا کہ زوجیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آنے سے قبل جناب خدیجہ کے ہاں دو لڑکیاں موجود تھیں۔ جو بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں پرورش پانے کیوجہ سے بنات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہلائیں۔ بنا بریں ظاہر ہے کہ جس حیثیت سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیاں ہونگی۔ اسی لحاظ سے جس سے وہ بیاہی جائیں گی وہ داماد رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی کہلائے گا۔ ظاہر ہے کہ جس مسئلہ میں اس قدر احتمالات و اختلافات موجود ہوں۔ اس سے کسی شخص کی فضیلت پر استدلال نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

ثانیاً:۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ صاحبزادیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی صلبی بیٹیاں ہیں۔ تاہم اس سے نہ ہمارا کوئی نقصان ہوتا ہے اور نہ ہی مخالفین کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے۔ کیونکہ قریباً تمام کتب سیرو تواریخ اہلسنت میں تصریح موجود ہے کہ ام کلثوم اور رقیہ یکے بعد دیگرے زوجیت عثمان میں آنے سے قبل عتبہ و عتیبہ پسران ابولہب کے حبالہ عقد میں تھیں (ملاحظہ ہو اصابہ ابن حجر ج ۴ صفحہ ۲۸۹

استیعاب بحاشیہ اصابہ ج۴ ص۲۹۹ مدارج النبوۃ ج۲ ص۵۸۹ طبع لکھنؤ، روضۃ الاحباب ج۱ ص۲۱۶، ص۲۴۳
مواہب لدنیہ ص۸۷، حو نقد اکبر ص۱۲۳ و تذکرہ خواص الامۃ ص۱۷۷ وغیرہا) تو بنابریں اگر یہ کوئی شرف ہے تو
بقول اہلسنت اہلبیت کا شرف و افتخار تو عتبہ و عتیبہ دامادان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہوگا۔ پھر
عثمان کو علاوہ بریں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آیا ان دونوں صاحبزادیوں کو علاوہ دختران رسول صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم ہونے کے اور تاریخی حیثیت یا ذاتی فضیلت بھی حاصل ہے؟ تاکہ اس رشتہ کو غیر معمولی اہمیت
حاصل ہو؟ جہاں تک ہم نے کتب فریقین کی ورق گردانی کی ہے ہمیں تو انکی فضیلت میں کوئی ایک آیت یا روایت بھی
نہیں ملی۔ جبکہ جناب سیدۃ کے مناقب و محامد سے نہ صرف کتب فریقین بلکہ کتب عالم چھلک رہے ہیں علاوہ بریں
یہ بات بھی روشن ہے کہ ان صاحبزادیوں سے عقد کے وقت نہ کوئی رستہ کشی تھی اور نہ ہی کسی عظیم شخصیت
کے ساتھ مقابلہ تھا کہ یہ کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان کو منتخب کر کے انہیں یہ شرف بخشا ہے جیسا کہ
جناب سیدۃ عالم کے عقد کے وقت یہ صورت حال درپیش تھی کہ ایک تو بی بی عالم مثالی اہمیت و عظمت
کی حامل تھیں۔ اور دوسرا تمام صنادید قریش اور اشراف قوم ملکئی پر منگنی کر رہے تھے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم نے سب کی خواہش کو مسترد کر کے حضرت علیؑ کو اس شرف سے مشرف اور ان کے فخر سے مفتخر فرمایا۔

لہٰذا اس میں عثمان کی کیا فضیلت ہے؟؟

ثالثاً: سنی شیعہ کتب میں اسلام و ایمان میں جو فرق بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ظاہری اسلام پر
باہمی نکاح و میراث کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔ لیکن اخروی ثواب کا دارومدار ایمان پر ہے۔ چنانچہ
مروج الذہب برحاشیہ کامل ج۶ ص۳۷ بخاری ج۱ ص۱۱ طبع مصر تفسیر کبیر ج۲ ص۲۷ طبع مصر میں ہے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ الاسلام ماجری بہ اللسان وحلت بہ المناکحۃ اسی
طرح اصول کافی ص۲۶۳ تفسیر صافی ص۶۲۶ وسائل الشیعہ ج۳ ص۷ میں حضرت صادق علیہ السلام سے
مروی ہے کہ فرمایا الاسلام ما کان علیہ التناکح والمواریث وتحقن بہ الدماء والثواب علی
الایمان۔ یہ عقد قبل از بعثت ہو یا بعد از بعثت اور خواہ آیۃ لا تنکحوا المشرکین کے نزول
سے قبل ہو یا بعد بہر صورت شیعوں کو بفضلہ تعالیٰ نہ کوئی اضطراب ہے اور نہ کوئی پیچیدگی ہے۔ کیونکہ
وہ عثمان کو کافر و مشرک نہیں سمجھتے۔ تاکہ اس ازدواج سے لا تنکحوا المشرکین کی خلاف ورزی ہو
بلکہ وہ اسے منافق جانتے ہیں اور باتفاق تمام مسلمین منافقین پر سب ظاہری احکام اسلام جاری ہوتے
ہیں۔ اسی بنا پر اگر یہ نکاح بھی عمل میں آگیا تو اس میں کیا قباحت ہے؟ یا عثمان کیلئے کونسی فضیلت
کی بات ہے؟ لہٰذا زیادہ سے زیادہ اس نکاح کو عثمان کے ظاہری اسلام کی دلیل تو قرار دیا جا سکتا

لیکن
سے اسکے علاوہ اور کسی خصوصیت یا فضیلت کو اس سے ثابت نہیں کیا جا سکتا ؛ وھذا حق لا یعتریہ شك ۔

رابعاً۔ تمام ادیانِ عالم بالعموم اور دینِ اسلام میں بالخصوص اخروی نجات کا دارومدار ذاتی ایمان واعمال صالحہ پر رکھا گیا ہے۔ صرف نسبی یا سببی رشتہ داریوں سے بخشش نہیں ہوتی۔ ارشاد باری ہے۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم فرمان رسالت ہے ۔ الجنۃ لمن اطاع اللہ ولو کان عبد احبشیاً۔ والنار لمن عصی اللہ ولو کان سیدا قرشیاً۔ (سابع عشر بحار) مزید وضاحت کیلئے جناب نوح اور ان کے بیٹے اور جناب نوح ولوط کی منافق بلکہ کافر بیویوں اور فرعون اور اسکی مؤمنہ زوجہ کے واقعات قرآن مجید میں دیکھے جا سکتے ہیں ؛ خداوند عالم فرماتا ہے ۔ ضرب اللہ مثلاً للذین کفروا امرأۃ نوح وامرأۃ لوط کانتا تحت عبدین من عبادنا صالحین فخانتاھما فلم یغنیا عنھما من اللہ شیئاً وقیل ادخلا النار مع الداخلین (پ ۲۸ ، سورۃ تحریم ۲۰۷) (کافروں کے عبرت پکڑنے کیلئے خدا نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال دیتا ہے کہ یہ (دونوں عورتیں) ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں پھر ان دونوں نے ان کو دغا دی ۔ (کہ اپنے شوہروں کے خلاف کافروں سے ملی رہیں) تو دونوں کے شوہر باوجود دیکہ پیغمبر تھے اللہ کے مقابلے میں انکے کچھ بھی کام نہ آئے اور ان دونوں عورتوں کو حکم دیا گیا کہ جہاں اور لوگ (جہنم میں) داخل ہوتے ہیں (تم بھی) انکے ساتھ جہنم میں جا داخل ہو (ترجمہ نذیریہ) ؛ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک خسر حیّ بن اخطب یہودی اور بقول اہلسنت ذو داماد (عقبہ وعتیبہ) کافر تھے ۔ تو کیا انکو اس سببی قرابتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے ۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو عثمان کو بھی ضرور اس سے فائدہ حاصل ہوگا ۔ اور اگر یہاں جواب نفی میں ہے تو پھر وہاں بھی ایسا ہی سمجھیں ؎

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

خامساً۔ اس سلسلہ میں مؤلف نے جو روایات کتب شیعہ سے نقل کی ہیں ان میں سے کوئی بھی صحیح السند نہیں ہے چنانچہ اس سلسلہ کی پہلی روایت جو حیات القلوب میں بحوالہ قرب الاسناد مروی ہے ۔ اسکی سند میں مسعدہ بن صدقہ موجود ہے ۔ جو سنی المذہب ہے (ملاحظہ ہو رجال حائری صت کذا فی رجال استرآبادی ورجال الشیخ وغیرہ) لہٰذا وہ ہمارے لئے ناقابل استدلال ہے اور دوسرے ثبوت میں اصول کافی کے حوالہ سے جو عبارت نقل کی گئی ہے یہ سرکار کلینیؒ (مؤلف اصول کافی) کی ذاتی رائے ہے اسے روایت قرار دے کر اس پر استدلال کی دیوار کھڑی کرنا خیانت مجرمانہ کے ذیل میں آتا ہے ۔ علاوہ بریں اصول کافی کو بار بار معتمد ترین مجموعہ ظاہر کرنا بھی درست نہیں ۔ جبکہ علمائے اعلام نے اس بے سروپا قصہ کی رد

کردی ہے (ملاحظہ ہو روضات الجنات و دار السلام وغیرہ) اور تیسرے جس نمبر میں تحفۃ العوام سے صلوات کے فقرے نقل کیئے گئے ہیں اولاً تو یہ صلوات باسناد کسی امام علیہ السلام سے مروی نہیں ہے۔ ثانیاً ممکن ہے کہ جناب رقیہ و ام کلثوم سے بنات جناب امیر علیہ السلام مراد ہوں ۔ جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نواسیاں ہونیکی وجہ سے بنات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہلا سکتی ہیں۔ (کمافی ترجمہ مفاتیح الجنان) اور چوتھے ثبوت میں حیات القلوب ص۔۔۔ سے جو یہ نقل کیا گیا ہے کہ عثمان نے مع اپنی زوجہ رقیہ دختر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ یہ حیات القلوب ج ۲ ص۵۵ کی اس روایت کے مخالف و مناقض ہے جو مؤلف نے اسی صفحہ پہ ایک سوال کے جواب میں نقل کی ہے کہ جنگ بدر کی طرف جاتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رقیہ کا عقد عثمان سے کر دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ جنگ بدر ہجرت مدینہ کے بعد واقع ہوئی۔ اور ہجرت حبشہ اس سے پہلے۔ لہذا یہ آثار اپنے داخلی اختلاف اور انتشار کی وجہ سے ناقابل اعتبار ہیں۔ حق پر جس قدر بھی پردے ڈالے جائیں۔ آخر وہ ظاہر ہو کر ہی رہتا ہے ؎۔

حق کو چھپانا سہل نہیں اے جناب من
بلکہ ؎ اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

جہاں تک جناب عثمان کی دیگر مالی و جانی خدمات اسلام کا تعلق ہے ہم سابقاً آیات فضائل صحابہ کے ذیل میں انکی قلعی کھول چکے ہیں۔ اور جہاں تک کتب شیعہ سے انکے مزعومہ فضائل ثابت کرنے کا تعلق ہے ہم نے بفضلہ تعالے بجائے فضائل کے ان کا رذائل عثمان ہونا کالشمس فی نصف النہار واضح و آشکار کر دیا ہے۔ والحمد للہ علی وضوح الحجۃ۔ قل ھذہ تذکرۃ فمن شاء ذکرہ۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

(اصحاب ثلاثہ کی مشترکہ تعریف)

حضرت امیر المؤمنین علی المرتضی نے جہاں اصحاب ثلاثہ کی فرداً فرداً اپنے اقوال میں تعریف فرمائی ہے وہاں مشترکہ اوصاف کا بیان بھی ان کے خطبات میں پایا جاتا ہے ——— اب ہم ایسی روایات لکھیں گے جو کتب شیعہ میں اصحاب ثلاثہ کے اوصاف کے مشترکہ پائی جاتی ہیں نہج البلاغہ مصری ج ا ص۱۹۰ میں ہے۔ لقد عھدت اقواماً فی عھد خلیلی الخ (بلفظہ عربی)۔
ترجمہ: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو دیکھا۔ کثرت گریہ سے اُن کی

آنکھیں خیرہ ہوگئی تھیں۔ روزہ داری کی وجہ سے انکے پیٹ خالی ہوگئے تھے۔ دعا کرتے کرتے انکے ہونٹ خشک ہوگئے تھے شب بیداری کے سبب انکے چہرے زرد تھے کثرت سجود کے باعث انکے چہرے خاک آلود رہتے تھے۔ وہ لوگ میرے بھائی تھے۔ جو گذر گئے۔ کہ انکی ملاقات کی پیاس رکھیں اور انکے فراق میں دانتوں سے ہاتھ کاٹیں۔ شیطان تمہارے لئے راستہ پیدا کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ دین کی رسی کو پارہ پارہ کردے اور تمہاری جماعت میں تفرقہ ڈال دے تم اسکے وساوس سے بچو اور اپنے رہنما کی نصیحت مانو۔ اور اپنے دلوں میں گرہ کرلو" اس خطبہ میں جناب امیر علیہ السلام نے اصحاب رسولؐ کی جو فوت ہوگئے ہیں بے حد تعریف فرمائی ہے کہ وہ قائم اللیل صائم النہار ——— شیعہ حضرات بتائیں کہ کیا اصحاب ثلاثہ ان افراد میں داخل تھے۔ یا نہ؟ اور یہ اوصاف ان میں پائے جاتے ہیں یا نہیں؟ ——— انکے اوصاف یاد کرکے دل کو تسکین دیتے تھے۔ اور مسلمانوں کو ان کے طریق پہ چلنے ——— کی ترغیب دیتے تھے ——— شیعہ کے نزدیک تو صرف معدودے چند ابوذر، مقداد، سلمان فارسی۔ کے سوائے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مسلمان ہی نہ رہا تھا۔ پھر وہ اقوام جنہیں یہ اوصاف تھے کہاں؟ جن کی وفات کا جناب امیرؑ کو از حد رنج تھا ——— (آفتاب ص۱۳۹)۔

الجواب اصل استدلال کا جواب پیش کرنے سے پہلے اس بات کی وضاحت کر دینا مناسب ہے کہ شیعیان حیدر کرار پر یہ سراسر اتہام ہے کہ وہ سوائے تین یا چار اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باقی تمام صحابہ کو معاذ اللہ کافر و مرتد سمجھتے ہیں؎۔ حقیقت یہ ہے کہ جسطرح برادران اسلامی سب اصحاب سے محبت وعقیدت کے دعوے کے باوجود زیادہ تر اصحاب ثلاثہ کی طرف رجحان ومیلان رکھتے ہیں۔ اسی طرح شیعیان حیدر کرار جناب سلمانؓ ابوذرؓ عمار بن یاسرؓ اور مقداد بن اسودؓ کو تمام اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہتر سمجھتے ہیں ورنہ انکے علاوہ جس قدر اصحاب باصفا و ارباب زہد و اتقا ہیں

حضرات شیعہ مومن صحابہ کرام کی عظمت کے معتقد ہیں؟

؎ جن بعض اخبار میں یہ وارد ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد سوائے چار افراد کے باقی لوگ مرتد ہوگئے۔ اس ارتداد سے یہاں اسکے وہ فقہی معنی مراد نہیں جو کفر کے مترادف ہیں بلکہ اسکا مطلب صرف یہ ہے کہ غدیر خم کے مقام پر حضرت امیرؑ کی خلافت وامامت کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے * منحرف ہوگئے۔ اور اس پر ثابت قدم نہ رہے اور یہ بات انکے نقص ایمان کی علامت ہے نہ کہ کفر وشرک کی دلیل۔ کما لا یخفی علی العوام فضلاً عن العلماء الاعلام۔ (منہ عفی عنہ)

* جو عہد و پیمان لیا تھا اس

شیعہ ان سب کے بدل وجان معتقد ہیں۔ اور انکی تعظیم و تکریم کو جزو ایمان سمجھتے ہیں۔ ہاں البتہ وہ ان میں سے فاسقین اور بالخصوص منافقین کی عظمت پر یقین نہیں رکھتے۔ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی دس پچاس یا دو سو نہ تھے۔ بلکہ ہزاروں تھے۔ اور یہ بات محتاج بیان نہیں کہ وہ سب کے سب مخلص و مؤمن اور عادل تھے بلکہ ان میں کچھ مؤمن تھے اور کچھ منافق۔ کچھ عادل تھے اور کچھ فاسق۔ جیسا کہ خدا فرماتا ہے۔ منهم المومنون واكثرهم الفاسقون لهٰذا شیعیان علی حسب فرمان ربانی صرف منافقین کو اچھا نہیں سمجھتے اور نہ ہی خلاف عقل و نقل وہ مؤمن و فاسق عادل و غیر عادل، قاتل و مقتول اور ظالم و مظلوم کو برابر سمجھتے ہیں افمن كان مومناً كمن كان فاسقاً۔ اور یہی ہمارے ہادیان دین کی ہمیں تعلیم و تلقین ہے۔

ارشادات معصومین سے دعوات بالا کے ثبوت

اس سلسلہ میں حضرت امیر کے خطبات، امام زین العابدین کے ادعیہ جات اور دوسرے آئمہ طاہرین کے متعدد روایات۔ شاہد عادل موجود ہیں۔ چنانچہ جناب امیر کے ان خطبوں میں سے ایک وہی خطبہ ہے جس کا ایک حصہ اس استدلال میں پیش کیا گیا ہے اسکی ابتدا میں آپ فرماتے ہیں۔

"اين القوم الذين دعوا الى الاسلام فقبلوه وقرأ القرآن فاحكموه وهيجوا الى القتال فولهوا وله اللقاح الى اولادها وسلوا السيوف من اغمادها واخذوا باطراف الارض زحفاً زحفاً وصفاً صفاً بعض هالك وبعض نجي لايبشرون بالاحياء ولا يعزون بالموتى مره العيون من البكاء"

امام زین العابدین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخلص مؤمن اصحاب باصفا پر صلوات میں فرماتے ہیں۔

"اللهم واصحاب محمد صلى الله عليه وآله وسلم خاصة الذين احسنوا الصحابة والذين ابلوا البلاء الحسن فى نصرة وكانفوه واسرعوا الى دعوته واستجابوا له حيث سمعهم حجة رسالاته وفارقوا الازواج والاولاد فى اظهار كلمته وقاتلوا الآباء والابناء فى تثبيت بنوته الخ......"

(صحیفہ سجادیہ ص۱۱، مترجم)

بارالہا! خصوصیت سے اصحاب محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے وہ افراد جنہوں نے پوری طرح پیغمبر کا ساتھ دیا۔ اور انکی دعوت کی طرف سبقت کی اور جب پیغمبر نے اپنی رسالت کی دلیلیں انکے گوش گذار کیں تو انہوں نے لبیک کہی۔ اور انکا بول بالا کرنے کیلئے بیوی بچوں کو چھوڑ دیا۔ اور امر نبوت کے استحکام کیلئے باپ اور بیٹوں تک سے جنگیں کیں"

سلام ان پر جو ان کے اصحاب ہیں ❊ وہ اصحاب کیسے، احباب ہیں
خدا ان سے راضی، رسولؐ ان سے خوش ❊ علیؑ ان سے راضی، بتول ان سے خوش

(اصل محلِ نزاع اصحاب ثلاثہ کی شخصیت ہے)

دراصل بات یہ ہے کہ ہمارے اور ہمارے برادرانِ اسلامی میں اس سلسلہ میں جو کچھ نزاع ہے وہ صرف اصحاب ثلاثہ کے بارے ہے۔ اہلسنت انکو بعد از نبی تمام اصحاب بلکہ تمام امت سے افضل جانتے ہیں اور ہم انکو دولتِ ایمان و ایقان اور اخلاص سے تہی دامن مانتے ہیں۔ اور ہم سابقاً آیات قرآنیہ کے ذیل میں بالخصوص پہلی آیت کے جواب میں اس دعوے کو قرآن، حدیث اور تاریخی حقائق کی روشنی میں ثابت کر آئے ہیں۔ مگر اس کا کیا علاج کہ ہمارے بھائیوں کو جس طرح ساون کے اندھے کو ________ ہر چیز سبز نظر آتی ہے انکو ہر جگہ اصحاب ثلاثہ ہی جلوہ افروز نظر آتے ہیں۔ کسی صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح ہو، انکو اس آئینہ میں اپنے ثلاثہ ہی دکھائی دیتے ہیں۔ اگرچہ ان اوصاف کا ان میں نام ونشان بھی نہ ہو۔ جیسا کہ مؤلف نے نہج البلاغہ کے اس اقتباس کیساتھ سلوک کیا ہے۔ جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض کامل الایمان محبان جناب امیر علیہ السلام صحابہ کرام کی تعریف و توصیف اور انکی پیاری یاد کے متعلق ہے۔ جن کی چند نمایاں صفات جلیلہ آنجناب نے یہ بیان فرمائی ہیں کہ (۱) وہ سچے مسلمان (۲) صحیح قارئین قرآن اور (۳) جہاد کے ایسے شائق تھے جیسے ناقہ اپنے بچوں کی شائق ہوتی ہے (۴) چنانچہ انکی تلواریں ہر وقت میان سے باہر رہتی تھیں۔ (۵) راہ خدا میں انکے لئے موت وحیات برابر تھی (۶) خوف وخشیت الہی کی شدت کی وجہ سے انکی آنکھیں خیرہ (۷) کثرتِ صیام سے پیٹ پشت سے لگے ہوئے (۸) کثرتِ دعا و پکار سے ہونٹ خشک (۹) اور کثرتِ شب بیداری کے سبب سے رنگ زرد تھے۔ ہم ببانگِ دہل یہ اعلان کرتے ہیں کہ ان صفاتِ جلیلہ کا عشرِ عشیر بلکہ ان کا نام ونشان بھی اصحابِ ثلاثہ میں نہیں پایا جاتا۔ اور ہم بالانصاف ناظرین کرام سے خدا تے ذوالمنن کا واسطہ دے کر التماس کرتے ہیں کہ وہ شیعہ کی نہیں بلکہ سنیوں کی کتب سے ہی سہی اگر ان صفات جلیلہ کا اصحاب ثلاثہ میں پایا جانا ثابت کر دیں تو ہم منہ مانگا انعام دینے کو تیار ہیں۔ اگر اہلسنت اپنے دعوے میں سچے ہیں تو میدان میں آئیں اور یہ انعام حاصل کریں

ع کس بمیداں در نمی آید سواراں را چہ شد ؟؟؟

اصل اعتقاد جناب امیر علیہ السلام متعلق باصحاب ثلاثہ

اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ جناب امیر علیہ السلام ثلاثہ کو کیسا سمجھتے ہیں؟

تو اسکے متعلق نہج البلاغہ وغیرہ میں آپ کے بکثرت صریح ارشادات موجود ہیں۔ جن میں ہرگز کسی قسم کا کوئی اجمال و ابہام نہیں ہے۔ انکو بغور ملاحظہ فرمائیں اور اصل حقیقت کا سراغ لگائیں۔ مثلاً اس سلسلہ کی اہم کڑی آنجناب کا وہ خطبہ ہے جو "خطبۂ شقشقیہ" کے نام سے مشہور ہے۔ آپ اسمیں فرماتے ہیں: اما واللہ لقد تقمصها ابن

ابن ابی قحافة وانه ليعلم ان محلی منها محل القطب من الرحی ------ فرأيت ان الصبر على هاتا احجى فصبرت وفی العين قذى وفی الحلق شجا اری تراثی نهبا حتى مضى الاول لسبيله فادلى بها الى ابن الخطاب بعده ------ فيا عجبا بينا هو يستقيلها فی حياته اذ عقدها لآخر بعد وفاته لشد ما تشطرا ضرعيها ------ فصبرت على طول المدة وشدة المحنة حتى اذا مضى لسبيله جعلها فی جماعة زعم انی احدهم فيا لله وللشورى ------ الى ان قام ثالث القوم نافجا حضنيه بين نثيله ومعتلفه وقام معه بنو ابيه يخضمون مال الله خضم الابل نبتة الربيع الى ان انتكث فتله واجهز عليه عمله وكبت به بطنته ------ لوگو! خدا کی قسم! ابو قحافہ کے فرزند نے پیراہن خلافت کو زبردستی پہن لیا۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ میں (کمالات علم و عمل کے لحاظ سے) خلافت کیلئے اتنا ناگزیر ہوں جتنا چکی کیلئے وہ کھونٹا جس پر اسکی گردش منحصر ہوتی ہے ------ میں نے دیکھا کہ صبر کرنا ہی خردمندی سے قریب ہے۔ میں نے صبر کیا۔ حالانکہ آنکھ خاشاک و غبار سے اور حلقوم و گلو استخواں (غصہ) سے سخت تکلیف میں تھا۔ میں میراث کو تاراج ہوتے دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ خلیفۂ اول اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اور خطاب کے فرزند کو خلافت سپرد کر گئے ------ کتنے تعجب کی بات ہے کہ خلیفۂ اول اپنی زندگی میں لغزشوں سے بچنے کیلئے مشوروں کی پابندی کے طالب تھے۔ یا پھر یہ ہوا کہ اپنی وفات کے بعد وہ خلافت کی وصیت ایک دوسرے شخص کیلئے کر گئے۔ (حکومت) کے دونوں تھن ان دونوں نے یکے بعد دیگرے دوہ لئے ------ میں نے اس طویل مدت میں شدت تکلیف پر صبر (ضبط) سے کام لیا۔ (اور خاموش رہا) حتی کہ دوسرے خلیفہ بھی دنیا سے تشریف لے گئے۔ اور امر خلافت ایک جماعت میں محصور کر دیا۔ جس کا ایک فرد اپنے گمان میں مجھے بھی قرار دیا۔ بار خدایا! بھلا مجھے اس سے کیا مطلب!

------ آخر کار قوم کا تیسرا آدمی پیٹ پھیلائے اپنے گوبر اور چارے کے بیچ میں کھڑا ہوا اس کے ساتھ اسکے جدی بھائی بند (بنو امیہ) بھی ہو گئے۔ اور خدا کا مال اسی طرح تصرف میں لاتے گئے جس طرح اونٹ موسم بہار کی گھاس صاف کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اسکی رسی کے بل بھی نکل گئے۔ اور اس کا ہم مہدی ہو گیا اور بسیار خوری کے سبب منہ کے بل گر پڑا۔ (ترجمہ نہج البلاغہ رئیس احمد جعفری ص ۱۵۴ تا ۱۵۵)۔

(۲) نہج البلاغہ خطبہ بیان ص ۳۲ پر فرماتے ہیں فواللہ ما زلت مدفوعا عن حقی منذ قبض اللہ نبیہ۔ میں برابر اپنے حق سے محروم کیا جاتا رہا ہوں" (ترجمہ ندوی ص ۱۵، ۱۵۵)۔

(۳) ص ۳۲ پر فرماتے ہیں لیس لی معین غیر اهل بیتی۔ سوائے میرے اہلبیت کے میرا اور کوئی معین و مددگار نہ تھا۔

(۴) صفحہ پر فرماتے ہیں لقد علمتم انی احق بہا من غیری۔ تمہیں اچھی طرح علم ہے کہ میں خلافت کا سب سے زیادہ حقدار ہوں۔

(۵) صفحہ پر فرماتے ہیں اجمعوا علی منازعتی حقا کنت اولی بہا من غیری۔ ان لوگوں نے میرے ساتھ اس حق (خلافت) کے متعلق جھگڑے کرنے پر اجماع کیا جس کا میں دوسروں سے زیادہ حقدار تھا۔

(۶) صفحہ پر فرماتے ہیں زعمت ان افضل الناس فلان وفلان (اے معاویہ) تونے گمان کیا ہے کہ اسلام میں رسول خدا کے بعد افضل فلاں وفلاں ہے۔

(۷) صفحہ پر فرماتے ہیں فان کنت بالشوریٰ ملکت امورھم فکیف بہذا والمشیرون غیب۔ اگر تم نے مشورہ سے مسلمانوں کے معاملات پر قبضہ کیا ہے تو یہ درست نہیں کیونکہ حقیقی مشورہ دینے والے (آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو موجود ہی نہ تھے۔

(۸) بخاری پ ۱۶ ص ۳۵ طبع مصر ومسلم ج ۲ ص ۹۱ میں جناب امیر علیہ السلام کا یہ ارشاد موجود ہے۔ ابوبکر کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ولکنک استبددت علینا بالامر وکنا نحن نری لنا حقا لقرابتنا من رسول اللہ۔ تم نے ہم پر ظلم کیا۔ حالانکہ ہم بوجہ قرابت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس امر (خلافت) کو اپنا حق جانتے تھے۔ (۹) تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۰۸ طبع مصر میں آپ کا یہ ارشاد بایں الفاظ مروی ہے کنا نری ان لنا فی ہذا الامر حقا فاستبددتم علینا ——— ہم اس امر (خلافت) کو اپنا حق سمجھتے تھے مگر تم نے ہم پر ظلم وزیادتی کی۔

(۱۰) صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۱ مع شرح نووی طبع دہلی میں عمر صاحب کا حضرت امیر اور جناب عباس کو خطاب کرکے یہ بیان مذکور ہے کہ فرأیتمانی کاذبا آثما غادرا خائنا۔ ——— تم دونوں مجھے جھوٹا، گنہگار، غدار اور خیانت کار سمجھتے ہو۔ اور جو مجھ سے بہتر تھا (ابوبکر) آپ اسے بھی ایسا ہی سمجھتے تھے۔ ——— تلک عشرۃ کاملۃ

مؤلف کا یہ کہنا کہ حضرت علی مسلمانوں کو ان (اصحاب ثلاثہ) کے طریق کار پر چلنے کی ترغیب دیتے تھے۔ حقائق کے سراسر خلاف ہے۔ کیونکر جو بات ناقابل رد دلائل سے ثابت ہے۔ وہ یہ ہے کہ بوقت شوریٰ جب ظاہری اسلامی خلافت اس شرط پر جناب امیر علیہ السلام کی خدمت میں پیش کی گئی تھی۔ کہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سیرت شیخین (ابوبکر وعمر) پر بھی چلیں تو جناب نے خلافت ٹھکرا دی تھی۔ لیکن سیرت شیخین پر چلنا گوارا نہیں فرمایا تھا۔ (ملاحظہ ہو شرح فقہ اکبر ص ۸۴ طبع لاہور وغیرہ) پھر وہ دوسروں کو کس طرح ان کے طریق کار پر چلنے کی ترغیب دے سکتے تھے؟ ان ہذا الا اختلاق۔ ان حقائق سے یہ بات روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ حضرت امیر ثلاثہ کو گنہگار، جھوٹا، خیانت کار اور غدار اور ظالم وجابر اور غاصب

اور انکی خلافت کو غاصبانہ وجابرانہ وجابرانہ سمجھتے تھے۔ والحق مع علی وعلی مع الحق۔

"نہج البلاغہ ج ۲ صفحہ ۸ میں ہے ۔ من کلام لہ علیہ السلام الی معاویہ انہ بایعنی (بحذف عربی) ترجمہ ۔ جناب امیر کے ان خطوط میں سے جو معاویہ کو آپ نے لکھے یہ بھی تھا کہ میری بیعت اسی قوم نے اس امر پر کی ہے جس پر انہوں نے ابو بکر، عمر، عثمان سے کی تھی ۔ اب کسی حاضر یا غائب کو اس بیعت کے بعد کسی کا اختیار نہیں ہے اور شوریٰ مہاجرین و انصار ہی کا حق ہے ۔ جس شخص کی بیعت پر انکا اتفاق ہو جاتے اور اسکو امام بنالیں ۔ خدا کو بھی وہی منظور ہے ۔ اس منعقد خلیفہ کی اطاعت سے جو کسی طعن یا بدعت کے باعث انحراف کرے ۔ اہل شوریٰ کا حق ہے کہ اسے خلیفہ کی اطاعت پر مجبور کریں ۔ اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ دینے پر اس سے لڑیں "۔

اس خطبہ میں جناب امیرؑ نے مسئلہ خلافت و خلیفہ کا بالکل فیصلہ فرمادیا ۔ اور آپ نے یہ بھی بتا دیا کہ میری اور خلفائے سابقہ کی خلافت ایک ہی طریق سے ایک ہی جماعت (مہاجرین و انصار) کے انتخاب سے عمل میں آئی ہے اور انتخاب خلیفہ کا حق بھی مجلس شوریٰ مہاجرین و انصار کو ہی ہے ——————— اب جو لوگ کہتے ہیں کہ خلافت کے حقدار سب سے پہلے امیر علیہ السلام تھے اور خلفاء ثلاثہ کا انتخاب غلط ہوا تھا وہ جناب امیرؑ کے اس قول کی تکذیب کرتے ہیں اس خطبہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ انتخاب خلیفہ سے ناراض تھے اور انہوں نے بیعت نہ کی تھی یا جبراً قہراً کی تھی ۔ یہ سب کچھ یاروں کی گھڑت اور اتہام محض ہے کیا شیعہ صاحبان جناب امیرالمومنینؑ کے اس فرمان واجب الاذعان کے سامنے سر تسلیم خم کریں گے ؟ (آفتاب صفحہ ۱۴۷) "

الجواب شیعیان حیدر کرار خوارج و نواصب کی طرح آنکے فرمان واجب الاذعان سے سرتابی وانحراف نہیں کرتے بلکہ اسے واجب العمل سمجھ کر اسکے سامنے سر تسلیم خم کرنا عین ایمان سمجھتے ہیں۔ مگر سر تسلیم کرنے سے پہلے اس فرمان کا صحیح مفہوم سمجھنا اشد ضروری ہوتا ہے کیونکہ بزرگان دین کا ارشاد ہے "من الف تر دیہ" ۔ صرف ایک روایت کا سمجھنا بلا سمجھے ہزار روایت نقل کرنے سے بہتر ہے ۔ سو ہم علی وجہ البصیرہ کہتے ہیں ۔ کہ جناب امیر علیہ السلام کا یہ کلام بطور الزام ہے نہ بطور بیان مقصد و مرام ۔ کما لا یخفی علی اولی الافہام المطلعین علی دقائق فن الجدل والمناظرۃ والکلام ۔ اس کلام سے آنجناب کا مقصد بطور اتمام حجت معاویہ پر بہر حال اپنی خلافت کا ثابت کرنا ہے کہ اے معاویہ ! تمہارا یہ اصول ہے کہ مہاجرین والانصار کے اجماع و شوریٰ سے خلافت منعقد ہو سکتی ہے ۔ اسی بنا پر تم اپنے خلفاء ثلثہ کی خلافت کو صحیح

سمجھتے ہو۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم مجھے خلیفۂ رسول نہیں سمجھتے حالانکہ تمہارے اس مقررکردہ معیار پر میں پورا اترتا ہوں کیونکہ میری بیعت بھی انہی لوگوں نے کی ہے جنہوں نے شیخین کی کی تھی آنحضرت اور معاویہ کی خط وکتابت کا یہ سلسلہ بہت طولانی ہے جو کتب تواریخ میں مرقوم ہے "کتب علی الی معاویہ بعد وقعۃ الجمل سلام علیک اما بعد فان بیعتی بالمدینۃ لزمتک وانت بالشام لانہ بایعنی الذین بایعوا ابابکر وعمر وعثمان علی ما بایعوھم علیہ"۔ حضرت علی نے جنگ جمل کے بعد معاویہ کو یہ خط لکھا۔ اما بعد۔ سلام علیک اے معاویہ میری بیعت جو مدینہ میں واقع ہوئی ہے تم پر لازم ہو گئی ہے۔ حالانکہ تم شام میں ہو۔ کیونکہ میری بیعت انہی لوگوں نے کی ہے جنہوں نے ابوبکر و عثمان کی کی تھی"۔

لیجئے اس مکتوب میں لزوم کا لفظ بھی موجود ہے جس سے اس کا الزامی دلیل ہونا واضح ہو جاتا ہے یہی وجہ تھی کہ معاویہ بھی اس الزام کو رد نہ کر سکا۔ اور فرار کی ایک اور راہ اختیار کی۔ اسی العقد الفرید ج ۴ صفحہ ۳۳۲ پر معاویہ کا جواب مذکور ہے۔ "فکتب الیہ معاویۃ السلام علیک اما بعد فلعمری لو بایعک الذین ذکرت وانت بریٔ من دم عثمان لکنت کابی بکر وعمر وعثمان ولکنک اغریت بدم عثمان۔ الخ" السلام علیک (اے علی!) مجھے اپنی زندگی کی قسم اگر وہ لوگ جن کا تم نے ذکر کیا ہے۔ (یعنی مہاجر و انصار) تمہاری بیعت کر لیتے اور تم خون عثمان سے بری الذمہ ہوتے۔ تو یقیناً تم ابوبکر عمر و عثمان کی طرح (واجب البیعت والاطاعت) ہوتے لیکن تم نے لوگوں کو قتل عثمان پر برانگیختہ کیا! تو بعد ازیں حضرت علی کا جواب الجواب بھی اسی صفحہ پر مرقوم ہے۔ بخوف طوالت ہم اسے قلم انداز کرتے ہیں طرفین کی خط وکتابت دیکھنے کے شائقین کتاب مذکور کی طرف رجوع کر کے اپنی پیاس شوق بجھا سکتے ہیں۔ بہر حال اس خط وکتابت سے روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو گیا کہ آنجناب کا یہ کلام الزامی ہے اور معاویہ اس جواب سے ملزم و مفحم بھی ہو گیا تھا۔ لیکن چونکہ اسے بیعت کرنا تھی، نہ کی۔ اسلئے بہتان تراشی سے کام لیکر اپنی گلو خلاصی کرائی۔ آنجناب آیۂ فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "فردہ الی اللہ ان نحکم بالکتاب وردہ الی الرسول ان ناخذ بالسنتہ فاذا حکم بالصدق فی کتاب اللہ فنحن احق الناس بہ وان حکم بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ فنحن اولاھم"۔ خداوند عالم کی طرف رجوع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم اس کی کتاب کے مطابق حکم کریں اور رسول کی طرف رجوع کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم ان کی سنت پر عمل کریں لہٰذا اگر کتاب خداوندی سے سچائی کے ساتھ فیصلہ لیا جائے تو ہم تمام لوگوں سے زیادہ حقدار خلافت و امامت ہیں اور اگر سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق عمل کیا جائے تو بھی ہم سب لوگوں سے اس کے زیادہ لائق ہیں (بہر حال خلافت و امامت ہمارا حق ہے۔ نہج البلاغہ شرح ابن ابی الحدید) ۔

اگر آنجناب علیہ السلام کے اس کلام کو نقضی یا الزامی قرار نہ دیا جائے بلکہ حقیقت پر محمول کیا جائے تو

اس سے مسلمانوں کی تینوں خلافتوں کا قلع قمع ہو جائے گا۔ کیونکہ واضح ہے کہ اکی معنیٰ کی بنا پر انعقاد خلافت کا انحصار تمام مہاجرین و انصار کے اجماع و شوریٰ ہی پہ ہے۔ حالانکہ یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ایسا اجماع و اتفاق تینوں میں سے کسی ایک کیلئے بھی واقع نہیں ہوا۔ کیونکہ خلافت اول فقط حضرت عمرؓ یا انکی دعیگا مشتی سے چند دیگر افراد کے بیعت کرنے سے عمل میں آئی۔ اور خلافت ثانیہ فقط خلیفہ اول کی وصیت سے منعقد ہوئی اور خلافت ثالثہ بظاہر چھ اشخاص اور در حقیقت فقط عبدالرحمن ابن عوف کی بیعت کرنے سے بروئے کار آئی۔ (تفصیلات کیلئے سابقہ بیانات کی طرف رجوع فرمائیں) بہتر یہی ہے اور اسی میں مصلحت مضمر ہے کہ آنحضرت علیہ السلام کے اس کلام حقیقت ترجمان کو الزام پر محمول کیا جائے۔ ورنہ بصورت دیگر قصر خلافت خلفائے ثلاثہ منہدم ہو جائیگا۔ جس سے ہمارے استدلال کنندگان کو بجائے نفع کے الٹا نقصان ہوگا۔

مانو نہ مانو جان جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جائیں گے!

باقی رہی یہ بات کہ حضرت امیرؑ خلافت ثلاثہ کو کیا سمجھتے تھے؟ اس کا تحقیقی جواب اس سے پہلے استدلال میں ابھی اوپر بالتفصیل دیا جا چکا ہے۔ اور جہاں تک آنجناب کے ثلاثہ کی بیعت کرنے یا نہ کرنے کا تعلق ہے ہم اس موضوع پر وہاں تفصیلاً گفتگو کریں گے۔ جہاں مؤلف اس عنوان کے تحت بات کا آغاز کریں گے۔ یہاں اجمالاً اسقدر سمجھ لیجئے کہ جب سابقہ استدلال کے جواب میں کتب فریقین سے یہ ثابت کر دیا گیا کہ جناب امیرؑ خلافت ثلاثہ کو غاصبانہ و جابرانہ اور خلفاء ثلاثہ کو گنہگار، کذاب، غدار، خیانتکار، ظالم، غاصب اور اپنے آپ کو سب سے زیادہ خلافت نبویہ کا حقدار سمجھتے تھے۔ تو بعد ازاں برضا و رغبت انکے بیعت ثلاثہ کرنیکا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ اِنَّ فِی ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَومٍ یَّعقِلُونَ۔

سوم۔ حیات القلوب ج ۲ ص ۵۸۹ میں ہے والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ یعنی پیشی گیرندگان کہ پیشتر بودہ اند از مہاجرین و انصار۔

یہاں مؤلف نے صرف علامہ مجلسی کے بیان کردہ ترجمہ پر اکتفا کی ہے اور آخر میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اصحاب ثلاثہ بھی مہاجرین و انصار میں شامل بلکہ ان کے سرتاج ہیں۔ (آفتاب ص ۱۴۱)

الجواب چونکہ سلسلہ آیات کے ضمن میں پانچویں نمبر پہ مؤلف اس آیت مبارکہ کو پیش کر کے اس کیساتھ استدلال کر چکے ہیں۔ اور ہم بھی اس مقام پر ثلاثہ کا شرف ہجرت و نصرت و اتباع باحسان اور سعادت

رضائے رحمٰن سے تہی داماں ہونا واضح وعیاں کر چکے ہیں۔ اس لئے بجائے اعادہ و تکرار کے ناظرین کرام کو اسی مقام کی طرف رجوع کرنے کا اشارہ دیتے ہیں۔ واللہُ المستعانُ وعلیہ التکلان۔

چہارم:۔ حملۂ حیدری میں جنگِ بدر کے بیان میں لکھا ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کی قلت و بے سرو سامانی اور کفار کی کثرت اور انکے سازو سامان کو دیکھا تو دست بدعا ہو کر فرمانے لگے۔

خدایا گر این چند تن از عباد
حلہ:۔ کہ کردند امرِ ترا انقیاد

(بحذف اشعار) ترجمہ:۔ اے خدا اگر تیرے یہ قلیل بندے جو تیرے عبادت گذار ہیں اور تیرے حکم کی تعمیل میں لڑائی پر کمربستہ ہو کر دشمن کی قلت و کثرت کی پرواہ نہیں رکھتے۔ اگر یہ دشمن کے ہاتھ سے شکست یاب ہو کر فتح یابی حاصل نہ کر سکے۔ تو یا خدایا! روئے زمین پر تا قیامت تیری پرستش کرنے والا کوئی باقی نہ رہ جائیگا۔ تیاد جن اشخاص کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شہادت دیکر حق تعالیٰ سے دعا کی کہ یہ تیرے فرمانبردار بندے ہیں ــــــــــ

یہ لوگ کون تھے یہ وہی مہاجرین و انصار تھے جنکے میر لشکر ثلاثہ رضی اللہ عنہم تھے۔ یا کوئی اور۔ ہاں آئنا ب ان کو ہم بعو نہ لتعالیٰ بتاتے ہیں۔ اور ڈنکے کی چوٹ بتاتے ہیں کہ جن کے حق میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

الجواب نے یہ دعا فرمائی ہے۔ ان سے مراد وہی مومن و مجاہد ہیں۔ جنکے اخلاص وایمان اور بے پناہ جذبہ جہاد کی بدولت یہ جنگ فتح ہوئی۔ آپ کے ممدوحین خاص اصحاب ثلاثہ بہر حال اُن سے خارج ہیں۔ کیونکہ عثمان صاحب تو سرے سے اس جنگ میں شامل ہی نہ تھے۔ (ملاحظہ ہو ازالۃ الخفاء اصابہ وغیرہ) اور شیخین اگرچہ اس غزوہ میں شریک ضرور تھے، مگر تاریخ اسلام انکا کوئی جنگی کارنامہ پیش کرنے سے قاصر نظر آتی ہے۔ البتہ بعض کتب میں عریش پر بیٹھ کر دور سے ابو بکر کا نظارہ جنگ کرنا مرقوم ہے۔ (بخاری پ۱۵ ص۱۷)۔

ارشاد قدرت ہے ــــ فضل اللہ المجاھدین باموالھم وانفسھم علی القاعدین درجۃ پس تو یہ ہے کہ وکیل جسقدر زور و وکالت صرف کریں اور پرستاران ثلاثہ جس قدر حق نمک ادا کریں مگر اس کا کیا علاج کہ:۔

ـــ
گلیم بخت کسے راکہ بافتند سیاہ
باٰب زمزم و کوثر سفید نتواں کرد

پنجم حیات القلوب ج۲۔ ص۱۱۸ میں ہے کہ عروہ بن مسعود چوں در غزوہ حدیبیہ (بحذف فارسی) ترجمہ

غزوۂ حدیبیہ میں جب عروہ بن مسعود کفار قریش کا سفیر ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اس نے دیکھا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے یا ہاتھ دھوتے۔ جب آپ منہ سے تھوک یا ناک سے پانی پھینکتے۔ برکت کے لئے ہاتھوں میں لیکر اپنے منہ اور بدن پہ ملتے اور اگر کوئی بال جسم اطہر سے گرتا تو اسکے لینے کیلئے ایک دوسرے پر سبقت کرنا چاہتے تھے۔ (کذا) جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کلام کرتے یہ لوگ چپکے ہو جاتے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور پر تیز نگاہ نہ ڈال سکتے تھے۔ اور آپکے حضور بیٹھ کر سر نیچے جھکا دیا کرتے۔ جب عروہ نے یہ حالت دیکھی اور قریش میں لوٹا تو کہنے لگا میں نے بادشاہان عجم و روم و حبشہ کو دیکھا ہے۔ لیکن میں نے ایسی کوئی قوم نہیں دیکھی۔ جو اپنے بادشاہ کی اسطرح تعظیم کرتے ہوں! جیسے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے شہنشاہ کی اکرام و تعظیم کرتے ہیں۔ اسی مضمون کو صاحب حملہ حیدری نے نظم میں بیان کیا ہے ؎

پس آں نگاہ در مجلس شاہ دین ٭ نشست او زبان دگر در کمین

الخ .... جب اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جاں نثاری کی یہ حالت ہو کہ کفار بھی اس پر رشک کریں۔ اور معترف ہوں کہ ایسی قوم روئے زمین پر موجود نہیں جو اپنے آقا پر یوں جان نثاری کریں۔ ________ وہ لوگ سخت حقیقت ناشناس ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے آنکھ بند کرنے کی دیر تھی کہ وہ سارا کھیل بگڑ گیا۔ نہ وہ عشق رہا نہ محبت۔ سب کے سب اصحاب بغیر تین چار کے دین سے پھر گئے۔ لاحول ولا قوۃ۔

چوں دل بہ مہر نگارے نہ بستۂ اے ماہ

ترا ز سوز درون و نیاز ما چہ خبر؟

..... الحق جاں نثاران رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں دین حق کے شیدا تھے۔ بعد وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہوں نے اپنی جانیں اعلاء کلمۃ الحق کیلئے موقف کر دی تھیں۔ انہوں نے اشاعت اسلام میں عمریں خرچ کر دیں رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ (آفتاب صفحہ ۱۲۱) ٭

الجواب

سب باتیں بڑھ بڑھ کے نہ کہیئے ہمیں معلوم ہے سب ٭
ہم پتہ کی جو کہیں گے تو خجالت ہو گی۔

اس میں کیا شک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو کامل الایمان صحابہ کرام تھے۔ وہ ہر لحظہ و ہر ساعت

خدا اور رسول کی خوشنودی کے طالب و خواہاں رہتے تھے۔ اور اس سلسلہ میں ہر مصیبت و تکلیف کا خندہ پیشانی سے استقبال بھی کرتے تھے منھم من قضیٰ نحبہ ومنھم من ینتظر۔ اور جہاد فی سبیل اللہ میں عروسِ موت سے ہمکنار ہونے کیلئے مشتاق و بے تاب نظر آتے تھے۔ ؎

یوں جاتے تھے میدانِ شہادت میں وہ ابرار ✣ جس طرح کہ بچھڑی ہوئی بلبل سوئے گلزار
خود روکتے تھے فرق پہ جب آتی تھی تلوار ✣ بارانِ کرم جانتے تھے تیروں کی وہ بوچھاڑ
برچھی جو لگی تو نخلِ شہادت میں پھل آیا
جان آ گئی جس وقت پیامِ اجل آیا

جو ایسے باصفا و باوفا تھے۔ ان میں سے جو حضرات وفاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت زندہ تھے انکے رویہ و رفتار میں ذرہ بھر کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی وما بدلوا تبدیلاً۔ مگر اصحاب ثلاثہ یا وہ اصحاب جو نفاق سے متصف تھے۔ وہ ان صفات و کمالات سے بالکل عاری تھے۔ آپ کے آبِ وضو وغیرہ سے تبرک حاصل کرنا تو درکنار یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واضح ارشادات کی خلاف ورزی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ بیعتِ رضوان وغیرہ والی آیات کے ضمن میں اس قسم کے متعدد واقعات لکھے جا چکے ہیں۔ یہاں صرف ایک واقعہ کیطرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ جنگِ خندق والی رات (جو کہ سرد تھی اور باراں کا سلسلہ بھی جاری تھا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نام بنام ابوبکر و عمر کو حکم دیا کہ جا کر کفار کے حالات کا جائزہ لے آؤ۔ مگر انہوں نے لبیک نہ کہی۔ بالآخر حذیفہ کو حکم دیا اور وہ گئے (تفسیر درمنثور ج ۵ ص ۱۸۵۔ کنزل العمال ج ۵ ص ۲۷۵۔ تاریخ کامل ج ۲۔ ص ۱۲۲۔ طبری جلد ۳ ص ۲۵ وغیرہ۔)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بات کرتے وقت سر نیچا کر کے خاموشی سے اسے سننا تو بجائے خود تو یہ سربلند کر کے باآوازِ بلند انکے کلام کے وقت نہ صرف شور و غل مچاتے تھے۔ بلکہ انکے کلام کو ہذیان بھی کہتے تھے۔ اور اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسقدر روحانی اذیت ہوتی تھی کہ حکم دیتے تھے کہ میری بزم سے اٹھ جاؤ۔ ملاحظہ ہو بخاری ج ۳ ص ۱۲۶۔ کتاب الخمس، باب مرض النبی و وفاتہ، وغیرہ، مشکوٰۃ ص ۵۴۷ نسیم الریاض شرح شفا ج ۴ ص ۲۷۸، الفاروق ص ۱۱۵، وغیرہ) ـــــــــــ اور جہاں تک انکے دین پھیلانے کا تعلق ہے پہلے کئی مقامات پر اس امر کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ ان کی یہ جنگیں دین کی نشر و اشاعت کی غرض سے نہ تھیں۔ بلکہ اپنا دنیوی وقار و اقتدار بڑھانے اور غنائم سے خزائن پر کرنے کی غرض کے تحت تھیں اور اگر ان سے بالواسطہ دین کو کچھ فائدہ پہنچا ہے تو یہ بھی انکے ایمان کی دلیل نہیں۔ کیونکہ ان اللہ لیؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر! (خدا اس دین کی تائید فاسق و فاجر سے بھی کر دیتا ہے۔ جیسا کہ اس مطلب کی کماحقہ، تحقیق قبل ازیں

متعدد بار پیش کی جا چکی ہے) (ملاحظہ ہو بخاری مع فتح الباری ج ۳ صفحہ ۱۳ طبع دہلی کنز العمال ج ۱ صفحہ ۱۸ وغیرہ) اور جہاں تک جمع القرآن اور اسکے امت تک پہنچانے کا تعلق ہے ہم پہلے باب میں یہ ثابت کر آئے ہیں کہ خود کتب اہلسنت سے ثابت ہے کہ خود نبیؐ و علیؑ نے قرآن مطابق تنزیل الرحمٰن جمع کیا تھا۔ مگر خلافۂ ثلاثہ کی کرم نوازی نے امت مرحومہ اسکے دیدار سے آج تک محروم ہے اور نہ معلوم کب تک محروم رہے گی۔ اور انہی لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت حسرت آیات کے بعد خانوادۂ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مظالم و مصائب کے وہ کوہ ہائے گراں ڈھائے کہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چہیتی لاڈلی بیٹی سیدۃ النساء جناب فاطمۃ الزہراؑ یہ مرثیہ پڑھتے ہوئے دنیا سے سدھا گئیں ؎

صبت علیّ مصائب لو انّھا ❊ صبت علی الایام صرن لیالیا

اسلئے مسلمان کب انکے اس احسان سے سبکدوش ہو سکتے ہیں؟ و الحمد للہ ان حقائق سے ثلاثہ کی قلعی کھل گئی۔ اور فرضی فضیلت ختم ہو گئی

؎ کیا لطف جو غیر پردہ کھولے!!
جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

— اگرچہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سب کے سب نجوم ہدایت تھے لیکن خلفائے چار یار اربعہ فلک اسلام کے وہ درخشاں سیارے تھے جنکے نور نے عالم کو منور کیا۔

چار کے اعداد سے نسبت حق تعالےٰ کو ہے پیار ❊ ہیں حبیبؐ کبریا کے برگزیدہ چار یار
جسم کی ترکیب ہے از لعبہ عنصر سے ہوئی ❊ ہوتے ہیں ہر اک مکان کے دیکھ لو دیوار چار
عرش سے نازل ہوئیں چار ہی کتابیں دوستو ❊ ہیں اولوالعزم انبیاؑ اے دوستو چار
ہیں فرشتے بھی مقرب چار جو مشہور ہیں ❊ ہیں مذاہب بھی یہی مقبول بے انکار چار
کعبۃ اللہ میں بچھتے چار ہی مصلے ہیں ضرور ❊ خانوادے بھی طریقت کے ہیں پر انوار چار الخ

(اسی طرح چند اشعار اور بھی چار یار کی تعریف میں قلمبند کئے ہیں) ——— (آفتاب ص۔)

الجواب ہم مکرر سہ کرر سابقہ اوراق میں ناقابل رد شہادتوں سے ثابت کر آئے ہیں کہ ان ستاروں میں سے کچھ سعد تھے۔ اور کچھ نحس۔ سب کو یکساں حیثیت دینا اور برابر سمجھنا اپنی عقل و خرد کا جنازہ نکالنے کے مترادف ہے۔ ارباب دانش و بینش پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ اعداد میں فی نفسہٖ کوئی خوبی ہوتی ہے اور نہ خامی جس عدد کو بھی لے لیا جائے اسکے معدود اچھے بھی ہو سکتے ہیں اور برے بھی۔ مثلاً اثنی عشر

کے عدد کو لے لو اس میں جہاں اچھی چیزیں ملتی ہیں۔ وہاں بری چیزوں کی بھی کوئی کمی نہیں ہے۔ جیسے۔ حسد، ظلم، تکبر اور غضب، چار چیزیں شقاوت میں داخل ہیں۔ (۱) آنکھ کا خشک ہونا (۲) دل کا سخت ہونا (۳) گناہ پر اصرار کرنا۔ (۴) بوڑھی عورت سے مباشرت کرنا ــــ چار چیزوں کو دوام نہیں ہے (۱) مال حرام کو (۲) غفل گناہ کو (۳) اس فکر کو جو عقل سے عاری ہو (۴) وہ شہر جو حاکم عادل سے خالی ہو ــــ چار چیزیں پستی کی علامت ہیں۔ (۱) راز کو فاش کرنا۔ (۲) غدر کرنا (۳) شریفوں کی غیبت کرنا (۴) ہمسایوں کو تکلیف دینا۔ وغیرہ وغیرہ (معدن الجواہر) علاوہ بریں جو اعداد مؤلف نے پیش کئے ہیں وہ درست بھی نہیں ہے۔ آجکل سائنسی تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ انسانی جسم کی ساخت میں چار سے زائد عناصر شامل ہیں۔ عرش سے صرف چار کتابیں ہی نازل نہیں ہوئیں بلکہ اور بھی بہت سے صحف و کتب نازل ہوئے ہیں ــــ انبیاء اولوالعزم چار نہیں بلکہ پانچ ہیں ــــ کعبہ سے اب سوائے مقام ابراہیم کے باقی تینوں مصلے اٹھائے جا چکے ہیں۔ اہلسنت کے چاروں مذاہب میں سے ایک مذہب بھی حضرت امیر علیہ السلام کو پسند نہیں ہے کما لا یخفی۔ اور بنا بر تسلیم جو چار صحابہ کرام پیغمبر اسلام کے محبوب ہیں وہ یہ ہیں جناب سلمانؓ، جناب ابوذرؓ، جناب مقدادؓ، اور جناب عمار۔ (ترمذی شریف، کنز العمال وغیرہ) لہذا چار یاری صاحب کو اس فہرست سے کیا حاصل ہے؟ بہر کیف اہلسنت والجماعت کے مردوں اور عورتوں کو انکے چار یار مبارک ہے اور ہمیں اپنے پنجتن پاک مبارک!

> قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے
> جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا!
>
> رضینا قسمة الجبار فینا

اگرچہ یار کی اصطلاح کچھ بھونڈی سی ہے کیونکہ غلام کو سردار اور امتی کو رسول مختار کا یار کہنا ذوق سلیم پر بہت گرانبار گزرتا ہے۔ تاہم ہم بطور مماشات کہتے ہیں کہ یہ چار یار (بجز رابع) تو یار لوگوں کے طبع زاد ہیں۔ اب اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ خود سرکار احمد مختار علیہ و علی آلہ صلوات الملک الجبار نے کن بزرگواروں کو اپنا یار (صاحب) قرار دیا ہے تو درست ذیل کتب ملاحظہ فرمائیں۔ (ینابیع المودہ، مشکوٰۃ صفحہ طبع بمبئی)

فرماتے ہیں۔ الجنة تشتاق الی اربعة۔ "جنت چار یاروں کی مشتاق ہے۔" عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! انکے نام کیا ہیں؟ فرمایا۔ سلمانؓ، ابوذرؓ، مقداد بن اسودؓ اور عمار بن یاسرؓ۔

یہ ہیں وہ سچے یار جنہوں نے غدائے غفار رسول مختار اور حیدر کرارؑ کی اسطرح اتباع و پیروی کی جسطرح کرنے کا حق ہے۔ لقد سعدوا وفازوا فی الدنیا والآخرة رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ و رحمت اللہ اکبر۔

(خلافت و امامت)

اب ہم شیعہ سنّی کا معرکۃ الآراء مسئلہ خلافت و امامت شروع کرتے ہیں ـــــــ یہی مسئلہ تمام نزاعات کا اصل الاصول ہے۔ مسئلۂ خلافت میں اہلسنّت والجماعت کا یہ اعتقاد ہے کہ خلافت کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس ۳۰ سال بتایا تھا ـــــــ اوّلاً باتفاق اہل حل و عقد ابوبکر صدیق۔ پھر عمر فاروق۔ پھر عثمان ذوالنورین، پھر علی المرتضٰے منصب خلافتِ رسول پر متمکن ہوئے۔ سب کی خلافت حق تھی۔ یہی ترتیب رب العباد کو منظور تھی ـــــــ خلافت و امامت ایک ہی چیز ہیں۔ امامت اُصولِ دین سے نہیں ہے۔ اہلِ تشیع کا مذہب ہے کہ امامت اُصولِ دین سے ہے۔ حقِ امامت بعد وفات رسول حضرت علی کا تھا ـــــــ انکی امامت منصوص تھی ـــــــ لیکن خلفائے ثلاثہ زبردستی تختِ خلافت پر بیٹھ گئے ـــــــ

اس موقعہ پر حسب ذیل اُمور تنقیح قائم کر کے ہر ایک امر پر بالتفصیل مدلل بحث کریں گے

فردِ تنقیح (۱) کیا امامت و خلافت دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ یا دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے ـــــــ اور کیا امامت اصولِ دین سے ہے یا نہ؟ (۲) کیا امامت حضرت علی کا ہی حق تھا؟ ـــــــ اسکے متعلق قرآن یا حدیث سے کوئی نص ہو چکی تھی یا انتخاب خلافت شوریٰ ـــــــ مہاجرین و انصار و اتفاق اہلِ حل و عقد سے ہی ہوتا رہا ہے۔ (۳) کیا حضرت علی خود طالبِ خلافت بلا فصل تھے ـــــــ یا انکو مطلق رغبت نہ تھی ـــــــ (۴) کیا حضرت علی المرتضٰے نے خلفائے ثلاثہ کی بیعت کی؟ اگر کی تو جبراً ـــــــ یا برضا مندی خود؟

امر اوّل:- چونکہ ان تمام امور میں شیعہ مدعی ہیں اور ہم مدعا علیہ کیونکہ مسندِ خلافتِ رسول پر ہم قابض و متصرف رہے۔ شیعہ ہزار چیخ پکار کریں ـــــــ اب ان کو قبضہ و دخل ملنا محال ہے۔ اسلئے بارِ ثبوت جملہ امور میں بذمہ شیعہ ہوگا، اور ہمارے ذمہ اسکی تردید . . . . پہلے امر کے متعلق شیعہ کہتے ہیں کہ امام کو معصوم ہونا چاہیئے خلافت میں عصمت شرط نہیں ہے۔ اسلئے امامت و خلافت دو علیحدہ امور ہیں ـــــــ شیعہ کا صرف یہ دعوےٰ ہی دعویٰ ہے۔ اسکے متعلق انکے ہاتھ میں کوئی ثبوت نہیں ہے

عصمت صرف انبیاء کرام کا خاصہ ہے جو لوگ اماموں کی عصمت کے قائل ہیں وہ گویا شرک فی النبوۃ کرتے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ شیعہ ——— انبیاء کرام کو تو متہم بالذنب کرتے ہیں لیکن اماموں کو معصوم سمجھتے ہیں ——— چنانچہ ابوالبشر آدم علیہ السلام کی نسبت انکا اعتقاد ہے کہ ان میں تین اصول کفر میں سے دو موجود تھے چنانچہ اصول کافی ص۵۱۹ میں ہے قال ابو عبد اللہ۔ (بحذف عربی) ترجمہ:۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ اصول کفر تین ہیں۔ حرص، تکبر اور حسد۔ حرص تو آدم علیہ السلام نے کی۔ (کذا) جب درخت سے منع کیا گیا تو حرص نے اسے کھانے پر برانگیختہ کیا۔ اور تکبر شیطان نے کی (کذا) جب آدم کیلئے سجدہ کا حکم ہوا اور وہ انکاری ہوا۔ حسد آدم کے دو بیٹوں نے کیا۔ جبکہ ایک نے دوسرے کو قتل کیا" جائے غور ہے کہ شیعہ ابوالبشر آدم علیہ السلام کو ابلیس کے ہم پلہ بیان کرتے ہیں ——— بلکہ ابلیس سے بھی بدتر قرار دیتے ہیں کہ ——— آدم علیہ السلام نے حرص کے علاوہ حسد بھی کیا چنانچہ حیات القلوب ج ۱ ص۶۵ میں ہے کہ خدا نے آدم کو ائمہ اہلبیت پر حسد کرنے سے منع کیا۔ اور کہا کہ میرے نوروں کی طرف حسد کی نگاہ سے مت دیکھ ورنہ تمہیں قرب رحمت سے جدا کر دیا جائے گا۔ اور بہت ذلیل ہوگے۔ مگر آدم ان پر حسد کرنے سے باز نہ آیا۔ اور اسی کی سزا میں جنت سے آدم و حوا باہر و نکال باہر پھینکے گئے۔ عبارت یوں ہے" اے آدم نظر مکیند الخ .... (مطلب وہی ہے جو مذکور ہوا) ——— کوئی ان عقل کے دشمنوں سے پوچھے کہ اپنی اولاد کے حسن و جمال کو دیکھ انسان خوش ہوا کرتا ہے یا اس پر حسد کیا کرتا ہے۔ ؟ ——— بلکہ شیعہ کہتے ہیں انسانوں کی گنہگاری کا باعث ہی آدم علیہ السلام ہوتے ہیں ——— چنانچہ حیات القلوب ص۵۱ میں ہے (بحذف فارسی) ترجمہ۔ معتبر سند سے امام محمد باقر سے مروی ہے کہ اگر آدم گناہ نہ کرتے تو ہرگز کوئی مومن گناہ نہ کرتا۔ اور اگر حق تعالے آدم کی توبہ قبول نہ کرتا تو کسی گنہگار کی توبہ قبول نہ ہوتی ——— انکا اعتقاد ہے کہ پیغمبری سے پیشتر تمام پیغمبر صغیرہ گناہوں کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ اسی حیات القلوب ص۶۲ میں ہے۔ ترجمہ:۔ یہ گناہ آدم کا پیغمبری سے پہلے کا ہے اور یہ گناہ کبیرہ نہ تھا۔ جو کہ باعث دخول جہنم ہو۔ بلکہ صغیرہ گناہوں سے تھا۔ جو بخشے جاتے ہیں۔ اور پیغمبروں کو صغیرہ گناہ کر لینا نزول وحی سے پہلے جائز ہے، واہ چہ خوش! امام تو پیدا ہوتے ہی معصوم ہوں ——— لیکن پیغمبر وحی سے پہلے جو چاہیں کیا کریں۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

ناطق فیصلہ:۔ اس بارہ میں کہ خلافت و امامت ایک ہی چیز ہے اور جس کو مہاجرین و انصار بالاتفاق خلافت کیلئے نامزد کردیں وہی امام ہے ——— ناطق فیصلہ جناب امیر علیہ السلام صادر ہو چکا ہے ——— نہج البلاغہ مطبوعہ طہران ص۳۹۵ ج ۲ ص۸ مطبوعہ بیروت میں لکھا ہے وانما الشوریٰ الخ . . . . . (بحذف عربی) ترجمہ۔ شوریٰ مہاجرین وانصار کا حق ہے پس اس خطبہ میں جناب امیرؓ نے ناطق فیصلہ دیکر ہمیں اہل تشیع کے خلاف ڈگری دیدی ہے ——— ایسا ہی جناب ممدوح صاحب نے فیصلہ فرمادیا ہے کہ

امام اور خلیفہ کا معصوم ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ نہج البلاغہ ص۸۵ میں ہے (بحذف عربی) ترجمہ۔ فرمایا۔ آدمیوں کیلئے چارہ نہیں ہے۔ امام سے نیک ہو یا بد کہ اسکی امامت میں پیادہ (منزل مقصود) کو پہنچ سکے۔ راستے محفوظ ہوں۔ اور کمزور زبردست سے اپنا حق لے سکے تاکہ نیکوکار (بھلا مانس) امن و آسائش میں رہے۔ اور بدمعاشوں سے کھٹکا نہ رہے" ——— اس خطبہ میں جناب ممدوح نے فیصلہ فرمادیا ہے کہ خلیفہ (امام) کا تقرر اسلئے ہے کہ پبلک کو آرام و آسائش ہو ——— آپ نے ابتداء ہی میں اس بات کا تصفیہ فرمادیا کہ امام میں معصومیت شرط نہیں ہے بلکہ ہر نیک و بد مومن یہ عہدہ حاصل کرسکتا ہے ———
اب شیعہ صاحبان بتائیں کہ جناب امیرؓ تو تمہارے خلاف فیصلہ صادر کرتے ہیں۔ اب تمہارے ہاتھ میں شرط عصمت امام کی کونسی دلیل ہے؟ رہا یہ امر کہ امامت اصول دین سے ہے ——— سو یہ ایک عجیب بات ہے کہ قرآن نے جہاں اصولِ دین بیان فرماتے ہیں۔ وہاں امامت کے متعلق صراحتاً یا کنایتاً بھی حکم بیان نہیں ہوا۔ اور نہ ہی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت علی المرتضےٰ کے متعلق کوئی نص فرمائی۔ پھر شیعہ کا امامت کو اصول دین میں داخل کرنا قول بے دلیل ہے ——— یہ تنقیح بحق اہلسنّت خلاف اہل تشیع ثابت ہے (آفتاب از ص۱۴۵ تا ص۱۵۰ سطر اوّل)۔

الجواب: اب مؤلف نے مسئلہ خلافت و امامت (جو واقعتاً معرکۃ الآراء اور تمام اسلامی اختلافات میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے) کی بحث شروع کی ہے اور ۱۴۵ سے ص۲۱۲ تک یعنی ستّر صفحات میں پھیلا کر بیان کیا ہے۔ نیا ادبی بات ہے کہ تصنیف و تالیف کا سلیقہ نہ ہونے کی وجہ سے حسب عادت اس عظیم موضوع کو بھی بیسیوں غیر متعلق مسائل کی بحث بھی

چھیڑ دی ہے اور اسطرح اصولی و فروعی مسائل کو آپس میں گڈمڈ کر دیا ہے حقیقت الامر یہ ہے کہ مسئلہ خلافت و امامت پر جسقدر فریقین کی طرف سے اب تک لکھا گیا ہے اور خصوصاً ہمارے اہل قلم اور علمائے اعلام نے اس موضوع پر جس قدر تحقیقات و تدقیقات کے دریا بہائے ہیں اسکی نظیر تاریخ اسلام پیش کرنے سے قاصر نظر آتی ہے۔ علمائے اہلسنت کو یہ توفیق و ہمت تو نہیں ہوتی کہ وہ ہماری ان علمی کتابوں کے جوابات لکھیں۔ البتہ ہر لاحق اپنے سابق کی کتاب سے بطور نقل انہی فرسودہ اور سینکڑوں مرتبہ کے مردودہ استدلالات و بیانات کو کچھ نئے بار و برگ اور نیا رنگ دیکر عوام الناس کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کی مذموم کوشش کرتا ہے۔ ہم خود اس مسئلہ پہ ایک مستقل کتاب بنام "اثبات الامامت" لکھ کر شائع کر چکے ہیں جسمیں اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کر کے بفضلہ ہر قسم کی قیل و قال کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ اب مؤلف کتاب جس ڈھٹائی سے بعض مسلمہ حقائق کا بیک جنبش قلم انکار کر دیتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ "قرآن و حدیث میں امامت علی المرتضیٰ کے متعلق کوئی نص نہیں ہے" یا "شیعوں کے پاس عصمت امام کی کوئی دلیل نہیں ہے۔" "یا امامت کو اصول دین میں داخل کرنا قول بے دلیل ہے" وغیرہ وغیرہ۔ تو اگر ہم یہ چاہیں کہ حضرت امیر علیہ السلام کی خلافت بلافصل کی تمام نصوص قرآنیہ و حدیثیہ بیان کریں یا عصمت ائمہ کے تمام عقلی و نقلی دلائل و براہین کا تذکرہ کریں یا امامت کے اصول عقائد میں سے ہونے کے تمام استدلالات پیش کریں تو اسکے لئے کئی جلدیں درکار ہیں بلکہ ع

سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لئے

ادھر موجودہ ہوشربا اشاعتی مصارف کی گرانی، ادھر قارئین کی بے ذوقی اور عصر حاضر کے تقاضے مجبور کرتے ہیں کہ ہم ایک ہی جلد میں (جبکہ وہ بھی بہت ضخیم نہ ہو) اس پوری کتاب کا جواب باصواب پیش کر دیں۔ اس لئے ہم حسب سابق اس مقام پر بھی بامر مجبوری بڑے اجمال و اختصار سے کام لیں گے۔ اگرچہ اس مقام کی نزاکت تفصیل جمیل کی مقتضی ہے۔ اگر قارئین کرام اس موضوع کی کسی شق میں کچھ تشنگی محسوس کریں تو وہ ہماری کتاب "اثبات الامامت" وغیرہ کی طرف رجوع فرما کر بموجب ع

ز چشم آستیں بردار و گوہر را تماشہ کن

تفصیلی حقائق کا مطالعہ فرما کر اپنے شوق و ذوق کی پیاس بجھا سکتے ہیں۔

محل نزاع کی تعیین

یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت امیر علیہ السلام کی خلافت بلافصل ثابت کرنے کے سلسلہ میں ہماری حیثیت مدعی کی ہے اسلئے بار ثبوت ہم پر عائد ہوتا ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ظاہری مسند خلافت پر قبضہ و تصرف اہل جماعت کا رہا ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ

جس قدر چیخ و پکار کریں اب ہمیں قبضہ و دخل نہیں مل سکتا کیونکہ وہ زمانہ ہی لد چکا ——— مگر مؤلف کو معلوم ہونا چاہیئے کہ صرف قبضہ دیں صحت نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ عادلانہ بھی ہو سکتا ہے اور غاصبانہ بھی نیز ان پر یہ بھی واضح ہونا چاہیئے کہ اسوقت ہماری یہ چیخ و پکار خلافت کا قبضہ و دخل لینے کیلئے نہیں بلکہ یہ بتانے کیلئے ہے کہ آپ کے اصحاب ثلاثہ کا یہ قبضہ غاصبانہ و جابرانہ تھا۔ تاکہ ابناء قوم و ملت بالخصوص نسل نو کو ضلالت و گمراہی کے اس گڑھے میں گرنے سے بچایا جا سکے۔ علاوہ بریں جب مؤلف یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہم مدعی ہیں اور وہ مدعا علیہا سلئے دلیل پیش کرنا ہمارے ذمہ اور تردید کرنا انکے ذمہ ہے تو پھر خود ہی اس مقدمہ کی سماعت کسطرح شروع کر دی ہے اگر ان میں کچھ بھی دینی دیانت و امانت ہوتی تو اس کا تقاضا یہ تھا کہ سب سے پہلے فریقین کا موقف صحیح صحیح پیش کرتے پھر ہر ہر موضوع پر ہمارے دلائل و براہین پیش کرتے اور بعد ازاں پر تنقید و تبصرہ کرتے پھر فیصلہ قارئین پر چھوڑتے مگر افسوس انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ نہ انہوں نے ہمارا موقف صحیح بیان کیا ہے اور نہ ہی ہمارے دلائل ذکر کیے ہیں بلکہ غلط بیانی سے کام لیا ہے مثلاً موقف کے سلسلہ میں انہوں نے لکھا ہے کہ شیعہ کہتے ہیں کہ امامت و خلافت دو علیحدہ علیحدہ امر ہیں۔ حالانکہ یہ امر جھوٹ ہے۔ (ولعنۃ اللہ علی الکاذبین) ہم خلافت و امامت کو ایک ہی حقیقت کے دو نام سمجھتے ہیں۔ کما لا یخفی علی ناظری ھذہ الاثار و ساثری تلک الدیار اسی طرح انہوں نے خلافت کے بالنص اور امام کے معصوم ہونے کی تردید تو کی ہے۔ مگر انہوں نے اس سلسلہ میں شیعوں کی ایک دلیل بھی ذکر نہیں کی۔ کیا اسی کا نام تحقیق حق اور اسی کا نام انصاف ہے؟ یا سعد الابل! ہمیں رہ رہ کر مؤلف کی روش و رفتار اور انکے ذہنی ایاہج پن پر تعجب ہوتا ہے کہ باوجودیکہ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس مقدمہ میں انکی حیثیت مدعا علیہ کی ہے۔ مگر اسکے باوجود وہ کرسی عدالت پر براجمان ہو جاتے ہیں خود مقدمہ شروع کرتے ہیں اور خود ہی اپنے حق میں فیصلہ صادر کرتے ہیں گویا کہ

خود کوزہ و خود گل کوزہ و خود کوزہ گر

خود بر سر دکان بر آمد دل بردہ نہاں شد!

شاید انہوں نے یہ طریقہ اپنے پہلے خلیفہ سے سیکھا ہے۔ کیونکہ دعوائے فدک میں انہوں نے بھی اسی طرح انصاف کا خون کیا تھا۔ ع کردم اشارتے و مکرر نمی کنم

حقیقت یہ ہے کہ ہم مسند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ولی و وارث اور بلافصل خلیفہ و امام حضرت امیر علیہ السلام اور انکے بعد انکی اولاد امجاد میں سے گیارہ حضرات کو تا مہدی دوران علیہ السلام سمجھتے ہیں۔ یہی وہ بزرگوار ہیں جنکی امامت و خلافت کا تذکرہ "اثنا عشر خلیفۃ" والی احادیث متظافرہ بلکہ متواترہ میں موجود ہے[1] انکے

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا متفق علیہا ارشاد ہے لا یزال الدین قائماً (عزیزاً منیعاً) ... بقیہ صفحہ ۲۳۲ پر

علاوہ باقی تمام نام نہاد خلفاء کی خلافتوں کو ہم غاصبانہ و جابرانہ اور جابرانہ جانتے ہیں ۔ ولا نخاف فی اللہ لومۃ لائم۔

تیس سالہ خلافت والے نظریہ کا ابطال

یہ نظریہ کہ خلافت صرف تیس سال ہوگی۔ جیسا کہ مؤلف نے بیان کیا ہے روایۃً و درایۃً صحیح نہیں ہے اسے صحیح تسلیم کرنے سے چند مفاسد لازم آتے ہیں۔ جن سے اس نظریہ کے قائل کبھی گلو خلاصی نہیں کرا سکتے (الف) اسطرح خلفاء اربعہ کے بعد والے حضرات خلفاء نہ ہوں گے۔ بلکہ امراء و ملوک قرار پائیں گے۔ حالانکہ اثنا عشر خلیفہ والی حدیث متواتر میں پورے بارہ کو خلیفہ کہا گیا ہے۔

(ب) اس طرح سنیوں کے بڑے چہیتے خلیفہ معاویہ صاحب کا نام فہرست خلافت سے خارج ہو جائے گا۔ جسے یہ لوگ خلیفہ برحق سمجھتے ہیں۔ چنانچہ شرح فقہ اکبر ص ۸۳ طبع لاہور میں ہے صار اماماً حقاً الخ یعنی صلح حسنؑ کے بعد معاویہ امام برحق بن گیا۔

(ج) حدیث اثنا عشر خلیفہ سے واضح ہے کہ خلافت نبویہ کا سلسلہ قیام قیامت تک جاری و ساری رہے گا اور اس حدیث کی رُو سے صرف تیس سال کی قلیل مدت میں اس کا اختتام لازم آتا ہے۔

(د) اس حدیث متواتر کی رُو سے خلفاء کا بلا کم وکاست بارہ ہونا ضروری ہے مگر تیس سال والی حدیث کی رُو سے صرف چار بنتے ہیں۔ اور اگر تمام خلفاء بنی امیہ و بنی عباس شمار کئے جائیں تو ان کی تعداد چالیس سے بھی زائد ہے اور اگر صرف بزعم اہلسنت ان میں سے اچھے خلیفہ لئے جائیں۔ تو پھر درمیان میں فصل زمانی لازم آتی ہے حالانکہ حدیث سے تسلسل سمجھا جاتا ہے۔ اسی بناء پر علامہ وحید الزمان نے سنن ابی داؤد مترجم مطبوعہ لاہور

بقیہ گذشتہ صفحہ ۲۳۱ ۔ حتی تقوم الساعۃ ویکون علیہ اثنا عشر خلیفۃ کلہم من قریش۔ دین ہمیشہ دائم و قائم (یا با عزت و سربلند) رہے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائیگی اسمیں بارہ خلیفے ہونگے جو سب کے سب قریش سے ہونگے فاضل قندوزی نے ینابیع المودۃ ص ۴۴۴ طبع اسلامبول میں لکھا ہے کہ یحیٰی بن حسن نے کتاب عمدہ میں اس حدیث کو بیس طرق سے اور بخاری نے تین مسلم نے نو۔ ابوداؤد نے تین ترمذی نے ایک اور حمیدی نے جمع بین الصحیحین میں تین طرق اور تواسا نید سے نقل کیا ہے ابن حجر مکی صواعق محرقہ ص ۱۱ پر اسکے متعلق لکھتے ہیں۔ ”قال الائمۃ صدر ھذا الحدیث مجمع علی صحتہ“ یعنی ائمہ حدیث کا بیان ہے کہ اس حدیث کے ابتدائی حصے کی صحت پر سب کا اجماع ہے (منہ عفی عنہ)

۱۰۸۲/کتاب البدی - بذیل عنوان "فائدہ" لکھا ہے "بظاہر یہ حدیث مشکل ہوگئی ہے علماء نے اسی طرح فاضل نووی نے بھی شرح مسلم ج ۲ - ص۱۱۹ میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ تیس سال خلافت والی حدیث - بارہ خلفاء والی حدیث کے مخالف ہے" اور چونکہ بارہ خلفاء والی حدیث متظافر بلکہ متواتر و مجمع علی صحتہ ہے - اور تیس سال خلافت والی روایت خبر واحد ہے - لہذا قانون درایۃ الحدیث کے مطابق بارہ خلفاء والی حدیث کو مقدم سمجھا جائے گا اسکے درمیان جمع و توفیق کے سلسلہ میں جس قدر تاویلات رکیکہ کی گئی ہیں وہ سب ناقابل قبول ہیں - ولیس ھہنا محل التفصیل ۔

مؤلف نے جو یہ کہا ہے کہ شیعہ امام کو معصوم جانتے ہیں - یہ بات تو بالکل درست ہے مگر انکا یہ کہنا کہ "انکے ہاتھ میں کوئی ثبوت نہیں" اور یہ کہ "عصمت صرف انبیاء کرام کا خاصہ ہے" حقائق کے سراسر خلاف ہے۔ شیعوں کے پاس تو بحمدہ تعالی عصمت ائمہ اطہار پر سینکڑوں عقلی و نقلی دلائل موجود ہیں - البتہ یہ کہنے والوں کے "ہاتھ میں کوئی ثبوت نہیں کہ "عصمت صرف انبیاء کرام کا خاصہ ہے" مؤلف خود مانتے ہیں کہ بار ثبوت بذمہ مدعی ہوتا ہے، بنا بریں چونکہ وہ اس دعویٰ میں مدعی ہیں - لہذا اہلسنت کا فرض ہے کہ اس دعویٰ کا کوئی قطعی ثبوت از روئے قرآن و حدیث پیش کریں - کہ "عصمت خاصۂ انبیاء ہے" ورنہ صرف دعویٰ بلا دلیل عند العقلاء قابل قبول نہیں ہوا کرتا - ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین - بعض منصف مزاج علماء اہلسنت نے اعتراف کیا ہے کہ "لیست العصمۃ من خواصھم" کہ عصمت انبیاء کے خواص میں سے نہیں ہے" (یعنی غیر انبیاء بھی معصوم ہو سکتے ہیں) ———— (دراسات اللبیب ص۱۱۹ طبع لاہور) ۔

عصمتِ ائمہ کے چند دلائل

یہاں تفصیلات میں جانے کی گنجائش نہیں ہے اسلئے بطریق اجمال و اختصار کیسا تھ چند دلائل کیطرف اشارہ کیا جاتا ہے - عصمت ائمہ علیہم السلام کی پہلی اجمالی دلیل تو یہ ہے کہ چونکہ تقرر و منصب امام کی غرض و غایت بالکل وہی ہے جو بعثت نبی و رسول کی ہوتی ہے - اگر فرق ہے تو صرف یہ کہ نبی و رسول کو بلا واسطہ بشر وحی ربانی ہوتی ہے اور وہ خدا سے تلقی احکام کرتے ہیں - اور امام بتوسط نبی و رسول شریعت مقدسہ کی توضیح و تشریح کرتے ہیں - بالفاظ دیگر شریعت بنانا خدا کا کام - شریعت لانا رسولوں کا کام - اور اسکی اشاعت و حفاظت کرنا امام کا کام ہے - ————

لہٰذا جن دلائل و براہین کی رو سے نبی و رسول کے لئے عصمت ضروری ہے - بعینہٖ انہی دلائل کے اعتبار سے امام کیلئے بھی عصمت لازمی اور ضروری ہے!

(۲) آیت مبارکہ لاینال عھدی الظالمین - کہ میرا عہدۂ امامت ظالموں کو حاصل نہیں ہوگا" جب خدائے جلیل نے اپنے خلیل کو عہدۂ نبوت و خلّت پر فائز کرنے کے بعد اعلان فرمایا کہ "انی جاعلک للناس

اماماً۔ اب میں تجھے لوگوں کا امام بنانے والا ہوں"۔ تو خلیل کے قلبی جذبات دُعا بن کر زبان پر آگئے "ومن ذریتی! بارالٰہا! اس عُہدہ جلیلہ کو میری اولاد میں بھی باقی رکھ۔ ارشاد ہوا۔ لا ینال عھدی الظالمین۔ یعنی میرا یہ عہد (امامت) (تیری اولاد میں سے) ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔ مطلب یہ کہ امامت رہے گی تو تیری ہی اولاد میں (جیسا کہ آیت مبارکہ وجعلھا کلمۃ باقیۃ فی عقبہ کا بھی یہی مفاد ہے) مگر امام وہی ہوں گے جو ظالم نہ ہوں گے۔ اور چونکہ بنص آیت کریمہ ومن یتعد حدود اللّٰہ فاولٰئک ھم الظالمون۔ خدائی حدود و قیود میں سے ہر حد کا توڑنے والا گنہگار ظالم ہے۔ اسلئے امامت کے درجہ رفیعہ پر صرف وہی شخص فائز ہو سکے گا جس کا دامن ہر قسم کے گناہ کی آلودگی سے پاک ہوگا۔ اور ایسے ہی ممتاز شخص کو شرعی اصطلاح میں معصوم کہا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ امام رازی جیسے بزرگ نے بھی یہ تسلیم کر لیا ہے کہ یہ آیت مبارکہ امام کی ظاہری و باطنی عصمت پر دلالت کرتی ہے۔ "مقتضی الآیۃ ذلک ای وجوب العصمۃ ظاھراً و باطناً الا انا ترکنا اعتبار الباطن"۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۴۱۲ طبع مصر)۔

انہی حقائق کی بنا پر حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا ہے:۔ "ابطلت ھذہ الآیۃ امامۃ کل ظالم الی یوم القیامۃ۔ "اس آیت نے قیامت تک ہر ظالم (گنہگار) شخص کی امامت پر خط تنسیخ کھینچ دیا ہے"۔ (اصول کافی)۔

(۳) آیت مبارکہ:۔ اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم اور آیت مبارکہ "یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللّٰہ وکونوا مع الصادقین"، ہر دو آیت مبارکہ میں اہل ایمان کو اولی الامر اور صادقین کی اطاعت مطلقہ کا حکم دیا گیا ہے جو کسی زمان و مکان اور کسی حالت کے ساتھ مقید نہیں اور جسکی اطاعت مطلقہ کا اسطرح حکم دیا جائے۔ وہ معصوم ہی ہو سکتا ہے۔

چنانچہ امام فخر الدین نے ایک معقول تقریر کے بعد بطور نتیجہ لکھا ہے:۔ "فثبت قطعاً ان اولی الامر المذکور فی ھذہ الآیۃ لابد وان یکون معصوماً۔ ان بیانات سے قطعاً ثابت ہو گیا کہ اولی الامر کا معصوم ہونا ضروری ہے (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۵۷) یہ الگ بات ہے کہ پھر انہوں نے یہ کہہ کر کہ چونکہ اُمت محمدیہ میں ان کو کوئی معصوم نظر نہیں آتا اس سے اجماع مراد لیا ہے"۔ اور یہ نہیں سوچا کہ غیر معصومین کا اجماع کیونکر معصوم عن الخطا ہو سکتا ہے؟ ؎

قسمت کی بدنصیبی کہ ٹوٹی کہاں کمند

(۴) انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیراً"۔ اے اہل بیت رسول خدا کا یہ ارادہ ہے کہ تم سے ہر قسم کے رجس کو دور رکھے اور تمہیں اسطرح پاک رکھے جس طرح پاک رکھنے کا حق

ہے" ـــــــ لفظ "رجس" کے معانی کثیرہ میں سے ایک معنی "ذنب" (گناہ) بھی ہیں۔ اور وہی یہاں مراد ہیں۔ جیسا کہ تفسیر ابن جریر ج ۲۲ ص۵ طبع مصر و غرائب القرآن نیشاپوری مطبوعہ بر حاشیہ ابن جریر ج ۲۲ ص۱۱ تفسیر کشاف ج ۲ ص۲۱۲ میں ہے: "فاستعار للذنوب الرجس وللتقوی الطہر" اور کتاب اسعاف الراغبین مطبوعہ بر حاشیہ نور الابصار ص۱۰۵ پر لکھا ہے کہ "المراد من الرجس الذنب ومن التطہیر التطہیر من المعاصی" یعنی رجس سے مراد گناہ اور طہارت سے مراد گناہوں سے طہارت و پاکیزگی ہے۔" اب اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ اس آیت کے مصداق کون بزرگوار ہیں تو حسب ذیل کتب کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہو جائیگا کہ یہ پنجتن پاک کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

صحیح مسلم ج ۲ ص۲۸۵، الشرف المؤبد ص۲، تفسیر در منثور ج ۵ ص۱۹۹ صواعق محرقہ ص۸۵ ینابیع ص۱۰۷ طبع بمبئی وغیرہ)

(۵) ابن عباس بیان کرتے ہیں "سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول انا وعلی والحسن والحسین وتسعۃ من ولد الحسین ـــــــ مطہرون معصومون۔ یعنی میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں اور علی اور حسن و حسین اور حسین کے نو فرزند (از زین العابدین تا مہدی منتظر) مطہر و معصوم ہیں۔" (فرائد السمطین حموینی ج ۲ ص۱۳۲ قلمی ینابیع المودۃ باب ۷۷) اس سے بڑھ کر بھی واضح الفاظ میں عصمت ائمہ اطہار بیان ہو سکتی ہے؟ اسی طرح حدیث القرآن مع علی و علی مع القرآن اور حدیث۔ الحق مع علی وعلی مع الحق۔ اور حدیث ثقلین (انی تارک فیکم الثقلین کتاب و عترتی اہلبیتی ما ان تمسکتم بہما لن تضلوا بعدی۔ وانہما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض) وغیرہ سے روز روشن کی طرح آئمہ اہلبیت کی عصمت و طہارت واضح و آشکار ہوتی ہے۔ ع

الا علی اکمہ لا یبصر القمرا

ایک عظیم شبہ کا جواب

مؤلف نے اس بات کے ثبوت میں کہ امام کیلئے معصوم ضروری نہیں ہے نہج البلاغہ ص۹۰ طبع ایران سے ایک اقتباس پیش کیا ہے جس میں مذکور ہے کہ لابد للناس من امیر بر او فاجر (لوگوں کیلئے ایک امیر کا ہونا ضروری ہے نیک ہو یا بد ـــــ)

یہ استدلال بالکل غلط اور اس کلام کے شان صدور سے جہالت یا تجاہل پر مبنی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جناب نے یہ کلام خوارج کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے جو لاحکم الا للہ کا نعرہ لگا کر علی و معاویہ ہر ایک کی خلافت کا انکار کرکے ملک میں طوائف الملوکی اور انارکی کی راہ ہموار کرنا چاہتے تھے۔ جناب امیر جیسے نباض فطرت امام نے فرمایا کہ تمہارا یہ کہنا خلاف فطرت ہے۔ قطع نظر نبی و امام کے۔ پبلک کیلئے ایک

امیر و حاکم کا وجود بہرحال ناگزیر ہے۔ جس کے بغیر ملک کا نظم و نسق بحال نہیں رہ سکتا اور نہ ہی سیاست مدن قائم رہ سکتی ہے۔

اس کلام میں لفظ "امیر" وارد ہوا ہے نہ "امام" اس کا ترجمہ مؤلف نے "امام" کرکے اپنے علم و دیانت کا کوئی اچھا مظاہرہ نہیں کیا۔ اور پھر اس غلط ترجمہ پر بنا رکھ کے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ "ہر نیک و بد" یہ عہدہ حاصل کر سکتا ہے؟ بناء الفاسد علی الفاسد کا مصداق نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا مؤلف کا بیان کردہ مسلک آیت لا ینال عہدی الظالمین کے مفاد کے صریح خلاف نہیں ہے؟ سچ ہے

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

نیرنگیٔ روزگار کا شاہکار

یہ امر بھی دہر غدار کی نیرنگی کا شاہکار ہے کہ آج وہ لوگ بھی شیعیان حیدر کرار کو یہ طعنہ دے رہے ہیں کہ وہ انبیاء کو متہم بالذنب کرتے ہیں لیکن اماموں کو معصوم سمجھتے ہیں، اور یہ کہ پیغمبری سے پہلے تمام پیغمبر صغیرہ گناہوں کے مرتکب ہو سکتے ہیں، بلکہ اپنے مذہب کی کتب میں اور انبیاء تو کیا خود سرور انبیاءؐ کے لئے اعلان نبوت سے قبل کفر و شرک کا ارتکاب کرنے کے واقعات درج ہیں۔ اور بعد از اعلان نبوت بھی گناہان کبیرہ کے ارتکاب کے قصص و حکایات مذکور ہیں۔ اگر شک ہو تو ذرا تحقیق کریں اور دیکھیں کہ یہ کس فرقہ کی کتب میں مذکور ہے۔ ماکذب ابراھیم الاثلاث کذبات "کہ جناب ابراہیمؑ نے صرف تین مرتبہ جھوٹ بولا تھا" (بخاری شریف) یہ کن لوگوں کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت یوسفؑ نے زلیخا کے ساتھ زنا کا ارادہ کیا۔ بند شلوار کھول لیا۔ اس اثنا میں خدا نے حضرت یعقوبؑ کو ان کے سامنے حاضر کیا۔ اور انہوں نے کہا بیٹا! تمہارا نام تو فہرست انبیاء میں درج ہے اور تم زنا کرتے ہو۔ تب وہ باز آئے۔ (قصص الانبیاء ثعالبی) نیز یہ کس مذہب کی کتابوں میں مرقوم ہے کہ حضرت داؤد اوریا نامی ایک شخص کی بیوی پر فریفتہ ہو گئے۔ اور اس کے شوہر کو محض اس لئے جنگی مہم پر روانہ کیا کہ اس کی بیوی کو تصرف میں لا سکیں (معاذ اللہ) (قصص الانبیاء ثعالبی) یہ بھی قابل غور بات ہے کہ یہ بات کس گستاخ فرقہ نے اپنی کتابوں میں درج کی ہے کہ کان محمدؐ علی دین قومہ الی اربعین سنۃ۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کا چالیس برس تک اپنی قوم والا دین تھا۔ (تفسیر کبیر ج ۸ صـ) اے کاش! "عصمت کو خاصہ انبیاء کہنے والوں کے ستانہ اپنے قلم سے انبیاء کی ذوات مقدسہ تو محفوظ رہتیں۔ مگر حالات شاہد ہیں کہ انہوں نے ہمیشہ مستقل کتابیں لکھ لکھ کر نبیوں خطائیں ثابت کی ہیں۔ جسے شک ہے وہ قاضی عبد الجبار کی کتاب تخطیۃ الانبیاءؑ کا مطالعہ کرے۔ اور آج جن کو یہ طعنہ دیا جا رہا ہے کہ وہ انبیاء کو متہم بالذنب کرتے ہیں یہی لوگ اس کتاب کا جواب

لکھ کر انبیاء کی عصمت و طہارت ثابت کرنیوالے تھے۔ ملاحظہ ہو جناب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کی کتاب "تنزیہ الانبیاء"

مذہب شیعہ اور عصمت انبیاء

حقیقت یہ ہے کہ مذہب شیعہ تمام انبیاء و مرسلین کے دامن عصمت کو ازمہد تا لحد ہر قسم کے گناہانِ صغیرہ و کبیرہ کی کثافت سے پاک و صاف جانتا ہے۔ چنانچہ رئیس المحدثین اپنے رسالہ اعتقادات الامامیہ میں فرماتے ہیں: "اعتقادنا فی الانبیاء والرسل والائمۃ والملائکۃ انھم معصومون مطھرون من کل دنس وانھم لایذنبون ذنبا لا صغیرا ولا کبیرا ولا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون ومن نفی عنھم العصمۃ فی شیئ من احوالھم فقد جھلھم ومن جھلھم فھو کافر یعنی انبیاء انکے اوصیاء اور فرشتوں کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ سب کے سب معصوم عن الخطا ہیں۔ اور ہر قسم کی کثافت گناہ و عصیان سے مبرا ہیں۔ وہ نہ تو کوئی گناہ کبیرہ کرتے ہیں۔ اور نہ صغیرہ۔ یہ بزرگوار امرِ خداوندی کی نافرمانی نہیں کرتے۔ بلکہ جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے وہ اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ جو شخص ان حضرات کی عصمت کا جس حیثیت سے بھی انکار کرے وہ انکے مرتبہ و مقام سے جاہل ہے اور جو ان سے جاہل ہے (انکی معرفت نہیں رکھتا) وہ کافر ہے۔" (اعتقادات صدوق مع شرح احسن الفوائد مصنفہ احقر ص ۲۱۹۔ طبع اول)

پیش کردہ روایات کے جوابات

باقی رہیں وہ روایات جو موہم خلاف عصمت ہیں۔ تو ان کے کئی طرح سے جوابات دیے جا سکتے ہیں۔ اولاً ان روایات میں از روئے سند ایک بھی صحیح السند نہیں ہے لہذا یہ مقام اعتقاد میں ناقابل اعتماد ہیں۔ ثانیاً اگر بالفرض صحیح السند بھی ہوں تو مسلمات عقلیہ و شرعیہ سے متصادم ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہیں۔ ثالثاً انکا مفہوم وہ نہیں جو لیا جا رہا ہے مثلاً اصول کافی والی وہ روایت جسمیں اصول کفر تین بتائے گئے ہیں اسکا مطلب یہ نہیں کہ حسد یا حرص خود کفر ہیں بلکہ مطلب صرف یہ بیان کرنا ہے کہ ان سے رفتہ رفتہ کفر پیدا ہو سکتا ہے لہذا ان سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ یہ بات اپنے مقام پر ثابت کی جا چکی ہے کہ لا تقربا ھذہ الشجرۃ میں جو نہی ہے وہ نہی تحریمی نہ تھی بلکہ تنزیہی تھی۔ اور جناب آدم کا یہ اقدام کوئی گناہ و عصیان نہ تھا۔ بلکہ صرف ترک اولیٰ تھا۔ کہ فقط شیطان کے حلفیہ بیان پہ اکتفا کر لی۔ اور خدا سے منال سے حقیقت حال معلوم نہ کی ——— دلبس۔ اور حیات القلوب میں جو حسد کا تذکرہ ہے وہاں حسد سے مراد غبطہ (رشک) ہے۔ یہ درست ہے کہ انسان اپنی اولاد کے حُسن و جمال کو دیکھ کر حسد تو نہیں کرتا مگر رشک ضرور کرتا ہے کہ کاش! وہ بھی ان جیسا حسین و جمیل ہوتا۔ اور یہ بات عام لوگوں کیلئے قابل مذمت نہیں۔ لیکن انبیاء کی شان اس قسم کے جذبات سے بھی بلند و بالا ہے ——— اور حیات القلوب کی جس روایت

میں یہ ہے کہ جناب آدم کا یہ اقدام قبل از نبوت تھا۔ یہ جواب بطور الزام خصم دیا گیا ہے۔ کیونکہ مذہب اہلسنت میں بنابر مشہور اعلان نبوت سے قبل انبیاء کیلئے صدور کبائر بھی جائز سمجھا گیا ہے۔ تا بہ صغائر چہ رسد؟ وکذا الکلام فی باقی الروایات ٭ (تفصیل کے شائقین کتب کلامیہ کی طرف رجوع کریں۔

مسئلہ امامت کا اصول مذہب سے ہونا

امامت و خلافت کا مسئلہ اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ جب تک پیغمبر اسلام نے اس کا مقام غدیر خم پر عملی اعلان نہیں کر دیا۔ اس وقت تک انکو دین اسلام کی تکمیل کی سند نہیں مل سکی۔ (تفسیر در منثور ج ۲ صفحہ ۲۵۹ تذکرہ سبط ابن جوزی صفحہ ۱۸ طبع ایران تفسیر ابن کثیر ج ۲ صفحہ ۱۴ طبع مصر وغیرہ ———— اور بھلا کیونکر اسقدر اہم نہ ہو۔ جبکہ نبی کے انتقال کے بعد دین کی بقا اور اس کا دوام وجود امام سے وابستہ ہے۔ اسکے بغیر بعثت انبیاء کی غرض و غایت پوری ہی نہیں ہو سکتی۔ ظاہر ہے کہ جو چیز اسقدر اہم ہوگی وہ اصول عقائد میں داخل ہوگی۔ نہ کہ فروعی مسائل میں۔ اور اس بات کی تائید مزید آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ۔ جو شخص مر جائے اور زمانہ کے امام کو نہ پہچانے اسکی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔ (انوار اللغۃ پ ۵ صفحہ ۲۲ جمع بین الصحیحین لحمیدی۔ منصب امامت شاہ اسماعیل دہلوی وغیرہ) جس چیز کی عدم معرفت سے کفر لازم آتے۔ وہ اصولی ہی ہو سکتی ہے نہ فروعی۔ کما لا یخفیٰ شاہ ولی اللہ دہلوی اپنی کتاب ازالۃ الخفاء ص ۱ پر لکھتے ہیں "بعلم الیقین دانستہ شد کہ خلافت ایں بزرگواراں اصلے است از اصول دین تا وقتیکہ ایں اصل محکم نگیرد ہیچ مسئلہ از مسائل شریعت محکم نہ شود۔" لہٰذا اور جہاں تک قرآن و حدیث کے نصوص خلافت و امامت کا تعلق ہے ہم ان کا تذکرہ وہاں کریں گے جہاں مؤلف نصوص خلافت کی بحث شروع کریں گے۔ ان شاء اللہ ٭ فانتظر!

خلافت و امامت نصی ہے نہ شورائی

یہ بات اپنے مقام پر ناقابل تردید دلائل و براہین سے ثابت ہو چکی ہے کہ کسی شخص کی امامت و خلافت خدا و رسول کی نص کے ساتھ ثابت ہوتی ہے نہ کہ مہاجرین و انصار یا ارباب حل و عقد کے اجماع و شوریٰ سے "وربک یخلق مایشاء ویختار ما کان لھم الخیرۃ"۔ مؤلف نے اس سلسلہ میں نہج البلاغہ ص ۳۶۹ سے جو اقتباس پیش کیا ہے اور اس سے اس کا شورائی ہونا ثابت کرنے کی سعی لاحاصل فرمائی ہے۔ ہم اس کے متعلق اس بحث سے پہلے بحث (اصحاب ثلاثہ کی مشترکہ تعریف) کی دوسری دلیل (جو یہی کلام ہے) کے جواب میں بڑی تفصیل جمیل اور براہین مدلیل سے ثابت کر آئے ہیں کہ جناب امیر علیہ السلام کا یہ کلام معجز نظام بطور الزام علی الخصم ہے۔ نہ کہ انکے اپنے اصلی اعتقاد و نظریہ کا اظہار۔ لہٰذا اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے تاکہ

حقیقتِ حال روزروشن کیطرح واضح وآشکار ہو جاتے ۔

(کیفیت انعقاد خلافت ثلاثہ بالاجمال)

علاوہ ازیں یہ بات بھی نظر انداز کرنے کے لائق نہیں کہ مؤلف اور انکے ابناء مذہب کو اس معیار کے تسلیم کرنے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ الٹا نقصان ہوتا ہے۔ کیونکہ ثلاثہ میں سے کسی پر بھی پورے مہاجرین وانصار اور ارباب حل وعقد کا شوریٰ در بنارح نہیں ہوا۔ بلکہ ابوبکر صرف عمر کی بیعت کرنے سے مسند اقتدار پر بیٹھے۔ (شرح مواقف ص۷۴۲ طبع اسلامبول وغیرہ) حالانکہ تمام بنی ہاشم اور بعض مہاجر وانصار کُھلم کُھلا ان کے مخالف تھے۔ (ملاحظہ ہو الامامت والسیاست ص۱۱ طبع مصر) ———

اور عمر صاحب باوجود مہاجرین وانصار کی چیخ وپکار کے صرف ابوبکر کی وصیت کرنے سے ایوان اقتدار تک پہنچے۔ (ملاحظہ ہو کنزالعمال ج ۳ ص۱۴۵ ازالۃ الخفاء ج ۱ ص۱۱ وغیرہ) اور تیسرے صاحب بظاہر چھ شخصوں کے شوریٰ سے مگر درحقیقت صرف عبدالرحمٰن بن عوف کی مساعی اور کوششوں سے کرسیٔ حکومت پر قابض ہوئے۔ (ملاحظہ ہو کنزالعمال ج ۳ ص۱۶۰، شرح فقہ اکبر ص۸۳ طبع لاہور وغیرہ) ھٰذا بیان للناس وھدًی وموعظۃ للمتقین ۔

امرِ دوم کیا حضرت علیؑ خلیفہ بلافصل تھے؟

ھم

علی المرتضٰی ؑ کی عظمتِ شان اور رفعتِ قدر کے قائل ہیں۔ بے شک آپ صہرالنبیؐ، ابن عم رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ والد حسنین، زوج زہراؑ، باب العلم، خلیفۂ رابع ہیں۔ اور آپ کے مناقب وفضائل کا احصا نہیں ہوسکتا۔ لیکن یہ دعوےٰ کہ خلافت اپکا ہی حق تھا اور آپؑ خلیفۂ بلافصل تھے، عقل ونقل کے خلاف ہے۔ اور اس دعوے کے بطلان پر ہم چند ایسے دلائل پیش کرتے ہیں کہ انکے ماننے سے کسی ذی فہم منصف شخص کو انکار نہیں ہوسکتا۔ !

پہلی دلیل: آیت استخلاف سے ثابت ہو چکا ہے کہ خلافت خلفاء حسب وعدۂ ایزدی متعال عمل میں آئی۔

اللہ تعالےٰ نے اپنے مقبول بندوں سے وعدہ فرمایا تھا کہ ہم انکو ضرور خلیفہ بنائیں گے۔ تو
پھر یہ ممکن تھا کہ منشاء ایزدی ——— کے خلاف ——— کوئی غیر مستحق مستفید ہوتا
——— کیونکہ اللہ تعالےٰ کے وعدوں میں تخلف نہیں ہے اور خدا تعالےٰ سے کوئی
شخص غالب نہیں ہو سکتا۔ کہ اسکے خلاف منشاء اسکا انعام موعود چھین لے ———
ماننا پڑے گا کہ اسکو ایسا ہی منظور تھا ——— کہ خلافت کا منصب جلیل
رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر اصحاب اربعہ کو ایسی ترتیب سے ملے جو عمل میں
آئی۔ اللہ تعالےٰ کے نزدیک خلافت کے مستحق یہی چار اصحاب تھے ——— اگر یہ ترتیب
قائم نہ رہتی تو ان سب کو اس انعام سے حصہ ملنا مشکل تھا۔ کیونکہ حضرت ابوبکر نے سب سے
پہلے فوت ہونا تھا ——— اور اگر عثمان یا علی میں سے کوئی شخص خلیفہ ہوتا تو حضرت
عمر کی عمر چونکہ ان سے پہلے ختم ہو جانیوالی تھی وہ محروم ہو جاتے۔ اور اگر حضرت عثمان سے
اول حضرت علی المرتضےٰ خلافت حاصل کر لیتے تو حضرت عثمان ——— بہرہ ور نہ ہو سکتے
اسلئے اللہ تعالےٰ ——— نے اپنے ——— انعام کو اس طرح تقسیم فرمایا کہ ہر چار اصحاب
رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بہرہ یاب ہو گئے۔ سبحان اللہ فعل الحکیم لا یخلو عن
الحکمۃ ——— (آفتاب صفحہ ۱۵)

یہ کلام باطل النظام چند در چند وجوہ سے باطل اور درجۂ اعتبار سے

الجواب

ساقط ہے:۔

۱۔ اولاً ۔ اس موضوع کی پہلی تنقیح میں مؤلف واضح کر چکے ہیں کہ مسئلہ خلافت میں شیعہ مدعی اور اہلسنت مدعا علیہم ہیں۔ اور علم مناظرہ و کلام کی ابجد سے واقفیت رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ دلیل بذمہ مدعی ہوتی ہے اور مدعا علیہ کا کام صرف اس دلیل میں مناقشہ اور اس پر نقد و تبصرہ کرنا ہوتا ہے۔ لیکن مؤلف نے یہاں مدعی کا منصب سنبھال لیا ہے اور اپنے موقف پر بزعم خود خود دلائل پیش کرنا شروع کر دیے جسے آداب مناظرہ میں "غصب" کہتے ہیں۔ بھلا غاصبین کے ماننے والوں سے اسکے سوا اور توقع بھی کیا کی جا سکتی ہے؟ اے کاش! مؤلف نے اس موضوع پر خامہ فرسائی کرنے سے پہلے کم از کم آداب مناظرہ کے متعلق رسالہ "رشیدیہ" ہی پڑھ لیا ہوتا۔ تو یہ دھاندلی روا نہ رکھتے!

۲۔ ثانیاً ۔ جب آپ تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے فضائل و مناقب کا احصا نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے کہ جس کے فضائل و مناقب سب سے زیادہ ہوں گے۔ وہی سب سے افضل ہوگا۔ تو پھر کیا افضل کو

چھوڑ کر مفضول کو ہادی و رہنما ماننا عقل و نقل کے سراسر خلاف نہیں ہے؟ (مالکم کیف تحکمون؟)

۳۔ ثالثاً۔ مؤلف نے ابتدا میں جہاں فضائل اصحاب کی آیات پیش کی ہیں وہاں نمبر ۲ پر آیت استخلاف کیساتھ بھی استدلال کیا ہے۔ ہم وہاں بڑی تفصیل جمیل کے ساتھ یہ بات واضح و آشکار کر چکے ہیں کہ اس آیت کو خلافتِ ثلاثہ سے دُور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے اور تاریخی شواہد سے ثابت کر آئے ہیں کہ یہ وعدہ خلافت ارضی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صالح الاعمال مومنین صحابہ کرام سے تھا۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حین حیات میں فتح مکہ کے بعد پورا ہو گیا۔ اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے فان فیہ شفاء لکل علیل ؛

۴۔ رابعاً۔ مؤلف لکھتے ہیں کہ "اللہ تعالےٰ نے اپنے مقبول بندوں سے وعدہ فرمایا تھا" پھر لکھا ہے کہ "اللہ تعالےٰ کے نزدیک خلافت کے مستحق یہی چار اصحاب تھے"۔ آیتِ استخلاف میں اہل ایمان اور صالح الاعمال حضرات سے خلافت ارضی کا وعدہ کیا گیا ہے (وعد اللہ الذین آمنو وعملو الصالحات) تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار اصحاب کرام میں سے اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے اور مومن و صالح الاعمال صرف یہ ... صرف یہی چار بزرگوار تھے اور باقی سب کے سب غیر مقبول اور غیر مومن اور غیر صالح الاعمال؟ بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است؟ اگر کوئی شیعہ ایسی بات کہہ دیتا تو اسکے خلاف زمین و آسمان سر پر اٹھا لئے جاتے، اور ایک طوفان بے تمیزی مچا دیا جاتا کہ دیکھو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ کی توہین کی جا رہی ہے! انکو بے ایمان اور بدعمل قرار دیا جا رہا ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن آپ جو کچھ کہیں بجا ہے۔ ع مستند ہے ان کا فرمایا ہوا!

ع آپ ہی اپنے جور و جفا پہ ذرا نظر کریں ؛ ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

۵۔ خامساً۔ ہم تنقیح اوّل کے آخر میں (مجملاً سہی) یہ ثابت کر آئے ہیں کہ ابوبکر کی خلافت عمر سب حب کی بے نظیر تدبیر، اور انہی کی دھینگا مشتی کے نتیجہ میں عمل میں آئی۔ اسی لئے تو وہ کہا کرتے تھے انما کانت بیعۃ ابی بکر فلتۃ و تمت و لکن اللہ وقی شرھا۔ ابوبکر کی بیعت اچانک واقع ہو گئی۔ (اس پر بہت کچھ شور و شر کا خطرہ تھا) مگر خدا نے اسکے شر سے بچا لیا۔ بخاری جلد ۴ صفحہ طبع مصر) ؛

اور عمر کی خلافت ابوبکر کی وصیت اور عثمان کی خلافت شورائی عبدالرحمٰن بن عوف کی حیلہ سازی کی مرہون منت ہے۔ اہلسنت کے ہاں انعقاد خلافت کا کوئی اصول نہیں ہے۔ بلکہ جس طرح اور جس طریقہ پر کسی خلیفہ کی خلافت منعقد ہو جائے وہی انکے ہاں اصول بن جاتا ہے۔ اگر یہی قاعدہ تسلیم کر لیا جاتے

کہ جو شخص مسندِ اقتدار پر قابض ہو جاتے۔ اسی میں خُدا کی منشا در رضا پوشیدہ ہوتی ہے۔ تو پھر یزید پلید، مروان طرید، اور ولید عنید جیسے ننگِ اسلام و انسانیت کو بھی نہ صرف خلیفہ رسول بلکہ خلیفۃ اللہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کیا مولوی کرم الدین اور انکے ہمنوا اسکے لئے آمادہ ہیں؟

؎ اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں ٭ لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

دُوسری دلیل :۔ اگر رسُولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علی منصبِ خلافت پر جاگزین ہو جاتے تو مخالفین اسلام (کفار) کو یہ طعنہ دینے کا موقع ملتا کہ پیغمبر اسلام نے یہ سارا کام کنبہ کے لوگوں کو فائدہ پہنچانے کیلئے بنا رکھا تھا۔ کہ زندگی میں خود حکومت کی اور مرنے کے بعد اپنے چچا زاد بھائی اپنے داماد کو یہ اعزاز بخش دیا۔ ——— اس اعتراض کا کوئی جواب بھی نہ ہو سکتا ——— اس (خدا) نے اپنی قدرت کاملہ سے ——— خلافت کی ترتیب اسطرح اختیار فرمائی کہ کسی دشمنِ اسلام کو کوئی گنجائش اعتراض کرنے کی نہ رہی۔ اگر امرِ خلافت ——— موروثی ہوتا تو سب سے زیادہ مستحق حضرت عباس عم رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ ——— (آفتاب ص۱۵)

الجواب

اس وسوسۂ ابلیس کو دلیل کا نام دینا درحقیقت لفظ دلیل کی توہین ہے۔ ورنہ یہ بات الم نشرح ہے کہ اگر حضرت آدم کے بعد انکے فرزند جناب شیث (ہبۃ اللہ) جناب خلیل خدا کے بعد انکے فرزند اسماعیل ذبیح اللہ، جناب داؤد کے بعد انکے فرزند سلیمان، نبی اللہ جناب یعقوب کے بعد انکے فرزند جناب یوسف صفوۃ اللہ اور جناب مُوسیٰ کے بعد انکے چچازاد بھائی شمعون خلیفۃ اللہ انکی مسند پہ بیٹھتے ہیں اور کوئی بھی زبانِ اعتراض دراز نہیں کرتا۔ تو اگر پیغمبر اسلام کی مسند پر انکے چچازاد بھائی حضرت علی بیٹھ جاتے تو یہاں کفار کو کیوں طعن و تشنیع کا موقع ملتا؟ جبکہ اسکی بیسیوں مثالیں تاریخ انبیاء میں پہلے سے موجود تھیں یہ وسوسہ تو بے پیدا بھانہ بسیار والی بات ہے ورنہ اسکے اندر کوئی وزن نہیں ہے۔ ——— یہاں وراثت کا کوئی سوال نہیں بلکہ ذاتی لیاقت و قابلیت کی بنا پر (عند اللہ) استحقاق کا سوال ہے۔ جو بھی اس عُہدۂ جلیلہ کا مستحق ہوگا۔ خدائے حکیم اُسے ہی اس منصبِ جلیل پہ فائز کریگا۔ اگر کوئی شخص خاندان نبوت سے اسکا مستحق ہو۔ تو کیا اسے صرف اس وجہ سے محروم کیا جا سکتا ہے کہ مخالفین چنیں وچناں اور چنیں و چناں اعتراض کریں گے؟ علاوہ بریں معترضین کی زبان کون بند کر سکتا ہے؟ وہ تو موجودہ ترتیب پہ بھی اعتراض کر سکتے

ہیں۔ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سارا کام کنبہ والوں کو فائدہ پہنچانے کیلئے کیا تھا کہ زندگی میں خود حکومت کی اور مرنے کے بعد اپنے خسروں اور دامادوں کو یہ اعزاز بخش دیا۔ فما ھو جوابکم فھو جوابنا، دشمن اسلام تو ایرادکرتے یا نہ کرتے البتہ آپ کے عمر صاحب کو یہ اعتراض ضرور تھا اور اسی نظریہ فاسدہ کے ماتحت کہ نبوت وخلافت ایک خاندان میں جمع نہ ہو" بڑے لطائف الحیل سے جناب امیر علیہ السلام کو ظاہری اقتدار سے محروم کر دیا۔ (ملاحظہ ہو مکالمۂ عمر با ابن عباس مندرجہ الفاروق شبلی نعمانی ج ۱ ص۱۲۹ حاشیہ طبع لاہور) شرم شرم شرم۔

تیسری دلیل:۔ حضرت علی المرتضٰے نے اس بارہ میں خود فیصلہ فرمادیا۔ انما الشوریٰ للمہاجرین والانصار ———— انتخاب۔ خلافت کا کام مجلس شوریٰ مہاجرین وانصار کے ہاتھ میں ہے۔ جس کو وہ خلیفہ منتخب کرلیں۔ اللہ تعالےٰ کو بھی وہ منظور ہے الخ (آفتاب ص۱۵)

الجواب ———— قبل ازیں مؤلف نے مداحِ اصحاب ثلاثہ کی مشترکہ تعریفیں" کے عنوان کے تحت دوسری دلیل اسی کلام کو قرار دیا تھا۔ ہم اس مقام پر اس استدلال کا مکمل ابطال پیش کر چکے ہیں۔ لہذا ہم بجائے اعادہ وتکرار کے قارئین کرام کو اسی مقام کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ فان فیہ شفاء للکل علیل وریا لکل غلیل ؛ واللہ یھدی من یشاء الی سواء السبیل ؛

چوتھی دلیل:۔ اگر علی المرتضٰے کو یہ فیصلہ منظور نہ ہوتا۔ اور وہ خلافت کو اپنا حق تصور فرماتے تو وہ کبھی خاموش نہ بیٹھتے۔ بلکہ مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے۔ آپ کی شجاعت مسلم تھی۔ آپکی تلوار غضب ڈھاتی تھی ...... قتل وقتال کی نوبت آجاتی تو جمہور المسلمین آپ کا ساتھ دیتے۔ اور نہیں تو بنی ہاشم تو سب آپ کے ساتھ تھے ————

اور اسد اللہ الغالب لا فتی الا علی لاسیف الا ذوالفقار کے مصداق تو اکیلے مقابلہ پر کھڑے ہو جاتے تو مخالفین کا تہس نہس کر دیتے جیسا کہ نہج البلاغہ مطبوعہ بیروت ج ۲ ص۲۵) ———— میں لکھا ہے ———— لولقیتھم واحدًا وھم طلاع الارض کلھا ما بالیت ولا استوحشت۔ خدا کی قسم! اگر میں انکے مقابلہ میں کھڑا ہو جاؤں اور زمین سے پُر ہوں (کذا) تو مجھے کچھ پرواہ نہ ہو۔ اور نہ مجھے کچھ وحشت ہو۔ پھر جب آپ تن تنہا سارے جہاں کے مقابلہ کیلئے کافی تھے اور اصحاب ثلاثہ نے آپ

سے زبردستی خلافت چھین لی ہوتی۔ تو وہ دنیا میں دم نہ لینے دیتے۔ ایک پل میں تباہ کر دیتے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت امیرالمومنین علی خلافت بلا فصل اپنا حق نہیں سمجھتے تھے ________ (آفتاب صـ۱۵۲)

الجواب

یہ وہی عامیانہ و سوقیانہ استدلال ہے جسے ہمیشہ حامیان ثلاثہ خوب مزے مسالے لگا کر پیش کیا کرتے ہیں (جیسا کہ مؤلف نے کیا ہے) لیکن در حقیقت یہ دلیل تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ «ان اوھن البیوت لبیت العنکبوت»! اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ جناب حیدر کرار اسی طرح شجاع و بہادر تھے۔ جیسا کہ اس استدلال میں ذکر کیا گیا ہے۔ بلکہ اس سے بھی بدرجہا بلند تر تھے۔ مگر یہ دنیا والوں کی ناسمجھی ہے کہ وہ ہر اس شخص کو جو محل بے محل جنگ پر آمادہ ہو جائے۔ بہادر و شجاع کہہ دیتے ہیں "لیکن شجاعت حقیقتاً یہ ہے کہ انسان کیلئے جس وقت قدم اٹھانا لازم ہو اور اقدام ضروری ہو، اس وقت پُر جگری کے ساتھ آگے بڑھے۔ اور وہ سب کچھ کرے جو اس کا فرض معلوم ہوتا ہے۔ چاہے اس سلسلہ میں اسے جان بھی دینا پڑے۔ اور جس موقع پر اقدام مناسب نہ ہو بلکہ سکوت و چشم پوشی کی ضرورت ہو، اس وقت تحمل سے کام لے۔ چاہے اس میں کتنی ہی مشکلات درپیش ہوں۔ اور ناگوار صورتوں کا مقابلہ کرنا پڑے۔ اس صورت میں خاموشی اسی طرح شجاعت کا ثبوت ہوگی۔ جس طرح پہلی صورت میں نبرد آزمائی" (شہید انسانیت صـ۲۶۲ طبع ثانی)

حضرت امیر علی کے ثلاثہ سے جنگ نہ کرنے کے اسباب

یہاں بھی یہی دوسری صورت درپیش تھی۔ یعنی حالاتِ حاضرہ کا تقاضا یہ تھا کہ جناب حیدر کرار تلوار نہ اٹھائیں۔ ہم ان تمام علل و اسباب کا تفصیلی تذکرہ مع تبصرہ اپنی کتاب "اثبات الامامت" میں کر چکے ہیں۔ یہاں بڑے اختصار کے ساتھ صرف بعض اسباب و وجوہ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

۱۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس وقت وفات پائی مدینہ منورہ منافقوں سے بھرا پڑا تھا۔ جو مدت سے اس بات کے منتظر تھے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ اُٹھ جائے تو اسلام کو پامال کر دیں" (الفاروق ج ۱ صـ۵۳ ۔ طبع لاہور) یہ داخلی صورت تھی اور خارجی حالت یہ ہے کہ عالم اسلام ہر چہار طرف سے کفار و مشرکین کے نرغہ میں گھرا ہوا تھا۔ بنابریں اگر اسلامی دار الحکومت (مدینہ) میں باہمی تلوار چل جاتی تو داخلی اور خارجی دشمنان

دین کو سر اٹھانے اور شجر اسلام کی بیخ کنی کرنے کا موقع مل جاتا اور اسلام ہمیشہ کیلئے نیست و نابود ہو جاتا۔ جناب امیرؑ جیسا مجاہد و حامیٔ اسلام کیونکر یہ صورتحال گوارا کر سکتا تھا؟ ۔ چنانچہ شرح نہج البلاغہ حدیدی ج ۴ ص ۵ طبع بیروت میں مروی ہے کہ ایک دن سیدہؑ نے حضرت امیرؑ کو جنگ پر آمادہ کرنا چاہا اسی اثنا میں موذن کی آواز بلند ہوئی جو کہہ رہا تھا۔ اشھد ان محمد رسول اللہ " جناب امیرؑ نے جناب سیدہؑ سے فرمایا" کہ آیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ یہ ندا روئے زمین سے ختم ہو جائے"؟ جناب سیدہؑ نے کہا نہیں" فرمایا یہی وہ چیز ہے جو میں تم سے کہتا ہوں (میرے جنگ کرنے سے یہ آواز ختم ہو جائے گی")

کتب فریقین سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باعلام ایزدی ان آنیوالے حالات وکوائف سے جناب امیرؑ کو آگاہ کر کے حوزۂ اسلام کی حفاظت کی خاطر انکو صبر و شکیبائی اختیار کرنے کی وصیت فرمائی تھی۔ (ملاحظہ ہو کنز العمال ج ۶ ص ۵۵ ، ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۲۲۵ ، خصائص سیوطی ج ۲ ص ۱۳۱ معارج النبوۃ رکن چہارم ص ۱۴۳ ، روضۃ الاحباب ج ص ۲۲۳ وغیرہ)

جناب امیرؑ نے خود بعض مواقع پر اس وصیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے چنانچہ کتاب محاضرات ابن علو ج ۲ ص ۸۲ پر مذکور ہے کہ عمرؓ اور ابو عبیدہ کی متشددانہ کاروائی کے وقت آنجناب نے فرمایا......

" وفی النفس کلام لولا سابق قول وسالف عھد لشفیت غیظی بخنصری وبنصری (الی ان قال) لکنی ملجم ــــ وصابر علی ما سائنی وسرکم" میرے دل میں کچھ کلام ہے۔ اگر قول سابق اور گذشتہ عہد و پیمان نہ ہوتا۔ تو میں اپنے غصہ کو دو چھوٹی انگلیوں کے ذریعہ (تلوار تھا کر) دور کر دیتا ــــ لیکن میں پابند ہوں اور ان حالات پر صابر ہوں۔ جو میرے لئے باعث رنج و الم اور تمہارے لئے باعث مسرت و شادمانی ہیں۔ دریں حالات اسلام و مسلمانوں کی بھلائی اسی بات میں مضمر تھی کہ آنجناب تلوار نہ اٹھائیں چنانچہ فرض شناس امام عالیمقام نے وہی کچھ کیا جس کا تقاضا اسلام اُن سے کرتا تھا ــــ وہ خود فرماتے ہیں فخشیت ان لم انصر الاسلام واھلہ ان اری فیہ ثلما او ھدما تکون المصیبۃ بہ علی اعظم من فوت ولایتکم ...... مجھے یہ اندیشہ دامنگیر ہوا کہ اگر ان حالات میں صبر و سکوت کر کے اسلام اور مسلمانوں کی نصرت و مدد نہ کروں تو پھر مجھے اسلام میں ایسا رخنہ اور شگاف دیکھنا پڑے گا جس کا صدمہ چند روزہ خلافت کے چھن جانے سے بھی زیادہ سخت ہوگا" (نہج البلاغہ ج ۳ ص ۱۳۱ طبع مصر) ؛

یہ کہنا کہ اگر قتل و قتال تک نوبت پہنچ جاتی تو جمہور المسلمین آپ کا ساتھ دیتے" یہ مؤلف کا محض

حُسنِ ظن ہے جسکی تاریخی حقائق تائید نہیں کرتے۔ اگر ان لوگوں میں واقعاً اتنی غیرت وحمیت ہوتی تو غدیر خم ... سکے ہوتے عہد وپیمان کو توڑ کر اور جناب امیر کو چھوڑ کر سقیفائی خلافت کی داغ بیل ہی نہ ڈالتے۔ نیز امم سابقہ میں انکی نظیریں موجود ہیں ـــــ جناب موسیٰ کا انہیں خلیفہ دیکھتا رہا۔ روکتا رہا۔ ٹوکتا رہا۔ مگر قوم کی اکثریت گوسالہ پرستی کا شکار ہو گئی۔ چاہِ ضلالت میں گر تو آگرا الخ ...... اگر یہاں بھی امت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا مظاہرہ کرے تو اس میں کونسی جائے تعجب ہے؟ ایسا کیا اور ضرور کیا۔ ضلوا واضلوا کے مصداق بنے؟ کیا اسکے بعد والی جنگوں میں یہی جناب امیرؑ میدان کارزار میں تشریف فرما تھے انکے ساتھ کتنے لوگ تھے اور انکے مقابلین کے ساتھ کسقدر تھے؟ اور آپکے بعد آپکے بڑے صاحبزادے حسن گلگوں قبا جب میدان میں نکلے تو ان کیساتھ کسقدر مجاہد تھے اور انکے دشمن معاویہ کے ساتھ کتنے؟ کربلا میں تو یہ بات اور بھی الم نشرح ہو گئی کہ حق نواز کتنے تھے اور باطل پرست کسقدر تھے؟ سچی بات تو یہ ہے کہ

ہر دور میں ہوتی رہی باطل کی پرستش
ہر دور یزیدوں کا طرفدار رہا ہے!

پانچویں دلیل: اگر ترتیب خلافت حق نہ تھی۔ اور اصحاب ثلاثہ نے خلافت زبردستی چھین لی تھی ـــــ تو حضرت علیؑ کا پہلے تو ان سے جہاد کرنا فرض تھا۔ اگر اسکی طاقت نہ رکھتے تو انکے مشیر نہ بنے رہتے اور مال غنیمت میں حصہ گیر نہ ہوتے۔ بلکہ انکا فرض تھا کہ ملک چھوڑ کر ہجرت کر جاتے ـــــ جبکہ نہ لڑائی کی نہ ہجرت ـــــ تو اس سے اس امر کا یقین ہوتا ہے کہ آپ ہرگز ہرگز خلافت بلافصل اپنا حق نہ سمجھتے تھے...... پہلی خلافتیں صحیح اور درست تھیں۔ اور حضرت نے انکو درست تسلیم کیا۔ اور خدا کو بھی یہی منظور تھا (آفتاب ص۱۵۲)

الجواب: اس استدلال میں کوئی نئی چیز نہیں پیش کی گئی بلکہ وہی پرانا آموختہ دہرایا گیا ہے۔ جہاد نہ کرنے کے بعض علل واسباب ابھی اوپر چوتھی دلیل کے جواب میں واضح کر دیے گئے ہیں۔ اور مشیر بننے والے بودے استدلال کی رکاکت سابقاً فضائل عمر کی تیسری چوتھی روایت کے جواب میں واضح وآشکار کی جا چکی ہے اور غنائم سے حصہ لینے کا جواب اسی عنوان کی پانچویں روایت کے جواب میں پیش کیا جا چکا ہے۔ اور آنجناب کا ادعائے خلافت بلافصل کرنا اور خلفائے ثلاثہ کو جابر وغاصب سمجھنا سابقاً اصحاب ثلاثہ کی مشترکہ تعریف" کے عنوان کے تحت روز روشن کیطرح واضح وآشکار کیا جا چکا ہے یہاں تکرار واعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ باقی رہا ہجرت کرنا تو ہجرت کر کے کہاں جاتے؟ جبکہ تمام قلمروئے اسلام انہی غاصبوں کے قبضہ میں تھا۔ بقول شبلی نعمانی

جو ہجرت کر کے بھی جائیں تو اے شبلی کدھر جائیں
کہ اب امن و امان نجد و قیرواں کب تک ؟

ان حالات میں اسکے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ زبانی طور پر اپنا استحقاق اور غاصبوں کے غضب کا اظہار فرماتیں سو آپ نے یہ فریضہ بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ جسکی تفصیل اصحاب ثلاثہ کی مشترکہ تعریف کے ذیل میں نیز بعض دوسرے مقامات پر گذر چکی ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ حضرت علی خلافت بلا فصل کو بلا شرکت غیرے اپنا حق اور ثلاثہ کی خلافت کو غلط جانتے تھے۔ اور جو چیز علی کے نزدیک غلط ہو اسکے منظور خدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا کیونکہ الحق مع علی وعلی مع الحق۔

خوشا حال ما خوشا دین و دنیائے ما
کہ ہمچو علی است آقائے ما

علی امام من است و منم غلام علی
ہزار جان گرامی فدائے نام علی

دلائل شیعہ (خم غدیر)

شیعہ کے دلائل کا سارا مدار حدیث خم غدیر پہ ہے ——— تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے حجۃ الوداع سے مراجعت فرمائی اور ——— مقام خم غدیر میں قیام فرمایا ——— تو بعض اشخاص نے جو بماتحتی جناب امیر مہم ملک یمن پہ مامور تھے، جناب امیر کی ——— بیجا شکایات کیں ——— حضور نے یہ مصلحت سمجھی کہ عام لوگوں کو جمع کر کے خطبہ فرمایا جس سے اصلی غرض جناب امیر کی بریت اور شاکیوں کو تنبیہ تھی۔ یا معشر المسلمین الست اولیٰ بکم من انفسکم قالوا بلیٰ۔ قال من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللہم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔ ترجمہ :- اے جماعت مسلمانان! کیا میں تمہارے نزدیک تمہاری جانوں سے بہتر نہیں ہوں۔ حاضرین نے کہا: ہاں حضور! پھر فرمایا! جو شخص مجھ کو دوست رکھے۔ علی کو دوست رکھتا ہے۔ بارِ خدایا! جو شخص علی کو دوست رکھے تو بھی اسکو دوست رکھیو۔ اور جو علی کو دشمن رکھے تو اسکو دشمن رکھیو۔ شیعہ کہتے ہیں

کہ یہ خلافت بلافصل حضرت علیؓ کا اعلان تھا جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے حکم سے کیا ـــــــــ جبرائیلؑ نے یہ آیت سنائی۔ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ، واللہ یعصمک من الناس ان اللہ لا یھدی القوم الکافرین۔ (سورۃ مائدہ ع ۱۰) ــــــــ

ــــــــ سو آیت اور حدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو ولایت علی یا خلافت بلافصل پر صراحت یا کنایت سے دلالت کرے۔ حدیث کا صرف اس قدر مفہوم ہے کہ حضرت علی کی شکایات بے بنیاد ہیں۔ ــــــــ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ نبی کو جو احکام حق تعالیٰ سے بابت توحید۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ وغیرہ بھیجے ہیں انکو بخوبی تبلیغ کر دینی چاہیئے۔ ایسا نہ کریں گے تو حق رسالت ادا نہ ہوگا۔ ــــــــ شیعہ دھینگا مشتی سے آیت و حدیث میں ولایت و خلافت کو گھسیٹنا چاہتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا کہ اس کا رسول علی کی خلافت کا اعلان کر دے تو ایسے گول مول الفاظ اور چیستان کی کیا ضرورت تھی؟ صاف طور پہ حکم ہوتا یا ایھا الرسول بلغ بولایۃ علی ـــــــ پھر حضرت ــــــــ صاف طور پر فرما دیتے۔ یا معشر المسلمین انا رسول اللہ وعلی خلیفتی بعد وفاتی ــــــــ شیعہ ایمان سے کہیں کہ اس حدیث اور آیت میں کونسا ایسا لفظ ہے جس سے خلافت و ولایت کا استدلال کیا جا سکتا ہے؟

لفظ مولیٰ:۔ شیعہ کہتے ہیں کہ لفظ مولیٰ سے مراد اولیٰ بالتصرف ہے ــــــــ لیکن جہاں تک کتب لغت کا مطالعہ کیا گیا ہے ہمیں تو اسکا ثبوت نہیں مل سکا۔ قاموس جو لغت عربی کی مستند کتاب ہے اس میں لکھا ہے۔ المولیٰ۔ المالک۔ والعبد۔ والصاحب والقریب۔ کابن العم ونحوہ والجار والحلیف والابن والعم والشریک۔ والرب والناصر والمحب والتابع والصھر۔ (قاموس ج ۳ صفحہ ۲۹۷) ــــــــ اب بتایئے۔ اولیٰ بالتصرف کونسی کتاب میں لکھا ہے۔ اور ایسے مشترک لفظ سے جس کے اسقدر مختلف معانی ہوں حتیٰ کہ غلام۔ تابع۔ حکم اور لیسر پر بھی اس کا اطلاق ہو سکتا ہے استدلال کس طرح صحیح ہو سکتا ہے ــــــــ اس جگہ سوائے محب کے اور کوئی معنی موزوں نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ وال من والاہ وعاد من عاداہ اس بات کا قرینہ موجود ہے ــــــــ

حدیث خم غدیر کا نص خلافت نہ ہونے کا ثبوت کتب شیعہ سے

شیعہ حضرات مسئلہ خلافت بلا فصل ثابت کرنے کے متعلق عجیب چکر کھاتے ہیں اور ہر چند جدوجہد کرتے ہیں لیکن ڈگمگاتی ہوئی کشتی ساحلِ مراد تک نہیں پہنچ سکتی ——— ادھر تو یہ کہتے ہیں کہ حدیث خم غدیر خلافت بلا فصل علی پر نص جلی ہے۔ اُدھر قصہ قرطاس کو دلیل ثابت کرنے کی بے سُود کوشش کرتے ہیں ——— ہم اس امر کو ثابت کرنے کیلئے کہ حدیث خم غدیر سے خلافت بلا فصل جناب امیر کی ثابت نہیں ہوتی۔ کتب شیعہ سے حسب ذیل استدلال کرتے ہیں :- ———

اوّل :- جلاء العیون اردو ——— ج ۱ صفہ ۹۴ ہیں ——— لکھا ہے "پس حضرت نے چشم کھول کر فرمایا اے عباس! اے عم رسولِ خدا! میری وصیت میرے اہل بیت اور میری عورتوں کے حق میں قبول کرو۔ اور میری میراث لو۔ اور میرا دین ادا کرو۔ اور میرے وعدوں کو عمل میں لاؤ۔ اور مجھ کو بری کرو ——— عباس نے کہا یا رسول اللہ! میں پیر مرد عیالدار ہوں ——— اس سے مجھ کو معاف رکھیئے ——— پس حضرت نے فرمایا! میں میراث اسکو دونگا جو قبول کرے۔ ——— پس جناب امیرؑ سے خطاب فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اے علی! تم میری میراث لو ——— میری وصیت قبول کرو ——— اور میرے وعدوں پر عمل کرو۔ ——— اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ وصی کے متعلق پہلے خم غدیر وغیرہ میں فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ ورنہ حضرت عباس کو کیوں کہا جاتا کہ میری وصیت کو قبول کرو۔

دوم :- جلاء العیون ج ۱ صفہ ۹۲ میں لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام نے آخری وقت میں جو خطبہ فرمایا اس میں یہ بھی فرمایا۔ جو شخص والیٔ امر مسلمانان ہو۔ لازم ہے کہ انصار نیکوکار کی رعایت اور بدکار سے درگذر کرے ——— حضور علیہ السلام کے اس آخری خطبہ سے یہ بات روز روشن کیطرح واضح ہے کہ اسوقت تک کسی شخص کو حضور علیہ السلام نے خلیفہ نہیں بنایا تھا۔ ورنہ ——— حضرت علیؓ کو صریح خطاب فرما کر کہتے کہ اے علی! تم میرے بعد والیٔ امر مسلمانان ہو، تم ایسا کرنا اور ویسا کرنا۔ !

سوم :- جلاء العیون ج ۱ صفہ ۹۶ میں ہے ——— حضرت نے لوگوں کو رخصت کیا اور اور سب چلے گئے۔ عباس۔ ان کے بیٹے فضل اور علی بن ابی طالب اور اہلبیت مخصوص رہ گئے۔

عباس نے کہا یا رسول اللہ! اگر امر خلافت ہم بنی ہاشم میں قرار پائے گا پس ہم کو بشارت دیجئے۔ ـــــــــ اور اگر آپ جانتے ہیں کہ ہم پر ستم کریں گے اور ہم سے خلافت غصب کریں گے۔ پس اپنے اصحاب سے ہماری سفارش کیجئے۔ حضرت نے فرمایا! تم کو میرے بعد ضعیف کریں گے اور تم پر غالب ہوں گے ـــــــــ اگر امیر علیہ السلام کی خلافت کا فیصلہ پہلے ہوگیا ہوتا تو اس موقع پر حضرت عباس بجائے "امر خلافت ہم بنی ہاشم میں قرار پائے گا" یوں کہتے کہ اگر خلافت علی جس کا آپ نے فیصلہ کر دیا ہے۔ قائم و بحال رہے گی؟ ـــــــــ

چہارم:۔ کتاب حیات القلوب ج ۲ صفحہ ۲۲۳ میں ہے روایت کردہ اند (بحذف فارسی) ترجمہ روایت ہے کہ عامر بن طفیل اور ازید بن قیس بارادہ قتل آنحضرت آئے جب مسجد میں داخل ہوتے تو عامر نے کہا اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو مجھے کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا تجھے وہ کچھ ملے گا جو تمام مسلمانوں کو ملے گا ـــــــــ پھر اس نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کے بعد مجھے خلیفہ بنا دیں۔ آپ نے فرمایا اس کا اختیار خدا کو ہے۔ مجھے اور تجھے اس بات میں دخل نہیں ہے "سو اگر فیصلہ خلافت بحق علی ہوگیا ہوتا تو آپ کا جواب یہ ہوتا کہ خلافت کا فیصلہ تو ہم بحق علی کر چکے ہیں"۔

پنجم:۔ حیات القلوب ج ۲ صفحہ ۵ میں زیر تفسیر واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا یوں لکھا ہے (بحذف فارسی) علی بن ابراہیم اور عیاشی نے روایت کیا ہے کہ حفصہ کو ماریہ کا حال معلوم ہوا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی تو حضور نے فرمایا خاموش ہو میں نے تمہاری خاطر ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر دیا ہے اور تمہیں میں ایک راز بتاتا ہوں۔ اگر ظاہر کرو گی تو تمہارے لئے برا ہوگا۔ حفصہ نے کہا نہ بتاؤں گی۔ ـــــــــ فرمایا راز یہ ہے کہ میرے بعد ابوبکر زبردستی خلیفہ بن جائیگا۔ اور اسکے بعد تیرا باپ عمر خلیفہ ہوگا۔ حفصہ نے کہا آپ کو کس نے بتایا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ خدا نے مجھے یہ خبر دی ہے۔

اب اس سے صاف ثابت ہوگیا کہ حق تعالےٰ نے خلافت کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع بخش دی تھی کہ آپ کے بعد خلیفہ ابوبکر اور پھر عمر ہونگے ـــــــــ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ـــــــــ کس طرح اس کا فیصلہ حضرت علی کے حق میں فرما سکتے تھے۔ ـــــــــ

ششم:۔ شیعہ کہتے ہیں کہ مقام خم غدیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲ لاکھ

اصحاب کے رُوبرو جناب امیرؑ کی خلافت کا اعلان کر دیا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو ناممکن تھا کہ اصحاب رسول جو حضور کے قول و فعل پہ اپنی جانیں قربان کئے ہوتے تھے۔ حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت علیؑ کو .... سب کے سب چھوڑ جاتے اور فیصلۂ رسول کے خلاف ابوبکر کی خلافت پر اجماع کر لیتے۔ جلاء العیون ص۱۳۹ میں ہے "جب رات ہوتی جناب امیر حسنینؑ کو ہمراہ لے کر ایک ایک گھر مہاجرین و انصار کے پھرے مگر بغیر چار آدمیوں کے اور بروایت تین آدمیوں کے اور کسی آدمی نے بیعت قبول نہ کی ——— اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ میں کچھ ایسا نقص تھا کہ کوئی مسلمان بھی انکا خلیفہ بننا پسند نہ کرتا تھا۔ یا ابوبکر میں کچھ ایسے اوصاف تھے جن کے گرویدہ ہو کر اصحاب رسولؐ نے قاطبۃً انکی بیعت اختیار کر لی۔

اہلسنت والجماعت کے ہاں ایک حدیث ہے لا تجتمع اُمّتی علی الضلالہ ——— ایسا ہی کتب شیعہ سے اسکی تصدیق ہوتی ہے۔ جیسا کہ حیات القلوب ج ۲ ص۱۳۳ میں ہے ——— لامحالہ ماننا پڑے گا کہ یہ بات درست نہیں ہے کہ بمقام خم غدیر آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کی خلافت کا فیصلہ کر دیا تھا۔

ہفتم:۔ خم غدیر کا مسئلہ بلافصل خلافت اس واسطے بھی صحیح نہیں ہے کہ جناب امیر نے دعوئے خلافت کے وقت اس حدیث سے استدلال نہیں کیا۔ ———

ہشتم:۔ حدیث خم غدیر پر بھی شیعہ کو اطمینان نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث قرطاس سے تمسک کر کے اپنا مدعا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ورنہ اگر پہلے ہی مسئلہ خلافت کا فیصلہ ہو چکا تھا تو پھر بوقت وفات اس تکلیف کی حالت میں حضور علیہ السلام کو خلافت کا فیصلہ لکھنے کے لئے قلم دوات منگوانے کی کیا ضرورت تھی! ——— (مسئلہ قرطاس کی بحث آگے آئے گی) ——— آفتاب از ص۱۵۳ تا ۱۵۹)

الجواب جس ڈھٹائی اور بے حیائی سے سطور بالا میں حق پر پردہ ڈالنے اور حقیقت کو مسخ کرنے کی مذموم کوشش کی گئی ہے شاید ہی اسکی کہیں کوئی نظیر مل سکے لیکن قدرت کاملہ کا وعدہ ہے "ویحق اللہ الحق بکلماتہ ولو کرہ المجرمون"۔

چراغے را کہ ایزد برفروزد ٭ اگر کس پف کند ریشش بسوزد

ہم بفضلہ تعالیٰ بڑے اختصار کے ساتھ اصل حقیقت کو قرآن و سنّت کی روشنی میں اجاگر کرتے ہیں تاکہ حق اپنی پوری رعنائی و زیبائی اور تابش و توانائی کے ساتھ طالبانِ حق کے سامنے آسمان صداقت پہ جلوہ گر ہو جائے حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر اسلام ابتدائے اعلانِ نبوت سے لیکر اعلانِ غدیر خم تک برابر وقتاً فوقتاً لوگوں کو بتلاتے و جتلاتے آرہے تھے کہ بحکم خدا میرے بعد میری مسند کا والی وارث حضرت علی مرتضیٰ ہوں گے مگر قدرت کاملہ نے یہ چاہا کہ اب جبکہ آفتاب رسالت کے غروب ہونے کا وقت قریب آگیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا پیمانہ چھلکنے والا ہے تو اتمام حجت کی خاطر غیر مبہم الفاظ میں مجمع عام کے اندر آنجناب کی خلافت و وصایت کا اعلان کرا دیا جائے تاکہ بعد ازاں کسی بھی منکر کیلئے کسی عذر و معذرت کی گنجائش باقی نہ رہ جائے لیھلک

من ھلک عن بینۃ و یحیٰی من حیّی عن بینۃ ؛

آیتِ تبلیغ کا شانِ نزول

فتح مکہ کے بعد ماہ ذیقعدہ ۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلانِ عام کرایا کہ جو شخص رسولِ خدا کے ساتھ آخری حج کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہے وہ تیار ہو جائے ———— لوگ جوق در جوق جمع ہونا شروع ہو گئے۔ چنانچہ جب آپ ۲۵ ذیقعدہ کو بارادہ حج روانہ ہوئے تو آپ کے ساتھ کم از کم نوے ہزار اور زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ بیس ہزار کا مجمع تھا۔ (سیرۃ آف اسلام ص۱۱۳ و تاریخ کامل وغیرہ) راستہ میں برابر اس تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ بالآخر اختتام حج کے بعد یہ سارا مجمع آپ کے ہمراہ تھا۔ جب غدیر خم کے مقام پہ پہنچے (جو کہ مکہ و مدینہ کے درمیان ایک تالاب تھا اور وہاں سے مختلف سمتوں کو راستے پھوٹتے تھے) تو اس وقت ربّ جلیل کے حکم سے جناب جبرائیل یہ آیت لائے :- یاایھا الرّسول بلّغ ما انزل الیک من ربّک وان لّم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من النّاس ان اللہ لا یھدی القوم الکافرین ؛

وہاں کوئی منزل نہ تھی، نہ کوئی سائے کا انتظام تھا۔ تمازتِ آفتاب سے ریگستانِ عرب قیامت کا منظر پیش کر رہا تھا۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہیں رحلِ اقامت ڈال دیا۔ جو لوگ آگے نکل گئے تھے۔ انکو واپس بلوایا۔ جو پیچھے رہ گئے تھے ان کا انتظار فرمایا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پالانہائے شتر یا بروایتے پتھر سے بنائے گئے منبر پہ تشریف لے گئے۔ اور ایک فصیح و بلیغ خطبہ کے بعد ارشاد فرمایا۔ "یا معاشر المسلمین الست اولیٰ بکم من انفسکم" کیا میں تمہاری جانوں کا تم سے زیادہ مالک اور ان میں تصرف کا تم سے زیادہ حقدار نہیں ہوں؟ سب نے بیک زبان ہو کر کہا بلیٰ، بلیٰ! ہاں ہاں! تب آپ نے فرمایا۔ من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ جس کا میں مولیٰ ہوں اس کے علی بھی مولیٰ ہیں۔

پھر دعا کرتے ہوئے فرمایا: اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ یا اللہ! جو شخص علی سے دوستی رکھے تو اس سے دوستی رکھ۔ اور جو شخص علی سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ۔ جو علی کی نصرت کرے تو اسکی نصرت کر اور جو علی کی نصرت نہ کرے تو بھی اسکی امداد نہ کر۔"
(ملاحظہ ہو تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۲۹۸، ارجح المطالب باب ۲ ص ۵۳، مستدرک حاکم، مناقب ابن مردویہ، حلیۃ الاولیاء حافظ ابو نعیم اصفہانی، ابن عساکر، تفسیر کبیر فخر الدین ج ۳ ص ۶۳۲، اسباب النزول واحدی ص ۱۵۰ مطالب السئول، فصول مہمہ، عمدۃ القاری وغیرہا) ان سب حضرات نے اپنی نامبردہ کتب میں تصریحات فرمائی ہیں کہ یہ آیت مبارکہ بمقام غدیر خم نازل ہوئی۔

حضرت امیرؑ کے اسم گرامی کی تصریح

—— اہلسنت والجماعت کی کتب تفسیر وحدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس آیت مبارکہ میں حضرت امیر علیہ السلام کے اسم گرامی کی تصریح موجود تھی —— چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۲۹۸ طبع مصر میں باسناد ابن ابی حاتم، ابن عساکر اور ابن مردویہ ابی سعید خدری اور ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ "کنا نقرأ علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ان علیا مولی المومنین" یہ دونوں بزرگوار بیان کرتے ہیں کہ ہم عہد نبوت میں یہ آیت اس طرح پڑھا کرتے تھے —— یا ایھا الرسول ...... ان علیا مولی المومنین۔ اے رسول۔ جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے کہ (علی اہل ایمان کے مولا و آقا ہیں) لوگوں تک پہنچا دو۔ (کذا فی تفسیر فتح البیان ج ۳ ص ۸۹ وحبیب السیر ص ۱۴۳ وارجح المطالب ص ۲۰۲ وتفسیر مظہری ج ص ۱۵۳ وغیرہ)

اہلجماعت کی تحریف

مگر حالات وکوائف سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء جماعت نے اس آیت مبارکہ میں دو قسم کی تحریف کی ہے۔ ایک لفظی دوسری مقامی۔ لفظی اس طرح کہ آیت سے پیغام "ان علیا مولی المومنین" غائب کر دیا۔ اور مقامی اسطرح کہ جو آیت پہلے اتری تھی (یا ایھا الرسول بلغ) اسکو ترتیب میں بعد اور جو بعد میں اتری تھی (الیوم اکملت لکم دینکم) اسے پہلے جگہ دے دی۔ اور اپنے تئیں (یحرفون الکلم عن مواضعہ) کی تہدید شدید کا مصداق ٹھہرایا (وعذاب الاخرۃ اشد وابقی)

رسم دستار بندی

جب ولی عہدی کا اعلان واجب الاذعان ہو چکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب امیرؑ کو دستار بند کر کے اس تقریب کو (من کل الوجوہ) مکمل کر دیا

چنانچہ جناب امیر بیان فرماتے ہیں عممنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم فسدلہا خلفی وفی لفظ فسدل طرفیہا علی منکبی وقال ان اللہ امدنی یوم بدر وحنین بملائکۃ یعتمون ہذہ العمامۃ الخ ...... جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خم غدیر کے دن میرے سر پہ عمامہ باندھا اور اس کا ایک شملہ میرے پیچھے ڈال دیا۔ (دوسری حدیث کے مطابق) دونوں سرے میرے کندھوں پر ڈال دیئے اور فرمایا خدا نے بدر و حنین کے دن جن فرشتوں کے ذریعہ میری امداد کی تھی انہوں نے اسی طرح عمامے باندھے ہوئے تھے۔ (ملاحظہ ہو کنز العمال ج ۸ ص ۶۰، الریاض النضرۃ ج ۲ ص ۲۱۷، عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۳۳ وغیرہ)

تقریبِ سلام و مبارکبادی

متعدد اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ سلموا علی علی بامرۃ المومنین یعنی جناب علی کو امیر المومنین کہہ کر سلام کرو۔ چنانچہ صحابہ کرام نے تعمیل حکم کرتے ہوئے آنجناب کو سلام کیا اور ہدیہ مبارکباد پیش کیا۔ (ملاحظہ ہو شرح مواقف ص ۶۱۳، حبیب السیر ج ۱ ص ۱۴۴، معارج النبوۃ رکن ۴ ص ۱۷۰، کنز العمال ج ۸ ص ۶۰ وغیرہ) اسی سلسلہ کی ایک کڑی جناب عمر کی بایں الفاظ مبارکبادی ہے "بخ بخ یا ابن ابی طالب اصبحت مولائی و مولیٰ کل مومن و مومنۃ (حبیب السیر ج ۳ ص ۱۴۴ طبع بمبئی) وتفسیر کبیر رازی ج ۳ ص ۶۳۶، سر العالمین غزالی ص ۹ وغیرہ)

آیتِ تکمیلِ دین کا نزول

یہ حضرت امیر علیہ السلام کے فعلی تقررِ خلافت کا آخری عملی مظاہرہ تھا ورنہ قولی تقرر کا اعلان تو اکثر ہوتا رہتا تھا یہ اعلان آج کوئی نئی بات نہ تھی ــــــ بلکہ قاعدہ کے موافق صرف رسم ولی عہدی پوری کی گئی۔ خدا اسی فعلیت کا خواہاں تھا ــــــ یہی دان لم تفعل فما بلغت رسالتہ کا مفاد و ماحصل تھا ــــــ الغرض جب یہ سب کچھ ہو گیا تو خداوند عالم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکمیل دین کی سند دیتے ہوئے۔ یہ آیت نازل فرمائی الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ ملاحظہ ہو تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۲۵۹ طبع مصر تذکرۃ سبط ابن جوزی ص ۱۸ طبع ایران۔ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۲۔ ارجح المطالب وغیرہ)

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بشارتِ عظمیٰ سن کر بہت خوش و خرم ہوئے اور فرمایا "اللہ اکبر علی اکمال الدین واتمام النعمۃ ورضی الرب برسالتی و ولایۃ علی بن ابی طالب" (مفتاح النجا، مناقب آل العباد فاضل بدخشی) ــــــ ہم ہر اس شخص سے جو پہلو میں دل اور دل میں انصاف رکھتا ہے اور تعصب و عناد نے اس کی چشم بصیرت و بصارت کو مؤلف آفتاب ہدایت کی طرح اندھا نہیں کر دیا۔ اپیل کرتے ہیں کہ وہ خدا کو حاضر و ناظر سمجھ کر ان حقائق کی روشنی میں بتائے کہ یہ آیت در روایت (غدیر خم جناب امیر علیہ السلام کی

خلافت بلا فصل کی نص صریح ہے یا نہ؟ مؤلف آفتاب کا یہ بیان کہ "آیت اور حدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو ولایت علی یا خلافت علی پہ صراحت و کنایت سے دلالت کرے" (آفتاب ص۱۵۳) کس قدر حقیقت سے دور اور علی دشمنی کے قریب ہے نیز مؤلف نے (من کنت مولاہ فعلی مولاہ) کا جو ترجمہ کیا ہے وہ جہالت مرکبہ و ضلالت مجسمہ کا بدترین نمونہ ہے۔ سچ ہے۔ انہا لا تعمی الابصار بل تعمی القلوب التی فی الصدور۔

لفظ "مولی" کی تحقیق اب ہم مؤلف کے تار عنکبوت سے بھی کمزور تر اعتراضات کے عقلی و نقلی جوابات پیش کرتے ہیں۔ تاکہ اس آیت و حدیث کی دلالت بر خلافت بلا فصل جناب امیرؑ بالکل واضح و آشکار اور راس آسمان کا مطلع بے غبار ہو جائے ———— مؤلف کا یہ کہنا کہ "مولی بمعنی اولیٰ کسی کتاب میں نہیں ہے"۔ یہ انکی قرآن۔ حدیث اور لغت عرب سے ناواقفی وجہالت کی بین دلیل ہے۔ ذیل میں ہم بڑے اختصار کے ساتھ قرآن و حدیث اور لغت عرب سے مولی کا بمعنی اولیٰ استعمال ہونا پیش کرتے ہیں:۔

——مولی بمعنی اَولیٰ در قرآن——

فالیوم لا یؤخذ منکم فدیۃ ولا من الذین کفروا ماوٰکم النار ھی مولٰکم وبئس المصیر۔ آج (قیامت) کے دن تم مجرموں سے کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائیگا اور نہ ہی ان لوگوں سے کیا جائے گا۔ جنہوں نے کفر اختیار کیا۔ تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے۔ وہی تمہارے لئے زیادہ موزوں ہے۔ اور جہنم بہت ہی بری جائے بازگشت ہے"۔ لفظ مولٰکم کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کے معنی ہیں ھی اولٰی جیسا کہ تفسیر فیروزآبادی ص۳۴۲ تفسیر کبیر ج ۸ ص۱۳۴ بیضاوی ج ۲ ص۲۹۵ طبع مصر۔ تفسیر کشاف ج ۲ ص۳۵ طبع قدیم مصر۔ تفسیر خازن ج ۴ ص۲۲۳۔ غریب القرآن محمد بن ابی بکر رازی ہیں "المولی اولیٰ بالشیٔ" لکھا ہے۔

مولی بمعنی اولیٰ در حدیث کتب حدیث میں ایک مشہور حدیث مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ایما امرأۃ نکحت بغیر اذن مولاھا فنکاحھا باطل۔ ہر وہ عورت جو اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے"۔ علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد ص۲۸۹ میں اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے "مولاہ" کی تشریح میں لکھا ہے "ای اولیٰ بھا"۔

مولی بمعنی اولیٰ در اشعار شعراء عرب نے بھی اپنے اشعار آبدار میں مولی کو بمعنی اولیٰ استعمال کیا ہے چنانچہ لبید اپنے قصیدہ بائیہ میں کہتا ہے۔ ————

فغدت کلا الفرجین تحسب انہ ٭ مولی المخافۃ خلفھا وامامھا

فاضل زوزنی کی شرح سبعۂ معلقہ میں اس شعر کی شرح کرتے ہوئے "مولی" کی تشریح میں لکھا ہے۔ ان المولی فی ھذا البیت بمعنی اولی بالشئی الاتبنی کہتا ہے :-

حتی یشار الیک ذا مولاھم ✤ وھم الموالی والخلیقۃ عبید

یعنی ممدوح کی طرف اشارہ کرکے کہا جاتا ہے کہ یہ ان (بنی طئی) کا سید و سردار ہے۔ حالانکہ وہ (بنی طئی) تمام لوگوں کے سردار ہیں۔ اور عام لوگ انکے غلام ہیں۔ فاضل برقوقی اس شعر کی شرح میں لکھتے ہیں۔

حتی یشیر الناس فیقولوا ھذا مولی طی ای رئیسھم وسیدھم وھم سادۃ الخلق والخلق عبیدھم (ج ۲ ص ۳ طبع مصر) ؛

مولیٰ بمعنی اولیٰ در لغت

ابوبکر انباری نے مشکل القرآن میں مولی کے معانی لکھتے ہوئے لکھا ہے۔ احدھا الاولی بالشئی " اسی طرح خطیب تبریزی نے شرح دیوان حماسہ میں مولی کے ایک معنی " الاولی بالشئی " بیان کئے ہیں۔ ایسا ہی ابو العباس المبرد نے اپنی کتاب العبارۃ عن صفات اللہ (علی ما حکی عنہ) میں تصریح کی ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں واضح و عیاں ہوگیا۔ کہ کلام عرب میں مفعل بمعنی افعل کا استعمال نہ صرف جائز ہے بلکہ کثیر الوقوع بھی ہے ؛

ایک عظیم شبہ کا جواب

باقی رہا مؤلف کا یہ کہنا کہ " یہ لفظ مشترک ہے۔ اسکے مختلف معانی ہیں اس سے استدلال صحیح نہیں ہے" اور یہ کہ اس جگہ سوائے محب کے اور کوئی معنی موزوں نہیں ہے" اور یہ کہ وال من والاہ و عاد من عاداہ اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں مولی بمعنی دوست ہے" اس شبہ کے دو قاطع جواب دیئے جا سکتے ہیں۔

پہلا یہ کہ کسی لفظ کے چند معنوں میں استعمال ہونے سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ وہ لفظ مشترک ہے۔ جب تک ان سب میں بطور حقیقت استعمال نہ ہو۔ ورنہ حقیقت و مجاز کا احتمال برابر قائم رہتا ہے۔ لہٰذا ممکن ہے کہ لفظ مولیٰ" اولیٰ میں حقیقت اور دوسرے معانی میں مجاز ہو۔ واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

دوسرا یہ کہ بنا بر تسلیم اینکہ یہ لفظ ان تمام مختلف معانی میں مشترک ہے تو یہاں ایک دو نہیں بلکہ پورے دس عدد قرائن قطعیہ اس بات پر موجود ہیں کہ یہاں مولیٰ بمعنی اولیٰ ہے ؛

پہلا قرینہ :- اس حدیث کی ابتداء میں وارد شدہ جملہ الست اولی بکم من انفسکم ہے جو اس بات کا قطعی قرینہ ہے کہ اسکے بعد والے لفظ مولی سے یہی اولی والے معنی مراد ہیں اور یہ جملہ آیت قرآنی النبی اولی بالمومنین من انفسھم سے مقتبس ہے۔ جسکے متعلق مفسرین نے لکھا ہے۔ ای فی الامور کلھا۔ (تفسیر بیضاوی ج ۷ ص ۱۶۵ طبع مصر) لہٰذا جن معنوں میں نبی مولا ہیں انہی معنوں میں علی بھی مولا ہونگے۔

ولنعم ما قیل

چرا در معنی من کنت مولا می روی ہر سو
علی مولا بآں معنی کہ پیغمبر بود مولا

دوسرا قرینہ: اس حدیث اور اسکے اس اہتمام سے واضح و عیاں ہے کہ آج جناب امیرؑ کی وہ خصوصیت بیان ہو رہی ہے۔ جس میں اور کوئی صحابی رسولؐ آپ کا شریک نہیں۔ اور وہ یہی ہے۔ مگر یہی اولیٰ بالتصرف ہونے کی خصوصیت۔ ورنہ محب و ناصر تو ایسے عمومی صفات ہیں۔ جن میں تمام اہل ایمان باہم شریک ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔ المومنون بعضہم اولیاء بعض۔ کہ بعض مومن دوسرے بعض کے محب ہیں۔ اگر یہی معنی یہاں مراد ہوتے تو پھر اسقدر اہتمام و انتظام کی کیا ضرورت تھی؟؟

تیسرا قرینہ: حضرت علی سے محبت رکھنے اور انکی نصرت کرنے کے متعلق تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبل ازیں بار بار تاکیدی حکم دے چکے تھے۔ جیسے یا علی حبک ایمان و بغضک کفر و نفاق؛ من احب علیا فقد احبنی؛ تو پھر اس تحصیل حاصل (جو کہ محال ہے) اور اسقدر اہتمام (جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے) کے کیا معنی ہیں؟ ماننا پڑے گا کہ حضرت علی کی خلافت و ولایت کا یہی علی اعلان تھا جس کے بغیر تمام کار رسالت اکارت ہو رہا تھا۔

چوتھا قرینہ: حارث بن نعمان فہری کا واقعہ بھی اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ یہاں مولیٰ بمعنی اولیٰ بالتصرف یعنی بمعنی حاکم و سردار ہے۔ وہ اہل زبان تھا۔ اس نے اس لفظ سے یہی مطلب سمجھا اور اپنی شقاوت و بدبختی سے اپنی ہلاکت منظور کر لی۔ مگر ولایت و خلافت علوی کا اقرار کرنا گوارا نہ کیا۔ تفصیل کیلئے درج ذیل کتب ملاحظہ ہوں۔ (تفسیر قرطبی ج ۱۸ صفحہ ۲۷۸ طبع مصر، تفسیر سراج منیر ج ۴ ص ۳۶۴، تذکرہ سبط ابن جوزی ص ۱۹، فتح القدیر ج ۲ ص ۵۷ وغیرہ)

پانچواں قرینہ: سطور بالا میں متعدد کتب اہلسنت کے حوالہ جات سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر خم والا اعلان فرمایا تو صحابہ کرام نے بالعموم اور ابن الخطاب نے بالخصوص جناب امیرؑ کی خدمت میں مبارکباد پیش کی۔ بخ بخ لک یا ابن ابی طالب لقد اصبحت مولای و مولیٰ کل مومن و مومنۃ۔ یہ بھی اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ یہاں انہوں نے مولیٰ کو بمعنی اولیٰ سمجھا تھا۔ ورنہ صرف اخوت و محبت مراد ہونے کی صورت میں مبارکباد کوئی معنی نہیں رکھتی ——— صواعق محرقہ ص ۲۶ طبع قدیم مصر، پر صراحت موجود ہے کہ ابوبکر و عمر نے اس حدیث سے یہی معنی سمجھے تھے۔ فراجع۔

چھٹا قرینہ: سابقہ سطور میں اس بات کے ثبوت میں متعدد کتب کے حوالہ جات پیش کئے

جا چکے ہیں کہ اس اعلان کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو حکم دیا تھا کہ حضرت امیرؑ کو امیر المومنین کہہ کر سلام کریں۔ یہ اس بات کا قطعی قرینہ ہے کہ مولی سے مراد اولی بمعنی سردار ہے۔

ساتواں قرینہ: جناب حسان بن ثابتؓ (جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درباری شاعر تھے) نے اس پورے واقعہ کو نظم کیا ہے۔ ان کے اشعار آبدار سے بھی یہی آشکار ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی اس حدیث سے یہی سمجھا تھا کہ یہ حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان ہے چنانچہ کہتے ہیں۔

فقال لہ قم یا علی فاننی ۔۔ رضیتک من بعدی اماماً وهادیاً

یعنی جناب رسول خدا نے فرمایا "اے علی اٹھو کیونکہ میں نے تمہیں اپنے بعد لوگوں کا ہادی و راہنما منتخب کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو تذکرہ سبط بن جوزی، مطالب السئول، ینابیع المودہ اور جلاء العیون وغیرہ)

آٹھواں قرینہ: اس اعلان کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جناب امیرؑ کے دوستوں کے لئے دعائے خیر اور مخالفوں کے لئے بددعا کرنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں مولی سے مراد اولی بالتصرف ہی ہے جیسا کہ مرسوم ہے کہ اعلان ولیعہدی کے بعد اس قسم کی دعائیں کی جاتی ہیں جن سے مقصد ولیعہد کی اطاعت کی رغبت دلانا اور نافرمانی سے ڈرانا مقصود ہوتا ہے۔

نواں قرینہ: اس اعلان کے بعد آیت تکمیل دین کا نزول۔ جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ آج آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عظیم الشان فرض کی ادائیگی سے سبکدوش ہو رہے تھے جس پر دین اسلام کی تکمیل کا دارومدار تھا۔ اور یہ امامت و خلافت علی ہی ہو سکتی ہے نہ کہ اعلان محبت علی وغیرہ۔

دسواں قرینہ: خود امیر المومنینؑ کا مختلف و متعدد مقامات پر اپنی خلافت و امامت کے اثبات میں حدیث شریف (من کنت مولاہ فعلی مولاہ) کے ساتھ تمسک و استدلال کرنا بھی اس بات کا قطعی قرینہ ہے کہ یہ حدیث جنابؑ کی خلافت بلا فصل کی ناقابل تردید دلیل ہے۔ (ملاحظہ ہوں کتب ذیل: مناقب خوارزمی ص ۲۱۲، شرح نہج البلاغہ حدیدی ج ۲ ص ۶۱، فرائد السمطین حموینی باب ۵۸، اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۰۷، اصابہ ج ۲ ص ۴۰۸ طبع مصر، تذکرہ خواص الامۃ ص ۱۷ طبع ایران، مروج الذہب ج ۲ ص ۴۳۷ طبع جدید مصر) والحمد للہ علی وضوح الحق والحقیقۃ۔

(مؤلف کے ہشتگانہ اعتراضات کے جوابات)

اب ہم ذیل میں مؤلف کے ان آٹھ عدد ایرادات کے ترتیب وار جوابات پیش کرتے ہیں جو انہوں نے بزعم

دلائل حدیث غدیر خم کے نص خلافت ہونے کے سلسلہ میں پیش کئے ہیں لیکن حقیقت میں ان کا اس موضوع سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جیسا کہ عنقریب واضح و عیاں ہو جائے گا۔ انشاء اللہ

۱۔ اوّل: چنانچہ اس سلسلہ میں جلاء العیون مترجم اردو صفحہ [illegible] سے جو روایت نقل کی ہے یہ جلاء العیون فارسی کے صفحہ [illegible] پر موجود ہے اور ایک طویل روایت کا ٹکڑا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صرف ذاتی اور نجی امور اور اپنے خاندان کے متعلق وصایت کا تذکرہ ہے۔ جیسا کہ اس کے وہ الفاظ جو خود مؤلف نے نقل کئے ہیں۔ اس پر شاہد ہیں: "اے عباس اے عم رسول خدا میری وصیت میرے اہلبیت اور میری عترت کے حق میں قبول کرو اور میری میراث لو اور میرا دین ادا کر دو۔" بھلا اس کا اسلامی خلافت عظمیٰ اور نہ امامت کبریٰ کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ جس کا فیصلہ غدیر خم کے مقام پر ہو چکا تھا۔

۲۔ دوم: نیز اس سلسلہ میں جلاء العیون صفحہ [illegible] سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری خطبہ کا جو اقتباس پیش کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں سے بعد والے والی کو انصار کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وصیت فرمائی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں اس طرف اشارہ موجود ہے کہ جس بزرگوار کو خدا و رسولؐ نے اس منصب جلیل کیلئے نامزد کیا ہے۔ آپ کے بعد ان سے ظاہری اقتدار چھین لیا جائے گا چنانچہ مؤلف کے پانچویں ثبوت میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ آنحضرتؐ نے گول مول لفظوں میں والی بننے والے کو حکم دیا کہ انصار کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

۳۔ سوم: مؤلف نے جلاء العیون صفحہ [illegible] سے جناب عباسؓ اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جس مکالمہ سے استدلال کرنے کی سعی کی ہے یہ محض ان کی خوش فہمی ہے۔ ورنہ اس کے مقصد سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ اس سے ان کے موقف کی نفی ہوتی ہے۔ جناب عباس کے اس سوال "یا رسول اللہ! اگر امر خلافت ہم بنی ہاشم میں قرار پائے گا پس ہم کو بشارت دیجئے" کا مطلب یہ ہے کہ امر خلافت ہم میں مستقر و قائم اور بحال رہے گا؟ جس کا قرینہ اسی کلام کے دوسرے جزو میں موجود ہے کہ "اور اگر آپ جانتے ہیں کہ ہم پر ستم کریں گے اور ہم سے خلافت غصب کریں گے" یہ اس صورت میں صحیح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کو خلیفہ مقرر کر چکے تھے۔ ورنہ صحابہ کے خلافت کو غصب کرنے کا کیا مطلب ہے؟

۴۔ چہارم: مؤلف نے حیات القلوب ج ۲ صفحہ [illegible] سے عامر بن طفیل اور اربد بن قیس کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جس گفتگو سے استدلال کرنے کی کوشش کی ہے یہ بھی اصل موضوع سے غیر متعلق ہے۔ اگر یہ گفتگو واقعہ غدیر خم کے بعد ہوئی ہوتی تب بھی اس استدلال کی کچھ وجہ ہو سکتی تھی۔ لیکن جب یہ اس سے پہلے کا واقعہ ہے تو پھر اس کے ساتھ تمسک کرنے کا کیا وزن باقی رہ جاتا ہے؟ ویسے بھی یہ منصب خدا ہی کا ہے کہ خلیفہ بنانا

نبی کا کام نہیں ہے۔ بلکہ خلیفہ خدا بناتا ہے۔ البتہ اس کا اعلان نبی سے کراتا ہے۔ جیسا کہ آدمؑ سے خاتم تک ملاحظہ ہو رہا ہے۔

۵۔ پنجم:۔ مؤلف نے حیات القلوب سے بذیل تفسیر و اذ اسر النبی الآیۃ ....

جو روایت نقل کی ہے وہ "الغریق یتشبث بکل حشیش" یعنی ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کی بدترین مثال ہے۔

اولاً تو یہ روایت موضوع و من گھڑت ہے (ملاحظہ ہو میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ ۲۹۲ طبع مصر بذیل ترجمہ خالد بن اسماعیل المخزومی المدنی ذہبی نے اس راوی کے اکاذیب میں اس روایت کو بھی شمار کیا ہے۔ ثانیاً:۔ بنابر تسلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دوسری بکثرت پیشنگوئیوں کی طرح یہ بھی ایک پیشنگوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی آنیوالے واقعہ کی پیشگی اطلاع دینے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ اس میں خدا و رسولؐ کی رضا ہے؟ جسطرح یاجوج و ماجوج اور خروج دجال اور دیگر واقعات کی پیشگوئی سے اُنکی حقانیت لازم نہیں آتی اسی طرح ابوبکر و عمر کے تخت حکومت پر قابض ہونے کی اطلاع سے اُنکی خلافت کی صداقت بھی لازم نہیں آتی۔ خصوصاً جبکہ روایت میں "ابوبکر بعد از من بجور خلیفہ خواہد شد" کی صراحت بھی موجود ہے کہ وہ ستم و جور سے خلیفہ بنے گا۔

ع حیثیت یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما

ثالثاً۔ اگر یہ روایت خلافت ابوبکر و عمر کی نص ہوتی تو پھر اسے صیغہ راز میں رکھنے، اور اس راز کے افشا پر عائشہ و حفصہ کی "قد صغت قلوبکما" (تم دونوں کے دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں) کہہ کر خدا کو سرزنش کرنے کیا ضرورت تھی؟ بلکہ واقعۂ غدیر کی طرح اس کا اعلان کرنا لازم تھا تاکہ بعد میں خلافت نبوی کے متعلق کسی قسم کا کوئی جھگڑا و فساد نہ ہوتا۔ واذ لیس فلیس۔ ع

اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است!

۶۔ ششم:۔ مؤلف نے یہ جو بیان کیا ہے کہ اگر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلافت کا فیصلہ بحق علی علیہ السلام کر گئے ہوتے تو یہ کس طرح ممکن تھا کہ سب اصحاب اُن کو چھوڑ کر خلافت ابوبکر پر اجماع کر لیتے۔ یہ محض ایک استبعاد ہے جسکی وجہ سے ایک ثابت شدہ حقیقت سے دست برداری اختیار نہیں کی جا سکتی اور اسے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

البتہ دفع استبعاد کیلئے اسقدر بیان کر دینا کافی ہے کہ کیا یہ حقیقت قرآن سے ثابت نہیں کہ حضرت موسیٰ جب چند روز کیلئے کوہ طور پر تشریف لے جا رہے تھے تو آپ نے ہزاروں اصحاب کے مجمع میں اپنے بھائی جناب ہارون کو اپنا خلیفہ نامزد کیا تھا۔ (یا ہارون اخلفنی فی قومی) اور ان سب کو ان کے اتباع کا حکم بھی دیا تھا۔ مگر قرآن گواہ ہے کہ سوائے معدودے چند اصحاب کے باقی سب گوسالہ سامری کی پرستش کر کے گمراہ ہو گئے۔ اور منصوص خلیفہ سے منحرف ہو گئے۔ تو جو نقص جناب ہارون میں اور فضیلت گوسالہ میں تھی وہی نقص یہاں حضرت علی اور فضیلت ابوبکر میں تھی۔ کہ سوائے معدودے چند اصحاب کے باقی سب حضرت علی کو چھوڑ کر ابوبکر کے حلقۂ بیعت

میں شامل ہو گئے حقیقت یہ ہے کہ یہ کہنا غلط ہے کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قاطبۃً ابوبکر کی بیعت اختیار کر لی تھی ہم قبل ازیں کیفیت انعقاد بیعت ابی بکر میں ثابت کر چکے ہیں کہ ابوبکر کی خلافت پہلے پہل صرف عمر کے بیعت کرنے سے منعقد ہوئی۔ (شرح مواقف ص۳۲ وغیرہ) یا پھر بعد ازاں انہی کی دھینگا مشتی سے اور بعض لوگوں نے بھی کر لی۔ ورنہ بنی ہاشم آخر تک مخالف رہے۔ دیکھو بخاری ج ۴ ص۱۱ کتاب الحدود وجناب سعد بن عبادہ نے آخر وقت تک بیعت نہیں کی۔ (الامامۃ والسیاسۃ ص۱۱ طبع مصر) . . . .

اور حدیث لا تجتمع امتی علی الضلالۃ بنا بر تسلیم اس صورت میں حجت ہے . . . . کہ پوری امت مسلمہ میں سے ایک بھی مخالف نہ ہو . . . . جیسا کہ کتاب نور الانوار ص۲۲۳ طبع مصر) میں تصریح موجود ہے کہ

والشرط اجماع الکل وخلاف الواحد مانع کخلاف الاکثر لان لفظ امتی فی قولہ ﷺ لا تجتمع امتی علی ضلالۃ یتناول الکل" یعنی اس اجماع میں یہ شرط ہے کہ تمام امت جمع ہو اور اگر ایک آدمی بھی مخالف ہو تو اسطرح اجماع ثابت نہ ہوگا۔ اور یہ اسلئے کہ اسطرح معصوم بھی اس میں شامل ہونگے۔ ولعنت اللہ علی کل اجماع خرج منہ علی بن ابی طالب " خدا کی لعنت ہو ہر اس اجماع پر جس سے حضرت علی خارج ہوں" (محلی ابن حزم ظاہری سفر پنجم وہفتم بذیل مسند نسخ قرعہ ص۲۵ طبع مصر) :

۷۔ ہفتم :۔ مؤلف نے جو یہ بیان کیا ہے کہ حضرت علیؑ نے اس حدیث سے استدلال نہیں کیا" یہ انکی کوتاہ نظری اور تاریخی واقعات سے جہالت کی دلیل ہے ورنہ متعدد مقامات پر جناب امیر علیہ السلام کا اپنی خلافت بلا فصل پر اس حدیث شریف سے استدلال کرنا کتب سیر و تواریخ سے ثابت ہے۔ جیسا کہ ابھی اوپر دسویں فصل میں ہم متعدد کتب اہلسنت کے حوالہ جات سے ثابت کر چکے ہیں : فراجع)

۸۔ ہشتم :۔ مؤلف نے جو یہ بیان کیا ہے کہ شیعہ کو حدیث خم غدیر سے اطمینان نہیں تب ہی تو حدیث قرطاس سے تمسک کرتے ہیں۔ ! یہ انکے دماغی خلل کی غمازی کرتا ہے۔ ورنہ وہ خود بتائیں کہ کیا ایک مقصد کے اثبات کیلئے متعدد دلائل نہیں ہو سکتے ؟ اور کیا تقریر و تحریر میں تضاد پایا جاتا ہے۔ ؟ اگر کوئی مطلب پہلے بذریعہ تقریر بیان کر دیا جائے اور پھر اسے ضبط تحریر میں لایا جائے تو کیا وہ اسطرح زیادہ پختہ اور مضبوط اور ناقابل انکار حد تک یقینی نہیں ہو جاتا ؟ ؟ ؟ ؟ ؟ ؟ یہاں یہی صورت حال درپیش تھی۔ گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے خلافت علوی کا اعلان کر چکے تھے۔ مگر آخری وقت چاہتے تھے کہ اسے ضبط تحریر میں بھی لے آئیں تاکہ یہ مطلب اسقدر پختہ ہو جائے کہ کسی کو یارائے انکار نہ رہ جائے۔ مگر مؤلف کے پیشوا یہ مطلب تاڑ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ تحریر نہ لکھنے دی۔ (تفصیلات کا انتظار کیجئے)

نوٹ :۔ مؤلف نے اس آیت کا جو شان نزول بیان کیا ہے۔ یہ ایجاد بندہ یا انکی طرح دوسرے بعض نواصب

سر ڈھانپا
کی اختراع ہے ورنہ ظاہر ہے کہ چند آدمیوں کی شکایت پر اس قدر اہتمام کرنے کی کیا ضرورت تھی ؟ صرف انہی لوگوں کو سرزنش کردی جاتی وبس

سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجا است!

فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید ؛

شیعہ کی دوسری دلیل

حضرت علیؓ کی خلافت بلا فصل کے متعلق دوسری دلیل شیعہ کی یہ آیت ہے: انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون ؛ ترجمہ: تمہارے مددگار خدا اور رسول خدا ہیں۔ اور مومن لوگ جو نماز روزہ قائم کرتے ہیں۔ اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور رکوع و سجود کرنے کے عادی ہیں"؛

——— حالانکہ آیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے ولایت امیر علیہ السلام ثابت ہو۔ اگر لفظ "مولیٰ" سے استدلال ہے تو یہاں خدا اور رسولؐ اور ان مومنوں پر اس کا اطلاق کیا گیا ہے جو نماز روزہ و زکوٰۃ کے پابند ہیں۔ تمام صیغے جمع کے ہیں پھر ان سے ایک فرد حضرت علی مراد لینا انصاف کا خون کرنا ہے ——— شیعہ نے اس موقعہ پر ایک عجیب روایت وضع کی ہے۔ جیسا کہ اصول کافی کتاب ص۲۸۸ میں ہے۔ (بجنسہ عربی) ترجمہ: ..... امیر المومنین ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ چنانچہ دو رکعت نماز ادا کر چکے تھے۔ آپ ایک قیمتی شال اوڑھے ہوئے تھے جس کی قیمت ایک ہزار دینار تھی۔ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ ... وسلم نے آپ کو دی تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نجاشی نے بطور ہدیہ بھیجی تھی۔ پس ایک سائل آیا۔ اس نے کہا اے ولی اللہ! اور مومنوں کے سردار! مسکین کو کچھ خیرات دیجئے۔ آپ نے وہ شال سائل کی طرف پھینک دی اور ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اسکو لے جا۔ تب خدا نے آیت انما ولیکم اللہ اتاری ؛

ہمارا جواب: ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ آیت کا کوئی لفظ ایسا نہیں جو حضرت علی کی ولایت اور خلافت پر دلالت کرے ——— قاموس میں لکھا ہے الولی القرب والدنو والولی الاسم منہ المحب والصدیق والتابع ؛

اب بتائیے کہ لفظ "ولی" سے خلافت اور ولایت پر کس طرح دلیل لی جاسکتی ہے؟

——— روایت بالا کے موضوع ہونے کے دلائل:

اول: حضرت علی المرتضیٰ کی شان والا کی نسبت یہ گمان کرنا کہ وہ دنیا داروں کی قیمتی پوشاک پہنتے تھے

جو قریباً پچیس ہزار روپے کی ہو۔ آپ کی صوفیانہ اور متقیانہ حیثیت پر ایک سخت حملہ ہے ۔۔۔

۔۔۔ حضرت فاطمۃ الزہراؑ کے ناطہ کے خواستگار ہونے وقت ۔۔۔ مفلسی کا اظہار کیا ۔۔۔ سامان شادی خریدنے کے وقت زرہ فروخت کی۔

۔۔۔ علامہ حائری، غایۃ المقصود صفحہ ۱۵۲ پر رقمطراز ہیں ۔۔۔

ترجمہ:۔ ۔۔۔ خاندان نبوت حضرت علیؑ کے گھر میں کمال زہد و تقویٰ سے تین تین روز فاقہ گذارتے تھے۔ حتیٰ کہ آیت یطعمون الطعام نازل ہوئی۔ مرزا قادیانی کا یہ حال ہے کہ خلیل خانی شال امرکشمیری چادر ریشمی پارچات کا استعمال ہوتا ہے اور اہلبیت کا یہ حال ہے کہ کھجور کی چھال کی بنی ہوئی بوریا، بلکہ اکثر اوقات خاک زمین پر لیٹ جایا کرتے ۔۔۔

۔۔۔ ایسی بیش قیمت پوشاک کا استعمال اسراف و تبذیر میں داخل ہے جو ایک متقی مؤمن پسند نہیں کرتا۔ چہ جائیکہ علی المرتضےٰ جیسے متقی متورع تارک الدنیا عالی مرتبت امام کی نسبت خیال کیا جائے ۔۔۔

دوم:۔ اگر مان بھی لیا جائے کہ حضرت علی نے ایسی ریشمی طلائی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ اور نماز پڑھ رہے تھے۔ تو پھر یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کہ سائل اتنا بھی انتظار نہ کرے کہ آپ نماز سے فارغ ہولیں۔ ۔۔۔

حضرت علی المرتضےٰ کی نسبت مشہور ہے کہ نماز پڑھنے کے وقت آپ ایسے استغراق میں ہوتے کہ دنیا وما فیہا سے کچھ خبر نہ رہتی۔ پھر ۔۔۔ ایک گداگر کی بک بک کی آواز آپ کے کانوں تک کس طرح پہنچ سکتی؟ ۔۔۔ پھر نماز کی حالت میں فعل کثیر چادر اتار پھینکنا اور پھر سائل کو اشارہ کرنا کہ لے جا کیا معنی رکھتا ہے؟ ۔۔۔ اگر آپ نے سائل کو حصہ دینا تھا تو نماز سے فارغ ہوکر بھی دے سکتے تھے ۔۔۔

سوم:۔ آیت میں یؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون۔ لکھا ہے ۔۔۔ اور روایت موضوعہ میں سائل کو چادر قیمتی ایک ہزار دینار کا ذکر ہے۔ کیا ادائے زکوٰۃ کا یہی طریقہ ہے؟ اس سے پہلے یہ ثابت کر دینا چاہیے کہ جناب امیرؑ صاحب زکوٰۃ تھے ۔۔۔ اور اسقدر مال رکھتے تھے کہ اسکی زکوٰۃ ایک ہزار دینار آپ کے ذمے واجب تھی ۔۔۔

غرض یہ روایت بالکل عقل کے خلاف ہے ۔۔۔ ایسی روایت سے تمسک کر کے شیعہ ۔۔۔ بار نبوت سے سبکدوش نہیں ہو سکتے (آفتاب صفحہ ۱۹۲)

الجواب

شیخ سعدیؒ کا زبان زد خلائق شعر ہے:

گر نبیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اس کے مطابق مؤلف کا یہ وتیرہ ہے کہ وہ حضرت امیرؑ کی ہر نص خلافت کے متعلق ہر جگہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ "آیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس سے ولایت امیرؑ ثابت ہو" کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انکے ایسا کہنے سے فی الواقع جناب امیرؑ کی نصوص خلافت ناقابل استدلال ہو جائیں گی؟

؎ ایعمی العالمون من الضیاء

آیت کا شان نزول

یہ آیت مبارکہ جناب امیر علیہ السلام کی ولایت وخلافت کی ایسی نص صریح ہے کہ سوائے کسی شپرہ چشم کے اور کوئی سلیم الفطرت اور صحیح الدماغ آدمی اس کے انکار کرنے کی جرأت وجسارت نہیں کرسکتا۔ قریب قریب تمام مفسرین اسلام نے اس آیت کا شان نزول یہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز ظہر پڑھ رہے تھے کہ سائل نے سوال کیا مگر کسی نے کچھ نہ دیا۔ سائل نے بارگاہ ایزدی میں ہاتھ اٹھا کر کہا۔ بارالہا! گواہ رہنا۔ میں نے تیرے نبی کی مسجد میں سوال کیا مگر کسی نے کچھ نہیں دیا۔ حضرت علیؑ نے بحالت رکوع دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے جس میں انگوٹھی تھی اشارہ کیا۔ سائل آیا انگوٹھی اتار کر چلا گیا۔ یہ ماجرا معلوم کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہ احدیت میں یوں استدعا کی کہ اے اللہ! میرے بھائی موسیٰ نے تیری بارگاہ میں سوال کیا تھا کہ میرا سینہ کھول دے اور میرا معاملہ آسان کردے اور زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے ہی اہلبیت میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا جانشین بنا اسکے ذریعہ سے میری پشت کو مضبوط کر اور اسے شریک کار نبوت بنا! تو نے اسکی دعا و پکار کو شرف قبولیت بخشا تھا۔ میں تیرا نبی و صفی محمدؐ ہوں میں بھی کہتا ہوں میرے سینہ کو کھول دے۔ میرے معاملہ کو آسان کر اور میرے بھائی علی بن ابی طالب کو میرا وزیر و وصی بنا اور اسکے ذریعہ سے مجھے تقویت پہنچا؟ ابھی دعائے رسولؐ ختم نہ ہوئی تھی کہ جبرائیل یہ آیت لیکر نازل ہوئے انما ولیکم اللہ ورسولہ (الآیۃ) سوائے اسکے نہیں کہ تمہارا حاکم ایک خدا ہے دوسرا اس کا رسول اور تیسرے وہ بزرگوار جو مومن ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

ان مفسرین و محدثین کے نام جنہوں نے اس آیت کا نزول بحق علیؑ تسلیم کیا ہے

درج ذیل علماء ومفسرین ومحدثین نے مختلف الفاظ وعبارات کے ساتھ اس آیت مبارکہ کا بحق امیر علیہ السلام نازل ہونا اپنی اپنی کتب میں درج کیا ہے۔ (۱) تفسیر کشف البیان ثعلبی (۲) تفسیر کبیر (ج ۳ ص ۴۳۱ رازی) (۳) تفسیر کشاف زمخشری (ج ۱ ص ۲۶۴) (۴) تفسیر طبری

ج ۶ صفحہ ۱۸۵ (۵) تفسیر قرطبی ج ۲ صفحہ ۲۲۱ (۵) تفسیر غرائب القرآن نیشاپوری ج ۱ صفحہ ۴۶۱ (۶) اسباب النزول واحدی صفحہ ۱۴۸ (۷) احکام القرآن حافظ ابوبکر جصاص صفحہ ۵۴۲ (۸) تفسیر بیضاوی (انوار التنزیل) ج ۱ صفحہ ۳۴۵ (۹) تفسیر در منثور جلال الدین سیوطی ج ۲ صفحہ ۲۹۳ (۱۰) تفسیر فتح القدیر شوکانی ج ۲ (۱۱) تفسیر آلوسی ج ۲ صفحہ ۲۲۴ (۱۲) تفسیر ابو البرکات ج ۱ صفحہ ۴۹۶ (۱) مطالب السئول محمد بن طلحہ شافعی صفحہ ۳۱ (۲) شرح نہج البلاغہ حدیدی ج ۳ صفحہ ۲۷۵ (۵) ینابیع المودۃ شیخ سلیمان حنفی صفحہ ۲۱۲ (۶) ابن صباغ مالکی در فصول مہمہ صفحہ ۱۲۳ (۷) کفایۃ الطالب محمد بن یوسف گنجی شافعی صفحہ ۳۰ (۸) نور الابصار شبلنجی صفحہ ۷۷ (۹) کنز العمال ج ۶ صفحہ ۳۹۱ (۱۰) الریاض النضرہ ج ۲ صفحہ ۲۲۷ محب الدین طبری وغیرہ) فاضل قوشجی نے شرح تجرید میں لکھا ہے انها نزلت باتفاق المفسرین فی حق علی بن ابی طالب حین اعطی السائل خاتمه وهو راکع فی صلوته (صفحہ ۳۶۸ طبع ایران)

طریق استدلال

فن نحو کے آئمہ نے بالوضاحت لکھا ہے کہ کلمہ "انما" حصر کیلئے آتا ہے جب کسی چیز کو کسی چیز میں منحصر کرنا ہو وہاں یہ کلمہ استعمال ہوتا ہے ــــ لفظ ولی، لفظ مولی کیطرح (جس کی وضاحت سابقہ آیت کے ضمن میں کی جا چکی ہے) چند معنوں میں استعمال ہوا ہے کہ منجملہ ان کے ایک "اولیٰ بالتصرف" ہے۔ ان دو مقدمات کے ذہن نشین ہو جانے کے بعد یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ یہ آیت جناب امیر کی خلافت بلافصل کی بین دلیل ہے ــــ کلمہ حصر (انما) بتاتا ہے کہ یہاں کلمہ "ولی" سے مراد اولیٰ بالتصرف ہے۔ کیونکہ صرف یہی وہ معنی ہیں جو خدا و رسول اور حضرت علی میں منحصر ہیں ورنہ محب و ناصر کے معنوں کی حصر درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ معنی تو سب اہل ایمان میں پائے جاتے ہیں (المومنون بعضهم اولیاء بعض (قرآن) خدا کا ولی و سرپرست ہونا تو ظاہر ہے کہ وہی کائنات کا خالق و مالک حقیقی ہے اور رسول کی ولایت کا مفہوم دوسری آیت النبی اولی بالمومنین من انفسهم سے واضح ہے تو جناب امیر بھی اسی معنی میں ولی ہوں گے اور یہی مطلب جناب ہارون کے ساتھ تشبیہ دینے سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ وهو المطلوب!

مؤلف کے ایرادات کے جوابات

مؤلف نے اس سلسلہ میں جو چند بودے ایرادات وارد کئے ہیں ذیل میں ترتیب وار انکے تسلی بخش جوابات پیش کئے جاتے ہیں تاکہ اتمام حجت میں کوئی کمی باقی نہ رہ جائے۔

۱۔ **پہلا ایراد:** صیغے جمع کے ہیں ان سے ایک فرد مراد لینا انصاف کا خون کرنا ہے"۔ ہم کہتے ہیں کہ ایسا بودا اور رکیک ایراد کرنا علم و فضل کا خون ناحق کرنا ہے ــــ ورنہ ظواہر قرآن اور محاورات عرب پر نظر رکھنے والے حضرات پر مخفی نہیں ہے کہ صیغہ ہائے جمع سے فرد واحد مراد لینا کثیر الوقوع ہے ــــ ارشاد باری ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون ــــ انا نحن نحی ونمیت ــــ انا هدیناه السبیل ــــ

وغیرہ یہاں تمام آیات میں صیغۂ جمع سے مراد صرف خداوند عالم ہے جو واحد یکتا ہے (۲) اذ قالت الملائکۃ یا مریم ان اللہ اصطفاک اس آیت میں ملائکہ سے مراد جناب جبرئیل ہیں (۳) قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم۔ مفسرین کا بیان ہے کہ پہلے "الناس" سے مراد نعیم بن مسعود اور دوسرے "الناس" سے مراد ابوسفیان ہے ـــــ انہی حقائق کی بناء پر ثعلبی نے فقہ اللغۃ وسر العربیۃ ص۳۹۵ طبع جدید فصل "الجمع یراد بہ الواحد" کے ذیل میں لکھا ہے "ومن سنن العرب الاتیان بلفظ الجمع کما قال تعالی ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ وانما اراد مسجد الحرام یعنی عربوں کا طریقہ ہے کہ صیغۂ جمع استعمال کر کے مراد واحد لیتے ہیں جیسا کہ ارشاد ایزدی ہے ما کان ـــــ میں مساجد سے مراد مسجد الحرام ہے" ـــــ الغرض بغرض تعظیم وتکریم یا بغرض ترغیب وتحریص یا اس قسم کے دیگر عمدہ مقاصد کیلئے جمع کا صیغہ استعمال کر کے اس سے مراد ایک فرد لینا نہ صرف جائز ہے۔ بلکہ کلام عرب میں کثیر الوقوع بھی ہے

دوسرا ایراد

مؤلف نے سارا زور بیان حلہ والی روایت کو موضوع ثابت کرنے پر صرف کیا ہے اسکا جواب بچند وجہ دیا جا سکتا ہے۔ اولاً تو یہ روایت خلاف مشہور ہے۔ مشہور یہ ہے کہ آنجناب نے انگوٹھی دی تھی جیسا کہ کتب کثیرہ کے حوالہ جات سے اوپر ثابت کیا جا چکا ہے۔ ثانیاً بنا بر تسلیم انکہ آنجناب نے سائل کو حلہ دیا تھا۔ مؤلف کی یہ خیانت ناقابل معافی ہے کہ اسکا ترجمہ بار بار "ریشمی طلائی چادر" کرتے ہیں تاکہ اسے ناجائز ثابت کیا جا سکے کیونکہ ریشم اور سونا مردوں کیلئے حرام ہے حالانکہ روایت میں صرف وعلیہ حلۃ قیمتہا الف دینار "جسکا ترجمہ یہ ہے کہ آنجناب پر ایک چادر تھی جسکی قیمت ایک ہزار دینار تھی"۔ یہ ٹھیک ہے کہ جناب امیر انتہائی زاہدانہ اور متورعانہ زندگی گذارتے تھے اور کپڑوں کو کئی کئی پیوند لگے ہوتے تھے مگر اس میں کونسا استبعاد ہے کہ نجاشی نے ازراہ عقیدت یہ قیمتی [illegible] اور آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیجی ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازراہ محبت وشفقت جناب امیر[illegible] مرحمت فرما دی ہو اور انہوں نے چند لمحات کیلئے اسے زیب تن فرما لیا ہو؟ ـــــ قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق ـــــ اسکو اسراف وتبذیر کا نام دینا۔ درحقیقت اسراف وتبذیر کے معنوں سے اپنی جہالت کا اعلان کرنے کے مترادف ہے!!

ایراد سوم

سائل نے حالت نماز میں سوال کیوں کیا؟ اس سوال کی جواب دہی گو درحقیقت سائل پر عائد ہوتی ہے کہ اس نے ایسا کیوں کیا اور مولوی کرم دین صاحب سے پہلے سوال کرنے کا طریقہ کیوں نہ سیکھا! بہرحال ہم اضافۂ معلومات کی خاطر صرف اسقدر عرض کئے دیتے ہیں کہ "اہل الغرض مجنون" کا مقولہ زبان زد خلائق ہے۔ اہل غرض وقت اور بے وقت محل اور بے محل نہیں دیکھتے [illegible] گروہ کا تو یہ اصول ہے کہ "ہر چیز یا گوہر

ایک سے مانگو، ہر وقت مانگو اور ہر حال میں مانگو۔ اسی اصول کی بنا پر سائل نے سوال کیا اور آنجناب نے اسے نماز کے ختم ہونے تک انتظار میں رکھنا گوارا نہ کیا۔

ایراد چہارم حضرت علی بحالتِ نماز ایسے استغراق میں ہوتے کہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوتے۔ سائل کی آواز کس طرح سُنی"؟ ——— خدا ان لوگوں کو ہدایت کرے جو ایسی چوٹی کا زور صرف کرتے ہیں محض اس لئے کہ جنابؑ امیر کی مسلّم فضیلت کو مٹایا یا گھٹایا جا سکے ——— ورنہ ایسے رکیک ایرادات کا جو وزن ہے خود ان پر بھی مخفی نہیں ہے ——— جناب امیرؑ حالت نماز میں جیسا کہ معترض نے خود لکھا ہے۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوتے تھے۔ لیکن اسکا یہ مطلب تو نہیں کہ نیکی سے بھی غافل ہوتے تھے! اور ظاہر ہے کہ سائل کو کچھ دینا یہ کارِ خیر ہے اسلئے اگر جناب نے نیکی میں نیکی کی ہو تو اس میں کون استبعاد و اشکال ہے؟ مولا کی توجہ کا مرکز خدا تھا۔ سائل کا شکوہ بھی وہیں پہنچا مولا نے سنا اور سائل کو انگوٹھی عطا کر دی اس میں کونسی جائے تعجب ہے؟

ایراد پنجم چادر اتار پھینکنا، اور سائل کو اشارہ کرنا فعل کثیر ہے" (جس سے نماز باطل ہو جاتی ہے) اس ایراد سے ظاہر ہوتا ہے کہ خیر سے مولوی صاحب کو فعل کثیر کا مفہوم ہی معلوم نہیں ہے تو انکے اضافہ معلومات کی خاطر عرض ہے کہ فعلِ کثیر اس فعل کو کہتے ہیں جس سے صورتِ نماز ہی ختم ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ چادر اتارنے اور ہاتھ سے اشارہ کرنے سے صورتِ نماز ختم نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس سے نماز کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ علاوہ بریں ہم الزامی طور پر کہتے ہیں کہ کتبِ اہلسنّت میں وارد ہے کہ حضرت عمر حالتِ نماز میں جریں مارا کرتے تھے ——— (کنز العمال) تو اگر حضرت عمر کے دونوں ہاتھوں سے بحالتِ نماز جریں مارنے سے نماز باطل نہیں ہوتی تو حضرت علی کے بحالتِ نماز سائل کو چادر یا انگوٹھی دینے سے انکی نماز بھی باطل نہیں ہو سکتی ہے

ایراد ششم جناب امیر کے ذمے اسقدر مال زکوٰۃ کس طرح واجب تھا؟ یہ ایراد بھی معترض کے سوئے فہم کی پیداوار ہے ورنہ لفظ زکوٰۃ سے انہوں نے واجبی زکوٰۃ کہاں سے استنباط کیا ہے؟ ——— لفظ زکوٰۃ جس طرح واجبی زکوٰۃ پر بولا جاتا ہے اسی طرح مستحبی صدقات و خیرات پر بھی اسکا اطلاق ہوتا رہتا ہے اور یہاں یہی مستحبی زکوٰۃ مراد ہے ——— الغرض یہ آیت و روایت خلافت بلافصل جناب امیر علیہ السلام کی ناقابل انکار نص صریح ہے۔ لہٰذا اہلسنت والجماعت ایسے تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور اعتراضات کرکے باطنی کثافت کا اظہار تو کر سکتے ہیں مگر جناب امیر کے نصوص کا انکار نہیں ——— کر سکتے۔ ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً فما لہ من نور

شیعہ کی تیسری دلیل

صحیح بخاری و مسلم میں براء بن عازب سے روایت ہے کہ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کا قصد فرمایا تو جناب امیر کو بال بچوں کی حفاظت کیلئے مدینہ طیبہ میں مقرر فرمایا۔ کند ناتراشوں نے

جناب امیر کو طعنہ دیا ——— آپ نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ماجرا بیان کیا ...
... اور عرض کی ——— کیا مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ جاتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی دلجوئی کیلئے فرمایا اما ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسٰی الا انہ لا نبی بعدی تجھے پسند نہیں ہے کہ تو مجھ سے بمنزلہ ہارون کے ہو موسٰی سے ہاں میرے بعد نبوت نہیں ہے شیعہ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ ——— رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کو اپنے بعد خلیفہ سمجھتے تھے۔ سو حدیث میں ایسا کوئی لفظ نہیں جس سے آپ کی خلافت بلافصل پر استدلال ہو۔ کیونکہ

(۱) ہارون کو موسٰیؑ نے عارضی طور پر اپنی عدم حاضری میں خلیفہ مقرر کیا تھا گو وہ نبی مستقل تھے
(۲) اس قسم کی خدمت بہ سبب قرابت اپنے پسر یا داماد کے ہی سپرد کی جاسکتی ہے ——— ایسی خدمت کو خلافت سے کیا تعلق ؟
(۳) یہ مسلّم ہے کہ حضرت ہارون حضرت موسٰی کی زندگی میں فوت ہو گئے تھے پھر خلیفہ کیسے ؟ جب مشبہ بہ ہی خلیفہ نہ ہوئے تو مشبہ کی خلافت کیسی ؟

(۴) حضرت ہارون سے تشبیہ صرف قرابت داری کی وجہ سے دی تھی ورنہ وہ نبی تھے ۔ عمر میں موسٰی سے بڑے تھے ۔ حقیقی بھائی تھے ۔ جناب امیرؓ میں ان اوصاف میں سے ایک بھی نہ تھی
(۵) اس تشبیہ سے تو ثابت ہوتا ہے کہ زندگی میں جیسے ہارون بوجہ قرابت داری موسٰی کی نیابت کرتے تھے ۔ ویسے جناب امیر بھی ——— بعد وفات موسٰی حضرت ہارون نہیں بلکہ یوشع بن نون اور قالب بن یوحنا خلیفہ ہوتے اسی طرح بعد وفات نبی ابوبکر اور عمر خلیفہ ہوئے گویا یہ حدیث شیعہ کی تردید کر رہی ہے نہ تائید (آفتاب صفحہ ۱۶۳)

الجواب

یہ بھی مقام شکر ہے کہ مؤلف نے اس حدیث شریف کی صحت کا انکار نہیں کیا اور اسے تسلیم کر کے صرف اسکے معنی و مفاد میں تاویل کا جال بچھایا ہے اسلئے ہمیں اسکی صحت و تواتر پر دلائل تمام کرنے کی ضرورت نہیں رہی ۔ ورنہ ہم حوالہ جات کے انبار لگا دیتے بہرحال بخاری و مسلم میں اس کا موجود ہونا ہی اسکی صحت و ثاقت کیلئے کافی ہے ——— اسلئے ہم صرف مؤلف کی تاویلات رکیکہ کے قلع قمع کرنے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ——— سو واضح ہو کہ مؤلف کی تمام تاویلات علیلہ کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ حدیث صرف جنگ تبوک کے موقع پر ارشاد ——— فرمائی ہے حالانکہ یہ خیال خام کتب سیر و تواریخ سے عدم واقفیت پر مبنی ہے کیونکہ ارباب

علم واطلاع پر یہ حقیقت مخفی و مستور نہیں ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کم از کم دس مقامات پہ یہ حدیث ارشاد فرمائی ہے۔ جو ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

۱۔ بوقت عقدِ مواخات جیسا کہ امام احمد بن حنبل و محمد بن حیان البستی و سلیمان بن احمد الطبرانی۔ و خطیب بغدادی و اخطب خوارزم۔ ابن عساکر و سبط بن جوزی۔ محب الدین احمد الطبری۔ ابراہیم بن عبداللہ الوصابی۔ محمد بن یوسف الزرندی۔ ابن صالح المالکی۔ جلال الدین السیوطی، جمال الدین محدث، علی المتقی، سید محمود بن محمد بن علی الشیخانی القادری، مرزا محمد بن معتمد خان، شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم الدہلوی اور مولوی محمد مبین لکھنوی نے لکھا ہے۔

۲۔ ۳۔ وقت ولادت امام حسن و امام حسین علیہما السّلام جیسا کہ ابو سعید عبدالملک بن محمد النیسا بوری الخرکوشی، عمر بن محمد بن خضر الملّا اردبیلی، شہاب الدین بن شمس الدین دولت آبادی۔ شہاب دریا بجری نے بیان کیا ہے۔

۴۔ یوم خیبر جیسا کہ ابن المغازلی، اخطب خوارزم، عمر بن محمد بن خضر الاردبیلی المعروف بملا۔ ابوالربیع سلیمان بن سالم البلنسی الکلاعی و ابراہیم بن عبداللہ الوصابی الیمنی نے روایت کی ہے۔

۵۔ وقت سدِّ باب الا بابِ علیؑ جیسا کہ ابن المغازلی اور اخطب خوارزم نے روایت کیا ہے۔

۶۔ بوقت ارشاد علی اوّلُ المسلمین ہیں جیسا کہ حسن بن بدر، حاکم نیشاپوری۔ ابن النجار، ابن السمان وغیرہم نے روایت کیا ہے۔

۷۔ بوقت ارشاد علی سردار و امیر المومنین ہیں جیسا کہ انس بن مالکؓ سے ابن مردویہ نے بیان کیا ہے۔

۸۔ بوقت ارشاد لحمک لحمی و دمک دمی جیسا کہ عاصمی نے زین الفتی میں ابو نعیم نے منقبۃ المطہرین میں اخطب خوارزم نے کتاب المناقب میں شہاب الدین نے توضیح الدلائل میں اور حموینی نے فرائد السمطین میں بیان کیا ہے۔

۹۔ حضرات جعفرؓ و عقیلؓ و علیؑ کو مخاطب کر کے جیسا کہ ابراہیم بن عبداللہ الوصابی نے کتاب الاکتفا میں اور محمد صدر عالم نے معارج العلیٰ میں نقل کیا ہے۔

۱۰۔ روزِ غدیرِ خم جیسا کہ علامہ ابن خلکان نے اپنی کتاب وفیات الاعیان میں ترجمہ ابو تمیم معد الملقب بالمستنصر میں بیان کیا ہے (البلاغ المبین) اس بیان حقائق ترجمان سے مؤلف کے سارے قصرِ استدلال کی اساس و بنیاد ہی منہدم ہو جاتی ہے اور اس سے واضح و عیاں ہو جاتا ہے کہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ سوائے مقام نبوت کے جناب امیرؑ کو وہ تمام مراتب و مدارج حاصل ہیں جو جناب ہارون کو حاصل تھے کہ منجملہ ان مدارج کے ایک وزارت، دوسری خلافت تیسری نصرت، چوتھی اخوت اور پانچویں شرکت درامرِ نبوت قرآن سے ثابت ہیں۔ جب پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف ایک آخری مرتبہ نبوت کی نفی فرمائی ہے تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسکے علاوہ جسقدر منازل ہارونی ہیں وہ سب جناب امیرؑ کے لئے ثابت ہیں۔ جن میں خلافت بھی شامل ہے وھو المقصود ——

علاوہ بریں۔ علماء محققین عربیت کا اتفاق ہے کہ اسم جنس جب مضاف ہو تو وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے (ملاحظہ ہوں شرح مختصر الاصول ابن حاجب و شرح منہاج الوصول قاضی بیضاوی اور توضیح تلویح وغیرہ کتب اُصول فقہ) —— نیز یہ قاعدہ بھی مسلم ہے کہ جس کلام میں استثناء کرنا صحیح ہو وہ کلام مفید عموم ہوا کرتا ہے۔ جیسے ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا —— ان مسلم قواعد کی روشنی میں بھی اس حدیث منزلت سے عموم مستفاد ہوتا ہے کیونکہ ایک تو یہاں لفظ "منزلت" اسم جنس ہے جو مضاف ہے "بمنزلۃ ہارون" دوسرے اس کلام میں استثناء بھی موجود ہے (الا انہ لا نبی بعدی) لہذا یہ کہنا کہ یہاں تشبیہ صرف قرابت داری کی وجہ سے ہے، صرف زندگی میں ہے۔ بال بچوں میں ہے وغیرہ وغیرہ یہ حقائق کا منہ چڑانا ہے یا پھر علم عربیت سے اپنی تہی دامنی کا اعلان کرنا ہے، یہ کہنا کہ حضرت ہارون بڑے تھے، حقیقی بھائی تھے، پہلے فوت ہو گئے تھے، کسقدر عامیانہ اعتراضات ہیں؟ کیا مؤلف کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ عمر میں چھوٹا یا بڑا یا سگا یا سوتیلا ہونا پہلے یا بعد میں مرنا کسی شخص کے مراتب و مدارج میں شامل نہیں ہوتا۔ اور یہاں صرف مدارج ہارونی کا اثبات جناب امیرؑ کے لئے مقصود ہے نہ انکے تمام کوائفِ حیات کا اور یہ کہنا بھی کس قدر بعید از حقیقت ہے کہ جناب ہارون تو جناب موسیٰ کی زندگی میں فوت ہو گئے تو پھر خلیفہ کیسے؟ —— یہ درست ہے کہ انکو جناب موسیٰ کی وفات کے بعد بوجہ پہلے وفات پا جانے کے انکی مسند پر بیٹھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ لیکن ہم دریافت کرتے ہیں کہ اگر موت حائل نہ ہوتی تو مسند موسوی پر کون بیٹھتا؟ ہارون یا کوئی اور؟ اگر جواب اثبات میں ہے (اور یقیناً اثبات میں ہوگا) تو پھر یہاں تو جناب علی مثیل ہارون موجود تھے ان کو نظر انداز کرکے کسی اور کو پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسند پر بٹھانا چہ معنی دارد؟ خلافت و نبوت میں کوئی تضاد نہیں ہے جس طرح جناب یوشع نبی بھی تھے اور خلیفہ بھی۔ اسی طرح اگر جناب ہارون زندہ رہتے تو وہ بھی ان دونوں عہدوں پر فائز ہوتے یعنی نبی بھی ہوتے اور خلیفہ بھی نبی خدا کے ہوتے اور خلیفہ

موسیٰ کے (العبرۃ بعموم اللفظ لا بخصوص المورد کی صداقت مسلم ہے جناب ہارون کے حضرت موسیٰ کے جیتے جی حیات میں خلیفہ بننے سے یہ لازم نہیں آتا کہ انکی خلافت صرف حیین حیات تک ہی محدود تھی۔ کما لا یخفی۔

شیعہ کی چوتھی دلیل

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا ایہا الناس انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی۔ ترجمہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں چھوڑے جاتا ہوں تم میں دو وزنی چیزیں۔ کتاب اللہ اور اپنے اتا سب کو اگر تم ان کی اتباع کروگے میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ اس حدیث سے بھی شیعہ جناب علیؓ کی خلافت بلا فصل پر استدلال کرتے ہیں حالانکہ اس حدیث میں بھی کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس سے خلافت آنجناب پر دلالت ہو۔ ہاں یہ امر تنقیح طلب ہے کہ شیعہ وسنی ہر دو فریق سے کون کتاب اللہ وعترت رسولؐ کی عزت کرتا ہے اور انکی تمسک کرتا ہے ——

ثقل اکبر

قرآن پاک کی عزت اہلسنت کے دلوں میں ہے۔ اس کی تلاوت میں شب وروز مصروف ہیں۔ حفظ قرآن اہلسنت کے مردوں کا معمول ہے۔ —— برخلاف اسکے شیعہ حضرات اسکو صحیح ہی نہیں سمجھتے بلکہ اسکو محرف پُر از اغلاط سمجھتے ہیں —— بوجہ عناد جامع القرآن بالکل عزت نہیں کرتے اسی لئے شیعہ حفظِ قرآن کی نعمت سے محروم ہیں —— اور سال بھر میں نماز تراویح میں سنیوں کی ہر ایک مسجد میں قرآن ہوتا ہے۔ لیکن شیعہ تراویح کے سرے سے ہی منکر ہیں ——

ثقلِ اصغر

عترتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اہلسنت کے دلوں میں ہے۔ ہم عترتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا اپنا دین وایمان سمجھتے ہیں —— اور کسی بزرگ پر طعن دراز کرنا گناہ سمجھتے ہیں۔ لعنت تبرا بازوں کو مبارک ہو۔ ہم تو رحمۃ اللعالمین کی امت ہیں۔ کسی کو بُرا کہنا ہمارا شیوہ نہیں ہے ——

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن
آئین ما است سینہ چوں آئینہ داشتن

ہاں روافض کی زبانِ طعن سے نہ اپنا بچ سکتا ہے نہ بیگانہ ——

توہین عترتِ رسولؐ

عترتِ رسول سے مراد آپ کے خویش واقارب ہیں۔ شیعہ عائشہ وحفصہ کو معاذ اللہ

کافر و منافق کہتے ہیں تحفۃ العوام ج ۱ صفحہ ۲ میں ہے کتاب تہذیب میں عمار د سے کہ جائے نماز سے نہ اٹھو جب تک بنو امیہ پہ لعنت نہ کرو مرادان سے چار مرد ہیں کہ حق مرتضیٰ کا چھین لیا۔ محسن کو شہید کیا۔ نسبت بنی اتہام بہ ہذیان کیا اور چار عورتیں ہیں کہ ازار پہنچایا نسبت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ت ـــــــ اسی صفحہ پر آگے ایک دعا لکھی ہے ـــــــ دالبراءۃ فلان وفلان وفلانۃ لعنۃ اللہ علیہم وعلی اولیائہم

سُنّی بھائی توجہ کریں

جو سنی بھائی ایسے روافض سے دوستانہ تعلقات رکھتے ہیں کہ جو تمہارے بزرگانِ دین ـــــــ سے یہ سلوک رکھتے ہوں ـــــــ کہ لعنت و تبرا کرنا ہو میرہ ورد ہو ـــــــ پھر حیف ہے کہ غیور سنی ایسے بدطینت اشخاص کو اپنا دوست بنائے

سُنّی کا جنازہ

کتب شیعہ میں لکھا ہے کہ اول تو سنی کا جنازہ نہ پڑھا جائے اگر بضرورت پڑھے تو بجائے دعا کے میت پر بددعا کرے چنانچہ تحفۃ العوام صفحہ ۱۳۵ میں ہے "اور اگر میت سنی خلاف مذہب ہو اور بضرورت نماز پڑھنا پڑے تو بعد چوتھی تکبیر کے کہے اللھم اخز عبدک فی عبادک وبلادک اللھم اصلہ حر نارک اللھم اذقہ اشد عذابک ـــــــ سنیو جانتے ہو یہ لوگ تمہارے جنازوں میں شامل ہو کر میتوں سے کیا سلوک کرتے ہیں کیا تم اس بات کو گوارا کر سکتے ہو کہ ایک شخص تمہارے عزیز یا بزرگ کے جنازہ پر کھڑا ہو کر اس کیلئے بددعائیں کرے

نہ آنے دیجیو انہیں لاش پر خدا کے لئے
نماز پڑھنے جو آئیں گے بددعا کے لئے

پھر حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے آنجناب کی تین لڑکیوں ـــــــ اولادِ رسولؐ سے ہی خارج کر دیتے ہیں ـــــــ حضرت علی المرتضیٰؓ، فاطمۃ الزہراؓ، حسنینؓ سے اگرچہ بظاہر محبت کا ادعا ہے لیکن ـــــــ بوقت ضرورت حضرت علیؓ کو گالی گلوچ دے لینا۔ واہ چہ خوش

حضرت علیؓ کی ہجو ملیح

طفولیت کا معجزہ شیعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی ابھی شیر خوار بچے تھے کہ مکہ میں اژدہا نمودار ہوا جس کا سر مثل پہاڑ کے تھا۔ چار سو گز لمبا تھا ـــــــ دانت چار بالشت تھے منہ بیس گز چوڑا ـــــــ

آپ نے لیٹے لیٹے اس کو سر سے پاؤں تک چیر دیا ——— (فضائل مرتضوی صفحہ ۲۱)

دوسرا معجزہ

خیبر کی لڑائی میں یہود کی طرف سے ایک جوان مرحب نامی مقابل آیا آپ نے جو تلوار ماری اسکو دو نیم کرتی ہوئی زمین پہ اور وہاں سے تہ کر گاؤ زمین تک پہنچی ۔ حامل زمین کو چیرنے کو تھی کہ جبرئیل نے پر نیچے بچھائے جو کٹ کر ——— جا پڑے (بعد ازاں اسی واقعہ کو قدرے تفصیل کے ساتھ انوار نعمانیہ سید جزائری سے نقل کیا ہے جسے ہم بخوف طوالت نظر انداز کرتے ہیں) ——— شیعہ صاحبان کو ایسی دور از عقل و قیاس روایات لکھنے سے شرمانا چاہیئے ——— تعجب ہے کہ تلوار کا وجود زیادہ سے زیادہ تین چار فٹ ہوگا پھر یہ کس طرح سا توں طبقات زمین کو چیر کر گاؤ زمین تک جا پہنچی ——— پھر اس کے مقابلہ میں جب تعزیہ سے کام نکلوا آپکی شان گھٹانے لگتے ہیں تو پھر خارجیوں سے بھی بڑھ جاتے ہیں ۔

حضرت علیؓ کی ہتک صریح

حضرات شیعہ جناب امیرؓ کی شجاعت کے اسقدر افسانے بیان کرنے کے باوجود جب دوسرا پہلو بدلتے ہیں تو جناب شجاعت مآب کو نکما اور بزدل تر بنا دیتے ہیں کہ مخالفین آپ کو گلے میں رسی ڈال کر گھسیٹتے لے جاتے ہیں ——— خاتون جنت کے شکم محترم پر دروازہ گرا کر محسن کو شہید کر دینے کی روایات بیان کر کے توہین عترت رسولؐ کا حق ادا کرتے ہیں (بعد ازاں جلاء العیون اُردو صفحہ ۱۸۲ سے اس مضمون کی دو روایتیں نقل کی ہیں) ———

اب جائے غور ہے اس سے زیادہ توہین عترت رسولؐ کیا ہو سکتی ہے کہ اصحاب کو بدنام کرنے کیلئے ایسی روایات وضع کی جاتی ہیں ——— کیا کوئی عقلمند ——— یقین کر سکتا ہے کہ اگر اصحاب رسولؐ خاتون جنت کی یوں ہتک کرتے تو کوئی متنفس بھی انکی بیعت اختیار نہ کرتا اور جناب امیر خاتون جنت کی اس درجہ توہین دیکھ کر خاموش رہ سکتے ہیں ——— یا یہ کسی کو جرأت تھی کہ شیر خدا کی گردن میں رسی ڈال کر گھسیٹ کر لے جاتے اور آپ چوں تک نہ کریں ———

آفتاب ہدایت از صفحہ $\frac{۱۶۳}{۱۶۹}$ تا)

الجواب

اب مؤلف نے متفق علیہ عند الفریقین حدیث نبوی معروف بہ حدیث الثقلین کے مفاد و مفہوم پر تنقید کرنے کی ناپاک جسارت کی ہے اور حسب عادت تالیف کا سلیقہ نہ ہونے کی وجہ سے بالکل غیر مربوط اور غیر متعلق مباحث کی بھر مار کر کے

قریباً چھبیس صفحات اپنے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ کر ڈالے ہیں مگر کام کی ایک بات بھی نہیں کہی اس حدیث شریف کی صحت و ثاقت اس قدر مسلم ہے کہ مؤلف کو بھی باوجود تعصب و عناد اس میں خدشہ کرنے کی جرأت نہیں ہو سکی اور بھلا ہو بھی کیسے سکتی تھی جبکہ یہ دوسری سینکڑوں کتابوں کے علاوہ خود صحاح ستہ کی اکثر کتابوں میں اسنادِ صحیحہ کے ساتھ مروی ہے اور بڑے بڑے علماء اہلسنت نے نہ صرف اسکی صحت بلکہ اسکے متواتر ہونے کی تصریحات کی ہیں ہاں حسب عادت یہ کہکر اسکے دلیل امامت ائمہ اہلبیت ہونے پر تنقید کی ہے کہ اس حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس سے خلافت آنجناب (حضرت علیؑ) پر دلالت ہو؟ اور پھر سارا زور شیعان حیدر کرار کی مذمت کرنے اور اپنے متمسک بہ قرآن و عترت ہونے پر صرف کیا ہے۔ ہم ذیل میں اس حدیث کے دلیل امامت ائمہ اہلبیت ہونے اور اہلسنت کے مخالف قرآن و عترت ہونے اور انکی توہین کے مرتکب ہونے اور شیعیان حیدر کرار کے ہی صحیح معنوں میں قرآن و عترت کے دامن سے متمسک ہونے کا ثبوت قطعی دلائل و براہین کی روشنی میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں مؤلف نے بخیال خویش جن بے ہودہ مسائل کا تذکرہ کیا ہے انکے حلی و الزامی جوابات بھی پیش کریں گے تاکہ بموجب "کلوخ انداز را پاداش سنگ است" شیعیان علیؑ کو چھیڑنے کا انکو مزہ معلوم ہو جائے اور ساتھ ساتھ یہ بھی پتہ چل جائے کہ انکے امام اعظم کے ٹکسال کے مسائل کیسے ہیں؟

جائیں گے آپ کس طرف شیعوں کو چھیڑ کے
رکھ دیں گے تیرے مذہب کا بخیہ ادھیڑ کے

دلالت حدیث ثقلین پر امامت ابوالحسنینؑ

اگرچہ ہم اس حدیث کی تفصیلی وجہ دلالت بر خلافت جناب امیرؑ و دیگر ائمہ طاہرین علیہم السلام اپنی کتاب "تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین" میں لکھ چکے ہیں یہاں صرف کچھ اشارات پیش کئے جاتے ہیں۔

وجہ اول: جناب امیرؑ اور دیگر ائمہ اہلبیتؑ کو (عنقریب واضح کیا جائیگا کہ یہی بزرگوار عترت رسولؐ ہیں) لفظ "ثقل" کے ساتھ تعبیر کرکے انہیں عدیل و ثانی قرآن قرار دیا گیا ہے یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ علوم و معارف حقہ یقینیہ قرآن و مسائل شرعیہ اصولیہ و فرعیہ از قسم حلال و حرام انہی ذوات مقدسہ علیہم السلام سے حاصل کرنا چاہیں اور یہ [illegible] سکتا ہے کہ یہ حضرات قرآن کے تمام ظواہر و بواطن اور اسکے تمام اسرار و رموز کے تعلیم ربانی سب لوگوں سے بڑے عالم ہوں۔ اعلمیت اہلبیت کی تائید مزید اسی حدیث ثقلین کے اس تتمہ سے بھی ہوتی ہے جو اس کے بعض طرق میں موجود ہے کہ لا تعلموھم فانھم اعلم منکم [illegible] ان (عترت طاہرہ) کو تعلیم نہ دینا کیونکہ تم سے بڑے عالم ہیں۔ (صواعق محرقہ صفحہ ۹ طبع قدیم وغیرہ)

ظاہر ہے کہ جس کا علم زیادہ ہوگا۔ وہی مسندِ رسالت کا وارث ہوگا کیونکہ علم و شجاعت ہی معیارِ خلافت ہے جیسا کہ قصۂ آدم و طالوت سے واضح ہے۔

وجہ دوم: آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تمام امت کو ضلالت و گمراہی سے بچنے اور جادۂ رشد و ہدایت پر چلنے کیلئے قرآن و عترت کے ساتھ تمسک کرنے کو واجب و لازم قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مقصد جب ہی حاصل ہو سکتا ہے کہ عترتِ طاہرہ بھی مثل قرآن ہر قسم کی علمی و عملی لغزش و خطا سے منزہ و مبرا ہو اور درجہ عصمت و طہارت پر فائز ہو۔ ظاہر ہے جو معصوم ہوگا وہی معصوم نبی کی مسند کا جانشین ہوگا۔ قبل ازیں بیان ہو چکا ہے کہ عصمت کو خاصہ انبیا قرار دینا دعویٰ بلا دلیل ہے بلکہ جن دلائل عقلیہ اور ضرورات شرعیہ کی بنا پر نبی کے لئے عصمت ضروری ہے بعینہ انہی دلائل و وجوہ کی بنا پر خلیفۃ النبی کیلئے بھی عصمت لازمی ہے۔ نیز عصمت و وحی میں بھی ہرگز کوئی باہمی تلازم نہیں ہے کہ جو معصوم ہو اس پر وحی شریعت بھی ہو۔ کما لا یخفی

وجہ سوم: مخبرِ صادق نے خبر دی ہے قرآن و عترت قیامت تک ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ ان ذوات مقدسہ کا کوئی قول و فعل اور انکی کوئی حرکت و سکون قرآن کے خلاف نہیں ہوگا بلکہ وہ اپنے ہر قول و کردار میں قرآن کے ساتھ اور قرآن انکے ساتھ ہوگا ——— اس سے بھی روزِ روشن کی طرح انکی عصمت و طہارت واضح و آشکار ہوتی ہے لہذا جو معصوم ہوگا وہی خلیفہ و امام ہوگا ———

وجہ چہارم: اس حدیث شریف میں سرکار ختمی مرتبت نے اپنی تمام امت کو قرآن و عترت کی اتباع کا حکم دیا ہے۔ یہ اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ عترتِ رسول قرآن کی طرح تمام لوگوں سے افضل و اشرف ہے اور یہ بات محتاجِ بیان نہیں کہ جو افضل الامۃ ہوگا۔ وہی مسندِ رسالت کا وارث ہوگا ——— لان تقدیم المفضول علی الفاضل قبیح عقلاً و نقلاً۔

وجہ پنجم: اس حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے بعد تمام امت کو قرآن کے ساتھ ساتھ عترت اطہار کے دامن سے تمسک کرنے یعنی تمام امور میں ان کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور ضلالت و گمراہی سے بچنے کا اسے واحد راستہ بتایا ہے۔ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد جسکی ہر معاملہ میں اطاعتِ مطلقہ واجب و لازم و موجب [illegible] رشد و ہدایت ہو اور جسکی مخالفت موجب ضلالت و گمراہی ہو وہ خلیفہ و امام ہی ہو سکتا ہے۔ اس [illegible] بات سے بھی ہوتی ہے کہ حدیث کے بعض اسناد میں بجائے لفظ ثقلین، خلیفتین [illegible] ہے کہ میں تم میں دو خلیفے چھوڑ کر جا رہا ہوں ایک قرآن دوسری عترت!

(ملاحظہ ہو مسند امام احمد ج ۵ ص [illegible] تفسیر در منثور ذیل واعتصموا بحبل اللہ ——— کنز العمال ——— مرقاۃ شرح مشکوۃ، جلد [illegible] ینابیع المودۃ وغیرہ)

وجہ ششم! اگر یہ بات درست ہے (اور یقیناً درست ہے) کہ خلیفہ و امام وہی ہوتا ہے جسے خدا و رسول اس منصب جلیل کیلئے منتخب کریں نہ وہ جو اجماع و شوریٰ یا قہر و غلبہ سے مسندِ رسول پر قابض ہو جائے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس غیر فانی حدیث میں امت کو اتباع عترت طاہرہ کا حکم دیکر خلافت و امامت کو ائمہ اہلبیت میں منحصر کر دیا ہے اور انہی کو ہادی و رہنما تسلیم کرنے کا اپنی امت کو حکم دے دیا ہے اب اگر کوئی اور شخص مسندِ رسول پر بیٹھے گا تو وہ "خالفہ" تو ہو سکتا ہے مگر خلیفۂ رسول نہیں ہو سکتا۔ الی غیر ذالک من الوجوہ الکثیرۃ التی یضیق من ذکرھا نطاق البیان۔

اہلسنّت کے نزدیک قرآن کی قدر

اس مقام پر مؤلف نے اپنے دعوائے احترام قرآن کے ساتھ ساتھ شیعوں کو کچھ کوسنے بھی دیئے ہیں کہ وہ قرآن کو نہیں مانتے۔ اسکی قدر نہیں کرتے ——— جہاں تک شیعیانِ حیدر کرار کے موجودہ قرآن کو صحیح جاننے اس کی تعظیم و تکریم کو لازم سمجھنے اور اسکی تعلیمات کو واجب العمل قرار دینے کا تعلق ہے ہم ابتدائے کتاب میں بذیل بحث "تحریف القرآن" اس پر مکمل تبصرہ کر چکے ہیں ——— یہاں صرف یہ بات بتلانا مقصود ہے کہ اہلسنّت کے دل میں قرآن کی کسقدر عزت و عظمت ہے اس کا اندازہ لگانے کیلئے بطور تازیانۂ عبرت درج ذیل واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک قرآن کا خون اور پیشاب سے لکھنا جائز ہے اس کا جلانا روا ——— اور اسے تیر دن کا نشانہ بنانا حلال ہے۔

اہلسنّت کے نزدیک قرآن کا خون اور پیشاب سے لکھنا جائز ہے!

والذی رعف فلا یرقأ دمہ فاراد ان یکتب بدمہ علی جبھتہ شیئاً من القرآن قال ابوبکر الاسکاف یجوز قیل ولو کتب بالبول قال لو کان فیہ شفاء لا بأس قیل لو کتب علی جلد میتۃ قال ان کان فیہ شفاء جاز ——— یعنی اگر کسی شخص کی نکسیر پھوٹے اور خون نہ رکتا ہو تو اگر اس خون سے پیشانی پر کچھ قرآن لکھنا چاہے؟ تو اسکے متعلق مفتی ابوبکر اسکاف کہتے ہیں کہ جائز ہے۔ کہا گیا کہ اگر پیشاب سے (قرآن) لکھا جائے تو؟ کہا اگر اس میں شفا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں! کہا گیا اگر حرام چمڑے پر لکھا جائے تو؟ کہا اگر اس میں شفا ہو تو کوئی حرج نہیں ہے (ملاحظہ ہو فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۱۳۳ طبع دہلی۔ فتاویٰ قاضی خان ج ۴ ص ۳۹۲ طبع نول کشور) اور کتاب درِ مختار ج ۱ ص ۱۵۴ ترجمہ اردو میں لکھا ہے۔ "مسئلہ" "سورہ الحمد کو خون اور پیشاب سے ناک اور پیشانی پر لکھ کر لگانے کی اجازت واسطے حاصل کرنے شفا کے اور سعتی کا قول ہے کہ واسطے شفا کے مردار کی کھال پر بھی لکھ لینا کوئی حرج نہیں" ——— کہاں ہیں قرآن کی عزت کرنے کے دعویدار! کیا اسی کا نام عزتِ قرآن ہے؟ کیا شیعیانِ اہلبیتؑ کی کتابوں میں بھی اس طرح توہین قرآن

کی اجازت دی گئی ہے؟ یا ان میں لا شفاء فی الحرام کہہ کر اسکو گناہ کبیرہ بلکہ کفر قرار دیا گیا ہے؟ ———

اسیطرح جناب عثمان کا قرآن کو جلانا بخاری شریف سے ثابت ہے (ج ۳ صفحہ ۱۴۹ طبع مصر قدیم) اور اہلسنت کے بارھویں خلیفہ ولید بن یزید بن عبد الملک کا قرآن کو تیروں کا نشانہ بنانا کتب سیر و تواریخ میں مذکور ہے (کتاب ادب الدین والدنیا صفحہ ۱۲۳ طبع بمبئی بر حاشیہ کشکول بہائی) کیا شیعوں کے ائمہ و خلفاء نے بھی کبھی قرآن کے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے؟ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین!

اہلسنت کے نزدیک عترت رسولؐ کی قدر؟

مؤلف نے دعویٰ کیا ہے کہ "عترت رسول کی عزت اہلسنت کے دلوں میں ہے۔ دلوں کا حال تو علیم بذات الصدور کو ہی ہے لیکن جہاں تک ظاہری حالات کا تعلق ہے (اور واضح ہے کہ ظاہر آئینۂ باطن ہوتا ہے) الواقعات اور اہلسنت کے بزرگوں نے جو سلوک عترت رسولؐ کے ساتھ کیا ہے اسکے پیش نظر یہ کہتے ہیں ہرگز کوئی مبالغہ نہیں کریگا

ہیچ کافر نہ کند آنچہ مسلمان کردند!

چہ اہلسنت کے خلیفہ اور امام اور مفسر اور محدث اور فقیہہ اور مجتہد اور راہبر معلوم نہیں وہ عترت رسولؐ کو مانتے کیا ہیں ——— ؟ اہلبیت رسولؐ کے ساتھ اس کھلی ہوئی ناانصافی کا خود بعض منصف مزاج علماء اہلسنت کو بھی احساس ہے چنانچہ علامہ وحید الزمان مترجم و شارح صحاح ستہ اپنی کتاب انوار اللغۃ مطبوعہ بنگلور ۳۶ پر ذیل حدیث ثقلین رقمطراز ہیں۔

ائمہ اہلبیت کے ساتھ اہلسنت کی بے انصافیاں

"اور مقلدوں نے کیا کیا زبانی محبت اہلبیت کی تو ڈینگ مارتے ہیں لیکن عملاً ذرا بھی اہلبیت کی طرف توجہ نہیں۔ ان کی کتابوں میں جہاں دیکھو ابو حنیفہ اور شافعی اور ابو یوسف اور محمد بن حسن اور زفر کے اقوال بھرے پڑے ہیں میں نے آج تک کسی حنفی یا شافعی کو نہیں دیکھا جو صادق یا امام باقر یا دوسرے ائمہ اہلبیت کے اقوال تلاش کر کے ان پر چلے ——— وہ ہر مسئلہ میں اپنے مجتہدین پر جان دیتے ہیں ———

معاذاللہ یہ کیا آفت مسلمانوں پہ چھا گئی جنکی پیروی کا حکم تھا ان کو تو چھوڑ بیٹھے اور الغتوں کو پیشوا بنا لیا" ———

اسی انوار اللغۃ کے صفحہ ۲۵ پر لکھتے ہیں "امام کے سنیوں نے عترت کو چھوڑ دیا۔ کیونکہ بجائے اسکے کہ امام حسن و امام زین العابدین امام محمد باقر و امام جعفر صادق و امام موسیٰ کاظم و امام علی رضا کے اقوال سے اپنی فقہ بناتے انہوں نے اپنی کتابیں ابو حنیفہ و شافعی کے اقوال سے بھر دیں۔ کبھی جھوٹوں بھی کسی مسئلہ میں اہلبیت طہارت کا قول تلاش نہیں کرتے یہ قیامت نہیں تو کیا ہے"؟ اسے کہتے ہیں ؎

جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے

اور گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔ اسے کاوشس کہ صرف عترتِ رسول کو نظرانداز کرنے پر اکتفا کی جاتی مگر ستم ظریفی تو یہ ہے کہ ان معصوم اور مقدس ہستیوں کو جرح و تنقید کا ہدف بھی بنا یا گیا۔۔۔۔ چنانچہ یہی علامہ وحید الزمان۔

اہلسنت کی ائمہ اہلبیتؑ پر تنقید

امام جعفر صادق علیہ السلام کے متعلق لکھتے ہیں "امام جعفر صادق مشہور امام ہیں بارہ اماموں میں سے اور بڑے ثقہ اور فقیہہ اور حافظ تھے۔۔۔۔ اور امام مالک و امام ابوحنیفہ کے شیخ ہیں اور امام بخاری کو معلوم نہیں کیا شبہ ہوا کہ وہ اپنی صحیح میں ان سے روایت نہیں کرتے اور یحییٰ بن سعید قطان نے بڑی بے ادبی کی ہے جو کہتے ہیں کہ [illegible] شیئی و مجالد احب الی منہ" حالانکہ مجالد کو امام صاحب سے کیا نسبت رتبہ ہے۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ امام پر رحم کرے مروان اور عمران بن حطان اور کئی خوارج سے تو انہوں نے روایت کی اور امام جعفر صادق جو ابن رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں ان کی روایت میں شبہ کرتے ہیں"۔ (انوار اللغۃ پ ۴ ص ۴۲ پ ۵ ص ۲۰ پ ۱۵ ص [illegible] کما فی میزان الاعتدال للذہبی ج ۱ ص ۱۸۰ طبع مصر)۔۔۔۔ ابن تیمیہ حرانی نے منہاج السنۃ [illegible] طبع مصر پر امام حسن عسکری علیہ السلام پر جرح کرتے ہوئے کہا ہے کہ حسن بن علی عسکری کے زمانہ میں علماء معروف موجود تھے۔ مگر انہوں نے اپنی کتابوں میں ان سے کوئی روایت نہیں لی جیسے بخاری مسلم و ابوداؤد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ جو ان کے ہم زمان یا قریب العہد تھے تو معلوم ہوا کہ انکے نزدیک وہ معتبر نہیں تھے"۔ (اناللہ)۔۔۔۔ اسی طرح ج ۲ ص ۱۲۵ پر جناب امام علی بن موسیٰ الرضاؑ کے متعلق یوں زہر اگلا ہے کہ "علی بن موسیٰ کے زمانہ میں ان سے زیادہ عالم و زاہد شافعی، اسحاق بن راہویہ، احمد بن حنبل، معروف کرخی وغیرہ موجود تھے۔۔۔۔ لیکن انہوں نے علی رضا سے کوئی حدیث یا علم کی کوئی بات اپنی کتاب میں نقل نہیں کی مطلب یہ کہ ان کے نزدیک قابلِ اعتبار اور ثقہ نہ تھے۔۔۔۔ (خاک بدہن قائل)

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغِ قبلہ نما آشیانے میں

اسی بل بوتے پر مولانا یہ کہتے ہیں کہ ہم تو رحمۃ اللعالمین کی امت ہیں کسی کو برا کہنا ہمارا شیوہ نہیں!

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

انہی حقائق کی روشنی میں شاہ عبدالعزیزؒ کے اس رویائے صادقہ کی صداقت کا راز معلوم ہو جاتا ہے جو انہوں نے اپنی کتاب فتاویٰ عزیزی جلد ۱ ص ۱۹۸ پر درج کیا ہے کہ ایک مرتبہ ان کو خواب میں جناب سیدہ

اسلام کی زیارت کا شرف حاصل ہوا اور انہوں نے جناب سے دریافت کیا کہ مذاہب فقہاء میں سے آپکو کونسا مذہب پسند ہے ؟ فرمایا "ان کا کوئی مذہب ہم کو پسند نہیں یا یہ فرمایا "ہمارے طریقہ پر نہیں"۔

صرف شیعہ ہی قرآن و عترت کے ساتھ متمسک ہیں —— اگر تعصب و عناد کی عینک اتار کر حقائق کا تحقیقی جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر نظر آتی ہے کہ تمام اسلامی فرقوں میں سے صرف اور صرف فرقہ شیعہ ہی وہ واحد فرقہ ہے جو قرآن اور عترتِ رسول انام کو ہی مرکز رشد و ہدایت اور انکی مخالفت کو عین ضلالت و غوایت سمجھتا ہے اور وہ اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ میں نیز اصول و فروع دین میں صرف اور صرف قرآن اور محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے فرمان ہی کو حجت و برہان سمجھتا ہے اور قرآن کے تمام معارف اسلام کے تمام حقائق خواہ تفسیر ہو یا حدیث، فقہ ہو یا کلام، الغرض وہ تمام اسلامی علوم و معارف کو رسول کے بعد آلِ رسول سے ہی حاصل کرتا ہے اور انہی کو دین و دنیا کا بادشاہ سمجھتا ہے۔ و ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء یعنی

این سعادت بزور بازو نیست

تا نبخشد خدائے بخشندہ

اتہام توہین کا ازالہ —— مگر بایں ہمہ مؤلف نے شیعوں پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ عترت رسول کی توہین کرتے ہیں —— اور پھر عترت کی "خویش و اقارب" سے تفسیر کرتے کے بعد اس میں عائشہ و حفصہ کو بھی داخل فرما دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تا حال انکو مصداقِ عترت کا بھی علم نہیں ہے تو پھر وہ انکی تعظیم و تکریم کس طرح کریں گے ؟ اگر اسلامی برادری میں اختلاف ہے بھی تو اہلبیت کے مصداق میں ہے !! کہ ان سے مراد کون حضرات ہیں ؟ ورنہ "عترت" کے متعلق تو سب کا اتفاق ہے کہ عترت "اولاد اور ذریت اور نسبی قریبی رشتہ دار کو کہا جاتا ہے (المنجد ۲۵۲ وغیرہ کتب لغت دیکھی جا سکتی ہیں) نسبی رشتہ داروں کو (جن میں بیویاں شامل ہیں) بالاتفاق عترت نہیں کہا جا سکتا !

مصداق اہلبیت کی تعیین اور اگر ہر قسم کے گروہی تعصبات سے بالا ہو کر فریقین کی کتب تفسیر و حدیث دیکھی جائیں تو یہ بات واضح و عیاں ہو جاتی ہے کہ "اہلبیت" کے مصداق بھی اصحاب کساء (بشمول دیگر ائمہ اہلبیت) ہیں —— نہ کہ ازواج النبی —— چنانچہ صحیح مسلم جزء ۱۳۵ پر بروایت عائشہ مروی ہے کہ خرج النبی غداۃً و علیہ مرط مرحل من شعر اسود فجاء الحسن بن علی فادخلہ ثم جاء الحسین فادخلہ ثم جاءت فاطمۃ فادخلھا ثم جاء علی فادخلہ ثم

قال انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اہل البیت ویطہرکم تطہیراً" ——— یعنی ایک دن بوقت صبح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شان سے دولت سرا سے برآمد ہوئے کہ دوش مبارک پر سیاہ بالوں کی منقوش عبا تھی۔ اس اثناء میں یکے بعد دیگرے حسن و حسینؑ فاطمہؑ اور علیؑ آتے رہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو دامن عبا کے نیچے داخل کرتے رہے جب سب جمع ہوگئے تو آپؐ نے آیت تطہیر کی تلاوت کی" جس سے یہ بتلانا مقصود تھا کہ یہی مصداق اہلبیت ہیں (ایضاً ج ۲ صفحہ ۸۳) اور تفسیر درمنشور ج ۵ صفحہ ۱۹۸/۱۹۹ وغیرہ میں مذکور ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب امام حسنؑ و حسینؑ اور جناب سیدہؑ اور حضرت علیؑ کو دامن عبا میں لیکر فرمایا اللھم ھؤلاء اہلبیتی: یا اللہ! یہ ہیں میرے اہلبیتؑ (کذا فی الترمذی۔ والسنن للبیہقی وتفسیر ابن جریر۔ والطبرانی۔ وابی حاتم وابن منذر والمستدرک للحاکم وغیرہا) ———

——— مسند احمد بن حنبل ج ۶ صفحہ ۲۹۶ وکنز العمال ج ۷ صفحہ ۱۰۲ میں جناب ام سلمہ کی زبانی مروی ہے کہ میں نے دامن عبا کو اٹھا کر اندر داخل ہونا چاہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تنحی عن اھلبیتی: اے ام سلمہ! میرے اہلبیت سے دور ہو جا! فتنحیت فی ناحیۃ البیت! چنانچہ میں مکان کے گوشہ میں بیٹھ گئی ——— اور تفسیر درمنشور ج ۵ صفحہ ۱۹۸ وتفسیر ابن جریر ج ۲۲ صفحہ ۷ میں مذکورہ بالا روایت میں اسقدر اضافہ ہے کہ جناب ام سلمہ نے عرض کیا۔ الست من اھل البیت؟ کیا میں اہلبیت سے نہیں ہوں؟ فرمایا انت من ازواج النبی"۔ تم نبی کے ازواج میں سے ہو ——— "اس سے بڑھ کر اور کسطرح اس بات کی صراحت ہو سکتی ہے کہ اہلبیت نبی اور ہیں اور ازواج نبی اور؟ اسی طرح صحیح مسلم ج ۲ صفحہ ۲۸۳ میں ہے جناب زید بن ارقم صحابی کی زبانی جو اہلبیت کی وضاحت مروی ہے اس میں ازواج النبی کے اہلبیت میں داخل ہونے کی نفی کی گئی ہے۔ فراجع ——— تفسیر درمنشور ج ۵ صفحہ ۱۹۹ مسند امام احمد ج ۳ صفحہ ۲۸۵ مطالب السؤل صفحہ ۸ مستدرک حاکم ج ۳ صفحہ ینابیع صفحہ ۱۶۷ باب ۵۹ وغیرہ کتب میں مروی ہے کہ آیت تطہیر کے نزول کے بعد مسلسل چھ مہینہ تک آنحضرتؐ ہر نماز کے وقت دروازۂ جناب سیدہ (فاطمۃ الزہراؑ) پر تشریف لے جاتے اور فرماتے الصلوۃ ——— یا اھل البیت انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیراً"۔ انوار اللغۃ پ صفحہ ۹۵ میں مذکور ہے۔ سئل الصادق من اھلبیتہ قال الائمۃ ——— امام صادقؑ سے پوچھا گیا اہلبیت کون ہیں؟ فرمایا ائمہ علیہم السلامؑ۔ اس سے معلوم ہوا کہ بالتبع دوسرے ائمہ اہلبیت بھی اہلبیت میں شامل ہیں۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری ازواج میرے اہلبیت میں داخل نہیں ———

اصحاب کہتے ہیں۔ بیویاں اہلبیت میں داخل نہیں۔ خود ازواج کا بیان ہے کہ ہم اہلبیت میں داخل نہیں ———

بایں ہمہ اگر کوئی شخص یہ نہیں مانتا اور یہی رٹ لگاتا ہے کہ بیویاں اہلبیت میں داخل ہیں یا یہی اہلبیت ہیں ———

توہم سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ کہ "مدعی سست گواہ چست" اسی کا نام ہے۔۔۔۔۔ و من لم یجعل اللہ لہ نوراً فمالہ من نور۔ ورنہ اگر ان مدعیوں میں کچھ بھی دم خم ہے تو اپنی ہی کتابوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کی صرف ایک صحیح السند حدیث پیش کر دیں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا ہو کہ میری ازواج میرے اہلبیت میں داخل ہیں۔۔۔۔۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین!۔۔۔۔۔

تولا وتبرا کا اجمالی بیان

یہ شیعیان حیدر کرار پر سراسر تہمت ہے کہ وہ بعض ازواج النبی کو کافرہ کہتے ہیں۔۔۔۔۔ اور مؤلف کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ تبرا کا معنی صرف کسی سے بیزاری اور علیحدگی اختیار کرنا اور لعنت کے معنی رحمت الہٰی سے دوری کے ہیں انہیں گالی گلوچ کہنا خلاف واقعہ ہے۔ اچھے کو اچھا کہنا اور اس سے محبت کرنا اور برے کو برا سمجھنا اور اس سے نفرت کرنا عین تقاضائے فطرت و اسلام ہے۔ اسکی مخالفت وہی کر سکتا ہے جس کی فطرت میں کجی ہو۔۔۔۔۔ (اس موضوع پر مزید تبصرہ بعد ازیں کسی مناسب جگہ پر کیا جائے گا انشاء)

نماز جنازہ کا بیان

اس مقام پر مؤلف نے فتنہ و فساد کا بیج بوتے ہوئے (والفتنۃ اشد من القتل) تحفۃ العوام کے حوالہ سے جو یہ لکھا ہے "کہ شیعہ سنیوں کے جنازہ میں شامل ہو کر بد دعائیں کرتے ہیں" یہ سراسر بہتان ہے۔ تحفۃ العوام کامل ہمارے پیش نظر ہے اس میں اس عبارت کا کہیں نام و نشان موجود نہیں ہے۔۔۔۔۔ ہاں ہماری بعض کتب فقہیہ میں "ناصبی" کے جنازہ پر ایسا کرنے (بد دعا کرنے) کا تذکرہ موجود ہے۔ مگر ناصبی دشمن اہلبیت کو کہتے ہیں اس کا محبت اہلبیت کا دم بھرنے والے سنی مسلمان بھائیوں سے کیا تعلق ہے؟ اگر خدانخواستہ مؤلف اس مرض میں مبتلا ہیں۔ تو وہ تمام اہلسنت کو کس طرح اپنی طرح دشمن اہلبیت قرار دے سکتے ہیں؟۔۔۔۔۔ بہرحال ایسی باتیں کرنا جن سے اسلام کے فرقوں میں باہمی نفرت پیدا ہوتی ہو۔ یا نفرت کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی ہو۔ یہ دین اسلام کی کوئی خدمت نہیں۔ کیونکہ

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا

البتہ یہ کارِ لا فی سبیل اللہ فساد۔ کا مظاہرہ ضرور ہے۔۔۔۔۔ روٹھے ہوئے بھائیوں کو منانا اور یکجا کرنا دین کی خدمت ہے نہ کہ ملتے ہوؤں کو لڑانا اور جدا کرنا۔ یا سعد الابل!

جہاں تک "بنات النبی" کے اختلافی مسئلہ کا تعلق ہے۔ ہم اس موضوع پر قبل ازیں فضائل ثلاثہ کے ضمن میں تفصیلاً تبصرہ کر کے احقاق ناحق و ابطال باطل کر چکے ہیں۔۔۔۔۔ وہاں رجوع کیا جائے۔

اہلسنت کے ہاں بوقت ضرورت خدا و رسول کو بھی برا بھلا کہنا جائز ہے

اصول کافی میں حضرت امیر کو بوقت ضرورت

برا کہنے کا جو جواز مذکور ہے۔ یہ شدتِ تقیہ کے وقت ایسا کرنے کے متعلق ہے اور ہم عنقریب مسئلہ تقیہ کے ذیل میں کتب اہلسنت کے معتبر حوالجات سے ثابت کریں گے ان کے ہاں بوقتِ ضرورت خدا و رسول کو بھی برا بھلا کہنا جائز ہے (سر دست صرف بعض کتابوں کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ عبارتیں بعد میں مذکور ہوں گی۔ انشاء اللہ) ہدایہ کتاب الاکراہ۔ تفسیر خازن ج ۳ ص۱۳۳۔ تفسیر کبیر ج ۵ ص۳۵۵ تفسیر ابن جریر ج ۱۴ ص۱۲۲ بذیل قصہ عمار۔

؎ چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما!

معجزات علیؑ کا انکار

بعد ازیں مؤلف نے جناب حیدر کرار سے بعض شجاعتی محیر العقول کارناموں کے تذکرہ پر منسوب تے ہوئے انکے تذکرہ کو انکی زجر بلیغ اور بعد رحلت نبوی کے بعد مظالم امت کے وقت انکی خاموشی اختیار کرنے کے واقعات کو "مضحکہ خیز صریح" کا نام دے کر شیعیان علیؑ کو توہین اہلبیت کا مرتکب قرار دیا ہے۔ ایسا کر کے مؤلف نے اپنے کسی اچھے ذوق اور حسن طبیعت کا مظاہرہ نہیں کیا ——— اوّلاً تو اژدہے کا قصہ ہماری کتب معتمدہ میں مذکور نہیں ہے اس لئے اسے تمام شیعوں کی طرف منسوب کرنا علمی دیانت و امانت کے خلاف ہے۔ اور یہی کیفیت جنگ خیبر میں جناب امیر کی تلوار سے جبرئیل کے پر کٹنے اور زمین کے چیرنے والی روایت کی ہے کہ یہ ہماری کتب معتبرہ میں مذکور نہیں ہے ثانیاً یہ قصہ بعض کتب اہلسنت جیسے ہدیۃ السعداء و دولت آبادی وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔ لہٰذا اس کی مسئولیت خود مؤلف پر بھی عائد ہوتی ہے۔ ثالثاً اس سے زیادہ ہوش ربا قصص و حکایات کتب اہلسنت میں اپنے بعض بزرگوں کے متعلق منقول ہیں۔ تو مؤلف کو وہاں کیوں طیش نہیں آتا۔ یا بموجب "تنزلہ بر عضو ضعیف می ریزد" وہ صرف شیعوں پر ہی نزلہ گرانا چاہتے ہیں ——— مثلاً (۱) خزینۃ الاسرار نازلی ص۱۸۰ طبع مصر میں لکھا ہے۔ "شیخ ابو مدین مغربی ہر روز قرآن کے ستر ہزار ختم کیا کرتے تھے"! (۲) ابن کثیر نے اپنی تاریخ ج ۳ ص۳۲۹ پر شیخ عبداللہ یونینی کے متعلق لکھا ہے کان یحج فی بعض السنین فی الھواء کہ وہ بعض سالوں میں ہوا میں اڑ کر حج کیا کرتے تھے۔ (۳) قصص الانبیاء ثعلبی ص۷۲ میں لکھا ہے کہ قوم حضرت لوطؑ کی بستیوں کی ہلاکت کے وقت جبرئیل نے ان کو اپنے پروں پر اٹھا کر اسقدر بلند کیا کہ انکے مرغوں کی آواز اہل آسمان نے سنی ——— اور بالآخر آخر شب کو انکو اوندھا گرا کر ہلاک کر دیا ——— تو جو خدا تے قدیر جناب جبرئیل کو اسقدر قدرت و طاقت عطا کر سکتا ہے۔ کیا وہ استاذ جبرئیل جناب حیدر کرار کو اسقدر طاقت عطا نہیں فرما سکتا کہ (بنا بر تسلیم) گھوڑے میں لپیٹ کر اژدہے کو دو نیم کر دیں یا انکی تلوار آر پار طبقات ارضی کو چیر دے؟ فدا ھو جوابکم فھو جوابنا ——— باقی رہا رحلت نبوی کے بعد مظالم امت کے وقت جناب امیرؑ کا خاموشی اختیار کرنا۔ تو اس موضوع پر ہم قبل ازیں اسی بحث امامت

میں بذیل کیا حضرت علی خلیفہ بلا فصل تھے؟ مفصل تبصرہ کر چکے ہیں اور جناب کے تلوار نہ اٹھانے کے علل و اسباب بیان کر چکے ہیں۔ وہاں رجوع کیا جائے ——— بہر حال ہم مؤلف اور ان کے ہمنواؤں کو مخلصانہ مشورہ دیتے ہیں کہ ؎ کار پاکان را قیاس از خود مگیر

گرچہ باشد در نوشتن شیر شیر

حضرت علیؓ کا ناطق فیصلہ

حضرت علی المرتضٰے نے شیعہ و سنی کا صاف الفاظ میں فیصلہ کر دیا ہے۔ چنانچہ نہج البلاغہ ص۳۹۱ ——— میں ہے۔ سیھلك فی صنفان (بحذف عربی) ترجمہ۔ دو فریق میرے بارہ میں ہلاک ہو جائیں گے محب دوستی میں افراط (غلو) کرنیوالا۔ کہ اسکو دوستی حق سے دور لے جاتی ہے اور دشمن دشمنی میں افراط کرنے والا۔ کہ اسکو یہ عناد حق سے دور کر دے۔ خوشحال انسان میرے بارے میں وہ ہیں جو میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔ تم اسی جماعت کے طالب ہو جاؤ اور بڑی جماعت کی اتباع کرو کیونکہ خدا کا ہاتھ بڑی جماعت کے سر پر ہے۔ تفرقہ سے باز آجاؤ۔ کیونکہ جماعت سے علیحدہ ہونے والا انسان شیطان کا شکار ہو جاتا ہے جب کہ ریوڑ سے الگ ہونے والی بکری بھیڑیے کا شکار بنتی ہے خبردار۔ جو تمہیں جماعت سے علیحدگی کی دعوت دے۔ ان کو قتل کر دو اگرچہ میری اس دستار کے نیچے ہو۔ ——— جناب امیر نے اپنے خطبہ میں حقانیت مذہب اہلسنت ——— پر مہر کر دی ہے اور رافضیوں اور خارجیوں کے مذہب کو مردود قرار دیا ہے۔ کیونکہ رافضی محب مفرط ہیں۔ جو جناب امیرؓ اور دیگر ائمہ کو مثل انبیاء معصوم سمجھتے ہیں اور حضرت علی کو دیگر انبیاء سے افضل اور نبی آخر الزماں کا ہم پلہ سمجھتے ہیں رافضیوں میں ایسے فرقے بھی ہیں جو جناب امیرؓ کی رسالت بلکہ الوہیت کے بھی قائل اور حال کے شیعہ اگرچہ بظاہر آپکی الوہیت کے قائل نہیں تاہم اوصاف ایسے بیان کرتے ہیں جو آپ کو درجۂ الوہیت تک پہنچا دیتے ہیں۔ چنانچہ علم ما کان و ما یکون انکو حاصل ہونا ——— اشیاء حلال و حرام کرنے کا اختیار، موت و حیات پر اختیار وغیرہ ——— اسلئے بقول جناب امیرؓ یہ مذہب باطل ہے ——— ایسے ہی خارجی جو جناب امیرؓ سے اس درجہ بغض رکھتے ہیں کہ آپ کو مشرک و کافر قرار دیتے ہیں ——— ہاں نمط اوسط میانہ روی اختیار کرنے والا مذہب اہلسنت ہے جو جناب امیرؓ سے محبت رکھتے ہیں لیکن شان نبوت و الوہیت تک پہنچانا کفر جانتے ہیں اور آپ سے بغض رکھنا بھی کفر اسلئے یہی ——— مذہب برحق ہے ———

دوم:- جناب امیر نے کھلے الفاظ میں فرمادیا ہے کہ مذہب حق وہ ہے جس طرف مسلمانوں کا سوادِ اعظم (بڑا گروہ) ہے۔ اب یہ امر مسلم الثبوت ہے کہ ــــــ

ــــــ اسلام کا سوادِ اعظم (بڑی جماعت) یہی مذہب اہلسنت رکھتا ہے اس لیے حسب فیصلہ امیر یہی لوگ برحق ہیں ــــــ اور اس مذہب سے علیحدگی اختیار کرنے والے بشہادت جناب امیر شیطان کے متبع ہیں ــــــ امید ہے کہ جناب امیر کے اس ناطق فیصلہ کے ہوتے ہوئے سنی و شیعہ نزاع کے فیصلہ کیلئے اور کسی مزید دلیل کی ضرورت نہ ہوگی ــــــ

ائمہ اہلبیت کی توہین

جناب امیرؑ اور خاتون جنت کے سلوک کا ذکر ہو چکا۔ دیگر ائمہ ــــــ سے بھی شیعیان علی نے ایسا ہی سلوک کیا ہے۔

حضرت امام حسنؑ

امام حسنؑ سے حضرات شیعہ اس لیے ناراض ہیں کہ آپ نے امیر معاویہ سے صلح کر کے مسلمانوں کو کشت و خون سے بچا لیا۔ جناب ممدوح اپنے شیعوں کے جور و ستم کی جسقدر شکایت کرتے ہیں ذیل میں روایات سے ظاہر ہے۔

ا۔ جلاء العیون ص۲۶۶ میں ہے "جب ان منافقین نے یہ کلام حضرت کا سنا ــــــ پس سب اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا معاذ اللہ! یہ شخص مثل پدر کافر ہو گیا ہے یہ کہہ کر بلوا کر دیا اور اسباب امام حسن کا لوٹ لیا ــــــ

۲۔ جلاء العیون ص۲۶۳ "حضرت نے فرمایا بخدا سوگند اس جماعت سے میرے لئے معاویہ بہتر ہے یہ لوگ دعوے کرتے ہیں کہ ہم شیعہ ہیں اور میرا ارادہ قتل کیا اور میرا مال لوٹ لیا ــــــ بخدا سوگند اگر میں معاویہ سے جنگ کروں یہی لوگ مجھے پکڑ کر معاویہ کو دے دیں۔

۳۔ اسی کتاب کے ص۲۶۲ میں ہے ــــــ ایک روز امام حسنؑ اپنے گھر کے دروازہ پر بیٹھے تھے ناگاہ ایک سوار آیا کہ اسے سفیان بن لیلیٰ کہتے تھے اس نے کہا السلام علیک یا مذل المومنین (اے ذلیل کنندہ مؤمنان) ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ شیعیان علی نے انکے خلف اکبر حضرت امام حسنؑ سے کیا سلوک کیا ــــــ جناب امیر کو کافر کہا۔ بلوہ کر کے ٹوٹ پڑے ــــــ دوش مبارک سے چادر اتاری ــــــ

متاخرین شیعہ

متاخرین شیعہ جو جو باتیں جناب ممدوح کی طرف منسوب کرتے ہیں اگر شہدے اوباش کی طرف منسوب کی جائیں تو وہ بھی ازالہ حیثیت

عزی کا استغاثہ دائر کرے گا ــــــــ چنانچہ ــــــــ جلاء العیون صفحہ میں ہے روایت ہے کہ ایک روز امام حسن مجلس معاویہ میں تشریف رکھتے تھے مروان نے کہا آپ کی مونچھوں کے بال جلد سفید ہوگئے ہیں۔ امام نے فرمایا۔ سبب اسکا یہ ہے بنی ہاشم کا دہن خوشبودار ہے اور ہماری عورتیں بوجہ خوشبو استشمام کرتی ہیں اور ان کی ہوائے نفس سے ہمارے بال شارب سفید ہوجاتے ہیں اور چونکہ تم بنی امیہ گندہ دہن ہو تمہاری ازواج تمہارے دہنوں سے احتراز کرتی اور اپنا منہ تمہارے رخساروں کی جانب رکھتی ہیں اسلئے تمہارے رخسار جلد سفید ہوجاتے ہیں۔ پس مروان نے کہا بنی ہاشم میں ایک خصلت بد یہ ہے کہ وہ خواہش جماع رکھتے ہیں۔ امام حسن نے فرمایا خواہش ہماری عورتوں سے سلب ہوئی اور مردوں میں اضافہ ــــــــ اور تمہارے مردوں سے علیحدہ کرکے تمہاری عورتوں میں دی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ زن اموریہ سوائے مرد ہاشمی کے سیر نہیں ہوتی ــــــــ"

لاحول ولا قوۃ ایسی فحش اور بیہودہ گفتگو تو اوباش لوگ کرنے سے شرماتے ہیں ــــــــ یہ ان پاک لوگوں کے ذمے افترا ہے ــــــــ توبہ توبہ۔

ناعاقبت اندیش ملاؤں نے حضرت امام حسنؑ کی ذات پاک پر کیا دھملہ کیا ہے کہ وہ بھر اجلاس ایسی بدتہذیبی اور اخلاق سے گری ہوئی باتیں کیا کرتے تھے ــــــــ شیعہ حضرات تو انبیاء کو بھی ایسے الزام دینے سے دریغ نہیں کرتے چنانچہ ــــــــ حیات القلوب ج اصلا میں ہے (بحذف فارسی) ترجمہ امام رضا فرماتے ہیں کہ پیغمبروں کے اخلاق یہ ہیں۔ اپنے بدن کو پاکیزہ رکھنا۔ خوشبو لگاتے رہنا۔ بہت جماع کرنا اور بہت عورتیں رکھنا۔ لاحول ولا قوۃ شہوت پرستی اور کثرت جماع پیغمبروں کے اخلاق میں شمار کیا جاتا ہے۔ شیعو ہوش کرو ــــــــ

شد نے فرصت حکم آمد نے اصول
شرم باید از خدا و از رسول

(آفتاب از صفحہ تا)

الجواب

ہم مؤلف کے ان الفاظ کا خیر مقدم کرتے ہیں کہ جناب امیر کے اس ناطق فیصلہ کے ہوتے ہوئے سنی و شیعہ نزاع کے فیصلے کیلئے اور کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں ہے وہ لیکن انکے اس خیال کی حمایت کرنے سے قاصر ہیں کہ اس کلام سے اہلسنت کی تائید اور شیعوں کی تردید ہوتی ہے بلکہ خدا لگتی بات یہ ہے کہ امام عالی مقام کے اس کلام حق ترجمان سے شیعوں کی حقانیت اور اہلسنت کا بطلان روز روشن کی طرح واضح و عیاں ہوتا ہے مجوزی

حیثیت سے آنجناب کے متعلق اگر کوئی فرقہ ہر قسم کے افراط و تفریط سے محفوظ اور میانہ روی پر گامزن ہے تو وہ صرف فرقہ شیعہ خیر البریہ ہے۔ باقی سب یا غالی ہیں یا قالی ہیں یعنی یا حد سے بڑھانے والے ہیں یا حد سے گھٹانے والے ہیں۔

شیعہ حضرت علیؑ کو خدا یا خدا کا شریک نہیں جانتے

شیعیان حیدر کرار جناب امیرؑ یا دیگر کسی امام کو نہ خدا سمجھتے ہیں اور نہ خدا کی کسی صفت خاصہ میں شریک۔ وہ خداوند عالم کو ذات، صفات، افعال اور عبادت میں واحد لا شریک مانتے ہیں بلکہ یہ چار خاصہ ہوں تو بنتا ہے مسلمان! جو لوگ ائمہ طاہرین کو خدا یا خدا کا شریک جانتے ہیں شیعہ انکو یہود و نصاریٰ سے بھی بدتر مشرک و کافر جانتے ہیں (ملاحظہ ہوں کتب عقائد شیعہ خصوصاً رسالہ عقائد شیخ صدوق مع شرح احسن الفوائد مصنفہ راقم الحروف ص۲۲ طبع اوّل) ــــ مؤلف کا ان پہ یہ سراسر اتہام ہے کہ وہ جناب امیرؑ کو نبی آخر الزمان کا ہم پلہ جانتے ہیں۔ بے شک خدائے رحمٰن نے انکو قرآن میں نفس رسول اور رسول اللہ نے ان کو دین و دنیا میں اپنا بھائی قرار دیا ہے۔ مگر پھر بھی شیعہ حفظ مراتب کا اسقدر خیال رکھتے ہیں کہ اگرچہ وہ جناب امیرؑ کو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد از ہر چہ ہست بہتر و برتر سمجھتے ہیں مگر جہاں تک سرورِ کائنات کی ذات کا تعلق ہے وہ جناب علیؑ کو خود انہی کے لفظوں میں "انا عبد من عبید محمد" (میں محمدؐ کے غلاموں میں سے ایک غلام ہوں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہم پلہ ہم پایہ نہیں بلکہ انکا مخلص غلام جانتے ہیں (اصول کافی احتجاج طبرسی وغیرہ) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد انکو انکا بلافصل خلیفہ و جانشین اور ہادی خلائق اجمعین سمجھتے ہیں۔

ہاں یہ درست ہے کہ وہ انکو معصوم اور بعد از رسول تمام کائنات سے افضل ضرور جانتے ہیں مگر اس میں افراط کی کونسی بات ہے ہم اسی مسئلہ خلافت کی پہلی تنقیح کے جواب میں واضح کر آئے ہیں کہ یہ دعوے بلا دلیل ہے کہ عصمت انبیاء کا خاصہ ہے۔ جناب مریم بمطابق ارشاد قرآن۔ یا مریم ان اللہ اصطفاک وطہرک واصطفاک علی نساء العالمین۔ معصومہ ہیں مگر نبی نہیں ہیں اسیطرح فرشتے معصوم ہیں مگر نبی نہیں ہیں معلوم ہوا کہ کسی غیر نبی کو معصوم سمجھنا افراط نہیں ہے (جبکہ دلیل عصمت قائم ہو)۔

انبیائے سلف پر حضرت علیؑ کی فضیلت

باقی رہا سابقہ انبیاء سے حضرت علیؑ کی افضلیت کا مسئلہ تو قرآن سے عیاں ہے کہ افضلیت کا معیار کثرت علم اور طاقت جسمانی میں فوقیت ہے۔ بالفاظ دیگر علم کی فراوانی۔ اور فوقیت در طاقت جسمانی اور اس معیار پر جناب امیرؑ پورے اترتے ہیں کیونکہ وہ وارث علم و شجاعت نبویہ ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان صفات میں بالاتفاق تمام انبیا

اسلام تمام انبیاء و سلف علیہم السلام سے افضل و اشرف ہیں۔ لھٰذا ان کمالات کے وارث کو بھی افضل ماننا پڑیگا۔

علاوہ بریں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ من اراد ان ینظر الی آدم فی علمہ والی نوح فی فہمہ والی ابراھیم فی خلتہ والی موسٰی فی بطشہ والی یحیٰی فی زھدہ والی عیسٰی فی ورعہ فلینظر الی علی بن ابی طالب۔ یعنی جو شخص جناب آدم کا علم و عرفان، حضرت نوح کا فہم و ذکا، جناب ابراھیم کی خلت و محبت، حضرت موسٰی کا رعب و دبدبہ، جناب یحیٰی کا زہد و تقوٰی اور حضرت عیسٰی کی اطاعت و پرہیزگاری دیکھنے کا خواہشمند ہے وہ حضرت علی بن ابی طالب کو دیکھ لے (ذخائر العقبیٰ ص۹۳ طبع مصر، شرح نہج البلاغہ حدیدی، مناقب خوارزمی وغیرہ) ظاہر ہے کہ جو بزرگوار مختلف انبیاء کے انفرادی کمالات کا مجموعی طور پر حامل ہوگا وہ فرداً فرداً ان سب سے افضل و اعلیٰ ہوگا۔ وہو المقصود۔

ولیس علی اللہ بمستنکر

ان یجمع العالم فی واحد

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہی فرمان ہے۔ "علی خیر البشر من شک فیہ فقد کفر" بیشک علی تمام انسانوں سے افضل ہیں۔ ہر کہ شک آرد کافر گردد (ملاحظہ ہو کنوز الحقائق مطبوعہ برحاشیہ جامع صغیر سیوطی ج۲ ص۱۶ طبع مصر، ینابیع المودہ ص۲۴۶ طبع بمبئی۔ مودۃ القربیٰ ص۱۰۰، کنز العمال ج۶ ص۱۵۹، کفایۃ الطالب ص۱۱۹ طبع النجف وغیرہ) ہر نبی کیلئے اپنی امت سے افضل ہونا عقلاً و شرعاً ضروری ہے۔ لھٰذا اگر کوئی ایسا غیر نبی شخص جو اس نبی کا امتی نہیں ہے۔ اس نبی یا انبیاء سے افضل ہو تو اسمیں کوئی عقلی و شرعی قباحت نہیں ہے۔

علم ماکان و مایکون کی وضاحت

اسی طرح علم ماکان اور مایکون سے اجمالی اور صرف امور حتمیہ کا علم مراد ہے۔ نہ کہ تمام جزئیات کا تفصیلاً۔ علاوہ بریں ہم کہتے ہیں کہ اگر کسی مخلوق میں اسکا قائل ہونا شرک و کفر ہے تو پھر اس کفر و شرک سے خود مؤلف بھی محفوظ نہیں ہیں کیونکہ وہ اپنی اسی کتاب کے ص۱۲۳ سطر۱۲ پر ان الفاظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب کا اعتراف کر چکے ہیں کہ "حضور علیہ السلام کو جن کو قیامت تک کے واقعات کا علم غیب حق تعالےٰ نے بخشا ہوا تھا" فما ھو جوابکم فھو جوابنا۔

حلال و حرام کرنے کی توضیح

جن روایات میں یہ وارد ہے کہ ائمہ جس چیز کو چاہیں حرام کریں اور جسے چاہیں حلال کریں۔ خود انہی میں یہ وضاحت موجود ہے کہ ولکن ما یشاؤن الا ان یشاء اللہ مگر وہ وہی کچھ چاہتے ہیں جو خدا چاہتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ صرف خدا کے حلال و حرام کو بیان کرنے والے ہیں۔ مذہب شیعہ تو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی یہ اختیار نہیں دیتا کہ وہ بغیر وحی الٰہی اور بغیر منشاء ربانی کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دیں "تا بام چہ رسد" ؟ مقنن قانون شریعت معرّف

خداوند عالم ہے رسول اس قانون کا مبلغ اور امام محافظ ہوتا ہے ——— موت و حیات قبضۂ قدرت الٰہی میں ہو اس چیز میں کوئی مخلوق اسکی شریک نہیں ہے ——— ہاں یہ جو بعض اخبار میں ہے کہ امام اپنی مرضی سے مرتے ہیں تو اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ بموجب۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟

انکا مقام اللہ تعالے کی نظر اقدس میں اسقدر بلند و بالا ہے کہ وہ ان ذوات قادسہ کو موت کا ذائقہ چکھانے سے پہلے انکی رضا معلوم کر لیتا ہے۔ ولا ضیر فیہ نیز یہ بات کتب اہلسنت میں بھی موجود ہے (ملاحظہ ہو رنج المطالب ۵۰۸ طبع لاہور)۔

شیعہ کی درمیانہ روی

ان حقائق کی روشنی میں واضح و آشکار ہوگیا کہ مسلک شیعہ میں نہ افراط ہے اور نہ تفریط بلکہ وہ صحیح معنوں میں جادۂ وسطی پر گامزن ہیں یعنی وہ نہ تو جناب علیؑ یا دوسرے ائمہ کو خدا جیسا مانتے ہیں اور نہ ہی عام مخلوق جیسا سمجھتے ہیں بلکہ ان کو خالق و مخلوق کے درمیان وسیلہ سمجھتے ہیں ——— وکذالک جعلنا کم امۃ وسطاً لتکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیداً (القرآن)

اہلسنت تفریط کرتے ہیں

معلوم ہوا کہ علی اللٰہی اور نصیری لوگ جو غالی ہیں وہ افراط کا شکار ہیں اور اہلسنت تفریط میں مبتلا ہیں جو آنجناب کی بہت سی مسلمہ خصوصیات کے منکر ہیں۔ نہ انکو خلیفہ بلافصل جانتے ہیں نہ انکو افضل الامۃ مانتے ہیں بلکہ خلافت کی طرح فضیلت میں بھی انکو چوتھا مقام دیتے ہیں (شرح فقہ اکبر، شرح مواقف و شرح مقاصد وغیرہ) ——— جو ان کو شیخین سے افضل کہے اس پر مفتری کی حد جاری کرتے ہیں۔ (تنویر العینین شاہ ولی اللہ دہلوی) نہ انکو معصوم و مطہر جانتے ہیں ——— نہ انکے دوستوں سے دوستی اور نہ انکے دشمنوں اور ان سے جنگ کرنیوالوں سے دشمنی کرتے ہیں ——— نہ انکو عالم علم لدنی جانتے ہیں اور نہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد واحد مرکز رشد و ہدایت مانتے ہیں و۔ و۔ و۔ و۔ معلوم ہوا کہ یہ لوگ کھلم کھلا تفریط میں گرفتار ہیں اور جناب امیرؑ کو ان کے خداداد مرتبہ و مقام سے نیچے گراتے ہیں۔

سواد اعظم کے مفہوم کی وضاحت

مؤلف کتاب اس بات سے پھولے کپڑوں میں نہیں سماتے کہ آنجناب نے یہ فرمایا ہے کہ فالزموا السواد الاعظم کہ سواد اعظم کو لازم پکڑو ——— ! اور پھر خوش فہمی سے سواد اعظم کا ترجمہ (بڑی جماعت) کرکے اس سے اپنے مذہب کی صداقت ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ اور اپنی کثرت تعداد پر فخر و ناز کرتے ہوئے شیعوں کو آٹے میں نمک قرار دیتے ہیں۔ مگر ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ

ـــ گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ
بآب زمزم و کوثر سفید نتوان کرد

ان جھوٹے حیلوں سے وہ اپنے مذہب کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو کنارے نہیں لگا سکتے! ان کے اضافہ معلومات کی خاطر عرض ہے کہ "سوادِ اعظم" اہلِ حق کو کہا جاتا ہے اگرچہ ان کی تعداد قلیل ہی کیوں نہ ہو ـــ چنانچہ کتاب کنز العمال ج ۸ ص ۲۱۵ طبع حیدر آباد دکن میں یحییٰ بن عبداللہ بن الحسن سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب امیر علیہ السلام خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص نے سوال کیا۔ اہل جماعت، اہل فرقہ، اہل سنت اور اہلِ بدعت کون ہیں؟ آپ نے فرمایا ـــ فاما اھل الجماعۃ فانا ومن اتبعنی وان قلوا ـــ سو اہل جماعت میں اور میرے پیروکار ہیں اگرچہ تعداد میں تھوڑے ہی ہوں ـــ فاما اھل الفرقۃ فالمخالفون لی ولمن اتبعنی وان کثروا ـــ اہل فرقہ سے مراد میرے اور میرے پیروکاروں کی مخالفت کرنے والے ہیں۔ اگرچہ کثیر التعداد ہی ہوں ـــ واما اھل السنۃ المتمسکون بما سنہ اللہ لھم ورسولہ وان قلوا ـــ اہل سنت وہ ہیں جو خدا اور رسولؐ کے مقرر کردہ طریقہ پر گامزن ہوں۔ اگرچہ تھوڑے ہی ہوں ـــ واما اھل البدعۃ فالمخالفون لامر اللہ ولکتابہ ولرسولہ العاملون برایھم واھوائھم وان کثروا ـــ اہل بدعت وہ ہیں جو خدا، اس کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی خلاف ورزی کریں اور اپنی رائے و قیاس پر عمل کریں۔ اگرچہ تعداد میں زیادہ ہی کیوں نہ ہوں ـــ الحمد للہ۔ خود "الزموا السواد الاعظم" فرمانے والے کی زبان حق ترجمان سے معلوم ہو گیا کہ اس سے مراد آنجناب کے سچے پیروکار ہیں اگرچہ تعداد میں قلیل ہی ہوں اور اس سے سابقہ بحث میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ صرف شیعہ ہی سچے معنوں میں قرآن و عترت رسولؐ کے دامن سے متمسک ہیں۔ لہٰذا وہی سوادِ اعظم کے صحیح مصداق ہیں۔ مزید اطمینان کی خاطر دو چار اور ثبوت پیش کئے جاتے ہیں "شرح فقہ اکبر طبع مصر ص ۷ پر حدیث افتراق امت لکھنے کے بعد لکھا ہے۔ وفی روایۃ علیکم بالسواد الاعظم وعن سفیان لو ان فقیہا واحدا علی راس جبل لکان ھو الجماعۃ ـــ ومنہ قولہ تعالیٰ ان ابراھیم کان امۃ ای وحدہ ـــ" یعنی روایت میں ہے کہ سواد اعظم کو لازم پکڑو ـــ سفیان سے مروی ہے کہ اگر اکیلا فقیہ جو کسی پہاڑ کی چوٹی پر ہو اور برحق ہو تو وہ تنہا جماعت ہے ـــ اسی سے خدا کا یہ فرمان ہے کہ جناب ابراہیم امت تھے یعنی تنہا۔ "نصائح کافیہ ص ۲۱ میں محمد بن اسلم طوسی کی زبانی سواد اعظم کے یہ معنی بیان کئے گئے ہیں "فان العصر اذا کان فیہ عارف بالسنۃ داع الیہا فھو الحجۃ ھو السواد الاعظم۔ ـــ اگر کسی زمانہ میں صرف ایک شخص عارف سنت اور داعی الی الحق ہو تو وہ تن تنہا جماعت اور سواد اعظم ہوگا علامہ وحید الزمان انوار اللغۃ پ ۱۲ ص ۱۶۱/۱۵۸ میں لکھتے ہیں "سواد اعظم سے مراد وہ جماعت ہے جو حق پر ہو اگرچہ اس کی تعداد قلیل

ہوا اور یہی صحیح ہے ۔۔۔۔۔۔ (کما فی معانی الاخبار ص ۵۵ الجماعت اھل الحق وان کانوا قلیلاً والفرقۃ اہل الباطل و ان کانوا کثیرا)

اکثریت کی مذمت

اگر و امن حق ہاتھ میں نہ ہو اور حق کی علمبردار نہ ہو تو صرف کثرت تعداد میں کوئی عجز و شرف نہیں ہے بلکہ قرآن اسکی مذمت سے لبریز نظر آتا ہے ۔۔۔۔۔ بل اکثرھم لا یومنون ۔۔۔ اکثرھم الفاسقون ۔۔۔۔ واکثرھم لا یعقلون ۔۔۔۔ کان اکثرھم مشرکین ۔۔۔۔ ولا تجد اکثرھم شاکرین ۔۔۔۔۔ وغیرہ وغیرہ ۔

اقلیت کی مدح

اسکے برعکس قلت کی مدح سے قرآن چھلک رہا ہے ۔۔۔۔۔۔ وقلیل من عبادی الشکور ۔۔۔۔۔ کم من ۔۔۔۔۔ فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ ۔۔۔۔۔ وما آمن معہ الا قلیل ۔۔۔۔۔ ثم تولیتم الا قلیلا ۔۔۔۔ وقلیل ماھم ۔۔۔۔ وغیرہ وغیرہ ۔

تبرس از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو
کہ از مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید

بہر حال یہ حقیقت مسلم ہے کہ لا یستوی الخبیث والطیب ولو اعجبک کثرۃ الخبیث ۔۔۔۔۔ اے رسول ! کہدو کہ پلید اور پاک برابر نہیں ہوتے اگرچہ پلید کا بہت ہونا تجھے تعجب میں ڈال دے (فلک النجاۃ) الغرض شریعت مقدسہ آدمیوں کو تولنے کی قائل ہے گننے کی قائل نہیں ۔ اور

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے (اقبال)

توہین حسنیؑ کے اتہام کا جواب

مؤلف نے خوف خدا سے بالا ہو کر شیعیان علی پر یہ جھوٹا الزام واتہام لگایا ہے کہ وہ معاویہ سے صلح کرنے کی وجہ سے امام حسنؑ سے ناراض ہیں ۔ سبحان اللہ ھذا بھتان عظیم (وانما یفتری الکذب الذین لا یومنون) اگر شیعیان علی امام حسنؑ کے جد نامدار سے ~~ملعونہ~~ ابوسفیان اور دوسرے اشرار وکفار سے حدیبیہ کے مقام پہ صلح کرنے کی وجہ سے ناراض نہیں تو حسن مجتبیٰؑ کے معاویہ کے ساتھ صلح کرنے پر کس طرح ناراض ہو سکتے ہیں ؟ جبکہ وہ نبی کی طرح اپنے ائمہ طاہرین کو معصوم جانتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کا ہر قول و فعل مشیت ایزدی کے تابع ہوتا ہے اسلئے معصوم کے کسی قول و فعل پر اعتراض کرنا وہ خدا پر اعتراض کرنے کے مترادف سمجھتے ہیں ۔ چنانچہ سرکار علامہ مجلسی نے جلاء العیون ص ۲۲۵ میں صلح حسنی کی بحث کا آغاز ہی اسی سے کیا ہے کہ "اعتراض برایشاں اعتراض بر

خدا است"۔ ——— شیعوں کا تو سارا ہی لٹریچر دوسرے ائمہ اطہار کی طرح جناب امام حسن علیہ السلام کے فضائل و مناقب سے بھی لبریز نظر آتا ہے اور جن اخبار و آثار کو مؤلف نے بزعم خویش شیعوں کے امام حسنؑ کی توہین کرنے کے سلسلہ میں پیش کیا ہے یہ انکی کوتاہ اندیشی ہے ورنہ کسی ایک واقعہ سے بھی صحیح شیعیان علیؑ کی امام پر ناراضی ثابت نہیں ہوتی چنانچہ اس سلسلہ میں انہوں نے پہلی روایت جلاء العیون اردو ص۲۶۱ سے پیش کی ہے۔ اسے اس مطلب سے کوئی ربط ہی نہیں۔ اس میں تصریح موجود ہے کہ وہ منافق تھے ——— چنانچہ اصل روایت کے الفاظ خود مؤلف نے یہ نقل کئے ہیں" جب ان منافقین نے یہ کلام حضرتؑ کا سنا"۔ ——— جو حضرت امیرؑ کو (معاذ اللہ) کافر جانتے ہیں چنانچہ اسی روایت میں ذرا آگے موجود ہے کہ انہوں نے کہا" یہ شخص مثل پدر کافر ہو گیا ہے"۔ ——— کیا جو شخص جناب امیر علیہ السلام اور انکے لائق فرزند امام حسنؑ کو کافر سمجھے ایسے منافق کو مؤلف کتاب "شیعۂ علیؑ" سمجھتے ہیں اور کیا شیعوں کی یہی تعریف ہے؟

شرم باید از خدا و از رسول

معلوم ہوا کہ ایسا کرنے والے خارجی اور منافق تھے شیعہ نہ تھے۔

اسی طرح دوسری روایت جو جلاء العیون ص۲۶۲ سے پیش کی ہے اس میں خود صراحت موجود ہے کہ ان مدعیان تشیع کے اس دعوے کو امام علیہ السلام نے ٹھکرا دیا۔ تو پھر مؤلف یا کسی اور شخص کو کیا حق ہے کہ وہ انکو شیعہ کہے اور انکے قول و فعل کو شیعوں کا قول و فعل قرار دے کر زبان اعتراض دراز کرے؟

اور یہی جواب تیسری روایت کا ہے کہ وہ ایذاء کرنے والا ناقص الایمان تھا۔ اور جیسا کہ اوپر وضاحت کی جا چکی ہے کہ شیعہ وہ ہوتا ہے۔ جو نبی کی مانند امام کو معصوم عن الخطا سمجھے اور اس کے ہر قول و فعل کو مرضی خدا کے تابع اور اس اعتراض کرنے کو خدا پر اعتراض تصور کرے۔ جب رسول اسلام کے ہمراہیوں میں بکثرت منافق اور ناقص الایمان لوگ موجود تھے جو قدم قدم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول و فعل پہ ایراد کیا کرتے تھے (اس کی مکمل وضاحت اس کتاب کے ابتدائی حصہ میں کر دی گئی ہے) تو اگر ایسے لوگوں سے نواسۂ رسول کو بھی سابقہ پڑا ہو تو اس میں کون سی جائے تعجب ہے؟؟

اصل حقیقت کا انکشاف

بعد ازیں "متاخرین شیعہ" کے زیر عنوان مؤلف نے جلاء العیون اردو ص۲۸ سے جو روایت پیش کر کے اور واویلا کر کے زمین و آسمان سر پر اٹھا لئے ہیں کہ السلام تو شہد سے دار و باش بھی نہیں کرتے شیعوں نے امام پر اعتراض کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ روایت جلاء العیون فارسی تقطیع کلاں طبع ایران ص۱۳۲ پہ مذکور ہے۔ جسکی ابتداء یوں ہے۔ "ایضاً" روایت کردہ" یعنی نیز انہوں نے روایت کی ہے"۔ یہ اس لئے کہا کہ انہوں نے اس سے قبل ایک واقعہ مناقب شہر ابن آشوب سے بایں الفاظ نقل کیا ہے" ابن شہر آشوب از

طریق مخالفاں روایت کردہ ـــــ یعنی ابن شہر آشوب نے مخالفین سے روایت کی ہے اس کے بعد بلافاصلہ۔

"نیز روایت کردہ" کہہ کر امام حسنؑ و مروان کا یہ مکالمہ نقل کیا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بھی انہوں نے مناقب ابن شہر آشوب سے لیا ہے۔ چنانچہ یہ واقعہ مناقب شہر ابن آشوب ج ۴ ص۲۵ طبع بمبئی پر مذکور ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ موصوف نے یہ ـــــ واقعہ کہاں سے لیا۔؟ اس کی کتاب میں تصریح موجود ہے۔ اس کی ابتدا میں لکھا ہے

وفی العقد ان مروان بن الحکم قال للحسن ـــــ اسرع الشیب الی شاربک یا حسن ـــــ یعنی کتاب العقد میں ہے کہ مروان نے حسنؑ سے کہا۔ اے حسن! تمہاری مونچھوں کے بال جلد سفید ہو گئے ہیں! اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے یہ واقعہ شہاب الدین احمد معروف بہ ابن عبدربہ اندلسی۔ متعصب سنی کی کتاب العقد الفرید سے لیا ہے۔ چنانچہ کتاب مذکور ج ۲ ص۱۱۵ طبع مصر قدیم میں بعینہٖ یہ واقعہ مذکور ہے۔ تو اگر بقول مؤلف اس میں امام حسنؑ کی توہین ہے یا ان پر افتراء ہے تو اس میں اوّلیت کا شرف اہل سنت کو حاصل ہے۔ شیعوں نے تو صرف ان کی متابعت کی ہے! اب تو مؤلف زیر لب کہتے ہوں گے ؎

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

علاوہ بریں اس مکالمہ میں کیڑے نکالنا اور اسے خلاف تہذیب قرار دینا بھی عام ملاؤں کی طرح مولوی کرم الدین صاحب کی خشک ملائی، بے ذوقی، کوتاہ نظری کا نتیجہ ہے۔ ورنہ ارباب علم و اطلاع پر مخفی نہیں ہے کہ ایسا کلام جس میں قدرے ظرافت کی چاشنی ہو بڑے بڑے اکابر کے حالات میں مل جاتا ہے۔ خصوصاً فی البدیہہ ایسا کلام کرنا جس سے مخالف کا ناطقہ بند ہو جائے یہ کمالات میں داخل ہے۔ چنانچہ صاحب کتاب عقد فرید نے ص۱۰۲ سے لیکر ص۱۲۸ تک ایک پورا باب ایسے جوابات فاخرہ کیلئے وقف کیا ہے اور لکھا ہے کہ سب سے زیادہ مشکل مرحلہ فی البدیہہ جواب دینا ہے ـــــ اور اعتراف کیا ہے کہ اس سلسلہ میں قریش کا کوئی ہم پلہ نہیں۔ تو اس کا کیا علاج کہ جسے دوسرے کمال سمجھتے ہیں وہ مؤلف کے نزدیک عین نقص بن جاتا ہے۔ سچ ہے۔

ہنر بچشم عداوت بزرگتر عیب است

ابوبکر کے کلام کا نمونہ

مؤلف کو اس ادیبانہ اور ظریفانہ کلام میں تو خلاف تہذیب شمے ہیں اور نہ معلوم کیا کیا عیب نظر آتے ہیں۔ مگر کبھی اپنے خلیفہ اول کے اس پاکیزہ کلام پر بھی نگاہ ڈالی ہے جو انہی کے عقیدت مندوں کے قلم سے لکھی ہوئی کتابوں میں موجود ہے ـــــ

(۱) ایک موقعہ پر قسم کھاتے ہوئے کہا۔ لو جرّت الکلاب بارجل ازواج النبی لما رددت جیشاً (تاریخ الخلفاء ص۵۱ طبع مصر قدیم) یعنی اگر کتے رسولؐ کی بیویوں کی ٹانگیں بھی کھینچ لے جائیں تب بھی لشکر واپس نہ بلاؤں گا۔

(۲) اور ابوبکر صدیق نے جو اس مجلس میں حاضر تھے یہ بات سن کر عروہ کی تغلیظ کی ـــــ یعنی گالی دی ہے

۔۔۔۔۔ ا مصص بظر اللات امصص صیغہ امر ہے ۔۔۔۔ مصدر اس کا مص یعنی مکیدن۔ دودھ پینا۔ چوسنا اور بظر اسے کہتے ہیں جو چھیچھڑا عورت کے ختنہ کرنے کے بعد فرج میں باقی رہے۔" (مدارج النبوۃ ترجمہ مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۲۲۴ طبع نولکشور لکھنؤ) ۔۔۔۔ (۳) امصص بظر اللات (یہ ابوبکر صدیق نے عروہ بن مسعود ثقفی سے کہا) اسے جا۔ لات کا تنہ چوس (اسکو بوسہ دے اسکو چوس)" (لغات الحدیث ج ۱ صفحہ ۵۶ طبع کراچی از علامہ وحید الزمان)۔ ۔۔۔

اگر مؤلف اس وقت زندہ ہوتے تو ہم ان سے پوچھتے کہ خدا کو حاضر جان کر بتائیں کہ ایسا پاجیانہ۔ سوقیانہ، فحش، بیہودہ اور تہذیب و شرافت سے گرا ہوا کلام تو شہدے اوباش بے تمیز مشٹنڈے دس نمبریے بھی تخلیہ میں بیٹھ کر کرنے سے شرماتے ہیں۔ جو آپ کے خلیفہ اول نے کیا ہے؟ یا وہ میاں بھی یہی فتوے دیں گے کہ مودتی علماء کسی وجہ سے ان سے ناراض تھے اسلئے ان ناعاقبت اندیشوں نے ایسا پاجیانہ کلام انکی طرف منسوب کرکے ان پر ناروا حملہ کیا؟

بد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے
ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

انبیاؑ کے کثرت ازدواج کرنے کا جواب

مؤلف امام رضا علیہ السلام کے اس فرمان پر بھی آتش زیرپا نظر آتے ہیں کہ منجملہ اخلاق انبیاء کے کثرت جماع اور کثرت زنان بھی ہے ۔۔۔۔ کیا حقائق اس کی تائید نہیں کرتے؟ کیا حضرت داؤدؑ کے گھر ایک سو اور جناب سلیمان کے گھر بھی سو بیویاں نہیں تھیں؟ (قصص الانبیاء ثعلبی صفحہ ۱۹۷ و صفحہ ۲۲۳ طبع مصر) اور کیا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کم از کم تیرہ بیویاں موجود نہ تھیں؟

کیا مدارج النبوۃ ج ۱ صفحہ ۲۳ طبع نولکشور میں متعدد حوالہ جات سے یہ نہیں لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تیس اور دوسری روایت کے مطابق جنت کے چالیس مردوں کی طاقت موجود تھی اور یہ کہ ایک جنتی مرد کی طاقت دنیا کے سو مردوں کے برابر ہوتی ہے۔ اس طرح آپ میں دنیا کے چار ہزار مرد کی طاقت بنتی ہے اور یہ کہ ایک ہی رات میں اپنی تمام بیویوں سے مباشرت کر لیا کرتے تھے۔ (کذا فی البخاری ج ۲ صفحہ ۷۵۸ طبع دہلی اسی جلد اور اسی صفحہ میں ابن عباس کا یہ قول موجود ہے فان خیر ھذہ الامۃ اکثرھا نساءً۔ یعنی اس امت کا بہترین آدمی وہ ہے جس کی بیویاں زیادہ ہوں۔"

انبیاء اپنے تمام ظاہری و باطنی قویٰ میں سرآمد روزگار ۔ ۔ ۔ ہوتے ہیں۔ تو قوت مردی میں بھی وہ سب لوگوں پر فائق ہونگے اور یہاں بھی۔ گناہ کا ارتکاب نہ کریں تو یہ ان کے لئے باعث کمال ہے یا باعث نقص؟؟ بینوا توجروا!

مگر افسوس ؎

ہنر است سعدی و بچشم عداوت خار!

قاتلانِ امام حسین شیعہ تھے

سید الشہداء حضرت امام حسینؓ سے جو سلوک شیعوں نے کیا

کتب شیعہ اس پر شاہد ہیں۔ کوفہ سے ہزار دں کی تعداد میں مراسلات بھیج کر امام علیہ السلام کو بلوایا۔ پہلے حضرت امام مسلم کو معہ خورد سال بچوں کے شہید کیا پھر امام حسین کو انہی شیعہ حضرت نے بے دردی سے قتل کیا ——— (بعد ازاں جلاء العیون اردو ص۴۷ سے ایسا ہی ایک حوالہ نقل کر کے آخر میں لکھا ہے ———) اس مسئلہ کی تفصیل آگے آنے گی۔ (آفتاب ص۱۷۱

الجواب

ہم بھی اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ آخر کتاب میں وہاں تبصرہ کریں گے جہاں مؤلف تفصیلاً اس مسئلہ پر گفتگو کریں گے انشاء ——— سر دست صرف اسقدر کہہ دینا کافی ہے کہ یہ صرف ایک دوسرے کا منہ چڑانے کیلئے کہا جاتا ہے کہ قاتلانِ امام حسینؑ شیعہ تھے یا سنی تھے! لیکن تاریخی واقعات اس حقیقت کو بالکل بے نقاب کر دیتے ہیں کہ قاتلانِ امام اسلام سے تو در کنار بھی کوئی تعلق و واسطہ نہ رکھتے تھے۔ قتل حسینؑ کا اصل بانی یزید لعین تھا جس نے کفر والحاد میراث میں پایا تھا ——— یزید لعنتی کے بعد دوسرا شخص جسے قاتل حسین کہا جا سکتا ہے وہ پسر مرجانہ عبید اللہ بن زیاد ہے جو یزید لعین کے ساتھ یک جان و دو قالب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا کفر و الحاد بھی طشت از بام ہے ——— تیسرا شخص جو براہ راست قتل حسینؑ کا ذمہ دار کہا جا سکتا ہے وہ عمر بن سعد ہے جس کا کفر والحاد قطع نظر دوسرے تاریخی شواہد کے خود اس کے ان کافرانہ اشعار سے واضح و آشکار ہے۔ جو تاریخ کامل ابن اثیر ج ۳ ص۲۸۳ وغیرہ میں مذکور ہیں۔ اور اگر بفرض محال ان کو مسلمان تسلیم کیا جائے تو پھر ان کا مذہب وہی تھا جو یزید کا تھا اور یزید مؤلف کے مذہب میں رسول کا چھٹا خلیفہ ہے (تاریخ الخلفاء۔ شرح فقہ اکبر وغیرہ) اور جہاں تک فوج کا تعلق ہے۔ وہ انہی افراد پر مشتمل تھی جو اب یزید کو اور اس سے پہلے معاویہ کو خلیفہ رسول جانتی تھی لہٰذا ان کا مذہب وہی تھا جو یزید کا تھا۔ یہ درست ہے کہ کسی زمانہ میں کوفہ شیعیان علی سے چھلک رہا تھا۔ مگر جونہی معاویہ کو ممالک اسلامیہ پر تسلط حاصل ہوا اور کوفہ پر نامعلوم باپ کا بیٹا زیاد حاکم مقرر ہوا۔ تو شیعیانِ کوفہ پر مظالم و مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور زمین خدا ان پر تنگ ہو گئی۔ ابو الحسن مدائنی نے کتاب الاحداث میں اور دیگر مؤرخین نے ان مظالم کی مرقع کشیاں کی ہیں چونکہ زیاد سب شیعیان علی کو جانتا پہچانتا تھا اسلئے اس نے چن چن کر ان کو قتل کیا۔ ہاتھ پاؤں قطع کئے، آنکھوں میں سلائیاں پھروائیں۔ درختوں پر سولیاں دلوائیں۔ عراق سے جلا وطن کیا۔ یہاں تک کہ کوئی معروف و مشہور شیعہ علی ان میں باقی نہ رہا۔ (نصائح کافیہ ص) ——— یہ صورتحال کوئی ماہ دو ماہ یا سال دو سال نہیں بلکہ پورے بیس سال تک قائم رہی۔ یہاں تک کہ بچے جوان، جوان بوڑھے اور بوڑھے فنا ہو گئے ——— جو کچھ بچے کھچے شیعہ

تھے بھی۔ وہ انتہائی گمنامی اور کسمپرسی کے عالم میں زندگی کے دن گذار رہے تھے ـــــ بنابریں یہ سمجھنا کہ امام حسینؑ کو خطوط لکھنے والے سب مخلص شیعہ تھے۔ محض غلط ہے۔ یہ سب لوگ ہرگز شیعہ نہ تھے بلکہ بموجب ع

ہر کسے سکہ زند خطبہ بنامش خوانند

ہوا کا رخ دیکھ کر چلنے والے ابن الوقت تھے۔ معاویہ کی موت کے بعد جو ملک میں انقلاب کے آثار نمودار ہو گئے تھے یزید سے اس کی سیاہ کاریوں کی وجہ سے تنفر اور امام حسینؑ کی ہردلعزیزی۔ ادھر کل جدید لذیذ کے طبعی قانون کے مطابق ہر تازہ تحریک میں لذت ہوتی ہے وہ بھی امام کو دعوت دینے کا محرک تھا اور جب آپکے نمائندہ جناب مسلم تشریف لائے تو ہفتہ کے اندر اندر اٹھارہ ہزار کوفیوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی ـــــ مگر مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں کوفہ کے اندر اٹھارہ ہزار شیعوں کی تعداد کیونکر ہو سکتی تھی؟ عارضی و سطحی اسباب سے جو فضا ہموار ہوتی تھی اس میں کیا ثبات و استقرار ہو سکتا تھا؟ اسی کا نتیجہ تھا جو بعد میں ظاہر ہوا ـــــ ہاں ان خطوط لکھنے والوں میں جو بعض مخلص شیعہ تھے وہ واقعہ کربلا میں امامؑ کے ہمرکاب ہو کر لڑے یہاں تک کہ جام شہادت نوش کیا (از رسالہ قاتلانِ حسینؑ کا مذہب) ـــــ ورنہ ظاہر ہے کہ شیعہ تو وہ ہوتا ہے جو علی اور اولادِ علی کا متبع و پیروکار ہو۔ نہ وہ جو ان کا جانی دشمن بلکہ جان لیوا قاتل و بدکردار ہو۔ مالکم کیف تحکمون؟

نوٹ:۔ اس موضوع کی پوری تحقیق ہماری کتاب سعادۃ الدارین فی مقتل الحسینؑ میں موجود ہے۔ اسکی طرف رجوع کیا جائے

لطیفہ ۳ مؤلف کی حالت بھی عجیب ہے کہ نہ ماننے پہ آئیں تو حضرت علی کو پہلا امام اور امام محمد باقر و امام جعفر صادق کو امام نہ مانیں اور ماننے پر آئیں تو جناب مسلم بن عقیل کو بھی امام کہہ دیں

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

علاوہ بریں وہ کبھی "امام حسنؑ" کبھی "امام حسینؑ" کبھی "امام باقرؑ" اور کبھی "امام صادقؑ" لکھتے ہیں۔ اسی مبحث امامت و خلافت کی پہلی تنقیح میں لکھ آئے ہیں کہ خلافت و امامت دو الگ الگ چیزیں نہیں بلکہ ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ تو بنابریں کیا وہ ان ذوات مقدسہ کو رسول اسلام کا خلیفہ بھی تسلیم کرتے ہیں؟ اگر فی الواقع ایسا ہی ہے تو آنحضرت کے ارشاد کے مطابق کل خلیفے بارہ ہیں۔ جن کی تعداد ائمہ اہلبیت سے پوری ہو جاتی ہے پھر وہ دوسرے سلسلہ کے خلفاء کو کیا جانتے ہیں؟؟ بینوا توجروا!

قاتلان امیر رضی اللہ عنہ شیعہ ہی تھے

اسی طرح امیر المومنین علی المرتضیٰ کو بھی شہر کوفہ میں جو شیعیان علی کا مرکز تھا ایک ملعون کے ہاتھ سے شہید ہوئے ـــــ (دیکھو جلاء العیون اردو ص۲۲۲) سے اس مضمون کی ایک روایت نقل کی ہے۔ حضرت علیؑ اس شہر میں شہید ہو گئے

جو علی سے شیعوں کا محل و مسکن ہوگا ——— ابن ملجم قاتل جناب امیر شیعہ تھا ———

چنانچہ کتاب مذکور کے جلد ۱ صفحہ ۱۹۱ میں ہے۔ شیخ مفید وغیرہ نے بسندہائے معتبرہ روایت کی ہے جناب امیر نے لوگوں سے بیعت لی۔ اس وقت عبد الرحمن بن ملجم مرادی ملعون آیا کہ حضرت سے بیعت کرے۔ حضرت نے اسکی بیعت قبول نہ فرمائی یہاں تک کہ تین مرتبہ حضرت کی خدمت میں آیا اور مرتبہ سیوم میں حضرت سے بیعت کی جب اس نے پیٹھ پھیری۔ حضرت نے پھر اسے بلایا اور قسمیں دیں کہ بیعت سے انحراف نہ کرنا۔ اور عہدہائے محکم اس ملعون سے لئے۔

نظم

ان کوفیوں نے کیسی دغا دی امیر کو — بن کر مرید قتل کیا اپنے پیر کو
بدنام خارجی تو ہیں بغض و عناد میں — یہ بڑھ گئے ہیں رافضی شر و فساد میں
مسلم کو بھی شہید کیا کر کے میہماں — مظلوم کو نہ ایک بھی شیعہ نے دی اماں
پھر کر دیا شہید جناب حسینؑ کو — ابن علیؓ رسول کے اس نور العین کو
بلوایا کس نے آپ کو لکھ کر مراسلات — پھر کس نے ان سے روک لیا دجلہ و فرات
بھوکے پیاسے مار دیئے اہلبیت سب — بن کر مرید پیر پہ ڈھایا تھا یہ غضب
قاتل جناب کے بھی روافض ہیں آہ آہ — اس پر کتابیں شیعہ کی ہیں سربسر گواہ
ماتم ہوا امام کا گھر میں یزید کے — ہیں ماتمی یہ گویا مرید اس عنید کے
اس سنتِ یزید سے لائق ہے اجتناب — رونے میں پیٹنے میں نہ ہرگز ہے کچھ ثواب
صابر کو ملتا اجر ہے رب العباد سے — چھوٹے ہے جو صبر رہتا ہے خالی مراد سے
کرنے سے جزع فزع کے ہوتا ہے بس گناہ — اس مسئلہ پہ سارے ائمہ بھی ہیں گواہ

مطلوب بس نصیحت احباب ہے دبیر
کینہ حسد سے اپنا مگر صاف ہے ضمیر

الجواب

اگر مؤلف کے اس بے ہودہ اور رکیک استدلال کے جواب میں کوئی یہ کہہ دے کہ جناب عثمانؓ کے قاتل سنی العقیدہ اور عثمانی المسلک تھے کیونکہ ان سب نے قتل سے پہلے عثمانؓ کی بیعت کی ہوئی تھی۔ تو موصوف کیا جواب دیں گے؟ حقیقت یہ ہے کہ تمام سنی شیعہ

مؤرخین متفق ہیں کہ عبد الرحمن بن ملجم خارجی العقیدہ شخص تھا۔ اور صرف از راہِ منافقت جناب امیر کی بیعت کی تھی۔ اسی لئے تو آنجناب نے دو مرتبہ اس سے بیعت نہ لی تھی۔ ورنہ مؤلف اس انکار کی وجہ بتائیں؟ اور بالآخر اس کے اصرار سے مجبور ہو کر بیعت تو لے لی۔ مگر اتمام حجت کی خاطر اس سے اور لوگوں سے دوبارہ عہد و پیمان لئے۔ یہ سب باتیں کس بات کی غمازی کرتی ہیں۔ وہ دیدۂ بینا رکھنے والوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ہاں البتہ ؏

دیدۂ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے ؟ ؟

مؤلف نے جلاء العیون سے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ تو مذکور ہے کہ حضرت علی کو جس شہر میں شہید کیا جائے گا وہ شیعیانِ علی کا مسکن ہوگا۔ مگر اس میں یہ تو مذکور نہیں کہ قاتل بھی شیعہ ہوگا۔ کیا کوفہ میں غیر شیعہ موجود نہ تھے؟ ضیافت طبع کی خاطر نظم کا جواب نظم میں ہم ردیف و قافیہ پیش خدمت ہے

قاتلانِ عثمان

از قلم حقیقت رقم منظور بخاری (۰ رزم)

اے بھائی کس طرح سے کوئی بد ضمیر کو — وہ کون تھا کہ جس نے دغا دی امیر کو
شیرِ خدا کے قتل میں شیعہ ہی تھے اگر — سُنی کہاں چلے گئے کچھ تو بتا خبر
آلِ نبی پہ ظلم کی آندھی چلی رہی — اُمت تمام تکتی یونہی کھڑی رہی
بدنام اہلِ کوفہ ہیں بغض و عداوتِ دین — اہلِ مدینہ بڑھ گئے لیکن فساد میں
لیکن مقامِ حیرت و عبرت ہے دوستو — قتلِ خلیفہ ایک حقیقت ہے دوستو
عثمان قتل ہو گئے دارالامان میں — نادم تمام سُنی ہیں اب تک جہان میں
مظلوم کو نہ ایک بھی سُنی نے دی اماں — شیعہ تو خیر کب تھے ؟ کہ ہوتے کہیں وہاں
بن کر مرید حضرت عثمان کا عجب — دفنایا بے نماز ہی کیسا کیا غضب
عثمانِ باحیا کے قاتل تھے کون کون؟ — اربابِ فتنہ کیش میں شامل تھے کون کون!
سُنی شریکِ قتلِ خلیفہ میں گر نہیں — قاتل علیؓ حسینؓ کے شیعہ بھی پھر نہیں
ملتا ہے جس سے راہِ ہدایت کا بس سُراغ — واللہ تجلیاتِ صداقت ہے وہ چراغ
منظور تجھ پہ لطفِ شہِ مشرقین ہے — تو جو رفیقِ کار محمد حسین ہے

حضرت امام محمد باقر و جعفر صادق رحمہم اللہ تعالےٰ

ان حضرات پر تو شیعہ صاحبان کی انتہا سے زیادہ نظرِ عنایت ہے ـــــ ان حضرات کی نسبت جو جو اتہام شیعہ صاحبان

نے لگاتے ہیں سن کر تعجب ہوتا ہے۔

(۱) حضرت محمد باقر کی نسبت ——— من لا یحضرہ الفقیہ ج۱ صث میں لکھا ہے دخل ابو جعفر ——— (بحذف عربی) ترجمہ ——— امام محمد باقر بیت الخلاء ——— میں داخل ہوئے تو وہاں روٹی کا ٹکڑا گو ہ میں پڑا ہوا تھا۔ آپ نے اٹھا کر دھو لیا اور اپنے غلام کے حوالے کیا کہ اسے محفوظ رکھنا جب میں باہر نکلوں گا تو اسے کھاؤں گا۔ جب آپ باہر نکلے تو نوکر سے ٹکڑا مانگا۔ اس نے کہا حضرت وہ تو میں نے کھا لیا۔ آپ نے کہا جاؤ میں نے تجھے آزاد کیا کیونکہ تو ٹکڑے کے کھانے سے جنتی ہو گیا ——— دیکھ لیجئے ——— الزام امام ——— پر ہے کہ آپ گو ہ سے ملوث ٹکڑا کھا لینا جائز سمجھتے تھے ——— بلکہ اس میں الٹا ثواب سمجھتے کہ کھانے سے جنت مل جاتی ہے۔

(۲) کیا حضرت پہلے جنتی نہ تھے ———

(۳) ——— جنت ایسی ارزاں ہو گئی کہ ایسے متعفن لقمہ کھانے سے مل جاتی ہے ———

(۴) ان ابا جعفر علیہ السلام (بحذف عربی) ——— ترجمہ: امام محمد باقر علیہ السلام کہا کرتے تھے کہ جو خدا اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ حمام میں تہہ بند باندھے بغیر داخل نہ ہوا کرے۔ ایک روز آپ حمام میں داخل ہونے لگے تو اپنی شرمگاہ کو آپ نے چونہ لگا دیا۔ جب چونا لگا چکے تو تہہ بند کھول کر پھینک دیا۔ غلام نے عرض کیا۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ تو ہمیں تہہ بند باندھنے کا ضروری حکم دیا کرتے تھے اور آج آپ نے تہہ بند اتار کے پھینک دیا ہے۔ فرمانے لگے تجھے معلوم نہیں ہے کہ چونے نے شرمگاہ کو چھپا لیا ہے۔" (فروع کافی ج ۲ صـ) توبہ توبہ ائمہ پاک کے ذمے یہ کیا افترا ہے کہ لوگوں کو تو تہہ بند باندھے حمام میں داخل ہونے کا حکم دیتے تھے اور خود شرمگاہ کو چونا لگا کر تہہ بند پھینک کر اپنے غلام کے سامنے ننگ دھڑنگ کھڑے ہو گئے ——— کیا ایسی حرکت کوئی باحیا آدمی کر سکتا ہے ——— (۵) فروع کافی ج ۲ صـ میں ہے عن ابی الحسن الماضی ——— (بحذف عربی) ترجمہ۔ امام ابوالحسن ماضی فرماتے ہیں کہ شرمگاہیں صرف دو ہیں۔ اگلی اور پچھلی لیکن پچھلی تو چوتڑوں سے چھپی ہوئی ہے پس جب تو نے ذکر اور خصیتین کو چھپا لیا تو تو نے اپنی شرمگاہ کو چھپا لیا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ دبر کو تو چوتڑوں نے چھپا لیا ہے اور اگلی فقط ہاتھ سے چھپا لو بس ستر عورت ہو گیا۔ لا حول ولا قوۃ۔ اماماں پاک کا درجہ تو بہت رفیع ہے کوئی باحیا شخص ایسا حکم دے نہیں سکتا ——— (۶) اسی فروع کافی ج ۲ صـ میں ہے (بحذف عربی) ——— ترجمہ: امام صادق علیہ السلام نے فرمایا کافر

یا عورت کی شرمگاہ کو دیکھ لینا ایسا ہے جیسا گدھے کی شرمگاہ دیکھ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے"۔ ——— واہ بے خوش!

——— مسلمان مرد اور مسلمان عورت کی شرمگاہ کو تو چونہ سے ڈھانپ لینا چاہیئے۔ اب کافر مرد و عورت کی شرمگاہ دیکھ لیا کرو ———

ع نگاہِ شوق کو حاصل ہے کیا کیا لطفِ نظارہ
کہ عریاں دیکھنا جائز ہے معشوقانِ کافر کو

اسی قسم کے عجیب و غریب مسائل اہلِ بیت کی طرف منسوب کئے گئے ہیں ان میں سے کسی قدر مسائل بطور مشتے نمونہ خروار درج کئے جاتے ہیں (آفتاب ص۱۷۸)

الجواب

متنبی نے بالکل بجا کہا ہے۔ ع

وکم من عائب قولاً صحیحاً
وآفتہ من الفھم السقیم

یعنی بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو صحیح بات کو غلط کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ بات غلط نہیں ہوتی بلکہ ان کا دماغ خراب ہوتا ہے یہی کہاوت ہمارے مؤلف صاحب پر بھی صادق آتی ہے کہ وہ فضیلت کو بھی رذیلت سمجھ رہے ہیں۔ سچ ہے ؎

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد
عیب نماید ہنرش در نظر

ایسا اعتراض وہی شخص کر سکتا ہے جو اپنی کتب فقہیہ کی ابجد سے بھی ناواقف ہو۔ ورنہ جن کے مذہب میں "موزہ پاخانہ سے بھرا ہوا ہو۔ تو زمین پر رگڑنے سے پاک ہو جاتا ہے (ہدایہ جلد۱ ص۲۹) ——— اور اگر کسی عضو پر نجاست مثل شراب و منی وغیرہ کی ہو تو زبان سے چاٹنے سے وہ جگہ پاک ہو جاتی ہے (حقیقۃ الفقہ ص۴۲ درمختار ج۱ ص۲۳ قاضی خان ج۱ ص۱۱) اور جن کے نزدیک سئور کا چمڑا بھی رنگنے سے پاک ہو جاتا ہے (شرح وقایہ ص۱۳ وغیرہ) ——— تو کیا ان کے نزدیک بیت الخلاء میں پڑا ہوا روٹی کا ٹکڑا پانی سے دھونے سے پاک نہیں ہو سکتا! اس میں خدا کے رزقِ حلال کا احترام پایا جاتا ہے۔ جو یقیناً کارِ ثواب ہے۔ کیا اچھے اور نیکی کے کام صرف اسے کرنے چاہئیں جو بخشا ہوا نہ ہو۔ اور نیکو کاروں کو کارِ خیر بجالانے کی ضرورت نہیں؟ اگر اہلسنت کے نزدیک صرف کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ پڑھ لینے سے جنت واجب ہو سکتی۔ (بخاری شریف ج۱ ص۱۴۲) تو ایسا ٹکڑا کھانے سے جنت ملنے پر انہیں کیا ایراد ہو سکتا ہے؟ حالانکہ روایت میں یہ مذکور نہیں کہ وہ

پاخانہ میں لے جانا ہوا تھا بلکہ صرف یہ کہا ہے کہ بیت الخلاء میں پڑا تھا فالفرق واضح۔

(۲) حمام میں داخل ہونا اور ننگا نہانا پیغمبر اسلام کی سنت ہے (فتاوی قاضی خاں ج ۱ ص) اور شرمگاہ کی جو حد اس حدیث میں بیان کی گئی ہے بعض ائمہ اہلسنت کے نزدیک بھی وہی ہے۔ چنانچہ کتاب متفق مفترق معروف بہ افصاح (علی مانقل عنہ کوالنزبہا) میں مرقوم ہے۔ فی حد عورۃ الرجل قال احمد فی الروایۃ الاخری ہی القبل والدبر وہی روایۃ عن مالک" یعنی مرد کی شرمگاہ کی حد کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام احمد سے دوسری روایت یہ ہے کہ اس سے مراد صرف قبل و دبر (آگا پیچھا) ہے اور یہی روایت امام مالک سے بھی ہے۔ (کذا فی رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ)

بنابریں اگر نورہ لگا ہو تو اس سے اسی طرح ستر حاصل ہو جاتا ہے جس طرح کپڑے سے حاصل ہوتا ہے۔

علاوہ بریں اس روایت میں یہ کہاں وارد ہے کہ امام غلام کے سامنے کپڑے اتار کر کھڑے ہو گئے تھے اس میں تو یہ ہے کہ جب آپ حمام میں تشریف لے گئے اور تہہ بند اتار کر باہر پھینکا تو غلام نے وہ سوال کیا جو روایت میں مذکور ہے۔ ذرا اپنی بخاری شریف کا مطالعہ فرمائیں جس میں جناب موسیٰ اور جناب ایوب کا ننگے غسل کرنا مذکور ہے اسی بنا پر بخاری نے ایک باب مستقل لکھا ہے جس کا عنوان ہے۔ باب من اغتسل عریاناً وحدہ والتستر افضل (ج ۱ ص ۴۲ طبع مصر) یعنی تنہا ننگے نہانے کا باب اگرچہ ستر افضل ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ والے واقعہ کی شرح میں فاضل عسقلانی فتح الباری میں لکھتے ہیں۔" وفی الحدیث دلیل علی اباحۃ التعری فی الخلوۃ وغیرہ بحیث یأمن اعین الناس ودلیلہ دلیل علی جواز النظر الی العورۃ عند الضرورۃ الداعیۃ الیہ۔ یعنی اس حدیث سے خلوت وغیرہ میں ننگے ہونے کے جواز پر دلیل ہے۔ جبکہ لوگوں کی نگاہوں سے امن ہو اور نیز ضرورت کے وقت شرمگاہ کی طرف نظر کرنا بھی جائز ہے" حمام میں نہانا تو درکنار امام مالک کے نزدیک تو ننگے نماز پڑھنے سے نماز بھی باطل نہیں ہوتی۔ جیسا کہ کتاب رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ مؤلفہ شیخ عبدالوہاب شعرانی میں کہا ہے "وستر العورۃ عن العیون واجب بالاجماع وھو شرط فی صحۃ الصلوۃ الا عند مالک قال ھو واجب للصلوۃ ولیس بشرط فی صحتہا یعنی بالاجماع شرمگاہ کا چھپانا نماز میں واجب اور شرط صحت نماز ہے سوائے مالک کے کہ ان کے نزدیک واجب تو ہے لیکن صحت نماز کی شرط نہیں ہے۔ (یعنی اگر کوئی شخص ننگا ہو کر نماز پڑھے تو نماز ہو جائے گی) انصاف شرط ہے اگر تہہ بند کے بغیر نماز ہو سکتی ہے تو کیا حمام میں غسل نہیں ہو سکتا؟

علاوہ بریں یہ روایت سند کے اعتبار سے مجہول ہے جو نا قابل استدلال ہے۔ دوسروں پر اعتراض کرنے سے پہلے ذرا اپنے کار خانہ کے حال پر بھی نظر ڈالنی چاہیئے! تاکہ بعد میں پچھتا کر یہ کہنا نہ پڑے کہ:

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

——— باقی رہا کافر مرد کی شرمگاہ کی طرف دیکھنے کا جواز (روایت میں کافرہ عورت کا کوئی ذکر نہیں) یہ مطلب خدا کے اس ارشاد سے ثابت ہے کہ اولئک کالانعام کہ کافر چوپاؤں کی مانند ہیں۔
اصل بات یہ ہے کہ مسلمان کی شرمگاہ کی طرف دیکھنا اس کے اسلامی احترام کی وجہ سے حرام ہے اور یہ چیز کافر میں مفقود ہے۔ کیونکہ وہ چوپاؤں کی مانند ہیں۔ بلکہ ان سے بھی بدتر ——— کما لا یخفی۔
بعد ازیں اگر ہم اس موقع پر ان کے شعر کے جواب میں یہ شعر پڑھ دیں تو باعث ناراضی تو نہ ہوگا؟

لا مذہبوں میں شرم کا کچھ بھی اثر نہیں
ہے اعتراض اوروں پہ اپنی خبر نہیں

مسائل شیعہ جو ائمہ اہلبیت کی طرف منسوب کئے گئے ہیں

پہلا مسئلہ ——— یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کو بدا ہوتا ہے یعنی معاذ اللہ وہ جاہل ہے۔ اس کو سب باتوں کا علم نہیں ہے۔ اسی وجہ سے اسکی اکثر پیشگوئیاں غلط ہو جاتی ہیں اور اسکو اپنی رائے بدلنا پڑتی ہے ——— اس کے برابر کوئی عبادت نہیں۔ چنانچہ اصول کافی ص۸۵ میں مستقل باب ——— ہے (۱) ——— ۲ ——— ۳ (بحذف عربی) ——— زرارہ بن اعین نے حضرت امام باقر یا صادق سے روایت کی ہے۔ خدا کی عبادت بدار کے برابر کسی چیز میں نہیں۔
(۲) مالک جہنی کہتے ہیں کہ امام صادق نے کہا اگر لوگوں کو معلوم ہو کہ بدار کے ——— اقرار کرنے میں ثواب ہے تو وہ اس سے باز نہ رہیں۔
(۳) مرازم بن حکیم راوی ہے کہ امام صادق علیہ السلام نے کہا کسی نبی کو نبوت نہیں ملی جب تک اس سے پانچ چیزوں کا اقرار نہ لیا گیا ہو۔ بدا اور مشیت اور سجدہ اور عبودیت اور اطاعت ان روایات سے بدار کا ضروری مسئلہ ہونا ——— ثابت ہوتا ——— بدا کیا چیز ہے ——— کتب لغت کی طرف رجوع کرنا چاہئیے۔ کتب لغت میں لکھا ہے بدا لہ ای ظہر لہ ما لم یظہر (فلاں شخص کو بدا ہوا یعنی وہ چیز معلوم ہوئی جو پہلے معلوم نہ تھی)

بدا کی مثالیں شیعہ کتابوں میں بدا کے واقعات بہت مذکور ہیں ذیل میں دو ایک واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ (۱) ——— بحار الانوار میں

روایت کی ہے (بحذف عربی) ــــــ ترجمہ: امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ انہوں نے اسمٰعیل کو اپنا قائم مقام اپنے پیچھے بنایا۔ پھر اسمٰعیل سے کچھ ناپسندیدہ حرکت سرزد ہوئی تو پھر موسےٰ کاظم کو اپنا قائم مقام بنا دیا۔ اس کی وجہ دریافت کی گئی تو امام نے فرمایا۔ اسمٰعیل کے متعلق خدا کو بداء ہوا اور خدا کو پہلے ایسا بداء نہیں ہوا جیسا کہ میرے بیٹے کے بارہ میں ہوا۔

دوسرا واقعہ امام علی نقی نے خبر دی کہ میرے بعد میرا بیٹا محمد امام ہوگا۔ لیکن شاید خدا کو علم نہ تھا کہ وہ باپ کی زندگی میں فوت ہو جائے گا۔ جب وہ فوت ہوا۔ تو معاذاللہ خدا کو رائے بدلنی پڑی۔ حسن عسکری امام ہوتے ــــــ اصول کافی صفحہ ۲ میں ہے (بحذف عربی) ــــــ ترجمہ ــــ ابو ہاشم جعفری سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں ابوالحسن (امام تقی) کے پاس بیٹھا ہوا تھا جب کہ انکے بیٹے ابو جعفر (محمد) فوت ہو گئے اور میں اپنے دل میں خیال کر رہا تھا اور کہنا چاہتا تھا کہ محمد اور حسن عسکری کا معاملہ اس وقت موسےٰ کاظم اور اسمٰعیل کا سا ہے۔ ان دونوں کا واقعہ بھی ان دو کی طرح ہے۔ اچانک امام تقی متوجہ ہو گئے۔ ابھی یہ بات کہنے نہ پایا تھا اور کہا کہ اے ابو ہاشم! خدا کو ابو محمد یعنی حسن عسکری کے بارہ میں محمد کے بعد بداء ہوا۔ جو بات معلوم نہ تھی معلوم ہو گئی۔ جیسا کہ خدا کو دوبارہ موسیٰ کاظم اسماعیل کے بعد ہوا جس سے اصل حقیقت ظاہر ہو گئی اور بات ویسی ہی ہے جیسی تم نے اپنے دل میں خیال کی اگرچہ بدکار لوگ اس کو ناپسند کریں اور ابو محمد! ــــــ (حسن عسکری) میرے بعد میرا خلیفہ ہے۔ اس کے پاس تمام ضرورت کی چیزوں کا علم ہے اور نیز اس کے پاس آیت امامت بھی ہے ــــ اور یہ بات کہ بداء کے ماننے سے معاذاللہ خدا کا جاہل ہونا لازم آتا ہے۔ خود علماء شیعہ نے تسلیم کر لی ہے چنانچہ مولوی دلدار علی مجتہد شیعہ نے ــــ اساس الاصول صفحہ ۱۱۳ میں تحریر کیا ہے۔ (بحذف عربی) ترجمہ۔ چاہیئے کہ بداء کا قائل نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے باری تعالےٰ کا جاہل ہونا لازم آتا ہے" ــــــ لیکن شیعہ مولوی دلدار کو مانیں یا اصول کافی۔ جیسی مستند و مصدقہ امام مہدی کتاب حدیث کا اعتبار کریں؟

ــــ نعوذ باللہ شیعہ بداء کے قائل ہو کر خدا کو جاہل بتاتے ہیں تو دوسروں کا کیا شکایت

ع سمجھ میں ہی نہیں آتی ہے کوئی ذوق بات ان کے
کوئی جانے تو کیا جانے کوئی سمجھے تو کیا سمجھے؟

(آفتاب صفحہ ۱۸۰)

الجواب۔ بداء کا بیان مؤلف نے اپنی عادتِ شریفہ کے مطابق یہاں بھی دین و دیانت اور خوفِ حشر و نشر کے تقاضوں سے بالا ہو کر مسئلہ بداء پر تنقید کی ہے۔ انہوں نے بداء کی یہ توضیح کی ہے کہ (معاذ اللہ) "خدا جاہل ہے اس کو بہت سی باتوں کا علم نہیں ہوتا" حالانکہ اصول کافی کے جس باب سے انہوں نے بداء کی تین روایات نقل کی ہیں اسی باب میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ ارشاد موجود ہے "ان اللہ لم یبد لہ من جہل" خدا کو کبھی جہل کی وجہ سے بداء نہیں ہوتا"۔ نیز اسی باب میں یہ سوال و جواب بھی موجود ہے۔ منصور بن حازم آنجناب سے دریافت کرتا ہے "ہل یکون الیوم شیئ لم یکن فی علم اللہ بالامس؟ آیا ایسا ہو سکتا ہے کہ آج کوئی ایسی چیز واقع ہو جس کا خدا کو کل علم نہ تھا؟ فرمایا نہیں پھر فرمایا من قال ہذا فاخزاہ اللہ۔ جو شخص ایسا کہے خدا اسے ذلیل و رسوا کرے" یہ امام کی بددعا کا نتیجہ ہے کہ اگرچہ موصوف ہمیشہ ذلیل و رسوا رہے ہیں۔ مگر آج (جبکہ ان کی موت کو عرصہ دراز گذر چکا ہے) ان کی رسوائی کے مزید اسباب جمع ہو رہے ہیں۔ بہرحال روایت میں یہ صراحت موجود ہے، ہمارے علماء اعلام کے کلام میں بھی صراحت موجود ہے کہ خدا کو معاذ اللہ نادانی کی وجہ سے بداء نہیں ہوتا۔ چنانچہ علامہ سید عبداللہ شبر صاحب مصابیح الانوار ج ۱ صفحہ طبع نجف اشرف میں لکھتے ہیں "ومن نسب ذلک الی الامامیۃ من النواصب فقد افتری علیہم کذبا والامامیۃ منہ براء" "جو شخص ناصبیوں میں سے یہ مطلب امامیہ کی طرف منسوب کرتا ہے وہ ان پر افترا پردازی کرتا ہے اور وہ اس سے بیزار ہیں" بعد ازیں کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ شیعہ خدا کو جاہل سمجھتے ہیں (معاذ اللہ)

بداء کی لغوی تحقیق ہاں یہ درست ہے کہ بداء کے لغوی معنی یہی ہیں کہ ظہور بعد الخفاء (اور اسی وجہ سے مخالفین کو زبان اعتراض کھولنے کا موقع ملا ہے)۔ مگر شیعہ اس معنی کے اعتبار سے ہرگز بداء کے قائل نہیں۔ بلکہ جب یہ لفظ خدا تعالیٰ کے حق میں استعمال ہوتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے۔ اظہار بعد الخفاء۔ یعنی جو چیز لوگوں پر پہلے مخفی ہوتی ہے خدا اسکو ظاہر کر دیتا ہے جیسے قرآن مجید میں وارد ہے "وبدا لہم من اللہ ما لم یکونوا یحتسبون" خدا کی طرف سے لوگوں پر وہ بات ظاہر ہوئی۔ جس کا ان کو پہلے سان گمان بھی نہ تھا۔ یہ حقیقت اربابِ علم و فہم پر پوشیدہ نہیں ہے کہ کسی لفظ کے متعلق و منسوب الیہ کے بدلنے سے اس کے معنی بھی بدلتے ہیں مثلاً اہدنا الصراط المستقیم جو شخص ہے تو کیا جاہل و عالم، نیک و بد۔ ولی و نبی ہر شخص کے اعتبار سے اس کے ایک ہی معنی کئے جائیں گے؟ یا متعلق کے بدلنے سے معنی بھی بدلتے رہیں گے اسی وجہ سے علامہ سیوطی نے تفسیر اتقان میں اس کے ستر معنی بیان کئے ہیں۔ اسی طرح آیت مبارکہ قل اعملوا فسیری اللہ عملکم ورسولہ والمؤمنون میں کیا خدا و رسول اور اہل ایمان کی رؤیت یکساں ہے؟ بہرکیف بداء للہ کے معنی ہیں بدا من اللہ

اور لام بمعنی من استعمال ہوتی رہتی ہے (ملاحظہ ہو مغنی اللبیب ج۱ ص۱۸۱ طبع مصر) جریر کہتا ہے۔

لنا الفضل فی الدنیا و انفک راغم
ونحن لکم یوم القیامۃ افضل

یہاں "نحن لکم" بمعنی "نحن منکم" ہے ـــــ

بدا کا اصطلاحی مفہوم

خداوند عالم کے دو نظام ہیں۔ ایک نظام تشریعی۔ دوسرا نظام تکوینی۔ نظام شریعت میں جس چیز کا نام "نسخ" ہے (جس کے سب مسلمان قائل ہیں کہ شرعی احکام حالات و ظروف کے بدلنے سے بدلتے رہتے ہیں) اسی چیز کا نام نظام تکوینی میں بداء ہے (کہ انسان کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف بدل دینا۔ گدا کو شاہ۔ شاہ کو گدا۔ فقیر کو امیر۔ امیر کو فقیر تندرست کو بیمار۔ بیمار کو تندرست کرنا وغیرہ وغیرہ) بالفاظ دیگر "النسخ کانہ بداء تشریعی والبداء کانہ نسخ تکوینی"۔ یہ ایک ایسی واضح حقیقت ہے کہ کوئی عقلمند اور بابصیرت انسان اس کے انکار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ خداوند عالم قادر مطلق ہے اسے کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں۔ یفعل اللہ ما یشاء ویحکم ما یرید چونکہ اسی عقیدہ سے یہودیوں کے اس نظریۂ باطلہ کی زبردست رد ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ خدا نے اپنے خدائی اختیارات اپنے بعض خاص بندوں کو تفویض کر دیئے ہیں اور اب خود بیکار ہو چکا ہے۔ ید اللہ مغلولۃ (معاذ اللہ) اسی طرح اس سے ان بعض نام نہاد مسلمانوں کے خیالات فاسدہ کا بھی ابطال ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں "جف القلم بما کان وما ھو کائن" یعنی قلم قدرت خشک ہو چکا ہے۔ نوشتۂ ایزدی میں اب کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ مطلب یہ کہ اب خدا مسلوب الاختیار ہے (معاذ اللہ) ـــــ خدا فرماتا ہے یمحوا اللہ ما یشاء و یثبت وعندہ ام الکتاب۔ خدا جسے چاہتا ہے محو کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثبت کر دیتا ہے۔ اسی کے پاس ام الکتاب ہے۔

بدا کے بڑی عبادت ہونے کا فلسفہ

چونکہ اس عقیدہ صحیحہ سے خدائی قدرت کاملہ اور سلطنت مطلقہ اور اختیارات مطلقہ کا بہت زیادہ اظہار ہوتا ہے اسلئے ائمہ معصومین نے اس عقیدہ پر بہت زور دیا ہے اور اسے خدا کی سب سے بڑی عبادت قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر بداء نہ ہو تو دعا و پکار، صدقہ و خیرات، شفاعت و توسل اور گریہ و زاری کا کوئی مقصد ہی باقی نہیں رہتا بلکہ یہ تمام سلسلہ عبث اور بے فائدہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ کما لا یخفی علی العوام فضلاً عن العلماء الاعلام!

مؤلف کے پیش کردہ واقعات کی تردید

مؤلف نے اس سلسلہ میں جو دو واقعات بیان کئے ہیں اور ان سے جو نتائج اخذ کئے ہیں وہ بناء الفاسد علی الفاسد کی بدترین مثال ہیں پہلا واقعہ بحار الانوار کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے اپنے فرزند اسماعیل کو قائم مقام بنایا۔ مگر جب اس سے کچھ ناپسندیدہ حرکت سرزد ہوئی تو موسیٰ کاظم کو بنایا اور وجہ دریافت کرنے پر فرمایا کہ خدا کو اسماعیل کے متعلق بداء ہو گیا ہے بحار الانوار کی سابقہ ۲۵ جلدیں ہیں اور اب تو سو جلدوں سے زائد تعداد میں شائع ہو رہی ہے جب تک جلد اور صفحہ کا حوالہ نہ ہو اس وقت تک کون اس بحر بے کنار میں غوطہ زنی کر سکتا ہے۔ علامہ سید عبد اللہ شبر فرماتے ہیں "لم نعثر علیھا بعد الفحص (مصابیح الانوار ج ۱ ص۳۳۱) یعنی باوجود تلاش بسیار ہم اس روایت پر مطلع نہیں ہو سکے" "من ادعیٰ فعلیہ البیان" ہم علی الاعلان کہتے ہیں کہ یہ غلط محض ہے۔ روز ازل سے حقیقی مصداق وہ ائمہ طاہرین عند اللہ مقرر و معین ہیں پیغمبر خدا نے ان کے نام و نشان بتا دیئے تھے اور ان کے جو خصوصی علامات منجانب اللہ مقرر ہیں۔ ان میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ——— اصل روایت جسے شیخ صدوق نے کتاب التوحید اور رسالہ عقائد میں نقل کیا ہے صرف اس قدر ہے کہ آنجناب نے فرمایا ما بدا للّٰہ امر کما بدا لہ فی اسماعیل ابنی: جس کے معنی رئیس المحدثین نے یہ فرمائے ہیں۔ ماظھر للّٰہ امر کما ظھر لہ فی اسمٰعیل ابنی اذ اخترمہ قبلی لیعلم بذالک انہ لیس با مام بعدی بیعہ یعنی خدا کو کبھی ایسا بداء نہیں ہوا جیسا کہ میرے بیٹے اسماعیل کے بارے میں ہوا "یعنی خدا کی مصلحت اس طرح کبھی ظاہر نہیں ہوئی۔ جس طرح میرے فرزند اسماعیل کے متعلق ظاہر ہوئی ہے کہ اسے میری زندگی میں موت دے کر واضح کر دیا کہ وہ میرے بعد امام نہیں ہے" دراصل امام علیہ السلام کا مقصد ان لوگوں کے زعم فاسد کا بطلان ظاہر کرنا ہے۔ جو خود یہ قیاس آرائیاں کر رہے تھے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد ان کا بیٹا اسمٰعیل امام ہوگا ——— دوسری جو روایت مؤلف نے اصول کافی سے نقل کی ہے وہ روایت تو اصول کافی میں موجود ہے مگر اس کے ترجمہ میں اپنی طبعی جہالت یا تجاہل کی بناء پر بہت بڑی بد دیانتی کا مظاہرہ کیا ہے کئی الفاظ غلط ہیں۔ کئی الفاظ کا ترجمہ غلط ہے اور کئی الفاظ کا ترجمہ ندارد ہے ——— مثلاً ——— اصل روایت میں قصتھما ہے جسے قصتہ، المرجا بعد ابی جعفر ——— کو المرجا ابی جعفر ——— لم یکن یعرف لہ ——— کو لم تکن تعرف نقل کیا گیا ہے۔ اور ترجمہ میں المرجا بعد ابی جعفر کا ترجمہ غائب ہے۔ حالانکہ اصل مطلب اسی کے اندر پوشیدہ ہے۔ لم یکن یعرف ——— اور ما کشف لہ عن حالہ کا ترجمہ سراسر غلط ہے۔ تمام روایت کا اصل مطلب صرف اس قدر ہے کہ ابو الحسن یعنی امام علی نقیؑ (جنہیں مؤلف نے اپنی ناواقفیت سے بار بار

——— نقی لکھا ہے) کے دو صاحبزادے تھے۔ ابو جعفر (سید محمد) ابو محمد (حسن عسکری) ابو جعفر کے صلاح و تقویٰ کے پیش نظر عام لوگوں کا خیال یہ تھا کہ امام علی نقی کے بعد پہلے وہ امام ہونگے اور انکے بعد ابو محمد (حسن عسکری) لیکن خدا نے شہزادہ سید محمد کو اپنے والد امام علی نقی کے حین حیات میں موت دے کر لوگوں کے زعم باطل کا تار و پود بکھیر کر حقیقی امام حسن عسکریؑ کی امامت کے مطلع کو بے غبار کر دیا جیسے ان دو اماموں کے قصہ کی جناب امام موسیٰ کاظم اور جناب اسماعیل کے قصہ سے مشابہت کی اصل حقیقت ———

ابو ہاشم کہتا ہے میں نے دل میں کہا کہ ان دونوں بھائیوں کا واقعہ بھی امام موسیٰ کاظم اور اسماعیل کے واقعہ کے مانند ہے۔ کیونکہ ابو محمد (حسن عسکریؑ) کے متعلق یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ ابو جعفر (سید محمد) کے بعد امام ہوں گے (یہ ترجمہ مؤلف شیر مادر کی طرح ہضم کر گئے ہیں) امام علی نقی میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ہاں ابو ہاشم! ابو محمد کے بارے میں خدا کو بدا ہوا ہے۔ یعنی ان کے متعلق جو بات لوگوں کو معلوم نہ تھی (یعنی ان کا امام ہونا) اس کو واضح کر دیا ہے (کیونکہ جسے لوگ امام سمجھ رہے تھے اسے پہلے موت دے دی ہے) جس طرح اسماعیل کی موت سے خدا نے حقیقت حال کو منکشف فرمایا تھا ——— اب اہل انصاف فرمائیں کہ اس پوری روایت میں یہ کہاں ہے کہ امام علی نقی نے خبر دی تھی کہ میرے بعد میرا بیٹا سید محمد امام ہوگا لیکن شاید خدا کو علم نہ تھا ...... (الی آخر)

شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور

ترجمہ بالا سے تعجب یہ ہے کہ جو شخص چند سطری حدیث کا صحیح ترجمہ نہیں کر سکتا۔ بلکہ گرامر کے مطابق چند سطریں اردو عبارت کی صحیح لکھ نہیں سکتا۔ (جیسا کہ آفتاب ہدایت کے ناظرین پر مخفی نہیں ہے کہ اس کی

املا غلط انشا غلط ہر شے غلط

وہ فن مناظرہ میں کتاب لکھنے کی کس طرح جرأت کرتا ہے؟ افسوس

اب آبروئے شیوۂ اہل ہنر گئی

——— اور یہی وہ بات کہ علامہ سید دلدار علی اعلی اللہ مقامہ نے اساس الاصول میں جس کا انکار کیا ہے مؤلف نے انکی اسی کتاب کے ص۱۹ کا حوالہ دیا ہے۔ ہمارے پاس اس کتاب کا جو نسخہ مطبوعہ لکھنؤ موجود ہے وہ کل ص۲۲۵ پر ختم بالخیر ہو جاتا ہے لہٰذا ہمیں ص۱۹ پر اس عبارت کے موجود ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور اگر بالفرض انہوں نے انکار کیا بھی ہے ——— تو یہ انکی ذاتی رائے ہے ——— جو ہمارے لئے حجت نہیں ——— ہمارے لئے تو شریعت مقدسہ میں اگر حجت ہے تو یا قرآن۔ یا سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کا فرمان و بس ——— اور جب یہ دونوں بداء کی حقانیت و صداقت پر متابعین عدیلہ کے طور پر ناطق ہیں تو پھر اس کے صحیح ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے اور کسی عالم کے انکار کرنے سے اسکی

صداقت کس طرح مشتبہ ہو سکتی ہے"۔ بخاری ج ۲ صفحہ ۱۶ طبع مصریں ابرص، اقرع اور اعمیٰ کے ایک قصہ کے متعلق لکھا ہے کہ "بدا للہ ان یبتلیھم" خدا کو بدا ہوا کہ ان کو مبتلا کرے"۔ اس سے بھی بداء کا صحیح اور واقع ہونا ثابت ہوتا ہے[1]۔

دوسرا مسئلہ تقیہ شیعہ کا ایک مسئلہ تقیہ کا ہے ——— اس کو اعلیٰ عبادت میں شمار کیا گیا ہے۔ اصول کافی صفحہ ۴۸۴ میں ہے (روایت عربی) ترجمہ "امام محمد باقرؑ نے فرمایا ہے۔ تقیہ میرا اور میرے باپ دادا کا دین ہے اور جو تقیہ نہ کرے اس کا کوئی ایمان ہی نہیں ہے نیز اصول کافی صفحہ ۴۸۲ میں ہے ——— ترجمہ "صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ نو حصہ دین تقیہ میں ہے جو تقیہ نہ کرے وہ بے دین ہے"۔ ——— اب دیکھنا یہ ہے کہ اتنی بڑی عبادت ——— تقیہ ہے کیا چیز؟ ——— تقیہ کہتے ہیں خلاف حق (جھوٹ) بات کہنا اور حق کا اخفا کرنا ——— اصول کافی صفحہ ۴۸۳ میں ہے (بحذف عربی) ترجمہ: "ابوبصیر سے روایت ہے کہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا تقیہ خدا کے دین سے ہے میں نے کہا کیا خدا کے دین سے ہے؟ امام نے فرمایا واللہ خدا کے دین سے ہے۔ یوسف نے کہا اے قافلہ والو! تم چور ہو! بخدا انہوں نے کوئی چوری نہ کی تھی۔ ابراہیم نے کہا میں بیمار ہوں۔ بخدا وہ بیمار نہ تھے اس روایت سے معلوم ہوا کہ تقیہ جھوٹ بولنے کو کہتے ہیں جیسا کہ معاذ اللہ یوسف و ابراہیم جھوٹ بولے۔ حیات القلوب ج ا صفحہ ۴۶ میں ہے (بحذف فارسی) ترجمہ "دوسری حدیث معتبر میں ہے کہ کسی شخص کا تقیہ اصحاب کہف کے برابر نہیں ہو سکتا کہ زنجیر پہنتے اور کفار کی عیدوں میں شامل ہوا کرتے تھے اور خدا نے ان کا ثواب دوچند کر دیا" ——— اس روایت سے بوضاحت ثابت ہوا کہ تقیہ جھوٹ بولنے کو کہتے ہیں۔ بڑے تقیہ باز اصحاب کہف تھے ——— اللہ اللہ شیعہ خود تو جھوٹ بولا کریں۔ تقیہ کا ثواب لوٹیں۔ لیکن پاک پیغمبروں، اولیاؤں، اماموں کو تقیہ باز جھوٹ کہنے والا کہنے سے تامل کیا کریں! ——— اس وقت رسالہ موعظۂ تقیہ ——— میرے سامنے ہے اس میں جناب امیر علیہ السلام کا تقیہ یوں درج ہے تا اس اصول پر جس کو میں بیان کر چکا ہوں۔ جناب امیر المؤمنین حضرت علی نے خلفائے ثلاثہ کے زمانہ

---

[1] مسئلہ بدا کی پوری تفصیلات اور اس کی صحت کے دلائل و براہین نیز اس پر وارد شدہ ایرادات کے مکمل جوابات دیکھنے کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب احسن الفوائد فی شرح العقائد کی طرف رجوع کریں۔

میں تقیہ کیا اور ضرور تقیہ کیا کیونکہ جس طرح صدر اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۲۹ انصار و اعوان ہونے کے باوجود تقیہ کیا۔ جناب امیر نے بھی قلت انصار و اعوان کے سبب خلفاء سے تقیہ کیا۔ اس تقیہ کرنے سے اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شجاعت و قوت وجرأت پر کوئی حرف نہیں وارد ہوتا تو نفس رسولؐ (علیؑ) پر جو کسی طرح پیغمبر سے کسی وصف میں بھی زیادہ نہ تھے کوئی اعتراض لازم نہیں آسکتا۔ مزید برآں جناب امیر نے بھی محض حفاظت اسلام کیلئے اس وقت تقیہ کیا۔ اگر وہ تقیہ نہ کرتے صدر اسلام کا زمانہ تھا اور مسلمانوں کی باہمی کشمکش سے اسلام خطرہ میں پڑجاتا"۔ ____

مسئلہ تقیہ کی ایجاد موجدان مذہب شیعہ نے جب دیکھا کہ جناب امیر کے خطبات اور ائمہ اہلبیت کے اقوال سے اصحاب ثلاثہ کی تعریف بعید پائی جاتی ہے اور جناب امیر عہد خلافت اصحاب ثلاثہ میں ان سے شیر و شکر رہے ــ پھر کس طرح یقین کیا جائے کہ اصحاب ثلاثہ سے وہ ناراض تھے ــ اس کے جواب کیلئے انہوں نے مسئلہ تقیہ ایجاد کیا کہ یہ سب کچھ جناب امیرؓ و اہلبیت کا تقیہ تھا ـــــ

اور بے حد فضیلت رکھتا ہے ــــ چلو چھٹی ہوئی ــــ یہاں تک کہہ دیا کہ ائمہ اہلبیت نے فرمادیا ہے کہ دین حق ظاہر کرنے کے لئے نہیں بلکہ چھپانے کیلئے ہوتا ہے ــ اصول کافی ص۴۸۵ میں ہے کہ حضرت امام صادق علیہ السلام نے اپنے ایک خاص شیعہ کو یوں فرمایا (بحذف عربی) ترجمہ: "اے سلیمان! تم ایسے دین پر ہو کہ جو اس کو چھپائے۔ اللہ اس کو عزت دے گا اور جو اس کو ظاہر کرے خدا اس کو ذلیل کریگا۔ دوسری جگہ اسی کتاب کے ص۴۸۵ میں ہے (بحذف عربی) ترجمہ: "امام صادق علیہ السلام نے فرمایا جو ہمارے مذہب میں سے کچھ ظاہر کردے گویا اس نے ہمیں عمداً قتل کردیا نہ خطاً نیز کتاب مذکور کے ص۴۸۵ میں ہے (بحذف عربی) ترجمہ: "امام صادق نے فرمایا جو ہماری حدیث کو ظاہر کردے خدا اس کا ایمان چھین لیتا ہے"۔ ــــ ہر ایک عاقل ذی بصیرت سمجھ سکتا ہے کہ یہ حدیثیں یاروگوں کی گھڑت ہیں ورنہ ائمہ دین ایسا کیوں کہیں کہ حق کے اظہار سے ایمان جاتا رہتا ہے ــــ اور اس کا کتمان باعث خوشنودی خدا ہے ــــ ہاں یہ درست ہے کہ روافض کا مذہب ضرور چھپانے کے قابل ہے۔ اس کی تشہیر باعث فتنہ و فساد ہے ـــ اور مذہب روافض ہرگز ہرگز مذہب اہلبیت نہیں ہوسکتا۔ بھلا جس مذہب میں اجہات

المومنین (ازواج رسول ؐ) کو گالیاں دینا ان کو لعنت تبرا بھیجنا جائز بلکہ داخلِ عبادت جو سمجھی اہلِ حق کا مذہب نہیں ہو سکتا۔ شاعر نے خوب کہا ہے۔ ؎

سکھیں جو خلف بغض و عداوت کی ماؤں سے
انہیں آبِ کوثر شیر مادر ہو نہیں سکتا!

(آفتاب ہدایت صفحہ ۱۸۱ تا صفحہ ۱۸۴)

الجواب

تقیہ ان مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے۔ جس کے متعلق شیعیانِ حیدر کرار کو خوب بدنام کیا جاتا ہے، اور ان پر طعن و تشنیع کے خوب تیر چلائے جاتے ہیں۔

تقیہ ایک فطری تقاضا ہے

مخالفین کے اس زہریلے پروپیگنڈہ کے پنپنے کی وجہ یہ ہے کہ عام اہل اسلام اس کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔ ورنہ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ جس تقیہ کے قائل ہیں وہ فقط انہی سے مختص نہیں بلکہ یہ ایک ایسا عقلی و فطری تقاضا ہے کہ جسے بلا امتیازِ مذہب و ملت و بلا اختلاف رنگ و نسل تمام لوگ بوقتِ ضرورت عمل میں لاتے رہتے ہیں۔ ولکن من یشکر فانما یشکر باللسان وقلبہ مطمئن بالایمان اگر کمزور و ناتواں انسان تقیہ سے کام نہ لیں تو وہ ختم ہو جائیں۔ اسلام جو دینِ فطرت ہے وہ کس طرح اس فطری حق کی نفی کر سکتا ہے؟ اسلام کی نگاہ میں مسلمان کی جان اس قدر گراں قدر ہے کہ اس کی حفاظت کی خاطر وہ اسے خنزیر کا گوشت تک کھانے کی اجازت دے دیتا ہے (فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ) اور مال حلال اس قدر بیش قیمت ہے کہ اس کی حفاظت کرتے ہوئے جاں بحق ہونے والے کو شریعت اسلامیہ شہید قرار دیتی ہے (فتاویٰ رضویہ وغیرہ) تو کیا وہی شریعت مقدسہ اسی جان و مال کی حفاظت کی خاطر آدمی کو خلافِ حق بات کے اظہار کی اجازت نہیں دے سکتی؟ جبکہ دل و دماغ حق بات پر مطمئن ہوں۔ اگر تعصب و عناد کی پٹی آنکھوں سے اتار کر قرآن اور پیغمبر اسلامؐ کے فرمان کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ حفظِ جان کی خاطر نہ صرف عام خلافِ حق بات کہنا روا ہے۔ بلکہ کلمۂ کفر تک زبان پر جاری کرنا جائز ہے۔

تقیہ کا قرآن سے ثبوت

ارشاد قدرت ہے کہ من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدرا فعلیہم غضب من اللہ ولہم عذاب عظیم (پ ۱۴ س نحل ع ۱۴) جو شخص (کفر پر) مجبور کیا جائے مگر اس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو اس سے کچھ مواخذہ نہیں لیکن جو شخص ایمان لائے پیچھے خدا کے ساتھ کفر کرے اور کفر بھی کرے تو دل کھول کر تو ایسے لوگوں پر خدا کا غضب اور ان کے لئے بڑا سخت عذاب ہے۔ (ترجمہ

مولانا نذیر احمد دہلوی سنّی)

اس آیت مبارکہ کا شانِ نزول قریب قریب تمام مفسرینِ اسلام نے یہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کفارِ مکہ نے جناب عمار اور ان کے والدین (یاسرؓ و سمیہؓ) کو گرفتار کر کے چند کفریہ کلمات کہنے پر مجبور کیا۔ جناب یاسر و سمیہ نے انکار کیا نتیجۃً کفار نے ان کو بڑی بے دردی سے قتل کرا دیا۔ لیکن جناب عمارؓ نے وہ کلمات کہہ دیئے اسلئے ان کو چھوڑ دیا گیا۔ بعض لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی کہ عمار کافر ہو گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایسا مت کہو عمار تو سر سے لیکر پاؤں تک ایمان سے لبریز ہے اور ایمان اس کے گوشت و پوست کے ساتھ مخلوط ہے۔ اس اثناء میں حضرت عمارؓ باچشمِ گریاں و دلِ بریاں بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے آنجناب نے ان کے آنسو صاف کرتے ہوئے فرمایا ان عادوا لك فعد (کوئی بات نہیں) اگر کفار تجھ سے دوبارہ یہی کلمات کہلوانا چاہیں تو کہہ دینا۔ اس کے بعد یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ (ملاحظہ ہو تفسیر بیضاوی ج ۱ ص ۳۹۶ کشاف ج ۲ ص ۱۱۳۔ تفسیر کبیر ج ۵ ص ۳۵۰ طبع مصر وغیرہ) یہ آیت مبارکہ بوقت ضرورت دل میں حق کو پوشیدہ رکھ کر زبان سے خلافِ حق بات کہنے۔ بالفاظِ دیگر تقیہ کے جائز ہونے پر ایسی نص صریح ہے کہ اسلام کا کوئی سوگوار انکار نہیں کر سکتا۔ چنانچہ قاضی بیضاوی اپنی تفسیر ج ۱ ص ۳۹۶ طبع مصر میں اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں

وھو دلیل جواز التکلم بالکفر عند الاکراہ "یعنی یہ آیت اکراہ و اجبار کے وقت کلمۂ کفر کہنے کے جواز کی دلیل ہے اور تفسیر اکلیل، جامع البیان اور معالم التنزیل میں لکھا ہے والاجماع علی جواز کلمۃ الکفر عند الاکراہ "یعنی مجبوری کے وقت کلمۂ کفر کہنے کے جواز پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے" پھر معلوم مولوی کرم الدین صاحب شیعوں پر کس لئے طعن و تشنیع کے تیر چلا رہے ہیں؟

(۲) نیز ارشادِ ربانی ہے "لا یتخذ المومنین الکافرین اولیاء من دون المومنین ومن یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شیئ الا ان تتقوا منھم تقاۃ ویحذرکم اللہ نفسہ والی اللہ المصیر (پ ۳ س آل عمران ع ۱۱) مسلمانوں کو چاہیئے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا۔ تو اس سے اور اللہ سے کوئی سروکار نہیں مگر (اس تدبیر سے) ان کی شرارت) سے بچنا چاہو تو خیر اور اللہ تم کو اپنے (جلال) سے ڈراتا ہے اور (آخر کار) اللہ ہی کی طرف جانا ہے" ——— (ترجمہ نذیری)۔ یہ آیت تقیہ کے جواز پر نص صریح ہے یہاں تو صراحتاً لفظ "تقاۃ" موجود ہے جسے قراءِ سبعہ میں سے یعقوب قاری نے "تقیۃ" پڑھا ہے (تفسیر بیضاوی ج ۱ ص ۱۱۴) نیز قتادہ اور ابو رجاء بھی اسے "تقیۃ" ہی پڑھتے تھے۔ (تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۱۶) مفسر بیضاوی نے (ج ۱ ص ۱۱۴ طبع مصر) اس آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ منع عن موالاتھم ظاھراً و باطناً فی الاوقات کلھا الا وقت المخافۃ فان اظھار الموالاۃ حینئذ جائز "یعنی خداوند عالم نے تمام اوقات و حالات

میں ظاہری و باطنی طور پر کفار کی دوستی کی ممانعت فرمائی ہے۔ ہاں البتہ جب ان سے جان و مال کا خوف ہو تو اس وقت ان سے دوستی ظاہر کرنا جائز ہے۔" (کذا فی تفسیر معالم التنزیل)۔ چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ حرمۃ مال المسلم کدمہٖ مسلمان کے مال کا احترام اس کے خون (جان) کی مانند ہے۔ اس لئے اس کی حفاظت کی خاطر بھی تقیہ جائز ہے۔ جیسا کہ فاضل نیشاپوری نے اپنی تفسیر مطبوعہ برحاشیہ تفسیر ابن جریر ج ۳ صفحہ ۱۱۸ پر لکھا ہے "ومنہا انہا جائزۃ لصون المال علی الاصح کما انہا جائزۃ لصون النفس لقولہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حرمۃ مال المسلم کدمہ"۔ یعنی منجملہ ان مقامات کے جہاں تقیہ جائز ہے۔ ایک مال کی حفاظت بھی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمان کے مال کا احترام اس کے خون کی مانند ہے۔"

احادیث سے تقیہ کا ثبوت

مؤلف نے فضیلت تقیہ کے سلسلہ میں جو جو حدیثیں کتب شیعہ سے بغرض اعتراض اندراج کی ہیں۔ بالکل ایسی ہی روایات خود ان کی کتابوں میں بھی موجود ہیں مثلاً کنز العمال ج ۲ صفحہ ۹۶ میں مرقوم ہے۔ لا دین لمن لا تقیۃ لہ یعنی جو تقیہ نہ کرے وہ بے دین ہے"۔ اسی طرح بخاری شریف ج ۲ صفحہ ۱۰۲۶ طبع دہلی الا ان تتقوا منہم تقاۃ" کے ذیل میں "تقاۃ" کی تفسیر تقیہ کے ساتھ کرتے ہوئے لکھا ہے وقال الحسن التقیۃ الی یوم القیامۃ یعنی حسن بصری کہتے ہیں کہ تقیہ قیامت تک باقی ہے۔ لہٰذا جو ایراد ہم پر وارد کیا ہے وہی خود ان پر وارد ہوتا ہے!

ع لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

انبیاء کا تقیہ

قرآن و حدیث سے بعض انبیاء علیہم السلام کا بعض اوقات تقیہ کرنے کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں جناب موسےٰ و فرعون کی باہمی گفتگو کا تذکرہ موجود ہے۔ فرعون کہتا ہے ولبثت فینا من عمرک سنین اے موسےٰ! تم اپنی زندگی کے کئی سال ہم میں گذار چکے ہو (تب افتراق نہیں کیا تو اب کیوں کرتے ہو؟) اسکی تفسیر میں مفسر بیضاوی نے لکھا ہے فانہ علیہ السلام کان یعاشرھم بالتقیۃ یعنی حضرت موسیٰ ان فرعونیوں میں تقیہ کی زندگی گذارتے تھے۔ اسیطرح قرآن میں مومن آل فرعون کا تقیہ کیسا تعرف کرانے کا تذکرہ موجود ہے قال رجل مؤمن من آل فرعون یکتم ایمانہ (ترجمہ) ایک مرد مسلمان تھا اور اپنا ایمان چھپاتا تھا (وہ بیماعراض کہا بولا (ترجمہ نذیری)

مؤلف کو اصحاب کہف والی روایت پر اعتراض ہے تو وہ یہاں مؤمن آل فرعون کے تقیہ کرنے والی آیت کے بارے میں کیا فتوے صادر کریں گے؟ اسی طرح حضرت یوسف کے حکم سے منادی کا یہ اعلان کرنا کہ ایتہا العیر انکم لسارقون اسے قافلہ والو! تم چور ہو! اسے بھی حضرت یوسف کا تقیہ ہی قرار دیا جائیگا

کیونکہ یہ سب کچھ انہی کے حکم کے ماتحت ہو رہا تھا۔ کما لا یخفی ـــــ مؤلف ہماری اس روایت پر تو اظہار اعتراض دراز کرتے ہیں جس میں حضرت ابراہیم کے تقیہ کرنے کا ذکر ہے۔ وہ اپنی صحیح بخاری ج ۲ ص۱۲۶ طبع مصر والی اس روایت کو کیوں نظر انداز کر دیتے ہیں جس میں مروی ہے۔ لم یکذب ابراھیم الا ثلاثا کہ جناب ابراہیم نے سوائے تین جھوٹوں کے اور کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ (کذا فی المسلم ص۲۲۶ ج۲) فرق اس قدر ہے کہ ہماری روایت میں جناب ابراہیم کا تقیہ مذکور ہے اور بخاری میں ابراہیم کا جھوٹ اہل انصاف فرمائیں کہ بے ادبی کا پہلو کس سے نمایاں ہے؟ اسی طرح جناب یعقوب کا تقیہ کرنا قرآن سے ثابت ہے۔ جناب یوسف نے ان کا خواب سن کر فرماتے ہیں یا بنی لا تقصص رؤیاک علی اخوتک فیکیدوا لک کیدا "اے بیٹا! اپنا خواب بھائیوں پر ظاہر نہ کرنا۔ کہیں وہ تیرے خلاف کوئی مکر و فریب نہ کریں" ـــــ اسی طرح سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعلانِ نبوت کے ابتدائی تین سالوں میں تقیہ سے گذر بسر کرنا اظہر من الشمس ہے۔ جب تک آیت مبارکہ فاصدع بما تؤمر واعرض عن المشرکین نازل نہیں ہوئی۔ آپ نے کھلم کھلا تبلیغ رسالت کا فریضہ انجام نہیں دیا ان واقعات کی تفاصیل تمام کتب سیر و تواریخ میں مذکور ہیں۔ مثلاً تاریخ طبری ج ۲ ص۲۱۸ میں ہے وکان قبل ذلک ـــــ فی السنین الثلاث مستترا ـــــ فی دعوتہ لا یظہرھا الا لمن یثق بہ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعثت سے پہلے تین سالوں میں چھپ کر دعوت اسلام دیتے تھے اور سوائے قابل وثوق آدمیوں کے اور کسی کے سامنے اسے ظاہر نہیں کرتے تھے اور اس مدت میں نماز مکہ مکرمہ کی گھاٹیوں میں چھپ کر پڑھتے تھے (ملاحظہ ہو تاریخ کامل ابن اثیر ج ۲ ص۲۱ تفسیر کبیر ج ۵ ص۲۲۲ وغیرہ) اسی طرح آیت فاصدع بما تؤمر کے نزول تک آنحضرت کے پوشیدہ طور پر تبلیغ کرنے کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل کتب کی طرف رجوع کریں۔ تفسیر در منثور ج ۴ ص۱۰۶ تفسیر کبیر ج ۵ ص۲۱۹ معالم التنزیل ص۴۹۹ مواہب لدنیہ قسطلانی ج ۱ ص۲۲۷ سیرۃ ابن ہشام مع روض الانف ج ۱ ص۱۶۸ طبع مصر وغیرہ (بحوالہ فلک النجاۃ) یہ وقت تھا کہ ہنوز جہاد واجب نہ ہوا تھا اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین و مذہب پر کچھ اعتراض کرتا تو آپ "لکم دینکم ولی دین" (تمہارا دین تمہارے لئے اور میرا دین میرے لئے) کہہ کر خاموش ہو جاتے۔

نبیؐ و علیؑ کے تقیہ میں مماثلت

سرکار علامہ حائری مرحوم نے اپنے رسالہ "موعظہ تقیہ" میں نبی و علی کے تقیہ کے درمیان جو مماثلت و مشابہت بیان کی ہے وہ بالکل درست ہے اور مؤلف ہرگز اس کی رد نہیں کر سکے۔ صرف ادھر ادھر کی غیر متعلق باتوں سے بات کو ٹالنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ جناب امیر اصحاب ثلاثہ کو کیا سمجھتے تھے؟ بوقت شوریٰ خلافت ٹھکرا

دی مگر سیرت شیخین پہ چلنا گوارا نہ کیا۔ ان کے باہمی تعلقات کیا تھے؟ وہ باہم شیر و شکر تھے یا تیر و تلوار وغیرہ وغیرہ ان تمام امور پر سابقہ مباحث میں تفصیل کے ساتھ تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے جناب نے ظاہری منصب خلافت پہ فائز ہوتے ہی یہ اعلان کیا تھا۔ لو ثبتت قدما ی لغیرت اشیاء۔ اگر مجھے ثابت قدمی حاصل ہو گئی تو میں بہت سی چیزوں میں اصلاح کروں گا؟ (نہج البلاغہ) تو اگر آپ وہ موعودہ اصلاحات کا نفاذ اور ثلاثہ کی بدعات کا خاتمہ نہیں کر سکے تو وہ بوجہ شرط کے فقدان کے تھا۔ اذا فات الشرط فات المشروط۔ رہ مولوی صاحب کے بزرگوں نے جناب جناب امیر کو پوری ظاہری خلافت کے دور میں ایک دن اطمینان سے کام کرنے دیا اور نہ آپ وہ اصلاحات نافذ کر سکے۔ اس میں قصور حضرت امیر کا نہیں بلکہ ناکثین، قاسطین اور مارقین کا ہے۔ بخاری شریف مع الفتح ج ۲ ص۹۱ سے ثابت ہے کہ جناب رسول خدا بعض نو مسلم لوگوں کے مرتد ہو جانے کے اندیشہ کے پیش نظر خانہ کعبہ کو اس کی صحیح بنیادوں پر استوار نہ کر سکے تو کیا اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی قصور ہے؟ حاشا و کلا ـــــــ ان حقائق سے بخوبی روشن کی طرح واضح و آشکار ہو گیا کہ مؤلف نے مسئلہ تقیہ کی ایجاد والے عنوان کے ذیل میں جو کچھ لکھا ہے وہ حقائق کے سراسر خلاف ہے

کتمانِ علم کا فلسفہ

جن احادیث میں ائمہ اہلبیت نے کتمان کا حکم اور پھیلانے کی ممانعت فرمائی ہے اس سے پورا مذہب اور اس کے مسائل مراد نہیں ہیں، بلکہ اس کے بعض ایسے اسرار و رموز ہیں جن کو عوام کے ذہن قبول نہیں کر سکتے۔ اسی بنا پر حکماء کا اصول ہے کہ کلموا الناس علی قدر عقولھم لوگوں کی عقل کے مطابق ان سے بات کیا کرو۔ بخاری مع فتح الباری ج ۱ ص۱۷۱ میں حضرت امیر کا یہ حکیمانہ ارشاد نقل کیا ہے فرماتے ہیں حدثوا الناس بما یعرفون اتحبون ان یکذب اللہ و رسولہ۔ لوگوں کے سامنے وہ حدیث بیان کرو جسے وہ سمجھ سکیں کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ خدا اور رسول کو جھٹلایا جائے؟ کنز العمال ج ۵ ص۲۴۲ پر یہی ارشاد نقل کیا گیا ہے اس میں اتنا اور اضافہ ہے فرمایا۔ ودعوا ما ینکرون جس بات کا سننے والے انکار کریں وہاں کے سامنے بیان نہ کرو۔ نیز کنز العمال ج ۵ ص۲۴۲ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے فرمایا لا تحدثوا امتی من احادیثی الا بما تحملہ عقولھم میری امت کے سامنے میری وہ حدیثیں بیان کرو جن کو وہ برداشت کر سکیں ـــــــ ابو ہریرہ بیان کرتے تھے۔ لو حدثتکم بکل ما اعلم لرمیتمونی بالقشع ای بالجعر والمدر وقال ذالک استخفافاً بی وتکذیبا لقولی اور میتمونی بالجلد۔ میں جو کچھ جانتا ہوں اگر وہ سب کچھ بیان کر دوں تو تم مجھے سبک سمجھتے اور میرے قول کو جھٹلاتے ہوئے پتھروں، ڈھیلوں یا کوڑوں سے مارو گے (نہایہ ابن اثیر ج ۳ ص۲۸۶ و انوار اللغۃ۔ سپ ۱۳۰، ۲۶، ۲۱ وغیرہ) اسی طرح بخاری ج ۱ ص۲۳ طبع مصر میں انہی ابو ہریرہ صاحب سے مروی ہے قال حفظت من رسول اللہ وعائین فاما احدھما فبثثتہ

واما الآخر فلو بثثتہ قطع ھذا الحلقوم (کذا فی انوار اللغۃ پ ص ۲۸، پ ۲۱ ص ۸۵، پ ۴ ص ۷۲) یعنی میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیثوں کے دو ظرف پر کئے (دو خزانے حاصل کئے) ایک تو میں نے کھولا ہے (شائع کر دیا ہے)۔ اگر دوسرے کو کھولوں (شائع کر دوں) تو میرا گلا کاٹ دیا جائے ____ یہاں مولوی صاحب کیا فرماتے ہیں۔ آیا وہ تعلیمات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناقابل اظہار تھیں۔ یا عام لوگ ان حقائق واسرار کو سننے کے لائق نہ تھے۔ یقیناً یہ ہے کہ یہاں دوسری شق کو اختیار کیا جائے گا تو ہماری حدیثوں کے بارے میں کیوں ایسا نہیں کیا جاتا!! امام غزالی نے احیاء العلوم ج ۱ ص ۴۳ طبع مصر و طبع نولکشور ص ۵۹ ج ۱ پر اقسام علم لکھے ہوئے پہلی قسم وہ قرار دی ہے جسکے غامض اور دقیق ہونے کی وجہ سے صرف خواص سمجھ سکتے ہیں نہ عوام ____ بعد ازاں لکھا ہے کہ خواص کو چاہیئے کہ وہ اسے نااہلوں پر ظاہر نہ کریں تاکہ فتنہ وفساد برپا نہ ہو۔ چنانچہ آنحضرت اس قسم کو لوگوں سے مخفی رکھتے تھے۔ اسکے ساتھ ساتھ اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ ہمارے ائمہ طاہرین کو کس قسم کے لوگوں اور حاکموں سے واسطہ پڑا تھا۔ وہی بنی امیہ و بنی عباس ہی تو تھے جنہوں نے شریعت کو ایک کھلونا بنا رکھا تھا اور اس دور میں شیعیان علیؑ کا خون پانی سے بھی زیادہ ارزاں تھا۔ ایسے حالات میں ائمہ اہلبیت کا اپنی حکمت عملی سے اپنے جد نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی نشر واشاعت کرنا اور اس مقدس امانت کو آنے والی نسلوں تک صحیح طور پر پہنچانا ایک معجزہ سے کم نہیں ہے۔ ہر امام نے دین کے تحفظ اور اس کی اشاعت کے لئے وہی طریق کار اختیار کیا جو وقت کے تقاضوں کے مطابق تھا۔ وہ جنگ تھی یا صلح، وہ تلوار و تیر کی کاٹ تھی یا زبان و قلم کی جنبش مقصد و مدعا سب کا ایک تھا اور وہ تھا دین اسلام کی حفاظت اور اس کی اشاعت۔ و بس۔ مولوی صاحب!

نہ در ہر سخن بحث کردن رواست
خطا بر بزرگاں گرفتن خطا است!

مگر کیا کیجئے

سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است!

مذہب اہلسنت میں جھوٹ بولنا نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب ہے

کس قدر ستم ظریفی ہے کہ جن کے مذہب میں بوقت ضرورت جھوٹ بولنا نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب بھی ہے۔ وہ آج شیعوں پر طعن توڑتے ہیں کہ وہ خلاف حق بات کرنے یعنی جھوٹ بولنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ چنانچہ فاضل نووی نے شرح مسلم ج ۲ ص ۲۳ پر لکھی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ اگر کسی آدمی کے پاس کوئی انسان چھپا ہوا ہو اور کوئی اسے قتل

کرنے کی نیت سے آجائے یا کسی کے پاس امانت موجود ہو اور کوئی اسے غصب کرنا چاہے تو اس آدمی پر اخفا لازم ہے۔ آخر میں لکھا ہے فهذا كذب جائز بل واجب یعنی یہ جھوٹ نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب ہے اور علیہ قد اتفق الفقہاء" کہہ کر اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے"! اس سے واضح ہو گیا کہ اب ——— اختلاف صرف نام کا ہے۔ ہم اسے تقیہ کہتے ہیں اور سنی جھوٹ ورنہ اصل حقیقت میں کوئی نہیں ہے

کیا لطف کہ غیر پردہ کھولے
جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے

صرف نزاع لفظی ہے

بعض منصف مزاج علماء اہلسنت نے اس حقیقت کا اقرار کر لیا ہے۔ چنانچہ ——— صاحب النصائح الکافیہ ص ۷۲ طبع بمبئی پر لکھتے ہیں۔ قلت اتفق اصحابنا على جواز الكذب عند الضرورة بل وللمصلحة وهو عين التقية لكن ان عبرت عنه بلفظ التقية منعه كثير منهم لكونه من تعبيرات الشيعة فالخلاف فيما بينهم لفظي والله اعلم۔ یعنی میں کہتا ہوں۔ ہمارے علماء (اہلسنت) کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ضرورت بلکہ مصلحت کے وقت جھوٹ بولنا جائز ہے اور یہ بعینہ تقیہ ہے۔ ہاں البتہ اگر اسے لفظ "تقیہ" سے تعبیر کیا جائے تو بہت سے علماء نے اس ممانعت کی ہے کیونکہ یہ تعبیر شیعوں سے مختص ہے۔ بنابریں ان کا باہمی اختلاف صرف لفظی ہے۔ واللہ اعلم" ——— ہم اس مقام پر صرف یہ کہنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

ایسی ضد کا کیا ٹھکانا دین اپنا چھوڑ کر
ہم ہوئے کافر تو وہ کافر مسلماں ہو گیا

——— یہ کہنا بھی حقیقت کے خلاف ہے کہ یہ تعبیر (تقیہ) شیعوں کے ساتھ مختص ہے کیونکہ ہم سطور بالا میں قرآن و حدیث سے یہی تعبیر پیش کر چکے ہیں مگر یہ کہ قرآن و حدیث کو بھی شیعوں کے پلڑے میں ڈال دیا جائے لیکن یہ سودا معترض کو مہنگا پڑے گا!!

بعض علماء اہلسنت کا اعتراف حقیقت

مولانا وحید الزمان حیدرآبادی نے کھل کر اعتراف حق کیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب انوار اللغة پ ۲ ص ۵۱ پر بذیل عنوان "التقیہ" لکھتے ہیں۔ تقیہ اس کو بھی کہتے ہیں کہ آدمی اپنا اعتقاد عزت یا جان جانے کے ڈر سے چھپائے۔ یہ اہلسنت اور امامیہ سب کے نزدیک جائز ہے۔ قرآن میں ہے۔ وقال رجل مؤمن من آل فرعون يكتم ايمانه اور الا ان تتقوا منهم تقاة" اور حضرت عمار نے تقیہ کیا تھا ——— نیز اسی کتاب کے پ ۲ ص ۸۵ طبع بنگلور پر ہے "التقية الى يوم القيامة" حسن بصری نے کہا تقیہ قیامت تک باقی رہے گا۔ یعنی جب جان جانے کا ڈر ہو یا بے عزتی کا یا کوئی عضو کاٹے جانے کا یا ضرب شدید کا

جس کا تحمل نہ ہو سکے تو کسی حیلہ سے اپنے تئیں بچانا اس کا نام تقیہ ہے اور یہ قرآن سے ثابت ہے۔ الا ان تتقوا منھم تقاۃ اور ناواقف لوگ تقیہ کو روافض کا خاص طریق سمجھتے ہیں حالانکہ اہلسنت کے نزدیک بھی اپنے موقعہ پر جائز ہے!!

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

والحمد للہ علی وضوح الحق والحقیقۃ

ان حقائق سے روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو گیا کہ تقیہ کا انکار قرآن کریم و سنت سید المرسلین و عقل سلیم اور اجماع مسلمین کے انکار کے مترادف ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔ اور ایسے منکر کا جو مقام و مرتبہ ہے عیاں را چہ بیان کا مصداق ہے۔

مؤلف نے یہ بھی کہا ہے کہ مذہب اہلبیت کے قابل ہے تو کیا ظاہر کرنے کے قابل وہی مذہب اہلسنت ہے جس کے عقائد و اعمال کا نقشہ اس کتاب کی ابتداء میں مذکور ہے؟ اور اگر مذہب شیعہ ائمہ اہلبیت کا مذہب نہیں۔ تو کیا اہلسنت کا مذہب ائمہ اہلبیت کا مذہب ہے؟ جس کے اکابر خود تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا مذہب علیؑ کے آثار پر استوار نہیں بلکہ اجماعیات عمر پر ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ دہلوی تنویر العینین میں لکھتے ہیں۔ "امہات مذاہب اربعہ بر آثار مرتضی نیست بلکہ بر اجماعیات عمر بن الخطاب و فتوی ابن مسعود الخ" (اس موضوع کی تفصیل اسی بحث کی ابتداء میں گذر چکی ہے) اور اگر بقول مؤلف امہات المومنین پر لعنت و تبرا کرنے والے (اے معاذ اللہ) آب کوثر نہیں پی سکتے۔ تو پھر کیا ساقی حوض کوثر سے بغض و عناد رکھنے والے اور زمین میں فتنہ و فساد پھیلانے والے آب کوثر و تسنیم پئیں گے؟؟ مالکم کیف تحکمون؟

ہزاروں نکتے یہاں بال سے بھی ہیں باریک
کہ جس کی عقل ہو موٹی وہ اس کو کیا جانے

تیسرا مسئلہ متعہ

شیعہ حضرات کے مسائل کا کیا کہنا
جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

ہر ایک مسئلہ نرالا اور ہر ایک مقولہ اعجوبہ روزگار ہے۔ انہی مسائل میں سے ایک عجیب و غریب مسئلہ متعہ ہے متعہ کی فضیلت میں مستقل رسالے تصنیف کئے گئے ہیں۔

فضائل متعہ

(۱) تحفۃ العوام ج ۲ ص ۲ میں فرمایا جو شخص متعہ کرے عمر میں ایک مرتبہ وہ اہلبہشت میں سے ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ عذاب نہ کیا جائے گا

وہ مرد اور عورت کہ متعہ کرے۔

(۲) برہان المتعہ صفحہ ۵۲ ——— (بحذف عربی) ''امام صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص متعہ کرے پھر غسل جنابت کرے پانی کے ہر قطرہ سے جو اس کے بدن سے گرے خدا تعالیٰ ستر ستر فرشتے پیدا کرتا ہے جو اس متقی شخص کے لئے قیامت تک مغفرت مانگتے رہتے ہیں''۔

(۳) ایسا ہی منہج الصادقین صفحہ ۴۹۳ میں ہے (بحذف عربی) ترجمہ:- ''نبی علیہ السلام نے فرمایا جو کوئی ایک مرتبہ متعہ کرے خدا کے قہر سے نجات ملے جو دو مرتبہ کرے اس کا حشر نیک لوگوں (پیغمبروں، اماموں، ولیوں) کے ساتھ ہوگا۔ جو تین مرتبہ متعہ کرے وہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنت میں داخل ہوگا۔

(۴) قال النبی (بحذف عربی) ترجمہ: رسول اللہ ——— نے فرمایا جو ایک دفعہ متعہ کرے اس کے بدن کا تیسرا حصہ آتش دوزخ سے آزاد ہو جاتا ہے۔ جو دو دفعہ کرے اس کے دو ثلث اور جو تین مرتبہ کرے اس کا تمام بدن دوزخ سے آزاد ہو جاتا ہے۔

(۵) قال النبی (بحذف عربی) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایک دفعہ متعہ کرے درجہ امام حسنؓ کا پائے اور جو دو دفعہ کرے تو درجہ امام حسینؓ کا پائے، تین دفعہ کرنے سے حضرت علی کا رتبہ ملے، چار دفعہ کرنے سے رسول پاک ——— کا ہم مرتبہ ہو جائے۔ ایسا ہی شیعہ کی معتبر تفسیر منہج الصادقین صفحہ ۴۹۲ میں ہے۔ سبحان اللہ! شیعہ مذہب میں متعہ مبارک میں کس قدر فضیلت ہے نہ ایسی فضیلت نماز روزہ نہ حج نہ زکوٰۃ نہ دیگر عبادات کی ہے کہ حسب روایت نمبر ۱ عمر بھر میں ایک دفعہ متعہ کر لینے سے بہشت کا ٹکٹ مل جاتا ہے ——— حسب روایت نمبر ۲ متعہ کنندہ جب غسل کرتا ہے تو اس کے بدن سے بے تعداد قطرات پانی کے گرتے ہیں ایک ایک قطرہ سے ستر ستر فرشتے پیدا ہو جاتے ہیں (چند سطروں تک مذکورہ بالا روایات کے مطالب کو بطور تمسخر دہرانے کے بعد لکھا ہے) پھر نماز و روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر عبادات کی کیا ضرورت؟ ——— بس چار دفعہ کا ثواب (متعہ کر لیا جائے ہم خرما و ہم ثواب حظ نفس بھی حاصل ہوا اور بہشت بھی مل جائے)۔

کیا کوئی شخص ایک منٹ کے لئے بھی مان سکتا ہے کہ یہ بیہودہ روایات جو ائمہ دین کی طرف منسوب کی جاتی ہیں فی الواقع انکے ہی اقوال ہیں؟ یہ عجیب بات ہے کہ ایک شخص شہوت رانی

کی غرض سے ایسے فعل قبیح کا ارتکاب کرے اور وہ جنت فردوس کا مالک بن جائے اور اولیا اور انبیا کا ہم رتبہ ہو جائے ـــــ

ـــــ ہم آریہ کے خلاف مسئلہ نیوگ کے متعلق اعتراض کرتے ہیں آریہ اس کے جواب میں متعہ کا مسئلہ پیش کرتے ہیں تبلائیے اس کا کیا جواب دیا جا سکتا ہے ؟

متعہ کیا چیز ہے ؟ متعہ فی الحقیقت زنا ہے ۔ جس کا نام صرف تبدیل کیا گیا ہے ۔ اور اوصاف سارے وہی ہیں ۔ کیونکہ متعہ میں گواہ رکھنے کی ضرورت نہیں ۔ توریث بھی نہیں ۔ تعداد بھی متعین نہیں ـــــ جیسا زنا میں خرچ مقرر اور وقت متعین کیا جاتا ہے ۔ ایسا ہی متعہ میں بھی ہے پیشہ ور عورتیں بے حجاب بازاروں میں پھرتی ہیں ۔ اسی طرح ممتوعہ عورت کو بھی پردہ کی ضرورت نہیں ہے ۔

اجرت متعہ

بازاری عورتوں کی اجرت خرچ چار آٹھ آنہ یا روپیہ دو روپیہ مقرر کی جاتی ہے ۔ لیکن ممتوعہ عورت کی اجرت ۔ حسب روایات شیعہ مٹھی بھر گیہوں یا ستو یا کھجور وغیرہ کافی ہے ۔ (بحوالہ فروع کافی ص ۱۹۰) سے اس مضمون کی دو روایتیں نقل کی ہیں کہ متعہ میں ادنیٰ مہر کیا ہے ۔ فرمایا مٹھی بھر طعام ستو یا ستو یا کھجور ـــــ

لا تعداد عورتوں سے متعہ

نکاح چار عورتوں سے زائد نہیں ہو سکتا ۔ لیکن متعہ کی عام اجازت ہے ۔ خواہ ہزار عورتوں سے متعہ کرے ـــــ (بجنسہ عربی) ابو بصیر کہتا ہے ۔ صادق علیہ السلام سے متعہ کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ کیا چار عورتوں سے ہی متعہ ہو سکتا ہے ؟ کہا چار کیا بلکہ ستر کی بھی حد نہیں ہے (فروع کافی ج ۲ ص ۱۹۱) ـــــ زرارہ نے امام علیہ السلام سے پوچھا کتنی عورتوں سے متعہ ہو سکتا ہے ؟ کہا جتنا جی چاہے ۔

ایک عورت سے بار بار متعہ

ایک عورت کو طلاق مثلثہ دی جائے تو دوبارہ اس سے نکاح نہیں ہو سکتا ۔ لیکن متعہ کے متعلق عام اجازت ہے ۔ ایک عورت سے کئی بار متعہ کیا جا سکتا ہے ـــــ (بجنسہ عربی)

ترجمہ زرارہ کہتا ہے میں نے امام باقر علیہ السلام سے کہا میں آپ پر قربان ۔ کوئی متعہ کرے اور اس کی شرط پوری ہو جائے ۔ پھر اسی سے دوسرا شخص متعہ کرے حتیٰ کہ تین دفعہ اس سے قطع تعلق ہو اور تین خاوند کر چکی ہو کیا پہلا شخص اس سے متعہ کر سکتا ہے ؟ آپ نے کہا جتنی دفعہ چاہے متعہ کرے

یہ آزاد اصیل عورت جیسی نہیں۔ بلکہ کرایہ کی عورت اور رکھیلوں جیسی ہے۔

متعہ دَوریہ حضرات شیعہ نے متعہ کے متعلق ایک اور لطیف صورت یہ پیدا کی ہے کہ ایک عورت سے ایک رات میں دس بیس آدمی متعہ کریں اور یکے بعد دیگرے سب ہم بستر ہوں۔ اگر وہ عورت ایسی ہے کہ اس کا حیض بند ہو چکا ہے۔ تو یہ متعہ دوریہ بھی جائز ہے۔ (بعد ازاں قاضی نور اللہ شوستری مرحوم کی کتاب مصائب النواصب سے اس مضمون کی ایک عبارت نقل کی ہے۔ پھر اس پر یہ تبصرہ کیا ہے) بہر حال آنسہ ہی کیوں نہ ہو۔ ایک رات میں ایک عورت سے بے تعداد اشخاص کا متعہ کرنا کتنا بڑا بے حیائی کا فعل ہے ——

ایک بیہودہ حکایت دلدادگانِ متعہ نے اس بارہ میں عجیب و غریب حکایتیں وضع کی ہیں —— فروع کافی جلد ۲ صفحہ ۱۹۰ میں ہے (بحذف عربی) ترجمہ:۔ ابن عمیر لیثی نے امام باقر علیہ السلام سے متعہ کا مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے کہا۔ خدا نے اس کو اپنی کتاب میں اور اپنے رسول کی زبان سے حلال کیا ہے۔ پس وہ قیامت تک حلال ہے ابن عمیر نے کہا آپ جیسا امام یہ بات کہے حالانکہ عمرؓ نے اسکی حرمت کا فتوی دیا ہے!

—— امام باقر نے کہا تو عمر کے قول پر اور میں رسول اللہ کے قول پر کاربند رہوں گا ——

ابن عمیر نے کہا کیا آپ کو یہ بات پسند ہے کہ آپ کی عورتیں، لڑکیاں، بہنیں، پھوپھیاں یہ فعل کریں؟ امام باقر نے یہ بات سنکر اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کچھ جواب نہ دیا" ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ یہ قصہ یار لوگوں کا وضع کیا ہوا اور محض غلط ہے۔ اگر امام باقر معاذ اللہ متعہ کی حلت کے اس قدر قائل تھے —— تو پھر عورتوں کا سوال آجانے پر کیوں خفگی آجاتی —— یہ عجیب بات ہے کہ جو مردوں کے لئے قیامت تک حلال اور موجب ثواب ہو وہ عورتوں کے لئے باعث شرم و عار ہو۔ کوئی حکم اسلام میں ایسا نہیں ہے —— اس سے صاف ثابت ہے کہ متعہ مرد و عورت کے لئے یکساں حرام ہے نہ عقل اس کو درست سمجھتی ہے نہ نقل سے اس کا کوئی ثبوت ہے ——

متعہ سے ممانعت دوسری جگہ فروع کافی ج ۲ صفحہ ۱۹۲ میں ایک حدیث ہے جس سے متعہ کی ممانعت ثابت ہوتی ہے (بحذف عربی) ترجمہ:۔ مفضل

کہتا ہے۔ میں نے امام صادق علیہ السلام سے سنا وہ فرماتے تھے۔ متعہ چھوڑ دو۔ کیا تمہیں شرم نہیں آتی کہ کوئی شخص عورت کی شرمگاہ کی طرف دیکھے اور اس کا ذکر اپنے بھائیوں اور احباب سے جا کر کرے نیز اسی کتاب میں اسی صفحہ ۱۹۲ پہ درج ہے (بحذف عربی) ترجمہ حضرت ابوالحسن نے اپنے بعض خدام کو کہا کہ متعہ پہ اصرار مت کرو۔ صرف سنت بجالاؤ اور اس میں مصروف مت ہو جاؤ۔ تاکہ اپنی منکوحہ عورتوں اور کنیزوں سے ہٹ جاؤ! اور وہ معطل رہیں اور وہ پاکباز رہ کر ہماری دامنگیر ہوں اور ہمیں ——— لعنت کریں۔ دوسری حدیث میں متعہ کے اصرار کی ممانعت ہے اور پہلی حدیث میں کلی مخالفت ہے ——— ——— کونسا حکم درست ہے اور کونسا درست نہیں ہے؟ ——— غرض متعہ جیسا مخرب اخلاق حیا سوز مسئلہ ہرگز نہیں ہو سکتا ——— شاعر کہتا ہے ع

مطلب ہے کہ سیم تنوں سے وصال ہو
مذہب وہ چاہیے کہ زنا بھی حلال ہو

(آفتاب از صفحہ ۱۸۶ تا صفحہ ۱۹۱)

الجواب قدیم الایام سے مخالفین اہلبیت علیہم السلام حضرت امیر کے شیعیان کرام کو متعہ کے سلسلہ میں خوب خوب بدنام کرتے چلے آتے ہیں۔ حالانکہ ان کی یہ مذبوحی حرکت ان کی جہالت یا تجاہل کا نتیجہ ہے۔

اوائل اسلام میں متعہ کے جواز کا اجماعی ہونا ورنہ مبادیات اسلام پر طائرانہ نگاہ رکھنے والے حضرات سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ عقد متعہ صدر اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد معدلت انگیز کے اوائل ایام میں تو بالاتفاق نہ صرف جائز بلکہ رائج بھی تھا۔ چنانچہ علامہ فخرالدین رازی اپنی تفسیر ج ۳ صفحہ ۲۸۶ میں فرماتے ہیں "ان الامۃ مجتمعۃ علی ان نکاح المتعۃ کان جائزاً فی الاسلام ولا خلاف فی الامۃ فیہ یعنی تمام امت مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ متعہ اسلام میں جائز تھا اس سلسلہ میں اس کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے" اسی طرح اور بہت سے علماء اہلسنت نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ بہرحال یہ حقیقت چونکہ ہر قسم کے شک و شبہ سے بلند و بالا ہے اس لئے مزید ثبوت پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اختلاف صرف اس کے منسوخ ہونے میں ہے ہاں البتہ جو کچھ اختلاف ہے وہ صرف اس بات میں ہے کہ آیا یہ عقد اب بھی جائز ہے یا یہ منسوخ ہو چکا ہے؟ سو حضرت

امیر المومنینؑ اور ان کی اولاد میں سے دیگر گیارہ ائمہ طاہرینؑ بہت سے صحابہ کرام و تابعین علماء جیسے عبداللہ بن عباس، عمران بن حصین، جابر بن عبداللہ، مسلم بن اکوع، سعید بن جبیر، مجاہد اور عطاء اور تمام شیعیان حیدر کرار اب بھی اس کی اباحت و جواز کے قائل ہیں اور دوسرے عام مسلمان اسے منسوخ سمجھتے ہیں۔

نسخ کا بطلان

ہم بانگ دہل کہتے ہیں کہ متعہ کا منسوخ ہونا ثابت نہیں ہے کیونکہ اگر نسخ ہو تو اس کا ثبوت یا تو بالتواتر ہوگا یا آحاد پہلی قسم تو بالیقین موجود نہیں ورنہ مذکورۃ الصدر حضرات اس کے جواز کے قائل نہ ہوتے۔ اور دوسری قسم مفید نہیں ہے کیونکہ خبر واحد مفید ظن ہوتی ہے اور ظن کی وجہ سے قطعی چیز سے دست برداری اختیار نہیں کی جا سکتی۔ علاوہ بریں نسخ والا قول بچند وجہ باطل ہے:

روایاتِ نسخ میں شدید اختلاف

اولاً۔ نسخ والی روایات میں باہم شدید اختلاف ہے بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حجۃ الوداع سنہ ۱۰ھ میں منسوخ ہوا بعض میں یہ لکھا ہے کہ غزوہ تبوک میں سنہ ۹ھ میں اس پر قلم نسخ پھرا ــــــ بعض نے غزوۃ اوطاس اور بعض نے غزوۃ حنین سنہ ۸ھ کہا ہے ــــــ اور ایک جماعت اسے فتح مکہ سنہ ۸ھ کا واقعہ قرار دیتی ہے۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ آنحضرتؐ نے اسے فتح کے موقع پر جائز قرار دیا اور بعد ازاں حرمت کا اعلان کر دیا۔ بعض کا خیال یہ ہے اور اسے ہی شہرت ہے کہ متعہ کی حرمت غزوہ خیبر یا عمرۃ القضا سنہ ۷ھ میں عمل میں آئی۔ یہ تمام تفاصیل تفسیر کبیر۔ تفسیر نیشاپوری اور مناوی شرح جامع صغیر وغیرہ میں مذکور ہیں۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ غریب متعہ پر بڑے بڑے انقلاب آئے کبھی بار حلال ہوا اور کبھی بار حرام۔ کم از کم تین چار مرتبہ اسے حلت و حرمت کی گھاٹی سے گذرنا پڑا۔ جیسا کہ مناوی نے شرح جامع صغیر میں کہا ہے کہ قال بعض الائمۃ ھذا ای المتعۃ من غریب الشریعۃ فانہ تداولہ النسخ مرتین ابیح ثم حرم۔ ابیح ثم حرم فانہ کان جائزاً فی صدر الشریعۃ ثم نسخ فی خیبر او عمرۃ القضا او الفتح او اوطاس او تبوک او حجۃ الوداع ــــــ فارسی کی ایک ضرب المثل ہے۔ "بازی بازی باریش بابا ہم بازی"

ہم مولوی صاحبان کی خدمت میں گذارش کرتے ہیں کہ بازی بازی با دینِ خدا ہم بازی؟ اس اندھیر گردی کی شریعت میں کوئی اور نظیر بھی ملتی ہے؟ یا اس نگری انتشار کی جولانگاہ صرف یہی مسئلہ متعہ ہے۔ کیا اس درجہ اختلاف و انتشار کے باوجود دعوائے نسخ میں کوئی وزن باقی رہ جاتا ہے؟

آیت ناسخہ کا فقدان

ثانیاً: خداوند عالم کا ارشاد ہے۔ ما ننسخ من آیۃ او ننسہا نات بخیر منہا او مثلہا (قرآن) کہ ہم جب کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کی مثل دوسری آیت لاتے ہیں۔ بنا بریں قانون جب متعہ والی آیت موجود ہے (فما استمتعتم بہ

(پ تفصیل کا انتظار کریں) تو اس کی ناسخ آیت کونسی ہے؟ کہا جاتا ہے کہ آیت والذین ھم لفروجھم حافظون الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم اس کی ناسخ ہے۔ مگر یہ خیال بوجوہ باطل ہے اولاً اس لئے کہ آیتِ متعہ سورۂ نساء میں ہے جو مدنی ہے۔ ثانیاً اس لئے کہ متعہ والی عورت بھی زوجہ ہوتی ہے۔ (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) اور آیتِ ازواج (جسے ناسخ کہا جا رہا ہے) سورۂ مومنون اور سورۂ معارج میں ہے اور یہ دونوں سورے مکی ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ ناسخ اپنے منسوخ پر مقدم ہو۔

جوازِ متعہ کے بارے میں صحابہ کے ارشادات

ثالثاً۔ صحابہ کرام کے اقوال کریمہ سے روزِ روشن کی واضح و آشکار ہوتا ہے کہ خدا و رسولؐ نے متعہ کو حلال کرنے کے بعد ہرگز ہرگز اسے حرام نہیں قرار دیا۔ بلکہ اس کی بندش بعض حضرات کی سازش کا نتیجہ ہے۔ بطورِ نمونہ چند اقوال پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) ارشادِ علوی

حضرت علی علیہ السلام کا یہ فرمان زبانزدِ خلائق ہے۔ فرمایا لولا ان عمر نھی عن المتعۃ ما زنی الا شقی۔ اگر عمر متعہ کی ممانعت نہ کرتا تو سوائے کسی شقی و بدبخت کے (یا سوائے کسی شاذ و نادر آدمی کے) اور کوئی شخص زنا نہ کرتا (تفسیر کبیر ج ۳ صفحہ ۲۸۹، تفسیر درمنثور ج ۲ صفحہ ۱۴۰، تفسیر ابن جریر وغیرہ) ——— حضرت کے اس حکیمانہ ارشاد کی تعریف نہیں ہو سکتی بلکہ

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

(۲) قولِ ابن عباس

جناب عبداللہ بن عباس اس کے جواز کے قائل تھے اور کھلم کھلا اس کی حلت کا فتوے دیتے تھے۔ انہی کا یہ قول مشہور ہے ما کانت المتعۃ الا رحمۃ من اللہ رحم بھا امۃ محمد ولولا نھیہ عنھا ما احتاج الی الزنا الا شقی۔ متعہ ایک رحمتِ خداوندی تھا جس سے خدا تعالیٰ نے امتِ محمدیہ کو نوازا تھا۔ اگر عمر اس سے منع نہ کرتے تو سوائے شقی و بدبخت کے (یا سوائے شاذ و نادر فرد کے) اور کوئی شخص زنا نہ کرتا (نہایہ ابن اثیر ج صفحہ ۱۹۴ لغت شقی تفسیر درمنثور ج ۲ صفحہ ۱۴۱ وغیرہ)

ابن عباس و ابن زبیر کا عجیب مکالمہ

عبداللہ بن زبیر کے ساتھ متعہ کے موضوع پر ابن عباس کی گفتگو مشہور و معلوم ہے۔ ایک مرتبہ ابن زبیر نے ابن عباس پر طعن کرتے ہوئے کہا۔ بعض وہ لوگ جو بصارت کی طرح بصیرت کے بھی اندھے ہیں وہ کہتے ہیں کہ متعہ جائز ہے۔ عبداللہ بن عباس جو نابینا ہو چکے تھے جب ان کے کانوں میں بھنک پڑی تو چونک کر کہا۔ اپنی والدہ سے جاکر پوچھو کہ ان کے اور تمہارے والد (زبیر) کے درمیان جو آتش محبت تھی وہ کس طرح لگی اور پہلی رات کس طرح توشبو ——— سلگائی گئی؟ (عقد فرید ابن عبد ربہ اندلسی ج ۲ صفحہ ۱۱۳ طبع مصر)

——— محاضرات راغب اصفہانی میں اسقدر ——— اضافہ ہے کہ جب ابن زبیر نے گھر جاکر اپنی ماں سے حقیقت حال پوچھی تو انہوں نے اسے بتایا کہ ——— تم متعہ سے پیدا ہوئے ہو! مخفی نہ رہے کہ عبداللہ بن زبیر کی والدہ اسماء بنت ابوبکر صاحب کی بڑی صاحبزادی اور ام المومنین عائشہ صاحبہ کی بڑی ہمشیرہ ہیں ———

(۳) عمران بن حصین کا بیان

صحابی رسول عمران بن حصین کا بیان ہے ان اللہ انزل فی المتعۃ آیۃ وما نسخها بآیۃ اخری وامرنا رسول اللہ بالمتعۃ وما نہانا عنہا ثم قال رجل برأیہ ما شاء۔ یرید ان عمر نہی عنہا۔ یعنی خداوند عالم نے متعہ کے متعلق قرآن میں آیت نازل کی پھر اسے کسی دوسری آیت سے منسوخ نہیں کیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں متعہ کرنے کا حکم دیا پھر اس سے ممانعت نہیں فرمائی یہاں تک کہ ایک شخص نے اپنی رائے سے جو چاہا کہہ دیا۔ انکی مراد یہ ہے کہ عمر نے اس کی ممانعت کردی۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۸۹ طبع مصر)

(۴) جابر بن عبداللہ کا حقیقت افروز بیان

جناب جابر بن عبداللہ انصاری بھی اس کے جواز کے نہ صرف قائل بلکہ اس پر عامل بھی تھے۔ ابو نضرہ بیان کرتے ہیں کہ ہم جناب جابر کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص نے آکر متعۃ الحج اور متعۃ النساء کے بارے میں عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن زبیر کے اختلاف کا تذکرہ کیا۔ جابر نے کہا فعلناهما مع رسول اللہ۔ ثم نہانا عمر فلم نعد لہما۔ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں دونوں متعوں پر عمل درآمد کیا ہے بعد ازاں جب عمر نے ان کی ممانعت کردی تو پھر ہم نے (بوجہ تقیہ) عود نہیں کیا (صحیح مسلم مع شرح نووی ج ۱ ص ۴۵۱) ابو الزبیر بیان کرتے کہ میں نے جناب جابر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ "کنا نستمتع بالقبضۃ من التمر والدقیق علی عہد رسول اللہ وابی بکر حتی نہی عنہ عمر۔ ہم رسول خدا اور ابوبکر کے زمانہ میں مٹھی بھر آٹا یا کھجور دے کر متعہ کیا کرتے تھے یہاں تک کہ عمر نے اس کی ممانعت کردی (صحیح مسلم مع نووی ج ۱ ص ۴۵۱) شہادت کا سب سے بڑا کورس چار عدد کا ہے۔ ان چار معتبر شہادات سے ثابت ہوگیا کہ متعہ والی آیت محکم ہے منسوخ نہیں ہے اگر نسخ کی کوئی اصلیت ہوتی تو کس طرح ان اصحاب کبار پر پوشیدہ رہ سکتی تھی؟ ——— ان حضرات نے صاف تصریح کردی ہے کہ ——— پہلے پہل عمر بن الخطاب نے اس کی ممانعت کی بعد ازاں بموجب "الناس علی دین ملوکہم" اور کچھ لوگوں نے ان کی ہمنوائی کی اور رفتہ رفتہ بموجب

ہر کفر کہ کہنہ شود مسلمانی شود

اب اس انکار کو جزو اسلام سمجھا جا رہا ہے؟ اور قائل کو خارج از اسلام

ع فلیبک علی الاسلام من کان باکیا

عمر بن خطاب کا اقرارِ جرم

رابعاً: حقیقت یہ ہے کہ یہاں "مدعی سست گواہ چست" والا معاملہ ہے۔ ان لوگوں نے اس قدر تاویلات رکیکہ صرف عمر کی گرتی ہوئی پوزیشن کو سہارا دینے کی ناکام کوشش کے سلسلہ میں کی ہیں۔ کہ کبھی آیت اور کبھی روایت سے نسخ کا نظریہ اختیار کرتے ہیں گویا بزبان حال سے پکار رہے ہیں۔ کہ

کبھی گرتا ہوں ساغر پہ کبھی جھکتا ہوں مینا پہ
میری بے ہوشیوں سے ہوش ساقی کے بکھرتے ہیں

مگر جناب عمر ڈنکے کی چوٹ بر سر منبر یہ جرأتمندانہ اعلان کیا کرتے تھے ــــ متعتان کانتا مشروعتین فی عھد رسول اللہ وانا انھی عنھما متعۃ الحج ومتعۃ النکاح ــــ دو متعے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ کے زمانے میں جائز تھے مگر میں ان کی ممانعت کرتا ہوں۔ ایک متعہ الحج دوسرا متعہ النکاح ــــ (تفسیر کبیر ج ۳ صفحہ ۲۸۹، امام فخرالدین رازی ــــ شرح فاضل قوشجی صفحہ ۴۸۴ طبع ایران پر بجائے انھی کے (وانا احرمھما) (کہ میں ان دونوں کو حرام قرار دیتا ہوں) موجود ہے (کذا فی المحاضرات للراغب) علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۳۶ طبع مصر اولیاتِ عمر کے ضمن میں تصریح کی ہے کہ "اول من حرم المتعۃ" عمر پہلا شخص ہے جس نے متعہ کو حرام قرار دیا۔

لیجئے اب تو یہ حقیقت بالکل واضح و عیاں ہو گئی کہ جناب عمر نے ہی اپنے دورِ حکومت میں کسی خاص رمز مصلحت کے ماتحت (و رموز مملکت خویش خسرواں دانند) متعہ کو حرام قرار دے دیا۔ ورنہ خدا و رسول نے تو اسے ایکبار حلال قرار دینے کے بعد ہرگز حرام نہیں کیا ورنہ عمر حرمت یا ممانعت کی نسبت اپنی طرف دینے کے بجائے خدا اور رسول کی طرف دیتے۔ اب مسلمانوں کی مرضی ہے کہ وہ خدا اور رسول کے فیصلہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کریں یا عمر کا فیصلہ مان کر اسلام کا جوا گردن سے اتار دیں۔

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا؟

ارشاد قدرت ہے ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی نولہ ما تولی ونصلہ جہنم وساءت مصیرا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ متعہ کو حرام سمجھنے والے عمر کو خدا و رسول سے بڑھ کر مانتے ہیں ــــ اور یہ بالکل کھلا ہوا "غلو" ہے جس کا طعنہ وہ شیعوں کو دیا کرتے ہیں ــــ یا اھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم:

لطیفہ

برادران اسلامی کے مستند عالم راغب اصفہانی نے اپنی کتاب محاضرات میں لکھا ہے کہ ایک آدمی نے عبداللہ بن عمر سے دریافت کیا کہ متعہ کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ کہا جائز ہے! اس آدمی

(عمر) نے کہا مگر آپکے والد تو کہتے ہیں کہ حرام ہے تو کیا میرے والد نے ہی بر سرِ منبر یہ اعلان نہیں کیا کہ رسول خدا کے زمانہ میں دو متعے جائز تھے (حلال تھے) میں انہیں حرام قرار دیتا ہوں اور خلاف ورزی کرنیوالے کو سزا دونگا" کہا ہاں۔ یہ تو درست ہے! ابن عمر نے کہا کہ ہم ان کی گواہی کو قبول کرتے ہیں کہ عہدِ رسُول میں جائز تھے مگر ان کے حکم حرمت کو نہیں مانتے کیونکہ جس چیز کو خدا و رسول حلال قرار دیں۔ میرے باپ کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ اسے حرام قرار دیں؟

حل طلبِ معمہ

مولوی کرم الدین صاحب نے دوسرے متعصب سنی علماء کی طرح یہ لکھا ہے کہ "متعہ فی الحقیقت زنا ہے" اور ہم نے سطور بالا میں اہلسنت کی کتب معتبرہ سے ثابت کر دیا ہے کہ اوائل اسلام میں بالاتفاق متعہ جائز تھا۔ بڑے بڑے اکابر صحابہ اور بعض صحابیات نے بھی متعہ کیا ہے تو اب حل طلب معمہ یہ ہے کہ کیا کبھی خدا و رسولؐ نے زنا کی اجازت دی تھی اور کیا جابر بن عبداللہ انصاری اور عمران بن حصین اور بالخصوص اسماء بنت ابی بکر وغیرہم نے متعہ کرکے دراصل زنا کیا تھا؟ (العیاذ باللہ) بینوا توجروا؟

کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبًا نیز مؤلف نے مٹھی بھر طعام یا کھجور کے عوض متعہ کرنے کے جواز پر جابجا اور بہت زبان ایراد دراز کی تھی ہم نے یہی چیز صحیح مسلم کے حوالہ سے بزبان صحابہ ثابت کر دی ہے۔ امید ہے کہ اب موصوف زیر زمین بھی زبان حال سے یہ کہہ رہے ہوں گے

؎ میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

دانشمندی یہ ہوتی ہے کہ دوسروں پر زبان طعن و تشنیع دراز کرنے سے پہلے اپنے نگار خانہ پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے کیونکہ ؎

شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور

جوازِ متعہ از قرآن

مؤلف آفتاب نے صرف طعن و تشنیع اور طنز و تمسخر کرنے پر اکتفا کی ہے۔ (جس میں وہ بھانڈوں کو بھی پیچھے چھوڑ گئے ہیں) ورنہ انکو متعہ کی حرمت پر کسی قسم کا کوئی مواد پیش کرنے کی توفیق نہیں ہو سکی اور ہم نے اب تک جو حقائق پیش کر دیئے ہیں۔ وہ اگرچہ اثبات مدعا کے لئے کافی ہیں۔ مگر ہم چاہتے ہیں کہ مزید تسلی و اطمینان کی خاطر قرآن مجید کی ایک آیت مبارکہ بھی اس سلسلہ میں پیش کر دیں (اگرچہ اختصار ہمیں عنانِ بیان دراز کرنے سے مانع ہے) ارشاد رب العزت ہے فما استمتعتم بہ منھن فاٰتوھن اجورھن فریضۃً ولا جناح علیکم فیما تراضیتم بہ من بعد الفریضۃ ان اللہ کان علیما حکیما (پ ۵ س نساء ع ۱) "جن عورتوں سے تم مزہ اٹھاؤ (یعنی صحبت کرو) ان کا حق جو ٹھہرایا تھا ان کو دے دو اور ٹھہرانے کے بعد اگر آپس میں راضی ہو جاؤ تو اس میں کچھ گناہ نہیں تم پر بے شک اللہ تعالیٰ خبردار ہے حکمت والا" (ترجمہ وحیدی) یہ آیت بچند وجوہ جوازِ متعہ پر دلالت کرتی ہے (الف) لفظ متعہ لفظ نماز روزہ اور حج

۞ کیونکہ یہ مولانا ہیں لیکن شہر کے لفنگوں پہ بھاری ہیں۔

و زکوٰۃ وغیرہ حقائق شرعیہ کی طرح عقد خاص میں حقیقت ہے اسے نظر انداز کرکے اس سے لغوی معنی (فائدہ حاصل کرنا) مراد لینا اصولِ شریعت کے خلاف ہے۔

(ب) جناب عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، ابی بن کعب اور بعض دیگر صحابہ کی قرأت کتب اہلسنت میں یوں مروی ہے فما استمتعتم بہ منھن الی اجل مسمی فاتوھن اجورھن فریضۃ یعنی جن عورتوں سے وقت معین تک متعہ کرو۔ ان کا حق مہر بطور فرض ادا کرو۔ یہ جواز متعہ پر نص صریح ہے (در منثور ج ۲ صفحہ ۱۴۰ کبیر ج ۳ صفحہ ۲۸۰ وغیرہ)

(ج) اگر اس سے نکاح مراد لیا جائے تو تکرار لازم آتا ہے کیونکہ اس سے پہلے فانکحوا ما طاب لکم من النساء الآیۃ کہہ کر نکاح کا حکم بیان ہو چکا ہے۔ لیکن اگر اس سے عقد متعہ مراد لیا جائے تو اس طرح ایک نیا حکم معلوم ہوگا علماء معانی بیان کا اتفاق ہے کہ التاسیس اولی من التاکید۔ بنابریں تاسیس کو تاکید پر ترجیح حاصل ہے۔

(د) مفسرین اہلسنت نے تسلیم کیا ہے کہ اس سے مراد نکاح متعہ ہے۔ چنانچہ امام سیوطی نے عبد بن حمید اور ابن جریر کے حوالہ سے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں کہا "یعنی نکاح المتعہ" کہ خدا نے اس آیت میں عقد متعہ مراد لیا ہے (تفسیر در منثور ج ۲ صفحہ ۱۴۰) علامہ وحید الزمان اپنے ترجمہ قرآن کی ذیلی تفسیر موسوم بہ تفسیر وحیدی حاشیہ نمبر ۶ صفحہ ۱۱۲ پر تحریر فرماتے ہیں "اکثر علماء نے کہا ہے کہ یہ آیت نکاح متعہ کے باب میں اتری۔ متعہ شروع اسلام میں جائز تھا وہ یہ ہے کہ الخ" علاوہ ازیں قابل غور بات یہ ہے کہ جب اوائل اسلام میں متعہ کے جواز پر سب اہل اسلام کا اتفاق ہے۔ تو اگر اس آیت سے متعہ کا جواز ثابت نہ ہو تو پھر وہ ہی بتائیں کہ یہ جواز کس دلیل کی بناء پر ہے؟ بعد ازیں قاضی مظہر صاحب کے اس طفلانہ بلکہ جاہلانہ دعوے میں کیا وزن باقی رہ جاتا ہے کہ "قرآن مجید کی کسی آیت سے شیعہ متعہ کی حلت ثابت نہیں کر سکتے"۔

ثوابِ متعہ والی روایات پر اعتراض کا جواب

اب ہم ذیل میں بقدرِ اختصار کے سے نمبروار مؤلف کے بودے اعتراضات کے حلی و الزامی جوابات پیش کرتے ہیں۔ موصوف نے متعہ کرنے پر ثواب ملنے کے متعلق وارد شدہ روایات پر بڑی لے دے کی ہے۔ اس کے متعلق ہمارا پہلا حلی جواب یہ ہے کہ خداوند عالم اسی سورۂ نساء میں جس میں آیت متعہ موجود ہے فرماتا ہے۔ من یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا (پ ۵ س نساء ع ۹) اور جو اللہ اور رسول کا کہا مانے تو ایسے ہی لوگ (جنت میں ان مقبول بندوں) کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے (بڑے بڑے) احسانات کئے۔ یعنی نبی اور صدیق اور شہید اور (یہ میرے) نیک بندے اور یہ لوگ (کیا ہی) اچھے ساتھی ہیں" (ترجمہ نذیری) جب اس آیت کی روشنی میں

خدا و رسول کی اطاعت کرنے والا جنت میں نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے درجہ میں ان کی رفاقت کرسکتا ہے تو پھر وہ متعہ جسے خدا و رسول نے حلال و جائز قرار دیا تھا اور بعض حکام وقت نے مداخلت فی الدین کرتے ہوئے اسے ممنوع قرار دے دیا۔ تو اگر کوئی شخص اس مردہ حکم شریعت کو زندہ کرنے کی غرض سے اس پر عمل کرے اور جنت میں اسے سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی رفاقت نصیب ہو جائے تو اس میں کیا چیز قابل اعتراض ہے؟ حدیث میں یہ تو وارد نہیں کہ ایسا کرنے والا معاذ اللہ۔ خود امام حسن و امام حسین بن جاتا ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ ان کے درجہ میں ہوگا اور ظاہر ہے کہ رفاقت جب ہی ہو سکتی ہے کہ درجہ ایک ہو۔ جو قرآن سے ثابت ہے۔ اس مردہ حکم کو زندہ کرنے کے لئے حکماء اسلام یعنی ائمہ دین علیہم السلام نے یہ ثواب بیان کرکے لوگوں کو اس پر عمل کرنے کی رغبت دلائی ہے۔ !! یہ کہنا کہ "اگر متعہ حلال تھا تو حضرت علی نے اپنے دور خلافت میں اس سنت کو کیوں زندہ نہیں کیا؟ جناب امیر علیہ السلام نے ظاہری مسند خلافت پہ بیٹھتے ہی فرمایا تھا "لو ثبتت قدمای لغیرت اشیاء" (نہج البلاغہ) اگر مجھے ثابت قدمی نصیب ہوئی تو میں بہت سی اصلاحات کروں گا" مگر معترض کے بزرگوں نے نہ آنجناب کو ثابت قدمی نصیب ہونے دی اور نہ آپ وہ موعودہ اصلاحات نافذ کر سکے۔ بلکہ آپ کا تمام وقت داخلی و خارجی فتنوں کو دبانے میں صرف ہو گیا۔

دوسرا الزامی جواب

یہ ہے کہ خود کتب اہلسنت میں بظاہر معمولی معمولی عملوں پر ثواب ہائے بے حساب مذکور ہیں۔ بلکہ یہاں تک لکھا ہے کہ ایسا کرنے سے آدمی خود صدیق و شہید بن جاتا ہے (۱) چنانچہ فتاوی برہنہ ج ۱ ص ۱۹۸ طبع نولکشور میں ہے کہ اگر کوئی شخص صبح و شام اعوذ باللہ کے بعد سورۂ حشر کی آخری سہ آیات پڑھ لیا کرے تو ستر ہزار فرشتے ہمیشہ اس کے لئے دعا کرتے ہیں اور جب مرتا ہے تو شہید مرتا ہے (۲) اسی کتاب کی ج ۱ ص ۱۰۲ پر لکھا ہے۔ جو شخص شب جمعہ نماز وتر پڑھ لے تو اگلے جمعہ تک کوئی گناہ اس کے نامۂ اعمال میں نہیں لکھا جاتا اور اگر مر جائے تو شہید مرتا ہے اور ہر ہر رکعت کے بدلے ایک سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں ——— اور ایک سال کی عبادت لکھی جاتی ہے۔ (۳) صحیح بخاری اور تفسیر در منثور وغیرہ میں ہے کہ جو آدمی لا الہ الا اللہ کہہ دے۔ اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ خواہ چوری کرے اور خواہ زنا کرے" لیجئے چھٹی ہو گئی صرف ایک مرتبہ کلمۂ توحید پڑھ لیا۔ یا زیادہ سے زیادہ شب جمعہ کو نماز وتر پڑھ لی بس جنت کا ٹھیکہ مل گیا۔ پھر نماز روزہ اور دیگر عبادات بجا لانے کی کیا ضرورت جن میں بدنی و مالی تکالیف اٹھانی پڑتی ہیں؟ جو جواب ان روایات کا دیا جائیگا وہی ہم ثواب متعہ والی روایات کا دیں گے۔ (۴) اور سنیے۔ لکھا ہے اگر کوئی شخص ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرے تو صدیق بن جاتا ہے (فتاوی برہنہ ج ۱ ص ۱۹۲) (۵) نیز اسی کتاب کے ص ۳۰۳ پر ایک مختصر سا عمل درج ہے اس کے بجا لانے پر یہ ثواب لکھا ہے کہ "اسے سو حج اور سو عمرہ اور سو شہید کا ثواب ملیگا

اور ہزار فرشتے اس کی نیکیاں لکھیں گے وہ ایسا ہے گویا اس نے سو غلام آزاد کئے اور جب مرے گا تو شہید" اسطرح تو گویا شہادت" ہر مال دو پیسے" ہو گئی۔ اگر یہ سب درست ہے اور ان کی مناسب تاویل ہو سکتی ہے تو ہمارے کرم فرماؤں کو صرف روایات متعہ ہی میں کیوں کیڑے نظر آتے ہیں! سچ ہے ؎

چشم بد اندیش کہ بر کندہ باد
عیب نماید ہنرش در نظر

متعہ اور نیوگ میں فرق

مؤلف کا یہ کہنا کہ جب ہم آریہ پر نیوگ کے متعلق اعتراض کرتے ہیں تو وہ جواب میں متعہ کا مسئلہ پیش کرتے ہیں" بے محل ہے" بتائیے اس کا کیا جواب دیا جائے!! ہم کہتے ہیں کہ اگر آپ کا سرمایہ علمی اس قدر محدود ہے کہ نہ نیوگ کی حقیقت کا علم اور نہ متعہ کی ماہیت کا پتہ تو پھر کس حکیم نے تمہیں کہا ہے کہ اس پیشہ میں ٹانگ اڑاؤ اور مناظرہ بازی کا شغل فرماؤ۔؟

؎ نے فروعت محکم آمد نے اصول
شرم بادا از خدا و از رسول

لیکن ملا جی کریں کیا؟ سستی شہرت حاصل کرنے کا اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں ہے

؎ بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا

حالانکہ جو آدمی آریہ کے نیوگ اور مسلمانوں کے متعہ کے متعلق بالکل سطحی معلومات بھی رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ نیوگ اس بے غیرتی کا نام ہے کہ ایک شادی شدہ آدمی کی اولاد نہیں۔ وہ اپنی بیوی کسی دوسرے مرد کے پاس صرف اس لئے بھیج دیتا ہے کہ وہ اس سے زنا کرائے اور استقرار حمل کی صورت میں یہ بے غیرت صاحب اولاد کہلائے ـــــ مگر شوہر دار عورت سے جس طرح نکاح نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح متعہ بھی نہیں ہو سکتا بلکہ متعہ صرف کسی باکرہ یا مطلقہ یا بیوہ عورت سے ہو سکتا ہے۔ جس سے نکاح ہو سکتا ہے۔ قاضی مظہر صاحب کا یہ کہنا کہ "متعہ نکاح والی عورت سے بھی ہو سکتا ہے" ان کی جہالت مرکبہ اور ضلالت مطلقہ کی بدترین مثال ہے اگر ان میں جرأت ہے تو اس کا کوئی ثبوت کتب شیعہ سے پیش کر کے منہ مانگا انعام حاصل کریں ورنہ مفتری و کذاب کی جو سزا ہے اس کے لئے تیار ہو جائیں لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ و عذاب الآخرۃ اخزیٰ۔

متعہ اور زنا میں فرق

مؤلف نے متعہ کی جو حقیقت بیان کی ہے۔ اس پر اگر فلک پیر عقد ثریا نثار کرے تو کچھ جائے تعجب نہیں ہے ـــــ انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر کے متعہ و زنا کو ایک ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور عداوت اہلبیت کے

جوش میں یہ بھی نہیں سوچا کہ متعہ (جیسا کہ اوپر ثابت کیا جا چکا ہے) ابتداء اسلام میں تو سب مسلمانوں کے نزدیک جائز تھا۔ اختلاف صرف اس کے بعد اس کے ممنوع و منسوخ ہونے میں ہے! تو کیا خدا اور رسول نے پہلے زنا کو جائز اور رائج کیا تھا؟ اور یہ بھی نہیں سوچا کہ اس فتوے کی زد میں کون کون بزرگ آتے ہیں؟ جوش کے ساتھ ہوش بھی ضروری ہوتا ہے ورنہ لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں! اور اس سلسلہ میں بزعم خویش متعہ و زنا کے چند مشترکات شمار کئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ متعہ میں گواہ کی ضرورت نہیں (۲) توریث نہیں (۳) تعداد معین نہیں۔ (۴) پردہ نہیں (۵) اُجرت اور وقت معین ہے ——— اس کے کئی طرح سے جواب دیئے جا سکتے ہیں۔

اوّلاً یہ سمجھنا کہ یہ سب امور (از قسم گواہ و توریث وغیرہ) لوازم نکاح سے ہیں۔ غلط ہے۔ نکاح دائمی میں گواہ مقرر کرنے کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف ہے۔ شیعوں کے نزدیک شرط نہیں (اور نہ ہی قرآن میں اس شرط کا کوئی تذکرہ ہے) صرف فضیلت ہے اور اہلسنت میں سے امام مالک (ملاحظہ ہو خزینۃ الروایات) اور امام محمد (ملاحظہ ہو معدن الکنز) شیعوں کے ہمنوا ہیں ——— ان کے نزدیک گواہ مقرر کرنا شرط نکاح نہیں ہے بظاہر حسبنا کتاب اللہ کا نعرہ لگانے والوں کے مذہب کی بنیاد چونکہ قرآن اور مصطفےٰ کے فرمان پر نہیں بلکہ قیاس شیطان پر ہے اسلئے قرآن میں جہاں گواہ مقرر کرنے کا حکم ہے یعنی طلاق (واشہدوا ذوی عدل من رجالکم) وہاں تو یہ گواہوں کو ضروری نہیں سمجھتے۔ اور جہاں کوئی حکم نہیں (نکاح) وہاں ضروری جانتے ہیں۔ یا للعجب یہ ٹھیک ہے کہ زوجہ اکثر و بیشتر وراثت حاصل کرتی ہے مگر یہ چیز لازمۂ زوجیت نہیں ہے مثلاً زوجہ کتابیہ اور زوجہ قاتلہ اور وہ زوجہ جو کسی بیمار کے عقد نکاح میں آ جائے اور قبل از مقاربت شوہر کا انتقال ہو جائے۔ ان تمام صورتوں میں محروم الارث متصور ہوتی ہے (۳) اگر متعہ میں تعداد معین نہیں تو کنیزوں میں بھی نہیں تو کیا کوئی مسلمان اسے زنا قرار دے سکتا ہے؟ (۴) پردہ نہ ہونے والا سراسر بہتان اور غلط الزام ہے وانما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون (۵) اُجرت یعنی حق مہر تو نکاح میں بھی معین ہوتا ہے تو کیا پھر اسے بھی زنا قرار دیا جائے گا؟ ما لکم کیف تحکمون؟ وانی تصرفون؟؟

حنفیوں میں اُجرت پر زنا کرنے سے حد جاری نہیں ہوتی

ثانیاً کس قدر تعجب کی بات ہے۔ جن کے مذہب میں اُجرت پر زنا کرنے سے حد شرعی جاری نہیں ہو سکتی وہ آج متعہ کو زنا سے تعبیر کر کے شیعوں کو مطعون کر رہے ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ قاضی خان ج ۴ ص ۸۱۴ طبع (نولکشور لکھنؤ) میں لکھا ہے "لو استاجر امرأۃ لیزنی بہا فزنی بہا لا یحد فی قول ابی حنیفۃ" یعنی اگر کوئی شخص اُجرت مقرر کر کے زنا کرنے کی خاطر کرایہ پر عورت لائے اور اس سے زنا کرے تو ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر حد جاری نہ ہو گی" کذا فی الفتاوی السراجیہ ص ۵۸ طبع لکھنؤ

تمام کنجروں اور کنجریوں کو امام اعظم کا ممنون ہونا چاہیئے جنھوں نے ان کے پیشہ کو جائز قرار دے کر ان پر رزق کثیر کے دروازے کھول دیئے ہیں یہی وجہ ہے کہ اہلسنت کے مذہب میں اوباشوں، لچروں، لفنگوں اور بدمعاشوں کی کثرت ہے کیونکہ اس میں یہ سہولت ہے کہ ؎

رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

شرم بشرم بشرم۔

ثالثاً:- اگر مؤلف کو متعہ و زنا میں بزعم خویش کچھ مشترک امور نظر آتے ہیں اسلئے انہوں نے جھٹ اسے زنا کہہ دیا تو کیا ان کو نکاح و متعہ میں کچھ مشترکات دکھائی نہیں دیئے جن کی بناء پر اسے نکاح میں داخل کرتے مثلاً: (۱) جس عورت سے نکاح ہو سکتا ہے صرف اسی سے متعہ بھی ہو سکتا ہے اور جن عورتوں سے نسب یا سبب کی وجہ سے نکاح نہیں ہو سکتا ان سے متعہ بھی نہیں ہو سکتا (اور یہ بڑی اہم وجہ اشتراک ہے) (۲) نکاح میں صیغہ یعنی ایجاب و قبول ضروری ہے متعہ میں بھی یہ چیز لازم ہے (۳) نکاح میں حق مہر کا تعین ضروری ہے۔ متعہ میں بھی واجب ہے (۴) اولادِ نکاح وارث ہے۔ اسی طرح اولادِ متعہ بھی صحیح اولاد اور جائز وارث ہے۔ الیٰ غیر ذالک من المشترکات الحقیقیۃ۔

متعہ کی غرض تشریع

کس قدر حالات کی ستم ظریفی ہے کہ وہ متعہ جس کی علت و تشریع سے اصلی غرض و غایت ہی یہ تھی کہ جب بوجہ سفر وغیرہ جنسی گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو اس جائز طریقہ پر لوگ اپنی جنسی تسکین کا سامان فراہم کر کے زنا جیسے سنگین گناہ سے بچ جائیں۔ آج اسے زنا قرار دیا جا رہا ہے۔ الغرض متعہ کی تشریع زنا کی روک تھام کے لئے ہوئی ہے اسی بناء پر جناب امیرؑ اور ابن عباس فرمایا کرتے تھے کہ اگر عمر متعہ کو ممنوع نہ کرتے تو سوائے کسی بدبخت کے اور کوئی شخص زنا نہ کرتا (کما مر تفسیلہ)

اُجرت و تعداد والے اعتراض کا جواب

اُجرت (یعنی حق مہر) کی قلت و کثرت والا ایراد بھی جہالت پر مبنی ہے ورنہ اسلامی فقہ پر معمولی نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ نکاح دائمی نہ یا عقد متعہ (ایضاً) مہر کی کوئی حد مقرر نہیں ہے بلکہ یہ صرف تراضی طرفین پر منحصر ہے وہ جتنی مقدار پر اتفاق کر لیں وہی مقدار کافی ہے۔ قلیل ہو یا کثیر۔ مزید برآں ہم سطور بالا میں صحیح مسلم مع شرح نووی ج۱ ص۴۵۱ سے بروایت جابر صحابہ کا مٹھی بھر کھجور اور مٹھی بھر آٹا دے کر متعہ کرنا ثابت کر چکے ہیں۔ ؎ چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما

اور جہاں تک تعداد کا تعلق ہے وہ اماء (کنیزوں) میں بھی معین نہیں تو جو مصلحت وہاں کارفرما ہے وہی یہاں بھی ہے۔ نیز ہم۔ نکاح میں طلاق یا شوہر کی وفات کے بعد عدت لازم ہے متعہ میں بھی شوہر کی وفات یا مدت متعہ ختم ہونے کے بعد عدت ضروری ہے۔

تما ھو جوابکم نھو جوابنا ——— ؟؟

ایک عورت سے بار بار متعہ کرنے کا جواب

مؤلف نے جو یہ کہا کہ "جس عورت کو طلاق مثلثہ دی جائے اس سے پھر نکاح نہیں ہو سکتا" یہ نہ خدا کا حکم ہے نہ رسول کا ارشاد ہے۔ بلکہ یہ صرف جناب عمر کا منفرد مسئلہ ہے ملاحظہ ہو صحیح مسلم مع شرح نووی ج ۱ ص ۴۷۸ یہی وجہ ہے کہ اہلسنت میں سے اہلحدیث اس کے قائل نہیں ہیں اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو حلالہ نکالنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا جائے ہر دو پر لعنت کی ہے۔ (ملاحظہ ہو وحید اللغات ج ۱ ص ۱۱ طبع کراچی) مؤلف بوجہ شرم اس بات کو ہضم کر گئے ہیں کہ ان کے ہاں طلاقِ مثلثہ کے بعد حلالہ بھی ضروری ہوتا ہے ——— یہ بے غیرتی مبارک ہو ——— ؏

شرم تم کو مگر نہیں آتی ؟

لہٰذا جس طرح طلاق کے بعد دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے اسی طرح ایک بار مدتِ متعہ ختم ہو جانے کے بعد دوبارہ اس عورت سے متعہ بھی ہو سکتا ہے۔

متعہ دوریہ والے اعتراض کا جواب

مؤلف نے اپنے بعض پیشروؤں کی تقلید میں جس متعہ دوریہ کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کا کئی طرح جواب دیا جا سکتا ہے۔ اولاً۔ تو ہماری کتب متداولہ فقہیہ میں اس مسئلہ کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ہے۔ ثانیاً بنابر تسلیم صحت اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ یائسہ عورت (جو اس سن و سال تک پہنچ چکی ہے کہ اب اولاد جننے کے قابل نہیں رہی یعنی اب اسکے ماہواری کا طبعی سلسلہ بند ہو گیا ہے) اس لئے اب اختلاط نسل کا اندیشہ نہیں رہا۔ شریعت نے اس سے عدت کی پابندی ختم کر دی ہے۔ ظاہر ہے چونکہ اس پر عدت نہیں ہے اس لئے اگر ایک شخص نے تھوڑی مدت کے لئے متعہ کیا۔ جب اس کی مدت ختم ہو گئی تو پھر دوسرے نے کر لیا۔ اس میں کیا جائے ایراد ہے ؟

ثالثاً۔ اسی عورت (یائسہ) میں نکاح سندی والا اعتراض بھی ہو سکتا ہے۔ کہ ایک ہی رات میں دس بیس مرد اس سے نکاح کریں اور ہمبستری بھی ہوں تو جائز ہے۔ کیونکہ صورت یہ ہو گی کہ ایک نے نکاح کیا ہمبستری کی بعد طلاق دے دی اور چونکہ یائسہ ہونے کے اس پر عدت واجب نہیں ہے فوراً دوسرے نے عقد کر لیا وعلی ہذا القیاس البتہ اہلسنت کے نزدیک اس عورت پر بھی عدت لازم ہے جو خلاف عقل و شرع ہے۔

حکایت کا جواب

مؤلف نے فروع کافی سے جس عمری ناصبی کا امام محمد باقر علیہ السلام سے مکالمہ نقل کر کے اسے بیہودہ حکایت قرار دیا ہے اسی میں اس ناصبی شخص کے آخری جملے کے علاوہ اور کیا بیہودگی کی بات ہے۔ اس نے امام سے مسئلہ متعہ پوچھا۔ امام نے فرمایا جائز ہے۔ اس نے اعتراض کیا کہ عورتے

اسے حرام قرار دیا ہے۔ امام نے فرمایا ہمیں خدا و رسول کے حکم سے واسطہ ہے نہ کہ بکر و عمر کے قول سے۔ جب اس نے اپنی خارجیت کا اظہار کرتے ہوئے امام علیہ السلام کی بنات و اخوات کا تذکرہ کیا تو امام نے بموجب ارشاد ربانی "واعرض عن الجاھلین" یعنی جاہلوں سے روگردانی کر۔ اس سے روگردانی ــــــ کر لی۔ اب مؤلف کہتے ہیں کہ اگر امام متعہ کے جواز کے قائل تھے تو عورتوں کے ذکر پر خفگی کیوں آگئی؟ ہم صرف اس پر ہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ عزت و غیرت کی بات ہے جو تمہاری سمجھ میں نہیں ــــــ آسکتی کیونکہ ؎

سخن شناس نہ ٔ دلبرا خطا اینجا است

ــــــ ورنہ ایک غیور آدمی سمجھ سکتا ہے کہ یہ ضرور خفگی کا مقام تھا۔ کسی کام کا جائز ہونا اور بات ہے اور اس کا کرنا اور بات۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی مولوی صاحب سے (فرض کرو مولوی کرم الدین آف بھیں سے) مسئلہ دریافت کرے کہ آیا نکاح کرنا جائز ہے؟ وہ جواب دیں کہ ہاں۔ پھر وہ کہے آیا کثیر مقدار میں حق مہر مقرر کرنا جائز ہے؟ وہ کہیں ہاں۔ پھر سائل کہے جب لڑکی شادی ہو جائے اور اسے ہمبستری بھی واقع ہو جائے تو پھر شوہر سے طلاق حاصل کر لے تو یہ بھی جائز ہے؟ اور مولوی صاحب کہیں اگرچہ ایسا نہ کرنا چاہیئے مگر ہے تو جائز۔ اس اگر یہ سائل یہ کہہ دے کہ مولوی صاحب! اپنی لڑکیوں کو حکم دیجئے کہ وہ اس طریقہ سے روپیہ کمائیں اور آپ کھائیں تو کیا مولوی صاحب کو خفگی نہ آئے گی؟

؎ بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا
آنچہ برائے خود نمی پسندی برائے دیگراں مپسندا

چنانچہ فروع کافی ج ۲ صفحہ ۱۹۱ میں مؤلف کی پیش کردہ روایت کے بعد مومن طاق اور ابو حنیفہ کا مکالمہ درج ہے۔ جب ابو حنیفہ کے اس سوال پر کہ آیا متعہ حلال ہے؟ مومن طاق نے اثبات میں جواب دیا۔ تو امام اعظم نے فرمایا کہ پھر اپنی عورتوں کو حکم دو کہ وہ متعہ کر کے روپیہ کمائیں۔ مومن طاق نے کہا ہر صنعت و حرفت کو اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ وہ حلال ہی کیوں نہ ہو! پھر ابو حنیفہ سے پوچھا کیا نبیذ (ایک قسم کی شراب) جائز ہے؟ امام اعظم نے کہا ہاں۔ مومن نے کہا پھر آپ اپنی عورتوں کو حکم دیں کہ وہ دکانیں کھول کر نبیذ کی خرید و فروخت کر کے روپیہ کمائیں! ابو حنیفہ یہ جواب سن کر چپ ہو گئے ــــــ اور کہا تمہارے تیر کا زخم زیادہ گہرا ہے!

اگر مولوی صاحب کو کوئی مثال درکار ہے کہ مرد کیلئے باعث ثواب اور عورت کے لئے باعث شرم ہو۔ تو مثال پیش خدمت ہے۔ کتب اہلسنت سے ثابت ہے کہ ختنہ لڑکے اور لڑکی کیلئے یکساں سنت ہے۔ مگر عوام تو کیا خواص بلکہ علماء اہلسنت بھی لڑکی کے ختنہ کے نام سے گھبراتے ہیں اور لڑکیاں بھی شرم و عار محسوس کرتی ہیں۔ مگر لڑکے کا ختنہ بڑی دھوم دھام سے کیا جاتا ہے۔ ؎ آئینہ دیکھئے گا ذرا دیکھ بھال کر۔

ممانعت متعہ کا جواب

یہ اختلافات و تعارضات اہلسنت اور انکے پیشواؤں کو مبارک ہوں ہم تو ان ائمہ طاہرینؑ کے ماننے والے ہیں کہ جن کے متعلق بیگانے بھی گواہی دیتے ہیں کہ قول واحد منہم قول باقیہم : جو ایک کا قول ہو وہی سب کا قول ہوتا ہے (لواقح الانوار شعرانی و دراسات اللبیب) چنانچہ مسئلہ متعہ پر ان لوگوں کے اختلافات کا ایک شمہ اوپر درج کیا جا چکا ہے۔ اس کے برخلاف روایات اہلبیت میں سے ایک صریح و صحیح روایت بھی متعہ کی ممانعت میں پیش نہیں کی جا سکتی۔ (تہذیب الاحکام کی جس روایت کا حوالہ دیا جاتا ہے اسکے راوی سنی ہیں جیسا کہ کتاب میں اسکی وضاحت موجود ہے) یہاں مؤلف نے اپنے علم و فضل کا جنازہ نکالا ہے۔ پہلی روایت کا ترجمہ بالکل غلط کیا ہے وہ مفہوم تو سمجھ ہی نہیں سکے۔ اصل بات یوں ہے (جو اصل کتاب میں موجود ہے) کہ کچھ حضرات موسم حج میں مکہ جا کر متعہ کرنا شروع کر دیتے تھے۔ ایسے ہی ایک شخص کو امامؑ نے سرزنش کی کہ ایسے موقع و محل پر متعہ کرتے ہو کیا تمہیں شرم نہیں آتی ایسے شرمناک موقع پر دیکھے جاؤ اور اسکا اثر بد تمہارے دوسرے نیک بھائیوں پر بھی پڑے۔ یعنی لوگ یہ کہیں کہ یہ لوگ یہاں حج کرنے نہیں آتے بلکہ صرف متعہ کرنے کیلئے آتے ہیں ____ اور دوسری روایت میں امام کے حکیمانہ حکم کی مصلحت خود ظاہر ہے کہ انسان کو اسقدر بھی فنافی المتعہ نہیں ہو جانا چاہیے کہ جس سے زوجہ یا زوجات کی حق تلفی ہوتی ہو۔ اس حکیمانہ حکم کی صحت میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ ؟ سچ ہے۔

؎ وکم من عائب قولاً صحیحاً
وآفتہ من الفہم السقیم

؎ پڑھیں پتھر سمجھ ایسی پہ وہ سمجھے تو کیا سمجھے؟

بہر حال کوئی سمجھے یا نہ سمجھے ہم سمجھانے کا اپنا فریضہ ادا کرتے رہیں گے۔

؎ مانو نہ مانو جان جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جائیں گے

چوتھا مسئلہ انبیاء پر ائمہ کی فضیلت

یہ مسلم ہے کہ نبی کے درجہ کو غیر نبی نہیں پہنچ سکتا۔ خواہ کیسا ہی غوث، قطب، ولی، امام ہو لیکن شیعہ کا یہ عقیدہ ہے کہ ائمہ اہلبیت جمیع انبیاء سے افضل ہیں۔ چنانچہ حق الیقین اردو ص۵۸ میں ہے۔ "اکثر علماء شیعہ کا یہ اعتقاد ہے کہ حضرت امیرؑ و دیگر ائمہ طاہرینؑ جمیع انبیاء سے افضل ہیں"۔ (آفتاب ص۱۹۱)

الجواب یہ اعتراض بچند وجوہ درجہ اعتبار سے ساقط ہے۔ اوّلاً۔ تو افضلیت ائمہ بر انبیائے سلف میں (علمائے شیعہ کے درمیان) اختلاف ہے پہلا قول یہی ہے کہ وہ سوائے ختمی مرتبت باقی سب انبیاء سے افضل ہیں۔ دوسرا یہ کہ انبیاء ان سے افضل ہیں۔ تیسرا یہ کہ اولوالعزم نبی ان سے افضل اور دوسروں سے یہ افضل ہیں (اوائل المقالات شیخ مفیدؒ) ہاں البتہ علمائے متاخرین میں پہلا قول ہی مشہور اور یہی عندالتحقیق منصور ہے۔ بہرکیف جس مسئلہ میں اختلاف ہو اسے پورے مذہب کی طرف نسبت دینا علمی دیانت کے خلاف ہے۔

ثانیاً:- اس قدر تو مسلم ہے کہ ہر نبی اپنی امت سے افضل ہوتا ہے لیکن یہ کہ ہر نبی غیر نبی سے افضل ہوتا ہے اگرچہ وہ غیر نبی اس کی امت سے خارج بھی ہو۔ اس پر نہ کوئی عقلی دلیل قائم ہے نہ نقلی اور نہ ہی یہ مسلّم ہے ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین؟ لہٰذا اگر ائمہ اہلبیت سابقہ نبیوں سے افضل ہوں۔ جبکہ یہ ان کی امت میں شامل نہیں تو کسی مسلمہ قاعدہ کی مخالفت لازم نہیں آتی۔

ثالثاً:- یہ بات اپنے مقام پر ثابت ہو چکی ہے کہ معیار فضیلت کثرت علم مع العمل۔ اور قوتِ جسمانی میں فوقیت ہے۔ جیسا کہ آدم و ملائکہ اور جناب طالوت کے قرآنی واقعات سے بھی واضح و عیاں ہے۔ تو بنا بریں جب ائمہ طاہرین پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم و عمل اور طاقت و قوت کے وارث ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب علمی و عملی کمالات میں سردار انبیاء ہیں تو اس طرح ائمہ طاہرینؑ کے ان کمالات کا پلہ بھی سابقہ نبیوں سے بھاری ہوگا۔ لہٰذا وہ ان سے افضل ہوں گے۔

رابعاً:- آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان فریقین کی کتب میں موجود ہے۔ فرمایا من اراد ان ینظر الی آدم فی علمہ والی نوح فی زہدہ والی ابراھیم فی خلتہ والی موسیٰ فی ھیبتہ والی عیسیٰ فی تقواہ فلینظر الی علی بن ابی طالب (مناقب خوارزمی ص۴۹ ینابیع المودۃ ص۔ باب۴۰ مطالب السؤل ص۲۱ ج۱ ریاض نضرہ ج ۲ ص۲۱۸، فصول مہمہ ص۱۲۱، شرح نہج البلاغہ حدیدی ج ۲ ص۴۴۹) اس سے ظاہر ہے کہ جو بزرگوار سارے سابقہ نبیوں کے انفرادی کمالات کا حامل ہوگا وہ فرداً فرداً ہر ایک سے افضل ہوگا۔ ولنعم ما قیل۔

حسن یوسف دم عیسےٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

———— اس موضوع کے تفصیلی دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ دیکھنے کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب احسن الفوائد کی طرف رجوع کریں۔

پانچواں مسئلہ شیعہ کا اعتقاد ہے کہ جناب امیرؑ و دیگر ائمہ خدا کی زبان، منہ، آنکھ، ہاتھ اور جنب اللہ (خدا کی پسلی ہیں) اصول کافی صفحہ میں ہے (یہاں در روایتیں درج کی ہیں۔ جن کا مضمون یہی ہے کہ ائمہ فرماتے ہیں۔ ہم خدا کی حجت، خدا کا دروازہ۔ خدا کی زبان۔ خدا کا منہ، خدا کی آنکھ اور اس کے ولی امر ہیں) آفتاب صفحہ

الجواب فارسی کا ایک مقولہ ہے کہ "یک من علم را دہ من عقل باید!" اگرچہ ہماری اسلامی برادری میں فی الجملہ علم موجود ہے، مگر جس چیز کا ان کے ہاں قحط ہے وہ جوہر عقل ہے، اور اگر ہے تو پھر اس سے کام نہیں لیا جاتا ورنہ مولوی صاحب ایسے بڑے اعتراض کر کے اپنی رسوائی کا سامان فراہم نہ کرتے مگر سچ ہے۔

چون خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکان کند

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مطالب ہماری کتابوں میں درج ہیں۔ مگر قابل غور یہ بات ہے کہ جس مذہب کا طغرائے امتیاز یہ ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کو جسم و جسمانیات سے منزہ و مبرا سمجھتا ہے۔ اگر وہ ائمہ طاہرینؑ کو وجہ اللہ۔ لسان اللہ وغیرہ سمجھتا ہے تو اس کا مطلب کیا ہے؟ دیانتداری کا تقاضا تو یہ تھا کہ اعتراض کرنے سے پہلے اگر مؤلف ان حدیثوں کا مطلب نہیں سمجھتے تھے تو علمائے اعلام کی کتابوں کی طرف رجوع کرتے۔ رئیس المحدثین شیخ صدوق قمی نے کتاب التوحید اور حضرت علامہ مجلسی نے مرآۃ العقول شرح کافی میں ان حدیثوں کا صحیح مفہوم بیان کر دیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ کے باب اللہ (اللہ کا دروازہ) ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ اسکی معرفت کرانے کا وسیلہ ہیں۔ اللہ کی زبان ہونے کا مقصد یہ ہے کہ اسکی مرضی کے بغیر نہیں بولتے بلکہ اس کے احکام کی اس کی منشا کے مطابق ترجمانی کرتے ہیں۔ اللہ کی آنکھ ہونے کا مقصد یہ ہے کہ اسکی مرضی کے بغیر آنکھ نہیں اٹھاتے۔ اسی طرح انکے جنب اللہ ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ ان کی رضا خدا کی رضا اور ان کی ناراضی خدا کی ناراضی ہے۔ اب فرمائیں یہ حقائق قابل اقرار ہیں یا لائق انکار؟

چون بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا است
سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است

چھٹا مسئلہ اگرچہ اسلام کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے افضل ہیں لیکن شیعہ اس کے خلاف حضرت علی کو رسول کے ہم مرتبہ بلکہ ان سے بھی افضل سمجھتے ہیں چنانچہ اصول کافی صفحہ میں ہے (بحذف عربی) ترجمہ: صادق علیہ

السلام نے فرمایا اے سلمان! جو جناب امیر المومنین حکم دیں مانو جس سے منع کریں اس
سے باز رہو۔ علی کو وہی فضیلت ہے جو رسولؐ کو ہے۔ پھر اس کتاب مذکور میں ہے (بحذف عربی
ترجمہ)۔ "امیر علیہ السلام نے فرمایا میں خدا کی طرف سے جنت و دوزخ کی تقسیم کا مالک ہوں۔
میں فاروق اعظم ہوں اور صاحب عصا و میسم ہوں۔ تمام ملائک اور ارواح نے میرا اقرار کیا جیسا کہ
رسول کا انہوں اقرار کیا۔ مجھے اسی سواری پر سوار کیا گیا جو رسولؐ کی سواری منجانب اللہ تھی
محمد صلعم بلائیں جائیں گے اور پوشاک پہنائے جائیں گے۔ اسی طرح میں پکارا جاؤں گا
اور پوشاک پہنایا جاؤں اور بلایا جاؤں گا۔ کلام رسول کی طرح۔ میں پانچ چیزیں دیا گیا ہوں۔
جو کہ کسی کو مجھ سے پہلے نہیں دی گئی۔ مجھے موتوں، مصیبتوں، نسبوں، فیصلہ حق کے علوم دیئے
گئے ہیں۔ پہلی باتیں مجھ سے چھپی نہیں رہیں اور نہ غیبی امور مجھ سے مخفی ہیں۔ میں خدا کے حکم
سے بشارت دوں گا اور خدا کی طرف سے سب کچھ پورا کر دوں گا۔ ان تمام امور کا خدا نے مجھے
کل اختیار دے دیا ہے۔ ان روایات سے ثابت ہے کہ فضیلت میں رسولؐ اور علیؑ میں کچھ
فرق نہیں ہے ——— بلکہ علوم خمسہ کے حاصل ہونے میں رسول سے علی کا نمبر فائق
ہو گیا ہے (بحار الانوار ج ۵ ص۱۱۵ میں ہے ——— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے علیؑ سے فرمایا۔ اے علی! تمہارے لئے بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ ان جیسی میرے
لئے بھی نہیں (خلاصہ یہ کہ) تمہارے بیٹے ہیں ان جیسے میرے نہیں اور خدیجہ جیسی تمہاری
ساس۔ ایسی میری نہیں ——— محمد جیسا تمہارا خسر ہے۔ ایسا میرا نہیں۔ جعفر جیسے تمہارے بھائی
ہیں۔ اس جیسا میرا نہیں ——— اور فاطمہ بنت اسد جیسی ہاشمیہ مہاجرہ تمہاری والدہ ہیں ان سے
جیسی میری والدہ نہیں۔" (آفتاب ص۱۹۳)

الجواب

سچ ہے اذا القیت جلباب الحیاء فاصنع ما شئت یعنی کہ
بے حیا باش وہر چہ خواہی گو

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف جب یہ کتاب لکھنے بیٹھے تھے تو حیا و شرم اور خوف و خشیت الٰہی کا جامہ چیر
پھاڑ کر پھینک دیا تھا (یا کبھی یہ جامہ زیب تن کیا ہی نہ تھا) اس لئے وہ کذب سازی اور افترا پردازی میں
ذرہ بھی جھجک محسوس نہیں کرتے اس سے بڑھ کر اور کیا بہتان ہو گا کہ شیعہ حضرت علی کو رسول کا ہم مرتبہ
بلکہ ان سے افضل جانتے ہیں۔ سبحانک اللہ ھذا بہتان عظیم۔ شیعوں کی علم کلام و عقائد کی سینکڑوں
نہیں بلکہ ہزاروں کتابیں اس بات پر شاہد ہیں کہ شیعیان حیدر کرار خدا کے بعد علت غائی ممکنات جناب رسول خدا

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساری کائنات سے افضل جانتے ہیں ان کا ایمان ہے کہ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اور جو شخص حضرت امیرالمومنین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل تو کجا بلکہ من جمیع الجہات ان کے برابر سمجھے وہ اثنا عشری شیعہ نہیں بلکہ غالی و کافر سمجھتے ہیں (اسے کاش مؤلف اسی حق الیقین کو دیکھ لیتے جو ان کے پیش نظر ہے ثبوت کے لئے مرآۃ العقول، ہفتم بحار الانوار، حدیقہ سلطانیہ، حسن الفوائد، اصول الشریعہ میں اقسام غلو کے ذیل میں یہ بات دیکھی جا سکتی ہے۔

جب حضرت علی خود یہ فرماتے ہیں کہ انا عبد من عبید محمد کہ میں محمدؐ کے غلاموں میں سے ایک غلام ہوں، تو پھر ان کے شیعہ کس طرح ان کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل سمجھ سکتے ہیں (اصول کافی احتجاج طبرسی صفحہ طبع النجف)

اتحاد نبیؐ و علیؑ

ہاں یہ درست ہے کہ شیعہ سوائے نبوت اور اس کے خصائص (از قسم وحی نبوت وغیرہ) کے باقی صفات از قسم علم و فضل، اطاعت و عصمت وغیرہ میں بمطابق ارشاد خدا و رسول علیؑ کو نبیؐ کا شبیہ جانتے ہیں۔ باتفاق فریقین خداوند عالم نے قرآن کے اندر آیت مباہلہ میں حضرت علیؑ کو نفس رسول قرار دیا ہے (وانفسنا وانفسکم) ۔۔۔ اور یہ بات محتاج بیان نہیں کہ جسمانی طور پر دو جسموں کا اتحاد عقلاً محال و ناممکن ہے۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ اس اتحاد نفسانی سے مراد اتحاد فی الفضائل والکمالات ہے (بجز مرتبہ نبوت اور اس کے لوازم کے کہ جس پر نص قرآن و حدیث اس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خاتمہ ہو چکا ہے) (حدیث منزلت یا علی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے) جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بکثرت ارشادات سے نبیؐ و علیؑ کا یک جان و دو قالب ہونا ثابت ہوتا ہے بطور نمونہ چند فرامین پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) اصل خلقت میں اتحاد

فرماتے ہیں خلقت انا و علی من نور واحد۔ میری اور علیؑ کی پیدائش ایک نور سے ہوئی ہے (دیلمی، فردوس الاخبار، فضائل الصحابہ احمد بن حنبل، کفایۃ الطالب، مناقب خوارزمی، تذکرۃ الخواص، روضۃ الاحباب وغیرہ)

(۲) فرائض کی ادائیگی میں اتحاد

فرمایا۔ علی منی وانا منہ ولا یؤدی عنی الا انا او علی علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں میرے فرائض کو میرے اور علیؑ کے سوا اور کوئی ادا نہیں کر سکتا (مسند احمد بن حنبل ج ۴ صفحہ ۱۶۴ ج ۴ صفحہ ۱۶۵ ج ۵ صفحہ ۲۵۳ کنز العمال ج ۶ صفحہ ۱۵۳ صواعق محرقہ باب ۹ فصل ۲ صفحہ ۷۳ مستدرک حاکم ج ۳ صفحہ ۱۳۰ ریاض نضرہ ج ۲ صفحہ ۱۶۳ / ۲۷۴ باب ۴ فصل ۶ مشکوٰۃ باب

مناقب علی ص۶۲ سیرۃ حلبیہ ج ۲ ص۲۶ وغیرہ)

(۳) محبت و عداوت میں اتحاد

من احب علیاً فقد احبنی ومن احبنی فقد احب اللہ ومن ابغض علیاً فقد ابغضنی ومن ابغضنی فقد ابغض اللہ

جو علی سے محبت کرتا ہے وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ خدا سے محبت کرتا ہے اور جو علی سے بغض رکھتا ہے وہ مجھ سے بغض رکھتا ہے اور جو مجھ سے بغض رکھتا ہے وہ خدا سے بغض رکھتا ہے (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۳۰/۱۴۲ الریاض النضرہ ج ۲ ص۱۶۵ استیعاب ابن عبدالبر ج ۲ ص۴۶۴ نورالابصار ص۷۲ صواعق باب ۹ ص۷۳ فصل ۲ ـ کنزالعمال ج ۶ ص۱۵۲ وغیرہ)

(۴) اطاعت و معصیت میں اتحاد

من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ ومن اطاعک فقد اطاعنی ومن عصاک فقد عصانی ـ جو شخص میری اطاعت کرتا ہے وہ خدا کی اطاعت کرتا ہے جو میری نافرمانی کرتا ہے وہ خدا کی نافرمانی کرتا ہے اور اسے علی! جو تیری اطاعت کرتا ہے وہ میری اطاعت کرتا ہے اور جو تیری نافرمانی کرتا ہے وہ میری نافرمانی کرتا ہے ـ (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۲۱/۱۲۸ ریاض نضرہ ص ۱۶۷/۲ کنزالعمال ج ۶ ص۱۵۹ ـ وسیلۃ النجاۃ ص۹۲ نزل الابرار ص۲۳ وغیرہ)

(۵) مفارقت میں اتحاد

من فارق علیاً فارقنی ومن فارقنی فارقہ اللہ عزوجل جو شخص علی سے جدائی اختیار کرتا ہے ـ وہ مجھ سے علیحدگی اختیار کرتا ہے اور جو مجھ سے جدا ہو اس سے خدا بھی جدا ہو جائے گا ـــــ (مستدرک ج ۳ ص ۱۲۴/۱۴۶ کنزالعمال ج ۶ ص۱۵۶ الریاض النضرہ ج ۲ ص۱۹۵ نزل الابرار ص۲۲ روائح المصطفیٰ ص۱۸)

(۶) اذیت میں اتحاد

من اذی علیاً فقد آذانی ـ جس نے علی کو اذیت دی اس نے مجھ کو اذیت دی (مسند امام احمد ج ۳ ص۴۸۳ کنزالعمال ج ۶ ص۱۵۲ صواعق محرقہ ص۷۳ باب ۹ فصل مستدرک ج ۳ ص۱۲۲ ـ نورالابصار ص۷۲ وغیرہ)

(۷) دشنام دہی میں اتحاد

من سب علیاً فقد سبنی ـ جس نے علی کو دشنام دی اس نے مجھے گالی دی (مستدرک ج ۳ ص۱۲۱ ریاض نضرہ ج ۲ ص۲۲ صواعق ص۷۴ باب ۹ مسند احمد ج ۲ ص۳۲۳ کنزالعمال ج ۶ ص۱۶۲ البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر ج ۷ ص۳۵۵ وغیرہ)

(۸) محسود ہونے میں اتحاد

من حسد علیاً فقد حسدنی ومن حسدنی فقد کفر ـ جو علی سے حسد کرتا ہے وہ مجھ سے حسد کرتا ہے اور جو مجھ سے حسد کرے

وہ کافر ہے (کنز العمال ج ۱ صفحہ ۱۵۹)

(۹) نبیؐ و علیؑ کی محبت علامتِ ایمان ہے

حبک ایمان و بغضک نفاق۔ اے علی! تیری محبت ایمان اور تیری دشمنی نفاق ہے (مستدرک ج ۳ صفحہ ۱۲۹ ریاض نضرہ ج ۲ صفحہ ۱۶۷ کنز العمال ج ۶ صفحہ ۵۸)

(۱۰) نبیؐ و علیؑ کی محبت موجبِ دخولِ جنت ہے

لو اجتمع الناس علی حب علی بن ابی طالب لما خلق اللہ النار۔ اگر تمام لوگ علی کی محبت پر اتفاق کر لیتے تو خدا جہنم کو پیدا ہی نہ کرتا (مناقب خوارزمی صفحہ ۲۸ ینابیع المودہ صفحہ ۱۲۵ باب ۲۲ وغیرہ۔ بحوالہ البلاغ المبین حصہ اول)۔۔۔۔۔ شیخ سلیمان حنفی القندوزی نے ینابیع المودہ میں ایک مستقل باب ۲۱ کا عنوان ہی یہ قرار دیا ہے "فی بیان ان علیاً کرم اللہ وجہہ کنفس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"۔۔۔۔۔ اور اس باب میں مختلف اسانید و الفاظ سے ۲۴ عدد حدیثیں درج کی ہیں۔ جن سب کا مضمون یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ علی بمنزلہ میرے نفس کے ہیں۔ (فراجع)

جب اس قدر باتوں میں خود اہلسنت اتحاد کے قائل ہیں تو جو تین روایتیں مؤلف نے اصول کافی و بحار سے نقل کی ہیں۔ ان سے اس سے زیادہ تو کچھ ثابت نہیں ہوتا۔ پہلی روایت سے اطاعت والی فضیلت میں اتحاد مراد ہے کہ مولا کی اطاعت بمنزلہ اطاعت رسول ہے اور دوسری حدیث سے بھی صرف ان امور میں اتحاد مراد ہے جن کا تذکرہ خود روایت کے اندر موجود ہے یعنی بلایا جانا۔ پوشاک پہنایا جانا وغیرہ اور یہ جو فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں (علوم خمس) دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔ تو اس سے مراد سابقہ انبیاء و اولیاء ہیں نہ کہ جناب ختمی مرتبت۔ وہ تو معلم و استاذ علیؑ ہیں آنجنابؑ خود فرماتے ہیں (علمنی رسول اللہ الف باب۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے علم کے ہزار باب پڑھائے ہیں۔۔۔۔) اور حضرت کی یہ بڑی فضیلت ہے کہ وہ مدینۂ علم نبوی کے باب ہیں۔۔۔۔۔ باقی رہی تیسری روایت (جس کے طرز استدلال پر حاشیۂ کتاب میں بھی ایراد کیا گیا ہے کہ یہ درست نہیں) اسے کہتے ہیں بناء الفاسد علی الفاسد بھلا مؤلف بحار الانوار یا دیگر شیعہ علماء ابرار نے کب اس حدیث سے افضلیت علی بر نبی پر استدلال کیا ہے تا کہ اس پر مناقشہ کیا جائے۔ یہ تو مؤلف تحفہ کی کج فہمی ہے کہ اضافی و جزئی فضیلت کو افضلیت علی بر نبی کی دلیل سمجھ رہے ہیں اس میں جناب امیرؑ کے صرف بعض نسبی و اضافی کمالات کا تذکرہ کیا گیا ہے جس سے ان کی علی الاطلاق افضلیت بر رسول لازم نہیں آتی۔ باتفاق شیعہ حضرت علی جناب امام حسینؑ سے افضل ہیں۔ مگر نسبی و اضافی طور پر جناب سید الشہداء کو بعض ایسی خصوصیات حاصل ہیں جو جناب امیر کو بھی حاصل نہیں۔ مثلاً جیسے والدین امام حسینؑ کے ہیں ایسے جناب امیرؑ کے نہیں۔ جیسے جد و نانا امام حسینؑ کے ہیں ویسے حضرت امیرؑ کے نہیں۔ جیسے بھائی امام حسینؑ کے ہیں

ایسے جناب امیرؑ کے نہیں ۔ جیسی عدہ جناب امام حسینؑ کی ہیں ویسی جناب علیؑ کی نہیں و علیٰ ہذا القیاس تو کوئی عقل کا اندھا اس سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ امام حسینؑ کا مقام جناب امیرؑ سے بلند ہے؟ علاوہ بریں اس روایت کو صاحب ارجح المطالب سُنّی نے ص۳۲۹ پر بحوالہ شرف النبوۃ دیلمی اپنی کتاب میں درج کیا ہے تو اگر یہ روایت افضلیت علیؑ بر نبی پر دلالت کرتی ہے تو پھر ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اہلسنّت حضرت علیؑ کو جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل جانتے ہیں! —— کیا یہ درست ہے؟ وقدمنا الیٰ ما عملوا من عمل فجعلناہ ھباءً منثوراً ۔

ساتواں مسئلہ یہ مانا ہوا مسئلہ ہے کہ قبض ارواح خاصہ خالق الارواح (خدائے پاک) ہے اور ملائکہ اس کام پر مامور ہیں لیکن شیعہ کا اعتقاد ہے کہ آنحضرتؐ کو ائمہ طاہرینؑ سے مل کر بعض یا تمام ارواح کو قبض کرنے کا حق حاصل ہے ۔ چنانچہ حق الیقین اُردو ص۴۹۶ میں ہے حدیث میں اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تمام ائمہ طاہرینؑ کے ساتھ بعض روحوں کو قبض کرتے ہیں یا تمام روحوں کے قبض کرنے میں بحکم خدا دخل رکھتے ہیں —— جیسا کہ خطبۂ غیر مشہورہ میں ہے فرمایا کہ میں بحکم خدا زندہ کرنے والا اور مارنے والا ہوں" (آفتاب ص۱۹۳)

الجواب شیعان حیدر کرار کا یہی عقیدہ ہے کہ موت و حیات کا سلسلہ خداوند تدیر کے قبضۂ قدرت میں ہے اور فرشتے اس کے حکم سے ان فرائض کو انجام دیتے رہتے ہیں ۔ لیکن جہاں تک جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا دوسرے ائمہ ھدیٰؑ کا تعلق ہے ۔ وہ اگر چاہیں تو باذن اللہ یہ کام انجام دے سکتے ہیں ۔ مگر یہ ان کی ڈیوٹی نہیں ہے ۔ یہ ڈیوٹی صرف ملائکہ مدبرات امر کی ہے جو بطور فرض منصبی ان امور کو انجام دیتے رہتے ہیں ۔ حق الیقین جناب علامہ مجلسی کی تصنیف ہے ۔ خود سرکار موصوف نے اپنے رسالہ اعتقادیہ میں تصریح فرمائی ہے کہ محی و ممیت (مارنے اور جلانے والا) خدا ہی ہے اور جس خطبۂ غیر مشہورہ کی طرف انہوں نے یہاں اشارہ فرمایا ہے ۔ اس سے مراد وہ خطبہ ہے جو "خطبۃ البیان" کے نام سے مشہور ہے اس کے متعلق ہمارے تمام علماء اعلام کا متفقہ بیان ہے کہ وہ جناب امیر علیہ السلام کا کلام نہیں ہے خود سرکار مجلسی نے ہفتم بحار ص۱۶۵ پر اس کے متعلق لکھا ہے ۔ اما خطبۃ البیان واشباھھا فلم توجد الا فی کتب الغلاۃ ۔ یعنی خطبۃ البیان ہو یا جو خطبے اس کے ساتھ ملتے جلتے ہیں وہ صرف غالیوں کی کتابوں میں ہی پائے جاتے ہیں —— ہم نے احسن الفوائد و اصول الشریعہ میں بڑی تفصیل سے اور روئے قانون روایت و درایت اس کا بے اصل و بے بنیاد ہونا ثابت کر دیا ہے ۔ یہاں مرحوم مجلسی نے ایک خبر واحد (جو

موجب علم ویقین نہیں ہوتی۔ حالانکہ مقام اعتقاد میں صرف یقینیات یعنی آیاتِ محکمات یا روایاتِ متواترات ہی مقیدِ مطلب ہو سکتی ہیں) پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس میں فلاں مطلب کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے ——— کیا اسی کا نام عقیدہ ہے؟ ہے

ہر شے میں رائے سُنّی عجب با صواب ہے
جو بات کی خدا کی قسم لا جواب ہے

آٹھواں مسئلہ

موت حیات اللہ کے اختیار میں ہے۔ یہ امر مسلم ہے کہ موت و حیات خدا کے اختیار میں ہے کسی انسان کو اس کا اختیار نہیں دیا گیا۔ مگر شیعہ کا اعتقاد ہے کہ ائمہ اہلبیت کو موت و حیات پر کلی اختیار ہے چاہے مریں یا نہ مریں اصول کافی ص۱۵۸ پر باب یوں باندھا گیا ہے ——— ترجمہ: باب اس کا کہ ائمہ اپنی موت کا وقت جانتے ہیں اور موت ان کے اختیار میں ہے۔ اسی صفحہ میں ہے ——— ترجمہ:
ابوبصیر کہتا ہے امام صادق علیہ السلام نے فرمایا جس امام کو اپنی مصیبت کا علم نہ ہو اور کہ اس کو کیا مصیبت پہنچے گی تو وہ خدا کی طرف سے مخلوق پر حجت نہیں ہو سکتا (آفتاب ص۱۹۳)

الجواب

ہم ابھی اوپر ساتویں مسئلہ کے جواب میں یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ شیعیان علی کا یہی عقیدہ و ایمان ہے کہ موت و حیات خداوند عالم کے ہی قبضۂ قدرت میں ہے اور جن روایات کی طرف مؤلف نے اشارہ کیا ہے، وہ اس عقیدہ سے متصادم نہیں ہیں بلکہ ان کا مطلب صرف یہ ہے (جیسا کہ قبل ازیں بھی کسی مقام پر ہم اس کی وضاحت کر چکے ہیں) کہ ان کی ذواتِ مقدسہ کا مقام و مرتبہ بارگاہِ قدرت میں اسقدر بلند ہے کہ وہ ان کی مرضی کے بغیر انہیں زبردستی نہیں مارتا۔ اسی مقصد کو اقبال نے اپنے مخصوص شاعرانہ رنگ میں یوں ادا کیا ہے،

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ موت ائمہ کے اختیار میں ہے اور خدا کے اختیار میں نہیں "معاذاللہ" کوئی شیعہ اس کا قائل نہیں ہے۔ چنانچہ اسی اصول کافی ص۱۲۹ طبع ایران میں وارد ہے کہ روز عاشورہ جب سید الشہداء پوری طرح نرغۂ اعداء میں گھر گئے تھے تب خدا نے فتح و نصرت کو مجسمہ کر کے امام کے سر پر سایہ فگن کیا اور آپ کو موت و حیات میں کسی ایک کے اختیار کرنے کا اختیار دیا۔ امام نے لقاء پروردگار کو اختیار کر لیا۔ وھذا حق لا ریب فیہ نیز یہ بھی یاد رہے کہ اس قسم کی روایات کتب اہلسنت میں موجود ہیں کہ خداوند عالم نے جناب

نبی و ولی کی موت کے وقت کو انکی مرضی پر منحصر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو ارج المطالب صفحہ ۵۸۰ طبع لاہور وغیرہ)

نواں مسئلہ یہ مسئلہ بھی مسلم ہے کہ علم ما کان وما یکون خاصہ ذات باری ہے مگر شیعہ کہتے ہیں کہ ائمہ کو یہ سب معلومات حاصل ہیں اصول کافی صفحہ ۱۵۹ میں باب ہی یوں باندھا ہے ——— "باب اس کا کہ ائمہ کو علم ما کان، ما یکون حاصل ہوتا ہے" اور ان پر کوئی امر کائنات سے مخفی نہیں ہے" کتاب مذکور کے صفحہ ۱۶۰ میں ہے ——— ترجمہ: "امام جعفر صادق نے فرمایا جو کچھ آسمان و زمین میں ہے سب کچھ جانتا ہوں اور گذشتہ و آیندہ کل واقعات دنیا کا بھی مجھے علم ہے" ——— (آفتاب صفحہ ۹۱)

الجواب قارئین کرام! "علم ما کان وما یکون" کو خاصہ ذات باری" قرار دینے والے وہی مولوی کرم الدین ہیں جو اپنی کتاب کے صفحہ ۱۲۲ پر یہ لکھ آئے ہیں" حضور علیہ السلام کو جن کو قیامت تک کے واقعات کا علم غیب حق تعالے نے بخشا ہوا تھا" کیا اس وقت یہ معلوم نہ تھا وہاب صفحہ ۱۹۲ پر پہنچکر یہ الہام ہوا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ تعصب نے چشم بصیرت اندھی کردی ہے۔

ع شجر ہے فرقہ آرائی تعصب ہے ثمر اس کا
یہ وہ پھل ہے جو جنت سے نکلواتا ہے آدم کو

صحیح مسلم ج ۲ صفحہ ۳۹۰ مع شرح نووی طبع دہلی میں ابو زید صحابی سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ صلی بنا رسول اللہ الفجر و صعد المنبر فخطبنا حتی حضرت الظہر فنزل فصلی ثم صعد المنبر فخطبنا حتی حضرت العصر ثم نزل فصلی ثم صعد المنبر فخطبنا حتی غربت الشمس فاخبرنا بما کان و بما ھو کائن فاعلمنا احفظنا "یعنی ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز صبح سے فارغ ہوکر منبر پر تشریف لے گئے اور بیان شروع کیا یہاں تک کہ نماز ظہر کا وقت داخل ہوگیا۔ آپؐ منبر سے اتر کر نماز پڑھی پھر منبر پر تشریف لے گئے اور بیان شروع کیا حتی کہ نماز عصر کا وقت ہوگیا۔ آپؐ نے اتر کر نماز پڑھی اسکے بعد پھر منبر پر تشریف لے گئے اور بدستور سابق بیان شروع کیا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں تمام گذشتہ اور آنیوالے واقعات بتلادیئے پس ہم میں سے بڑا عالم وہ ہے جو ان واقعات کو زیادہ یاد رکھنے والا ہے"۔ اسی صفحہ پر اس سے قبل جناب حذیفہؓ کی زبانی بھی ایسا ہی واقعہ منقول ہے ———

اب فیصلہ ناظرین کریں کہ آیا صحیح مسلم کی روایت اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو صحابیوں کا بیان صحیح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ما کان وما یکون کا علم تھا" یا مولوی کرم الدین صاحب کا بیان درست ہے" کہ یہ خاصہ ذات باری ہے؟

مولوی صاحب نے اصول کافی کی حدیث کا پہلا حصہ تو پیش کیا ہے گیا اس کا اگلا حصہ نہیں دیکھا۔ جسمیں درج ہے کہ جب امام نے یہ فرمایا کہ میں زمین و آسمان کی چیزیں جانتا ہوں ۔۔۔۔ تو بعض سامعین پر یہ دعوی گراں گذرا۔ امام نے انکے ازالہ شک کیلئے فرمایا کہ میں یہ سب کچھ کتاب خدا کی برکت سے جانتا ہوں جس میں ہر چیز کا بیان ہے اور ہم اس کے علم کے وارث ہیں۔ ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا۔۔۔۔ علاوہ بریں ہم قبل ازیں کئی جگہ بیان کر چکے ہیں کہ اس علم ما کان وما یکون سے مراد علم اجمالی یا ارادی ہے (کہ جب کسی سابقہ یا آئندہ چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ فرمائیں تو خدا انہیں بتا دیتا ہے) نہ تفصیلی نہ حضوری یا اس سے صرف امور محتومہ کا علم مراد ہے جو حتمی واقع ہونے والے ہیں۔ نہ ان امور کا جو کہ بین بشرط وقوع ہوتا ہے۔ اور پھر یہ سب کچھ بتعلیم اللہ ہے۔ نہ انکا ذاتی قدیر ۔۔۔۔ اس موضوع کی پوری تفصیلات دیکھنے کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب اصول الشریعہ کی طرف رجوع کریں۔۔۔

دسواں مسئلہ آسمان و زمین جناب امیرؑ کے تابع حکم

شیعہ کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ جناب امیر علیہ السلام کے تابع حکم آسمان و زمین و ما فیہا سب کچھ ہے چنانچہ حق الیقین صفحہ ۲۳۷ میں ہے کہ میں صاحب عصا و میسم ہوں۔ میں وہ ہوں کہ خدا نے ابروں و رعدوں اور برقوں کو تاریکی و روشنائی اور ہوا اور پہاڑوں اور دریاؤں اور ستاروں اور آفتاب و ماہتاب کو میرا مسخر کیا ہے میں اس امت کا ہادی ہوں (آفتاب صفحہ ۱۹۰)

الجواب اگر یہ اصول قرار دے دیا جائے کہ جو روایت (خواہ کیسی ہی ہو) جس مذہب کی کتابوں میں مل جائے وہی ان کا عقیدہ بھی ہوتا ہے تو پھر ماننا پڑے گا کہ "رنگیلا رسول" لکھنے والے کمبخت نے اہلسنت کی کتابوں سے مواد لیکر اسلام اور بانی اسلام کی جو تصویر پیش کی ہے وہ درست ہے (معاذ اللہ) ۔۔۔۔ مؤلف کو تو اپنے متعلق بڑا عالم و مناظر ہونے کا دعوے ہے۔ تو کیا ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ کسی روایت کا کسی کتاب میں پایا جانا اور ہے اور مقام اعتقاد اور؟ ۔۔۔۔ چنانچہ جس روایت کی بنا پر مؤلف نے عنوان مسئلہ قرار دیا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک طویل و عریض روایت کا ٹکڑا ہے جو کتاب "واحدہ" سے منقول ہے اور یہ کتاب (واحدہ) علماء محققین کی نظر میں چنداں معتبر نہیں ہے۔

۔۔۔۔ علاوہ بریں یہ درست ہے کہ چونکہ ائمہ طاہرین رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام کائنات سے افضل ہیں اور خدا کے خلیفہ مطلق و نمائندہ خاص جناب ہیں اسلئے اگر کائنات کی ہر شئے باذن اللہ ان کی اطاعت کرے تو اس میں کیا جائے اعتراض ہے؟ باقی رہا مؤلف صاحب کا یہ ایراد کہ پھر جناب امیرؑ نے پہاڑوں اور رعدوں اور برقوں کو کیوں حکم نہ دیا کہ وہ ثلاثہ کو "آناً فاناً نیست و نابود کر دیں"؟ تو معترض کو معلوم ہونا چاہیئے کہ

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر ۔ گرچہ باشد در نوشتن شیر شیر

یہ بزرگوار تابع مشیت خدا اور مطیع مرضیٔ مولا ہیں۔ اور وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ کے مصداق ہیں لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون۔ چلو ہم مان لیتے ہیں کہ اہلبیتؑ ان قوتوں کے مالک نہ سہی لیکن خدا تو بالاتفاق ان قوتوں اور طاقتوں کا مالک حقیقی ہے اس نے اپنے سب سے بڑے دشمن شیطان اور اس کے دیگر انصار و اعوان کو ان طاقتوں سے کیوں ہلاک نہ کر دیا؟ جو جواب وہاں دیا جائے گا۔ وہی یہاں بھی عرض کیا جائے گا؟

حق کو دبانا سہل نہیں اے جناب من!

گیارھواں مسئلہ میت پہ بددعا کرنا

ایک مشہور کہاوت ہے "مرے کو مارے شاہ مدار" مرے ہوئے شخص سے کسی کو کوئی بیر باقی نہیں رہتا ——— اس کی حالت پر رحم آتا ——— اور دعائے خیر کرتا ہے لیکن شیعہ ——— ایسے صاف باطن ہیں کہ میت شیعہ نہ ہو بلکہ سنی ہو تو اس کے جنازہ میں ——— بجائے دعا کے بددعا کرتے ہیں ——— اور غضب یہ ہے کہ ائمہ طاہرینؑ کے ذمہ بھی یہی الزام عائد کرتے ہیں کہ وہ ایسا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ فروع کافی صفحہ ۹۹ ج ا میں ہے عن ابی عبد اللہ (بحذف عربی) ——— ترجمہ: امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ ایک منافق مر گیا۔ حضرت امام حسینؑ جنازہ کے ہمراہ چلے جا رہے تھے کہ آپ کا غلام راستہ میں مل گیا ——— امام نے پوچھا کہاں جاتا ہے؟ کہا اس کے جنازے سے بھاگتا ہوں ——— آپ نے کہا دیکھو میری داہنی جانب کھڑے ہو جانا اور جو کچھ میں کہوں تو بھی کہتے جانا۔ جب تکبیر ہو ئی تو امام حسینؑ نے یوں کہا الٰہی! تو اپنے فلاں بندے پر ہزار ہزار لعنتیں کر جو جڑی ہوئی الگ نہ ہوں! الٰہی تو اپنے اس بندے کو اپنے بندوں اور شہروں میں رسوا کر اور آگ کی گرمی میں تپا۔ اور اس کو سخت عذاب چکھا کہ تیرے دشمنوں سے دوستی اور دوستوں سے دشمنی کرتا تھا اور تیرے نبی کی اہلبیت کا دشمن تھا! جائے غور ہے کہ حضرت امام حسینؑ جیسے بے رو و ریا شخص کو جس نے یزید کی بیعت نہ کرنے کے باعث اپنا اور اپنی اہلبیت کا سر کٹا دیا۔ ایک منافق کے جنازہ پڑھنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ ——— دوم۔ نماز جنازہ تو صرف دعا کیلئے ہوتی ہے اگر جناب امام کو ——— بددعا کرنا ہی منظور تھی تو گھر میں بیٹھ کر ہی کر سکتے تھے ——— دیکھئے کیسی کیسی بیہودہ روایات گھڑ کر ائمہ کرام کے ذمے اتہام لگاتے ہیں۔ بھلا جس شخص کے نانا رسول پاک کی یہ شان ہو کہ ایک منافق کے جنازہ پر جائیں تو اس کے لئے طلب مغفرت کریں حتیٰ کہ رب العزت فرمائے کہ اگر ستر دفعہ بھی اس نابکار کیلئے استغفار کی گئی تو بھی بخشا نہ جائے گا ———

پھر امام حسینؑ اپنے جد امجد کے خلاف ایسی سنگدلی کریں کہ ۔۔۔ بد دعا کرنے لگیں، استغفر اللہ" (آفتاب ص۱۷۱)

الجواب اس ذیل میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ بچند وجوہ درجہ اعتبار سے ساقط ہے۔ اوّلاً یہ واقعہ فروع کافی کے جس باب میں ہے اس کا عنوان ہے "الصلوٰۃ علی الناصب یعنی دشمن اہلبیت پر نماز جنازہ پڑھنے کا بیان" کیونکہ ناصبی کا مفہوم ہے "من نصب العداوۃ لاھل البیت (مراۃ العقول ج ۳ ص۲۴۰) جو اہلبیت رسول سے دشمنی رکھے" اور جس آدمی کی میت پر امام حسینؑ کے نماز جنازہ پڑھنے والی روایت کو مؤلف نے نقل کیا ہے اس میں تصریح موجود ہے کہ وہ ایک منافق تھا۔ (اور منافق کی تعریف عیاں را چہ بیان کی مصداق ہے) امام علیہ السلام نے اس منافق کے یہ اوصاف حمیدہ بیان کئے ہیں (۱) وہ خدا کے دشمنوں کا دوست (۲) خدا کے دوستوں کا دشمن (۳) اور اہلبیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغض رکھنے والا تھا۔ مگر مؤلف ہر جگہ یہ تاثر دیتے ہیں کہ شیعہ حضرات سنی کی میت پر بد دعا کرتے ہیں بھلا اس کو ۔۔۔ اہلسنت سے کیا تعلق جو کہ محبتِ اہلبیت کے دعویدار ہیں؟ بموجب "چور کی داڑھی میں تنکا" مؤلف کا ماتھا کیوں ٹھنکتا ہے؟ کہیں بیچارے عداوت اہلبیت کے مرض میں مبتلا تو نہیں؟ کہیں وہی بات تو نہیں جس کا ذکر مولانا وحید الزمان نے انوار اللغۃ پ۲، ص ۱۳۱/۱۳۲ رمک ۱۴ پر کیا ہے؟

ایک عجیب حکایت فرماتے ہیں "مجھ سے میرے شیخ حافظ عبدالعزیز لکھنوی نے بیان کیا کہ لکھنؤ میں ایک صاحب جو اپنے تئیں اہلسنت کہتے تھے، کہنے لگے کہ جب تک آدمی کے دل میں اتنے برابر حضرت علیؑ کا بغض نہ ہو اس وقت تک وہ سنی نہیں ہو سکتا۔ معاذ اللہ خدا کی پناہ ایسے سنیوں سے یہ کمبخت خارجی اور ناصبی ہیں۔ ان کو سنی کون کہتا ہے"۔ بہرحال موصوف اگر اس مرض کا شکار ہیں اور ان کو بموجب "کند ہم جنس با ہم جنس پرواز" ناصبیوں اور منافقوں سے محبت اور ہمدردی ہے تو وہ محبتِ اہلبیت کے دعویدار اہلسنت والجماعت کو اپنے ساتھ شامل کرنے کی زحمت نہ فرمائیں۔

ثانیاً یہ روایت مجہول ہے۔ بوجہ جہالت راوی عامر بن السمط (ملاحظہ ہو مراۃ العقول ج ۳ ص۲۴۰) اسلئے یہ ناقابلِ استدلال ہے

ثالثاً ہر مرنے والے سے ہمدردی کرنا مؤلف یا ان کے ہم خیالوں کو ہی زیب دیتا ہے۔ ورنہ کوئی بھی ہوشمند اور دیندار کبھی کسی دشمن خدا سے ہمدردی نہیں کر سکتا ورنہ پھر خدا کے دوست اور دشمن میں فرق ہی کیا رہے گا یہ عجب انداز محبت ہے کہ بقول

ظالم سے بھی الفت ہو مظلوم سے بھی یارانہ

یہ صاف باطنی آپ کو مبارک ہو! ہم تو مسلمان و کافر، مومن و منافق اور صالح و طالح کو برابر سمجھنے سے قاصر ہیں

رابعاً : جو ضرورت جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو منافقین پر نماز جنازہ پڑھنے پر آمادہ کرتی تھی اسی کے تحت فرزند رسول نے بھی شرکت فرمائی۔ فما ھو جوابکم فھو جوابنا۔؟

خامساً : یہ جو کہا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے منافق کے جنازہ پر دعا کی حتیٰ کہ رب العزت نے فرمایا کہ اگر ستر دفعہ ۔۔۔۔۔۔۔ قطع نظر اس واقعہ کی صحت کے غور طلب امر یہ ہے کہ خدا کی اس ممانعت کے بعد رسول اسلام صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کا طرز عمل کیا تھا؟ آیا پھر بھی شرکت کرتے اور دعائے خیر کرتے تھے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو کیا اسوۂ نبوت رنسست نہیں ہوجائے گی؟ آئیے ہم بتائیں اسکے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اوّلاً تو شامل ہی نہیں ہوتے اور اگر ضرورت شدیدہ کے تحت شامل ہونا پڑجاتا تو یہ بددعا کیا کرتے تھے۔ اللّٰھُمَّ احش جوفہ نارا واملأ قبرہ نارًا واصلہ نارًا۔ بار الہا! اس کے پیٹ کو اس کی قبر کو آگ سے بھر دے اور اسے آگ کا ذائقہ چکھا (فروع کافی ج ۱ صـ ۹۹) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب امام نے ہر معاملہ کی طرح اس معاملہ میں بھی اپنے جدِّ امجد کی متابعت کی ہے نہ کہ مخالفت؟

مؤلف نے یہ جو کہا ہے "نماز جنازہ تو ہی دعا کیلئے" خدارا یہ بتائیں کبھی مرنے والے کے لئے بالخصوص دعائے خیر کی بھی ہے؟ وہاں تو صرف یہ ہوتا ہے۔ یا اللہ ہمارے چھوٹوں کو بخش۔ ہمارے بڑوں کو بخش ہمارے مردوں کو بخش۔ ہماری عورتوں کو بخش۔ ہمارے زندوں کو بخش ہمارے مُردوں کو بخش۔ ہمارے حاضروں کو بخش ہمارے غائبوں کو بخش! لیکن جس خاص میت کے لئے دعائے خیر کرنے کی نیت کی تھی، اس کے لئے کب دعا کی؟؟

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

بارھواں مسئلہ امام ران سے نکلتے ہیں

قرآن گواہ ہے تولد ہر ایک انسان کا ماں کے رحم سے ہوتا ہے ھو الذی یصورکم فی الارحام کیف یشاء۔ اس پر شاہد ہے لیکن شیعہ کا اعتقاد ہے کہ امام رحم سے نہیں بلکہ ماں کی ران سے نکلتا ہے۔ چنانچہ حق الیقین صـ ۱۲۴ میں ہے۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت نے فرمایا۔ ہم اولیاء، انبیا کا حمل پیٹ میں نہیں بلکہ پہلو میں رہتا ہے اور ہم ماں کے رحم سے نہیں بلکہ ماں کی ران سے نکلتے ہیں۔ (آفتاب صـ ۱۹۶)

الجواب

یہ اعتراض چند وجوہ غلط ہے۔ اوّلاً۔ یہ صرف ایک روایت کا مضمون ہے جو ظاہر قرآن اور دوسری بیسیوں معتبر روایات کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابل استدلال ہے۔ کسی مرسل و مقطوع السند روایت کو لے کر اس سے منفاد کو شیعوں کا اعتقاد ظاہر کرنا علمی دیانت و امانت کے خلاف ہے۔ ثانیاً۔ اگر بالفرض

اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا ایسا ہونا عقلاً محال ہے۔ یا صرف عادت و نیچر کے خلاف ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ محالِ عقلی تو نہیں بلکہ صرف مجرائے طبیعی کے خلاف ہوتا ہے۔ کیا ہر معجزہ مجرائے طبیعی کے خلاف نہیں ہوتا؟ کیا عصا مارنے سے دریا میں راستہ کا بن جانا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یا پتھر پر عصا مارنے سے [redacted] کا بہہ نکلنا یا آگ کا گلزار بن جانا۔ یا والد کے بغیر ولد کا پیدا ہونا یہ سب امور طبیعت و نیچر کے خلاف نہیں ہیں؟ تو اگر تیرہویں معجزنما امام کے فرزند کی ولادت بھی معجزانہ شان سے ہو تو اس میں کیا جائے اعتراض ہے؟ و ما ذلک علی اللہ بعزیز۔

تیرہواں مسئلہ خنزیر کے بال و چمڑا وغیرہ

مسلمان خنزیر کو ایسا نجس سمجھتے ہیں کہ اس کا نام لینے سے بھی نفرت ہے۔ لیکن شیعہ حضرات خنزیر کے بال، پشم، چمڑے کو پاک سمجھتے ہیں ــــــ روایات ذیل ملاحظہ ہوں۔

۱۔ فروع کافی ج ۱ ص۲۲ میں ہے ــــــ ترجمہ:۔ زرارہ کہتے ہیں: میں نے امام صادقؑ سے دریافت کیا۔ کہ خنزیر کے بالوں کی رسی سے کنوئیں سے پانی نکال کر وضو کیا جا سکتا ہے؟ آپ نے کہا کچھ حرج نہیں ہے ــــــ

۲۔ فروع کافی ج ۲ جز ۳ ص۱۶۱ میں ہے ــــــ ترجمہ:۔ راوی کہتا ہے۔ میں نے امام صادق علیہ السلام سے پوچھا۔ خنزیر کے بالوں کی رسی بنا کر کنوئیں سے پانی نکالا جائے۔ جس سے پانی پیا جائے یا وضو کیا جائے؟ کہا اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور علی بن عقبہ اور علی بن حسین بن زیاد نے یہ اضافہ کیا ہے فرمایا کہ خنزیر کے بال اور پشم سب پاک ہے۔"

۳۔ من لا یحضرہ الفقیہ ص۸۵ میں ہے ــــــ ترجمہ:۔ امام محمد باقر اور جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا۔ کہ ہم ایسے کپڑے خرید لیا کرتے ہیں کہ ان کو خنزیر کی چربی اور شراب لگا ہوا ہوتا ہے کیا ان کو جیل کر دھوئے بغیر ان سے نماز پڑھی جا سکتی ہے؟ انہوں نے کہا بیشک! خدا نے خنزیر کا کھانا اور شراب کا پینا حرام کیا ہے۔ ان سے ملوث کپڑے پہن لینا یا چھونا اور ان میں نماز پڑھنا منع نہیں ہے"! خوب یہ شیعہ پاک مذہب کی برکات ہیں کہ کپڑے کو خنزیر کی چربی لگی ہوئی ہو یا شراب سے آلودہ ہو اس کو خوشی سے استعمال کرنا ــــــ آفتاب ص۱۹۶)

الجوابؔ

یہ مطہر و معصوم ائمہ طاہرینؑ کے مظلوم شیعوں پر سراسر تہمت و افترا ہے کہ وہ خنزیر کے بال، پشم، چمڑے کو پاک سمجھتے ہیں"

؎ کس روز تہمتیں نہ تراشا کیے عدو

کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کیے!

ورنہ مذہب شیعہ خیر البریہ کی ہزاروں فقہی کتابیں اس پر شاہد عادق موجود ہیں کہ وہ خمر و خنزیر کو بجمیع اجزائہما نجس و رجس جانتے ہیں اور بیسیوں احادیث معصومین موجود ہیں ہم یہاں بطور نمونہ صرف کتاب حدائق ناضرہ ج ۱ ص۲۶ مصنفہ عالم ربانی علامہ شیخ یوسف بحرانی سے کچھ اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ یہ وہ کتاب ہے کہ علماء شیعہ کا اتفاق ہے کہ لم یعمل فی کتب الامامیۃ مثلہ" شیعہ فقہ میں اس جیسی کتاب نہیں لکھی گئی (فوائد رضویہ) فرماتے ہیں "التاسع الکلب والخنزیر ولا خلاف فی نجاستہما قال فی ندان الکلب نجس العین نجس اللعاب نجس السؤر باجماع الفرقۃ وان الخنزیر نجس بلا خلاف الخ۔

یعنی نجاسات میں سے نواں نجس کتا اور خنزیر ہے۔ ان کی نجاست میں کوئی اختلاف نہیں چنانچہ حضرت شیخ طوسی) کتاب الخلاف میں فرماتے ہیں کہ فرقہ شیعہ کا اجماع ہے کہ کتا نجس العین ہے۔ اس کا لعاب، اس کا جوٹھا سب نجس ہے اور اسی طرح بلااختلاف خنزیر بھی نجس العین ہے الخ ——— چند سطور کے بعد علامہ موصوف نے چند فروع کا ذکر کرتے ہوئے پہلی فرع یہ بیان کی ہے الاول المشہور بین الاصحاب

بل لا نعلم فیہ خلافاً ——— نجاسۃ الکلب والخنزیر بجمیع اجزائہما ما تحلہ الحیوۃ منہما وما لا تحلہ ———

یعنی علماء شیعہ میں مشہور یہ ہے بلکہ ہمیں اسمیں کسی قسم کے اختلاف کا کوئی علم نہیں کہ کتا اور خنزیر اپنے تمام اجزاء سمیت نجس ہیں۔ اسمیں کوئی فرق نہیں خواہ ان اجزا میں زندگی کے آثار ہوں (جیسے گوشت و پوست وغیرہ) یا نہ ہوں (جیسے بال پشم ہڈی وغیرہ) سید

ہاں اس سلسلہ میں صرف ایک عالم کی مخالفت کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو سنی سے شیعہ ہوئے تھے نہ معلوم اس میں کہاں تک صداقت ہے) اسی طرح ہماری تمام فقہی کتابوں میں تصریحات موجود ہیں ؎

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

——— یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ ہمارے فقہاء و محدثین نے ان روایات کی جن کو مؤلف نے یہاں پیش کیا ہے مختلف توجیہات کی ہیں (۱) مثلاً حضرت شیخ طوسیؒ نے استبصار میں یہ توجیہ کی ہے کہ ممکن ہے وہ رسی پانی تک پہنچی نہ ہو (۲) علامہ حلی نے منتہی الفقہ میں یہ تاویل کی ہے کہ "لا بأس" (کوئی حرج نہیں) کا تعلق اس سے ہے کہ اس رسی کو ہاتھ لگانے میں کوئی حرج نہیں جبکہ وہ خشک ہو۔ (۳) اور عالم ربانی شیخ یوسف بحرانی نے حدائق ناضرہ میں جو تاویل فرمائی ہے وہ سب سے بہتر ہے کہ اس "لا باس" کا تعلق کنوئیں کے پانی سے ہے۔ سائل امام سے دریافت کرتا ہے کہ اگر خنزیر کے بالوں والی رسی کے ذریعہ اس کنوئیں سے پانی نکالا جائے جس سے پانی پیا جاتا اور وضو کیا جاتا ہے تو کیسا ہے؟ (یعنی اس سے کنوئیں کا پانی تو متاثر نہیں ہوگا؟) امام فرماتے ہیں۔ کوئی حرج نہیں (یعنی کنوئیں کا پانی

پاک رہے گا۔ کیونکہ وہ کثیر وجاری ہونے کی وجہ سے ملاقات نجاست سے نجس نہیں ہوتا) ـــــ بہرکیف علماء کا یہ تاویلات و توجیہات پیش کرنا اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ وہ خنزیر کے چمڑے اور بال کو نجس جانتے ہیں۔ وھوالمقصود۔

ـــــ علی بن عقبہ والے اضافہ میں خنزیر کے بالوں کے پاک ہونے کی ہرگز کوئی تصریح نہیں۔ یہ مؤلف کی ذاتی اپج ہے۔ اصل الفاظ یہ ہیں "الشعر والصوف کلہ ذکی" بال اور ریشم پاک ہیں۔ لہٰذا اس سے مراد دوسرے ماکول یا غیر ماکول اللحم حیوانات کے بال و ریشم مراد ہیں نہ کہ خنزیر کے۔ اور بقیہ عالی روایت (جس میں خمر و خنزیر سے آلودہ کپڑے میں نماز پڑھنے کا تذکرہ ہے) کو علماء نے مرسل و منقطع السند اور دیگر صحیح السند اخبار و آثار کے معارض و مخالف ہونے کی وجہ سے ناقابل استدلال قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو: حدائق اور مستمسک العروۃ وغیرہ ابواب الصلوٰۃ۔ کس قدر تعجب ہے کہ جن لوگوں کے مذہب میں بدن یا کپڑے کو لگی ہوئی نجاست کو زبان سے چاٹ لینے سے نجس بدن یا کپڑا پاک ہو جاتا ہے (فتاویٰ قاضی خان ج ۱ صلا "اذا اصابت النجاسۃ بعض اعضائہ ولحسہا بلسانہ حتی ذھب اثرھا" بلکہ نجاست میں لتھڑے ہوئے بدن یا کپڑے سے نماز پڑھ لے تو جائز ہے (فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص۱۶) وان لم یغسل النجاسۃ وصلی جاز) آج وہ بھی اس روایت پر اعتراض کر رہے ہیں کہ اگر کسی کپڑے کو خنزیر کی چربی یا شراب لگ جائے تو وہ پھیلنے سے کس طرح پاک ہو سکتا ہے؟ یا للعجب! یہاں تک تو ہمارا روئے سخن اپنی روایات کے حل جوابات کی طرف تھا۔ سو ہم نے بحمداللہ ثابت کر دیا کہ شیعہ مذہب کلب و خنزیر کو بجمیع الاجزاء نجس سمجھتا ہے۔ اب آئیے ہم آپ کو معترض صاحب کے گلشن مذہب کی سیر کرائیں اور گلہائے رنگارنگ دکھائیں تاکہ قدرت خدا کا کرشمہ نظر آ جائے اور معترض اپنے کھودے ہوئے گڑھے میں گر کر ہمیشہ کیلئے ہلاک ہو جائے۔ کیونکہ چاہ کن را چاہ درپیش!

(۱) لو وقع فی الماء القلیل افسدہ عند ابی یوسف وعند محمد لا یفسدہ لان اطلاق الانتفاع بہ دلیل طہارتہ۔ یعنی اگر تھوڑے سے پانی میں (کنوئیں کا پانی تو کثیر ہے) خنزیر کے بال گر جائیں تو امام ابو یوسف کے نزدیک وہ پانی نجس ہو جاتا ہے لیکن امام محمد (تلمیذ رشید امام اعظم صاحب) کے نزدیک نجس نہیں ہوتا۔ کیونکہ جب ان بالوں سے ہر قسم کا فائدہ حاصل کرنا جائز ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ پاک ہیں ـــــ (ہدایہ ج ۳ ص۵۸ طبع لکھنؤ)

(۲) مردار اور خنزیر کی ہڈی پاک ہے "کنوز الدقائق ص۱۳ از علامہ وحید الزمان)

(۳) ویجوز الانتفاع بہ للخرز للضرورۃ۔ ضرورت کے تحت خنزیر کے بالوں سے موزہ وغیرہ کا سینا جائز ہے (ہدایہ ج ۳ ص۵۸)

(۴) مذی عن ابی یوسف یطھر دبغہ فیجوز بیعہ یعنی امام ابو یوسف سے یہ روایت کی گئی ہے کہ خنزیر کا چمڑا رنگنے سے پاک ہو جاتا ہے اور اس کی خرید و فروخت جائز ہے (منیۃ المصلی صـ۳۳ طبع لاہور)

(۵) کتا جو خنزیر کی طرح نجس العین ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے "حوض میں کتا گر کر مر گیا۔ اگر تہہ میں بیٹھ گیا تو وضو جائز ہے" (درمختار ج ۱ صـ۹۹ مترجم اردو)

(۶) کتے کے دانتوں کا ہار گلے میں پہنے ہوئے نماز پڑھے تو جائز ہے کیونکہ کتے کے دانت پاک ہیں (نفع المفتی والسائل صـ۵ فاضل عبد الحی لکھنوی شرح وقایہ مع عمدۃ الرعایہ صـ۸)

(۷) شراب اور سور مہر کے بدلے میں ہو تو نکاح درست ہے (شرح وقایہ اردو صـ۲۴۶)

(۸) امام مالک نے تو قصہ ہی پاک کر دیا وہ فرماتے ہیں "کل حیّ طاھر ولو کلبا او خنزیرا ہر حیوان اگرچہ کتا اور خنزیر ہی کیوں نہ ہو اس کا جسم پاک ہے" ——— (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج ۱ صـ۱۶ طبع مصر) سنیو! اگر کچھ بھی حیا و شرم ہے تو چلو بھر پانی میں ڈوب مرو! اسی پاک مذہب اور اس کی پاکیزہ تعلیمات کے بل بوتے پہ دوسروں پہ اعتراض کرتے ہو!

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریادیوں کرتے
نہ کھلتے راز سربستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں!

چودھواں مسئلہ مذی و ودی

عضو مخصوص سے جو رطوبت خارج ہوتی ہے وہ پلید ناقض الوضوء ہے۔ لیکن شیعہ مذہب میں مذی و ودی جو شرمگاہ سے خارج ہوتی ہے۔ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ نہ نماز فاسد ہوتی ہے — چنانچہ فروع کافی ج ۱ صـ۱۲ میں ہے ——— ترجمہ: امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اگر تیرے ذکر سے مذی یا ودی خارج ہو جب تم نماز پڑھ رہے ہو تو اس کو مت دھوؤ اور نماز کو مت توڑو۔ وضو بھی شکست نہ سمجھو اگرچہ تمہاری ایڑیوں تک جا پہنچے۔ کیونکہ یہ ایسا ہے جیسا ناک کا پانی" من لا یحضرہ الفقیہ صـ۱۳ میں ہے ——— ترجمہ: امیر المومنین مذی میں وضو کا حکم نہ دیتے تھے اور نہ اس چیز کے دھونے کا جس کو مذی لگی ہو اور روایت کی گئی ہے کہ مذی اور ودی تھوک یا ناک کے پانی کا حکم رکھتی ہے۔ بس جس کپڑے کو لگ جائیں اسے دھونے کی حاجت نہیں بلکہ شرمگاہ ——— کو بھی دھونے کی ضرورت نہیں۔ واہ شیعو! پاک مذہب کا کیا کہنا۔ منہ۔ ناک اور شرمگاہ کو یکساں بنا دیا جیسے منہ ناک سے نکلی ہوئی رطوبت پاک ہے ویسا ہی ———

ؔ کوئی جانے تو کیا جانے کوئی سمجھے تو کیا سمجھے؟

(آفتاب۔ صفحہ ۱۹۷)

الجواب **معذرت** اگرچہ ایسے مسائل پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے شرم دامنگیر ہوتی ہے مگر کیا کیجئے گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل والا معاملہ ہے۔ اگر علمی و الزامی جواب نہ دیا جائے تو ہمیں عجز و قصور کا طعنہ اور اگر دیا جاتے تو دامنِ تہذیب و متانت کے ہاتھ سے چھوٹنے کا اندیشہ۔ بہر حال المجبور معذور کے تحت ہم ایسے مسائل پر قلم کو جنبش دے رہے ہیں۔ امید واثق ہے کہ قارئین کرام اس سلسلہ میں ہمیں مجبور و معذور تصور فرمائیں گے

ؔ والعذر عند کرام الناس مقبول

مذی و ودی کی تعریف مذی اس لیس دار رقیق مادہ کو کہا جاتا ہے جو ملاعبت یا دیسے انتشار کے بعد مرد کے عضو مخصوص سے نکلتا ہے ——— اور ودی اس لیس دار مادہ کا نام ہے جو پیشاب کے بعد خارج ہوتا ہے۔ چونکہ دلائل شرعیہ سے ان کی نجاست اور ان کا ناقضِ وضو ہونا ثابت نہیں ہے۔ اس لئے علماء شیعہ ان کو نہ نجس سمجھتے ہیں اور نہ ناقض وضو! ہاں البتہ اگر ان کے خروج کے بعد بطور استحباب وضو کر لیا جائے تو اچھا ہے!

عقلی دلیل عقلاً بھی ایسا ہونا چاہیئے۔ علم طب میں یہ بات کی جا چکی ہے کہ پیشاب خارج ہونے کی حرکت طبعی حیوانی ہے۔ جسے حرکت تسخیریہ بھی کہا جاتا ہے۔ جس کی تقدیم و تاخیر اور حبس و جریان میں ارادہ کو کچھ ضرور دخل ہے اور یہی کیفیت منی کی ہے مگر مذکورہ بالا دونوں رطوبتیں محض طبعی ہیں۔ اور اگر صحت خراب ہو تو اس طرح ——— بلا ارادہ بھی خارج ہو جاتی ہیں کہ احساس تک نہیں ہوتا۔ لہذا ان سے اجتناب کرنے میں غیر معمولی عسر و حرج اور مشقت ہے۔ وما جعل علیکم فی الدین من حرج اس لئے شریعت سہلہ کے سہل و آسان ہونے کا بھی تقاضا یہی ہے کہ ان رطوبتوں سے اجتناب لازم قرار نہ دیا جائے۔

الزامی جواب یہ سمجھنا بھی درست نہیں ہے کہ یہ بات صرف حضرات شیعہ سے مخصوص ہے بلکہ اہلسنت کے ائمہ اربعہ میں سے امام احمد بن حنبل بھی ایک روایت کی بنا پر مذی کی طہارت کے قائل ہیں جیسا کہ کتاب "متفق و مفترق فی فقہ الائمۃ الاربعہ" میں اسکی تصریح موجود ہے (علی ما نقلہ فی تزھۃ اثنا عشریہ)

اسی طرح ودی کے ناقض وضو نہ ہونے کے متعلق اہلسنت کے ہاں روایات موجود ہیں چنانچہ کتاب مسوی من احادیث الموطا تالیف شاہ ولی اللہ دہلوی میں ایک پورا باب ہے جس کا عنوان ہے۔ باب ما یروی من المر

خصة فی ترک الوضوء من المذی کا اس میں کئی روایات درج ہیں۔ منجملہ ان کے ایک روایت یہ ہے۔ مالک عن یحیی بن سعید عن سعید بن المسیب انه سمعه ورجل یسأله فقال انی لاجد البلل وانا اصلی فانصرف فقال له سعید لو سال علی فخذی ما انصرفت حتی اقضی صلوتی یعنی مالک یحیی بن سعید سے اور وہ سعید بن المسیب سے جو بہت بڑے تابعی ہیں راوی (یحیی بن سعید) کا بیان ہے کہ ایک شخص نے ان (ابن مسیب) سے دریافت کیا کہ میں نماز کی حالت میں رطوبت پاتا ہوں اور نماز چھوڑ دیتا ہوں۔ سعید بن مسیب نے کہا کہ اگر ایسی رطوبت بہہ کر میرے گھٹنوں تک بھی پہنچ جائے۔ تب بھی نماز نہیں چھوڑوں گا۔ ــــ یہ بھی خدا کی شان ہے کہ آج وہ لوگ بھی مذی و ودی کی طہارت کے مسئلہ میں اہل حق پر زبان اعتراض دراز کرتے ہیں جن کے بعض ائمہ کے نزدیک منی تک پاک ہے۔ محقق شریف نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے مذهب الشافعی ان المنی طاهر ــــ یعنی شافعی کا مذہب یہ ہے کہ منی پاک ہے۔ اسی طرح یحیی بن سعید شیبانی نے کتاب متفق ومفترق میں لکھا ہے (علی ما نقله فی النزهة) "اختلفوا فی منی الآدمی وقال الشافعی هو طاهر رطباً ویابساً وقال احمد فی احدی روایتیه انه طاهر ــــ یعنی انسان کی منی میں اختلاف ہے شافعی کہتے ہیں کہ پاک ہے اور امام احمد سے بھی ایک روایت ہے کہ وہ پاک ہے" ــــ باقی رہا یہ ایراد کہ ناک اور منہ اور عضو مخصوص کی رطوبت کا حکم ایک کیسے ہو سکتا ہے؟ تو اس کے متعلق غایۃ الاوطار ج ۱ ص ۱۵ و ص ۱۹۳ دیکھ لی جائے جس میں لکھا ہے "کہ عورت کی شرمگاہ کی اندرونی رطوبت پاک ہے (کذا فی درمختار ج ۱ ص ۸) اب فرمایئے

؎ کوئی جانے تو کیا جانے کوئی سمجھے تو کیا سمجھے

اور بہتر تو یہی ہے کہ ؎

کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی!

پندرھواں مسئلہ کنوئیں میں کتا

کتا نجس العین ہے۔ کنوئیں میں گر پڑے تو کنواں پلید ہو جاتا ہے جب تک سارا پانی نہ نکلے۔ پاک نہیں ہوتا۔ لیکن مذہب شیعہ میں ہے۔ کتا۔ مرغی۔ چوہا۔ بلی وغیرہ کی طرح پانی میں گر جائے تو صرف پانچ ڈول نکال دو۔ کنواں پاک ہو جاتا ہے۔ فروع کافی ج ۱ ص ۲ میں ہے ــــ ترجمہ: صادق علیہ السلام سے چوہا۔ بلی۔ مرغی۔ پنکھی۔ کتے کی بابت دریافت کیا گیا (جو کنوئیں میں گر پڑیں) آپ نے فرمایا اگر سوج نہ جائیں۔ پانی کا ذائقہ نہ بدلے تو پانچ ڈول نکال دینا کافی ہیں۔ (آفتاب ص ۱۹۵)

الجواب جیساکہ تیرھویں مسئلہ کے جواب میں وضاحت کی جا چکی ہے کہ شیعیان علیؑ کے نزدیک بالاتفاق کتا نجس العین ہے۔ اگر کنوئیں میں گر جائے تو بعض روایات میں پانچ بعض میں سات بعض میں بیس یا تیس یا چالیس ڈول کھینچنے مروی ہیں اور ابی مریم کی روایت میں تمام پانی کھینچنا وارد ہے (تفصیل کے لئے حدائق ناضرہ ج ۱ ص ۳۶۰ کی طرف رجوع کیا جائے) اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ مذہب شیعہ کے تحقیقی قول کی رُو سے کنوئیں کا پانی کثیر بھی ہے اور جاری بھی۔ اس لئے جب تک نجاست کی وجہ سے اس کا رنگ، بو اور ذائقہ تبدیل نہ ہو جائے اس وقت تک وہ صرف ملاقات نجاست سے نجس نہیں ہوتا اسلئے معصومین نے صرف طبعی نفرت کے ازالہ کی خاطر چند ڈول کھینچنے کا حکم دے دیا تاکہ طبیعت کا تکدر دُور ہو جائے اور یہی مذہب امام مالک کا ہے کہ وہ کنوئیں کو نہر جاری کے حکم میں سمجھتے ہیں اور امام شافعی کے نزدیک بھی ایسا ہی ہے جبکہ پانی کی مقدار بقدر قلتین ہو (ملاحظہ ہو فتاوے قاضی خان ج ۱ ص ۵)

باقی رہا یہ کہ کتا پاک ہے یا اس کے جوٹھے پانی سے وضو جائز ہے یا اس کے چمڑے پر نماز جائز ہے یا اس کے دانتوں کا ہار پہن کر نماز پڑھی جاسکتی ہے تو نہ کسی شیعہ روایت میں ہے۔ اور نہ کسی شیعہ عالم کا قول ہے مگر اہلسنت کے مذہب میں یہ تمام امور جائز ہیں تفصیل اوپر تیرھویں مسئلہ کے جواب میں گذر چکی ہے۔ وہاں رجوع کیا جائے۔ ہاں وہاں اسکے چمڑے پر نماز پڑھنے اور اس کے جوٹھے پانی سے وضو کرنے کا حوالہ نہیں دیا گیا سو وہ اب حاضر ہے قاضی خان الناطفی عن محمد اذا صلی علی جلد کلب او ذئب قد ذبح جازت صلوتہ۔ ناطفی نے امام محمد سے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص ایسے کتے یا بھیڑیے کے چمڑے پر نماز پڑھے جو ذبح کیا گیا ہو تو اس کی نماز صحیح ہے (فتوی قاضی خان ج ۱ ص ۲۸ سطر اخیر)۔

(۲) اذا ولغ الکلب فی اناء لیس فیہ وضوء غیرہ تیوضا بہ۔ جب کتا برتن سے پانی پی جائے اور اس کے علاوہ پانی موجود نہ ہو تو اس پانی سے وضو جائز ہے (بخاری ج ۱ ص ۱۹ بحاشیہ محدث سہارنپوری طبع دہلی) قبل ازیں بجواب مسئلہ ۱۳ الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۱ ص ۱۹ طبع مصر) کے حوالہ سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ امام مالک کے نزدیک کتا اور خنزیر پاک ہیں۔ ماضی قریب میں ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سے ایک کتاب بنام "حلال و حرام" شائع ہوئی ہے اس میں بڑے شد و مد سے کتے کا پاک ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ مخفی نہ رہے کہ یہاں یہ عذر نہیں کیا جاسکتا کہ مالکیوں کے نزدیک ایسا ہے نہ کہ حنفیوں کے نزدیک! کیونکہ ہمارے مخاطب صرف حنفی نہیں۔ بلکہ اہلسنت ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ مالکی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے بھی سنی ہیں نہ کہ شیعہ!

؎ چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما؟

سولھواں مسئلہ شیعہ مذہب کی رو سے کنویں میں اگر گوہ گر جائے تو دس ڈول نکالنے کافی ہیں اور اگر گل جائے تو چالیس ڈول نکالے جائیں۔ (من لا یحضرہ الفقیہ صفحہ ۵ میں ہے ــــــ ترجمہ: جب کنویں میں عذرہ گر جائے تو دس ڈول پانی کے نکالے جائیں الخ ــــــ تا آخر ــــــ (آفتاب صفحہ ۱۹۸)

الجواب بھلا اس میں بھی کوئی اعتراض کی بات ہے۔ قبل ازیں ابھی اوپر واضح کیا جا چکا ہے کہ یہ ڈول بنا بر احتیاط اور تکمیل طبعی کے ازالہ کیلئے ہیں۔ پھر بھی اس سے تو یہ ثابت ہے کہ عذرہ نجس ہے یہ ایسا خلاف عقل حکم تو نہیں جیسا کہ کتب اہلسنت میں لکھا ہے کہ اگر گدھے کا پسینہ پانی میں پڑ جائے تو پانی نجس ہو جائیگا اور اگر کپڑے کو لگے تو کپڑا نجس نہ ہوگا (فتاوی قاضی خان ج ۱ ص ۹ طبع لکھنؤ) یا جیسے یہ خلاف عقل ہے کہ کتے اور بکری کا حکم ایک قرار دیا جائے (ہدایہ ج ۱ ص ۴۳)

چہ ہمیں عقل و دانش بباید گریست

سترھواں مسئلہ کنویں میں گوہ سے بھری ہوئی زنبیل گر پڑے گوہ گیلا ہو یا خشک تو کچھ حرج نہیں ہے وضو کیا کریں کوئی ڈول کھینچنے کی بھی ضرورت نہیں ہے کتاب مذکور کے صفحہ مذکور پہ ہے (یہاں ایک عبارت نقل کی ہے جس کا مطلب پہلے ادا کر دیا ہے) ــــــ (آفتاب صفحہ ۱۹۸)

الجواب یہ عبارت طبع جدید کے صفحہ ۶ پر موجود ہے مگر اس کے نقل کرنے میں انتہائی بددیانتی کی گئی ہے۔ اس عبارت کے آخر میں یہ مذکور ہے۔ ھذا اذا کانت فی زنبیل ولم ینزل منہ شیء فی البئر یعنی یہ حکم اس صورت میں ہے کہ پاخانہ زنبیل میں بند ہو اور اس سے کنویں میں کچھ بھی نہ گرے۔ چونکہ زنبیل کا معنی ہے ڈول، (المنجد صفحہ ۲۹۴) یعنی ظرف، بنا بریں اگر یہ نجاست کسی بند برتن میں ہو اور وہ برتن کنویں میں گر جائے جبکہ نجاست اس سے خارج ہی نہ ہو تو پھر بھلا ڈول کھینچنے کی کیا ضرورت ہے اور اس میں دیدہ بینا رکھنے والے کیلئے کیا جائے اعتراض ہے؟ ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فما لہ من نور!

اٹھارھواں مسئلہ نمازی مرد نماز میں کھڑا ہو اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو اشارہ سے مانگ سکتا ہے عورت کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو دو ہاتھ کی پیٹے ــــــ من لا یحضرہ الفقیہ میں ہے (مطلب وہی ہے جو مذکور ہوا) (آفتاب صفحہ ۱۹۸)

الجواب ہے نماز کے باطل ہونے یا نہ ہونے کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اگر نماز میں ایسے فعل کثیر سرزد ہو جائے جس سے صورت نماز محو ہو جائے اور دیکھنے والا یہ سمجھے کہ وہ نماز نہیں پڑھ رہا بلکہ کوئی اور کام کر رہا ہے تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اور اگر فعل قلیل ہو تو اس سے نماز باطل نہیں ہوتی (کذا فی فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص … المغفور الاول) چنانچہ چونکہ یہ مذکورہ فعل قلیل ہیں اس لئے ان سے نماز کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

یہی قاعدہ فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص … پر بیان کیا گیا ہے۔ اور اس کے ذیل میں بہت سے فروعی مسائل بیان کئے گئے ہیں مثلاً نماز میں خارش کے بعد جوتوں کو درست کرنا، یا آگے دروازہ کھلا ہو تو اسے بند کرنا، یا قمیص کے بٹن کھول دینے، یا عمامہ سر سے اتار کر زمین پر رکھنا یا زمین سے اٹھا کر سر پر رکھنا، گھوڑے کی لگام تھامے رکھنا یا لگام اتار دینا، یا ٹوپی یا خود پہننا یا اتار دینا یا پرندے کو تیر یا پتھر مارنا، یا پنکھا ہلانا، یا پاؤں دبانا یا بچے کو کاندھے پر اٹھانا۔ الغرض ان تمام صورتوں میں نماز باطل نہیں ہوتی۔ اگر مذہب اہلسنت میں یہ سب کچھ جائز ہے اور ان حرکات سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ تو پھر ہاتھ کے اشارہ پر کیا اعتراض ہے؟

شرم تم کو مگر نہیں آتی۔

اکیسواں مسئلہ گھی یا تیل کے برتن میں کتا گر پڑے اور وہ زندہ ہی نکال لیا جائے تو وہ گھی وغیرہ ناپاک نہیں ہوتا۔ فروع کافی ج ۲ ص … میں ہے

ترجمہ۔ چوہا یا کتا گھی یا تیل میں گر پڑے اور زندہ ہی نکل آئیں اس گھی وغیرہ کو کھایا جا سکتا ہے (آفتاب ص ۱۹۹)

الجواب علامہ مجلسی مرآۃ العقول ج ۳ ص … پر اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں ورد فی الشیخ فی التہذیب ھذا الخبر عن الحسین بن سعید … ولیس فیہ ذکر الکلب ولعلہ من سھو النساخ۔ یعنی اس حدیث کو جناب شیخ طوسی نے حسین بن سعید سے صحیح سند سے روایت کیا ہے مگر اس میں "کلب" (کتے) کا ذکر نہیں یہ شاید کاتبوں سے سہو ہوا ہے، ولا یبعد مثل خبر … اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ یہ روایت جس باب میں ہے اس کا عنوان ہے "باب الفارۃ تموت فی الطعام والشراب" یعنی یہ باب اس بات کے متعلق ہے کہ اگر چوہا کھانے پینے کی کسی چیز میں مر جائے تو کیا کرنا چاہئے پھر اس باب میں کل چار حدیثیں ہیں سوائے اس آخری روایت کے باقی سب میں صرف چوہے کا ذکر ہے اور اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ لفظ کلب روایت میں موجود ہے تو یہ مزید کلام نہیں

کہ "کلب" سے مراد کتا ہی ہو کیونکہ لغوی طور پر "ہر کاشنے والے حیوان کو کلب کہا جاتا ہے" (ملاحظہ ہو المنجد ص۶۹۷) بنا بریں یہ لفظ بلی کو بھی شامل ہو سکتا ہے چنانچہ فروع کافی مطبوعہ لکھنؤ کے نسخہ میں اس لفظ کے نیچے الھرۃ (بلی) موجود ہے۔ اور چونکہ چوہا ہو یا بلی اگرچہ حرام گوشت ہیں مگر نجس العین نہیں ہیں اسلئے اگر زندہ نکل آئیں تو گھی پاک رہیگا۔ وھذا لا غبار علیہ۔ جب اہلسنت کا مسلک بھی یہی ہے۔ تو پھر غریب شیعوں پر اعتراض کیا ہے۔۔؟

بیسواں مسئلہ گوشت کی دیگ پکائی جائے اور اس سے مرا ہوا چوہا نکل پڑے شوربا پھینک دیا جائے اور گوشت کی بوٹیاں دھو کر کھالو (کتاب مذکور ص۱۰۵) میں ہے ــــ (عبارت کا مطلب وہی ہے جو مذکور ہوا) آفتاب ص۱۹۹

الجواب شیعہ سنی اصول کے مطابق یہ مسئلہ بالکل بجا و درست ہے جب دیگ میں چوہا مر گیا تو سالن نجس ہو گیا۔ شوربا چونکہ پاک ہو نہیں سکتا اس لئے معصوم نے اس کے پھینک دینے کا حکم دیا۔ اور بوٹیاں چونکہ پاک ہو سکتی ہیں اس لئے ان کو دھو کر استعمال میں لایا جا سکتا ہے؟ چنانچہ بالکل ایسا ہی مسئلہ فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص۱۲ پر مذکور ہے۔ الطائر اذا وقع فی قدر ومات فیہ ــــ ان وقع بعد ما سئل عن الغلیان یصب المرقۃ ویغسل اللحم الذی کان فیہ ویوکل۔ یعنی اگر پرندہ ہانڈی میں گر کر مر جائے تو اگر جوش ٹھنڈا ہونے کے بعد گرے تو شوربا انڈیل (پھینک) دیا جائے۔ اور بوٹیاں دھو کر کھا لی جائیں۔ فرمایئے اس مسئلہ اور اس مسئلہ میں کوئی فرق ہے؟ دوسروں پر اعتراض کرنے سے پہلے اپنے گھر کا بھی جائزہ لے لینا چاہیئے۔

ع ہے اعتراض اور دں پہ گھر کی خبر نہیں

اب ذرا اپنے گلستانِ فقہ کی مزید سیر کرتے جایئے۔

(۱) بعرۃ الفارۃ اذا وقعت فی حنطۃ فطحنت الحنطۃ لا بأس باکل الدقیق الا ان یکون کثیرۃ۔ یعنی اگر چوہے کی مینگنیاں گندم میں مل جائیں اور پھر وہ گندم پیس دی جائے تو اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ مگر یہ کہ وہ مینگنیاں بہت زیادہ ہوں (فتاوےٰ قاضی ج ۱ ص۱۲)

(۲) خبز وجد فی خلالہ بعر الفارۃ ان کان البعر علی صلابتہ یرمی البعر ویوکل الخبز۔ اگر پکی ہوئی روٹی کے درمیان چوہے کی مینگنیاں ہوں تو اگر وہ سخت ہیں تو پھینک دی جائیں اور روٹی کھا لی جائے۔ (قاضی خان ج ۱ ص۱۲)

(۳) خمر صب فی قدر الطعام ثم صب فیہ الخل وصار حامضاً ــــ لا بأس باکلھا۔ اگر ہانڈی میں شراب ڈال دی جائے پھر اس کے اوپر اس قدر سرکہ ڈالا جائے کہ سب کا ذائقہ سرکہ

کی طرح کھٹا ہو جائے تو پھر اس کا کھانا جائز ہے (فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص۶۶۱) ص۶

چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما ؟

؎ جو بولے وہی بادگی مگر کوئی میری سُنے گا ۔ ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنئے

اکیسواں مسئلہ ایک پانی کا پرنالہ، دوسرا پیشاب کا جاری ہو آپس میں مل جائیں۔ کپڑا یا اور چیز جس کو وہ پانی لگ جائے پلید نہیں ہوتے فروع کافی ج ۱ ص۔ (بعد ازاں ایک روایت نقل کی ہے جس کا یہی مضمون ہے جو اوپر نقل ہوا) (آفتاب ص۱۹۹)

الجواب اس سے مراد یہ ہے کہ جب بارش برس رہی ہو۔ اور ملاقاتِ بول سے اس کا رنگ، بو یا ذائقہ بھی تبدیل نہ ہو تو اس صورت میں وہ پانی نجس نہیں ہوتا بعینہٖ یہی مسئلہ اہلسنت کی کتابوں میں بھی ہے چنانچہ ہدایہ ج ۱ ص۲۹ طبع لکھنؤ میں لکھا ہے الطھارۃ من الاحداث جائزۃ بماء السماء لقوله تعالیٰ وانزلنا من السماء ماءً طھورًا وقوله علیه السلام الماء طھور لا ینجسه شیءٌ الا ما غیّر لونه او طعمه او ریحها ـــــ یعنی آسمان (بارش) کے پانی سے ہر قسم کے حدث کی طہارت جائز ہے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے۔ ہم نے بلندی سے پانی نازل کیا ہے جو خود پاک ہے اور دوسری چیزوں کو پاک کرنے والا ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں پانی طہور ہے اسے کوئی چیز نجس نہیں کرتی سوائے اس کے جو اس کے رنگ، ذائقہ یا بو کو تبدیل کر دے'' لہٰذا اس میں کیا جائے اعتراض ہے؟

بیا سعد الدین!

بائیسواں مسئلہ شیعہ مذہب میں جنبی شخص قرأت قرآن کر سکتا ہے۔ فروع کافی ج ۱ میں ہے ـــــ ترجمہ ابن بکیر نے صادق علیہ السلام سے پوچھا کیا جنبی کھا پی سکتا ہے؟ اور قرآن پڑھ سکتا ہے، آپ نے کہا ہاں کھائے پیئے جس قدر ذکر اذکار کرنا چاہے کرے (آفتاب ص۱۹۹)

الجواب اس مسئلہ کی تفصیل جو مختلف احادیث معصومین مندرجہ وسائل الشیعہ وغیرہ سے مستفاد ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جنب آدمی کے لئے قرآن کے حروف کو مس کرنا حرام۔ اور جن چار سورہ میں واجبی سجدے ہیں ان کی قرأت بھی مطلقاً ناجائز ہے اس کے علاوہ باقی مقامات میں سے سات آیتیں اور زیادہ سے زیادہ ستر آیتوں کی تلاوت روا ہے اس سے زائد مکروہ اور بقولے حرام ہے اور اس میں اشکال ہی کیا ہے ؟ زبان تو ہر حال میں پاک ہوتی ہے، اگر بیت الخلاء اور غسل خانہ میں قرآن پڑھا جا سکتا ہے تو جنب کے پڑھنے

پر کیا اعتراض ہے۔ فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۳۶۶ میں ہے [illegible] لیکن شیعہ اگر چاہے تو غسل خانہ میں بیٹھ کر
قرآن کو توڑ توڑ کر پڑھ سکتا ہے" تعجب ہے اعتراض کرنے والوں کے نزدیک قرآن کا یہ احترام ہے کہ
اسے خون اور پیشاب سے لکھا جا سکتا ہے (فتاویٰ قاضی خان ج [illegible] ص ۲۲) تو ان کو ایسے بیہودہ اعتراض کرنے
کا کیا حق ہے؟ معاذ اللہ!

[illegible] تو لازم ہے شعور [illegible]

اسی طرح جنب کے لئے کچھ کھانا پینا مکروہ ہے اور ظاہر ہے کہ کل مکروہ جائز [illegible]

تیئسواں مسئلہ

شیعہ مذہب میں نماز جنازہ بے وضو جائز ہے فروع کافی ج ۱ ص [illegible]
ترجمہ "یونس بن یعقوب نے صادق علیہ السلام سے
دریافت کیا کہ میں نماز جنازہ بغیر وضو کے پڑھ سکتا ہوں؟ آپ نے کہا ہاں جنازہ صرف تکبیر
اور تسبیح اور تحمید ہوتا ہے؟ (آفتاب ص ۱۹۹)

الجواب

امام عالی مقام نے اپنے کلام حقیقت ترجمان میں جو کچھ فرمایا ہے کیا وہ واقعہ کے بالکل
مطابق نہیں؟ نماز جنازہ میں سوائے تکبیر و تحمید و ثنا و درود و سلام یا دعا کے علاوہ اور کچھ
بھی ہے؟ اسے نماز مجازاً کہا جاتا ہے (اور لغوی طور پر صلوٰۃ کا معنی بھی دعا ہے) ورنہ اس میں نہ تو تحریمہ ہے (حالانکہ
لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب کوئی نماز سورہ حمد کے بغیر نہیں ہو سکتی) نہ رکوع ہے نہ سجود ہے اور نہ تشہد وغیرہ لہٰذا اس
کے بغیر وضو پڑھنے میں کیا اشکال ہو سکتا ہے؟ جبکہ بالاتفاق بغیر وضو دعا کی جا سکتی ہے ہاں البتہ وضو کر کے پڑھنا افضل ہے

چوبیسواں مسئلہ

شیعہ مذہب کی رو سے اگر کوئی شخص اپنی ساس یا سالی یا بیوی کی بیٹی سے زنا کرے تو بیوی اس پر حرام نہیں ہوتی۔ فروع کافی
ج ۲ ص ۲۵ میں ہے۔ ترجمہ: امام محمد باقر علیہ السلام سے دریافت ہوا کہ کوئی شخص اپنی
ساس یا بیوی کی بیٹی یا سالی سے زنا کرے اس سے اس کی عورت حرام نہیں ہوتی (آفتاب [illegible])

الجواب

مذہب شیعہ خیر البریہ میں اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی عقد سے پہلے کسی عورت
سے زنا کرے تو بعد ازاں اس کی لڑکی سے نکاح نہیں کر سکتا لیکن اگر عقد کے بعد اس فعل
بد کا ارتکاب کرے تو بیوی اس پر حرام نہیں ہوتی کیونکہ حرام حلال کو حرام نہیں کرتا (الحرام لا یحرم الحلال) یہیں رہ گیا
کہ اس [illegible] شیعہ پر تعجب ہوتا ہے [illegible] اپنے مذہب کی [illegible] ذرا تحقیق نہیں [illegible] اور پھر عالم کہلا کر [illegible]
پر [illegible] کی باتیں کرتا ہے حالانکہ [illegible] کے مذہب میں [illegible] کیا جائے [illegible] یا نکاح کے
بعد [illegible] نکاح [illegible] کتاب بدایۃ المجتہد [illegible] ابن رشد [illegible]

ج ۲ صفحہ طبع مصر میں ہے " قال الشافعی الزنا بامراۃ لا یحرم نکاح امہا ولا ابنتہا یعنی اگر کسی عورت سے زنا کیا جائے تو اس سے نہ اس زانیہ عورت کی ماں زانی پر حرام ہوتی ہے نہ بیٹی [illegible] اسی طرح کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۴ ص ۶۶ پر ہے " اما الزنا فان المعتمد انہ لا ینشر الحرمۃ فمن زنی بامراۃ یتزوج بامہا و فروعہا یعنی جو شخص کسی عورت سے زنا کرے تو اس عورت کی مائیں (نانی، دادی وغیرہ) اور بیٹیاں (پوتی اور نواسی وغیرہ) اس زانی پر حرام نہیں ہوتیں [illegible]

اس وقت بقید حیات ہوتے تو ضرور زیر لب یہ مصرعہ گنگناتے

ع ہیں الزام ان کو دیتا تھا   قصور اپنا نکل آیا

بہرکیف ع   ما از تو نہ بخیم جملے شرط خیمی ہیست

پچیسواں مسئلہ کوئی شخص اپنے باپ کی عورت یا لونڈی سے زنا کرے تو وہ مزنیہ عورت زانی کے باپ پر حرام نہیں ہوتی فروع کافی ج ۲ ص [illegible] میں یہی ہے ۔ ترجمہ: امام باقرؑ نے فرمایا کوئی شخص اپنے باپ کی جورو یا لونڈی سے زنا کرے تو وہ عورت مزنیہ اس کے باپ پر اور وہ لونڈی اس کے آقا پر حرام نہیں ہو جاتی (آفتاب صفحہ [illegible])

الجواب اس اعتراض کا صحیح جواب یہ ہے کہ خود معترض سے دریافت کیا جائے کہ جو شیعہ پر تو وہ حرام نہیں ہوتی لیکن کیا اہلسنت کے مذہب میں حرام ہو جاتی ہے؟ اگر ہوتی ہے تو ثبوت پیش کرو؟ اور اگر نہیں ہوتی (اور یقیناً نہیں ہوتی) تو پھر تمہیں شیش محل میں بیٹھ کر دوسروں پر پتھر مارنے کا کیا حق ہے؟ نہ اپنے مذہب سے واقفیت نہ دوسرے مذہب کا علم لیکن قلم فرسائی کی مشق جاری ہے اخلاقی تقاضہ یہ ہے کہ

اذا لم تستطع امرا فدعہ
وجاوزہ الی ما تستطیع

مگر یہ اسوقت ہوتا ہے کہ جب عقل ہو؟ لیکن اگر دماغ کا خانہ ہی اس جوہر لطیف سے خالی ہو تو پھر عقلی تقاضے کس طرح پورے ہو سکتے ہیں؟ بقول بعض ظرفاء مؤلف کے مذہب اور عقل میں تضاد ہے۔ (والضدان لا یجتمعان) لہذا جہاں وہ ہو وہاں یہ نہیں ہوتی اور جہاں یہ ہو وہاں وہ نہیں ہوتا۔ اب بتاؤ۔ عقل بڑی یا بھینس؟ بہر نوع ع

ان کنت لا تدری فتلک مصیبۃ   وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم

[illegible]

اب سنیے (اور کان کھول کر سنیے ۔ پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی) مذہب اہلسنت اس مسئلہ میں کیا کہتا ہے؟ (فتاوی قاضی خان ج ا صفحہ ۱۶۸) پر لکھا ہے کہ باپ کی منکوحہ بیٹے پر اور بیٹے کی منکوحہ باپ پر حرام ہے بعدازاں لکھا ہے۔ والزنا فی القبل بمنزلۃ الوطی الحلال فی ذلک عندنا یعنی اس (نشر حرمت) کے مسئلہ میں ہمارے نزدیک زنا کا حکم نکاح والا ہے (کہ سابقہ زنا سے حرمت آجاتی ہے) بعد ازاں لکھا ہے کہ بعد والا زنا سابقہ نکاح پر اثر انداز نہیں ہوتا" ـــــ اور یہ بات عقلاً بھی بالکل واضح ہے کہ لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ یہ کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی؟ زنا کوئی کرے اور جورو کسی کی حرام ہو جائے (اپنے شوہر پر) اصول وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ بعد والا حرام سابقہ حلال پر اثر انداز نہیں ہوتا چنانچہ ہماری اس روایت کے آخر میں (جس کا ابتدائی حصہ مؤلف نے نقل کیا ہے) یہ مذکور ہے کہ اگر ایسا پہلے ہو تو وہ عورت اس کے باپ کے نکاح میں نہیں آسکتی ـــــ فتدبر وتفکر۔

ے نے اصولت حکم اید نے فروع ۔ شرم بادید از خدا و از رسول

چھبیسواں مسئلہ

شیعہ کی کتاب حدیث استبصار صفحہ ۱۲۰ میں بصراحت موجود ہے کہ اپنی عورت سے خلاف فطرت حرکت کرنا جائز ہے ـــــ

کتاب مذکور ج ۲ صفحہ ۲۴۳ میں یوں لکھا ہے ـــــ ترجمہ:۔ حماد بن عثمان روایت کرتا ہے کہ میں نے حضرت امام صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اپنی عورت کی مقعد میں دخول کرنا کیسا ہے؟ اس وقت چونکہ آپ کے پاس بہت آدمی بیٹھے تھے۔ آپ نے بلند آواز سے فرمایا کہ اپنے غلام کو اسکی طاقت سے بڑھ کر خدمت دینی جائز نہیں بلکہ اسے فروخت کر دینا چاہیئے ـــــ راوی کہتا ہے دوسرے لوگوں کے منہ کو دیکھ کر آپ نے اپنا منہ جھکا کر چپکے سے یہ فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے ـــــ

فروع کافی ج ۲ صفحہ ۲۳۶ میں ہے ـــــ ترجمہ:۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے امام رضا علیہ السلام سے عرض کی کہ آپ کا غلام ایک مسئلہ دریافت کرنا چاہتا ہے آپ سے مارے دہشت و شرم کے نہیں پوچھ سکتا! فرمایا کیا ہے میں نے کہا مرد اپنی عورت کی مقعد میں ادخال کر سکتا ہے؟ آپ نے کہا ہاں اسے اجازت ہے میں نے کہا آپ بھی ایسا کرتے ہیں؟ کہا ہم ایسا نہیں کیا کرتے (خود را فضیحت دیگراں را نصیحت) آفتاب صفحہ ۲۰۰)

الجواب

مؤلف نے آخر میں امام علیہ السلام پر معرضہ چسپت کر کے اپنی ناصبیت و خارجیت کا بھانڈا چورا ہے پر پھوڑ دیا ہے سچ ہے ۔ ع

ومهما تكن عند امرء من خليقة
وان خالها تخفى على الناس تعلم

یعنی دل کی بات زبان پر آ ہی جاتی ہے، حالانکہ اس منقولہ روایت کے آخری الفاظ بتا رہے ہیں کہ امام اس فعل کو نا پسند کرتے ہیں اور اس سے سابقہ روایت جواسی باب ۱۰ میں (فروع ج ۲ صفحہ ۲۲) پر موجود ہے اس میں مذکور ہے کہ جب امام سے اس بارے میں دریافت کیا گیا تو آنجناب نے فرمایا تھا (هيتك فلا تؤذها) "یہ عورت تمہارا کھلونا ہے اسے اذیت نہ دو"۔ نیز شیعوں کی اسی جلد (فروع ج ۲ صفحہ ۳۰) پر پیغمبر اسلام کا یہ فرمان بروایت صادق موجود ہے "محاشی النساء علی امتی حرام" یعنی میری امت پر عورتوں سے وطی فی الدبر کرنا حرام ہے۔ لیکن معترض تو دوسروں پر اعتراض کرنے سے پہلے اپنے گھر کی خبر لینا چاہئے اور اپنے خلفاء و ائمہ اور علماء کے کردار پر بھی ایک نظر ڈال لینا چاہئے کہ ان کو یہ شغل کس قدر مرغوب تھا۔ ؟ آپ کے اضافہ معلومات کی خاطر اس حقیقت کے چہرے سے نقاب کشائی کی رسم بھی ادا کئے دیتے ہیں۔!!

(۱) جاء عمر الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ هلکت قال وما اهلکک قال حولت رحلی اللیلۃ فلم یرد علیہ شیئا فاوحی اللہ الی رسولہ هذه الآیۃ نساءکم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم

یعنی عمر بن خطاب نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں ہلاک ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کس چیز نے تمہیں ہلاک کیا ہے؟ کہا میں نے آج رات اپنی سواری کو الٹ دیا (یعنی زوجہ سے وطی فی الدبر کی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ دیا۔ اسوقت خداوند کریم نے یہ آیت نازل کی۔ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں جس طرح چاہو اپنی کھیتی میں آؤ" (تفسیر در منثور ج ۱ صفحہ ۲۶۳)

(۲) غالباً والد صاحب کی اسی عملی تعلیم کا اثر تھا کہ عبداللہ بن عمر اس آیت کی تفسیر یوں کیا کرتے تھے ان شاء فی قبلها وان شاء فی دبرها یعنی یہ مرد کی مرضی پر منحصر ہے خواہ عورت کی قبل (فرج) میں ادخال کرے اور خواہ دبر (مقعد) میں کرے (در منثور ج ۱ صفحہ ۲۶۵) علامہ ابن عبد البر کہتے ہیں "الروایۃ عن ابن عمر بهذا المعنی صحیحۃ معروفۃ عنہ مشهورۃ" (ایضاً ج ۱ صفحہ ۲۶۶)۔ یہ تو تھا اہلسنت کے خاص ممدوح اصحاب کا فعل اب ان کے ائمہ کا قول و فعل بھی ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) جوزجانی نے امام مالک بن انس سے دریافت کیا عن وطی الحلائل فی الدبر کہ بیوی کے ساتھ وطی فی الدبر جائز ہے؟ انہوں نے جواب میں اپنا عمل بتا دیا۔ کہا الساعۃ غسلت رأسی منہ۔ میں نے ابھی ابھی

اسی فعل سے فارغ ہو کر سر دھویا ہے (در منثور ج ۱ صفحہ ۲۶۶) اسی جلد اور اسی صفحہ پر امام شافعی کا فتوائے جواز بھی درج ہے ——— فراجع۔

(۴) اب لگے ہاتھوں اہلسنت کے اکابر کا عمل بھی دیکھتے چلیں۔ ابن ابی ملیکہ (مشہور عالم و فقیہ) سے دریافت کیا جاتا ہے عن اتیان المراۃ فی دبرھا کہ عورت کی مقعد میں دخول کرنا کیسا ہے؟ جواب ملتا ہے۔ قد اردتہ من جاریۃ لی بالبارحۃ فاعتاصت علیّ فاستعنت بدھن۔ کہا (شرم و حیا ملاحظہ ہو) میں نے گذشتہ رات اپنی لونڈی سے یہی کام کرنا چاہا لیکن جب معاملہ سخت ہو گیا تو میں نے تیل سے مدد لی (در منثور ج ۱ صفحہ ۲۶۶)

ناطقہ سر بگریباں ہے کہ اسے کیا کہیے؟

(۵) ان لوگوں نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس فعل کا جواز خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بھی منسوب کرنے سے نہیں چوکے ——— چنانچہ تفسیر فتح البیان ج ۱ صفحہ ۲۸۷ مؤلفہ نواب صدیق حسن خان میں لکھا ہے کہ ان رجلاً سئل النبی عن اتیان النساء فی ادبارھن فقال النبی حلال۔ ایک آدمی نے خود جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ عورتوں کے ساتھ وطی فی الدبر کرنا کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا حلال ہے۔

(۶) صاحب نور الہدایہ (ج ۱ صفحہ ۳۳ طبع لکھنؤ) نے تو اس کلیتی کی وقاحت میں رہی سہی کسر بھی نکال دی وہ مکروہات شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں "وادخال ذکر در دھن زن بقولے مکروہ کمافی التذکرہ" یعنی منجملہ مکروہات کے ایک یہ بھی ہے کہ عورت کے منہ میں ذکر داخل کیا جائے ——— اور دوسرے قول کے مطابق مکروہ بھی نہیں ہے۔ جیسا کہ کتاب تذکرہ میں موجود ہے "انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۷) یہ لوگ تو اور بھی بہت آگے نکل گئے ہیں اسی قنادی برہنہ ج ۱ صفحہ ۳۴ پر لکھا ہے مالک اگر غلام خود یا منکوحہ خود لواطت کند باتفاق حد نیست یعنی اگر کوئی مالک اپنے غلام یا اپنی منکوحہ سے اغلام کرے تو بالاتفاق اس پر کوئی حد نہیں ہے" فاعتبروا یا اولی الابصار۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا!!

ستائیسواں مسئلہ | شیعہ مذہب میں اپنی عورت کی شرمگاہ کو بوسہ دینا چومنا جائز ہے۔ فروع کافی ج ۲ صفحہ ۲۱۲ میں ہے۔

——— ترجمہ: حضرت علی بن جعفر سے روایت ہے کہ میں نے امام ابوالحسنؑ

سے دریافت کیا کہ مرد اپنی عورت کی شرمگاہ کو چوم سکتا ہے؟ آپ نے کہا کچھ حرج نہیں

(آفتاب ۔ صفحہ ۲۰)

الجواب اگر مذہب شیعہ میں اس فعل کو (اپنی کھیتی کا جزو بدن ہونے کی بنا پر) صرف جائز لکھا ہے تو مذہب اہلسنت میں تو ایسے افعال کو کار ثواب بتایا گیا ہے چنانچہ فتاوی بزازیہ ج ۴ صفحہ ۶۱ پر لکھا ہے "و باک نیست کہ زن یا مرد فرج دیگر۔ ببالد بلکہ امید ثواب است" یعنی اس میں کوئی حرج نہیں کہ مرد عورت ایک دوسرے کی شرمگاہ کو ملیں۔ بلکہ اس میں ثواب کی امید ہے۔ اب مفتی صاحب نے یہ کوئی قید نہیں لگائی کہ ہاتھ سے ملیں یا منہ سے۔ بلکہ اگر گستاخی معاف ہو تو یہ بھی عرض کر دیں کہ چونکہ مذہب مؤلف میں عورت کی شرمگاہ والی رطوبت پاک ہے (غایۃ الاوطار ج ۱ صفحہ ۱۵، صفحہ ۱۶) اس لئے اگر چاہیں تو اسے چاٹ بھی سکتے ہیں اور ہم خرما و ہم ثواب کا لطف اٹھا سکتے ہیں

؎ مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے
آئینہ دیکھیے گا ذرا دیکھ بھال کر

اٹھائیسواں مسئلہ اپنی عورت کی شرمگاہ کو دیکھنا بھی مضائقہ نہیں ہے اسی کتاب کے صفحہ مذکور میں ہے ——— ترجمہ اسحاق بن عمار نے صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا اپنی عورت کی شرمگاہ بحالت برہنگی دیکھ سکتا ہے؟ آپ نے کہا کیا مضائقہ۔ مزہ تو اسی میں ہے حاشا وکلا ائمہ طاہرین کی طرف ایسے حیا کش مسائل منسوب کرنا ان کی غایت درجہ کی توہین ہے (آفتاب صفحہ ۲۰۱)

الجواب کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا کسی مذہب و ملت میں یہ لکھا ہے کہ مرد "بحالت برہنگی اپنی عورت یا اسکی شرمگاہ پر نظر نہیں کر سکتا" تاکہ ہم اس ایراد کا جواب دیں؟

؎ نگفتہ ندارد کسے با تو کار
ولیکن چو گفتی دلیلش بیار

اگر مؤلف آنجہانی اس وقت اس جہان میں ہوتے تو ہم ان سے تین طلاق والی قسم دیکر دریافت کرتے کہ کیا تم نے یہ نظارہ کبھی نہیں دیکھا؟ اور اس منظر سے کبھی لطف اندوز نہیں ہوئے؟ مگر اب چونکہ وہ یہاں نہیں بلکہ وہاں پہنچ چکے ہیں جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا اس لئے ان سے یہ سوال وجواب

بھلا اس میں کونسی حیا کش بات ہے؟ اور اگر کوئی حیا کش بات ہے تو یہ ہے جو کتب اہلسنت میں مذکور ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عائشہ رضی اللہ عنہا ایک ہی بڑے ٹب میں برہنہ غسل جنابت کیا کرتے تھے۔ ! ! ایسے بے ہودہ مسائل بیان کرنے والوں کو۔

شعر شرم باید از خدا و از رسول !

انتیسواں مسئلہ

عاریۃ الفرج (شرمگاہ دوسرے کو عاریۃ دینا بھی جائز لکھا ہے۔ استبصار ج ۲ صـ۷ میں ہے ـــــــ ترجمہ۔ امام صادق علیہ السلام سے مسئلہ عاریۃ الفروج دریافت کیا گیا آپ نے فرمایا مضائقہ نہیں۔ (آفتاب صـ۲۱۰)

الجواب

یہ لونڈیوں کے بارے میں ہے چونکہ ان کی حیثیت دوسرے مملوکہ مال جیسی ہوتی ہے جن کی بیع وشرا بھی درست ہے۔ اور ہبہ کرنا بھی صحیح۔ جس طرح شریعت مقدسہ کی رو سے شرائط مقررہ کے ساتھ صیغہ نکاح جاری کرنے سے اجنبیہ عورت آدمی پر حلال ہو جاتی ہے اسی طرح مالک کے "احللت لک جاریتی" (میں اپنی لونڈی تمہارے لئے حلال کرتا ہوں) کہنے سے غیر کی مملوکہ کنیز دوسرے شخص پر حلال ہو جاتی ہے۔ اس میں نہ کوئی عقلی قباحت ہے اور نہ کوئی شرعی ممانعت ! بلکہ ایسے کچھ آثار اہلسنت کے ہاں بھی موجود ہیں مثلاً البحر الرائق ج ۳ صـ۸۶ طبع مصر میں لکھا ہے۔ لو اضاف الهبة الى الامة بان قال لرجل وهبت امتى هذه منك فان كان الحال يدل على النكاح ينصرف الى النكاح وان لم يدل ينصرف الى ملك الرقبة یعنی اگر ہبہ کی نسبت لونڈی کی طرف دے۔ اور کسی سے یوں کہے میں اپنی یہ کنیز تجھے ہبہ کرتا ہوں تو اگر شاہد حال نکاح پر دلالت کرے تو وہ نکاح بن جائے گا ورنہ وہ دوسرے کی ملکیت بن جائے گی۔ اگر کوئی شخص اس مسئلہ کی حرمت کا مدعی ہو تو وہ دلیل پیش کرے "هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين" ! !

تیسواں مسئلہ

جناب امیر علیہ السلام کی طرف ایک مسئلہ منسوب کیا گیا ہے جو عقلاً ونقلاً قابل تسلیم نہیں وہ یہ ہے کہ ایک عورت جنگل میں جا رہی تھی اس کو سخت پیاس لگی ایک اعرابی سے پانی مانگا اس نے کہا اس شرط پر پانی دیتا ہوں کہ مجھ سے مجامعت ہو مجبوراً عورت نے مان لیا اعرابی نے منہ کالا کیا۔ عورت امیر المومنین عمر کے دربار میں آکر اقبالی ہوئی آپ نے سنگساری کا حکم دیا۔ جناب امیر نے کہا کوئی جرم نہیں ہوا۔ عورت کی رضامندی سے یہ فعل ہوا ہے پس یہ نکاح ہو گیا چلو چھٹی ہو گئی چنانچہ

فروع کافی ج ۲ صفحہ ۱۹۸ میں ہے (یہاں ایک روایت نقل کی ہے جس کا مضمون تقریباً
وہی ہے جو اوپر بیان ہوا۔ صرف اتنا فرق ہے کہ عمر نے زانی کیفیت دریافت کئے بغیر
سنگساری کا حکم دیا تھا اور جناب امیرؑ نے پوری کیفیت دریافت کرنے کے بعد فرمایا "بخدا
یہ تزویج ہے"۔ جائے غور ہے کہ متعہ تو شیعہ کے ہاں مروج تھا ہی اس صورت پر عمل کیا
جائے تو زنا کا بھی دنیا سے نام ہی اٹھ جائے بازاری عورتوں سے جو لوگ زنا کرتے
ہیں اس میں بھی عورت و مرد باہم راضی ہوتے ہیں۔ یہاں گو صرف پانی پلایا گیا
وہاں روپیہ بھی دیا جاتا ہے اور یہاں پیاس کی مجبوری تھی وہاں بھوک
ستاتی ہے پھر وہ بطریق اولیٰ جائز ہو گیا۔ زنا نہ رہا۔ (آفتاب صفحہ ۲۰۲)

الجواب یہ اعتراض بچند وجہ مردود و مندفع ہے۔ **اولاً** یہ روایت ضعیف ہونے کی وجہ سے ناقابل استدلال ہے (ملاحظہ ہو مرآۃ العقول ج ۳ صفحہ ۲۸۶) **ثانیاً**۔ بنا بر تسلیم جناب امیر علیہ السلام کا یہ
ارشاد کہ "بخدا یہ تزویج ہے" بطور مجاز ہے یعنی اس کا حکم نکاح والا ہے کہ اس پر کوئی حد جاری نہیں کی جاسکتی۔
کیونکہ شریعت کا یہ محکم اصول ہے کہ ہر حرام اضطرار کے وقت حلال ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حفظ نفس کی خاطر
خنزیر کا گوشت کھانا جائز ہے جس کا تذکرہ قرآن مجید میں موجود ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ
فی الحقیقت تزویج اور نکاح ہے۔ یہی مفہوم سرکار علامہ مجلسیؒ نے بیان فرمایا ہے (ولعل المراد والمعنی
ان الاضطرار یجعل هذا الفعل بحکم التزویج فی خروجه من الزنا مرآۃ العقول ج ۳ صفحہ ۴۸۵)
ثالثاً جس چیز کو مؤلف نے جناب امیرؑ کی توہین قرار دیا ہے وہ تو سراسر آنجنابؑ کی تعریف ہے۔
اگر توہین ہے تو ان کے عمر کی۔ جنہوں نے سنگساری کا آمرانہ حکم دینے سے پہلے عورت سے جرم کی نوعیت دریافت
کرنے کی بھی زحمت نہیں فرمائی۔ گویا یہ موقع بھی انہی بیسیوں مواقع میں سے ایک ہے جہاں "حلال مشکلات"
نے "حسبنا کتاب اللہ" کہنے والے کی مشکل کشائی فرمائی ہے۔ اور ان سے "لولا علی لهلك عمر" کہلوایا ہے۔ رہا
رابعاً یہ جو کہا ہے کہ اس طرح زنا زنا نہیں رہے گا۔ اگرچہ قیاس ان حضرات کو ابلیس لعین سے ورثہ میں
ملا ہے۔ مگر یہ قیاس مع الفارق ہے (جو قیاس کو جائز سمجھنے والوں کے نزدیک بھی ناجائز ہے) یہ عورت
مضطر و مجبور تھی اس کے پاس اپنی جان بچانے کا سوائے اس کے اور کوئی ذریعہ نہ تھا۔ مگر اس بازار میں بیٹھنے
والیاں چونکہ اور جائز کاروبار اختیار کر سکتی ہیں اس لئے ان کو مضطر و مجبور قرار نہیں دیا جاسکتا!
خامساً اس بازاری والیوں کے پیشہ کو جائز اور اس سے حاصل کردہ روپیہ کو حلال قرار دینے کا سہرا
جناب امام اعظم کے سر ہے جنہوں نے اجرت دے کر زنا کرنے سے حد ساقط کردی ہے (ملاحظہ ہو

فتاوی قاضی خان ج ۴ ص۸۲۱ طبع لکھنؤ) اس مسئلہ کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے ہنر کو عیب سمجھنا چشم عداوت کے لئے کوئی اچنبہ کی بات نہیں ہے کیونکہ ؎

ہنر بچشم عداوت بزرگتر عیب است!

لہٰذا اس بازار والیوں اور ان کے چاہنے والوں کو امام اعظم کے نام پر شیرینی تقسیم کرنی چاہیئے جنہوں نے انہیں اس سیاہ دھندے کا جواز مہیا کیا ہے ؎

وہ چاہتے ہیں سیم تنوں کا وصال ہو
مذہب وہ چاہیئے کہ زنا بھی حلال ہو

اکتیسواں مسئلہ | شیعہ مذہب میں ہے کہ عورت اونٹ پر سوار ہو اور مرد جماع کرنا چاہے تو بھی انکار نہ کرنا چاہیئے تحفۃ العوام ص۲۷۹ میں ہے وہ شوہر کو منع نہ کرے جماع سے اگرچہ پشت شتر پہ ہو! اللہ رے بے شرمی (آفتاب ص۲۰۲)

الجواب | جس طرح ساون کے اندھے کو ہر شے سبز نظر آتی ہے اسی طرح ہمارے مؤلف صاحب کو بھی شیعہ کتابوں میں ہر چیز قابل اعتراض ہی اعتراض نظر آتی ہے اس بندہ خدا سے کوئی پوچھے بھلا اس میں کونسی اعتراض والی بات ہے؟ اس پیرایہ میں صرف عورت پر شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری کی اہمیت ظاہر کرنا مقصود ہے۔ وبس۔ جس طرح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر غیر خدا کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں (اصول کافی وغیرہ)

اے کاش۔ دوسروں پہ اعتراض کرنے سے پہلے وہ اپنی کتابوں میں زن و شوہر کے باہمی حقوق کا مطالعہ ہی کر لیتے! سب مذاہب میں یہی حکم ہے کہ اگر مرد جماع کی خواہش کرے تو بغیر عذر شرعی عورت کو امتناع کا کوئی حق نہیں ہے یہ صرف مؤلف کی ہٹ دھرمی ہے ورنہ اس میں کوئی بے شرمی نہیں ہے۔

آنجا کہ عیاں است چہ حاجت بیاں است؟

تیسواں مسئلہ | لڑکے کو ختنہ تو سب لوگ کیا کرتے ہیں شیعہ مذہب کی رو سے لڑکیوں کو بھی ختنہ کرنا چاہیئے فروع کافی ج ۲ ص۱۷ میں ہے ــــــ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا ختنہ لڑکوں میں سنت ہے اور عورتوں میں باعث فضیلت! ایسا ہی حق الیقین اردو ص۲۷ میں ہے ــــــ واہ چہ خوش؟ (آفتاب ص۲۰۲)

الجواب اگر مؤلف میں ذرہ بھر بھی انصاف ہوتا یا پھر بھی شرم و حیا ہوتی تو ایسی چیز کی وجہ سے ہرگز شیعوں کو مطعون نہ کرتے جو خود ان کے مذہب میں بھی موجود ہے۔ بعینہٖ یہی فتویٰ کتب اہلسنت میں موجود ہے۔ ہدایہ ج ۱ ص۲۸ طبع یوسفی لکھنؤ سطر ۱۰ پر حدیث "اذا التقی الختانان وغابت الحشفة وجب الغسل" موجود ہے (یعنی جب دونوں ختنے کے مقام مل جائیں اور سرِ ذکر اندام نہانی میں غائب ہو جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے) اس پر علامہ عبدالحی لکھنوی حاشیہ ص۲۸ پر فتح القدیر کے حوالہ سے "ختان" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں "الختان موضع القطع من الذکر والفرج وهو سنة للرجل ومکرمة للنساء اذ جماع المختونة الذ" یعنی ختان مرد کے ذکر اور عورت کی فرج کے اس مقام کو کہتے ہیں جسے ختنہ میں قطع کیا جاتا ہے۔ یہ ختنہ مرد کے لئے سنت اور عورت کے لئے فضیلت ہے" اور ختنہ شدہ عورت سے ہمبستری کرنا ذوق سے تعلق رکھتا ہے"۔ یہ آخری جملہ اگر ہماری کسی کتاب میں ہوتا تو مؤلف زمین و آسمان سر پہ اٹھا لیتے اور شور مچاتے۔ کہ یہ حیا کش بات" اور "اسلام سوز بات فلاں کتاب میں موجود ہے" مگر ہم بموجب "اذا مروا باللغو مروا کراما" اس پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتے۔ بہرحال اتنا تو واضح ہو گیا کہ یہ مسئلہ دوسروں کو مطعون کرنے والوں کی کتب میں بھی موجود ہے۔ یہ اور بات ہے کہ آجکل اس پر عمل کسی بھی فریق کا نہیں ہے۔ تو پھر اسے ہوا دینے سے فائدہ؟ ہاں البتہ ؎

دل کو خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

تینتیسواں مسئلہ شیعہ مذہب کی رو سے خصی مرد سے عورتوں کو پردہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فروع کافی ج ۲ ص۲۳ میں ہے

ترجمہ:۔ محمد بن اسماعیل کہتا ہے میں نے امام رضا علیہ السلام سے پوچھا کیا اصیل عورتوں کو خصی مردوں سے پردہ کرنا چاہیئے۔ آپ نے کہا خصی مرد ابوالحسن کی لڑکیوں کے سامنے ہوا کرتے تھے۔ راوی نے کہا کیا وہ اصیل تھے۔ آ۔ کہا نہیں پھر راوی نے کہا کیا اصیل خصی مرد سے پردہ کرنا چاہیئے؟ کہا نہیں (آفتاب ص۱۰۳)

الجواب فروع کافی میں یہ روایت باب الخصیان میں موجود ہے اس باب میں کل تین حدیثیں ہیں پہلی دو حدیثوں میں خصی مرد سے پردہ لازم بتایا گیا ہے اور یہی شیعہ مذہب کا مسلمہ نظریہ ہے مگر اس تیسری روایت سے جواز مترشح ہوتا ہے علامہ مجلسی نے مرآۃ العقول ج ۴ ص۵۱۶ پر اسی حدیث کے تحت لکھا ہے "ویمکن حمله علی التقیة" ممکن ہے اسے تقیہ پر محمول کیا جائے۔ ایسا ہی حضرت شیخ طوسی نے استبصار ج ۲ ص۱۲۴ طبع لکھنؤ میں یہ روایت لکھنے کے بعد افادہ فرمایا ہے

"فالوجہ فی ھذا الخبر ضرب من التقیۃ" پھر فرمایا ہے "والعمل علی الخبر الا ول اولیٰ واحوط فی الدین" یعنی پہلی حدیث (جس میں پردہ کا حکم ہے) پر عمل کرنا ہی احوط و اولیٰ ہے۔

چونتیسواں مسئلہ

جلق (مشت زنی) کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے فروع کافی ج ۲ صکا۲۲ میں ہے ـــــــ ترجمہ۔ امام جعفر صادق ؑ سے دربارۂ جلق۔ دریافت کیا گیا۔ آپ نے کہا اپنے وجود سے فعل کرنا ہے اسے کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ (آفتاب صـ۲۰ـ)

الجواب

مذہب شیعہ خیرالبریہ میں بالاتفاق مشت زنی کرنا فعل حرام اور قابل تعزیر جرم ہے۔ چنانچہ اس باب کی تمام روایات اس فعل کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں جس میں یہ منقولہ بالا روایت موجود ہے (باب الخضخضۃ ونکاح البھیمۃ) پہلی روایت میں اسے "فواحش" سے قرار دیا گیا ہے (جنہیں خدا نے حرام کیا ہے) علامہ مجلسی اس کی شرح میں لکھتے ہیں "ویدل علی تحریم الاستمناء بالید وھو مذھب الاصحاب" یعنی یہ روایت مشت زنی کی حرمت پر دلالت کرتی ہے اور یہی اصحاب شیعہ کا مذہب ہے" (مرآۃ ج ۴ ص۵۱۸) جس پر تمام شیعہ فقہ کی کتابیں شاہد ہیں (بالخصوص ابواب التعزیر) جس حدیث پر معترض نے اعتراض کی بنا رکھی ہے۔ انہوں نے اس کے آخری حصہ کا ترجمہ غلط کیا ہے۔ "لا شئ علیہ" کا مطلب یہ نہیں کہ اس سے کوئی مواخذہ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ "اس پر حد نہیں ہے" اس کی بقدر ضرورت وضاحت کی جاتی ہے شریعت میں جن جرائم پر سزا دی جاتی ہے اُن سزا کی دو قسمیں ہیں (۱) حد (۲) تعزیر۔

حد و تعزیر کا باہمی فرق حد اسے کہا جاتا ہے جو شرعاً مقرر ہو اور اس میں کوئی کمی بیشی نہ کی جا سکتی ہو۔ جیسے زنا اور چوری وغیرہ کی حدود اور تعزیر اسے کہا جاتا ہے جو حاکم شرع کی صوابدید پر منحصر ہو۔ اور حالات کے مطابق اس میں کمی و بیشی کی جا سکتی ہو۔ یہ مشت زنی اس آخری قسم کے جرائم میں داخل ہے چنانچہ ہماری تمام فقہی کتب کے ابواب تعزیرات میں اس جرم اور اس کی تعزیر کا تذکرہ موجود ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے اپنے امام اعظم کی تکسالی فقہ ملاحظہ نہیں کی ورنہ ہم پر یہ اعتراض نہ کرتے۔ وہاں تو صاف لکھا ہے کہ ایسا کرنے سے روزہ بھی باطل نہیں ہوتا چنانچہ فتاوی قاضی خان ج ۱ صـ۹۸ـ میں لکھا ہے۔

وکذا اذا جامع بھیمۃ ولم ینزل او قبلہ ولم ینزل او عالج بیدہ ولم ینزل ـــــــ یعنی جانور یا مردہ سے بدفعلی کرنے یا مشت زنی کرنے سے روزہ باطل نہیں ہوتا بشرطیکہ انزال نہ ہو۔ اس کے بعد ایک تحقیق انیق پیش فرمائی ہے "وھل یباح لہ ان یفعل ذالک فی غیر رمضان ان اراد الشھوۃ

لا يباح وان اراد تسكين الشهوة قالوا ارجوان لا يكون آثما - یعنی اگر کوئی شخص ماہ رمضان کے علاوہ مشت زنی کرنا چاہے تو کیا یہ مباح ہے؟ سو اگر محض حظ نفس کے لئے کرے تب تو مباح نہیں لیکن اگر غلبہ شہوت کی تسکین کی غرض سے ہو تو علماء کہتے ہیں امید ہے کہ گنہگار نہ ہوگا" اسی طرح ج ا صـ۲۲ پر بھی مجرد آدمی کیلئے بغرض تسکین شہوت اس فعل قبیح کو جائز قرار دیا گیا ہے ــــ اور صاحب رد المحتار شرح در المختار طبع مجتبائی دہلی صـ۵۶ نے تو اس جلق کو واجب قرار دیا ہے جب کہ زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔ (ویجب لو خاف الزنا) ــ

ع شکایتوں کے کھلیں گے دفتر ادھر ہمارے ادھر تمہارے

کسقدر افسوس کا مقام ہے کہ جن کے نزدیک جلق" نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے وہ دوسروں کو اس کے جواز کا طعنہ دیتے ہیں!! یا للعجب!

ع شرم ہم کو مگر نہیں آتی ـ؟

پینتیسواں مسئلہ شیعہ کی مستند کتاب فروع کافی ج ۲ صـ۲۵۳ میں ہے۔ جو شخص محرم عورتوں ماں، بہن، بیٹی وغیرہ سے نکاح کر کے جماع کرے اسکو زنا نہیں کہتے۔ بلکہ من وجہ یہ فعل حلال ہے۔ اور من وجہ حرام ہے اسکو سفاح کہیں گے۔ زنا نہیں کہہ سکتے۔ اور اولاد پیدا ہو اس کو اولاد زنا کہنا جائز نہیں ہے۔ جو ایسے مولود کو ولد الزنا کہے وہ قابل سزا ہے مختصر عبارت یوں ہے۔

الـذی تیزوج ــــــــ (یہاں مذکورہ بالا مضمون کی ایک با ترجمہ عبارت نقل کی ہے) ــــــــ اللہ اللہ شیعہ کے مسائل کا کیا کہنا۔ شاعر کہتا ہے

سه یذا زملت الحطا و لیکل شیئ
لعمری انت انه کی الا ذ کیـاء

(آفتاب ہدایت)

الجواب یہ چند جملے" افتمر سکاس ی" کو چھوڑ کر صرف لا تقربوا الصلوٰۃ کے طور پر جس طویل عبارت سے لئے گئے ہیں وہ فروع کافی کے صـ۲۵۱ سے لے کر صـ۲۵۵ تک قریباً ۴ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اس کے متعلق ــــ پہلی گذارش تو یہ ہے کہ یہ کسی امام معصوم کا کلام نہیں بلکہ یونس بن عبدالرحمن (راوی) کا کلام ہے وکلام غیر المعصوم لیس بحجۃ۔

دوسری بات یہ کہ یہ کلام اسقدر پیچیدہ ہے اور الجھا ہوا ہے کہ اس سے کوئی صحیح مفہوم

اغذ کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ چنانچہ علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ لا یخفیٰ ما فیہ الیٰ اخر الباب من الخبط والاضطراب "یعنی اس کلام میں آخر تک جو جو کچھ خبط و اضطراب پایا جاتا ہے وہ مخفی نہیں ہے" (مراۃ ج ۳ ص ۵۲۸)

تیسری بات یہ کہ وہ عبارت جو یہاں پیش کی گئی ہے اس پر یہی شعر صادق آتا ہے کہ

کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا
بھان متی نے کنبہ جوڑا

کوئی جملہ کسی مقام سے لیا گیا ہے اور کوئی فقرہ کسی جگہ سے۔ اگر یہی طرز استدلال اختیار کیا جائے اور اسطرح کسی عبارت کو توڑ مروڑ کے پیش کیا جائے تو اچھے خاصے کلام کا حلیہ بگڑ جاتا ہے چہ جائیکہ جو کلام پہلے ہی الجھا ہوا ہو۔ یہ امر سراسر دین و دیانت کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ بلکہ یہ ایسا کرنے والے کے بے دین اور بے حیا ہونے کی غمازی کرتا ہے۔

اور چوتھی اور آخری بات یہ ہے کہ جو کچھ جناب یونس نے اس طویل و عریض کلام میں بیان کیا ہے۔ اس کا ماحصل اور جامع خلاصہ یہ ہے کہ وہ "سفاح" اور "زنا" میں فرق بتلانا چاہتے ہیں کہ زنا وہ ہے کہ جس میں سراسر ہر پہلو حرام ہو اور حلال والا کوئی پہلو نہ ہو۔ جیسے بلا نکاح کسی عورت سے حرام کاری کی جائے اور سفاح وہ ہے۔ جس میں کسی حلال پہلو کی بھی آمیزش ہو۔ جیسے محارم سے نکاح کر کے مقاربت کی جائے (العیاذ باللہ) یہ نکاح اگرچہ بے محل ہے لیکن نکاح ہونے کے اعتبار سے تو حلال ہے۔ اس کی انہوں نے ایک اور مثال سے بھی وضاحت کی ہے۔ کہ ایک آدمی ایک درہم چوری کر کے کسی ناجائز کام میں صرف کرتا ہے۔ کہ اس میں حلال کا کوئی پہلو نہیں۔ دوسرا آدمی چوری کر کے اسے غریبوں پر تقسیم کر دیتا ہے۔ یہ صدقہ اگرچہ مقبول نہیں تاہم اس میں حلت کا ایک پہلو تو موجود ہے۔

اور ان کا یہ روئے سخن صرف اہل اسلام کی طرف نہیں بلکہ یہود و نصاریٰ بلکہ مجوسیوں کی طرف بھی ہے (جو محارم سے نکاح کیا کرتے ہیں) چنانچہ اسکی وضاحت اسی عبارت کے اندر موجود ہے۔ "ان کل قوم دانوا بشیئ یلزمهم حکمه" (فنکاحهم نکاح صحیح عندهم) یعنی ان سب کا نکاح ان کے [redacted] کے مطابق صحیح ہے (اگرچہ ماں اور بہن وغیرہ محارم سے ہی کیوں نہ ہو) اس کے بعد لکھا ہے کہ اس نکاح سے جو اولاد پیدا ہو گی وہ حلال زادہ متصور ہوگی۔ اس کو اولاد زنا کہنے والوں پر حد جاری کی جائے گی۔ کیونکہ یہ اولاد جس نکاح سے متولد ہوتی ہے وہ اگرچہ اسلامی نقطۂ نظر سے فاسد ہے۔ مگر ان لوگوں کی نظر میں تو جائز ہے اور یہ مسلمہ قانون ہے کہ لکل قوم نکاح ——— اس سلئے وہ حلال زادہ متصور ہوگی۔ اور اگر ایسا کرنے والا اہل اسلام سے ہے تو اس کے ساتھ یہ قید مذکور ہے کہ اولاد

حلال زادہ اس صورت میں متصور ہو گی کہ اس نے یہ فعل خطاءً، تاویلاً، تقلیداً یا جہالۃً کیا ہو، نابریں وطی بالشبہ ہونے کی وجہ سے اولاد حلال متصور ہو گی اس تشریح کے بعد یہ عبارت بے غبار ہو جاتی ہے اور ہر قسم کے اجمال و اشکال کے بادل چھٹ جاتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ واضح کر دینا بھی بے جا نہیں ہوگا کہ کیا معترض نے اپنے امام اعظم صاحب کے مثالی ٹکسالی فقہ کا بھی ملاحظہ کیا ہے؟ وہاں تو بصراحت موجود ہے کہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر بھی ماں، بیٹی، بہن، خالہ اور پھوپھی وغیرہ محارم یا شوہر دار عورت کے ساتھ نکاح کر کے جماع کرے۔ (معاذ اللہ) تو ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر کوئی حد نہیں ہے — اصل عربی عبارت ملاحظہ فرمائیں" او تزوج بذات رحم محرم نحو البنت والاخت والعمۃ والخالۃ وجامعھا لاحد علیہ فی قول ابی حنیفۃ وان قال علمت انھا علی حرام عند ابی حنیفۃ (فتاوی قاضی خان ج ۴ ص ۴۷۵) نیز اسی کتاب کے اسی صفحہ پر مذکور ہے ولا حد علی من وطی جاریۃ ولدہ و ولد ولدہ وان قال علمت انھا علی حرام او تزوج امراۃ لھا زوج فوطئھا لا حد علیہ عند ابی حنیفۃ وان لم یدع الحل" بعد ازیں حل طلب مسئلہ صرف یہ ہے کہ اگر اسی فقہ حنفی پر احکام اسلام کی بنیاد رکھی جائے تو پھر اسلام اور مجوسیت میں فرق کیا رہ جائے گا؟ اہلسنت میں کوئی رجل رشید ہے جو اس عقدہ کو حل کرے؟؟ اور یہ ہے آل رسول کے دامن کو چھوڑنے کا نتیجہ کہ اسلام کے ڈانڈے مجوسیت سے ملائے جا رہے ہیں ؎

فلیبک علی الاسلام من کان باکیا

چھتیسواں مسئلہ

شیعہ مذہب کے نزدیک سنی مسلمان کتے اور ولد الزنا سے بھی بدتر ہے۔ فروع کافی ج ۱ ص ۳ پر ہے — ترجمہ۔ امام جعفر صادق علیہ نے فرمایا ایسے کنوئیں کے پانی سے مت نہاؤ جس میں حمام کا مستعمل پانی پڑتا ہے۔ کیونکہ اسمیں ولد الزنا کے بدن کا پانی بھی گرا ہوا ہوتا ہے۔ اور ولد الزنا سات پشت تک پاک نہیں ہو سکتا اور اس میں ناصبی (سنی) کے بدن سے گرا ہوا پانی ہوتا ہے اور وہ ناصبی (سنی) ولد الزنا اور کتے سے بھی بدتر ہوتا ہے" دیکھو شیعہ صاحبان سنیوں کو کتے سے اور ولد الزنا سے بھی برا سمجھتے ہیں۔ پھر اگر سنی ان سے برتاؤ کریں تو ان سے بڑھ کر کون بے غیرت ہو سکتا ہے؟ (آفتاب ص ۲۵۶)

؎ بارہا گفتہ ام و بار دگر می گویم

الجواب

مذہب شیعہ ہر اس شخص کو جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا قائل

ہے (جب تک ضروریات دین میں سے کسی چیز کا منکر نہ ہو) مسلمان سمجھتے ہیں اس لئے وہ سنی برادری کو جو محبتِ اہلبیتؓ کا دم بھرتے ہیں اپنا دینی و اسلامی بھائی سمجھتے ہیں۔ ناصبی سے مراد وہ شخص ہے جو اہلبیت رسالت سے عداوت و بغض رکھے ہماری فقہی کتب کی کتاب الطہارت باب نجاسات اس پر شاہد عادل موجود ہے کہ مسلمان، ناصبی، خارجی اور غالی کے عنوان الگ الگ ہیں۔ ناصبی و خارجی (اہلبیت سے عداوت و دشمنی رکھنے والے) اور غال (اہلبیت کو مرتبہ الوہیت تک پہنچانے والے) ہر دو گروہ کو کافر و نجس اور باقی تمام فرقِ اسلامیہ کو مسلمان اور پاک لکھا ہے۔ ملاحظہ شرائع الاسلام، تحریر الاحکام، قواعد الاحکام، اور عروۃ الوثقیٰ وغیرہ تمام فقہی کتابیں دیکھی جا سکتی ہیں۔ ... جو ... سے عداوت اہلبیت کے مزمن مرض میں مبتلا ہیں تو وہ اپنے آئینہ میں دیکھتے ہوئے تمام اہلسنت کو کیوں دشمن اہلبیت سمجھتے ہیں؟ اور ناصبی کا ترجمہ "سنی" کیوں کرتے ہیں؟

ویسے یہ درست ہے کہ الٹنے اور لڑانے کے فن میں ملاں لوگ بڑے مشاق و ماہر ہوتے ہیں کیونکہ

دین کا فر فکر و تدبیر جہاد
دین ملا فی سبیل اللہ فساد

ایسے مفسدین کو معلوم ہونا چاہئے کہ سنی و شیعہ کو باہم لڑانا اور نفرت کی خلیج کو وسیع و وسیع تر کرنا۔ قوم و ملت کی کوئی خدمت نہیں ہے۔ بلکہ بدترین جرم ہے (الفتنۃ اشد من القتل) اور

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا

افسوس جب قوم کے نام نہاد راہبروں کا یہ عالم ہو تو پھر عوام کا (جو پہلے ہی کالانعام ہوتے ہیں) خدا ہی حافظ ہے تو وہ یہی کہیں گے کہ

ما مریداں رو بسوئے قبلہ چوں آریم چوں
رو بسوئے خانہ خمار دارد پیر ما

سینتیسواں مسئلہ شیعہ کے عقیدہ کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابِ ثلاثہ و ازواج پر لعنت و تبرا داخل ثواب ہے۔ چنانچہ بحوالہ تحفۃ العوام لکھا جا چکا ہے۔ اور نیز حق الیقین ص۵۱۹ میں ہے "اور ہمارا اعتقاد اس برأت (تبرا) میں یہ ہے کہ بیزاری طلب کرنا چاہیئے چاروں بتوں سے یعنی ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ و معاویہ اور چار عورتوں سے یعنی عائشہ، حفصہ، ہندہ، ام الحکم سے اور ان کے تمام اتباع و اشیاع سے"۔ دیکھو شیعہ ہمارے بزرگان دین اصحاب ثلاثہ کو بت قرار دیتے

ہیں۔ انکو اور امہات المومنین ازواج رسول کو لعنت و تبرا دینا واجب سمجھتے ہیں۔
——— پھر اگر ہم ایسوں کو کافر کہیں تو پھر متعصب اور اتفاق میں خلل سمجھا جاتا ہے۔ ع

ہم آہ بھی جو کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

(آفتاب ہدایت ص۲۰۰)

الجواب اس مسئلہ میں پھر مؤلف نے اپنی پرانی عقربی عادت کا اعادہ کرتے ہوئے "الفتنۃ اشد من القتل" کے سنگین جرم کا ارتکاب کیا ہے! شیعہ اصحاب ثلاثہ کو یا بعض ازواج رسول کو کیا اور کیسا سمجھتے ہیں؟ اور کیوں سمجھتے ہیں؟ اور یہ کہ لعنت و تبرا کوئی گالی گلوچ نہیں۔ بلکہ صرف رحمت خدا سے دوری کی بددعا اور ان سے اپنی علیحدگی کے اظہار کا دوسرا نام ہے۔ اور یہ کہ تولا و تبرا ذو فطری امور ہیں۔ اچھے سے دوستی اور برے سے علیحدگی اختیار کرنا سنت انبیاء و مرسلین اور تقاضائے عقل سلیم کے عین مطابق ہے۔ اور ہر ایک کو یکساں و برابر سمجھنا عقل و خرد پر اس سے بڑھ کر کوئی ظلم و ستم نہیں ہے۔
الغرض ان تمام امور پر ابتدائے کتاب میں جہاں مؤلف نے فضائل صحابہ کی آیات درج کی ہیں۔ ہم پوری تفصیل و وضاحت کے ساتھ تبصرہ کر چکے ہیں ہم ان مباحث کا بار بار تکرار کرکے کتاب کے حجم کو (جو پہلے بھی غیر معمولی طور پر بڑھتا جا رہا ہے) نہیں بڑھانا چاہتے صرف مؤلف اور ان کے ہمنواؤں کی خدمت میں اتنا عرض کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ان لوگوں (معاویہ وغیرہ) پر جنھوں نے حضرت امیرالمومنین علی پر اسلامی منابر و مساجد میں کم و بیش نوے برس تک برابر سب و شتم کرایا (سیرۃ النبی جلد ا ص۲۹) غیظ و غضب نہیں فرماتے۔ اور اگر ایسے، ستمگر، ستم کیش لوگوں سے مظلوم شیعہ صرف برأت (علیحدگی) بھی اختیار کرلیں۔ تو فوراً ان کی رگ حمیت پھڑکنے لگتی ہے۔ یہ شعر پڑھنے کا حق تو ہمیں حاصل ہے کہ

ہم آہ بھی جو کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

معلوم ہوتا ہے کہ

ع۔ گھٹ کے مرجاؤں یہ مرضی میرے صیاد کی ہے

مگر ایسا نہیں ہوسکتا دین فطرت مظلوم کو داد و فریاد کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ لا یحب اللہ الجھر بالسوء من القول الا من ظلم۔ فتدبر

؎ دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں؟
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں؟

اڑتیسواں مسئلہ شیعہ کے نزدیک ان ائمہ اہلبیت پر بھی لعنت و تبرا بھیجنا واجب ہے۔ جنہوں نے دعوائے امامت کیا چنانچہ

حق الیقین صفحہ ۶۴۳ میں لکھا ہے "ثلاثہ دشمنان اہلبیت اور معاویہ و یزید دیگر مخالفین اہلبیت سے بیزاری واجب ہے۔ کیونکہ انہوں نے خلافت کا جھوٹا دعوےٰ کیا بلکہ خلفائے اسماعیلیہ اور زیدیہ سے بھی بیزاری واجب ہے کیونکہ انہوں نے امامت کا جھوٹا دعوےٰ کیا"۔ ——— ہمارے تو رہے۔ شیعیان علی کے دست ستم سے اولاد علی بھی نہ بچ سکی اور ثلاثہ تو کس شمار میں ہیں ——— (آفتاب صفحہ ۲۰۵)

الجواب اگر مؤلف میں عدل و انصاف کا کچھ بھی رمق باقی ہوتا تو وہ بجائے اعتراض کرنے کے الٹا شیعیان علی پر داد و تحسین کے ڈونگرے برساتے کہ وہ (شیعہ) شخصیت پرست نہیں۔ بلکہ اصول پرست ہیں ان کا ایک اصول ہے (جو قرآن کریم، فرمان سید المرسلین اور عقل سلیم سے ماخوذ ہے) کہ امامت و خلافت علیؑ و اولاد علیؑ (از حسنؑ تا مہدی علیہم السلام) کا حق ہے۔ اس حق کو جو بھی ان ذوات مقدسہ سے چھیننے کی کوشش کرے گا وہ اسے باطل کا علمبردار سمجھیں گے۔ اور اس سے برأت ظاہر کریں گے۔ اگرچہ علوی و فاطمی ہی کیوں نہ ہو۔ اور جو ان کی اتباع و اقتدا کرے گا وہ اسے اپنا سردار اور اپنے تئیں اس کا کفش بردار تصور کریں گے اگرچہ وہ فارس و حبشہ کا رہنے والا غلام ہی کیوں نہ ہو ——— الغرض شیعیان علی کی محبت ہو یا عداوت وہ محض للہ و فی اللہ ہوتی ہے اس میں کسی قسم کے ذاتی بغض و عناد یا شخصی مطلب و مفاد کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ مگر اس کا کیا علاج کہ ...

؎ اذا عددت مفاخری التی افتخرت بها
فیوماً فقل بالله کیف اعتذر

انتالیسواں مسئلہ شیعہ کی معتبر کتاب فروع کافی ج ۴ کتاب الروضہ صفحہ ۱۱۱ میں ہے حضرت امام زین العابدینؑ نے یزید کی بیعت کی ——— ترجمہ پھر یزید نے امام زین العابدین کے پاس آدمی بھیجا اور ان کو وہی بات کہی جو قریشی مرد کے ساتھ کہی تھی۔ امام نے کہا یہ تو بتاؤ کہ میں (تمہارا

بیعت کا) اقرار نہ کروں۔ تو مجھے قتل کر دے گا۔ جیسا کہ کل قریشی قتل کر دیا گیا ہے یزید نے کہا ہاں! ایسا ہی ہوگا۔ امام زین العابدینؓ نے کہا میں تیری خلافت کو تسلیم کرتا ہوں۔ میں تو تمہارا مجبور غلام ہوں خواہ مجھے اپنے پاس رکھو یا فروخت کر دو یزید نے کہا تو نے اچھا کیا ہے۔ اپنی جان بچا لی ہے۔ اور تیری شان میں کمی نہیں ہوئی"۔۔۔۔

غور کرو۔ شیعہ کہا کرتے ہیں کہ اہل السنۃ والجماعت یزید کو خلیفہ مانتے ہیں۔ اہل سنت تو اس فاسق کو کبھی خلیفہ تسلیم نہیں کرتے لیکن شیعہ امام زین العابدینؓ کی بیعت کے قائل ہیں بھلا یہ کس طرح مانا جا سکتا ہے کہ ایک قریشی تو اس ملعون کی بیعت کرنے پر موت کو ترجیح دے اور امام سجاد زین العابدینؓ جو اس عالی مقام کے فرزند تھے۔ جنھوں نے صرف بیعت نہ کرنے کی وجہ سے اپنی اور اہلبیت کی جان قربان کر دی۔ ان سے یزید کی غلامی کا اقرار اپنی اکیلی جان کی خاطر کب متصور ہو سکتا تھا۔۔۔۔

ان ھذا لبھتان عظیم (آفتاب ص۱۱)

الجواب یہ قصہ قانونِ روایت و درایت ہر دو کے اعتبار سے بے اصل و بے بنیاد ہے۔ روایۃً اس طرح کہ اس بیعت والی روایت میں یوں وارد ہے کہ شہادت امام حسینؓ کے بعد یزید مدینہ گیا اور وہاں یہ واقعہ پیش آیا۔ حالانکہ ارباب تاریخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شہادت امام کے بعد (بلکہ مسندِ اقتدار پر بیٹھنے کے بعد) یزید پلید مدینہ طیبہ کبھی گیا ہی نہیں چنانچہ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے اسی بنا پر اس قصہ کو رد کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں "ھذا غریب اذ المعروف بین اہل السیر ان ھذا الملعون بعد الخلافۃ لم یأت المدینۃ" یعنی یہ قصہ غریب (انوکھا) ہے۔ کیونکہ اہل سیر و تواریخ میں مشہور یہ ہے کہ یہ ملعون اپنی خلافت و حکومت کے دور میں مدینہ گیا ہی نہیں" اس طرح اس قضیہ نامرضیہ کی پوری دیوار ہی گر جاتی ہے۔ اور درایۃً اس طرح جس طرح خود مؤلف نے بیان کیا ہے کہ جس امام زین العابدینؓ کے عظیم والد نے یزید کی بیعت کا انکار کر کے اپنے اصحابؓ احباب مروا دیے، بھائی کٹوا دیئے۔ بیٹے ذبح کرا دیئے۔ اور مخدرات عصمت و طہارت کی چادریں قربان کر دیں کیا اس عظیم باپ کا وہ عظیم بیٹا صرف اپنی جان کی خاطر اسی یزید کی بیعت کرے اور وہ بھی اس حد تک گر کر جس طرح روایت میں ہے؟

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است؟

بعلاوہ زین العابدینؓ جن کا فرمان مشہور ہے کہ ان القتل لنا عادۃ والشہادۃ لنا کرامۃ" کہ قتل ہونا

ہماری عبادت اور شہادت ہمارے لئے باعث کرامت و سعادت ہے۔ (تاریخ طبری و کامل وغیرہ)

> چہ خوش رسمے بنا کردند بخاک و خون غلطیدن
> خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

علاوہ بریں یزید لاکھ ملحد و بے دین اور کافر و زندیق سہی مگر دنیوی اعتبار سے اتنا احمق تو نہیں تھا کہ وہ امام حسینؑ کے صاحبزادے سے بیعت کا تقاضا کرتا اس میں یہ جرأت کیسے ہو سکتی تھی؟ کیا اب اس کو عین الیقین نہیں ہو چکا تھا۔ کہ یہ وہ خاندان ہے۔ جو کٹ تو سکتا ہے مگر باطل کے سامنے جھک نہیں سکتا اور حقیقت تو یہ ہے کہ امام حسینؑ نے اپنی عدیم المثال قربانی پیش کر کے آئندہ کیلئے اس خانوادہ عصمت و طہارت سے بیعت کا تقاضا کرنے کا دروازہ ہی ہمیشہ کیلئے بند کر دیا

> واللہ کہ اے حسینؑ کار سے کردی

——— باقی رہا مؤلف کا یزید کی خلافت کا انکار کہ وہ اسے خلیفہ نہیں سمجھتے۔ وہ ہزار بار انکار کریں مگر وہ اس داغ کو مٹا نہیں سکتے کہ اہل سنت کی تمام کتب عقائد وغیرہ میں یزید کو چھٹا خلیفہ لکھا ہے۔ جسے شک ہے وہ مندرجہ ذیل کتابوں کی طرف رجوع کرے۔

(۱) شرح فقہ اکبر ص۸۳ طبع دہلی (۲) تاریخ الخلفاء سیوطی ص۱ طبع مصر جدید (۳) سیرۃ النبی و شبلی و سید سلیمان ندوی ج ۳ ص۸۲ وغیرہا۔ اور اب تو اہلسنت کے بعض قلم کار کھلم کھلا یزید کی نہ صرف خلافت پر بلکہ اسکے خلیفہ راشد ہونے پر مستقل کتابیں لکھ رہے ہیں اس سلسلہ میں رسوائے زمانہ کتاب "خلافت معاویہ و یزید" اور "خلافت رشید ابن رشید" خاص طور پر قابل دید ہیں۔ ناظرین خود اندازہ نہیں کوئی مانند ہا سب اہل گلستان جاں مگر ——— کہ اہلسنت کے بارہ خلفاء کی اس وقت تک تعداد مکمل نہیں ہو سکتی جب تک یزید کو چھٹا خلیفہ تسلیم نہ کریں۔ ان فی ذلک لآیات لقوم یعقلون

چالیسواں مسئلہ

——— تمام مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ہر مسلمان پر فرض ہے۔ جس کی ادائیگی پر وہ خود مجبور ہے۔ لیکن شیعہ کا عقیدہ ہے کہ بعض شیعہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا فریضہ ادا کریں۔ تو بعض نہ کرنے والوں کی تلافی ہو جاتی ہے۔ گویا یہ سب امور فرض عین نہیں بلکہ فرض کفایہ ہیں اصول کافی ص۵۸۵ میں ہے ——— ترجمہ "امام صادقؑ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہمارے نماز پڑھنے والے شیعوں کے طفیل بے نمازوں کو بچا لیتا ہے اور اگر ہمارے سارے شیعہ بے نماز ہو جائیں تو سب ہلاک ہو جائیں۔ اسی طرح زکوٰۃ دینے

سارے شیعوں اور حج کرنے والوں کے طفیل" زکوٰۃ نہ دینے اور حج نہ کرنے والے شیعہ بچ جاتے ہیں ورنہ سب ہلاک ہو جائیں یہی مفہوم ہے اس آیت کا کہ اگر خدا بعض لوگوں کے طفیل بعض کی مدافعت نہ کرے تو زمین تباہ ہو جائے بخدا یہ صرف شیعوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اس سے غیر بالکل مراد نہیں ہیں"۔۔۔ پھر تمام شیعوں کو کیا پڑی ہے کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی اعمالی تکلیف کریں ۔۔۔ ۔۔۔ شیعہ صاحبان کیلئے بہت سے دیگر اعمال ایسے موجود ہیں جن کی بدولت بے تعداد فرشتے پیدا ہو جاتے ہیں ۔۔۔ جیسے نعرہ لگانا ۔۔۔ یہ بھی کتب شیعہ میں لکھا ہے کہ اگرچہ بنائے اسلام پانچ ہیں۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ولایت۔ سب سے فضیلت ولایت کو ہے ۔۔۔ نیز جناب امیر علیہ السلام کی ولایت کے قائل ہو جانے سے شیعہ صاحبان داخل جنت ہو سکتے ہیں۔ بالخصوص جب سال بھر میں ایک دفعہ غم حسین میں سینہ کوبی کریں۔ پھر نماز، روزہ ۔۔۔ ایسی صعوبات میں پڑنے کی انہیں کیا ضرورت ہے (آفتاب صفحہ ۲۰۶)

الجواب

سبحان اللہ ہذا بہتان عظیم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف یہ عہد کر کے کتاب لکھنے بیٹھے تھے کہ ان کے ترکش کذب و افترا میں جس قدر تیر ہیں وہ سب ختم کر کے ہی دم لیں گے۔ وہ یہ بھول گئے ہیں کہ

قریب ہے یار روز محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

ان فرائض شرعیہ کی اہمیت اور بجا آوری کی جس قدر تاکید امام المتقین اور زین العابدین جیسے ائمہ طاہرین کے نام لیواؤں کے مذہب میں کی گئی ہے۔ دوسرے اسلامی فرقوں میں اس کی مثال نہیں مل سکتی ۔۔۔ کیا مندرجہ ذیل ارشادات معصومین شیعہ کتب احادیث مثل اصول و فروع کافی، وسائل الشیعہ، لئالی الاخبار بحار الانوار وغیرہ میں موجود نہیں۔؟

۱۔ الصلوٰۃ عماد الدین نماز دین کا ستون ہے۔

۲۔ من ترک الصلوٰۃ فقد کفر۔ جو جان بوجھ کر نماز ترک کرے وہ کافر ہو جاتا ہے۔

۳۔ اول ما یسئل یوم القیامۃ من الصلوٰۃ فان قبلت قبل ما سواھا وان ردت رد ما سواھا۔ قیامت کے دن (عقائد کے بعد) سب سے پہلے نماز کی پرسش ہوگی۔ اگر نماز قبول ہو گئی تو

باقی سارے اعمال قبول ہو جائیں گے۔ اور اگر نماز مسترد ہو گئی تو تمام اعمال رد کر دیئے جائیں گے۔ یہاں تک ائمہ اہل بیتؑ کا ارشاد موجود ہے کہ۔ لا ینال شفاعتنا من استخف بصلوتہ۔ جو شخص نماز کو خفیف سمجھے تو اسے ہماری شفاعت نصیب نہیں ہوگی ——— اسی طرح زکوٰۃ سے متعلق وارد ہے من منع قیراطا من الزکوٰۃ فلیس بمومن ولا مسلم ولا کرامۃ۔ جو آدمی قیراط (بمقدار ۱۲ عدد جو) بھی زکوٰۃ واجب ادا نہیں کرتا۔ وہ نہ مومن ہے اور نہ مسلمان اور نہ ہی اس کی کوئی قدر و منزلت ہے۔ اور حج کے متعلق ارشاد رسالت ہے جس شخص پر حج واجب ہو اور وہ جان بوجھ کر اسے ادا نہ کرے۔ اس کی موت اسلام پر نہیں ہو گی (من لا یحضرہ الفقیہ) الی غیر ذالک من الاحادیث الکثیرۃ الواردۃ فی ھذا المضمار۔ اگر مؤلف کچھ بھی عقل و انصاف سے کام لیتے تو خود اسی اپنی پیش کردہ روایت کو ان فرائض کی اہمیت کی بڑی دلیل قرار دیتے معصوم فرماتے ہیں کہ نماز نہ پڑھنا روزہ نہ رکھنا، زکوٰۃ نہ دینا، حج ترک کرنا وہ سنگین جرائم ہیں کہ ان کی وجہ سے آدمی عذاب آخرت سے پہلے دنیوی عذاب کا سزاوار ہو جاتا ہے۔ لیکن خدا کا خاص رحم و کرم ہے کہ بعض کے ان فرائض کو انجام دینے سے وہ عذاب سب سے ٹل جاتا ہے۔ لیکن اگر سب ان فرائض کو ترک کر دیتے تو ضرور سب عذاب الٰہی کی لپیٹ میں آجاتے ——— اس سے یہ کہاں سمجھا جاتا ہے کہ بعض کے نماز روزہ ادا کر دینے سے دوسروں سے ان کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے؟ اور سب کی اخروی نجات بھی ہو جاتی ہے؟ یہ ارشاد امامؑ بالکل ایسا ہی ہے جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لولا شیوخ رکع واطفال رضع لصب علیکم العذاب صبا یعنی اگر اولاد بنی آدم کے گناہ اس قدر بڑھ جاتے ہیں کہ اگر عبادت گزار بوڑھے نہ ہوتے اور چھوٹے بچے دودھ پینے والے نہ ہوتے تو سب پر عذاب نازل ہو جاتے (انوار نعمانیہ) تو کیا ان بوڑھوں کے رکوع و سجود کرنے سے دوسروں سے نماز و روزہ کی شرعی تکلیف ساقط ہو جاتی ہے؟ حاشا و کلا۔ مطلب صرف یہ ہے کہ ان کے نیک اعمال کی برکت سے گنہگاروں سے دنیوی عذاب ٹل جاتا ہے؛ ولیس۔ ولایت اہلبیتؑ اس لئے سب سے افضل ہے کہ اس کے اقرار پر تمام اعمال کی قبولیت کا دارومدار ہے اگر ولایت اہل بیتؑ کا اقرار نہ ہو تو بمطابق ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمر نوح کے برابر نمازیں، کوہ احد کے برابر سونے کے صدقے، ہزار ہا حج وغیرہ سب ضائع و اکارت ہو جائیں گے اور وہ عبادت گزار جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔ (ارجح المطالب ص ۴۸۱ بعنوان مناقب علیؑ)

...... لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ صرف زبانی اقرار ولایت ادا کرنے سے دوسرے فرائض سے چھٹی مل جاتی ہے۔ نہیں بلکہ واجبات کی بجاآوری اور محرمات شرعیہ سے اجتناب کرنے کے بغیر یہ

نجات حاصل ہو ہی نہیں سکتی چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ لا تنال ولایتنا الا بالعمل والورع ہماری ولایت عمل صالح بجا لانے اور محرمات سے اجتناب کرنے کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی (اصول کافی) متعہ کے تمام متعلقہ امور کا مفصل جواب متعہ کے مسئلہ میں دیا جا چکا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ عزاداری حضرت سید الشہداء بہترین عبادت ہے اور بخشش گناہ کا بہترین ذریعہ اور وسیلہ ہے مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس کی بجا آوری سے دوسرے واجبات ساقط ہو جاتے ہیں بلکہ ابھی اوپر واضح کیا جا چکا ہے کہ تمام اعمال کی قبولیت کا دارومدار نماز کی قبولیت پر ہے اور نماز کی قبولیت ولایت اہلبیت پر موقوف ہے۔

ثبتنا اللہ علیہ بالقول الثابت بحقہم

بلکہ عزاداری کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ سید الشہداء کے مقصد شہادت کو اجاگر کیا جائے یعنی شریعت مقدسہ کا احیاء کیا جائے۔ اور لوگوں کو واجبات کی ــــــ بجا آوری اور محرمات سے دامن بچانے کی رغبت دلائی جائے ولنعم ماقیل ؎

افعالِ یزیدی سے مٹ جائیں مظلوم سے پیدا الفت ہو

اس واسطے تیرے وعدے بھر سے اعوال سنائے جاتے ہیں!!

اکتالیسواں مسئلہ

شیعہ حضرات شیخین کو لعنت و تبرا کہنا اتنا بڑا ثواب سمجھتے ہیں کہ ایک دفعہ لعنت کرنے سے سات کروڑ نیکی کا درجہ ملتا۔ اور سات کروڑ گناہ بخشے جاتے ہیں۔ چنانچہ شیعہ کا فخر المحققین مرزا ابوالفضل اسے یوں نقل کرتا ہے دربالجملہ تا آخر ایں بحث را ــــــــــــــــ

ترجمہ: جو شخص جبت و طاغوت (ابوبکر و عمر) کو ایک دفعہ لعنت کرے تو اللہ تعالے اس کو سات کروڑ نیکی کا ثواب دیتا ہے اور سات کروڑ گناہ معاف کرتا ہے اور اس کے سات کروڑ درجے بلند کرتا ہے جو شام ان دونوں پر ایک دفعہ لعنت کرے اسی قدر اس کو ثواب ملتا ہے ــــــــــــــــ (تا آخر روایت) ــــ

جائے غور ہے کہ اللہ تعالیٰ تو بتوں کو بھی برا کہنے سے منع کرے اور جناب باقر علیہ السلام فرمائیں کہ سباب المومن فسوق وقتالہ کفر (یعنی مسلمان کو برا کہنا بڑا جرم ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے)۔

امام معدوم کے متبع لعنت کو ثواب عظیم اور باعث ترقی درجات سمجھتے ہیں۔ اگر یہ

درست ہے تو شیعوں کو نماز روزہ، حج و زکوٰۃ وغیرہ عبادات کی ادائیگی کی ضرورت کیا ہے؟ جب وہ لعنت لعنت کا ورد کر کے پورے لعنتی بن جائیں تو نیکیاں ان کے نامۂ اعمال میں درج ہو جاتی ہیں ——— (آفتاب صفحہ ۲۰۸)

الجواب مؤلف نے اس سلسلہ میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے۔ وہ چند وجوہ مردود ہے۔ اولاً انہوں نے جو روایت پیش کی ہے۔ وہ بے سند اور مرسل ہے۔ جب تک اس کا سلسلہ سند اور رجال سند کی ثقاہت معلوم نہ ہو جائے۔ اس وقت تک اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

ثانیاً اس روایت میں جبت و طاغوت پر لعنت کرنے کا ثواب بیان کیا گیا ہے۔ جو دو بتوں کے نام ہیں اب تو سین ڈال کر اس سے جناب ابو بکر و عمر کو مراد لینا مؤلف کی ذاتی اپچ بلکہ شرارت ہے جو ناقابل اعتماد ہے۔ ورنہ اصل کتب میں ان کا نام مذکور نہیں ہے۔

ثالثاً بموجب ارشاد رب العباد لا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدواً بغیر علم ہم کفار و مشرکین کو بھی سب و شتم کرنا روا نہیں سمجھتے۔ لیکن لعنت (جیسا کہ کئی بار اس کی وضاحت کی جا چکی ہے) سب و شتم نہیں بلکہ صرف ایک قسم کی (رحمت خداوندی سے دوری کی) بددعا ہے ورنہ پھر خدا کو بھی سب و شتم کا مرتکب قرار دینا پڑے گا۔ جو بار بار مختلف قسم کے بدکاروں پر لعنت کرتا ہے۔ اولئک یلعنہم اللہ و یلعنہم اللاعنون۔ حالانکہ وہ کفار و مشرکین کو بھی گالی دینے سے منع کرتا ہے اس سے واضح ہے کہ گالی اور ہے اور لعنت اور چیز۔

رابعاً اس سلسلہ میں امام محمد باقر علیہ السلام کا جو ارشاد بلا حوالہ کتاب پیش کیا گیا ہے۔ اگر اس سے استدلال کرنا ہے۔ تو پہلے اپنے ممدوحین کا ایمان ثابت کرنا پڑے گا۔ کیونکہ امام نے سباب المؤمن فسوق فرمایا ہے۔ علاوہ بریں یہ بھی معلوم ہو کہ سب کا معنی گالی ہے اور لعنت گالی نہیں ہے کما سبق تحقیقہ۔

خامساً اس قسم کی اخروی روایات سے (کہ معمولی عمل کرنے سے بے حساب نیکیاں مل جاتی اور بے شمار برائیاں معاف ہو جاتی ہیں) استدلال کرتے ہوئے اگر بقول مؤلف شیعوں کو چوری۔ زنا۔ شراب خوری حرام کاری کی چھٹی مل جاتی ہے تو پھر ان تمام بد معاشیوں کی اہلسنت کو بھی چھٹی ہے۔ بس صرف لا الہ الا اللہ ایک مرتبہ زبان سے کہہ دیں جنت کا پٹہ ان کے نام ہو جائے گا۔ چنانچہ تفسیر در منثور ج ۲ ص ۱۵۸ میں باسناد احمد ابو ذر سے مرفوعاً مروی ہے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا۔ من قال لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ دخل الجنۃ یعنی جو لا الہ الا اللہ وحدہ کہہ دے وہ جنت میں داخل ہو گا راوی کہتا ہے میں نے تین بار دریافت کیا وان زنیٰ وان سرق۔ اگرچہ وہ زنا اور چوری بھی کرے؟ آپ نے

ہر مرتبہ فرمایا۔ ہاں۔ تیسری بار اکتا کر فرمایا۔ علی رغم انف ابی الدرداء یعنی ابو دردار کی ناک رگڑ کر بھی جنت میں جائے گا۔ ــــــ فرمائیے اس طرح گناہان کبیرہ کے ارتکاب کی کہیں کسی اور مذہب میں بھی کھلی چھٹی دی گئی ہے ؟؟

سادساً۔ اگر موصوف کا امام محمد باقرؑ کے اس فرمان پر ایمان ہے (ایسے آثار کتب اہلسنت میں بھی بکثرت موجود ہیں) تو پھر جن لوگوں نے کم بیش نوّے برس تک برسر منبر نہ صرف مؤمن کامل بلکہ امیر المؤمنین بلکہ کل ایمان پر سب وشتم کیا اور جنہوں نے ان سے جنگ وجدال اور قتل وقتال کیا حتیٰ کہ ان کی شمع حیات گل کر کے اطمینان کا سانس لیا۔ ان کے بارے میں جناب کا فتوےٰ کیا ہے ؟ بینوا توجروا۔ لیکن یہ یاد رکھنا اگر یہاں غلطئ اجتہادی کو سپر بنایا گیا تو پھر شیعہ بھی آپ کے ممدوحین پر لعنت کرنے میں اپنے اجتہاد کا عذر پیش کر سکتے ہیں۔

ـــ ادا سے دیکھ لو جاتا رہے گلہ دل کا
بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

بیالیسواں مسئلہ

شیعہ نہ صرف فاتح روم وفارس خسر بنی و داماد علی (معاذ اللہ) ناقل) حضرت عمرؓ کو ہی معاذ اللہ کافر کہتے ہیں چنانچہ ملا باقر مجلسی اپنی کتاب حیات القلوب میں لکھتا ہے "شکے نیست در کافر بودن عمر ... منافق دانند" پھر اگر ہم غالی شیعہ کو کافر کہیں تو ہمیں کیوں ملامت کی جاتی ہے ـــ

ادم بر سر مطلب

معذرت اتنا لمبا ہو گیا کہ اصل مضمون سے ہم بہت دور جا پڑے ہیں۔ حدیث ثقلین کی بحث ہو رہی تھی ـــ ثقل اکبر قرآن کریم سے شیعہ کے انکار کو نہایت دلائل سے ثابت کیا گیا۔ پھر ثقل اصغر ائمہ اہلبیتؑ کی ہتک وتوہین کی بھی تشریح کر دی گئی ہے اور یہ کہ ائمہ اطہار کے خلاف شیعہ ایسے گندے اور متعفن شرمناک مسائل منسوب کرتے ہیں جو ان کی ہتک عزت وتوہین ہے (آفتاب ہدایت ۲۱)

الجواب

ہم ایک بار نہیں کئی بار اس امر کی وضاحت کر چکے ہیں کہ مذہب شیعہ نہ جناب ابوبکر و عمر و عثمان کو کافر سمجھتا ہے اور نہ ہی ان کے پیروکاروں کو ہاں یہ درست ہے کہ وہ ان کو مؤمن نہیں سمجھتے۔ مگر اہل بصیرت پر مخفی نہیں کہ ایمان و اسلام میں فرق ہے ... ہیں۔ اگر حضرت علامہ مجلسی نے ان کو کافر کہا ہے۔ تو وہ ان کا ذاتی قول ہے اور یعنی اسی کے جواب دہ ہیں۔ ہمارا ان کا تعلق ...

مذہب شیعہ کا کسی طرح بھی عقیدہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اگر مؤلف صاحب کو مسلمانوں کو کافر بنانے کا بہت ہی شوق ہے تو ان کو اس قسم کے بہانے تلاش کرنے کی کیا ضرورت ہے ؟ دکر چونکہ ملاں نے ہمیں کافر کہا ہے اس لئے ہم بھی جواب آں غزل کے طور پر ضرور اسے کافر کہیں گے۔ اگر اس شخص کا یہ فعل آپ کی نظر میں غلط ہے تو آپ کو محسن ضد اور ہٹ میں آکر اس غلط کام کا اعادہ نہیں کرنا چاہیئے) آپ بڑی خوشی سے اپنا یہ شغل جاری رکھیں اس قلمی میدان اگر آپ کے بزرگوں سے ظلم و ستم کرتے ہیں کچھ کمی رہ گئی ہے تو شوق سے آپ اسے پورا فرمائیں ہم آف یں گے۔

؎ تو مشقِ ناز کر خونِ دو عالم میری گردن پر

جہاں تک عمر صاحب کے "طاریہ علی" ہونے والے افسانہ کا تعلق ہے۔ ہم اس کی دھجیاں فضائے آسانی میں بکھیر چکے ہیں۔ جہاں مؤلف نے اس موضوع پر بحث کی ہے اس مقام طرف رجوع کیا جائے ۔۔۔۔۔ اگر آپ نے مضمون کو غیر متعلق بحثوں میں الجھا کر اس قدر لمبا کر دیا ہے کہ اصل مضمون سے دور جا پڑے تو اس میں اور کسی کا کیا قصور یہ صرف حضور کے ر فن تحریر سے عاری ہونے کا نتیجہ ہے ہمیں بھی مجبوراً ساتھ ساتھ چلنا پڑتا ورنہ ہم طبعاً اس انداز تحریر کو ہرگز پسند نہیں کرتے۔ بہر حال جہاں تک قرآن اور عترت کو ماننے یا ان کی تعظیم و تکریم کا تعلق ہے۔ ہم بحمدہٖ تعالیٰ سطور بالا میں ناقابل انکار دلائل و براہین سے سعدہٗ تعالیٰ یہ حقیقت واضح و آشکار کر چکے ہیں کہ اگر کوئی اسلامی فرقہ صحیح معنوں میں دامن قرآن و عترت سے متو ہے اور تعلیمات قرآن کو اپنا ایمان اور ارشادات عترت کو حرز جان سمجھتا ہے تو وہ صرف صرف فرقہ شیعہ ہے ۔ باقی مذاہب کو نہ قرآن سے کوئی تعلق ہے اور نہ عترت رسول سے کوئی سروکار ہے وہ جس طرح قرآن و عترت کو سمجھتے ہیں اور ان کی جو تعظیم و تکریم کرتے ہیں اس کی مکمل وضاحت کر دی گئی ہے اور پورا تنقیح کر دیا گیا ہے کہ ان کے مذاہب کی بنیاد اجتہادات عمر یا فقہ ائمہ اربعہ وغیرہ پر ہے نہ کہ تعلیمات قرآن یا سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے فرمان پر !

اور جن مسائل کو مؤلف نے بزعم خویش گندا اور شرمناک سمجھ کر بیان کیا ہے ہم نے انکے علمی والزامی جوابات شافیہ پیش کر کے ثابت کر دیا ہے کہ اگر یہ مسائل گندے ہیں تو اس سے سوگنا زیادہ گندے مسائل کتب اہلسنت میں موجود ہیں۔ لہذا

؎ ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

نیز حدیث ثقلین حضرت امیر علیہ السلام اور دیگر ائمہ طاہرین کی خلافت و امامت پر جو کھلی ہوئی دلالت کرتی ہے اس کی بھی توضیح و تشریح کر دی گئی ہے والحمد للہ علی وضوح الحق ما لحقیقۃ ان فی

ھذا البلاغ القوم یعقلون ۔ اگر در خانہ کس است یک حرف بس است ہاں البتہ

مرد ناداں پہ کلام نرم و نازک بے اثر

شیعہ کی دلیل پنجم

ایک اور دلیل آیت ذیل سے دی جاتی ہے ــــ قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ میں تم سے اس تبلیغ پر اجر نہیں مانگتا۔ ہاں یہ چاہتا ہوں کہ قرابت کی وجہ سے مجھ سے محبت کرو۔" اس آیت کا شیعہ حضرات یہ معنی کرتے ہیں کہ میں تم سے اور تو کچھ اجر نہیں مانگتا۔ اتنا اجر مانگتا ہوں کہ میرے قریبیوں (اہل بیت) سے دوستی رکھو" اس آیت میں بھی مسئلہ خلافت علی پر کوئی اشارہ تک نہیں پایا جاتا۔ اگر یہی معنی تسلیم کر لیا جائے ــــ تو اہلسنت کو اس سے کب انکار ہو سکتا ہے؟ لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ حضرت علیؓ کو پہلا خلیفہ مان کر اور حضرت علیؓ کو خلیفہ رابع تسلیم کرنے سے بھی محبت ــــ میں کچھ فرق نہیں آتا اور اگر آیت کے وہ معنی کریں جو شیعہ کرتے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ــــ کی شان نبوت پر حرف آتا ہے ــــ دیگر انبیاء کا مقولہ قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے کہ ہم تبلیغ رسالت پہ کچھ اجر نہیں مانگتے تو ختم المرسلین کی نسبت یہ اعتقاد کہ آپ اس پہ اجر طلب کرتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ــــ کی شان اقدس کے منافی ہے نیز یہ دوسری آیت کے منافی ہے ــــ قل ما اسئلکم علیہ من اجر وما انا من المتکلفین (کہہ دے میں تم سے تبلیغ رسالت پہ کسی قسم کا اجر نہیں مانگتا نہ کچھ تکلیف چاہتا ہوں) ــــ اگر آیت کا مفہوم یہ ہو کہ میں تم سے (مثل ترجمہ شیعہ) ــــ جس کا دوسرا معنی یہ ہوگا کہ ان سے مروت و سلوک کرو ان کی مالی رعایت امداد کرتے رہو۔ تو یہ رسالت نہیں بلکہ خود غرضی ہے ــــ علاوہ اس کے قرآن میں اس قسم کے اقوال جو انبیاء کرام کی طرف سے بیان ہوئے ہیں ان سب میں مخاطب قوم کفار ہے پھر ــــ کفار جو کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی رکھتے تھے۔ ــــ آپ ان کو کس طرح کہہ سکتے تھے کہ میرے رشتہ داروں سے محبت و دوستی رکھو۔ نیز آیت میں لفظ القربیٰ واقع ہے ذوی القربیٰ نہیں۔ سو قربیٰ کے معنی رشتہ داری ہے۔ رشتہ دار ــــ نہیں ــــ صحیح معنی ــــ یہی ہے کہ آپ کفار ــــ سے کہہ دیجئے کہ تم میرے ساتھ ناحق دشمنی کرتے ہو میں تم سے تبلیغ رسالت کا کچھ اجر نہیں مانگتا ــــ چونکہ میں تمہارا رشتہ دار بھی ہوں اس لئے بجائے دشمنی کے تم سے محبت و مودت کی مجھے امید ہونی چاہیے ــــ پھر ــــ

مفہوم وہی لیا جائے جو شیعہ کہتے ہیں تو بھی ـــــ اس امر کی تخصیص کہاں ہے کہ وہ حضرت کے قرابت دار یہی چار افراد علیؑ، فاطمہؑ اور حسنینؑ ہی ہیں۔ اس میں توجیح رشتہ دار داخل ہو سکتے ہیں۔ نیز شیعہ کا اس آیت سے استدلال اس لئے بھی صحیح نہیں کہ آیت مکی ہے۔ اس کے نزول کے وقت حسنینؑ ابھی پیدا ہی نہ ہوئے تھے۔ نہ حضرت فاطمہ جناب امیر کی زوجیت میں آئی تھیں۔ (آفتاب صفحہ ۲۱۲)

الجواب

ہمارے فاضل مؤلف نے اس طول اور اپنے خیالات کی طرح الجھی ہوئی پریشاں عبارت کے اندر جو کچھ افادہ فرمایا ہے۔ اس کا خلاصہ دو چیزیں ہیں ایک یہ کہ یہ آیت اہلبیت رسولؐ کے حق میں نازل نہیں ہوئی دوم یہ کہ اس میں خلافت علیؑ پر کوئی اشارہ تک نہیں۔ پھر پہلے دعوے پر بزعم خود چند دلائل پیش کئے ہیں۔

۱۔ یہ اسوۂ انبیاء اور شان ختم المرسلین کے منافی ہے۔
۲۔ ایک دوسری آیت کے خلاف ہے۔
۳۔ اہلبیت سے محبت کا حکم دینے میں خود غرضی پائی جاتی ہے۔
۴۔ خطاب کفار کو ہے ان سے دوستی اہلبیت کا تقاضا کرنا صحیح نہیں۔
۵۔ بنا بر تسلیم ان چار افراد کی تخصیص کی دلیل کیا ہے؟
۶۔ آیت مکی ہے لہذا جناب حسنینؑ اس سے مراد نہیں ہو سکتے۔

یہ ہے ان کے اعتراضات کا جامع خلاصہ پہلے ہم ترتیب وار ان ایرادات کے جوابات پیش کرتے ہیں بعد ازاں اس کی دلالت بر خلافت علیؑ کے متعلق گفتگو کریں گے۔ انشاء اللہ العزیز

(۱) یہ درست ہے کہ انبیاء و مرسلین کی تبلیغ خالصاً لوجہ اللہ ہوتی ہے۔ وہ لوگوں سے کوئی مال و منال یا کوئی اور دنیوی معاوضہ طلب نہیں کرتے اور نہ ہی سرکار ختمی مرتبت نے کوئی ایسا مطالبہ قوم سے کیا ہے۔ لیکن اگر کسی ایسی چیز کا مطالبہ کریں۔ جس میں خود لوگوں کی صلاح و بہبود پوشیدہ ہو (جیسا کہ ہمارے زیر بحث مسئلہ میں ہے) تو اس کے ناجائز ہونے پر کیا دلیل ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ما سألتکم من اجر فهو لکم میں نے تم سے جو اجر مانگا ہے وہ تمہارے ہی فائدہ کے لئے ہے۔ اس آیت سے دو باتیں واضح ہیں۔ ایک یہ کہ آپ نے کچھ اجر مانگا ہے اور دوسرے یہ کہ وہ ذاتی غرض یا مفاد کیلئے نہیں بلکہ قوم کے اچھا فائدہ کیلئے ہے کہ ان کو اپنے بعد ہادی و رہنما کا نشان بتا دیا ہے۔ و بس۔ تاکہ گمراہی سے بچ جائیں۔

(۲) سابقہ بیان سے دوسری آیت کے ساتھ اس آیت کی منافات کا خیال بھی ختم ہو گیا ـــــ اس میں

ہے میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا ——— یعنی کوئی دنیوی مال طلب نہیں کرتا ——— اس آیت میں سبب کہ محبت اہلبیت طلب کر کے فرمایا کہ یہ تمہارے فائدہ کے لئے ہے۔ نہ کہ میرے ذاتی مفاد کے لئے۔ لہٰذا ان میں ہرگز کوئی باہمی اختلاف و تضاد نہیں ہے۔

(۳) اگر اپنے قرابت داروں سے محبت کا حکم دینے میں خود غرضی پائی جاتی ہے۔ تو پھر کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے دشمنی و عداوت رکھنے کا حکم دینا چاہیئے تھا؟ قطع نظر اس آیت مبارکہ سے ——— اپنے قرابت داروں سے محبت کرنا اور یہ خواہش کرنا کہ دوسرے لوگ بھی ان سے اچھا سلوک کریں فطرت سلیمہ کا عین مقتضا ہے تو کیا دین فطرت کے علمبردار کو اس فطری تقاضے سے متنفر سمجھا جا سکتا ہے؟ حاشا وکلا۔

(۴) یہ خطاب کفار کو نہیں بلکہ رسول کے فدائیوں اور اسلام کے شیدائیوں یعنی کلمہ گویان اسلام سے ہے جیسا کہ عنقریب تفاسیر اہلسنت کے حوالہ جات سے واضح و آشکار ہوگا۔ انشاء اللہ

(۵) ان مخصوص افراد کی دلیل ارشاد رسول ہے۔ جو اس آیت کے نزول اور صحابہ کرام کے سوال کے بعد آپ نے فرمایا تھا جیسا کہ ابھی ذیل میں واضح کیا جائے گا۔ انشاء اللہ

(۶) یہ درست ہے کہ یہ آیت مبارکہ سورۂ شوریٰ (پ ۲۵ ع ۴) میں موجود ہے اور اسی سورہ کے سرنامہ پر لکھا ہے "مکیہ"۔ مگر ارباب علم و اطلاع سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ جس طرح موجودہ ترتیب قرآن میں سورتوں کی ترتیب نزول کے مطابق نہیں ہے (بلکہ پہلے مدنی اور پھر مکی موجود ہیں) اسی طرح سورتوں کے تمام آیات کی ترتیب بھی ان کے نزول کے مطابق نہیں ہے۔ بلکہ بعض مکی سورتوں میں کچھ مدنی آیات اور بعض مدنی سورتوں میں کچھ مکی آیات آگئی ہیں۔ جیسا کہ تفسیر در منثور ج ۴ ص ۴۳ میں سورۂ رعد تفسیر کبیر ج ۵ ص ۲۵۸ میں سورۂ رعد، در منثور ج ۴ ص ۶۹ میں سورۂ ابراہیم، تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳ میں سورۂ حج در منثور ج ۵ ص ۸۲ میں سورۂ شعراء اور تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۲۹ میں سورۂ لقمان کے متعلق ایسا اعتراف کیا گیا ہے اور تفسیر ماجدی (اردو) جمع قرآن حصہ اول ص ۲ طبع تاج کمپنی لاہور میں اس کی مکمل تشریح موجود ہے فراجع ——— یہاں بھی یہی صورت حال درپیش ہے کہ گو یہ سورہ مکی ہے۔ مگر اس میں آیت مودۃ اور تین اور آیتیں مدنی ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید مترجم مولانا نذیر احمد دہلوی طبع انوار محمدی لکھنؤ کے ص ۷۲۹ پر اس سورہ کا سرنامہ یوں لکھا ہے۔ "سورۃ الشوریٰ مکیۃ الا قل لا اسئلکم الآیات الاربع ثم زخرف" ——— یعنی یہ سورہ مکی ہے سوائے قل لا اسئلکم علیہ اجراً والی چار آیات کے۔ اس کے بعد سورہ زخرف نازل ہوئی" ——— حقیقت یہ ہے کہ یہ سب قیل و قال حب اہلبیت منصوص قرآنی

یعنی سرکارِ پیغمبرِ اسلام کی بیان کردہ تفسیر سے روگردانی اور تفسیر بالرائے کرنے کا نتیجہ ہے ورنہ اگر مؤلف اپنی کتب تفاسیر کی ورق گردانی کرنے کی معمولی سی بھی زحمت گوارا کر لیتے تو جس ترجمہ کو وہ بار بار شیعوں کا ترجمہ کہہ رہے ہیں اور اس پر اعتراضوں کی بارش کر رہے ہیں۔ ان کو صاف معلوم ہو جاتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس آیت کی یہی تفسیر بیان فرمائی ہے اور یہی ترجمہ درست ہے۔ در اصل ایسے ہی تفسیر بالرائے کرنے والے ملاؤں کے متعلق اقبال نے کہا ہے

ز ما بر صوفی و ملا سلامے ✽ کہ پیغامِ خدا دادند ما را
ولے تاویلِ شاں در حیرت انداخت ✽ خدا و جبرئیل و مصطفیٰ را

مؤلف کی اس تمام تگ و تاز کا مقصد یہ ہے کہ اہلبیتؑ کی ایک مسلم قرآنی فضیلت کو ختم کیا جائے تو ان کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ ؎

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

بلکہ واللہ متم نورہ ولو کرہ المشرکون! ✻

آیتِ مودّہ کا شانِ نزول! مفسرینِ اسلام نے اس آیتِ مبارکہ کا جو شانِ نزول اور اسکی جو تفسیر بیان فرمائی ہے اسکا خلاصہ یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد بعض صحابہ کرام نے باہم بیٹھ کر مشورہ کیا کہ رسولِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری خاطر ناقابلِ برداشت مصائب و آلام برداشت کئے ہیں حتیٰ کہ ان کی برکت سے آج خدا کے فضل نے ہمیں دولتِ دین و دنیا سے مالا مال کر دیا ہے۔ اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حق الخدمت کے طور پر کچھ مال نذر پیش کرنا چاہیئے۔ چنانچہ جب یہ پیشکش بارگاہِ رسالت میں پیش کی گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسبِ معمول وحی ربانی کا انتظار فرمایا چنانچہ اس وقت خدائے حکیم و رحیم نے یہ آیت نازل کی قل لا اسئلکم علیہ اجرا الآیۃ ان مال و زر کی پیشکش کرنے والوں سے کہہ دو کہ میں اس تبلیغِ رسالت کے سلسلہ میں تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ ہاں اگر کچھ چاہتا ہوں تو بس یہ کہ میرے قرابتداروں سے محبت کرو۔" اسوقت بعض صحابہ کرام نے سوال کیا۔ من قرابتک ھؤلاء الذین وجبت علینا محبتھم یا رسول اللہ! یا رسول اللہ آپ کے قرابتدار کون ہیں جن کی محبت ہم پر واجب و لازم قرار دی گئی ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا ھم علی و فاطمۃ و ابناھما۔ "وہ قرابتدار یہ ہیں۔ علیؑ، فاطمہؑ اور انکے دو بیٹے (ملاحظہ ہوں تفاسیرِ اہلسنت، در منثور، تفسیر کشاف تفسیر بیضاوی، تفسیر جامع البیان، تفسیر الخازن، تفسیر المدارک، تفسیر حقانی، تفسیر روح المعانی وغیرہا) انتہی حقائق

✻ **مقامِ تعجب** کس قدر تعجب خیز مقام ہے کہ جن آیاتِ مبارکہ کو مؤلف کے ممدوح خاص صحابہ کی مدح سے دور کا بھی کوئی تعلق و واسطہ نہیں تھا ان کو تو انہوں نے مدح آیات کو ان پر چسپاں کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا ہے (یہ اور بات ہے کہ اہل حق کی ضرب حیدری سے وہ انہیں ثابت کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے) مگر جو آیات باتفاق اہلبیتِ رسالت کی شان میں نازل ہوئی ہیں وہاں وہ قیل و قال، ایں و آں اور
باقی صفحہ ۳۸۷ پر

کی بنا پر تو امام شافعی فرمایا کرتے تھے۔

یا اھل بیت رسول اللہ حبکم ۔ فرض من اللہ فی القرآن انزلہ
کفاکم من عظیم القدر انکم ۔ من لم یصل علیکم لا صلوٰۃ لہ

اے اہلبیت رسول آپ وہ بزرگوار ہیں۔ جن کی محبت خدا نے قرآن میں نازل کرکے ہم پر واجب قرار دی ہے آپکی جلالت قدر کیلئے یہی بات کافی ہے کہ جو شخص نماز میں آپ پر درود نہیں پڑھتا۔ اسکی نماز قبول نہیں ہوتی ——— (صواعق محرقہ ص۸۸ طبع مصر قدیم ——— مخفی نہ رہے کہ القربیٰ قبیل الوقربیٰ مصادر میں سے ہے بمعنی قرابت اور یہاں مضاف (ذوی) محذوف ہے ——— مطلب یہ کہ وہ محبت جو کہ ذوی القربیٰ میں راسخ و مستقر ہو (ملاحظہ ہو تفسیر کشاف زمخشری)

وجہ دلالت برامامت علی

باقی رہا اس آیت کا امامت علیؑ و اولاد علی کی دلیل ہونا تو وہ بدو وجہ ہے اوّل یہ کہ جب یہ ثابت ہو چکا کہ اس آیت مبارکہ میں محبت اہلبیت کو واجب و لازم قرار دیا گیا ہے۔ اور محبت کا وجوب محبوب کے اتباع و اقتدا کے وجوب کو مستلزم ہے کیونکہ ان المحب لمن یحب مطیع اور یہ بات محتاج بیان نہیں کہ جن کی اطاعت مطلقہ واجب ہو ان کے لئے معصوم ہونا ضروری ہوتا ہے (بقدر ضرورت اس بات کی تشریح حدیث ثقلین کے ضمن میں گذر چکی ہے) لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ یہ بزرگوار معصوم ہیں۔ ھٰذا جو معصوم ہوگا۔ وہی معصوم رسول کی مسند کا وارث ہوگا کیونکہ معصوم نبی کا خلیفہ و جانشین بھی معصوم ہی ہو سکتا ہے یا بالفاظ دیگر جس کی اطاعت مطلقہ واجب ہو وہ یا نبی ہوتا ہے یا نبی کا وصی تو یہ بزرگوار نبی تو ہیں نہیں لہٰذا انہیں وصی ماننا پڑے گا۔ وہو المقصود۔

دوم یہ۔ اس آیت مبارکہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہے کہ جن ذوات مقدسہ کی محبت و مودت تمام مسلمانوں پر (بشمول صحابہ کرام) واجب و لازم ہے ———

یہ حضرات باقی ان تمام لوگوں سے افضل ہیں جن پر ان کی مودت لازم ہے تو جب افضل یہ ہیں تو جو افضل الناس بعد النبی ہوگا۔ وہی مسند نبوی کا والی و وارث ہوگا۔ علاوہ بریں صحیح محبت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ محبوب کو سب پر مقدم سمجھا جائے۔ دوسروں کو مقدم کرکے محبوب کو مؤخر کرنا محبت کے ناقص ہونے کی دلیل ہے۔ دعا ہے کہ خداوند عالم تمام مسلمانوں کو سچا محب اہلبیت علیہم السلام بننے کی توفیق مرحمت فرمائے آمین بجاہ النبی والہ الطاہرین ——— مخفی نہ رہے کہ جناب سیدہ دوسرے دلائل کی رو سے سلسلہ امامت سے علیحدہ ہیں۔ ورنہ بیت کا اطلاق تو ان کو بھی شامل ہے۔ فلا تغفل ——— ولا تجحد ولا تکن من المنکرین۔

---

* بعض وجہاں کہ کر اپنی پوری توانائیاں اس بات پر صرف کرتے ہیں کہ ان آیات کا عترت رسولؐ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسے کہتے ہیں عداوت اہلبیت! صد افسوس مؤلف نے جو لاکھ چھپایا راز عداوت نہ ——— چھپ سکی۔ جیسا کہ تنہان کے نا مرآں راستے کہ وہ سازند محفلہا۔

شیعہ کی چھٹی دلیل

شیعہ خلافت بلافصل حضرت علیؓ پر آیت تطہیر سے بھی استدلال کرتے ہیں انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا (ترجمہ) خدا چاہتا ہے کہ اے اہل بیت تم سے رجس (ناپاکی کو دور کر دے اور تم کو پاک کر دے جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے) وجہ استدلال یہ ہے کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل بیت جن میں حضرت علی بھی داخل ہیں معصوم تھے اس لئے وہی امامت کے لائق تھے ـــــ سو اس آیت سے شیعہ کا استدلال ہرگز درست نہیں ـــــ سیاق وسباق آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیت حضور ـــــ کی ازواج مطہرات کی شان میں نازل ہوئی یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ پہلے اور پیچھے ازواج کا تذکرہ ہو اور درمیان میں ایک ٹکڑا اس کے خلاف حضرت علیؓ، فاطمہ، حسنین کے خطابات میں آجائے جو کہ بلاغت کے بالکل خلاف ہے۔

دوم :۔ لفظ اہلبیت ہر ایک زبان میں عورتوں پر اطلاق ہوتا ہے۔ فارسی میں اہل خانہ عورت کو کہتے ہیں، ہندی میں گھر والی سے عورت مراد ہوتی ہے، پھر کوئی وجہ نہیں کہ اس آیت میں ازواج ـــــ مراد نہ ہوں!

سوم :۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ اس لفظ کا اطلاق ازواج پر ہی ہوا ہے چنانچہ جب حضرت ابراہیم کی بی بی سارہ کو جب فرشتوں نے فرزند کی بشارت دی اور انہوں نے تعجب کیا تو ارشاد ہوا :۔ اتعجبین من امر اللہ رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اھل البیت انہ حمید مجید (ترجمہ) کیا خدا کے کام (قدرت) سے آپ تعجب کرتی ہیں۔ خدا کی رحمت اور برکتیں اے اہل بیت تمہارے شامل حال ہوں۔ بے شک وہ حمد کیا ہوا بزرگ تر ہے) اس جگہ لفظ اہلبیت سے مراد باتفاق شیعہ وسنی حضرت سارہؓ ہیں تو پھر آیت متنازعہ سے خلاف محاورۂ قرآن غیر ازواج کیوں ہو۔

چہارم :۔ اہل بیت (گھر والے) وہی ہوتے ہیں جو ہمیشہ گھر میں رہیں۔ سو یہ وصف ازواج میں ہی پائی جاتی ہے ـــــ لیکن بیٹیاں یا داماد دوسرے گھر میں رہائش اختیار کر لیتے ہیں اس لیے ان پر اس لفظ کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ حضرت علیؓ اپنے گھر میں رہتے تھے حضرت فاطمہ بھی نکاح کے بعد اپنے شوہر علی ـــــ حسنین کا تولد ہی دوسرے گھر میں ہوا ـــــ اس لئے اہل بیت النبی ان (ازواج ناقل) کے سوا کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

اعتراض شیعہ اگر اہلبیت سے مراد نساء النبی ہوتیں تو بجائے عنکم اور یطھرکم ضمائر مذکر کے عنکن و یطھرکن ضمائر مونث استعمال ہوتیں سو اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اہلبیت کے لفظ کا مصداق مونث (ازواج) ہیں۔ لیکن چونکہ لفظ اہل بیت مذکر ہے اس لئے ضمائر مذکر استعمال ہوئیں جیسا کہ دوسری آیت میں باوجود خطاب سارہ (مونث) سے تھا لیکن بلحاظ تذکیر لفظ علیکم ضمیر مذکر استعمال کیا گیا

دوسرا جواب اہل بیت میں خود ذات اقدس سرور عالم بھی داخل ہے اس لئے برعایت ادب و تعظیم حضور والا تغلیباً ضمیر مذکر مستعمل ہوئی۔

تیسرا جواب کلام عرب میں بغرض اظہار محبت عورتوں کے لئے ضمیر مذکر آجایا کرتا ہے جیسا کہ شاعر اپنی محبوبہ سے مخاطب ہوکر کہتا ہے فان شئت حرمت النساء سواکم ایسا ہی حضرت موسیٰ کے قصہ میں مذکور ہے۔ قال لاھلہ امکثوا... سو یہاں بھی بجائے امکثی کے امکثوا ضمیر مذکر استعمال ہوا

دوسرا اعتراض شیعہ کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ حدیث کساء سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت حضرت علی، فاطمہ، حسنین کے متعلق ہی نازل ہوئی یعنی یہ آیت جس وقت نازل ہوئی حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے انہیں چار بزرگوں کو بلا کر چادر کے نیچے کر لیا اور دعا فرمائی اللھم ھؤلاء اھلبیتی فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیراً۔

جواب سو اگر غور و تدبر سے کام لیا جائے تو اس حدیث سے مزید ثبوت اس امر کا ملتا ہے کہ آیت کا مصداق ازواج ہی تھیں۔ اور چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان چار بزرگوں سے بھی محبت تھی جو کہ اہلبیت میں از جہت نسب و ولادت داخل تھے۔ اس لئے چاہا کہ یہ بھی اس انعام الٰہی سے بہرہ یاب ہو جائیں اس لئے ان کو یکجا کر کے دعا فرمائی۔ یا اللہ! یہ بھی میرے اہل بیت میں داخل ہیں — ورنہ اگر یہ چار ہی آیت کے مصداق ہوتے تو حکم الٰہی آجانے کے بعد پھر ان کے لئے دعا کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی جو کہ تحصیل حاصل تھا: دبعدانہ اں ایک مسئلہ سے اس کی

مزید وضاحت کی گئی ہے کہ سرکار (حکومت انگریزیہ) نے فوجیوں کے بیٹوں اور بھائیوں کو ان کے خدمات کے وظائف منظور کئے ـــــــ بعض فوجیوں نے عرضیاں دیں کہ حضور فلاں لڑکا میرا متبنیٰ ہے اس کو بھی حصہ ملنا چاہیئے ـــــــ سو ایسا ہی ہم الخ فیہ میں خیال کرنا چاہیئے۔ کہ جب اہلبیت النبی ازواج رسول کے متعلق تطہیر کا انعام نازل ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی بیٹی، نواسوں، داماد کو بھی پیش فرمایا کہ یہ لوگ بھی میرے اہلبیت میں داخل ہیں ان کو بھی انعام عطا ہو۔ اس کی تائید اس حدیث بخاری سے ہوتا ہے کہ ام سلمہؓ نے رسول سے عرض کی اَلَسْتُ مِنْ اَهْلِكُمْ (کیا میں اہلبیت میں شامل نہیں؟) آپ نے فرمایا اَنْتِ عَلٰى كُلِّ خَيْرٍ (تیرا مرتبہ تو پہلے ہی سے بہتر ہے) یعنی تو تحقیقی طور پر اہلبیت میں ہے ـــــــ

بنا بر تقدیر تسلیم | یہ تسلیم بھی کر لیں کہ آیت تطہیر کے مصداق ازواج نہیں بلکہ جملہ اصحاب کسا ہیں تو بھی شیعہ اس سے عصمت جناب امیرؑ اور امامت پر استدلال نہیں کر سکتے کیونکہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ خدا چاہتا ہے کہ اے اہل بیت تمہارے رجس (گناہ) دور کر دے۔ اگر پہلے ہی معصوم تھے تو رجس کا ازالہ بے معنی ہوگا ـــــــ اگر رب العباد کو آیت میں عصمت کی خبر دینی مطلوب ہوتی تو بجائے مضارع کے ماضی کا صیغہ استعمال ہوتا۔ یعنی اَذْهَبَ الرِّجْسَ عَنْكُمْ وَطَهَّرَكُمْ تَطْهِيرًا (خدا نے تم سے رجس کو دور کر دیا ہے اور تمہیں کلی طور پر پاک کر دیا ہے) مضارع کا صیغہ استعمال ہونا۔ اس امر کی صاف دلیل ہے کہ پہلے عصمت نہ تھی ـــــــ

دوم اگر یہ آیت دلیل عصمت جناب امیرؑ اور ان کی امامت کی ہے تو پھر وہ آیت جو اصحاب بدر کی شان میں نازل ہوئی وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ (لیکن خدا چاہتا ہے تم کو پاک کر دے اور اپنی نعمتوں کو تم پر تمام کر دے) دوسری جگہ ہے وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْسَ الشَّيْطٰنِ (اور دور کر دے شر شیطان) سو یہ آیت بدر (جس میں اصحاب ثلاثہ بھی داخل ہیں) کی عصمت کی بھی دلیل ہونی چاہیے بلکہ اصحاب کی نسبت اتمام نعمت کا مضمون مزید بر آں ہے (آفتاب ص ۲۱۵) ـــــــ

الجواب

اس کا نام ہے نصب و عداوت اہلبیت کرید۔ اور جہاں بھی اس خانوادۂ عصمت وطہارت کی کسی ایسی فضیلت کا تذکرہ کیا جائے جو قرآن اور رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی روشنی میں ثابت شدہ ہو تو پوری ایڑی چوٹی کا زور صرف کر کے اور شیطانی وساوس و قیاسات پہ عمل کر کے اس کا انکار کر دیا جائے اگرچہ اس سلسلہ میں علاوہ اپنی دوسری کتابوں کے خود صحاح ستہ کا بھی انکار کرنا پڑ جائے اور اگر وہ فضیلت اس قدر نمایاں ہو اور اس قدر مسلم الثبوت ہو کہ اصل واقعہ کا انکار نہ ہو سکے تو پھر تاویلات رکیکہ کا جال بچھا کر اس کی اہمیت کو گھٹانے کی ناکام کوشش کی جائے۔ اگرچہ اپنے دین و دیانت اور علم و عقل کا جنازہ ہی نکل جائے۔ جیسا کہ اس آیت اور اس سے سابقہ آیت بلکہ کتاب کے ہر ہر صفحہ پر مؤلف نے اس بات کا مظاہرہ کیا ہے اور یہاں تو عترت طاہرہ کو اہلبیت نبوت سے خارج کرنے کیلئے اپنی تمام توانائیاں صرف کر دی ہیں۔ یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم ویابی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکافرون

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

یہاں دو امر قابل توجہ ہیں پہلا اس آیت مبارکہ کا اصحاب کساء (حضرت علی وفاطمہ اور حسن وحسین علیہم السلام) کے حق میں نازل ہونا۔ دوسرا اس کا دلیل امامت علوی ہونا ہم ذیل میں بترتیب اختصار کے ساتھ ان ہر دو امر پہ تبصرہ کرتے ہیں۔ اور اسی سے ثابت ہو جائے گا کہ مؤلف نے یہاں حقیقی اہلبیت کو خارج کرنے کیلئے جو مذبوحی حرکات کئے ہیں، وہ صرف تفسیر بالرائے اور ابلیسی قیاسات کا نتیجہ ہیں بعد ازاں ترتیب وار ہم ان کے عائد کردہ اشکالات کے جوابات بھی پیش کریں گے تاکہ اس بحث کا کوئی بھی پہلو تشنۂ تکمیل نہ رہ جائے۔

آیت تطہیر کا اصحاب کساء کے حق میں نازل ہونا

تمام شیعہ اور اکثر مفسرین اہلسنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت مبارکہ اصحاب کساء کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ جیسا کہ ابن حجر مکی جیسے متعصب سنی عالم نے بھی اقرار کیا ہے کہ اکثر المفسرین علی انھا نزلت فی علی وفاطمۃ والحسن والحسین (صواعق محرقہ ص۸۵ طبع مصر) اب ذیل میں ہم جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اصحاب رسول، ازواج نبی، تابعین اور علماء کاملین کے چند بیانات پیش کرتے ہیں جن سے اصحاب کساء کا مصداق اہلبیت ہونا روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جائے گا!

تعیین اہلبیت فرمانِ رسولؐ کی روشنی میں

قرآن رسول اسلام پر اترا۔ اس کی تفسیر و تشریح کرنا آپ کے منصب میں داخل تھا۔ (و یعلمهم الکتاب والحکمة وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس) تو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی آیت کی تفسیر فرما دیں تو اس کے بعد کسی کلمہ گو کو چون و چرا کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ و وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم ــــ تفسیر درمنثور ج ۵ ص ۱۹۸ طبع مصر میں بحوالہ ابن جریر، ابن ابی حاتم اور طبرانی ابی سعید خدری سے روایت ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں۔ قال رسول اللہ نزلت هذه الآية فی خمسة فیّ وفی علی وفاطمة وحسن وحسین انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اهل البیت الآیة یعنی آیت تطہیر پانچ تن پاک کے بارے میں نازل ہوئی ہے یعنی میرے، علیؑ، فاطمہؑ اور حسنؑ وحسینؑ کے حق میں (کذا فی الصواعق ص ۱۲۱ طبع جدید مصر بحوالہ مسند احمد بن حنبل و اسباب النزول للواحدی)

تعیین اہلبیت کردارِ رسولؐ کی روشنی میں

بہت سی روایات میں وارد ہے کہ اس آیت مبارکہ کے نزول کے بعد برابر چھ ماہ اور بروایتے آٹھ بلکہ بروایتے نو ماہ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر نماز کے وقت علی و بتولؑ (علیہما السلام) کے دروازہ پر تشریف لے جاتے اور الصلوٰۃ یا اہل البیت کہہ کر آیت تطہیر کی تلاوت فرماتے انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرا (ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۱۹ مسند احمد ج ۳ ص ۲۵۹ / ۲۸۵ درمنثور ج ۵ ص ۱۹۹ وغیرہ) اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عمل سے بھی اس بات پر نص قائم کر دی کہ مصداق اہلبیت یہی بزرگوار ہیں! لا غیر!

تعیین اہلبیت قولِ اصحاب کی روشنی میں

صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۸۰ میں مذکور ہے کہ جناب زید بن ارقم سے دریافت کیا گیا۔ من اهل بیته نساءه؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلبیت کون ہیں؟ کیا آپ کی ازواج اہلبیت ہیں؟ انہوں نے جواب میں فرمایا لا وایم اللہ! بخدا کی قسم! (ازواج اہلبیت نہیں) کیوں؟ اس لئے کہ ان المرأة تکون مع الرجل العصر من الدهر ثم یطلقها فترجع الی ابیها وقومها۔ (بیوی کا رشتہ عارضی ہے) وہ کچھ عرصہ شوہر کے گھر رہتی ہے۔ پھر نا اتفاقی کی وجہ سے) وہ اسے طلاق دے دیتا ہے اور وہ اپنے باپ اور اپنی قوم کے پاس واپس چلی جاتی ہے۔ پھر کون اہلبیت ہیں؟ اہلبیته اصله وعصبته الذین حرموا الصدقة بعده۔ آپ کے اہلبیت آپ کے وہ اصلی و حقیقی قرابتدار ہیں جن پر آپؐ کے بعد صدقہ حرام ہے۔

ازالہ شبہ ابن ارقم کے اس قدر واضح صریح اور مدلل بیان کے باوجود کہ ازواج اہلبیت میں داخل نہیں (اور نہ ہی ہو سکتی ہیں)۔ یہ کہا جاتا ہے کہ ان کے نزدیک ازواج اہلبیت میں داخل ہیں اور اس کے ثبوت میں صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت پیش کی جاتی ہے کہ حصین نے ان سے دریافت کیا کہ ومن اھلبیتہ یا زید؟ الیس نساءہ من اھلبیتہ؟ اے زید! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلبیت کون ہیں؟ کیا آپ کی ازواج اہلبیت نہیں ہیں؟ انھوں نے جواب دیا نساءہ من اھلبیتہ ولکن اھل بیتہ من حرم الصدقۃ بعدہ۔ اور اس جواب کا ترجمہ یوں کیا جاتا ہے "حضور کی ازواج آپ کے اہلبیت میں سے ہیں لیکن آپ کے اہلبیت وہ ہیں جو آپ کے بعد صدقہ سے محروم کئے گئے" (حاشیہ کتاب ص۳۱) حالانکہ یہ ترجمہ بالکل غلط اور درجہ فصاحت سے گرا ہوا ہے۔ بھلا جب یہ اقرار کر لیا کہ ازواج آپ کے اہلبیت میں سے ہیں! تو پھر "لیکن" کہہ کر استدراک کرنے کا کیا مطلب؟ علاوہ بریں یہ ان کے سابقہ مفصل و مدلل جواب کے بھی خلاف ہے۔ بلکہ اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ حصین کے سوال کرنے پر جناب زید نے بطور استفہام انکاری کہا نساءہ من اھلبیتہ؟ ہیں! ازواج اہلبیت میں سے ہیں؟ پھر استدراک کرتے ہوئے اصل حقیقت یوں واضح کی کہ "آپ کے اہلبیت وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے"۔ ——— باقی رہی ان افراد کے مفہوم میں وسعت تو وہ ان کا ذاتی اجتہاد ہے جو ہمارے لئے حجت اور سند نہیں ہے (فلا تغفل)

تعیین اہلبیت اقوال تابعین کی روشنی میں

تابعین کرام کی ایک جماعت کثیر اہلبیت سے انہی پنجتن پاک کو مراد لیتی ہے چنانچہ کتاب الشرف المؤبد للنبہانی ص۱۰ طبع مصر میں لکھا ہے "وجماعۃ من التابعین عن مجاھد وقتادۃ وغیرھم کما نقل الامام البغوی وابن الخازن۔ الخ..... یعنی تابعین کی ایک جماعت یہی کہتی ہے چنانچہ قتادہ و مجاہد وغیرہ سے یہی منقول ہے۔ جیسا کہ امام بغوی اور ابن خازن نے نقل کیا ہے۔

تعیین اہلبیت اقوال ازواج النبی کی روشنی میں

متعدد ازواج النبی کے بیانات موجود ہیں کہ یہ آیت مبارکہ انہی پانچ بزرگواروں کی شان میں نازل ہوئی ہے چنانچہ صحیح مسلم ج ۲ ص۲۸۳ باب فضل اہلبیت میں جناب عائشہ سے مروی ہے وہ بیان کرتی ہیں خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم غداۃ وعلیہ مرط مرحل من شعر اسود فجاء الحسن بن علی فادخلہ ثم جاء الحسین فادخلہ ثم جاءت فاطمۃ فادخلھا ثم جاء علی فادخلہ ثم قال انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیراً۔ یعنی ایک دن صبح سویرے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح دولت سرا سے برآمد ہوئے کہ آپ کے دوش مبارک پر سیاہ بالوں کی دھاری دار عبا تھی۔ اس اثنا میں حسن بن علی آ گئے تو آپ نے ان کو

عبا کے اندر داخل فرما لیا۔ پھر حسین آ گئے ان کو بھی دامن عبا میں لے لیا۔ پھر فاطمہ آئیں۔ ان کو بھی شامل کر لیا۔ بعدازاں علی بھی تشریف لائے ان کو بھی سے لیا۔ پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ انما یرید اللہ ——— الآیہ (کذا فی تفسیر الدر المنثور ج ۵ صفحہ ۱۹۸/۱۹۹ والمستدرک للحاکم ج ۳ صفحہ ۱۴۷)

(۲) جناب صفیہ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار رحمت ایزدی کا نزول دیکھا۔ تو پھر فرمایا بلاؤ۔ بلاؤ صفیہ کہتی ہیں۔ میں نے عرض کیا کسے بلائیں فرمایا۔ اھلبیتی علیاً وفاطمۃ والحسن والحسین میرے اہلبیت یعنی علی و فاطمہ اور حسن و حسین کو۔ چنانچہ جب وہ تشریف لائے تو آپ نے انکو دامن عبا میں لے کر دعا کیلئے ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا اللھم ھؤلاء آلی وصل علی محمد وآل محمد ——— یا اللہ! یہ سب میری آل۔ تو محمد وآل محمد پر درود وسلام نازل فرما۔ فانزل اللہ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیراً یعنی اس وقت خدا نے آیت تطہیر نازل فرمائی۔ (مستدرک حاکم ج ۳ صفحہ ۱۴۷/۱۴۸) بحوالہ دلائل الصدق)

(۳) جناب ام سلمہ بیان کرتی ہیں۔ ان النبی جلل علی الحسن والحسین وعلی وفاطمۃ کساء ثم قال ھؤلاء اھلبیتی وحامتی اذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیراً۔ یعنی جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسن وحسین اور علی وفاطمہ پر اپنی چادر اوڑھائی اور فرمایا یا اللہ! یہ ہیں میرے اہلبیت! اور میرے خواص! ان سے ہر قسم کی رجس کو دور رکھ اور ان کو اس طرح پاک و پاکیزہ رکھ جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے! جناب ام سلمہ کہتی ہیں میں نے عرض کیا وانا معھم یا رسول اللہ! یا رسول اللہ! کیا میں بھی ان میں داخل ہوں؟ فرمایا انک الی خیر! تمہارا انجام بخیر ہے۔ (ترمذی شریف ج ۲ صفحہ ۱۱۹ باب فضل فاطمہ، کذا فی المسند ج ۶ صفحہ ۲۹۲)

ایضاح قارئین کرام نے ملاحظہ فرما لیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب، ان کے تابعین اور خود ازواج النبی نے بطور حصر و نص کے وضاحت کر دی ہے کہ یہی بزرگوار اہلبیت ہیں اور انہی کے حق میں آیت تطہیر نازل ہوئی ہے۔ ان حقائق کے بعد اس سلسلہ میں مؤلف نے زوجیوں والی مثال دیگر قیاس مع الفارق کرتے ہوئے حقیقی اہلبیت کو (متبنّی اولاد کیطرح) طفیلی ثابت کرنے کے لئے جو یہ ترجمہ کیا ہے کہ "یہ لوگ بھی میرے اہلبیت میں داخل ہیں" (یہاں لفظ "بھی" قابل غور ہے) اس کی کیا وقعت رہ جاتی ہے؟ ایسی تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور بات تو کوئی بالہوا دلیل بھی نہیں کرتا ——— اگر یہی مفہوم ہوتا تو پھر الفاظ رسول یوں ہوتے۔ اللھم ھؤلاء ایضاً من اھلبیتی "یا اللہ! یہ بھی میرے اہل بیت میں سے ہیں" لیکن جب نہ یہاں لفظ "ایضاً" ہے (جس کے معنی ہیں "بھی") اور نہ لفظ "من" ہے (جس کے معنی ہیں میں سے) اور نہ ہی آیت کا ازواج کے حق میں نازل ہونا ثابت ہے تو پھر اس تاویل کی کیا حیثیت باقی رہ گئی؟ نیز اس بیان سے مؤلف کے اس

خیال کا بھی بخوبی ابطال ہوگیا جو انہوں نے جناب ام سلمہ والی روایت کو بخاری سے نقل کر کے ظاہر کیا ہے کہ "انک علی خیر" کا مطلب ہے ۔ "تیرا مرتبہ تو پہلے ہی سے بہتر ہے" (گویا اگر پہلے کمی تھی تو علیؑ و بتولؑ اور حسنینؑ کے مرتبہ میں! چہ خوش!) "یعنی تو حقیقی طور پر اہلبیت سے ہے"۔ اسے کہتے ہیں تاویل القول بما لا یرضی بہ قائلہ "یعنی کسی کے قول کی ایسی تاویل کرنا جس پر خود کہنے والا بھی راضی نہ ہو۔ جناب ام سلمہ تو اعتراف کرتی ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اہلبیت کی فہرست سے ہی خارج کر دیا۔ اور ان کے وکیل صاحب کہتے ہیں کہ وہ حقیقی اہلبیت سے ہیں۔ اگر اب بھی یہ حقیقت واضح نہیں ہوئی تو جناب ام سلمہ کا مندرجہ ذیل وضاحتی بیان ملاحظہ ہو۔ جس سے اس تاویل کا بالکل قلع قمع ہو جاتا ہے "تفسیر در منثور ج ۵ ص۱۹۸ میں ہے۔ جناب ام سلمہ سے روایت ہے کہ آیت تطہیر میرے گھر میں نازل ہوئی۔ اس وقت گھر میں (علاوہ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے) سات افراد تھے۔ جبرئیل، میکائیل، علیؑ، فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ وانا علی باب البیت قلت یارسول اللہ! الست من اہل البیت! میں گھر کے دروازہ پر کھڑی تھی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میں اہلبیت میں سے نہیں ہوں؟ آپ نے فرمایا انک علی خیر انک من ازواج النبی" تم خیر و خوبی پر ہو ـــــ اور تم نبیؐ کی بیویوں میں سے ہو" (کذا فی تفسیر ابن جریر ج ۲۲ ص۸) اس سے بڑھ اور کس طرح صراحت کی جا سکتی ہے کہ اہلبیت نبی اور ہیں اور ازواج نبی اور؟ ـــــــ

مسند امام احمد بن حنبل ج ۶ ص۲۹۶ میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام سلمہ سے فرمایا قومی فتنحی عن اہل بیتی "اٹھو اور میرے اہلبیت سے الگ ہو جاؤ! قالت فقمت فتنحیت فی البیت" جناب ام سلمہ بیان کرتی ہیں یہ سن کر میں اٹھی اور گھر کے ایک گوشہ میں چلی گئی" ـــــ کہاں تک اس قسم کی روایات کو شمار کیا جائے اور درج کیا جائے کتاب الشرف المؤبد ص۹ میں ہے کہ مفسر ابن جریر نے اپنی تفسیر میں ایسی پندرہ روایات درج کی ہیں۔ امام جلال الدین سیوطیؒ نے در منثور میں ایسی اٹھارہ عدد روایات درج کی ہیں جن میں بعض کی صحت کی تصریح موجود ہے ـــــ اور ان کے بالمقابل دو چار مرسل و مقطوع السند اخبار و آثار نقل کئے جاتے ہیں۔ جن سے ازواج النبی کی شمولیت ظاہر ہوتی ہے اور وہ بھی نہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی نہ ازواج النبی سے۔ بلکہ عکرمہ جیسے خارجی (ملاحظہ ہو وفیات الاعیان ج ۱ ص۳۲۰ و معجم الادباء ج ۱۲ ص۱۸۳) مقاتل جیسے ناصبی اور عروہ بن زبیر جیسے دشمن اہلبیت کے ذاتی آراء و نظریات ہیں (ان لوگوں کے حالات دیکھنے کیلئے ملاحظہ ہوں میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب اور وفیات الاعیان وغیرہ)

ایک اہم چیلنج

ہم تمام دنیا کے علماء اہلسنت کو چیلنج کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا مستند روایات (جن میں اصحاب کساء کے اہلبیت اور مصداق آیت تطہیر ہونے کی تصریح ہے) کے بالمقابل اتنی روایات ایسی

ثابت کردیں۔ جن میں اس آیت کا ازواج کے حق میں نازل ہونا مذکور ہو۔ بلکہ ان کا نصف بلکہ اگر اپنی ہی کتابوں سے صرف ایک مرفوع و متصل اور صحیح السند و صریح الدلالۃ ایسی روایت پیش کردیں۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا ہو کہ میری ازواج ہی میری حقیقی اہلبیت ہیں اور یہی آیت تطہیر کی مصداق ہیں۔ تو ہم علاوہ ان لوگوں کے نظریہ کی تصدیق کرنے کے منہ مانگا انعام بھی بصد احترام انکی خدمت میں پیش کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ھل من مطالب؟

گوئے توفیق وسعادت درمیان افگندہ اند
کس بمیداں درنمی آید سواراں راچہ شد!

اب ہم حسب الوعدہ ذیل میں مؤلف کے شبہات کے مختصر جوابات پیش کرتے ہیں۔

مؤلف کے شبہات کے جوابات

۱۔ پہلا شبہ اور اس کا جواب

پہلا شبہ سیاق وسباق پر مبنی ہے کہ اس آیت سے پہلے اور پیچھے ازواج کا تذکرہ ہے یہ شبہ چند وجوہ در جۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ اوّلاً یہ نصوص صریحہ کے بالمقابل خانگی قیاس اور اجتہاد اور بمقابل نص ہونے کی وجہ سے ناقابل توجہ ہے۔

ثانیاً۔ ہم اس سے پہلی آیت (آیت مودۃ بضمن دلیل نہم) اہلسنت کی کتب تفسیر کے حوالہ جات سے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ قرآن مجید کی موجودہ ترتیب سور و آیات ترتیب نزول کے مطابق نہیں ہے۔ اس لئے عین ممکن ہے کہ یہ کسی اور مقام کی آیت ہو جسے یہاں درج کر دیا گیا ہو۔ چنانچہ علامہ وحید الزمان نے اپنی تفسیر وحیدی بر حاشیہ قرآن مترجم وحیدی مطبوعہ لاہور گیلانی پریس پ ۲۲ ص ۵۵۹ حاشیہ ۲ پر یہ اقرار کیا ہے: "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت ان آیتوں کے بیچ میں رکھ دی گئی ہے جن میں ازواج مطہرات سے خطاب تھا اور شاید صحابہ نے اجتہاد سے ایسا کیا ہو واللہ اعلم" (بحوالہ فلک النجاۃ)

ثالثاً۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ ایسا ہونا بلاغت کے خلاف ہے۔ ایسا کہنا درحقیقت فصاحت و بلاغت کے اصول و قواعد سے نابلد ہونے کی دلیل ہے۔ ورنہ اس فن کے واقف کاروں پر مخفی نہیں کہ منجملہ محسنات کلام کے ایک "تفنن فی الکلام" بھی ہے۔ یعنی ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف رخ موڑ لینا۔ اور ایک بات سے ضمناً دوسری بات کا ذکر کرکے پھر پہلی بات کی طرف لوٹ آنا۔ اور اس کی مثالیں خود قرآن مجید میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ مثلاً خداوند عالم سورۂ لقمان میں جناب لقمان کی ان وصیتوں کا ذکر فرماتا ہے۔ جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ یا بنی لا تشرک باللہ، ان الشرک لظلم عظیم بیٹا شرک نہ کرنا۔ کیونکہ یہ بہت بڑا ظلم ہے! اس کے بعد خدا عنوان کلام بدل دیتا ہے۔ ووصینا الانسان

بوالدیہ حملته امه وھنا علی وھن ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ احسان کرنے کی وصیت کی ہے۔ اس کی ماں نے بڑی زحمتیں اٹھا کر اسے اپنے شکم میں رکھا ہے۔ پھر سلسلہ کلام کو موعظہ لقمانی کی طرف پلٹاتے ہوئے فرماتا ہے۔ فقال یا بنی ان تک مثقال حبة من خردل اے بیٹا! اگر رائی کے برابر بھی کوئی (نیکی یا بدی) ہو گی۔ تو خدا اسے بھی بروز حشر) لائے گا" کیا مؤلف یہاں بھی یہی فتوے دیں گے کہ یہ بلاغت کے بالکل خلاف ہے؟

دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ!

(۲) دوسرا شبہ اور اس کا جواب | دوسرا شبہ یہ ہے کہ لفظ اہلبیت ہر زبان میں عورتوں پر اطلاق ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مؤلف کے فرزند قاضی مظہر صاحب نے حاشیہ کتاب پر بحوالہ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ص۴۹۲ج۴ اقرار کیا ہے اور دیگر کئی علماء مثل ابن حجر مکی (صواعق ص۲۲۲ طبع مصر جلد یہ) وغیرہ نے تصریحات کی ہیں کہ لفظِ اہلبیت کے تین اطلاق ہیں (۱) سکنی (۲) نسبی (۳) اور عرفی (بالفاظ دیگر سکنی، نسبی اور ولادتی) پہلے معنی کے اعتبار سے یہ لفظ گھر میں تمام سکونت رکھنے والوں کو شامل ہے۔ دوسرے معنی کے اعتبار سے صرف اہل خاندان پر بولا جاتا ہے اور تیسرے لحاظ سے اہل شرف و مجد کو جیسے سلمان منا اہل البیت — بنا بریں یہ لفظ مشترک متصور ہوگا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ایک ہی استعمال میں اسکے تمام معانی مقصود نہیں ہو سکتے لہٰذا قرائن کو دیکھا جائیگا کہ کہاں کونسا معنی مراد ہے۔ بنا بریں جب ہم فریقین کی متعدد احادیث صحیحہ و صریحہ کی روشنی میں واضح و ثابت کر چکے ہیں کہ اس آیت میں اہلبیت نسبی و ولادتی یعنی صرف اصحاب کساء مراد ہیں۔ تو بعد ازیں اس شبہ کی حقیقت کیا رہ جاتی ہے؟ ———! مولانا وحید الزمان نے انوار اللغۃ پ۲۲ ص۵ طبع بنگلور پر کیا پتہ کی بات کہی ہے "صحیح یہ ہے کہ آیت تطہیر میں یہی پانچ حضرات مراد ہیں گو عرب کے محاورہ میں ازواج کو بھی شامل ہے"

(۳) تیسرا شبہ اور اس کا جواب | تیسرا شبہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں دوسری جگہ اس لفظ کا اطلاق ازواج پر ہوا ہے۔ اتعجبین من امر اللہ ——— اس شبہ کا جواب دوسرے شبہ کے جواب سے معلوم ہو سکتا ہے۔ ہم نے کب انکار کیا ہے کہ اہلبیت سکنی کے اعتبار سے ازواج پر اس لفظ کا اطلاق نہیں ہو سکتا! بحث تو اس میں ہے کہ آیت تطہیر میں اس لفظ سے مراد کون حضرات ہیں؟ اگر ایک کثیر المعنی لفظ مشترک کے ایک جگہ ایک معنی مراد ہوں تو کیا ضروری ہے کہ ہر جگہ اسکے وہی معنی مراد لیے جائیں؟ اگرچہ دوسرے معنی کے قطعی دلائل و قرائن موجود ہوں؟ ما لکم کیف تحکمون!

(۴) چوتھا شبہ اور اس کا جواب | بیویاں ہی ہمیشہ گھر میں رہتی ہیں۔ نہ بیٹیاں اور نواسے اور داماد۔ اس شبہ کا جواب جناب زید بن ارقم کے کلام سے بخوبی واضح و عیاں ہو جاتا ہے کہ زن و شوہر کا رشتہ عارضی ہے

اور اولاد والا رشتہ مستقل ہے۔ لہٰذا حقیقی اہلبیت وہی ہیں۔ جن سے خونی رشتہ ہو جو ناقابل انقطاع ہے۔ مؤلف نے "اعتراض شیعہ" عنوان قائم کر کے شیعہ کہتے ہیں کہ یہاں مذکر کی ضمیریں استعمال ہوئیں ہیں۔ یہ دلیل ہے کہ اس سے مراد اصحاب کسا ہیں اور پھر اس کے تین جوابات دیے ہیں۔ اس کے متعلق پہلی گذارش تو یہ ہے۔ کہ شیعہ حضرات صرف اس بات پر اپنے استدلال کی عمارت کھڑی نہیں کرتے۔

۔ ان کا اصل استدلال تو فریقین کی روایات پر ہے۔ البتہ اسے صرف تائید مزید کے طور پر پیش کیا کرتے ہیں

ثانیاً۔ یہ تینوں جوابات ناتمام ہیں پہلا جواب اس لئے نامکمل ہے کہ اگر لفظ اہلبیت کے مذکر ہونے کی وجہ سے بقول مؤلف یہاں مذکر کی ضمیریں لائی گئی ہیں۔ تو لفظ اہلبیت تو مفرد بھی ہے۔ پھر جمع مذکر کی ضمیریں کیوں لائی گئی ہیں۔ واحد کی ضمیر کیوں نہیں لائی گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مصداق اہلبیت میں صنف ذکور کا غلبہ ہے۔

(۲) دوسرا جواب اس لئے مخدوش ہے کہ کم از کم نو ازواج ہوں اور ایک رسولؐ تو کلام عرب کا کوئی قانون تغلیب اس کی تائید نہیں کرتا کہ نو پر ایک کو ترجیح دے کر اس کے مطابق صیغے استعمال کئے جائیں (شرعی احترام اور ہے کلام عرب کا قانون اور) تیسرا جواب قیاس مع الفارق ہے اگر اظہار محبت کے لئے ایسا جائز بھی ہو اور شاعر نے اپنی محبوبہ کو خطاب کر کے ایسا کہا بھی ہو۔ تو کیا یہاں بھی کوئی عشق و عاشقی کی شاعری ہو رہی ہے۔ یا خدائے قدوس کا کلام معجز نظام زیر بحث ہے؟ اور جناب موسٰے والے قصہ میں آتیکم کی بجائے امکثوا سے استدلال بھی درست نہیں کیونکہ جناب موسٰے کے مخاطب تین افراد ہیں۔ بیوی، بچہ اور غلام (ملاحظہ تفسیر بیضاوی وغیرہ) اس لئے جمع مذکر کے صیغے استعمال کیے گئے ہیں۔ بعد ازاں مؤلف نے دوسرا اعتراض اور اس کا جواب کا عنوان قائم کر کے اس کے تحت جو کچھ فرمایا ہے۔ ہم سطور بالا میں بعض احادیث اس کا تار پود فضائے محیط میں بکھیر چکے ہیں۔ اس آیت مبارکہ کے متعلق اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اس سے ایک مرحلہ تو طے ہو گیا۔ یعنی یہ کہ یہ آیت پنجتن پاک کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

اس آیت کا دلیل امامت اہلبیت ہونا

باقی رہا دوسرا مرحلہ یعنی اس آیت کا دلیل خلافت علی ہونا۔ سو وہ اس طرح ہے کہ رجس کے معنی ہیں گناہ جس کا مؤلف نے بھی اعتراف کیا ہے (آفتاب صد۲۱ سطر۱۲) تو جب خداوند عالم نے ہر قسم کے رجس کو اہلبیت نبوی سے دور رکھنے کا تذکرہ کیا ہے تو اس سے صاف ثابت ہے کہ یہ بزرگوار معصوم عن الخطا ہیں چنانچہ اس مطلب کی تائید مزید آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے۔

جو تفسیر در منثور میں بحوالہ حکیم ترمذی، طبرانی، ابن مردویہ اور حافظ ابونعیم اصفہانی ابن عباس سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خدائے تعالٰے نے مخلوق کو دو قسم پر تقسیم فرمایا۔ تو مجھے ان میں سے بہتر قسم میں رکھا۔ پھر قبیلوں کو مختلف گھروں میں تقسیم کیا تو مجھے بہترین گھر میں رکھا اور یہی مطلب ہے انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ۔۔۔۔ کا فانا و اھلبیتی مطھرون من الذنوب یعنی میں اور میرے اہلبیت تمام گناہوں سے مطہر و معصوم ہیں ۔۔۔۔" علامہ وحید الزمان انوار اللغۃ پ ۲۲ ص ۸۵ پر اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں " اس آیت سے بعضوں نے یہ نکالا ہے کہ ۔۔۔ یہ حضرات خطا اور گناہ سے معصوم تھے خیر! اگر معصوم نہ تھے تو محفوظ تو ضرور تھے" پس جب عصمت اہلبیتؑ ثابت ہو گئی تو اس سے اس آیت کا بدرجہ بدلیل خلافت علوی ہونا بھی واضح ہو گیا۔ ایک اس طرح کہ جو معصوم ہو گا۔ وہی معصوم نبی کا خلیفہ و جانشین ہوگا۔ دوسرا اس طرح کہ عنقریب تیسری تنقیح کے ضمن میں ہم ثابت کریں گے کہ جناب امیرالمومنینؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے بعد مدعی و طالب خلافت تھے اور معصوم کا دعوٰی غلط نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ان کو صادق القول اور اپنے دعوے میں سچا تسلیم کرنا پڑے گا۔ اور یہی ہمارا مدعا ہے۔

مؤلف کے مزید فرمایرادات کے جوابات

مؤلف نے اس مقام پہ اس آیت کے دلیل عصمت ہونے پہ دو اعتراض کئے ہیں۔

پہلا اعتراض اور اس کا جواب پہلا یہ کہ یہاں مضارع کے صیغے ہیں۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے رجس موجود تھا۔ لہٰذا ثبوت عصمت کے لئے ماضی کا صیغہ ہونا ضروری ہے اس کے تین قطعی جوابات پیش خدمت ہیں۔

(۱) ابھی اوپر ثابت کیا جا چکا ہے کہ یہ آیت جناب رسول خداؐ، علی المرتضٰےؑ، فاطمۃ الزہراؑ، حسن مجتبٰیؑ اور حسین سید الشہداءؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ آنحضرت باتفاق سنی و شیعہ معصوم تھے اور حسنینؑ قطع نظر خصوصیات امامت کے ویسے بھی ہنوز بچے ہونے کی وجہ سے معصوم عن الخطأ تھے۔ لے دے کر متنازعہ فیہ شخصیت تو جناب علی و بتول کی ہی بنتی ہے تو جب کم از کم تین ہستیاں پہلے سے معصوم موجود ہیں تو بقول مؤلف رجس کا ازالہ بے معنی ہو گا ۔۔۔۔ علیٰ ہٰذا اس طرح رسولؐ اور حسنینؑ کو بھی گنہگار ماننا پڑے گا؟ بہرکیف جب تین ہستیوں کا معصوم ہونا واضح ہے تو ہم مؤلف یا ان کے ہمخیالوں کو دعوت دیتے ہیں کہ اگر ان کو علیؑ و بتولؑ کی عصمت میں شک ہے تو بڑی خوشی سے ان کا کوئی گناہ ثابت کریں اور اگر صبح قیامت کے طلوع ہونے تک ایسا نہیں کر سکتے (اور یقیناً نہیں کر سکتے) تو اس آئیں بائیں شائیں سے دست بردار ہو جائیں اور حق و حقیقت کا واضح لفظوں میں اقرار کر لیں۔ کہ اسی میں ان کے دین و دنیا کی بہتری ہے۔

(۲) آیت مبارکہ میں "لیذھب" بما جو "لام" موجود ہے۔ اسے نحو میں لام "کے" کہا جاتا ہے جس کے بعد "ان" مصدریہ مقدر ہوتا ہے (وہی یذہب کو نصب دے رہا ہے) جو فعل کو مصدر کی تاویل میں کر دیتا ہے اور ارباب علم جانتے ہیں کہ مصدر میں تینوں زمانے (ماضی حال اور استقبال) برابر ہوتے ہیں۔ لہذا صیغہ ہائے مضارع والا اعتراض ختم ہو گیا۔

(۳) جب کسی کو کہا جائے سلمکم اللہ یا عافاکم اللہ یا یحفظکم اللہ تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ پہلے سلامت نہیں، یا پہلے محفوظ نہیں، بلکہ صرف یہ ہوتا ہے کہ خدا آئندہ بھی تمہاری اس حالت کو قائم و دائم رکھے۔ یہاں بھی یہی مفہوم ہے کہ خدا کا یہ حتمی ارادہ ہے کہ اے اہلبیت! وہ تم سے ہر قسم کے گناہ کو دور رکھے اور تمہیں اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے۔ جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے!

دوسرا اعتراض اور اسکا جواب

خدا نے ایسے ہی الفاظ اصحاب بدر کے بارے میں استعمال فرمائے (اور بقول جناب محشی) عام وضو و غسل کرنیوالوں کے بارے میں بھی) اس لئے ان کو بھی معصوم جاننا چاہیئے ——— اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت (راجع باصحاب بدر) اور وضو و غسل کرنے والوں کے متعلق آیت میں تطہیر کا متعلق نہیں بتایا گیا (کہ خدا کس چیز سے ان کو پاک کرنا چاہتا ہے) پہلی آیت کی تشریح دوسری آیت ویذھب عنکم رجز الشیطان میں موجود ہے (جسے مؤلف نے تحریف قبیح کرتے ہوتے ہوئے "رجس" لکھا ہے) اور اس کا ترجمہ انہوں نے "شر شیطان کیا ہے"۔ بہر کیف مفسرین اسلام کے بیان کے مطابق جنگ بدر میں کچھ آدمیوں کو احتلام ہو گیا تھا۔ پانی کی کمی تھی۔ خدا نے بارش برسا دی۔ اور انہوں نے غسل کر لیا۔ یہ ہے رجز شیطان کو دور کرنے کی تفسیر ——— اور وضو و غسل والی آیت میں بھی صرف اس کثافت کے دور کرنے کا تذکرہ ہے۔ جو موجب وضو یا غسل ہوتی ہے۔ اسے ہر قسم کے رجس (بمعنی گناہ) کو اہلبیت سے دور رکھنے والی آیت سے کیا نسبت یا تعلق ہے؟

تو کہ از فہم معانی بدیہی عوری
فہم احکام و علل گر نکنی معذوری

طرفہ بموجب "آنچہ پدر نتواند پسر تمام کند" اگر عداوت اہلبیت کا حق ادا کرنے میں مؤلف کتاب سے کچھ کمی رہ گئی تھی تو جانجان کے خلف رشید قاضی مظہر صاحب ابن القاسم نے کتاب کے حاشیہ پر پوری کر دی ہے۔ چنانچہ اس مقام پر انہوں نے ایک ذیلی حاشیہ میں لکھا ہے کہ "حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خود اپنے غیر معصوم ہونے کا اعتراف فرمایا ہے"! پھر ثبوت میں نہج البلاغہ ترجمہ امنحہ طبع بیروت دکتاب الردفتہ صلالا سے آنجناب کے کلام سے ایک اقتباس پیش کیا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں: "فانی لست فی نفسی بفوق ان اخطی

اخطی ولا آمن من ذالک من فعلی الا ان یکفی اللہ من نفسی ما ھو املک" "کیونکہ میں بذات خود خطا کرنے سے برتر نہیں ہوں اور نہ اپنے فعل میں خطا سے محفوظ ہوں۔ مگر یہ کہ اللہ تعالے میری ذات کیلئے ایسا کام بنا دے جس سے وہ میری نسبت زیادہ مالک ہے۔" (حاشیہ آفتاب صفحہ ۲۱۵) اس کے متعلق صرف اتنا کہنا ہے کہ اگر آنجناب کے اس جملہ کا یہی مطلب ہے کہ وہ اپنے غیر معصوم ہونے کا اعتراف کر رہے ہیں۔ لہٰذا وہ معصوم نہیں ہیں (العیاذ باللہ) تو پھر جناب یوسف صدیق کی عصمت کے متعلق قاضی صاحب کیا فیصلہ صادر فرماتے ہیں۔ جن کا قول خود قرآن مجید میں موجود ہے وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی (پ۱۳ ع۱) میں اپنے نفس کو برائیوں سے پاک نہیں کہتا بے شک نفس تو برے کام کے لئے ابھارتا ہے مگر جب میرا مالک رحم کرے (ترجمہ دہیدی)—— اور اگر وہاں آپ یہ کہتے ہیں کہ "الا ما رحم ربی" کے استثناء نے ان کی عصمت کو بچا لیا ہے تو یہاں جناب امیر کے کلام میں بھی وہی استثناء "الا ان یکفی اللہ" موجود ہے اور یہی ہمارا ایمان ہے کہ عصمت لطف خداوندی ہے وہ معصوم کا ذاتی و بالذات کمال نہیں ہے

من آنچہ شرط بلاغ است با تو می گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

شیعہ کی ساتویں دلیل

فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین (آپ کہدیں آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو۔ اپنے وجودوں کو اور تمہارے وجودوں کو پھر مباہلہ کریں۔ خدا کی لعنت جھوٹوں پر ہو"—— وجہ استدلال یہ بیان کی جاتی ہے کہ نصاریٰ نجران سے جب مباہلہ کی قرارداد ہوئی—— تو حضرت رسول ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم۔ انہیں چار بزرگوں کو علیؓ و فاطمہؓ و حسنینؓ کو ساتھ لے کر نکلے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب ثلاثہ کی رسول کے دل میں کوئی منزلت نہ تھی۔ اس لئے جناب امیرؓ ہی—— خلافت کے لائق تھے۔"

جواب

—— آیت سے یہ ہرگز مفہوم نہیں ہوتا کہ حضرت علیؓ ہی—— خلافت کے مستحق ہیں—— بلکہ آیت کا مفہوم صاف یہ ہے کہ ہر دو فریق حسب ذیل اشخاص مباہلہ کے لئے نکلیں۔ مباہلہ کرنے والے بذات خود اور ان کی اولاد اور ان کی مستورات چونکہ مسلمان فریق سے دعویدار اسلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے اصحاب تھے——

اس لئے یہ سب لوگ "انفسنا" میں داخل تھے۔ انہوں نے میدان مباہلہ میں نکلنا تھا ایسا ہی کفار کی طرف سے ابوحارثہ، اسید عاقب معہ اپنی اولاد اور عورتوں کے نکلے۔ شیعہ کا یہ کہنا کہ سوائے ان چار بزرگوں کے حضور کے ہمراہ کوئی نہ نکلا یا آپ کسی کو ساتھ نہ لے گئے مضمون آیت کے خلاف ہے۔ کیونکہ اگر حضور علیہ السلام مع علیؓ، فاطمہؓ، حسنینؓ کے نکلے تو انفسنا، ابنا ءنا کا مضمون تو پورا ہو سکتا ہے ـــــ لیکن نساءنا کا مضمون کیونکر پورا ہو سکتا ہے۔ حضرت فاطمہ نساء الرسول نہیں بلکہ ابناء الرسول میں داخل تھیں ـــــ نیز کفار کا مقابلہ تو رسول اور سرداران فوج اصحاب کبار سے ہو اور صرف مباہلہ کے لئے حضرت رسول ان کے داماد، آپ کی دختر فاطمہؓ اور حسنینؓ کے نکلنے پر راضی ہو جاتیں ـــــ لیکن فاطمہؓ و حسنینؓ تو جدال کے قابل نہ تھے ـــــ ان کے استیصال کے لئے عمر فاروق اور ابوبکر صدیق صحیح و سلامت زندہ موجود تھے۔ غرض عقل و نقل دونوں اس امر کے تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مباہلہ کے لئے حضرت علیؓ، فاطمہؓ اور حسنینؓ کو ہی ساتھ لیا ـــــ تو اس کے خلاف روایات خواہ کتب شیعہ کی ہوں، یا اہل السنت کی قابل استدلال نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ شیعہ حضرات ایسی روایات گھڑ لینے میں پورے مشاق ہیں اور کتب اہل سنت میں بھی دست اندازی کر لینے سے دریغ نہیں کرتے۔

ایک عجیب روایت

حیات القلوب ج ۲ ص ۵۲ میں ہے ـــــ ترجمہ: جب آیت مباہلہ نازل ہوئی اور دوسرا دن مباہلہ کیلئے مقرر ہوا اور نصاریٰ اپنی جگہ پر واپس ہوئے تو ابو حارثہ اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ کل دیکھنا اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے فرزندوں اور اہلبیت کے ساتھ مباہلہ کے لئے نکلیں تو ـــــ تمہیں ڈرنا چاہیئے اور اگر اصحاب و اتباع کے ساتھ نکلیں تو ذرا پرواہ نہ کرو" ـــــ اب جائے غور ہے کہ نصاریٰ نجران کو جناب امیرؓ اور دیگر اہلبیت سے اس قدر خوش اعتقادی کس وجہ سے ہو گئی تھی ـــــ ممکن ہے حضرت علیؓ کو تو انہوں نے دیکھا ہو ـــــ لیکن حسنینؓ اور جناب سیدہؓ کو انہوں نے کیسے دیکھ لیا کہ ان کی مباہلہ میں شمولیت سے اس قدر خوف پیدا ہوا یہ سب کچھ شیعہ حضرات کی خوش اعتقادی کی باتیں ہیں ورنہ کفار کو دہشت جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کبار (جو اشداء علی الکفار کے مصداق تھے) سے تھی ـــــ انہی کے خوف سے انہوں نے مباہلہ منظور نہ کیا ـــــ اگر بالفرض مان لیا جائے

کہ مہم نجران جناب امیرؑ کے طفیل ہی سر ہوئی تو یہ ایسی کونسی بڑی بات ہے۔ ایک موضع جس میں صرف چالیس یا پچاس آدمیوں کی آبادی ہو قبضہ میں آجانے سے اسلام کی شوکت میں کیا کچھ اضافہ ہو سکتا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ خلفاء ثلاثہ کی جد و جہد ـــــ کا نتیجہ ہے کہ مشرق سے مغرب تک ـــــ نور اسلام پھیلا ـــــ غرض شیعہ بیچارے اثبات مدعا، خلافت بلا فصل امیرؑ کے لئے ہر چند ہاتھ پاؤں مارتے ہیں مگر ساحل مقصود پر پہنچنا مشکل ہے۔ ؎

ترسم کہ بکعبہ نرسی اے اعرابی
کیں راہ میروی بہ ترکستان است

غرض قرآن و حدیث میں کوئی دلیل خلافت بلا فصل علی المرتضیٰ پر نہیں اور شیعہ اپنے دعویٰ پر کوئی ثبوت نہیں رکھتے ـــــ واقعات بھی اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ خلافت خلفائے ثلاثہ کا حق تھی ـــــ اس لئے تنقیح ص ۲ بھی بحق اہلسنت خلاف شیعہ ثابت ہے۔ (آفتاب ص ۲۱۸)

الجواب

خداوند عالم بُرا کرے تعصب و عناد اور بغض و لداد کا کہ جب اس کی پٹی آنکھوں پر بندھ جائے تو پھر آدمی بالکل اندھا اور بہرا ہو جاتا ہے اور اگرچہ حق آفتاب نصف النہار کی طرح بھی واضح و آشکار کیوں نہ ہو۔ مگر اسے کچھ نہیں سوجھتا۔ سچ ہے قال

اذا لم یکن للمرء عین صحیحۃ
فلا غرو ان یرتاب والصبح مسفر

مؤلف آفتاب نے تو عداوت اہلبیت اور تعصب کے تمام حدود توڑ دیے ہیں اور وہ کام کیا ہے جو فضل بن روزبہان، ابن حجر مکی اور شاہ عبدالعزیز دہلوی وغیرہ متعصب علماء اہلسنت بھی انجام نہیں دے سکے تھے سچ ہے۔ کم ترک الاول للآخر۔ واہ جی واہ! ؎

ایں کار از آید و مرداں چنیں کنند

پہلے امر کا اثبات

یہاں دو امور قابل توجہ ہیں ـــــ ایک اصحاب مباہلہ کی تعیین و تشخیص دوسرے ان کی امامت و خلافت پر اس آیت کی دلالت!!

مباہلہ میں آنحضرتؐ کا صرف اصحاب کساء کو ہمراہ لے جانا

سو پہلے امر کے متعلق عرض ہے کہ تمام شیعہ اور اہلسنت

کے تمام قابل اعتماد مفسرین و محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آیت مباہلہ کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انفسنا کی جگہ جناب امیرؑ ابنائنا کی جگہ شہزادگان کونین امام حسنؑ و حسینؑ اور نسائنا کی جگہ جناب سیدۂ عالم فاطمۃ الزہراؑ کو اپنے ہمراہ (میدان مباہلہ میں) لے گئے چنانچہ صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷۸ ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۶۶/۲۱۲ میں ہے کہ لما نزلت ھذہ الایۃ قل تعالوا ندع ابنائنا وابنائکم ونسائنا ونسائکم دعا رسول اللہ علیا وفاطمۃ وحسنا وحسینا فقال اللھم ھؤلاء اھلی یعنی جب آیت مباہلہ نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب علیؑ، فاطمہؑ اور حسنینؑ کو بلا کر کہا یا اللہ! یہ ہیں میرے اہل بیت (کذا فی الدر المنثور للسیوطی والمستدرک للحاکم والسنن الکبریٰ للبیہقی و تفسیر انوار التنزیل للبیضاوی تفسیر الکشاف اور زمخشری اور التفسیر الکبیر للفخر الرازی میں متعدد اسانید سے لکھا ہے کہ پیغمبر اسلام اس طرح میدان مباہلہ کی طرف نکلے کہ آخذاً للحسن ومحتضناً للحسین وفاطمۃ تمشی خلفہ وعلی یمشی خلفھا۔ حسنؑ کی انگلی تھامے اور حسینؑ کو گود میں اٹھائے ہوئے۔ فاطمہ زہراؑ انکے پیچھے اور حضرت علیؑ ان کے پیچھے تھے۔ اس اثنا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مقدس گروہ سے یہ فرماتے جاتے تھے "اذا دعوت فامنوا" جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا جب اسقف نجران (لاٹ پادری) نے یہ منظر دیکھا تو نصاریٰ سے کہا انی لاری وجوھا لو سئلوا اللہ ان یزیل جبلاً من مکانہ لازالہ بھا میں کچھ ایسے مقدس چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر وہ خدا کی بارگاہ میں یہ درخواست پیش کر دیں کہ وہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا دے تو ان کی برکت سے ہٹا دے گا۔ فلا تباھلوھم والا لم یبق نصرانی علی وجہ الارض۔ اس لیے ان سے مباہلہ نہ کرو ورنہ روئے زمین پر کوئی نصرانی نہیں رہ جائے گا۔ چنانچہ تاریخ عالم گواہ ہے کہ انہوں نے جزیہ دینا قبول کر لیا۔ مگر مباہلہ کرنا گوارا نہ کیا ——— امام فخر الدین رازی مذکورہ بالا واقعہ لکھنے کے بعد لکھتے ہیں "واعلم ان ھذہ الروایۃ کالمتفق علی صحتھا بین اھل التفسیر والحدیث" جاننا چاہیئے کہ یہ روایت ایسی ہے کہ گویا اس کی صحت پر تمام اہل تفسیر و حدیث کا اتفاق ہے۔

انکشاف حقیقت ——— مگر بایں ہمہ ہمارے فاضل مؤلف کی جرأت قابل داد ہے کہ ایسی روایات کو ناقابل استدلال قرار دیتے ہیں۔ خواہ کتب اہلسنت میں ہی کیوں نہ ہوں جیسے مؤلف کے حالات میں (جو مقدمۂ کتاب میں درج ہیں) لکھا ہے کہ آپ بریلوی مسلک سے وابستہ تھے اور آخری ایام میں مولانا مدنی (دیوبندی) سے بیعت ہو گئے تھے۔ اب یہ حقیقت کھل گئی ہے کہ جناب والا اعتقاداً خالص چکڑالوی خیال کے ہیں یا کم از کم جہاں اہل بیت نبوت کی شان وارد شدہ روایات کا بیان ہو۔ وہاں تو مزعومہ ہی چکڑالویت کا روپ دھار لیتے ہیں اور پکے سنی کو ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے تاکہ حسبنا کتاب اللہ

سے قائل کی محبت کا حق ادا ہو سکے۔

بیفگن پردہ تا معلوم گردد
کہ یاران دیگرے را می پرستند

اور پھر صادق آل محمدؐ کے شیعوں پر یہ الزام بھی عائد کرتے ہیں کہ وہ اس قسم کی روایات گھڑنے میں مشاق ہیں۔ اے سبحان اللہ! جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی معصومین کے نام لیوا اور نہ ابلیس قدیس؟ اے معاذ اللہ! ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ یہ چیز آپ کے پیرو مرشد معاویہ اور اس کے پیروؤں کو مبارک ہو جس نے آل محمد کے فضائل مٹانے اور دشمنان اہلبیت کے فرضی فضائل گھڑنے کیلئے کچھ اہل علم کے قلم خرید کر باقاعدہ ایک کارخانہ قائم کیا تھا۔ ملاحظہ ہو شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی ج ۳ ص۱۵ طبع مصر و العقد الفرید ج ۲ ص۲۳ وغیرہ اور یہ بات تو اور بھی تعجب خیز ہے کہ شیعہ کتب اہلسنت میں بھی دست اندازی کرنے سے نہیں دریغ کرتے!! بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ عورتیں کسی کی ہوں اور بچے کسی کے؟ ہوش کے ناخن لو بغض آل محمدؐ کے جنون میں کیا کہہ رہے ہو؟ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی؟

مؤلف کے اعتراضات کے جوابات

پہلا اعتراض اس مقام پہ مؤلف نے جو بعض ایرادات کئے ہیں انکے جوابات حاضر ہیں۔ (۱) "انفسنا" میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے اصحاب سب داخل تھے! اس کا صرف جواب یہ ہے کہ علاوہ اس کے کہ یہ سراسر تفسیر بالرائے ہے (جو بالاتفاق حرام و باطل ہے۔ تفسیر اتقان وغیرہ) اگر بقول مؤلف سب اصحاب اس میں شامل تھے۔ تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (جن پر یہ آیت نازل ہوئی تھی اور جو ساری کائنات سے بڑھ کر رمز شناس قرآن و کلام رحمٰن تھے) اپنے تمام صحابہ کو ہمراہ کیوں نہ لے گئے؟ کیا کسی ایک روایت میں بھی ان کا ہمراہ لے جانا مروی ہے؟ جب نہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایراد بالکل بے بنیاد ہے!

دوسرا اعتراض اگر صرف چار حضرات کو ساتھ لے جائیں تو انفسنا اور ابناءنا کا مضمون تو پورا ہو سکتا ہے لیکن نساءنا کا نہیں ——— اس اعتراض میں دو زبردست غلطیاں موجود ہیں۔ ایک یہ کہ ابھی اوپر پہلے اعتراض میں یہ کہا تھا کہ "انفسنا" سے مراد تمام اصحاب ہیں بنابریں اگر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھ صرف حضرت علی کو لے جائیں تو پھر "انفسنا" کا مضمون پورا ہوا یا ادھورا رہا؟ اسے پورا کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے مصداق صرف یہی بزرگوار تھے۔ نہ دوسرے اصحاب!

دوسرے یہ کہ یہ کہنا کہ جناب سیدہ کو ہمراہ لے جانے سے "نسائنا" کا مضمون پورا نہیں ہو سکتا یہ اعتراض درحقیقت لفظ "نساء" کے معنی نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے ۔ جس کی ہمیں کم از کم آفتاب ہدایت کے مؤلف سے توقع نہ تھی کہ وہ اس حد تک علوم عربیہ سے کورے ہوں گے ۔ مگر افسوس ۔ ع

خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

ان کے ذہن میں شاید یہ بات راسخ ہے کہ "نساء" کا مفہوم ہے "زوجہ" حالانکہ علوم عربیہ کی ابجد سے واقفیت رکھنے والے طلبہ بھی جانتے ہیں کہ لفظ "نساء" اور نسوۃ، لفظ امرأۃ کی جمع ہے ۔ علی غیر اللفظ اور امرأۃ کے معنی ہیں عورت (مرد کے بالمقابل) (المنجد، ص۸۰۵) اس میں یہ کوئی تخصیص نہیں کہ وہ زوجہ ہو ۔ یا والدہ ہو یا بیٹی اور ہر عورت میں ان تینوں صفات میں سے کوئی نہ کوئی صفت ضرور پائی جاتی ہے ۔ (۱) بیٹی (۲) بیوی (۳) ماں ــــ اور جناب سیدۃ میں یہ تینوں صفات جمع تھیں (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی، (۲) حضرت علی کی بیوی اور (۳) حسنین کی ماں ۔ تو ان کی شمولیت سے "نسائنا" کا مضمون کیوں پورا نہیں ہو سکتا؟

تیسرا اعتراض کفار کا مقابلہ تو رسول اور سرداران فوج اصحاب کبار سے تھا اور آنحضرت کے ساتھ مباہلہ کے لئے صرف علی، فاطمہ اور حسنین نکلیں ــــ حالانکہ فاطمہ و حسنین جدال کے قابل نہ تھے!

اس قسم کے بودے اور رکیک اعتراض دیکھ کر بے ساختہ یہ شعر نوک قلم پر آجاتا ہے ؎

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

جس طرح اعتراض ۲ کر کے مؤلف نے علم عربی سے اپنے کورا ہونے کا ثبوت دیا تھا یہ اعتراض کر کے انہوں نے علم تاریخ و تفسیر سے اپنے محض نابلد ہونے کا ثبوت بہم پہنچایا ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو مباہلہ کی حقیقت کا بھی پتہ نہیں ۔ وہ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ مباہلہ بھی دیگر اسلامی غزوات (جنگوں) کی طرح شاید کوئی غزوہ تھا ۔ اس لئے اس میں شمشیر بکف مجاہدوں اور صف شکن دلیروں کی ضرورت تھی حالانکہ یہ نصاریٰ نجران سے حضرت عیسیٰ کی بندگی یا خدائی کے بارے میں زبانی گفتگو کے ناکام ہو جانے کے بعد بطور مباہلہ (اللہ کی بارگاہ میں تضرع و زاری کر کے جھوٹوں پر لعنت کرنا) آخری فیصلہ تھا ۔ جس میں کسی قسم کے جدال یا قتل و قتال کا کوئی سوال ہی نہ تھا ۔ صرف ضرورت اس بات کی تھی کہ مباہلہ کرنے والے صادق (سچے) ہوں وبس ۔ سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحکم خدا اپنے عمل و کردار سے فیصلہ کر دیا کہ لوگ جسے چاہیں صادق و صدیق مانیں مگر (خدا اور رسول کی نظر میں) اس وقت یہی بزرگوار صادق تھے ۔ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہمراہ لے گئے اسی بنا پر صاحب کشاف نے لکھا ہے "فیہ دلیل علی فضل اصحا

الکساء دمشی اقوی منہ ج ا صـ۱۹۳

چوتھا اعتراض چوتھا اعتراض اس روایت پر کیا ہے کہ "ابوحارثہ نے کہا کہ اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہلبیت کو لے کر آئیں تو مباہلہ نہ کرنا اور اگر اصحاب کو لائیں تو پروا نہ کرنا"۔۔۔ نصاریٰ کو اہلبیت سے اس قدر عقیدت کس وجہ سے تھی؟۔۔۔ حسنینؑ اور جناب سیدہ کا انہوں نے کیسے دیکھ لیا؟ اس اعتراض کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ ان کو اہلبیت نبوت سے یہ خوش عقیدگی اس لئے تھی کہ وہ آپ جیسے مسلمان نہیں تھے بلکہ نصرانی تھے۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ان کا یہ قول اس بات پر مبنی نہیں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلبیت کون ہیں اور اصحاب کون؟ بلکہ اس امر کی بنیاد اس خیال پر تھی کہ مباہلہ میں موت و حیات کا سوال تھا اور یہ فطرتِ انسانی ہے کہ انسان خطرہ کے مقام میں اپنے خاندان کو نہیں لے جاتا بلکہ ان کو بچاتا ہے۔ بنابریں نصاریٰ نے اس امر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدق و کذب کا معیار قرار دیا کہ اگر تو ان کو اپنی صداقت پر یقین ہے تو پھر اپنے خاندان والوں کو ساتھ لائیں گے اور اگر یہ یقین نہیں تو پھر اصحاب کو لائیں گے۔ چنانچہ حالات نے صورت حال واضح کر دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سب سے زیادہ قریبی عزیزوں کے ساتھ میدان مباہلہ میں نکلے۔ اس لئے نصاریٰ نے مباہلہ منظور نہ کیا۔ اور جزیہ دینا قبول کر لیا۔

دوسرے امر کا اثبات اب رہا دوسرے امر کا اثبات کہ یہ آیت مبارکہ حضرت امیرؑ کی خلافت بلافصل پر دلیل کیونکر ہے؟ تو مؤلف نے شیعہ استدلال کو صحیح انداز میں پیش نہیں کیا۔ یہ آیت وافی ہدایہ دو طرح حضرت امیرؑ اور حسنینؑ کی امامت میں صریح ہے (جناب سیدہؑ دلائل خارجیہ کی بنا پر اس سے خارج ہیں)

طریق اول باوجودیکہ آیت میں، انفس، ابناء اور نساء تمام جمع کے صیغے موجود تھے اور الفاظ میں بہت آدمیوں کو ہمراہ لے جانے کی گنجائش تھی مگر باتفاق فریقین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسلام کی صداقت اجاگر کرنے کے لئے انفس کی جگہ صرف جناب امیرؑ، نساء کی جگہ صرف جناب سیدہ اور ابناء کی جگہ صرف حسنینؑ کو ہمراہ لے جانا سارے مسلمانوں بلکہ سارے عالم پر ان بزرگوں کی افضلیت کی واضح دلیل ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ان سے افضل تو کجا اگر ان کے برابر بھی کوئی اور شخص موجود ہوتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے نظرانداز کر دیتے تو بوجہ ترجیح مرجوح بر راجح یا بوجہ ترجیح بلا مرجح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عصمت و عدالت پر حرف آتا ہے اسی لئے علامہ زمخشری نے تفسیر کشاف ج ا صـ۱۹۳ طبع مصر میں صاف صاف لکھ دیا ہے وفیہ دلیل علی فضل اصحاب الکساء لاشیٔ

اقوی منہ" اس واقعہ میں اصحاب کساء کی فضیلت کی اتنی بڑی دلیل ہے۔ جس سے بڑھ کر کوئی چیز ہو نہیں سکتی۔ ــــــ بلکہ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مودۃ القربیٰ ہمدانی میں موجود ہے (علی ما نقلہ فی مفاتیح المطالب) فرمایا لو علم اللہ تعالیٰ ان فی الارض عباداً اکرم من علی وفاطمۃ والحسن والحسین لا مرنی ان اباھل بھم و لکن امرنی بالمباھلۃ مع ھؤلاء وھم افضل الخلق نغلبت بھم الیھود والنصاریٰ۔ یعنی اگر خدائے تعالےٰ کے علم میں یہ بات ہوتی کہ زمین میں کچھ لوگ علیؑ وفاطمہؑ اور حسنینؑ سے زیادہ مکرم ومحترم موجود ہیں تو وہ ضرور مجھے یہ حکم دیتا کہ میں ان کو ہمراہ لے جاکر مباہلہ کروں لیکن اس (خدا) نے مجھے صرف انہی (چار حضرات) کو ہمراہ لے جاکر مباہلہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس لئے یہ ساری مخلوق سے افضل ہیں اور انہی کی وجہ سے میں نے یہود ونصاریٰ پر غلبہ حاصل کیا ہے۔ اتنی بڑی فضیلت کو جس میں پورے عالم اسلام کی صداقت پوشیدہ ہے کوئی کوتاہ اندیش اور کور باطن یہ کہہ کر خفیف کرنے کی کوشش کرے کہ "صرف چالیس پچاس آدمیوں کی آبادی کے قبضہ میں آجانے سے شوکت اسلام میں کیا اضافہ ہوا" تو اس سے اس کی عظمت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ؟

بہر حال جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ حضرات افضل از مخلوق ہیں۔ تو اب عقل ونقل کا یہی فیصلہ ہے کہ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے افضل ہوگا۔ وہی خلیفہ۔ الٰہی اور امام الکل ہوگا۔ کیونکہ افضل کو چھوڑ کر مفضول کو ہادی ورہنما ماننا عقل ونقل کے سراسر خلاف ہے!

طریق دوم | جیسا کہ قبل ازیں چھٹے مسئلہ کے جواب میں واضح کیا جا چکا ہے کہ خداوند عالم نے اس آیت مباہلہ میں جناب امیرؑ کو نفس رسول قرار دیا ہے (خود جناب امیرؑ نے بروز شوریٰ اپنی اس فضیلت کبریٰ پر افتخار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ صواعق محرقہ ص۷۵ طبع مصر قدیم) یہ بات محتاج بیان نہیں کہ دو جسموں کا باہم ایسا اتحاد کہ انکی دوئیت ختم ہو جائے عقلاً محال ہے۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ بجز مرتبہ نبوت اور اس کے خصائص کے (جو بالاتفاق آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص اور انہی پر ختم ہیں۔ جیسا کہ آیت خاتم النبیین اور حدیث منزلت یا علی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی۔ وغیرہ سے ثابت ہے) باقی سب فضائل وکمالات میں نفس رسول رسول کے مساوی اور ان کے ساتھ شریک ہیں۔ اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منجملہ دیگر صفات وکمالات کے ایک یہ بھی ہے

کہ وہ نہ صرف اپنی امت سے بلکہ تمام مخلوق خدا سے افضل اور ع
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر
کے مصداق ہیں اور سب اہل ایمان کے مولیٰ اور ان کی جان و مال میں تصرف کرنے میں ان سے بھی اولیٰ ہیں (النبی اولیٰ بالمومنین من انفسهم) تو جو بزرگوار بنص قرآن نفس رسول ہوگا۔ وہ بھی تمام کائنات سے افضل اور رسول اسلام کے بعد انہی کی طرح تمام اہل ایمان کا مولیٰ و آقا اور ان پر حاکم ہوگا۔ ولا نعنی بالخلافۃ الا هذا المعنی ــــــ امامت کبریٰ اور خلافت عظمیٰ کے اس کے سوا اور کیا معنی ہیں؟ ــــــ الحمدللہ کہ ان بیانات شافیہ اور دلائل کافیہ کی روشنی میں یہ دوسری تنقیح بھی شیعیان حیدر کرار کے حق میں ثابت ہوئی اور فیصلہ اہلسنت کے خلاف صادر ہوا ــــ اور تیسری تنقیح حضرت امیرالمومنین حضرت علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خلافت بلا فصل کے دوسرے سیکڑوں دلائل و براہین کے جن کے ذکر و شمار کے لئے کئی دفتر درکار ہیں۔ ع
سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لئے!
(اس موضوع پر جہاں اور ہزاروں کتابیں موجود ہیں ہماری ایک کتاب بنام اثبات الامامۃ شائع ہو چکی ہے جس میں اس قسم کے عقلی و نقلی دلائل کی کافی مقدار موجود ہے) صرف انہی آیات و روایات کی روشنی میں جن پر مؤلف نے بزعم خود اعتراضات کئے تھے آپ کی خلافت بلا فصل روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو گئی۔ مگر ان حقائق کو سمجھنے کے لئے، دیدۂ بینا، گوش شنوا اور عقل رسا اور سب سے بڑھ کر عدل و انصاف کی ضرورت ہے۔

ع دیدۂ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے؟
لیکن اگر عقل پر تقلید کی مہر، آنکھوں پر تعصب کی پٹی اور کانوں پر عناد کی چھاپ لگ جائے تو پھر ایسے راہرو کبھی کعبۂ مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔ بلکہ ایسے لوگ جلیشے ــــــ کعبہ پہنچنے کی بجائے ترکستان وغیرہ دور دراز ممالک کی جادہ پیمائی کرتے رہتے ہیں اور لاتسمع (نادانوں) کا علاج خدا کے پاس بھی نہیں ہے (بجز جبر و اکراہ اور وہ جبر کرتا نہیں لا اکراہ فی الدین) سچی بات تو یہ ہے کہ
تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را
غرض ع جنہیں ہو ڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں!

تنقیح سوم کیا حضرت علیؓ خود طالب خلافت تھے؟ اس امر کا فیصلہ کرنے کیلئے کہ جناب امیرؓ وفات نبوی کے بعد خلافت حاصل کرنے کے شائق تھے اور اس کیلئے جدوجہد کی ـــ یا یہ صرف جناب امیرؓ پر اتہام ہے۔

ہم جناب ممدوح کے چند اقوال نہج البلاغہ سے پیش کرتے ہیں جو جناب امیرؓ نے عباس اور ابوسفیان کے خطاب میں فرمایا۔ جب انہوں نے آپ کی بیعت کا ارادہ ظاہر کیا۔

(۱) نہج البلاغہ ص۴۷ ج۲ طبع مصر ہے ـــ ایہا الناس ـــ ترجمہ اے لوگو! فتنہ کی موجوں سے نجات کی کشتیوں میں بیٹھ کر طے کرو اور مسلمانوں میں منافرت پیدا کرنے کا طریق چھوڑ دو اور فخر و غرور کے تاج اتار دو۔ کامیاب وہ ہے جو وقت قوت بازو پر کھڑا ہو یا اطاعت کر کے اسائش حاصل کرے۔ یہ تلخ پانی ہے اور ایسا لقمہ کہ کھانے والے کا گلا پکڑتا ہے جو شخص میوہ کو تیار ہونے سے پہلے توڑتا ہے وہ ایسا ہے گویا دوسرے شخص کی زمین میں کھیتی کرے" اس خطبہ میں جناب امیرؓ اپنے دعویٰ خلافت کو قبل از وقت تصور کرتے ہیں۔

(۲) نہج البلاغہ ص۲۱۶ میں ہے وانا لکم وزیراً خیر لکم منی امیراً۔ میرا وزیر رہنا تمہارے لئے امیر ہونے سے بہتر ہے) اس کلام سے صاف ظاہر ہے کہ آپ خلافت و امارت کے ہرگز خواہاں نہ تھے ـــ خلفائے ثلاثہ کی وزارت کو اپنی امارت ـــ پر ترجیح دیتا ہوں۔

(۳) نہج البلاغہ ص۵۱۹ وص۲۴ ج۲ طبع مصر میں ہے ـــ (ترجمہ) خدا کی قسم مجھے خلافت کی خواہش نہ تھی۔ البتہ تم نے مجھے خلافت کی طرف بلایا اور اس پر مجھے برانگیختہ کیا" اس کلام سے بھی ثابت ہے کہ آپ نے اپنے وقت میں بھی خلافت اپنی خواہش سے قبول نہیں کی بلکہ ـــ مجبوراً ـــ منصب خلافت اختیار کرنا پڑا ـــ پھر جب اس قدر تحقیق سے ـــ ثابت ہو گیا کہ آپ خلافت بلافصل تو کیا بلکہ اپنے وقت کی خلافت کے بھی چنداں خواہاں نہ تھے بلکہ قوم نے ـــ مجبور کر دیا تھا تو یہ امر کہ آپ کو خلافت بلافصل حاصل کرنے کا اس قدر اشتیاق تھا کہ اس کے چھن جانے پر عوام کی طرح اپنی بیوی بچوں کو ہمراہ لے کر مہاجرین و انصار کے در بدر پھرتے رہے بالکل روافض کی گھڑت ہے اور تنقیح سوم بھی ہمارے حق میں خلاف شیعہ ثابت ہے (آفتاب ص۲۱۹)

الجواب

حضرت امیرالمومنین کا سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے بعد

ہمیشہ ہر سہ دور خلافت میں اپنی خلافت حقہ کا دعوے کرنا مسند اقتدار پر متمکن ہونے والوں کو غاصب وجابر اور ان کی خلافت کو غاصبانہ وظالمانہ سمجھنا ایسے ناقابل انکار حقائق ہیں کہ تاریخ اسلام پر نظر رکھنے والا بالانصاف آدمی کبھی ان کے انکار کی جسارت نہیں کرسکتا۔ لیکن چونکہ ہمارے مؤلف نے حقائق ثابتہ کے انکار کا تہیہ کر رکھا ہے۔ اس لئے ان کی ضیافت طبع کے لئے ہم بڑے اختصار کے ساتھ پہلے آنجناب کا ادعائے خلافت ثابت کرتے ہیں۔ بعدازاں ان کے پیش کردہ کلام کا صحیح مفہوم اور اس کا پس منظر بیان کیا جائے گا۔ انشاء۔ اور جہاں تک آنجناب کا خلفاء ثلاثہ کی خلافتوں کو غاصبانہ سمجھنے کا تعلق ہے۔ ہم اس پر قبل ازیں "اصحاب ثلاثہ کی مشترکہ تعریف" کے جواب میں تفصیل سے روشنی ڈال چکے ہیں مزید ثبوت ملاحظہ ہو۔

حضرت امیرؑ خلفاء ثلاثہ کی خلافتوں کو غاصبانہ سمجھتے تھے

جناب امیرؑ فرماتے ہیں اما واللہ لقد تقمصها ابن ابی قحافة وانه لیعلم ان محلی منها محل القطب من الرحٰی ——— فصبرت وفی العین قذی وفی الحلق شجیً اری تراثی نهبا۔ لوگو خدا کی قسم! ابو قحافہ کے فرزند نے پیراہن خلافت کو زبردستی پہن لیا۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ میں (کمالات علمی وعملی کے لحاظ سے) خلافت کے لیے اتنا گزیر ہوں جتنا چکی کیلئے وہ کھونٹا جس پر اس کی گردش منحصر ہوتی ہے ——— میں نے صبر کیا۔ حالانکہ آنکھ خاشاک وغبار سے اور حلقوم گلوا ستخوان (اندوہ) سے سخت تکلیف میں تھا۔ میں اپنی میراث کو تاراج ہوتے دیکھتا رہا ——— نہج البلاغہ ترجمہ رئیس احمد ندوی ج ۱ ص ۱۳۶ وطبع مصر ص ۲۵ فرق صرف اسقدر ہے کہ مصری میں ابن ابی قحافہ کی جگہ لفظ "فلان" مذکور ہے لیکن حاشیہ پر مفتی محمد عبدہ مصری نے اس کی تشریح ابوبکر بن ابی قحافہ سے کردی ہے) (۲) فرماتے ہیں فواللہ مازلت مدفوعا عن حقی مستاثرا علی منذ قبض اللہ نبیہ صلی اللہ علیہ وآلہ الی یوم الناس ھذا۔ خدا کی قسم جب سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دنیا سے پردہ کیا ہے۔ میں برابر اپنے حق سے محروم کیا جاتا رہا ہوں۔ مجھ پر دوسروں کو ترجیح دی جاتی رہی ہے۔ یہاں تک کہ آج (جمل کا) دن آگیا ہے اور لوگ امادہ پیکار نظر آرہے ہیں (نہج البلاغہ ترجمہ ندوی ج ۱ ص ۱۱۲ وطبع مصر ص ۴۷ ج ۱)

(۳) فرماتے ہیں فلما مضی علیه السلام تنازع المسلمون الامر من بعدہ فواللہ ماکان یلقی فی روعی ولا یخطر ببالی ان العرب تزعج ھذا الامر من بعدہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

من اهلبیته علا انھمر مفوہ ھنی۔ پھر جب رسول گذر گئے۔ تو مسلمانوں میں حکومت پر اختلاف ہوا۔ بخدا میرے تصور میں بھی نہ تھا کہ عرب رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس معاملے کو اہل بیت سے دور کر دیں گے بلکہ مجھے یقین تھا کہ معاملہ میرے ہاتھ ہی میں رکھیں گے (نہج البلاغہ ج ۲ صفحہ ترجمہ عبدالرزاق ملیح آبادی طبع لاہور (طبع مصر ج ۳ صفحہ ۱۳۰)

(۴) ابوبکر صاحب کو خطاب کر کے فرماتے ہیں

ان کنت بالشوریٰ ملکت امورھم
فکیف بھذا والمشیرون غیب

اگر تم نے مشورے کے ذریعے ان (مسلمانوں) کے معاملات پر قبضہ کیا تو غلط تھا کیونکہ مشورہ دینے والے (ہم آل نبی) تو موجود نہ تھے۔

وان کنت بالقربیٰ حججت خصیمھم
فغیرک اولیٰ بالنبی واقرب

اور اگر رشتے کی دلیل سے حریف کو چپ کیا۔ تو تمہارا غیر (علیؑ) تو نبی سے زیادہ قریب اور تم سے بہتر ہے (نہج البلاغہ عربی ۳ صفحہ ۹۰ (طبع مصر ج ۲ صفحہ ۱۹۵/۱۹۶)

وفات نبوی کے بعد عہد ثلاثہ میں حضرت علیؑ کا دعوےٰ خلافت

(۵) کتاب الامامۃ و السیاسۃ تالیف الامام الفقیہ ابی محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری المتوفی ۲۷۶ھ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲ پر لکھا ہے کہ جب جناب امیرؑ کو دربار خلافت اوّلی میں لایا گیا اور ان سے بیعت کرنے کو کہا گیا تو آپ نے فرمایا "انا احق بھذا الامر منکم لا ابایعکم وانتم اولیٰ بالبیعۃ لی اخذتم ھذا الامر من الانصار وتاخذونہ منا اھل البیت غصبا ——— (الی ان قال) فواللہ یا معشر المہاجرین لنحن احق بہ ونحن احق بھذا الامر منکم۔ امر خلافت کا میں تم سے زیادہ حقدار ہوں۔ میں تمہاری بیعت نہیں کرتا۔ بلکہ تمہیں میری بیعت کرنا چاہیے تم نے قرابت رسول کا استدلال کر کے انصار سے خلافت کو لیا اور اب ہم اہلبیت سے بھی اسے غصب کرنا چاہتے ہو؟ اے گروہ مہاجرین بخدا کی قسم ہم تمام لوگوں سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقدار ہیں۔ کیونکہ ہم ان کے اہلبیت ہیں ——— اور اس امر خلافت کے تم سے زیادہ سزاوار ہیں ——— (بالآخر بیعت کئے بغیر واپس گھر تشریف لے گئے)

(۶) روضۃ الاحباب ج ۲ صفحہ ۲۲ وروضۃ الصفا ج ۲ صفحہ ۲۹۲ پر لکھا ہے کہ "ابوبکر علی راد مجمع مہاجرین خواند

علیؑ آمد موجب دریافت کرد عمر فاروق گفت کہ چنانچہ سائر اصحاب بیعت با ابابکر کردہ اند تو ہم بیعت کنی۔ علیؑ گفت من ہماں سخن کہ شما بر انصار حجت ساختہ اید در ایں را اگر تقید پذیر شما حجت می گردانم ۔۔۔ عمر گفت ترا نگذاریم تا بیعت نکنی یعنی ابوبکر نے مہاجرین کے مجمع میں حضرت علیؑ کو طلب کیا۔ چنانچہ آپ تشریف لائے اور بلانے کا سبب دریافت کیا عمر نے کہا جس طرح دوسرے اصحاب نے ابوبکر کی بیعت کی ہے آپ بھی کر لیں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا خلافت کے سلسلہ میں جو دلیل تم نے اپنے حق میں انصار کے سامنے پیش کی ہے۔ وہی دلیل میں تمہارے سامنے اپنے متعلق پیش کرتا ہوں ۔۔۔ عمر نے کہا جب تک بیعت نہیں کرو گے۔ ہم آپ کو نہیں چھوڑیں گے (بالآخر معاملہ طول پکڑ گیا اور آنجنابؑ بیعت کے بغیر واپس دولت سرا تشریف لے گئے) (روضۃ الاحباب ج ۲ ص ۲۲۹)

(۷) تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۰۲ طبع مصر میں لکھا ہے کہ جناب امیرؑ نے ابوبکر کو خطاب کر کے فرمایا کہ نرى ان لنا حقا فی ھذا الامر فاستبددت به علینا ثم ذکر قرابته من رسول اللہ وحقه فلم یزل علی یقول ذلک حتی بکی ابوبکر۔ ہم اس امر خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے مگر تم نے ازراہ ظلم و جور اسے ہم سے چھین لیا۔ پھر آنجنابؑ نے رسول خدا سے اپنی قرابت داری اور اپنے حقوق کو اس انداز سے بیان فرمائے کہ ابوبکر رو پڑے"۔

(۸) بخاری ج ۳ ص ۳۵ مسلم ج ۲ ص ۹۱ پر مذکورہ بالا مکالمہ بایں الفاظ درج ہے ولکنک استبددت علینا بالامر وکنا نحن نری لنا حقا لقرابتنا من رسول اللہ"۔ (مطلب وہی ہے جو اوپر مذکور ہے)

ان حقائق کے باوجود یہ کہنا کہ حضرت علیؑ نے کبھی خلافت کا دعوی نہیں کیا اور نہ اس کی کبھی خواہش کی۔ کھلم کھلا جھوٹ اور جناب امیرؑ پر افتراء و بہتان ہے وانما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون ۔۔۔

اتمام حجت کی آخری سبیل

باقی رہا حضرت امیر علیہ السلام کا اپنے بیوی بچوں کو ہمراہ لے کر رات کے وقت مہاجرین و انصار کے دروازوں پر تشریف لے جانا۔ جسے مؤلف نے اپنی جہالت یا تجاہل سے "روافض کی گھڑت" قرار دیا ہے۔ یہ واقعہ اہلسنت والجماعۃ کی کتب معتبرہ میں بھی مذکور ہے ۔۔۔ ملاحظہ ہو ۔۔۔ الامامۃ والسیاسۃ ص ۱۲ طبع مصر قدیم وخرج علی کرم اللہ وجھه یحمل فاطمة بنت رسول اللہ صلے اللہ علیه وآله وسلم علی دابة لیلاً فی مجالس الانصار تسألهم النصرة فکانوا یقولون یا بنت رسول اللہ قد مضت بیعتنا لھذا الرجل ولو ان زوجک وابن عمک سبق الینا قبل ابی بکر ما عدلنا به فیقول علی کرم اللہ وجھه افکنت ادع رسول اللہ صلے اللہ علیه وسلم فی بیته لم ادفنه واخرج انازع

الناس سلطانه ، فقالت فاطمة ما صنع ابو الحسن الا ما کان ینبغی له ولقد صنعوا ما اللہ حسیبهم وطالبهم انتہیٰ کلامہ خلاصہ مطلب یہ کہ حضرت علیؑ رات کے وقت جناب سیدہ دختر رسولؐ کو سوار کر کے انصار کے پاس لے جاتے۔ بی بی عالم ان سے نصرت طلب کرتیں اور لوگ معذرت کرتے ہوئے کہتے۔ اب ہم اس شخص (ابوبکر) کی بیعت کر چکے ہیں اگر آپ کے شوہر پہلے آجاتے تو ہم ان کے سوا کسی کی بیعت نہ کرتے جناب امیرؑ فرماتے۔ کیا میں رسولؐ کو دفن کفن کے بغیر چھوڑ کر خلافت کا جھگڑا لے بیٹھتا؟ جناب سیدہ فرماتیں۔ ابو الحسنؑ (حضرت علیؑ) نے وہی کیا جو انہیں کرنا چاہیئے تھا اور جو کچھ ان لوگوں نے کیا ہے خدا ان سے اسکا محاسبہ کرے گا۔ چونکہ حصول حق کی خاطر آنجناب کی اس جدوجہد کو اس دور کے بعض کوتاہ اندیشوں نے حرص سے تعبیر کیا تھا اور آج بھی ایسے افراد کی کمی نہیں جو اسی نظریہ کے قائل ہیں۔ اس لئے خود جناب امیرؑ کے کلام سے طلب خلافت کا مقصد بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے فرماتے ہیں اللّٰھم انک تعلم انه لم یکن الذی کان منا منافسة فی سلطان ولا التماس شیئ من فضول الحطام ولکن لنرد المعالم من دینک ونظھر الاصلاح فی بلادک فیامن المظلومون من عبادک وتقام المعطلة من حدودک (نہج البلاغہ ج ۲ ص ۱۹ طبع مصر) بار الہا! تو بہتر جانتا ہے کہ ہم سے جو کچھ ظاہر ہوا (مطالبۂ خلافت و سلطنت کے حصول یا مال دنیا کی طلب کے لئے نہ تھا بلکہ صرف اس لئے تھا کہ ہم دین کے نشانات کو ان کی جگہ پر لگائیں اور شہروں میں امن پیدا کریں۔ تاکہ تیرے مظلوم بندے امن میں ہو جائیں اور تیرے معطل شدہ احکام و حدود کو جاری کیا جا سکے۔"

مؤلف کے پیش کردہ کلام جناب امیرؑ کا جواب

اب آیئے حضرت امیرؑ کے اس کلام معجز نظام کا جائزہ لیں جسے مؤلف نے اپنے مقصد باطل کی تائید میں پیش کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے — جب یہ بات ناقابل انکار حقائق کی روشنی میں واضح ہو چکی ہے کہ حضرت امیرؑ خلافت نبوی کو بلاشرکت غیرے اپنا حق سمجھتے تھے اور ثلاثہ کی خلافت کو غاصبانہ و جابرانہ جانتے تھے اور جہاں تک آئینی طور پر اپنی اس رائے کے اظہار کا تعلق تھا وہ بھی آپ نے کئی بار ظاہر فرما دی تھی — مگر جناب امیرؑ اسلام اور مسلمانوں کی اجتماعی بہبود کے پیش نظر اس قسم کی شورش اور ہنگامہ آرائی پسند نہیں فرماتے تھے جس سے خانہ جنگی تک نوبت پہنچ جائے (جیسا کہ کئی بار قبل ازیں آنجناب کے بزور شمشیر اپنا حق نہ لینے پر تبصرہ کیا جا چکا ہے) — لہذا جب ابوسفیان نے جس کا کردار فتح مکہ سے پہلے کھلا اور بعد ازیں اسلامی لبادہ اوڑھ لینے کے بعد مخفی طور پر شجر اسلام کی بیخ کنی کرنے اور اسے صفحہ ہستی سے مٹانے کے متعلق جیسا کچھ تھا وہ اسلامی تاریخ

نگاہ رکھنے والے) حضرات پر مخفی نہیں ہے جب وفات نبوی کے بعد خلافت کا تنازعہ کھڑا ہوا
ـــــ اور عامۃ الناس نے حقیقی وارثان رسول سے انحراف کر کے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر۔
بمشیرے لطائف الحیل کے ساتھ جناب عباس کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا اور جناب امیرؑ کی خدمت میں
حاضر ہو کر بیعت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا اور ساتھ ہی یہ کہا وہ مدینہ کے گلی کوچوں کو سواروں سے بھر دیں
گے۔ مگر جناب امیرؑ چونکہ اس کی شاطرانہ چالوں سے کما حقہ واقف تھے اور علی وجہ الیقین جانتے تھے کہ اس کا
مقصد سوائے شورش و شرارت اور اسلام کو نقصان پہنچانے کے اور کچھ نہیں۔ اس لئے اس کی پیشکش کو
حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا ـــــ یہ واقعات تمام اسلامی تاریخوں میں تفصیل سے مذکور ہیں (ملاحظہ ہو طبری۔
کامل۔ حاشیہ نہج البلاغہ مترجم نسدوی ج ۱ ص ۱۲ وغیرہ)

دوسرے اور تیسرے نمبر پر جو کلام پیش کیا گیا ہے ہمارے پاس نہج البلاغہ کا جو سہ جلدی مطبوعہ
نسخہ موجود ہے (مع شرح محمد عبدہ و حمید الدین) اس میں اگرچہ یہ عبارتیں حوالہ جات صفحات پر بلکہ اِدھر اُدھر
سے تلاش کرنے پر بھی دستیاب نہیں ہو سکیں۔ مگر ہم تسلیم کئے لیتے ہیں۔ کلام ۲ سے ایسا واضح ہوتا
ہے کہ یہ قتل عثمان کے بعد لوگوں کے اصرار بیعت پر آنجناب نے فرمایا ہے اور یہ ان ہی لوگوں سے خطاب کا
کا آغاز ہے۔ آنجناب یہ فرما رہے ہیں کہ میں نے تینوں خلافتوں کے دور میں اپنے حق کا اظہار کیا مگر تم نے
میری بات نہ سنی۔ اب جبکہ قریباً ۲۵ برس کا طویل عرصہ گذر چکا حالات بدل چکے۔ اگر میں امیر بن کر تمہیں
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ پر چلاؤں گا۔ تو تمہیں شاق گذرے گا۔ میں اقتدار سے محروم رہ کر محض حق
گفتار رہوں اور بقدر استطاعت اصلاح امت کیلئے کام کرتا رہوں تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے گا (اس میں
ابوبکر یا عمر وغیرہ کی وزارت کا کوئی تذکرہ نہیں) یہ اس لئے بھی فرمایا کہ جناب کو باعلام ایزدی ان لوگوں کے
نقض بیعت کا علم تھا تاکہ ان پر اتمام حجت ہو جائے۔ مگر ان لوگوں نے اصرار کیا اور بیعت ہو گئی۔ چنانچہ جب
ان ہی لوگوں میں سے بعض نے آنجناب کی مخالفت شروع کی اور بعض نے بیعت کر کے توڑ دی تو اس وقت
آنجناب نے یہ کلام فرمایا۔ بخدا مجھے (پہلے بھی مرتبہ پر) اس خلافت کی کوئی رغبت نہ تھی ـــ لیحق اللہ الحق
بکلماتہ ولو کرہ المجرمون۔ الحمد للہ۔ ان واقعات کی روشنی میں اس تنقیح سوم کا بھی بحق شیعہ خیر البریہ
اور اہلسنت کے مخالف ہونا کالشمس فی رابعۃ النہار واضح و آشکار ہو گیا۔ اب صرف تنقیح چہارم باقی ہے
سو ہم ثابت کریں گے کہ وہ بھی بحق شیعہ ہی ثابت ہے۔ انشاء اللہ۔ انا ھدیناہ السبیل اما شاکرا و اما
کفورا۔

تنقیح چہارم

رہا یہ امر کہ آنجناب نے خلفاء ثلاثہ کی بیعت کی یا نہ کی سو یہ امر مسلمہ فریقین ہے کہ آپ نے اپنے وقت میں ہر سہ خلفاء کی بیعت کر لی۔ ہاں اہلسنت کا یہ اعتقاد ہے کہ آپ نے ان کو خلفاء حق سمجھ کر بطیب خاطر بیعت قبول کی

اور شیعہ کہتے ہیں کہ آپ نے یہ بیعت بطیب خاطر نہیں بلکہ بالجبر کی چنانچہ شیعہ کی تمام کتابوں میں یہ مضمون بالصراحت درج ہے کہ ابوبکر کی بیعت سے آپ پہلو تہی کرتے تھے۔ لیکن ان کو گردن میں رسی ڈال کر دربار صدیق میں لایا گیا اور اس لئے آپ کو جبراً و قہراً بیعت کرنی پڑی

سو کوئی مسلمان جس کے دل میں جناب امیر کرم اللہ وجہہ کی نسبت ذرہ بھی عقیدت ہے ہرگز یہ باور نہیں کر سکتا کہ جناب شجاعت مآب پر کوئی جبرہ دستی کر کے اس سے بزور بیعت منوا تا شیعہ کہتے ہیں کہ آپ پر زبردستی کی گئی —— کیونکہ آپ کو صبر کرنے کا حکم تھا۔ لیکن کوئی عقلمند اس رکیک عذر کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ ایک شخص کا حق زبردستی چھین لیا جاتے۔ اس کی —— بیوی —— کو کوڑوں سے پیٹا جاتے —— اسقاط حمل کیا جائے اور وہ شخص صبر کرتا رہے۔ ایسے شخص کو حلیم و بردبار نہیں بلکہ —— پرلے درجے کا بزدل اور بے غیرت کہا جاتا ہے۔ حاشا و کلا کوئی مسلمان ایسے دور از عقل ڈھکوسلوں کو تسلیم نہیں کر سکتا۔

بیعت کے متعلق شیعہ کے دو مختلف قول

شیعہ کا ایک قول تو یہ ہے کہ بذلت و رسوائی باندھ کر کھینچ گھسیٹ کر لے گئے اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر ابوبکر کے ہاتھ میں دیا گیا اور اس طرح رسم بیعت بذور ادا ہوئی۔ جیسا کہ جلاء العیون اردو ص ۱۵۲ میں —— لکھا ہے و بعد ازاں مذکورہ بالا مضمون کی روایت درج کر کے اس پر حاشیہ آرائی فرمائی ہے۔ بہرحال اس روایت میں واقعہ بیعت کو جناب امیر کی بے بسی و مجبوری کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے —— لیکن شیعہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ آپ نے ایک مصلحت سے ابوبکر کی بیعت بخوشی قبول کر لی۔ چنانچہ فروع کافی ج ۳ ص ۱۳۹ کتاب الروضۃ میں یوں درج ہے —— ترجمہ زرارہ نے امام جعفر علیہ السلام سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا۔ لوگوں نے جب یہ بات کی کہ بیعت ابوبکر کی کر لی تو امیر کے لئے اور کوئی امر اس سے مانع نہ تھا کہ اپنی بیعت کی طرف لوگوں کو بلاتے سوائے اس کے کہ آپ کو خوف ہو گیا تھا کہ اگر بیعت ابوبکر سے ہٹا کر اپنی بیعت کی طرف بلائیں تو لوگ اسلام ہی سے پھر جائیں اور رسالت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے منکر ہو جائیں اور آپ اس بات کو زیادہ پسند کرتے

تھے کہ ان کو اس (بیعت ابوبکر) پر شہپار رہنے دیں۔ اس سے کہ وہ سرے سے اسلام ہی چھوڑ بیٹھیں اور بہر حال وہ لوگ ہلاک ہو گئے جو بیعت ابوبکر پر متفق ہو گئے۔ ہاں جو لوگ اس سے منصوبہ میں شامل نہ تھے اور لوگوں کی دیکھا دیکھی بغیر علم و عداوت امیر المومنین انہیں داخل ہو گئے۔ وہ کافر نہیں ہوتے نہ اسلام سے خارج ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنی خلافت کے استحقاق کو چھپا رکھا اور مجبور ہو کر بیعت کر لی۔ جبکہ اپنے مددگار نہ دیکھے (اسی مقام پر متن کے لفظ "بخوشی قبول کر لی" پر حاشیہ ملے میں شرح نہج البلاغہ مصنفہ سلطان محمود طبرسی ج ۲ سے ایک عبارت نقل کی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے: روایت ہے کہ پہلے لوگوں کی توجہ امیرؑ کی طرف تھی جب جناب سیدہ فوت ہوئیں تو لوگوں کی توجہ کم ہو گئی۔ تو آپ اپنے گھر سے نکلے۔ اور بیعت ابوبکر کر لی۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب امیرؑ نے دیکھا کہ صحابہ کلہم بیعت ابوبکر پہ متفق ہو گئے اور آپ کا ساتھ بالکل چھوڑ دیا گیا ہے اور حالت ایسی نازک ہو گئی کہ ——— آپ اپنی بیعت منانا چاہیں تو لوگ اسلام ہی کو خیر باد کہہ دیں تو آپ نے اپنے استحقاق کو اپنے سینہ ہی میں مخفی رہنے دیا ——— اور مصلحتاً خود بھی بیعت کر لی ——— نہ کوئی ناگوار قضیہ پیش آیا ——— ایسے متعارض اقوال کے ہوتے ہوئے شیعہ اپنے دعوے میں کامیاب نہیں رہتے اور بلا شبہ تنقیح بحق اہلسنت ——— خلاف اہل تشیع ثابت ہو جاتی ہے۔

فیصلہ جب ہر چہار تنقیح بحق اہل سنت ——— خلاف شیعہ قرآن و حدیث و احادیث ائمہ اہلبیت و اقوال جناب امیرؑ سے ثابت ہو گئے تو دعوے شیعہ باطل قرار دیا جا کر ڈگری بحق اہل السنۃ خلاف شیعہ صادر کی جاتی ہے کہ امامت و خلافت ایک ہی چیز ہے اور حضرت امیر کی خلافت بلا فصل پر کوئی نص قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ہے اور انتخاب خلافت شوریٰ مہاجرین و انصار و اتفاق اہل حل و عقد سے عین منشاء ایزدی ہے ——— نیز تا رہا جناب امیر ہرگز طالب خلافت نہیں تھے اور انہوں نے برضا و رغبت ہر سہ خلفاء کی بیعت کی ——— شیعہ کا یہ سب شور و شغب ان کی لاعلمی اور جہالت اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہے ——— اب خلافت کی بحث ختم ہو چکی اور دلائل سے ہم نے اپنے مدعا کو ثابت کر دیا جس کا جواب شیعہ قیامت تک نہیں دے سکتے۔ (آفتاب صفحہ ۲۲۲)

الجواب

مؤلف نے اس تنقیح میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ چند وجہ غلط ہے۔
اولاً آنجناب کا یہ کہنا کہ مسلمہ فریقین ہے کہ آپ (حضرت علیؑ) نے
بر سر خلفاء کی بیعت کی" یہ بات بالکل خلاف واقع ہے۔ جبکہ بہت سے شیعہ علماء محققین مثل حضرت شیخ مفیدؒ و
جناب سید مرتضےٰ علم الہدیٰ وغیرہم اس بیعت کے قائل ہی نہیں۔ نہ جبراً اور نہ اختیاراً۔
ثانیاً۔ ان کا یہ کہنا کہ اہلسنت کا اعتقاد یہ ہے کہ آپ نے ان ثلاثہ کو خلفاء حق جان کر برضا و رغبت بیعت کی اور شیعہ کہتے ہیں کہ
بالجبر کی —— یہ بھی حقائق کے سراسر خلاف ہے۔ ہم عنقریب واضح کریں گے (اگرچہ تیسری تنقیح کے جواب
میں بھی ایسا مواد موجود ہے) کہ خود اہلسنت کی کتب معتبرہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اگر یہ بیعت ہوئی تو بہ جبر و
تشدد اور خرابیٔ بسیار کے بعد واقع ہوئی۔
ثالثاً۔ مؤلف نے ص۲۱ پر تو یہ تسلیم کیا ہے کہ "شیعہ یہ کہتے ہیں کہ آپ نے یہ بیعت بطیب خاطر نہیں
بلکہ بالجبر کی چنانچہ شیعہ کی تمام کتابوں میں یہ مضمون بالصراحت درج ہے" لیکن ص۲۲ پر لکھا ہے۔
لیکن شیعہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ آپ نے ایک مصلحت سے حضرت ابوبکر کی بیعت بخوشی کر لی تھی" اب ان دو
متضاد دعوؤں میں سے کس کو صحیح تسلیم کیا جائے؟ سچ ہے۔ دروغ گو را حافظہ نباشد۔ بہر حال یہ بھی غنیمت
ہے کہ ؎

سا تھ انکار کے پردہ میں کچھ اقرار بھی ہے!

رابعاً۔ مؤلف نے ص۲۲ دعوے یہ کیا ہے کہ شیعہ کا دوسرا قول یہ ہے —— "بیعت بخوشی قبول کر لی"
اور ثبوت میں روضۂ کافی سے جو مرسل و مقطوع روایت پیش کی ہے (جو بجائے خود ناقابل اعتماد ہے) اس میں یہ وضاحت موجود ہے کہ "بایع
مکرھا حیث لم یجد اعوانا" جس کا ترجمہ خود مؤلف نے یہ کیا ہے "اور مجبور ہو کر بیعت کر لی جبکہ اپنے
مددگار نہ دیکھے" اگر بخوشی بیعت کرنے کا یہی مفہوم ہے کہ مددگار نہ ہونے کی وجہ سے مجبوراً بیعت کر لی" تو پھر
جبر و اکراہ کا مطلب کیا ہے؟ کیا دعوے و دلیل میں مطابقت اسی چیز کا نام ہے؟ دعویٰ کچھ اور دلیل کچھ؟
خامساً۔ مؤلف نے عنوان بیعت کے متعلق شیعہ کے دو مختلف قول" کے تحت جو کچھ کہا ہے
(ایک فریق بیعت بالجبر اور دوسرا بالرضا کا قائل ہے) وہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ در اصل وہ دو قول یہ ہیں (۱) پہلا یہ کہ
بیعت ہرگز واقع ہی نہیں ہوئی نہ بالجبر اور نہ بالرضا (۲) دوسرا یہ کہ واقع تو ہوئی ہے۔ مگر جبر و اکراہ
کے ساتھ (جیسا کہ کتب اہلسنت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کما سیظہر ان شاء اللہ)
سادساً۔ روضۂ کافی والی حدیث میں وارد شدہ لفظ "فکذا اللہ کتم علی امرہ" کے متعلق
مؤلف نے جو یہ لکھا ہے کہ "آپ نے اپنے استحقاق خلافت کو اپنے سینہ میں مخفی رہنے دیا" درست

نہیں ہے ہم تیسری تنقیح کے جواب میں دلائل قطعیہ سے آنجناب کا اپنے استحقاقِ خلافت کا بار بار اظہار کرنا
ثابت کر چکے ہیں ہاں البتہ انھوں نے اس سلسلہ میں زور آزمائی کرنے کو اسلام اور مسلمانوں کے اجتماعی مفاد
کے خلاف سمجھا۔ لہٰذا یہاں بھی اس جملہ کا یہی مفہوم ہے کہ آنجناب نے امت مسلمہ کے مرتد ہو جانے کے
اندیشہ سے اپنا حق لینے کے سلسلہ میں ہنگامہ آرائی اور زور آزمائی نہیں فرمائی۔ بلکہ اس صدمہ کو برداشت
کر گئے ـــــ

پہلے گروہ یعنی منکرین بیعت کے دلائل کا ایک شمہ

ـــ شیعہ علماء محققین کا وہ طبقہ جو سرے
سے اس بات کا منکر ہے وہ اپنے اس
نظریہ کی صحت پہ بکثرت دلائل قاطعہ رکھتا ہے۔ جن سب کا یہاں ذکر کرنا موجب طوالت ہے مختصر یہ کہ لفظ
"بیعت" باب مفاعلہ (بایع یبایع مبایعۃ) کے مصدر (مبایعت) (جس کے معنی ہیں باہمی خرید و فروخت)
سے حاصل مصدر ہے۔ جس کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ بیعت کرنیوالا اپنا دین و ایمان اور اپنے امور دنیا و
دین اس شخص کے حوالے کر دیتا ہے جس کی بیعت کرتا ہے اور اس کے عوض اس سے جنت لیتا ہے لیکن
جو بدکار بمطابق فرمان رسول خود قسیم الجنۃ والنار ہو (کنز العمال ج ۶ ص ۴۰۲ ۔ صواعق محرقہ باب ۵ ص ۷۵ فصل
۱ ریاض نضرہ ج ۲ ص ۱۷۲ ، ص ۲۰۳ وغیرہ) اور جو خلافت کو بلا شرکت غیرے اپنا حق سمجھتا ہو (تیسری تنقیح
کا جواب ملاحظہ کریں) جو رسول کے بعد ساری کائنات سے افضل ہو (اس کی ایک دلیل اور اس کا جواب بذیل آیت
مباہلہ ملاحظہ ہو) اور جو ابو بکر و عمر کو گنہگار، خیانتکار، عہد شکن اور غدار سمجھتا ہو (صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۱ مع شرح نووی
تفصیل "اصحاب ثلاثہ کی مشترکہ تعریف" کے جواب میں ملاحظہ ہو) اس کے متعلق ایک لمحہ کیلئے بھی کوئی صحیح العقل
آدمی یہ تصور نہیں کر سکتا کہ وہ کسی کی بھی اور بالخصوص ابو بکر و عمر جیسے اشخاص کی بیعت کرے۔ حاشا و کلا ـــــ

ع بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است!

دوسرے طبقہ یعنی جبری بیعت کے قائلین کے مختصر دلائل

جو طبقہ اس کا قائل ہے کہ بیعت
واقع ہوئی تو وہ بھی یہ کہتا ہے
کہ یہ بڑے جبر و اکراہ کے بعد عمل میں آئی۔ یہ تو مولف نے تسلیم کر بھی لیا ہے کہ "شیعہ کی تمام کتابوں میں یہ مضمون
بالصراحت درج ہے (آفتاب ص ۲۱۹) اس لئے اس سلسلہ میں شیعہ کتابوں سے حوالجات پیش کرنے کی ضرورت نہیں (جو
ویسے بھی اصول مناظرہ کے خلاف ہے) ہاں بموجب

ے خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

ہم اہلسنت والجماعت کی کتب معتبرہ سے اس بیعت کا بالجبر والاکراہ ہونا ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن قتیبہ دینوری اپنی مشہور عالم کتاب الامامۃ والسیاسۃ ص ۱۲ طبع مصر بذیل عنوان "اباءۃ علی کرم اللّٰہ وجہہ بیعۃ ابی بکر رضی اللّٰہ عنہ" (یعنی علی کرم اللہ وجہہ کا بیعت ابی بکر سے انکار) ــــ رقمطراز ہیں "ان ابا بکر رضی اللّٰہ عنہ تفقد قوماً تخلفوا عن بیعتہ عند علی کرم اللّٰہ وجہہ فبعث الیہم عمر فجاءہ فناداھم وھم فی دار علی فابوا ان یخرجوا فدعا بالحطب فقال والذی نفس عمر بیدہ لتخرجن او لاحرقنہا علی من فیہا فقیل لہ یا ابا حفص ان فیہا فاطمۃ فقال وان۔ یعنی ابو بکر نے ایک جماعت کو نہ پایا۔ جو ان کی بیعت سے گریز کرتے ہوئے حضرت علی کے ہاں قیام پذیر تھے چنانچہ انہوں نے عمر کو ان کے پاس بھیجا۔ انہوں نے جا کر ان کو آواز دی۔ مگر انہوں نے باہر نکلنے سے انکار کر دیا عمر نے لکڑیاں منگوائیں اور (دھمکیاں دیتے ہوئے) کہا اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں عمر کی جان ہے۔ باہر نکلو ورنہ میں گھر والوں سمیت گھر کو جلا دوں گا۔ ان سے کہا گیا اے حفصہ کے باپ! اس گھر میں تو فاطمہ بھی ہیں؟ کہا اگرچہ وہ بھی ہوں ــــ تو اس کے بعد لکھا ہے اس دھمکی کے بعد سوائے جناب امیرؑ کے دوسرے لوگ تو باہر نکل آئے اور جا کر بیعت کر لی۔ مگر ہنوز حضرت علی گھر ہی میں تھے ان کے متعلق ص ۱۳ پر لکھا ہے) وبقی عمر ومعہ قوم فاخرجوا علیاً فمضوا بہ الی ابی بکر فقالوا لہ بایع فقال ان انا لم افعل فمہ؟ قالوا اذاً واللّٰہ الذی لا الہ الا ھو نضرب عنقک یعنی عمر اور اس کے ساتھ ایک جماعت (دروازہ فاطمہ پہ) باقی رہ گئی۔ چنانچہ وہ حضرت علی علیہ السلام کو گھر سے نکال کر ابو بکر کے پاس لے گئے وہاں ان سے کہا گیا کہ بیعت کرو! آپ نے فرمایا! اگر بیعت نہ کروں تو پھر کیا ہو گا؟ کہا اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں اگر بیعت نہیں کرو گے تو آپ کی گردن اڑا دیں گے" ــــ اہل عقل و انصاف بتائیں کیا اسی چیز کا نام رضا و رغبت ہے؟ اور اگر یہی رضا و رغبت ہے تو پھر جبر و اکراہ کس جانور کا نام ہے؟

(۲) الامامۃ والسیاسۃ میں اگرچہ قہر و غلبہ کے جبر و تشدد کا تذکرہ تو موجود ہے مگر اس میں اس امر کی وضاحت نہیں کی گئی کہ حضرت امیرؑ کو کس حالت میں گھر سے نکال کر دربار میں لے جایا گیا؟ اس کی تفصیل شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی (سنی) ج ۲ ص ۲۷ طبع مصر میں مذکور ہے لکھا ہے "وتخلف علی عن بیعۃ ابی بکر فاخرج ملبباً یمضی بہ رکضاً" یعنی حضرت علیؑ نے ابو بکر کی بیعت سے تخلف کیا۔ تو ان کو گریبان سے پکڑ کر (یا گردن میں کوئی چیز ڈال کر) کھینچ کر رواں دواں لایا گیا۔

(۳) تاریخی حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ بیعت لینے کے لئے جبر و اکراہ کے ساتھ حضرت امیرؑ کو دربار خلافت میں لانے کے واقعات اس قدر مشہور و مسلم تھے کہ معاویہ نے اپنے بعض خطوط میں

امیرؑ کو طعنہ دیتے ہوئے لکھا ہے تقاد کما یقاد الجمل المخشوش حتیٰ تبایع۔ تمہیں دربارِ خلافت میں یوں پکڑ کھینچ کر لایا جاتا تھا جس طرح (مست) اونٹ کے ناک میں نکیل ڈال کر کھینچا جاتا ہے تب آپ بیعت کرتے تھے! (العقد الفرید ج ۲ ص ۲۳۴ طبع مصر) جناب امیرؑ نے اس طنز آمیز خط کا جو حکیمانہ جواب باصواب دیا ہے وہ علاوہ العقد الفرید ج ۲ ص ۲۳۴ کے خود نہج البلاغۃ ج ۲ ص ۳۵ طبع مصر پر بھی مذکور ہے۔ فرماتے ہیں۔ یا معاویہ! اردت ان تذم فمدحت و لعمر اللہ فما علی المسلم من غضاضۃ فی ان یکون مظلوماً۔ اے معاویہ! خدا کی قسم تو نے ارادہ تو یہ کیا تھا کہ (مجھے) طعنہ دے کر (میری) مذمت کرے لیکن تو نے تو (لاشعوری طور پر میری) مدح کر دی اور چاہا تھا کہ مجھے رسوا کرے مگر خود رسوا ہو گیا۔ کیونکہ مسلمان کے لئے مظلوم ہونا عیب نہیں ہے (اور یہ تو نے تسلیم کر لیا ہے کہ میں خلفاء ثلاثہ کے دور میں مظلوم رہا ہوں) ہاں البتہ ظالم ہونا عیب ہے جس سے میرا دامن صاف ہے۔"

(۴) اس کلام کے ذیل میں مفتی محمد عبدہ لکھتے ہیں "طعن معاویۃ علی الامام بانہ کان یجبر علی مبایعۃ السابقین من الخلفاء" یعنی معاویہ نے امام (حضرت علیؑ) کو یہ طعنہ دیا تھا کہ ان کو سابقہ خلفاء (ثلاثہ) کی بیعت پر مجبور کیا جاتا تھا" (حاشیہ نہج البلاغہ ج ۲ ص ۳۵ طبع مصر) ان حقائق کی روشنی میں آفتاب عالمتاب کی طرح روشن و منور ہو گیا کہ اگر بالفرض حضرت علیؑ نے خلفاء ثلاثہ کی بیعت کی بھی ہے تو وہ بہت ہی جبر و اکراہ اور ناخوشگوار واقعات کے بعد! ... ہے کہ ایسی بیعت بجائے اس کے کہ اصحاب ثلاثہ کیلئے باعث فضیلت ہو یہ تو الٹا ان کے لئے وزر و وبال کا باعث ہے اور ان کے ظلم و جور کو طشت از بام کرتی ہے۔ جس سے نہ صرف ان کی خلافت کا بطلان ثابت ہوتا ہے بلکہ ان کے ایمان و اسلام کی ناؤ بھی عین منجدھار میں ڈوبتی ہوئی نظر آتی ہے فھل من مدکر؟؟ سنیو!

شعر: نہ سمجھو گے تو پھر سمجھو گے تم یہ چیستاں کب تک؟

ازالہ شبہ اس مقام پر مؤلف نے دوستی کی آڑ میں جناب امیرؑ کے متعلق جو نازیبا کلمات استعمال کئے ہیں کہ ایسے مصائب کے وقت صبر کرنے والے مرد کو پرلے درجے کا بزدل اور بے غیرت کہا جاتا ہے" اس سے ان کی ناصبیت کا پردہ بالکل چاک ہو گیا ہے ورنہ جس شخص کے دل میں حضرت امیرؑ کی ذات جامع کمالات کی نسبت ذرہ بھر بھی عقیدت و ارادت موجود ہو ہرگز ایسے الفاظ استعمال کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا بہرحال مؤلف جو چاہیں کہیں اور لکھیں اور جناب امیرؑ کے اس فوق العادہ صبر و ضبط پر جس انداز میں چاہیں تبصرہ کریں ہم اس بحث امامت کی دوسری تنقیح کی تیسری دلیل کے جواب میں مرقوم تفصیل کے ساتھ اس

موضوع پر کماحقہ روشنی ڈال چکے ہیں کہ ایسے جانگداز حالات میں جناب امیرؓ خیبر گیر نے تلوار کیوں نہ اٹھائی؟ اسی مقام پر دیگر مصالح و حکم کے علاوہ یہ امر بھی کتب اہلسنت سے ثابت کیا گیا ہے کہ ان کو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاکیدی وصیت بھی تھی کہ وہ ان حوصلہ شکن مصائب پر صبر و شکیبائی سے کام لیں۔ اس لئے انہوں نے صبر و ضبط سے کام لیا۔ لہٰذا یہ بات ان کے کمال ایمان اور کمال شجاعت کی بیّن دلیل ہے کہ باوجود ایسے صبر شکن حالات کے بھی وصیت نبوی کے پاس اور اسلام کے مفاد کی خاطر طاقت استعمال نہ کی اور شجاعت اسی کا نام ہے کہ جب قدم اٹھانا مناسب ہو اس وقت پر جگری کے ساتھ آگے قدم بڑھایا جائے۔ اگرچہ جان بھی چلی جائے۔ اور جب سکوت کی ضرورت ہو تو تحمل سے کام لیا جائے۔ اگرچہ انتہائی ناگوار واقعات کا بھی سامنا کرنا پڑے"!!

وضاحت آفتاب ہدایت چونکہ باپ (مولوی کرم الدین صاحب) اور بیٹے (قاضی مظہر صاحب) بلکہ پوری جماعت خدام اہلسنت کی مشترکہ کد و کاوش اور کاہش کا نتیجہ ہے اس لئے بموجب "آنچہ پدر نتواند پسر تمام کند" بعض مقامات پر قاضی صاحب کے حواشی موجود ہیں منجملہ ان کے ایک یہی مقام ہے چنانچہ کتاب کے ص۲۲۲ کے حاشیہ پر کسی مجہول الاسم اور مجہول المؤلف شرح نہج البلاغہ سلطان محمود کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ جب جناب سیدہ فوت ہوئیں تو لوگوں کی توجہ حضرت علیؓ سے ہٹ گئی تو آپ اپنے گھر سے نکلے اور بیعت ابوبکر کرلی ——— یہ بات بوجوہ اثبات مدعا سے قاصر ہے۔

اولاً:۔ اس نام کی کوئی شرح شیعوں میں موجود نہیں ہے۔ یہ کوئی فرضی شرح ہے یا پھر لکھنے والا کوئی سنی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب نے بھی نقل در نقل سے کام لیا ہے ورنہ صفحہ یا جلد یا مطبع کا حوالہ ضرور دیتے؟

ثانیاً:۔ اس میں لفظ "روی" موجود ہے۔ جس کا ترجمہ ہے "روایت کی گئی ہے"۔ اب اس کا راوی کون ہے؟ قابل اعتبار ہے یا ناقابل اعتماد؟ سنی ہے یا شیعہ؟ کچھ معلوم نہیں۔ اس لئے اہل علم لفظ "روی" "حکی" "نقل" "یا قیل" کو ضعف و کمزوری کی علامت سمجھتے ہیں۔ لہٰذا یہ روایت ضعیف ہونے کی بنا پر ناقابل استدلال ہے۔

ثالثاً:۔ دلائل خارجیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے راوی اہلسنت ہیں چنانچہ ان کی سب سے بڑی مستند کتاب صحیح بخاری ج۲ ص۶۰۹ طبع مجتبائی دہلی میں لکھا ہے "وکان لعلیؓ وجہ حیاۃ فاطمۃ فلما توفیت استنکر علی وجوہ الناس فالتمس مصالحۃ ابی بکر ومبایعتہ ولم یکن یبایع تلک الاشہر یعنی جب تک جناب فاطمہؑ زندہ تھیں تب تک لوگوں کی نظروں میں حضرت علیؑ کی کچھ وقعت تھی مگر

جب جناب سیدہؑ وفات پاگئیں تو حضرت علیؑ نے دیکھا کہ لوگ بالکل ان سے روگردان ہو گئے ہیں۔ اب ابوبکر سے مصالحت و مبایعت کرنا چاہی۔ لیکن ان مہینوں میں (جن میں جناب سیدہ زندہ تھیں یعنی بقول اہلسنت وفات نبوی کے چھ ماہ بعد تک) حضرت علیؑ نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی تھی!! اس سے بھی (بنابر تسلیم) یہی ثابت ہوتا ہے کہ حالات حاضرہ سے مجبور ہو کر آنجناب نے ابوبکر کی بیعت کی جو دوسرے معنوں میں صرف ایک قسم کی مصالحت تھی! ورنہ بات بالکل روشن ہے کہ اگر حضرت علیؑ، ابوبکر کو خلیفہ برحق اور بیعت کے قابل سمجھتے تھے تو پھر چھ ماہ تک توقف کرنے کا کیا مطلب تھا؟؟

کشفِ حقیقت نیز اس روایت کے آخری جملہ (ولم یکن لیبایع تلک الاشھر) نے ان لوگوں کے خیال کو بھی محال ثابت کر دیا جو یہ انوکھا راگ الاپا کرتے ہیں کہ یہ چھ ماہ بعد والی بیعت ثانیہ (دوسری بیعت) تھی اور سابقہ واقعات نے اس بے سروپا قصہ کو باطل کر دیا جس میں مذکور ہے کہ جب حضرت علیؑ کو ابوبکر کے خلیفہ بننے کی اطلاع ملی۔ تو نہ سر پہ عمامہ رکھا، نہ کاندھوں پر چادر ڈالی بلکہ ویسے ہی دوڑے آئے اور آتے ہی بیعت کر لی۔ مبادا کپڑے پہننے میں دیر ہو جائے! سبحان اللہ ھذا بہتان عظیم: ظاہر ہے کہ بنابر اصول اہلسنت۔ بوقت تعارض روایات بخاری کی روایت کو مقدم سمجھا جائے گا۔ کما لا یخفیٰ۔

آخری فیصلہ ہمیں رہ رہ کر مؤلف کی روش ورفتار پر تعجب ہوتا ہے کہ خود ہی مقدمہ دائر کرتے ہیں۔ خود ہی کرسی عدالت پر براجمان ہو جاتے ہیں اور پھر خود ہی اپنے حق میں فیصلہ صادر کر دیتے ہیں۔ گویا ع

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ

ہے اس دھاندلی یا سادگی کی کوئی حد؟

ے اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا ⁂ لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

شاید انہوں نے اپنے خلیفہ اول یہ روش سیکھی ہے کہ مدعا علیہ بھی اپنے حق میں فیصلہ کر کے مدعی کے خلاف ڈگری کر سکتا ہے

ع صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے!

اور جہالت مرکبہ کا یہ عالم ہے کہ اپنے تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور دلائل کو بزعم خود اتنا مضبوط سمجھتے ہیں کہ قیامت تک کوئی شیعہ ان کا جواب نہیں دے سکتا! جوابدہی میں اتنی تاخیر بھی صرف اس لئے ہوئی کہ علماء نے اس مزخرف کتاب کو توجہ و جواب کے قابل ہی نہ سمجھا تھا۔ ورنہ ان کی زندگی میں ہی ان کی

اس خام خیالی کا پردہ چاک ہو جانا (جس کا ہمیں بہر حال افسوس ہے) اب ہم نے ان کی چاروں تنقیحات کے جواب میں جو تحقیقی اور الزامی حقائق پیش کر دیئے ہیں ہم بجائے اپنی طرف سے کچھ کہنے کے دنیا کے تمام انصاف پسند، منصف مزاج حقیقت شناس اور طالبانِ حقیقت لوگوں پر اس بات کا فیصلہ چھوڑتے ہیں کہ ہر چہار تنقیح حق اہلسنت ثابت ہیں یا حق شیعہ خیر البریہ؟ ہم علی وجہ البصیرۃ یہ کہہ سکتے کہ ان بیشک یہ حقائق کے پیش نظر دنیا کا ہر منصف مزاج انسان شیعیانِ حیدر کرار کے حق میں فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گا ___ ہم نے بہر کیف استنے بڑے چیلنج کا مکمل و مدلل اور مفصل جواب حاضر کر دیا ہے ۔ ط

خطا نمودہ ام و چشم آفرین دارم!

ان فی ذالک لآیات لقوم یعقلون ۔

مطاعن شیعہ ہر چند شیعہ کے مطاعن کے شافی جواب کتب متقدمین اہل السنت والجماعت میں دیئے جا چکے ہیں لیکن شیعہ اس سے اغماض کر کے پھر نئے رنگ میں انہی اعتراضات کو دہرایا کرتے ہیں ۔ اس لئے یہاں ان کے مطاعن کو ایک ایک کر کے پہلے لکھ کر ان کے دندان شکن جواب دیے جاتے ہیں ___

پہلا طعن جناب صدیق اکبر کی نسبت یہ ہے کہ آپ نے جیش اسامہ سے تخلف کیا ۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کو خود تیار کر کے روانہ کیا اور سب کو ___ متعین کر کے بڑی تاکید ___ سے فرمایا جہزوا جیش اسامة لعن اللہ من تخلف عنها (اسامہ کے لشکر کو تیار کرو ۔ جو شخص اس سے تخلف کرے گا ، مورد لعنت ہو گا)

جواب اس طعن کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تجہیز جیش اسامہ کا جو حکم فرمایا ۔ اس کی تعمیل صدیق اکبر نے بوجہ احسن کی ___ ۲۶ صفر کو پیر کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ رومیوں کی سرکوبی کے لئے زید بن حارثہ کے انتقام کی مہم روانہ کی جائے ۔ آپ نے منگل کے روز اسامہ بن زید کو اس لشکر کا امیر نامزد فرمایا ۔ بدھ کو ___ بیمار ہو گئے ___ جمعرات کو باوجود بیماری کے بدست خود علم کی درستی فرمائی اور اسامہ کو فرمایا اغز بسم اللہ فی سبیل اللہ وقاتل من کفر باللہ ۔ اسامہ حسب ارشاد نبوی علم لے کر نکلے اور نشان بریدہ بن حصیب اسلمی

کے حوالہ کر دیا اور مقام جرف میں پڑاؤ کیا جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے ——
اصحاب کبار —— صدیق و فاروق، عثمان، علیؓ اور دیگر اکابر اصحاب نے بھی ——
تیاری کر کے اپنے خیمے مقام مذکور میں بھیج دیئے۔ راستے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی بیماری میں تیزی ہوگئی اور عشاق رسول بے قرار ہوگئے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے
حضرت ابو بکر کو اپنی جگہ امامت پر مامور فرمایا (کتب فریقین میں اس کا ذکر موجود ہے)
۱۰ ربیع الاول حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو مرض سے کسی قدر افاقہ ہوا —— اسامہ
کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بغلگیر فرما کر دعا فرمائی۔ اسامہ کوچ کے لیے تیار تھے ——
ام ایمن اور اسامہ —— کہنے لگیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت نازک ہوگئی ہے
اسامہ —— یہ خبر سن کر ششدر رہ گئے۔ اور کمریں کھول دیں —— حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے وصال کے بعد جب تجہیز و تدفین سے فراغت ہوئی اور منصب خلافت پر صدیق
اکبر جاگزیں ہوئے تو اسامہ نے پھر مقام جرف میں جھنڈا گاڑ دیا —— اسی اثنا میں مدینہ
خبر پہنچی کہ بعض قبائل مرتد ہو گئے ہیں اور مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ بعض صحابہ نے
حضرت ابو بکر —— سے عرض کی کہ اس موقعہ پر لشکر اسامہ کی روانگی —— ملتوی کر دی جائے
لیکن صدیق اکبر نے فرمایا —— اور کہا جس لشکر کو آقا نے نامدار تیار کر چکے ہیں میں اس کو بھی
نہیں روک سکتا —— اگرچہ منافقین مدینہ و مضافات میں مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔
الغرض لشکر اسامہ کو آپ نے مکمل ساز و سامان سے لیس کر کے روانہ کیا اور حضرت عمر کو
حضرت اسامہ سے اجازت لے کر ہمراہ خود لیا —— اسامہ منزل مقصود پر پہنچے جدال و
قتال کر کے حدود شام کو مفتوح کیا اور مدینہ میں بافتح و ظفر واپس آئے۔ سو یہ اعتراض
—— کہ آپ نے لشکر اسامہ کی تجہیز میں کوتاہی کی درست نہیں ہو سکتا کیوں کہ آپ نے اس لشکر
—— کو پورے ساز و سامان سے تیار کر کے روانہ کیا اور حکم کی تعمیل کا حق ادا کیا اور اگر
یہ اعتراض ہے کہ —— خود نہیں گئے تو اعتراض —— جہالت اور لاعلمی کی دلیل ہے جب
خلیفہ یا بادشاہ کسی —— کو کسی افسر کے ماتحت کر کے کسی جگہ روانہ کرتا ہے تو حقیقت میں
قائد خود وہی سمجھا جاتا ہے۔ لشکر فوج ہے اور حکم بادشاہ کا ہوتا ہے —— غرض حضرت
ابو بکر نے باوجود خطرناک حالت کے لشکر اسامہ کو بھیج کر زید بن حارثہ کا خوب انتقام
لیا —— علاوہ بریں یہ الزام حضرت علیؓ پر بھی وارد ہو سکتا ہے کہ آپ بھی لشکر اسامہ کے ساتھ

پر مامور تھے آپ کیوں نہ گئے؟ اگر ایسی نازک حالت میں ـــــ عاشقانِ ذات والا آپ کو چھوڑ کر چلے جاتے تو ـــــ یہ اعتراض ہوتا کہ ملک گیری کی ہوس میں آقائے نامدار کو مرضِ موت میں تنہا چھوڑ کر ـــــ باہر سفر میں چل دیئے اور جب دوسرا پہلو اختیار کیا ـــــ تو اعتراض اٹھایا جاتا ہے کہ تعمیل حکم نہیں ہوئی ـــــ یہ بھی واضح رہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کو خدمتِ امامت پر مامور کر دیا تو تعمیل حکم اسی صورت میں تھی کہ اس ڈیوٹی میں کوتاہی نہ ہو۔ پھر جب بعد وفاتِ رسول بارِ خلافت آپ کے سر ڈالا گیا تو پھر تعمیل ارشاد اسی طرح ہو سکتی تھی کہ خود امورِ خلافت کو انجام دیں، آزمودہ کار فوج کو ماتحتی اسامہ ـــــ روانہ کر کے اس مہم کو سر کریں۔ چنانچہ یہ دونوں کام خدا کے فضل سے پورے ہوئے اور فتح و ظفر کا سہرا صدیق اکبر کے سر بندھا۔ حاسدِ نابکار کڑھا کریں ؎

بمیر تا برہی از حسد کیں رنجیست
کہ از مشقتِ او جز بمرگ نتواں رست

(آفتاب ص ۲۲۵)

الجواب اب مؤلف نے مطاعن کا تذکرہ کر کے ان کے جوابات دینے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ جو شیعہ ان کے ممدوحین اصحاب پر کر کے ثابت کیا کرتے ہیں کہ وہ مسندِ رسول پر بیٹھنے کے قابل نہ تھے۔ مؤلف کا یہ کہنا کہ متقدمین اہل السنۃ ان مطاعن کے جوابات دے چکے ہیں مگر شیعہ ان کو پھر نئے رنگ میں پیش کیا کرتے ہیں، واقع کے بالکل خلاف ہے۔ بلکہ یہ شکایت تو شیعیان علی کو ہے کہ وہ اہلسنت کے جواب الجواب میں تشئید المطاعن جیسی جلیل القدر کتابیں لکھ کر ان کے جوابوں کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر چکے ہیں۔ مگر علماء اہلسنت بجائے ان کے جواب الجواب دینے کے انہی اپنے سابقہ فرسودہ اور بیسیوں مرتبہ کے مردودہ جوابات کا سہارا لیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جو ان کی بہت بڑی کمزوری ہے۔ بہر حال ہم اس ضمن میں مؤلف کے جوابات کے جواب الجواب پیش کر کے ان مطاعن کی پختگی، مضبوطی اور ان کا ناقابل جواب ہونا ثابت کریں گے اور جس قدر انہوں نے مطاعن شمار کئے ہیں ان کے علاوہ کچھ اور مطاعن کا اضافہ بھی کریں گے۔ انشاء اللہ العزیز لیھلک من ھلک عن بینۃ و یحیی من حیی عن بینۃ ۔

تجہیز جیش اسامہ کا پس منظر سنہ ھ کے آغاز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین و انصار کا ایک لشکر جو تین ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ زید بن حارثہ کے ماتحتی میں شام کی جانب روانہ فرمایا تاکہ حارث بن عمیر کے قتل کا بدلہ لے جو موتہ کے مقام پر شرحبیل بن

غسانی کے حکم سے شہید کئے گئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر زید شہید ہو جائے تو پھر لشکر کے امیر جعفر بن ابی طالب ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر عبداللہ بن رواحہ لشکر کے سردار ہوں گے۔ اس لشکر میں جناب امیر علیہ السلام شامل نہ تھے۔ مگر ابو بکر و عمر و عثمان شامل تھے۔ المختصر لشکر گیا لڑائی شروع ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقرر کردہ سرداران لشکر نے یکے بعد دیگرے جام شہادت نوش کیا۔ بالآخر خالد نے خود بخود علم لشکر ہاتھ میں لیا (ناسخ التواریخ ج ۲ صفحہ ۲۷۶ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۰) مگر جب شکست کے آثار نمودار ہونے لگے تو عمر صاحب نے مشورہ دیا کہ ان حالات میں جان بچا کر بھاگ جانا ہی بہتر ہے۔ چنانچہ جب یہ شکست خوردہ لشکر اس طرح پسپائی کے ساتھ واپس مدینہ پہنچا اور اہل مدینہ نے جس طرح ان کی پذیرائی کی۔ اس کا نقشہ شبلی نعمانی کے لفظوں میں ملاحظہ فرمائیے

"جب یہ ہزیمت خوردہ فوج مدینہ کے قریب پہنچی اور اہل شہر اس کی متابعت کو نکلے تو لوگ غمخواری کی بجائے ان کے چہروں پر خاک ڈالتے تھے کہ او فراریو! تم خدا کی راہ سے بھاگ آئے"۔ (سیرۃ النبی ج ۱ صفحہ ۴۷۲)

اس واقعہ کو قریباً تین سال گذر گئے۔ اس کے بعد بڑے بڑے اہم واقعات رونما ہوئے۔ بہت سے غزوات پیش آئے۔ چنانچہ مکہ اس کے بعد فتح ہوا۔ غزوۂ حنین اس کے بعد واقع ہوا۔ محاصرۂ طائف، غزوۂ تبوک نصارائے نجران سے معاہدہ اس کے بعد عمل میں آیا۔ یمن، بحرین اور شام میں اس کے بعد اسلام کی نشر و اشاعت ہوئی۔ حجۃ الوداع اور واقعہ غدیر خم اس کے بعد وقوع پذیر ہوا مگر اس پورے عرصہ میں جناب زید بن حارثہ (شہید موتہ) کے انتقام لینے کا کوئی انتظام نہ کیا گیا۔

تجہیز جیش اسامہ کا واقعہ

مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مرض الموت سے صرف ایک دن پہلے اچانک یہ پروگرام مرتب فرمایا کہ اسامہ بن زید کی ماتحتی میں ایک لشکر تیار کرکے جس میں حضرت امیرؑ کے سوا باقی سب بڑے بڑے نامور اصحاب مثل ابوبکر و عمر و عثمان، عبدالرحمٰن بن عوف۔ ابو عبیدہ بن الجراح، سعد بن ابی وقاص شامل تھے (مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۵۲۰/۵۲۱ طبع کانپور فتح الباری ج ۸ صفحہ ۱۱۶ شرح نہج البلاغہ حدیدی ج ۲ صفحہ ۲۱ وغیرہ) اور پھر اسے بلا توقف کوچ کرنے کا تاکیدی حکم دیا۔

سرداری اسامہ پر بعض لوگوں کا اعتراض

کتب سیر و تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض عمر رسیدہ بزرگوں نے اس نوجوان قائد کی سرداری پہ اعتراض کیا۔ جس کی کل عمر ۱۸ یا ۱۹ اور زیادہ سے زیادہ بیس سال تھی (مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۵۳۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جواب

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو باوجودیکہ آپ کو سخت تکلیف تھی۔ بخار اور دردِ سر کا شدید عارضہ لاحق تھا۔ مگر آپ غم و غصہ کی حالت میں باہر تشریف لائے اور منبر پہ جا کر ایک خطبہ دیا۔ جس میں ایسا اعتراض کرنے والے لوگوں کی خوب گوشمالی کی اور فرمایا کہ اگر آج تم نے اسامہ کی سرداری پر اعتراض کیا ہے تو اس سے پہلے تم نے اس کے والد زید کی امارت پر بھی اعتراض کیا تھا حالانکہ زید اور اس کا بیٹا (اسامہ) اس سرداری کے صحیح اہل ہیں (مدارج النبوۃ ص ۵۳۱ شرح حدیدی ج ۱ ص ۵۳ وغیرہ)

جیش اسامہ سے تخلف کرنیوالے پر لعنت

مگر بایں ہمہ جب آپ کو معلوم ہوا کہ کچھ لوگ ساتھ جانے میں پس و پیش کر رہے ہیں تو آپ نے تاکید مزید کا آخری پیغمبرانہ حربہ استعمال کرتے ہوئے فرمایا جہزوا جیش اسامۃ لعن اللہ من تخلف عنہا[1] "لشکر اسامہ کو (اس میں شامل ہو کر) جلد تیار کرو۔ خدا لعنت کرے اس شخص جو اس سے تخلف کرے۔"

اب قابل غور و تدبر بات یہ ہے کہ زید بن حارثہ کے انتقام لینے میں یا تو اس قدر تاخیر کہ قریباً تین سال تک نام نہیں لیا۔ یا اس قدر تعجیل کہ عین اپنی مرض الموت میں تخلف کرنے والے پر لعنت کر رہے ہیں اور لمحہ بھر کی تاخیر گوارہ نہیں؟

اسامہ کے طلب مہلت پر تاکید

اور اگر اسامہ آپ کی شفا یابی تک مہلت طلب کرتا ہے تو آپ فرماتے ہیں "اخرج وسر علی برکۃ اللہ"

---

[1] اس جملہ پر مؤلف نے حاشیہ لکھا ہے کہ "اہلسنت کی کسی کتاب میں مذکور نہیں ہے یہ روافض کا الحاق ہے۔ صرف محمد بن عبدالکریم شہرستانی نے اپنی کتاب ملل و نحل میں یہ جملہ لکھا ہے۔ شہرستانی حسب تحریر کتب جرح و تعدیل ثقہ نہیں بلکہ شیعہ کی طرف مائل تھا (آفتاب ص ۲۲۲) یہ اعتراض بدو وجہ غلط ہے۔ اولاً تو شہرستانی اہلسنت کے اکابر علماء میں سے ہیں۔ اس سلسلہ میں کتب سیر علماء دیکھی جا سکتی ہیں۔ علاوہ بریں انہوں نے اسی کتاب میں شیعوں کے خلاف بہت کچھ زہر اگلا ہے اس لئے یہ کہنا سراسر خلاف واقع ہے کہ وہ شیعہ کی طرف مائل تھا ـــــ ثانیاً یہ کہنا کہ یہ جملہ اہلسنت کی کسی کتاب میں نہیں۔ جہالت یا تجاہل پر مبنی ہے ورنہ یہ روایت اہلسنت کی ایک دو نہیں بلکہ کئی کتابوں میں مذکور ہے۔ بطور نمونہ شرح مواقف (عقائد اہلسنت کی مشہور کتاب اور تاج الکرامہ نواب صدیق حسن خان دیکھی جا سکتی ہیں ملاحظہ ہو

اللہ کی برکت پر بھروسہ کرکے جلد چلے جاؤ۔ وہ پھر عرض کرتا ہے اگر اس حالت میں آپ کو چھوڑ کر چلا جاؤں تو مجھے سخت رنج ہوگا۔ آپ فرماتے ہیں "سر علی النصر والعافیۃ" نصرت و عافیت کے ساتھ چلے جاؤ۔
(شرح حدیدی ج ۲ صفحہ ۲)

استقدر تعجیل کا اصل راز

آخر اس میں راز کیا ہے؟ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کوئی نظر نہیں آتی۔ کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت علیؑ کے خلاف سازشوں کا جال بچھانے والوں کا اچھی طرح علم تھا اور منافقین مدینہ کی ریشہ دوانیوں سے کما حقہ واقف تھے (جن کے موجود ہونے کا خود مؤلف نے تحریر بالا میں بایں الفاظ اقرار کیا ہے کہ ابو بکر نے کہا۔ "اگر یہ منافقین مدینہ و مضافات میں مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں" آفتاب صفحہ ۲۲۹) اس لئے آپ ہدایت خلق کی خاطر چاہتے تھے کہ حضرت علیؑ کے راستہ کے جتنے روڑے ہیں وہ ہٹا دیں اور مخالفین کی تدبیروں کا امکان بھر توڑ کریں۔

دوسرے فریق کی کارستانی

مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ گروہ بھی حقیقت حال کو بھانپ گیا تھا۔ اور سمجھ چکا تھا کہ وہ دن کہ جگر

دن گنے جاتے تھے جس دن کے لئے!

قریب آگیا ہے اور اپنی دیرینہ آرزو کی تکمیل کا یہی وقت ہے۔ اگر اس وقت مدینہ سے باہر چلے گئے، تو پھر گوہر مقصود بھی ہاتھ نہیں آسکے گا۔ اس لئے باوجودیکہ بنا بر روایات اہل سنت یہ لشکر ۲۶ صفر کو مرتب ہو کر جانے والے نامزد ہو چکے۔ ان میں سے نہ جانے والوں پر لعنت ہو چکی مگر ۱۲ ربیع الاول تک برابر اسی ٹال مٹول ہوتی رہی اور مقام جرف سے لشکر آگے نہ بڑھا اور بعض امہات المومنین کو بھی اس سازش میں شامل کر کے ان کے ذریعہ اسامہ کو آگے نہ بڑھنے دیا گیا۔ حتیٰ کہ پیغمبر اسلام کی وفات حسرت آیات کا سانحہ عظمیٰ پیش آگیا۔ حضرت امیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین اور تدفین میں مشغول ہو گئے اور یار لوگوں نے مسند رسول پر قبضہ کر لیا۔ اگر بقول مؤلف (رائے عامہ سے مرعوب ہو کر) اس کے بعد ابو بکر نے اس لشکر کو روانہ بھی کیا تو اس میں کون سی فضیلت ہے؟

توڑ بیٹھے جبکہ ہم جام و سبو پھر ہم کو کیا
آسمان سے بادۂ گلفام گو برسا کرے

جب وہ وقت ہی گذر گیا۔ وہ مقصد ہی فوت ہو گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی بھی ہو گئی الغرض

وہ شاخ ہی نہ رہی جس پہ آشیانہ تھا

(اگر مقصد صرف خونِ زید کا بدلہ لینا ہوتا تو وہ اس سے پہلے بھی لیا جا سکتا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ جزوِ مقصد تھا نہ کہ اصلِ مقصد) بہر حال تعمیل حکم نبوی کا وقت گذر چکا تھا

صبح دم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا؟

بعد والی تجہیز اور بقولِ مؤلف فتح و نصرت کی سہرا بندی "رستمے کہ بعد از جنگ یاد بیاید باید بکلہ خود زد" کی مصداق تھی۔ اس میں کسی کے کڑھنے یا حسد کرنے کا کیا مقام ہے؟ مگر آہ۔

ہر گل تر زگر مے یا دہمی کند دے
گوش سخن شنو کجا دیدۂ اعتبار کو

ازالۂ شبہ مؤلف کا یہ کہنا کہ یہ الزام حضرت علی پر بھی وارد ہو سکتا ہے کہ آپ بھی لشکر اسامہ کے ساتھ جانے پر مامور تھے۔ آپ کیوں نہ گئے؟ یہ بالکل بے محل بلکہ مہمل ایراد ہے۔ اگر مؤلف یا انکے ہمنواؤں میں کچھ بھی علمی دم خم ہے تو وہ حضرت امیرؑ کا بماتحتی اسامہ مامور ہونا ثابت کریں ودونِ اثباتہ خرط القتاد! بلکہ فریقین کی کتابوں سے یہ ثابت ہے کہ حضرت امیرؑ کو اس لشکر میں جانے کا حکم تھا ہی نہیں (مدارج النبوۃ ج ۲ ص۵۳۵) بلکہ یہ سارا اہتمام ہی انکی خاطر تھا۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے بھلا اسلام کا وہ عظیم جرنیل جو پیغمبر اسلام کی زندگی میں تمام غزوات وسرایا میں امیر و علمبردار رہا ہو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری لمحات حیات میں کسطرح ماتحت و مامور ہو سکتا تھا؟ ان ھذا الا اختلاق!!

امامت ابوبکر سے استدلال کا جواب

اس سلسلہ میں بالکل بے ربط انداز میں مؤلف نے امامت ابوبکر (ان کے نماز پڑھانے) کا جو قصہ ذکر کیا ہے۔ اس پر اگرچہ تفصیل کے ساتھ یہاں تبصرہ کرنے کی گنجائش نہیں۔ مگر اجمالاً اس قدر واضح رہے کہ یہ استدلال بچند وجہ باطل ہے۔ اولاً اس لئے کہ یہ واقعہ صرف کتب اہلسنت میں مذکور ہے جو شیعوں پر حجت نہیں۔ مؤلف کا متن میں یہ لکھنا کہ کتب فریقین میں اس کا ذکر موجود ہے" بالکل خلاف واقع اور کذب صریح ہے۔ حاشیہ پر جناب ذاکر حسین صاحب کی تاریخ الاسلام کا جو حوالہ

لے کتاب مذکور کے اصل الفاظ یہ ہیں "و حکم عالی چناں صادر شد کہ اعیان مہاجرو انصار مثل ابوبکر صدیق و عمر فاروق و عثمان ذوالنورین و سعد بن وقاص ابو عبیدہ بن الجراح وغیرہا الا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم اجمعین کہ ہمراہ نکند در آں لشکر ہمراہ اسامہ باشند۔" (منہ عفی عنہ)

دیا گیا ہے۔ وہ بھی بے سود ہے کیوں کہ انہوں نے اسے تاریخ طبری سے نقل کیا ہے۔ (جو اہلسنت کی کتاب ہے) انہوں نے اپنا نظریہ اور عندیہ بیان نہیں کیا!

ثانیاً: تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۹۵ طبع مصر میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھانے کے لیے حضرت علیؑ کو طلب فرمایا عائشہ نے ابوبکر کو، حفصہ نے عمر کو بھی طلب کر لیا۔ جب تینوں آگئے (اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صورت حال کا علم ہوا) تو آپ نے یہ کہہ کر سب کو رخصت کر دیا کہ اگر ضرورت ہوئی تو پھر بلاؤں گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی تو یہ تھی کہ حضرت علیؑ امامت نماز کے فرائض انجام دیں۔ مگر بالفرض اس کے برخلاف ہوا ہے تو یہ عائشہ صاحبہ کی کارستانی ہے۔

ثالثاً: اس بات میں خود اہلسنت کے ہاں شدید اختلاف ہے کہ آیا اس نماز میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم امام تھے (جو مرض الموت میں بڑی مشکل سے مصلے پر پہنچ گئے اور بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے) اور ابوبکر ماموم و مکبر (بلند آواز سے تکبیر کہنے والے) یا ابوبکر امام تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماموم؟ (معاذ اللہ) اہلسنت کے علماء محققین کا آخری فیصلہ یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی امام تھے چنانچہ امام نووی نے شرح مسلم ج ۱ ص ۱۷۷ طبع دہلی میں لکھا ہے۔ وان کان ذکر بعض العلماء زعم ان ابا بکر کان ھو الامام والنبی مقتدیہ لکن الصواب ان النبی علیہ السلام کان ھو الامام وقد ذکرہ مسلم بعد ھذا بباب صریحاً۔ (کذا فی الروض الانف شرح سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۳۶۹ نیل الاوطار للشوکانی ج ۳ ص ۱۶۳) یعنی اگرچہ بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ ابوبکر امام اور جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مقتدی تھے مگر صحیح یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی امامت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

رابعاً: اہلسنت کے نزدیک ہر نیک و بد کی اقتدا میں نماز پڑھنا جائز ہے (شرح فقہ اکبر ص ۹۱ طبع دہلی وغیرہ) تو بنا بر تسلیم اس واقعہ کو خلافت عظمیٰ کی دلیل کیونکر بنایا جا سکتا ہے؟

خامساً: اگر یہ واقعہ صحیح ہوتا اور دلیل خلافت بھی! تو پھر تو ابوبکر کی خلافت نصی ہو جاتی نہ اجماعی۔ حالانکہ اہلسنت کا اس کے اجماعی ہونے پر اجماع ہے۔

سادساً: اگر اس واقعہ کی کوئی حقیقت ہوتی اور اس استدلال میں کوئی وزن ہوتا۔ تو چاہیئے تھا کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں مہاجرین و انصار کے باہمی اختلاف کے وقت ابوبکر صاحب اس سے استدلال کرتے مگر ان کا ایسا کرنا کسی ذریعہ سے ثابت نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ قصہ بالکل بے بنیاد ہے اور محض ایک افسانہ ہے!

سابعاً۔ خود حضرات اہلسنت ـــــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز جنازہ با جماعت نہ پڑھے جانے کی یہ تاویل کیا کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (خواہ بقید حیات ہوں یا بحالت ممات) وہی امام ہوتے ہیں۔ ان کے روبرو کسی کو جماعت کی شکل بنانے کا بھی حق نہیں ہے۔ تو یہاں کس طرح ابو بکر کو امام مانا جا سکتا ہے؟

ثامناً۔ اوپر متعدد حوالجات سے ثابت کیا جا چکا ہے۔ کہ ابو بکر صاحب اس لشکر اسامہ میں شامل تھے۔ جس کی روانگی کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار تاکید پر تاکید فرما رہے تھے ـــــ اور تخلف کرنیوالے پر لعنت کر رہے تھے ـــــ ان حالات میں عقل سلیم کس طرح باور کر سکتی ہے کہ آپ نے ابو بکر کو مسجد نبوی میں نماز پڑھانے پر مامور کیا ہو۔ اور بقول بعض اہلسنت کئی روز تک یہ سلسلہ جاری رہا ہو؟ ان ھذا الا اختلاق الغرض اس قصہ کی کوئی چول بھی اور کوئی کل بھی سیدھی نہیں ہے۔ اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ یہ بالکل بے اصل و بے بنیاد ہے اور اس پر استدلال کی عمارت کھڑی کرنا بناء الفاسد علی الفاسد کا مصداق ہے۔ سچ ہے کہ ؎

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

دوسرا طعن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کو سورہ برأت کے احکام کی تبلیغ کے لئے مکہ روانہ کیا تھا۔ بعد میں جبرئیل نازل ہوئے اور پیغام دیا کہ اس کام کے لئے حضرت علی کو روانہ کرو۔ چنانچہ حضرت علی نے جا کر فرض تبلیغ انجام دیا۔ تو جب آپ صرف ایک سورہ کی تبلیغ کی قابلیت نہ رکھتے تھے تو وہ خلیفہ کس طرح ہو سکتے تھے جس کے ذمہ تبلیغ جمیع احکام شریعت کا کام ہوتا ہے۔

جواب روایات اہلسنت اس بارہ میں مختلف ہیں۔ اکثر روایات میں یوں ہے کہ حضرت ابو بکر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی امیر حج مقرر فرما کر بھیجا تھا۔ بعد از اں سورہ برأت کا نزول ہوا تو ـــــ اس کی تبلیغ کیلئے حضرت علیؑ ـــــ کو روانہ فرمایا۔ اس صورت میں ـــــ اعتراض سرے سے ہی غلط ٹھہرتا ہے ـــــ دوسرا قول یہ ہے کہ جب حضرت ابو بکر امیر حج مقرر کر کے روانہ کئے گئے تو یہ کام بھی آپ کے سپرد کیا گیا کہ سورہ برأت کے احکام کی تبلیغ کر دیں جا تے لیکن جب بعد میں حضرت علیؑ کو دوسرے کام کی انجام دہی کے لئے حضرت ابو بکر کا ہاتھ بٹانے کیلئے روانہ کیا گیا۔ جو انہوں نے بماتحتی حضرت ابو بکر انجام دیا۔ عادت عرب یہ تھی کہ جب کوئی

معاہدہ کرنا یا توڑنا ہوتا اور صلح یا جنگ کا معاملہ درپیش ہوتا وہ ایسے شخص کے ہاتھ سے انجام پذیر ہو سکتا تھا، جو بادشاہ کی قوم میں سے اس کا فرزند یا داماد ہو ____ یہی وجہ ہے کہ سورۃ برات میں اس امر کا اعلان مقصود تھا کہ سابقہ معاہدات ختم ہو چکے ____ اس لئے یہ فرض بغیر حضرت علیؓ کے جو آپؐ کے عمزاد اور داماد تھے۔ دوسرے سے ہوتا تو کفار کا حسب دستور اعتراض ہوتا کہ ____ کسی شاہی خاندان کے خاص آدمی کے ذریعہ اس کا اعلان کیوں نہیں کیا گیا اگر حضور علیہ السلام جناب ابو بکرؓ میں قابلیت نہ پاتے تو ابتدا میں آپ ان کو اس کام کے لئے کیوں انتخاب فرماتے ____ حضرت ابو بکرؓ لاکھوں نفوس کے سردار قرار دے جا کر احکام حج کی تبلیغ اور انتظام کے لیے بھیجے گئے تھے، رونما ہونے والے واقعات و حوادث کا تصفیہ ____ شرعی مسائل ____ کا فتوے آپ نے صادر کرنا تھا اس کام کے لئے ایسی شخصیت کی ضرورت تھی۔ جو بڑا مجتہد، بڑا منتظم اور بڑا ہی مدبر اور سلیم العقل ہو۔ بخلاف اس سورہ برأت کی چند آیات باآواز بلند پڑھ کر سنا دینا ایک معمولی کام تھا کتب حدیث وسیر سے ثابت ہے کہ اس موقع پر جناب امیرؓ ابو بکرؓ امیر کی اقتدا کرتے تھے۔ نماز ان کے پیچھے ادا کرتے تھے ____ کتب حدیث میں یہ بھی تصریح ہے کہ جناب امیرؓ بسواری ناقہ ____ بعجلت تمام حضرت ابو بکرؓ کے پاس جا پہنچے۔ تو آپ نے پوچھا امیر آجئت ام ماموراً (کیا آپ امیر ہو کر آئے ہیں یا مامور ہو کر) آپ نے جواب میں فرمایا جئت ماموراً (میں آپ کے ماتحت مامور ہو کر آیا ہوں) خلاصہ یہ کہ امیر الحج کے ذمہ جو چند لاکھ نفوس کے سردار تھے۔ اتنا بڑا کام تھا کہ ان سے اصالۃً سورۂ برأت کا جا بجا ہر خیمہ در خیمہ میں سنا کرنا متعذر تھا اس لئے اس کام کے لئے علیحدہ شخص مقرر ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ جناب امیرؓ نے یہ کام بوجہ احسن پورا کیا، اور حضرت ابو بکرؓ نے اپنا کام خوش اسلوبی سے انجام دیا ____ پھر کتنی بڑی بے انصافی ہے کہ ان ہر دو اصحاب میں سے کسی ایک کی بے قدری کی جائے؟ (آفتاب ص۲۲۷)

الجواب مؤلف نے اکثر مقامات پر ایسا طرز تحریر اختیار کیا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ علم مناظرہ کے آداب واصول کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں یا اگر واقف ہیں تو ان کو بروئے کار لانا نہیں جانتے۔ اور اگر یہ بھی جانتے ہیں مگر عمداً ایسا نہیں کرتے تو پھر وہ مجادل و مکابر تو ہیں مگر

مناظر نہیں ہیں۔ اس فن کی معمولی واقفیت رکھنے والے حضرات بھی جانتے ہیں کہ مناظرہ میں مدمقابل کے مسلمات کو پیش کیا جاتا ہے۔ بنابریں چاہیئے تو یہ تھا کہ مولف اپنے استدلال کی بنیاد شیعہ کتب معتبرہ کے بیانات پر رکھتے مگر وہ اس کے برعکس اپنی کتابوں سے واقعات پیش کرتے ہیں اور وہ بھی بلا سند و بلا حوالہ گویا وہ اپنے ارادتمندان باصفا کے حلقہ میں بیٹھ کر گفتگو فرما رہے ہوں اور وہ ہاں جی۔ ہاں جی کر کے ان کا دل بڑھا رہے ہوں؛ بہرکیف اس روش ورفتار کے دو ہی مطلب ہو سکتے ہیں۔ علم مناظرہ کے اصول سے ناواقفی یا انتہائی بے مائگی۔ کہ ثبوت کیلئے کتب شیعہ تو کجا اپنی کتابوں سے بھی کچھ دستیاب نہیں ہوتا۔

تبلیغ سورۂ برأت سے ابوبکر کی معزولی کا بیان

جو امر ہر دو فریق (شیعہ و سنی) کی کتابوں سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ سنہ ۹ھ کے اواخر ذوالقعدہ میں (فتح مکہ کے دوسرے سال حج کے موسم میں جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۂ برأت کی ابتدائی چالیس آیات کی تبلیغ کے لئے ابوبکر صاحب کو نامزد کیا۔ جب ابوبکر قافلہ حج کے ساتھ روانہ ہو گئے اور کچھ منازل سفر طے کر چکے تو رب جلیل کی طرف سے جناب جبرئیل یہ پیغام لائے کہ لایؤدی عنک الا انت او رجل منک یہ فریضہ تبلیغ آپ خود انجام دیں یا وہ مرد انجام دے جو آپ سے ہے یعنی حضرت علی۔ چنانچہ اس حکم کے نازل ہوتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعجلت تمام منازل سفر طے کر کے ایک شب و روز کی صحرا نوردی کے بعد قافلہ کو جا لیا اور ارشاد خدا و رسول کے مطابق ابوبکر کو معزول کیا اور خود اس فریضہ کی تبلیغ کے لئے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے اور وہاں پہنچکر بمقام منیٰ سابقہ معاہدوں کے ختم ہو جانے اور کفار کے خانہ خدا میں داخل نہ ہو سکنے کا اعلان بڑی شجاعت و دلیری سے فرمایا اور سورۂ برأت کے اسرار وحقائق کی تبلیغ فرمائی۔ المختصر ابوبکر معزولی کے بعد کبیدہ خاطر ہو کر واپس بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور پوچھا۔ کیا میرے متعلق کچھ وحی نازل ہوئی ہے؟ آپ نے فرمایا اور تو کچھ نہیں صرف یہ پیغام الٰہی آیا ہے کہ میں خود تبلیغ کروں یا وہ شخص جو میرے اہلبیت میں سے ہو۔ اس سے پہلے ابوبکر کے تقرر اور پھر ان کی معزولی کے بعد حضرت امیرؑ کو مقرر کرنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ نہ صرف تمام اسلامی برادری کو بلکہ ساری دنیا کو معلوم ہو جائے کہ میری مسند کے وارث علی ہی ہیں اور وہی میرے فرائض تبلیغ کو انجام دے سکتے ہیں اور جو آدمی ایک سورہ کی چند آیات کی تبلیغ کی لیاقت نہیں رکھتا۔ وہ پورے قرآن و شریعت کا مبلغ اور مسلمانوں کا ہادی و رہنما کس طرح ہو سکتا ہے؟

حوالہ جات

یہ واقعہ کم و بیش معمولی الفاظ و عبارات کے اختلاف کے ساتھ مندرجہ ذیل کتب معتبرہ میں موجود ہے (مگر اصل مطلب سب کا ایک ہے) کنز العمال ج ۱ ص ۲۴۶ طبقات

"ابوبکر کو معزول کر کے اپنی خاص ناقہ پر سوار کر کے حضرت علیؑ کو ان کے پیچھے روانہ کیا چنانچہ آنجناب نے

ابن سعد ج ۲ قسم اول صفحہ ۱۲۱ مسند احمد بن حنبل ج ۱ صفحہ ۱۵۰/۱۵۱ ج ۲ صفحہ ۲۹۹ ج ۳ صفحہ ۲۱۲/۲۸۳ الریاض النضرہ ج ۲ صفحہ ۱۷۴ مستدرک حاکم ج ۳ صفحہ ۱۳۲ تاریخ ابوالفداء ج ۱ صفحہ ۱۵۰ تاریخ الخمیس ج ۲ صفحہ ۱۵۷ حبیب السیر ج سوم صفحہ ۲۷ فتح الباری شرح بخاری ج ۸ صفحہ ۲۴۱ تفسیر در منثور ج ۳ صفحہ ۲۰۹ صفحہ ۲۱۰ کامل ابن الاثیر ج ۲ صفحہ ۱۱۱ طبری ج ۳ صفحہ ۱۵۴ مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۴۹۲ - الروض الانف ج ۲ صفحہ ۳۲۸ معارج النبوۃ رکن ۴ باب ۱۳ صفحہ ۱۲ ینابیع المودۃ صفحہ ۸۷ باب ۱۵ سیرۃ حلبیہ ج ۳ صفحہ ۲۲۷ وغیرہ

ابوبکر راستہ سے بحکم رسولؐ واپس لوٹ آئے

مؤلف نے جو یہ لکھا ہے کہ امیر الحج ابوبکر اور مبلغ برأت حضرت علیؑ تھے۔ یہ اہلسنت کا خانہ زاد نظریہ ہے جس سے ابوبکر کی گرتی ہوئی ساکھ کو سہارا دینے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے۔ مگر اس جھوٹے اور کمزور سہارے سے ابوبکر کی پوزیشن اور بھی کمزور ہو جاتی ہے ــــ حقیقت یہ کہ معزولی کے بعد ابوبکر وہیں راستہ سے ہی واپس آ گئے تھے چنانچہ فتح الباری شرح بخاری ج ۸ صفحہ ۲۴۱ تفسیر سورہ برأت میں لکھا ہے فرجع ابو بکر فقال یا رسول اللہ انزل فی شیئ "پس ابوبکر واپس پلٹ آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میرے خلاف کچھ نازل ہوا ہے؟" ارجح المطالب باب ۱ صفحہ ۵۸۶ میں بحوالہ نسائی لکھا ہے کہ فانصرف ابو بکر و هو کئیب قال یا رسول اللہ! انزل فی شیئ۔ یعنی ابوبکر رنجیدہ خاطر ہو کر بارگاہ رسالت میں واپس آ گئے بلکہ کنز العمال ج ۱ صفحہ ۲۴۶/۲۴۷ سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ ابوبکر کو رسولؐ کے حکم سے واپس کیا گیا تھا۔ لکھا ہے ثم قال لعلیؑ الحقہ فرد علی ابا بکر و بلغھا انت ففعل فلما قدم ابو بکر قال یا رسول اللہ الخ یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب امیرؑ کو بلا کر فرمایا۔ کہ ابوبکر کو جا لو اور اس کو میرے پاس واپس بھیج دو اور خود جا کر تبلیغ برأت کرو۔ چنانچہ جب ابوبکر واپس آئے تو روتے ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میرے متعلق کچھ نازل ہوا ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔ اور تو کچھ نہیں مجھے صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ اس فریضہ کو میں خود انجام دوں یا میرے اہلبیت میں سے کوئی شخص انجام دے۔"

عادات عرب کی اتباع والے عذر کا بطلان

اس مقام پر مؤلف نے اس واقعہ کی اہمیت و عظمت کو گھٹانے کے لئے حسب عادت عادت عرب کی پیروی کا جو کمزور سہارا لیا ہے کہ عربوں کی عادت یہ تھی کہ ایسے معاہدوں کا اعلان خود بادشاہ یا ان کے فرد خاندان کرتے تھے اس لئے حضرت علیؑ کو بھیجا گیا ــــ یہ عذر چند وجہ باطل ہے۔

اولاً اس لئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کسی قول و فعل میں عربوں کی عادات کی نہیں بلکہ اپنے ہر قول و فعل میں وحی الٰہی کی متابعت کرتے تھے ان کو یہ حکم ربانی تھا۔ اتبع ما یوحی الیک ۔ ۔ اقتدو

من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا۔ اے رسول! میری وحی کا اتباع کرو نہ ان لوگوں کا جن کے دل ہماری یاد سے غافل ہیں ___ ولا تتبع اھواء الذین لا یؤمنون۔ اے رسول! جو مومن نہیں ان کی خواہش پر نہ چلو۔ اس سے معلوم ہوا کہ بحکم پروردگار کفار کی عادات کی اتباع حرام ہے۔ پھر آنحضرؐ کس طرح اس پر عمل کر سکتے تھے؟

ثانیاً۔ رسولؐ تو کفار عرب وغیرہ کی غلط رسوم کی اصلاح کرنے کے لئے آئے تھے اس لئے وہ ان کی اتباع کس طرح کر سکتے تھے؟ آپ کا ارشاد ہے ان اللہ اذھب بالاسلام نخوۃ الجاھلیۃ وتفاخرھا بالانساب۔

ثالثاً۔ اگر بالفرض عربوں کی عادت کی ہی اتباع مقصود ہوتی تو کیا آپ کو پہلے اس کا علم نہ تھا؟ پہلے ہی حضرت علیؑ یا کسی اور فرد خاندان کو بھیج دیتے! معلوم ہوا کہ اس عزل و تقرر سے ابوبکر صاحب کی نااہلی اور حضرت علیؑ کی اہلیت خلافت پر فعلی نص قائم کرنا مقصود تھی وبس۔

رابعاً۔ اگر عربوں کی عادات کی اتباع کی جائے تو پھر اہلسنت کو ابوبکر کی خلافت سے بھی دستبردار ہونا پڑے گا کیونکہ عربوں کی ایک عادت یہ بھی تھی (بلکہ تمام اقوام عالم کی یہی عادت ہے) کہ بادشاہ کے مرنے کے بعد اسی کے شاہی خاندان میں سے ہی کسی لائق و فائق شخص کو اس کی مسند امارت پر بٹھاتے تھے تو اس بنا پر بھی حضرت علیؑ کو بلا فصل جانشین رسولؐ ماننا پڑے گا نہ ابوبکر کو

خامساً۔ مؤلف کے کلام میں تضاد پایا جاتا ہے ص۲۲۶ پر عربوں کی عادت کا سہارا لیا ہے اور ص۲۲۷ پر آخر کلام میں لکھا ہے کہ "امیر الحج کی بکثرت مصروفیات کی وجہ سے تبلیغ متعذر تھی۔ اس لئے اس تبلیغ کیلئے علیحدہ آدمی کی ضرورت تھی" اب ان کی کس بات پر اعتبار کیا جائے؟

اس فریضہ کی ادائیگی کیلئے بڑی شجاعت، فصاحت اور علم و حکمت کی ضرورت تھی

مؤلف کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ یہ تبلیغ صرف مجمع عام کرنا تھی نہ کہ ہر ہر خیمہ و خیمہ پر جا کر! (نیز اسوقت چند لاکھ مسلمان تھے کہاں؟) جسکیلئے بہت بڑی شجاعت و دلیری، عظیم فصاحت و بلاغت اور کثیر علم و فضل کی ضرورت تھی اور یہ کام اتنا آسان نہ تھا کہ بقول مؤلف اسے ہر جہیر الصوت حافظ قرآن انجام دے سکتا"

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ؎
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں؟

تسلیم دو باتیں

اور اگر بغرض محال چند لمحات کے لیے یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ابوبکر امیر بنا بر الحج تھے تو دو باتیں تو بہر حال غلط ہیں۔ ایک حضرت امیرؑ کا ان کے ماتحت و مامور ہونا کیونکہ یہ بات ناقابل رد حقائق سے ثابت ہے کہ جناب امیرؑ پوری حیات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کبھی کسی کے ماتحت نہیں رہے ——— مخالفین اس کے خلاف ایک مسلمہ تاریخی شہادت بھی پیش نہیں کر سکتے۔ دوسرا امیر الحج کے جو فضائل مؤلف نے بیان کئے ہیں ان کا صحیح ہونا کیونکہ وہ اہلسنت بھی جنہوں نے ابوبکر کا امیر حج ہونا لکھا ہے انہوں نے بھی تصریح کی ہے کہ وہ صرف "قافلہ سالار" تھے، دوسرے کام اور لوگوں کے سپرد تھے۔ چنانچہ شبلی نعمانی نے سیرۃ النبی ج ۱ صـ۲۱۳ طبع اول پر لکھا ہے "حضرت ابوبکر قافلہ سالار، حضرت علیؑ نقیب اسلام، اور حضرت سعد بن وقاص، جابر، ابوہریرہ وغیرہ معلّم تھے" (بحوالہ بخاری) ——— اس بیان سے بھی اسلام کی نقابت اور احکام اسلامی کی ترجمانی جناب امیر المومنین کے لیے ثابت ہوتی ہے اور یہ بات آپؑ کے جانشین رسول ہونے کی قطعی دلیل ہے۔ قافلہ سالار کوئی ہوا کرے۔ اسے نیابت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا تعلق ہے؟ سچ ہے ع جن کے رتبے ہیں سوا ان کے سوا مشکل ہیں۔

تیسرا طعن

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شیخین کو ایک دفعہ عمرو بن العاص اور ایک دفعہ اسامہ کے ماتحت فرما کر ان کے تابع حکم گردانا۔ اگر وہ خلافت ——— کے قابل ہوتے تو ایسے معمولی اشخاص کے تابع ——— نہ گردانے جاتے!

جواب ۱

اس طعن کا جواب دو طرح پر ہے ایک یہ کہ یہ اعتراض تب ہو سکتا ہے کہ شیعہ صاحبان عمرو بن العاص یا اسامہ کی فضیلت کے قائل ہوں ——— پھر اعتراض کیسا؟

دوم۔ یہ کہ کسی خاص امر میں کسی بڑے آدمی کو کسی چھوٹے کے ماتحت رہ کر کام کرنے پر مامور کرنا اس امر کی دلیل نہیں کہ سلطان ——— کی نظر میں وہ بڑا ——— حقیر اور چھوٹا ——— زیادہ عزت رکھتا ہے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ بادشاہ کو جب کبھی کسی آدمی کو بڑے رتبہ پہ کرنا منظور ہوتا ہے پہلے اس کو کام سکھانے کے لیے کسی چھوٹے اہلکار کے ماتحت کر دیا جاتا ہے مثلاً ایسے ذی عزت ——— اشخاص کو سول میں پہلے پٹواری کے ماتحت کام سیکھنا پڑتا ہے! ایسا ہی صیغہ فوج میں ——— جمعدار یا صوبیدار یا لفٹیننٹ گھر سے بھرتی کیا جاتا ہے ——— اس کو کسی معمولی حوالدار کے ماتحت قواعد پریڈ سکھائی جاتی ہے ——— اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ———

کی نگاہ میں جب شیخین نے ایک وقت کی امامت و خلافت حاصل کرنی تھی اسلئے ان کو ماتحتی کی ڈیوٹی پر لگایا تاکہ کام کی مشق اور ریاضت و تجربہ حاصل ہو ____

سوم:- اسامہ و عمرو بن العاص کی امارت ایک جزوی مصلحت کی وجہ سے تھی وہ یہ کہ روم و شام نے اسامہ کے باپ زید کو جنگ موتہ میں بے دردی سے قتل کر دیا تھا اس کا انتقام اسی صورت میں ہو سکتا تھا کہ مقتول کا فرزند ___ خود اپنے باپ کا بدلہ لے ___ اسی طرح عمرو بن العاص منصوبہ اور تدبیر میں طاق تھے اور اس وقت ایسے لوگوں سے سابقہ پڑا تھا جو بڑے مکار اور حیلہ جو تھے اس لئے ان کے مقابلہ کے لئے ایسے ہی شخص کی ضرورت تھی ___

چہارم:- اگر اس خاص امارت سے فضیلت ثابت ہو سکتی ہے تو پھر جناب امیر پر بھی ان کی فضیلت تسلیم کرنی پڑتی ہے جبکہ حضور علیہ السلام نے ان سے افضل علیؑ کو چھوڑ کر اسامہ و عمرو بن العاص کو امیر بنا کر بھیجا غرض یہ طعن محض جہالت کی وجہ سے کیا گیا ہے جس کی وقعت نہیں ہے (آفتاب صفحہ ۲۲۸)

الجواب اس طعن کے جواب شاہ عبدالعزیز دہلوی (صاحب تحفہ) کے جس آموختہ کو اپنے بیان کے ساتھ آمیختہ کرکے دہرایا گیا ہے وہ چند وجہ مردود ہے ___ اولاً یہ کہنا کہ چونکہ شیعہ عمرو بن العاص وغیرہ کی فضیلت کے قائل نہیں لہٰذا اہلسنت سے جواب ساقط ہے یہ بات عجائبات روزگار میں سے ہے اس طعن کے ثبوت کے لئے شیعوں کو اسامہ یا عمرو عاص کی فضیلت کا قائل ہونے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس سے صرف یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ عمرو بن العاص وغیرہ جس قدر گئے گذرے سہی، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ نبوت میں ابوبکر و عمر وغیرہ ان سے بھی زیادہ گئے گذرے ہیں اور جو ایسا ہو وہ مستحق خلافت نہیں ہو سکتا تعجب ہے کہ مؤلف ایسی سیدھی سادھی بات بھی نہیں سمجھ سکتے ؎

ہرگز نہ ہوئے مغز سخن سے آگاہ ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

---

[1] اگر حضرات شیعہ عمرو بن العاص اور اسامہ بن زید کو اچھا نہیں سمجھتے تو وہ اس میں معذور ہیں عمرو بن العاص کی حالت تو عیاں را چہ بیان کی مصداق ہے دنیا جانتی ہے کہ اس نے کس شد و مد سے حضرت علیؑ کی مخالفت اور معاویہ کی حمایت کی ہاں البتہ اسامہ کا حال شاید اکثر لوگوں کو معلوم نہ ہو تو ان کی اطلاع کیلئے صرف اس قدر وضاحت کی جاتی ہے کہ یہ شخص اس قدر دشمن علی تھا کہ مرتے دم تک بھی آنجنابؑ کی بیعت نہیں کی تھی (ملاحظہ ہو تاریخ طبری ج ۵ صفحہ ۱۵۳ البدایۃ والنہایہ ج ۷ صفحہ ۲۲۶ طبقات کبریٰ ابن سعد ج ۴ قسم اول صفحہ ۵ بذیل ترجمہ اسامہ) (منہ عفی عنہ)

ثانیاً یہ عذر پیش کرنا کسی خاص امر میں بڑے کو چھوٹے کے ماتحت کرنے میں کوئی قباحت نہیں" یہ عذر لنگ عذر گناہ بدتر از گناہ کا مصداق ہے۔ کیونکہ عقلی قانون "قبح تقدیم مفضول برفاضل" (کہ مفضول کو فاضل پر مقدم کرنا قبیح ہے) اس میں کسی خاص امر کی کوئی تخصیص نہیں ہے بلکہ ہر جگہ قبیح ہے۔ علامہ سیوطی نے جمع الجوامع میں (علی ما نقلہ فی تشئید المطاعن) آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث نقل کی ہے فرمایا ایما رجل استعمل رجلاً علی عشرۃ انفس علم ان فی العشرۃ افضل ممن استعمل فقد غش اللہ وغش رسولہ وغش جماعۃ المسلمین۔ جو شخص کسی آدمی کو (صرف) دس آدمیوں پر امیر مقرر کرے۔ جبکہ وہ جانتا ہو کہ ان دس آدمیوں میں کوئی شخص اس امیر سے افضل موجود ہے تو اس نے خدا، اس کے رسول اور مسلمانوں کی جماعت سے خیانت کی ہے" (کذا فی ازالۃ الخفا بتفاوت یسیر) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر و عمر اسامہ و عمرو بن العاص سے افضل نہ تھے ورنہ خود جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اس ارشاد کی زد میں آ جائیں گے۔ رسول اور امیر فوج والی مثال علاوہ قیاس ہونے کے (جو خود سراسر باطل ہے) قیاس مع الفارق ہے۔ ورنہ اٹھارہ سالہ نوجوان (اسامہ) کو ان بوڑھے بزرگوں سے زیادہ تجربہ کار تسلیم کرنا پڑے گا۔؟

ثالثاً۔ بقول مؤلف اگر اس طرح ابوبکر و عمر کو ماتحت رکھ کر خلافت و امامت کے کام کا تجربہ کرانا مقصود تھا تو پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بھی تو معلوم ہوگا کہ (کم از کم) چوتھے مرتبہ پر علی کو خلافت ملے گی پھر عملی تجربہ ان کو کیوں نہ کرایا؟ ان کو کیوں اس ماتحتی کے شرف سے محروم رکھا گیا۔؟؟

رابعاً۔ اسامہ اور عمرو بن العاص کی امارت کی جو مصلحت وجہ بیان کی گئی ہے وہ غلط ہے۔ اگر اسامہ کے باپ کا انتقام لینا ہی تھا۔ تو اس کیلئے اس امر قبیح کے ارتکاب کی کیا ضرورت تھی؟ کیا وہ ماتحت رہ کر اپنے والد کا انتقام نہیں لے سکتے تھے؟ اور اس طرح اپنے دل کو ٹھنڈا نہیں کر سکتے تھے؟ اسی طرح یہ کہنا کہ چونکہ بڑے مکار و عیار دشمن سے سابقہ تھا اس لئے عمرو بن العاص جیسے شخص کی ضرورت تھی۔ گویا اس میں یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ عمرو بن العاص بڑا ہی مکار و عیار آدمی تھا۔ اگر یہی بات شیعہ کہیں تو ان کو دشمن اصحاب اور انکی توہین کا مرتکب قرار دیا جاتا ہے۔ مگر خود

؎ وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

اس سے کم از کم اتنا تو ثابت ہے کہ عمرو بن العاص امور حرب و ضرب میں شیخین سے زیادہ ماہر تھا۔ اس سے بھی ان کی خلافت ختم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ خلیفہ کے لئے ان امور میں سب سے زیادہ ماہر ہونا ضروری ہے علاوہ بریں عمرو عاص حضرات کا ماتحت رہ کر بھی اپنے امیر کو اپنے ماہرانہ و مکارانہ مشوروں سے مستفید کر سکتا تھا۔ جیسا کہ معاویہ کے ماتحت رہ کر اسے تدبیریں بتاتا رہتا تھا۔

خامساً: یہ کہنا کہ اس سے جناب امیرؑ پر بھی ان کی فضیلت تسلیم کرنا پڑے گی، بالکل بودہ ایراد ہے حضرت امیرؑ کی تو سب پر افضلیت مسلّم ہے۔ متعدد مقامات پر (بالخصوص غزوات میں) ان کی علمبرداری ناقابلِ انکار ہے بلا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ حضرت امیرؑ سے ان کو نسبت ہی کیا ہے یہ عمرو بن العاص اور اسامہ سے بھی گئے گذرے ہیں ؎

قیاس کن زگلستان من بہار مرا!

ان حقائق سے معلوم ہو گیا کہ یہ طعن بڑا مضبوط و جاندار اور مؤلف کا جواب ان کمزوری و کالت کا شاہکار ہے واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

چوتھا طعن شیعہ کہتے ہیں کہ ابوبکر نے کہا ہے۔ ان لی شیطانا یعترینی فان استقمت فاعینونی وان زغت فقومونی (میرے لئے بھی شیطان ہے۔ جو وساوس ڈالتا ہے۔ پس اگر میں راہ راست پر چل رہا ہوں تو تم میری مدد کرو۔ اور اگر کجی دیکھو تو مجھے سیدھا کر دو) پھر ایسا شخص قابلِ امامت و خلافت کس طرح ہو سکتا ہے۔؟

جواب اوّل تو اہلسنّت کی کتاب میں حضرت ابوبکر کا یہ مقولہ درج نہیں ہے اگر بالفرض یہ درست ہو تو بھی کوئی اعتراض نہیں ــــــ ہم سوائے انبیاء کے کسی کو معصوم نہیں سمجھتے احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ ہر ایک انسان کے ساتھ ایک فرشتہ اور ایک جن پیدا ہوتا ہے ــــــ اور جن ــــــ بدی کی طرف رغبت دلاتا ہے۔ انبیاء باوجود عصمت کے ایسے کلمے فرمایا کرتے ہیں۔ آدمؑ نے فرمایا ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا۔ الآیہ ــــــ حضرت یوسف نے فرمایا وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی ــــــ حضرت علیؓ اپنے دیوان میں فرماتے ہیں۔ ع

ذنوبی ملذی فما حیلتی

اذا کنت فی الحشر حمالھا

میرے گناہ میری مصیبت ہیں۔ میرا کیا چارہ ہوگا۔ جب قیامت کے روز گناہوں کا بوجھ میری گردن پر ہوگا ــــــ حضرت زین العابدین فرماتے ہیں قد ملک الشیطان عنانی ــــــ ترجمہ: شیطان نے بدگمانی اور یقین کی کمزوری میں میری باگ پکڑ رکھی ہے اور میں اس کے پڑوس اور اپنے نفس کے اس کے مطیع ہونے کی شکایت کرتا ہوں (صحیفہ سجادیہ)

اگر انبیاء کے اقوال بالا اور ائمہ معصومینؑ کے ان مقولوں سے نبوت و امامت میں فرق

* کبھی کسی کے ماتحت ہونا ہرگز ثابت نہیں ہے۔

نہیں آتا تو حضرت ابو بکر نے بطور کسر نفسی یوں کہدیا تو کیا مضائقہ ؟ (آفتاب ص۲۲۹)

الجواب مؤلف نے اس طعن کے جواب میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ دروغ بے فروغ ہے اور بچند وجہ ناقابل اعتبار ہے۔

اوّلاً۔ یہ کہنا کہ یہ مقولہ اہلسنت کی کتاب میں نہیں ہے۔ بالکل خلاف واقع ہے اور سراسر اپنی کتابوں سے جہالت یا تجاہل پر مبنی ہے۔ ورنہ ارباب علم و اطلاع پر پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ اہلسنت کی بیسوں کتابوں میں موجود ہے۔ بطور نمونہ چند حوالہ جات درج کئے جاتے ہیں۔ الامامۃ والسیاسۃ ص۱۲ طبع مصر۔ کنز العمال ج ۳ ص۱۳۲ صواعق محرقہ ص۱ طبع مصر جدید۔ تاریخ کامل ابن اثیر ج ۲ ص۱۲۶ تاریخ الخلفاء ص۵۱ طبع دہلی۔ ریاض نضرۃ۔ تاریخ طبری ج ۳ ص۲۱۱ طبقات ابن سعد ج ۳ ص۱۲۹ قسم اوّل وغیرہا۔ بایں ہمہ یہ کہنا کہ یہ مقولہ اہلسنت کی کسی کتاب میں نہیں۔ کس قدر دیدہ دلیری اور سینہ زوری ہے ؟ ع

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد!

ثانیاً۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ ہر آدمی کیساتھ ایک فرشتہ اور ایک شیطان بھی پیدا ہوتا ہے"۔ اگرچہ یہ مضمون شیعہ کی کتب معتبرہ میں موجود نہیں ہے مگر بنابر تسلیم اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان کا بُرے کام کی ترغیب دینا اور ہے (یہ تو اس کا کام ہے ہی) اور اس کی ترغیب کو قبول کرنا اور؟ ابو بکر صاحب نے یہ اقرار کیا ہے کہ شیطان ان پر غالب آجاتا ہے "یعتریتی" کا یہ ترجمہ مؤلف نے غلط کیا ہے کہ "وسادس ڈالتا ہے" بلکہ اعتراء کے معنی ہیں۔ ڈھانپنا۔ غلبہ حاصل کرنا۔ قابو میں لینا۔ مطلب یہ کہ شیطان مجھ پر غالب آجاتا ہے۔ اور مجھے قابو میں لے لیتا ہے۔ حالانکہ اللہ کے مخلص بندے اس کے قابو میں نہیں آتے جس کا اعتراف خود شیطان کو بھی ہے۔ (ان عبادی لیس لک علیھم سلطان)

ثالثاً۔ انبیاء علیہم السلام کے کلام سے ابو بکر کے کلام کا تقابل کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ انبیاء باتفاق فریقین معصوم ہوتے ہیں۔ لہٰذا اگر قرآن و حدیث میں ان کا کوئی متشابہ قول یا فعل مذکور ہو تو اسکی ایسی تاویل کرنا واجب ہوتی ہے۔ جس سے ان کی عصمت کا مطلع بے غبار ہوجائے۔ مگر ابو بکر تو باقرار مخالف معصوم نہیں اسلئے انکے کلام کی تاویل کرنا ضروری نہیں ہے۔

رابعاً۔ انبیاء و ائمہ کا جو کلام یہاں پیش کیا گیا ہے۔ ان میں روئے سخن خداوند عالم کی طرف ہے جو ان کے خشوع و خضوع و کمال انقطاع الی اللہ اور اعتراف عجز و قصور از ادائے شکر انعمت خداوندی کی دلیل ہے اور یہ بات محتاج بیان نہیں کہ توبہ و استغفار و تضرع و زاری (اگرچہ بغیر عصیان و گناہ ہو) بجائے خود بہترین عبادت ہے اور بندے کے شکر گذار ہونے کی علامت ہے۔

رانده شد ابلیس از مستکبری
گشت آدم مقبل از مستغفری

چنانچہ جب جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلا گناہ توبہ واستغفار کرنے پر کسی نے عرض کیا کہ جب آپ نے کوئی گناہ نہیں کیا تو پھر آپ توبہ واستغفار کیوں کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا "افلا اکون عبداً شکوراً" کیا اگر میں نے گناہ نہیں کیا تو استغفار کرکے خدا کا بندۂ شکرگذار بن کر بھی نہ رہوں (انوار نعمانیہ) خود مؤلف نے ص ۲۵ سطر ۱۲ پر لکھا ہے "بات یہ ہے کہ محبوبانِ حضور کبریائی اپنی عبادات کو بھی بمقابلہ نعمت ہائے غیر متناہی جو واہب العطایا سے انہیں حاصل ہیں، گناہ سمجھ کر ہر وقت باعتراف قصور اس کی بارگاہ سے طلب مغفرت کیا کرتے ہیں" یہ مطلب ہے اس ارشاد کا کہ حسنات الابرار سیئات المقربین یعنی نیک لوگوں کی نیکیاں بھی مقربان بارگاہ کی بدیاں سمجھی جاتی ہیں۔ لیکن ابوبکر کا روئے سخن خالق کی بجائے مخلوق اور رعایا کی طرف ہے تو جب ہدایتِ خلق کا دعویدار خود خلق سے اپنی ہدایت و رہنمائی کا طلبگار ہو تو وہ کس طرح خلق کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے سکتا ہے؟ جو خلیفہ و امام کے فرائض میں سے ایک اہم فریضہ ہے۔ بقول

آن خویشتن گم است کرا رہبری کند؟

کیا انبیاء و ائمہ علیہم السلام کا بھی اس طرح لوگوں سے کلام کرنا ثابت ہے؟ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین!

خامساً۔ انبیاء وائمہ کے اس طرح کے ادعیہ واذکار اور توبہ واستغفار کے متعلق ایک نظریہ یہ ہے کہ وہ "تعلیم امت" (بارگاہ ایزدی میں لوگوں کو عرض و نیاز کرنے کا طریقہ تعلیم دینے) پر محمول ہوتے ہیں چنانچہ علامہ ابن جوزی صحیفہ سجادیہ کی دعاؤں پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں "لولا الصحیفۃ علی بن الحسین زین العابدین لما عرف المسلمون کیفیۃ المناجاۃ مع اللہ" یعنی اگر امام زین العابدین کی یہ مقدس دعائیں نہ ہوتیں تو مسلمانوں کو خدا سے مناجات کرنے اور اس کی بارگاہ میں عرض و نیاز کرنے کا طریقہ معلوم نہ ہو سکتا! (انتہیٰ ملخصاً)

سادساً۔ ابوبکر صاحب کے کلام کو کسرِ نفسی پر محمول کرنے کی بجائے "اظہارِ حقیقت" پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے کہ خدا نے اصل حقیقت کو ان کی زبان پر جاری کر دیا۔ تاکہ جو لوگ (الحق مع علی وعلی مع الحق (ینابیع المودۃ ص ۱۰۴ طبع بمبئی وغیرہ) کے مصداق معصوم امام کو چھوڑ کر ایسے گنہگار شخص کو خلیفہ و امام تسلیم کر رہے ہیں ان پر اتمام حجت ہو جائے۔ لیہلک من ہلک عن بینۃ الخ

لیکن کسے کہ گوش نہد ایں صدا کم است

پانچواں طعن

جھوٹ ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ نہیں پڑھا ــــ جن لوگوں نے اپنے رسول پر نماز جنازہ نہیں پڑھی وہ خلیفہ کیسے ہو سکتے ہیں؟

جواب :- جھوٹ ہے جھوٹ اگر آج کے شیعہ اپنی کتابوں کا بھی مطالعہ کریں تو ایسے جھوٹ بولنے سے شرم آئے۔ مگر اللہ رے جہالت! اپنی کتابوں سے انہیں واقفیت نہیں (۱) شیعہ کی نہایت معتبر کتاب اصول کافی صفحہ ۲۸۹ میں لکھا ہے عن ابی جعفر ــــ ترجمہ: امام باقرؑ نے فرمایا جب نبی علیہ السلام فوت ہوئے آپ پر فرشتوں اور تمام مہاجرین والانصار نے فوج در فوج نماز پڑھی۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ الف و لام جب صیغہ جمع پر واقع ہو تو استغراق کا معنی دیتا ہے پس ثابت ہوا کہ بقول حضرت امامؑ جب جمیع مہاجرین والانصار کا نماز جنازہ رسول پڑھنا ثابت ہے تو پھر شیعہ کی بکواس ــــ کیا وقعت رکھتی ہے؟ ــــ (۲) شیعہ کی ایک دوسری مستند کتاب جلاء العیون ماتم ــــ صفحہ ۶۵ میں ہے ــــ ترجمہ: حضرت امام باقرؑ نے فرمایا لوگوں نے دریافت کیا کہ حضور علیہ السلام پر کس طرح نماز پڑھیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا آپ ہماری زندگی میں اور بعد وفات بھی امام ہیں دس دس نے داخل ہو کر آپ پر نماز پڑھی پیر کے دن اور منگل کی رات صبح تک نماز ہوتی رہی اور منگل کے دن حتیٰ کہ تمام چھوٹے بڑے مرد و عورت نے مدینہ اور ارد گرد کے لوگوں نے بغیر امام کے نماز پڑھی لہٰذا شیعہ خود ہی انصاف کریں ــــ کہ تمام مہاجرین و انصار چھوٹے بڑے مرد و عورت ــــ جنازہ میں شامل تھے تو کیا تمام ــــ کے عموم سے شیخین خارج ہو سکتے ہیں؟

حضرت ابوبکرؓ کا شامل جنازہ ہونا

اگرچہ مذکورہ بالا دلائل نہایت واضح ہیں ــــ لیکن ــــ ضدی شیعہ کی اس سے تسلی نہ ہوا سلئے ہم وہ روایات لکھتے ہیں جن سے حضرت ابوبکرؓ کا شامل جنازہ ہونا بالصراحت ثابت ہے۔ اصول کافی صفحہ ۱۸۹ میں ہے ترجمہ امام جعفرؑ نے فرمایا حضرت عباس حضرت امیرؓ کے پاس آئے اور کہا لوگوں نے اتفاق کیا ہے کہ رسول پاک کو جنت البقیع میں دفن کریں اور یہ کہ ان لوگوں سے ایک شخص (ابوبکرؓ) امام ہو پس امیر لوگوں کے پاس آئے اور کہا کہ رسول پاک ہماری زندگی میں اور بعد وفات بھی امام ہیں۔ اور آپؐ نے فرمایا ہے کہ میں اسی جگہ دفن کیا جاؤں جہاں میرا انتقال ہو! امیر دروازہ پر کھڑے ہو گئے۔ اور خود نماز پڑھی پھر لوگوں کو حکم دیا کہ دس دس آدمی نماز پڑھتے اور پھر چلے جاتے تھے۔ اس روایت سے ثابت ہے کہ بوقت جنازہ رسول حضرت ابوبکرؓ موجود تھے

ـــ ممکن ہے اس سے ایک متعصب شیعہ کی تسلی نہ ہو۔ کیونکہ اس روایت میں بالاشارہ حضرت ابوبکر کے امام بنائے جانے کی خواہش کا ذکر ہے آپ کا نام بالتصریح موجود نہیں ہے لہذا اب ہم آپ کو وہ روایت دکھائیں۔ جس میں حضرت ابوبکر کا نام بھی درج ہے۔ جلاءالعیون اردو صفحہ ۷۳ ج ۱ ـــــ میں ہے جناب صادق ؑ سے روایت ہے کہ عباس جناب امیرؑ کی خدمت میں آئے اور کہا لوگوں نے اتفاق کیا ہے کہ حضرتؐ کو بقیع میں دفن کریں اور ابوبکر آگے ہوکر نماز پڑھائے۔ جناب امیرؑ نے کہا بدرستیکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پیشوا و امام ہمارے حیات و ممات میں ہیں اور حضرت نے خود فرمایا تھا کہ میں دفن ہوں گا۔ جہاں میری روح قبض کی جائے۔" اب تو شیعہ حضرات کی تسلی ہو جائے گی کہ حضرت ابوبکر حسب روایت امام صادقؑ صرف نماز جنازہ میں شامل ہی نہ تھے بلکہ تمام مسلمانوں نے اتفاق کر لیا تھا کہ آپ ہی امام ہوں ـــــ پھر کس قدر بے شرمی ہے کہ ائمہ اہلبیتؑ کو جھٹلا کر شیعہ صاحبان تمام لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں کہ یہ ایسے خلیفہ تھے کہ رسولؐ کا جنازہ ہی نہ پڑھا۔

پیارے رسولؐ سے پیارے دوست کی آخری ملاقات

(اس مقام پر مؤلف نے جلاءالعیون اردو صفحہ ۵۶ سے بحوالہ ثعلبی (سنی) وہ روایت درج کی ہے جو اس سے پہلے صفحہ ۱۰۱ پر بعض فضائل ابوبکر نقل کر چکے ہیں۔ جس میں ابوبکر صاحب کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چند عامیانہ (بلکہ احمقانہ) سوالات (از قسم آپ کا انتقال کب ہوگا؟ آپکی بازگشت کہاں ہے؟ وغیرہ وغیرہ) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختصر حکیمانہ جوابات مذکور ہیں اور ہم اسی مقام پر اس پہ مکمل تبصرہ کر چکے ہیں۔ جو قابل دید ہے۔ وہاں رجوع کیا جائے (ناقل) اس کے بعد لکھا ہے) اور جب ابوبکر آخری دم تک پروانہ وار شمع جمال احمدی پر اپنی جان قربان کئے ہوئے تھے پھر کیونکر ممکن تھا کہ نماز جنازہ رسول سے غیر حاضر ہوں ـــــ؟ (آفتاب صفحہ ۲۳۲)

الجواب یہ بالکل صحیح! شیخین کا اپنے حصول اقتدار کی خاطر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تدفین اور نماز جنازہ سے غیر حاضر رہنا وہ مسلمہ حقیقت ہے کہ کوئی صاحب علم و انصاف اسکے انکار کرنے کی ہرگز جرات نہیں کر سکتا۔ اگر مؤلف کو اپنی کتابوں پر عبور ہوتا تو کبھی انکار نہ کرتے اور اگر انصاف کے۔ ۔ ۔ ہوتا تو جو شیعی روایات اپنی تائید میں پیش کئے ہیں وہ پیش نہ کرتے۔ بہر حال انہوں نے سیرت شیخین اور سنت معاویہ و مروان پر عمل کرتے ہوئے شیعیان علیؑ کے حق میں جو زبان استعمال کی ہے ہم

اسوۂ علوی و حسنی اور ارشاد ربانی ”واذا مروا باللغو مروا کراما واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما“ پر عمل کرتے ہوئے اس سے درگذر کر کے اصل حقائق پیش کرتے ہیں۔

ابوبکر وفات نبوی کے وقت حاضر نہ تھے

(۱) بخاری شریف ج ۲ صفحہ ۱۸۹ طبع مصر میں ہے مات رسول اللہ و ابوبکر بالسنح جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات واقع ہوئی تو اسوقت ابوبکر مقام سنح میں تھے (جو مدینہ سے کچھ فاصلہ پر ہے)

دفن رسول کے وقت شیخین غائب تھے

(۲) تیسیر الباری ترجمہ بخاری طبع احمدی پریس لاہور پ ۵ ص ۴۲ کتاب الجنائز باب موت الاثنین میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہا میں ابی بکر کے پاس گئی ابوبکر نے کہا بیان کیجئے نبی صلعم کو کتنے کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ بی بی عائشہ نے کہا تین کپڑوں میں پھر ابوبکر کہنے لگے کس دن رسول فوت ہوئے؟ عائشہ نے کہا پیر کے دن“۔ واہ رے شمع رسالت کے اس سچے پروانے کا عشق! اور یار غار کی رفاقت و محبت! کہ اقتدار کی جدوجہد اور دوڑ دھوپ میں ایسے بدحواس اور دیوانے ہوئے کہ دفن بھول گئے، کفن بھول گئے، نماز جنازہ بھول گئے بلکہ وفات پیغمبر کا دن بھول گئے۔ فلیبک علی الاسلام من کان باکیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

(۳) کنز العمال ج ۳ ص ۱۴۰ طبع حیدرآباد میں ہے عن عروة قال ان ابابکر و عمر رضی اللہ عنہما لم یشهدا دفن النبی صلعم وکانا فی الانصار فدفن قبل ان یرجعا۔ عروہ روایت کرتے ہیں کہ ابوبکر و عمر پیغمبر اسلام کے دفن کے وقت حاضر نہ تھے بلکہ وہ انصار میں (خلافت کیلئے لڑ جھگڑ رہے) تھے۔ اور ان کی واپسی سے پہلے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دفن کر دیئے گئے“ (کذا فی السیرۃ الحلبیہ ج ۳ ص ۳۹۲ والتاریخ للطبری ج ۳ ص ۱۹۸/۲۰۱ والکامل لابن الاثیر ج ۲ ص ۱۲۳)۔

(۴) الامامۃ والسیاسۃ ص ۱۳ طبع مصر بذیل عنوان ”کیف کانت بیعة ابی بکر“ لکھا ہے کہ جب عمر نے باب فاطمہ کے جلانے کی دھمکی دی تو اسوقت جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے دروازہ کے اندر کھڑے ہو کر فرمایا لا عهد لی بقوم حضروا اسوء محضر منکم ترکتم جنازة رسول اللہ بین ایدینا وقطعتم امرکم بینکم لم تستامرونا ولم تردوا لنا حقا۔ ہمارا تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ کوئی عہد و تعلق نہیں ہے جو برائی سے پیش آئے تم لوگوں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جنازہ ہمارے درمیان چھوڑ دیا اور معاملہ خلافت کو خود باہم بیٹھ کر طے کر لیا۔ نہ ہم سے مشورہ کیا اور نہ ہی ہمارا حق (خلافت) ہمیں دیا“۔

ان تمام حقائق سے روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہوتا ہے کہ جو لوگ (شیخین) رسول کے دفن و کفن سے غیر حاضر تھے لامحالہ وہ نماز جنازہ سے بھی غائب ہونگے حسب تصریح کنز العمال جب وہ اسوقت واپس آئے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دفن بھی ہو چکے تھے تو نماز جنازہ کب اور کہاں پڑھی؟ وهذا اوضح من ان یخفی۔

شیعی روایات کا جواب

اس سلسلہ میں مؤلف نے بہت کچھ ہاتھ پیر مار کر جو روایات کتب شیعہ سے پیش کی ہیں ان سے ہرگز انکا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ مثلاً پہلی روایت کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ صلت علیہ الملائکة والمهاجرون والانصار میں المهاجرون والانصار پر جو الف و لام ہے کے مفید استغراق ہونے میں اختلاف

ہے۔ اگرچہ مشہور یہی ہے جیسا کہ کتب نحو و اصول کے ناظرین پر مخفی نہیں ہے۔

ثانیاً۔ بنا بر تسلیم اس سے یہ کب لازم آتا ہے ہر جگہ استغراق و عموم ہی مراد ہوتا ہے اور بطور عہد خارجی مخصوص افراد مراد نہیں ہو سکتے (و لو مجازاً)

ثالثاً اگر اس سے بھی قطع نظر کر کے عموم تسلیم بھی کر لیا جائے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ علم اصول فقہ و معانی و بیان کا تسلیم شدہ قاعدہ ہے کہ لا دلالۃ للعام علی الخاص باحدی الدلالات الثلاث کہ عام کی خاص پر تینوں دلالتوں (مطابقی، تضمنی۔ اور التزامی) میں سے کوئی دلالت بھی نہیں ہوتی۔ لہٰذا عام مہاجرین و انصار کے نماز جنازہ پڑھنے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ ابو بکر و عمر نے بھی پڑھی! ــــ تیسری روایت سے استدلال دیکھ کر تو ہمیں مؤلف کے دماغی توازن کے قائم ہونے میں بھی تردد ہو گیا ہے۔ دعوے یہ ہے کہ وہ ایسی روایات پیش کر رہے ہیں۔ جن میں ابو بکر کے شامل جنازہ ہونے کی صراحت ہے اور جو روایت اصول کافی سے پیش کی ہے۔ اس میں صراحت تو کجا کوئی اشارہ و کنایہ تک موجود نہیں۔ بلکہ یہ لفظ موجود ہے "و یؤمہم منہم رجل" یعنی لوگوں نے جنت البقیع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دفن کرنے پر اتفاق کیا ہے اور اس پر کہ انہیں میں سے کوئی آدمی ان پر نماز پڑھا دے "رجل" اسم نکرہ ہے جس کا مطلب ہے "کوئی ایک مرد" مؤلف کی اپچ قابل داد ہے کہ پہلے اس سے مخصوص شخص مراد لیکر پھر قوسین میں خود ہی لکھتے ہیں (ابو بکر) اور پھر آخر میں خود یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اس روایت میں بالاشارہ حضرت ابو بکر کے امام بنائے جانے کی خواہش کا ذکر ہے۔ آپ کا نام بالتصریح موجود نہیں" ــــ کجا وہ شور اشوری اور کجا یہ بے نمکی۔ دعویٰ صراحت کا تھا نکلا اشارہ ــــ حالانکہ در اصل اسمیں اشارہ بھی نہیں ہے ــــ باقی رہی چوتھی روایت جو جلاء العیون سے پیش کی ہے۔ اس کا جواب بھی واضح ہے۔ اس روایت میں یہ کہاں وارد ہے کہ ابو بکر اس وقت وہاں موجود بھی تھے؟ اس میں تو صرف بعض لوگوں کا اس عزم و ارادہ کا تذکرہ ہے کہ ابو بکر نماز پڑھائیں (جن کو سقیفہ سے بلایا جا سکتا تھا) اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ وہ وہاں موجود بھی تھے اور پھر انہوں نے خود نماز بھی پڑھی یا پڑھائی تھی۔ اگر ان حضرات میں کچھ بھی ہمت اور جرأت ہے تو ائمہ طاہرین کا کوئی ایسا مستند فرمان پیش کریں جس میں ابو بکر و عمر کے جنازہ رسولؐ میں شریک ہونے کی صراحت موجود ہو۔ ورنہ یاد رکھیں ان بھول بھلیوں سے انہیں کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔

گر نیاید بگوش حقیقت کس
بر رسولان بلاغ باشد و بس!

(در پیارے رسول کے پیارے دوست کی آخری باتیں ہے زیر عنوان چو ۱۲)

کچھ لکھا گیا ہے ہم اس پتہ فضائل ابوبکرؓ کے ذیل میں مکمل تبصرہ کرکے اس فرضی فضیلت کا رذیلت ہونا ثابت کر چکے ہیں وہاں رجوع کیا جائے۔ اصل بات یہ ہے کہ ابوبکر تو آخری لمحات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس موجود ہی نہ تھے (جیسا کہ ابھی اوپر واضح کیا جا چکا ہے کہ مقام سنخ میں گشت فرما رہے تھے۔

آخری وقت میں حضرت علیؑ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہونا اور سرگوشی کرنا

بلکہ آخری وقت صرف جناب امیر علیہ السلام موجود تھے۔ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلوایا تھا انہی کی گود میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سر اقدس تھا کہ روح مقدس قفس اقدس عنصری سے پرواز کر گئی۔ جناب عائشہ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری لمحات حیات میں فرمایا ادعوالی حبیبی: میرے حبیب کو میرے پاس بلاؤ۔ میں نے ابوبکر کو بلایا۔ آپ نے دیکھ کر سر تکیہ پر رکھ دیا۔ پھر فرمایا میرے حبیب کو بلاؤ! میں نے عمر کو بلایا آپ نے دیکھ کر سر تکیہ پر رکھ دیا۔ پھر فرمایا میرے حبیب کو بلاؤ۔ میں نے لوگوں سے کہا۔ علیؑ کو بلاؤ۔ بخدا آپ ان کے بغیر اور کسی کو نہیں بلاتے! چنانچہ جب جناب علیؑ تشریف لائے تو ان کو کپڑے کے نیچے لے کر سینے سے لگا لیا اور اسی حالت میں آپ کی وفات ہوئی (معجم کبیر طبرانی وغیرہ) اسی طرح جناب ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار دریافت فرمایا جاء علی؟ کیا علی آ گئے ہیں؟ جب حضرت علیؑ تشریف لائے تو ہم لوگ علیحدہ ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے کچھ راز و نیاز کی باتیں کیں اور اسی حالت میں آپ کا عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال پرملال ہو گیا (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۳۹ خصائص علویہ النسائی وغیرہ)

لطیفہ مؤلف کا یہ کہنا کہ ابوبکر آخری دم تک پروانہ وار شمع احمدی پر اپنی جان نثار کئے ہوئے تھے پھر کیونکر ممکن ہے کہ نماز جنازہ رسول سے بغیر حاضر ہوں عجیب ہی شگفت آور ہے۔ موصوف کو کیا یہ معلوم نہیں کہ پروانہ صرف اس وقت تک شمع کے اردگرد طواف کرتا ہے جب تک شمع روشن رہتی ہے۔ ادھر شمع گل ہوئی اور ادھر پروانہ غائب ہوا ولنعم ما قیل۔

> چوں صحابہ حب دنیا داشتند
>
> مصطفیٰ را بے کفن بگذاشتند

نتیجۃ الکلام ان حقائق کی روشنی میں واضح و عیاں ہو گیا کہ شیخین جنازہ رسول سے غیر حاضر رہے اور جو اس قدر مطلب پرست ہو کہ اپنے ذاتی مفاد اور اقتدار پر رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی تجہیز وتدفین اور نماز جنازہ میں شرکت کو قربان کر دے وہ ہرگز ہرگز آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانشین اور امیر المؤمنین نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس منصب جلیل کا مستحق صرف اور صرف وہ بزرگوار ہو سکتا ہے کہ جو

امامے کہ روزِ وفات پیغمبر
خلافت گذارد بماتم نشیند

کا مصداق ہو۔ وھو اسد اللہ فی العالمین علی بن ابی طالب علیہ افضل صلوٰۃ المصلین الی یوم الدین۔ والحمد للہ رب العالمین۔

چھٹا طعن (قضیۂ فدک)

شیعہ کا یہ طعن ہے کہ ابو بکر صدیق نے فدک بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم (فاطمہ) سے چھین لیا ان کو ناراض کیا اور رسول پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاتونِ جنت کی ناراضگی کو اپنی ناراضگی سے تعبیر کیا پھر ایسا شخص خلیفہ کس طرح ہو سکتا ہے؟

جواب

چونکہ شیعہ صاحبان اس طعن کو بڑی شدومد سے پیش کیا کرتے ہیں ــــ اس لئے ہم اس کے متعلق شرح وبسط سے کلام کر کے ــــ پہلے یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ فدک ہے کیا چیز ــــ قرآن کا فیصلہ اسکے متعلق کیا ہے اور رسول پاک اور آپ کے صحابہ ــــ اہلبیت ــــ کا طرز عمل کیا رہا ــــ

فدک کی تعریف

سو فدک جیسا کہ قاموس میں ہے ایک چھوٹے سے قریہ کا نام ہے جو خیبر کے نواح میں ہے اور جو یہود کے قبضہ میں تھا۔ جب آنحضرت فتح خیبر سے واپس ہوئے تو محیصہ بن مسعود انصاری کو اہل فدک کے پاس ــــ بھیجا ــــ یہود نے حضور صلے اللہ وسلم کے پاس صلح کا پیغام بھیجا اور صلح کے عوض فدک کی آدھی زمین دینی منظور کی۔ چونکہ یہ جائداد قبضۂ اسلام میں بدون لڑائی بطور صلح آئی تھی۔ اس لئے اسے فئے کہتے ہیں اور فئے کے متعلق جو حکم قرآن میں ہے وہی قابل عمل تھا فی الحقیقت فدک کی کل کائنات چند کھجوریں ہیں جن کے متعلق اسقدر دھاندلی مچائی جاتی ہے کہ صحابہ نے خاتونِ جنت کی جائداد چھین لی۔

فدک کی حقیقت شیعی نقطۂ خیال سے

شیعہ کی معتبر کتاب اصول کافی صفحہ میں ایک طولانی حدیث لکھی ہے جس میں حضرت ابوالحسن موسیٰ نے خلیفہ مہدی سے فدک کی واپسی کے متعلق سوالات

کیا ہے — فقال له المهدی — ترجمہ:۔ مہدی نے کہا اے ابالحسن! فدک کی حد بتا دیجئے! امام نے کہا ایک کنارہ اس کا کوہ احد ہے اور دوسرا عریش مصر ایک گوشہ سمندر اور دوسرا دومۃ الجندل۔ مہدی نے کہا کیا یہ سب فدک ہے؟ امام نے کہا ہاں! خلیفہ نے کہا یہ تو ایک ملک ہے اور میں اس بارہ میں غور کروں گا۔ شیعہ کی آہن حد شماری سے فدک آدھی دنیا کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ کہا کرتے ہیں کہ فدک لاکھوں کی جائداد تھی جو ابو بکر نے دبا لی

اب قابل غور بات یہ ہے کہ کیا رسول پاک دنیا طلبی کے لئے مبعوث ہوئے تھے کہ نبوت کے اقتدار سے جن ممالک پر قبضہ ہوا وہ سب دختر نیک اختر کے حوالہ کر دیا۔ مخالفین اسلام اس بارہ میں کیا کہیں گے؟ ہمارے رسول پاک اور آپ کے اہلبیت کی تو یہ حالت تھی کہ باوجود شہنشاہ اعظم ہونے کے تین تین روز فاقے گذر تے تھے — پھر جب آپ کی وفات ہوئی، تو آپ کی زرہ چند درہم کے عوض ایک یہودی کے گرو تھی — اور آپکے اہلبیت بھی اسکے خوگر تھے کہ فاقے سے رہ کر یاد خدا میں شب و روز معروف رہتے تھے پیغمبر اسلام پر یہ ایک بہت بڑا افترا ہے کہ آپ نے ایک بڑا ملک — فقرا و مساکین امت کو محروم کر کے سارا اپنی بیٹی کو دے دیا اور اسی طرح — فاطمۃ الزہراؓ پر یہ بہت بڑا بہتان ہے کہ آپ دنیائے حقیر کی اسقدر دلدادہ تھیں — کہ کچہریوں میں مقدمات لڑتی پھریں — استغفراللہ!

فدک کے متعلق فیصلہ قرآن

یہ امر مسلمہ فریقین ہے کہ فدک مال فئے تھا۔ مال فئے کے متعلق قرآنی فیصلہ کیا ہے؟ — پارہ ۲۸ سورۂ حشر میں ہے ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القریٰ فللہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل — ترجمہ:۔ جو زمین اور جائداد بطور فئے اہل دیہات سے رسول کو ملی وہ خدا و رسول اور قرابتداران رسول اور یتیموں، مسکینوں اور مسافروں اور فقرا اور مہاجرین اور ان سب مسلمانوں کیلئے (وقف) ہے جو آئندہ دنیا میں آئیں گے" اس آیت میں صریح فیصلہ موجود ہے کہ مال فئے — کسی کی خاص ملکیت نہیں بلکہ اس کے حقدار رسول و۔ و۔ و (جو آیت میں مذکور ہیں۔ ناقل) — پھر شیعہ کا یہ خیال برخلاف فیصلہ قرآن کہ فدک — رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف فاطمۃ الزہراؓ کی

ملکیت میں دے دیا تھا۔ نہ صرف قرآن کو ہی جھٹلاتا ہے بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذمے اتہام لگاتا ہے ــــ کیا فیصلۂ قرآن سے بڑھ کر کوئی اور فیصلہ ہو سکتا ہے؟ شیعہ جواب دیں!

کیا فدک رسولِ پاک کی ذاتی جائداد تھی؟

فدک کو فاطمۃ الزہرا کی ملکیت قرار دینے کے متعلق شیعہ کو سخت مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ ــــ آپ کو بطور ہبہ ملا تھا اور کبھی یہ کہ وراثتاً ترکہ میں آیا تھا۔ لیکن یہ دونوں باتیں تب ہو سکتی ہیں، کہ فدک رسول کی ذاتی ملکیت ہوتی۔ لیکن اس بات کا ثابت کرنا بالکل مشکل ہے۔ اول تو یہ کہ آیت بالا اس کے مخالف ہے۔ دوم یہ بانی ہوئی بات ہے کہ ذاتی جائداد وہ ہوتی ہے جو کسی شخص کو وراثتاً ملے یا اس نے ذاتی کمائی سے خریدا ہو۔ یہاں دونوں باتیں مفقود ہیں ــــ یہ مسلم ہے کہ بادشاہ یا امام یا نبی کو جو جائداد حکومت یا امامت یا نبوت کے اثر سے حاصل ہوتی ہو وہ بادشاہ یا امام یا نبی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتی ــــ گورنمنٹ کی ملکیت ہوتی ہے ــــ وہ اس کے وارثوں کو وراثت میں نہیں ملا کرتیں ــــ (یہاں مؤلف نے مضمون بالا کی مزید وضاحت کی خاطر جناب شبلی نعمانی کی الفاروق ج ۲ ص۲۰۱ سے ایک طویل عبارت نقل کی ہے۔ جس کا مطلب وہی ہے جو مذکور ہوا کہ بادشاہ، نبی، امام کے قبضہ میں جو جائداد ہو اسکی دو حیثیتیں ہوا کرتی ہیں ــــ ذاتی مملوکہ اور مملوکہ حکومت پھر مثالیں دے کر اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ خوف طوالت اور مطلب کے واضح ہونے کی وجہ سے اسے قلم انداز کیا جاتا ہے۔ ناقل) پس جب فدک حضور علیہ السلام کے ذاتی املاک ہی سے نہ تھا تو اس کا ہبہ بحق خاتونِ جنت کر دینا یا آپ کی وفات پر وراثتاً آپ کو ملنا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟

ایک عجیب قصہ ہبہ فدک کے متعلق شیعہ حضرات نے ایک عجیب قصہ تراش رکھا ہے۔ جس کا اصول کافی ص۲۵۵ میں ہے ــــ

ــــ ترجمہ، امام ابوالحسن نے کہا خدا نے رسول پاک کے ہاتھ پر فدک وغیرہ فتح کرئے۔ جن کے متعلق فوج کشی نہ کی گئی تھی تو خدا نے آیت وآتِ ذا القربیٰ حقہ (دے رشتہ دار کو اس کا حق) نازل کی تو رسول کو معلوم نہ ہو سکا کہ

ذالقربیٰ سے کیا مراد ہے۔ آپ نے اس کے متعلق جبرئیل سے استفسار کیا اور جبرئیل نے رب العزت سے تو خدا نے وحی بھیجی کہ فدک فاطمہ کو دے دیجئے۔ تب رسول نے بلا کر کہا، فاطمہ! خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ فدک تجھے دے دوں۔ فاطمہؓ نے کہا میں نے خدا و رسول سے یہ عطیہ قبول کیا۔ قصہ تراشنے والوں نے اپنے مطلب کی بات تو وضع کر لی لیکن یہ نہیں سوچا کہ اس سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام آتا ہے کہ ــــ ذا القربیٰ کے معنی بھی نہ سمجھ سکے پھر اللہ پر یہ الزام آتا ہے کہ اس نے ــــ یہ حکم ایسے معمہ کے طور پہ فرمایا نہ اس کا معنی صاحب الوحی سمجھ سکے نہ حامل وحی ــــ پہلے ہی سے یوں فرما دیا جاتا وآت فاطمہ فدک (فاطمہ کو فدک دے دیجئے ــــ کیا ان کو یہ معلوم نہیں یہ آیت مکی ہے اور مکہ میں فدک کہاں تھا؟ وہ ہجرت کے بعد قبضہ اسلام میں آیا۔

دعوائے ہبہ فدک

شیعہ کہتے ہیں کہ فاطمۃ الزہراؓ نے فدک ــــ کا مقدمہ دربار صدیق میں دائر کیا اور دو ــــ ثقہ اور معتبر گواہ (حضرت علی و ام ایمن) بھی پیش کئے۔ لیکن ابو بکر نے شہادت رد کر دی ــــ سو اول تو اس واقعہ کا ثبوت اہلسنت کی کسی معتبر کتاب سے نہیں ملتا ہے کیونکہ بحکم قرآن واستشھدوا شھیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان (دو مرد گواہ رکھو وہ نہ مل سکیں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہوں) چونکہ صورت بالا میں نصاب شہادت موجود نہ تھا ــــ اس لئے اگر ابو بکر صدیق اس شہادت پر فیصلہ بحق خاتون جنت کرتے تو لوگ کہتے دختر رسول کی خاطر غلط فیصلہ دے رہا ہے ــــ عدالت و انصاف کا بڑا لازمہ عام مساوات کا لحاظ ہے ایوان عدالت میں شاہ گدا، امیر و غریب، شریف و رذیل سب ہم مرتبہ سمجھے جاتے ہیں ــــ چونکہ واستشھدوا کا حکم عام ہے ــــ اول تو یہ ناممکن ہے کہ جناب امیرؓ ــــ نامکمل شہادت لے کر ــــ عدالت میں حاضر ہوں۔ اگر ایسا ہو گیا ہو تو خلیفہ رسول کا اہم فرض تھا کہ بحکم خدا ــــ اس نامکمل شہادت پر خاتون جنت کے حق میں ڈگری نہ دیں۔ امیرؓ اور خاتون جنت کو بجائے اس کے کہ ناراض ہوں حاکم شرع خلیفہ کی داد دینی چاہیئے تھی

(اس کے بعد اس مقام پر مؤلف نے دو واقعات نقل کئے ہیں۔ ایک عمرؓ کے مقرر کردہ قاضی زید بن ثابت کے دربار میں عمرؓ اور ابی بن کعب کا مرافعہ لے جانے اور زید کے عمرؓ کی معمولی رعایت کرنے پر عمرؓ کے ان کی سرزنش کرنے کا ــــ اور دوسرا شریح قاضی کی عدالت میں

حضرت امیرؓ کے یہودی کے ساتھ زرہ کے بارے میں مقدمہ پیش کرنے اور اس کے گواہ طلب کرنے پر آپ کے امام حسنؓ اور قنبر کو پیش کرنے اور اس کے ان کو نامنظور کرنے کا ــــ کہ اس پر آپ ناراض نہ ہوئے) الغرض دعوئے فدک کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں ہے نہ حضور علیہ السلام باقی اقرباء کو محروم کر کے اکیلے فاطمۃ الزہراءؓ کو یہ جائداد دے سکتے تھے

دعوئے وراثت

جب ہبہ کی طرف سے فیل ہوتے ہیں تو شیعہ حضرات وراثت کا سوال پیش کر دیتے ہیں کہ ــــ فاطمۃ الزاہراءؓ نے ابوبکرؓ کے پاس دعویٰ کیا کہ فدک وراثت میں مجھے ملنا چاہیئے۔ سو یہ ــــ پہلے سے بھی زیادہ کمزور ہے۔

(۱) وراثت بھی ان ہی اشیاء میں ہوتی ہے جو مورث کی ملکیت ہوں جب فدک حسب مسئلہ مال فئی (وقف) تھا ــــ تو وراثت کیسی!

(۲) اسلئے کہ دیگر ورثاء کو محروم کر کے اکیلے فاطمہؓ کو بطور وراثت لینے کا کیا حق تھا حضرت کی نو بیویاں اور حضرت عباسؓ (چچا) بھی موجود تھے ــــ اگر فدک میں سلسلۂ وراثت جاری ہو سکتا ــــ تو حضرت ابوبکرؓ کو ــــ کچھ عذر نہ ہوتا ــــ اس سے آپ کی دختر عائشہؓ بھی بہرہ یاب ہوتیں اور حضرت عباسؓ بھی ــــ

(۳) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث موجود ہے نحن معاشر الانبیاء لا نورث ولا نورث ما ترکناہ صدقۃ (ہم گروہ انبیاء نہ کسی مال دنیوی کے وارث ہوتے ہیں۔ نہ ہمارا کوئی وارث ہوتا ہے۔ ہمارا متروکہ صدقہ ہوتا ہے)

سوال شیعہ

آیت یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین۔ عام ہے پھر رسول اللہ اس سے کیسے مستثنیٰ ہو سکتے ہیں ــــ اور حدیث بھی قرآن آیت کی ناسخ نہیں ہو سکتی۔

جواب

کئی آیات میں جو بظاہر عام ہوتی ہیں۔ لیکن رسول اس حکم سے مستثنیٰ ہوتے ہیں جیسے آیت فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلاث ورباع۔ عام ہے جس کا مفہوم ہے کہ چار بیویاں کرنا جائز ہیں۔ زائد نہیں۔ رسول پاک اس سے مستثنیٰ ہیں ــــ اسی طرح یوصیکم اللہ سے بھی آپ مستثنیٰ ہیں اور حدیث ناسخ نہیں۔ بلکہ حدیث مذکورہ سے تخصیص مطلوب ہے اور حدیث مخصص آیت ہو سکتی ہے۔

سوال شیعہ حدیث لا نورث الخ حضرت ابوبکر نے خود ہی وضع کر لی ہے

جواب شیعہ کی لاعلمی یا ہٹ دھرمی پر افسوس ہے یہی حدیث شیعہ کی اپنی کتابوں میں بروایت ائمہ اہلبیتؓ موجود ہے۔ چنانچہ اصول کافی ص۳۲ میں ہے ۔۔۔۔ (ترجمہ) "ابی عبداللہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں اور یہ اس لئے کہ انبیاء ورثہ میں درہم و دینار نہیں چھوڑتے۔ بلکہ اپنی احادیث چھوڑ جاتے ہیں پس جس شخص نے یہ میراث ۔۔۔۔ پائی اس کو بہرہ وافر ملا" اس حدیث میں مدلل طور پر بیان کیا گیا ہے کہ انبیاء مالِ دنیا کی میراث ہرگز نہیں چھوڑتے۔ بلکہ انکی میراث علم و حکمت ہوتی ہے ۔۔۔۔ خدا کے فضل سے شیعہ کی کتابیں علماء اہلسنت کے پاس موجود ہیں

سوال شیعہ دوسری آیات سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء مال دنیا ترکہ میں چھوڑ جاتے ہیں اور ان کی اولاد وارث ہو سکتی ہے ۔۔۔۔ آیات یہ ہیں (۱) وورث سلیمان داؤد ۔۔۔۔ (۲) رب ھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب!

جواب شیعہ صاحبان کی سمجھ پر افسوس ہے۔ جن آیات کو وہ اپنی دلیل سمجھتے ہیں حقیقت میں ان سے ان کے دعویٰ کی تردید ہوتی ہے۔ دونوں آیات میں میراث نبوت و حکمت مراد ہے ۔۔۔۔ ورنہ اگر دنیوی مال کی وراثت ہو تو آیت کا معنی ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حضرت داؤدؑ کے نہ صرف حضرت سلیمان واحد فرزند تھے۔ بلکہ آپ کے اٹھارہ فرزند اور بھی موجود تھے ۔۔۔۔ اسلئے سب وارث ہوئے نہ اکیلے حضرت سلیمانؑ ۔۔۔۔ الاّ ۔۔۔۔ میراثِ نبوت حضرت سلیمان ہی کو ملی ۔۔۔۔ دوسری آیات سے اسکی تصدیق ہوتی ہے ولقد آتینا داؤد وسلیمان علماً ۔۔۔۔ وقال یا ایھا الناس علمنا منطق الطیر ۔۔۔۔ فی الحقیقت مالِ دنیا عطا ہونا ایک نبی کی فضیلت ہرگز نہیں ہو سکتا ۔۔۔۔ انبیاء کی دولت علم و حکمت و نبوت ہوتی ہے ۔۔۔۔ ایک اور حدیث سے بھی یہ عقدہ حل ہوتا ہے کہ وراثتِ سلیمان مالی نہ تھی ۔۔۔۔ ترجمہ: سلیمان داؤدؑ کے وارث ہوئے اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم سلیمانؑ کے وارث ہوئے) (اصول کافی)

نظم بجواب مولوی کرم دین

کیا ہو گیا ہے مفتیٔ اشرف مقام کو ۔ کہتا ہے شام روز کو اور روز شام کو
ظاہر میں ادعا ہے کہ ہیں تابعِ نبیؐ ۔ تجویز کر رکھا ہے قیاسِ حرام کو
ظاہر میں نام اور ہے باطن میں کچھ عمل ۔ بدنام کر رہے ہیں یہ سنّت کے نام کو
عرسوں میں صوفی ناچتے ہیں ڈوم کی طرح ۔ سمجھے ہوئے ہو خوب تم اس دھوم دھام کو
جلتے ہو تم چڑھاتے ہو نام اس جناب کا ۔ کیا منہ دکھا سکو گے رسولِ انام کو
گمراہ کیوں ہے تعزیہ داری پہ طعنہ زن ۔ کیا تو جواب دے گا شہِ خاص و عام کو
دیکھا تھا اُمِ سلمہؓ نے غم میں حسینؑ کے ۔ بیتاب و سر بخاک رسولِ انام کو

سرِ محشر خدا کے روبرو جب سامنا ہوگا ۔ خدا جانے نواصب کا وہاں کیا فیصلہ ہوگا
وکالت جو یہاں کرتا ہے زہراؑ کے مخالف کی ۔ خصومت کے لئے اس کی محمد مصطفیٰؐ ہوگا
امیر المومنینؑ کی ذاتِ اقدس جس کی دشمن ہو ۔ بقول مصطفیٰؐ وہ حشر میں بے آسرا ہوگا
علیؑ تو ساقیٔ کوثر بنیں گے جام کوثر کے ۔ مگر دشمن بصد حسرت وہاں پہ دیکھتا ہوگا
سرِ منبر تو جن کا نام لے کر رقص کرتا ہے ۔ قیامت میں تو اُن پر تبرا بھیجتا ہوگا
علیؑ کا بغض دل میں ہو کہاں کی ہے مسلمانی ؟ ۔ زمانے میں تو اے واعظ نہ تجھ سا بے حیا ہوگا
ہماری سینہ کوبی سے تمہیں کیوں درد ہوتا ہے ۔ جفا کاروں میں شاید کوئی تیرا پیشوا ہوگا
ارے ظالم مٹانے سے یہ ماتم مٹ نہیں سکتا ۔ تو جتنا ہی مٹائے گا یہ اتنا ہی سِوا ہوگا
عزازل کی طرح تو بھی حقیقت کو چھپاتا رہ ۔ مگر سبطِ پیمبر کا یہ ماتم جا بجا ہوگا
تیری اس خوش گوئی سے ہیں تو اجر ملتا ہے ۔ بُرا انجام آخر میں کرم دینا تیرا ہوگا
نہ دیں گے داد علیؑ والے تو کب ہوگا ۔ صدا آئے مرحبا مولا نجف میں کہہ رہا ہوگا
تعاقب چھوڑ دے منکور اب اس مؤلف کا ۔ سزا اپنے کئے کی حق سے اب وہ پا رہا ہوگا

کی سنت تبدیل کی گئی ہے اور اگر میں لوگوں کو وہ کام چھوڑنے کے لئے کہہ کر اصلی حالت پر لانا چاہوں جیسا کہ رسول کے وقت میں تھا تو میرا لشکر مجھ سے علیحدہ ہو جائے اور میں صرف اکیلا رہ جاؤں یا چند شیعہ رہ جائیں۔ جو میری فضیلت اور میری خلافت و امامت کی فرضیت قرآن اور حدیث سے جانتے ہیں۔ اگر میں کہوں مقام ابراہیم اس طرح کر دیا جائے جیسا کہ آنحضرت کے وقت میں تھا اور باغ فدک کو وارثانِ فاطمہ کو واپس دلا دوں اور صاع کو ایسا ہی کر دوں جیسا کہ رسول کے وقت تھا اور لوگوں کو متعہ کا حق دے دوں اور پانچ تکبیر جنازہ پڑھنے کا حکم دوں تو لوگ سب مجھ سے الگ ہو جائیں بخدا میں نے لوگوں کو کہا کہ ماہِ رمضان میں بغیر نماز فرض کے جمع نہ ہوں (نماز تراویح نہ پڑھیں) اور میں نے انہیں بتایا کہ نوافل (تراویح) کیلئے مجتمع ہونا بدعت ہے، تو میرے سپاہیوں نے جو میرے ساتھ مل کر لڑائی کر رہے ہیں۔ منادی کرا دی کہ اے مسلمانو! حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کی سنت کو بدلنا چاہتا ہے اور ہمیں ماہِ رمضان میں نوافل تراویح پڑھنے سے منع کرتا ہے"۔ اس خطبہ سے ثابت ہوا کہ جناب امیرؓ جماعت کے افتراق کے خوف سے نہ تو فدک وارثانِ فاطمہؓ کو واپس دلا سکے۔ نہ متعہ جیسے کار ثواب کی ترویج کرا سکے ——— تو اب سوال یہ ہے کہ امیرؓ کی خلافت و امامت کس کام کی تھی؟ وہی بدعات جو پہلے خلفاء نے جاری کر رکھی تھیں ہوتی رہیں ——— یہاں تک بے بس تھے کہ باغ فدک وغیرہ بھی حسنینؓ کو نہ دلا سکے ——— پھر آپ کی خلافت سے شیعہ کو فائدہ ہی کیا پہنچا؟ یہ بھی عجیب ہے کہ خلفاء ثلاثہ کی زندگی میں تو درۂ عمرؓ یا تیغِ صدیقی کا خوف تھا بعد وفات ان کے لوگوں کو کیا کھٹکا تھا کہ انہی کے نقشِ قدم پر چلتے رہے۔ کیا جناب امیرؓ کے خطباتِ بلیغہ کا بھی انکے دلوں پر کچھ اثر نہ ہوا۔ نہ ذوالفقار حیدری کی ہیبت انکے دلوں پر طاری ہو سکی کیا صداقت تھی جو دلوں کو فتح کر چکی تھی ——— یہ سب حیلے بہانے ہیں کہ لوگوں کے افتراق کا خوف تھا ——— حقیقت یہ ہے کہ فدک کے متعلق جناب امیرؓ کو خوب معلوم تھا کہ فیصلۂ خلفاء مطابق قرآن اور حدیثِ رسول تھا اسی وجہ سے اس میں تغیر و تبدل مشکل تھا ——— اسکے جواب میں شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اپنے وقت میں فدک اس لئے واپس نہیں دلایا کہ مغصوبہ چیز کا واپس لینا شانِ امامت کے خلاف تھا۔

جواب الجواب ہم کہتے ہیں یہ درست نہیں اگر ـــــ درست نہ تھا تو خلافت منصوبہ کیوں واپس لی گئی ـــــ جب نہ آپ نے اور نہ امام حسنؓ نے فدک واپس کیا تو ظاہر ہے کہ فیصلہ خلفاء سابق کو ناطق سمجھ کر اس کی مخالفت نہ کی ـــــ

غضبِ فاطمہؓ شیعہ کہتے ہیں کہ صحیح بخاری کی حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاں فدک کے متعلق دعویٰ کیا ابوبکرؓ نے نہ دیا تو فاطمہؓ غضبناک ہوئیں اور حضرت ابوبکرؓ سے بات چیت نہ کی حتیٰ کہ فوت ہوگئیں۔ غضب فاطمہؓ غضب خدا و رسول ہے ـــــ

جوابؓ اوّل صحیح بخاری کی جو حدیث بیان کی جاتی ہے۔ وہ کوئی حدیث مرفوع نہیں ہے صرف عائشہؓ کا قول ہے اور یہ قصہ درایۃً ناقابل تسلیم ہے اوّل اسلئے کہ حضرت فاطمہ بنت رسول سے جس کا لقب ہی بتول (تارک الدنیا) تھا یہ توقع نہیں کہ وہ چند کھجوروں کیلئے مقدمہ بازی شروع کریں کچہری میں نامحرموں کے پاس جاکر اصالتاً حاضر ہوکر مخاصمہ کریں ـــــ

ـــــ دوم بخاری اور مسلم کی حدیث میں لفظ "وجدت" ہے جس کے معنی "ندمت" کے ہیں یعنی صدیق اکبرؓ سے آپ نے معقول جواب سن لیا تو اپنے دعویٰ کرنے پر آپ کو ندامت ہوئی اور پھر اپنی موت تک اس کے متعلق کبھی گفتگو نہ کی جن روایتوں میں غضب کا لفظ ہے اس کا معنی بھی یہ ہو سکتا ہے کہ آپ اپنے نفس پر خفا ہوئیں۔

ـــــ سوم بالفرضِ محال تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت فاطمہؓ اس بات سے خفا ہو گئیں تو یہ اقتضاء بشریت ہے اس حدیث میں وعید ہے اس میں لفظ "من اغضبہا" یعنی جس نے دانستہ آپکو غضبناک کیا ـــــ یہاں اغضاب نہیں ہے۔ کیونکہ ابوبکرؓ نے یہ معاملہ آپ کو غضبناک کرنے کو نہیں کیا بلکہ تعمیل ارشاد رسول و حکم قرآن ایسا کیا ـــــ تقاضائے بشریت ہے کہ بعض اوقات خواص اہل اللہ کو بھی کسی غلط فہمی کی بناء پر رنجیدگی لاحق ہو جاتی ہے اور اس سے کوئی برا نتیجہ اخذ کرنا نادانی ہے۔ حضرت موسےٰ ایک اولوالعزم رسول تھے جب کوہ طور سے چلہ پورا کر کے واپس آئے تو قوم کو گوسالہ پرستی میں مبتلا پایا ایسے غضبناک ہوئے کہ الواح مقدسہ کو زمین پر دے مارا اور اپنے بھائی ہارون (نبی) کو سر اور داڑھی سے پکڑ کر

کھینچا۔ جس پر ہارون نے اپنی بے قصوری ... پس حضرت ہارون نے بھائی سے کہا کہ مجھے بے عزت کر کے دشمنوں کو ہنسی کا موقع نہ دیں ـــــ جب ایک رسول کا اپنے بھائی پر اس طرح غضبناک ہو کر دست بگریبان ہونا طرفین میں سے کسی کے نقصان کا باعث نہیں ہو سکتا تو حضرت فاطمہؓ اگر غصہ کریں تو آپ کا یا جناب صدیق اکبرؓ کا اس سے جرم یا نقصان کس طرح ثابت ہو سکتا ہے؟

چہارم شیعہ کی کتابوں میں بصراحت کہا ہے حضرت فاطمہ اور حضرت علیؓ کے مابین ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ جناب خاتون جنت حضرت علی پر غضبناک ہو کر ان کے گھر سے نکل کر اپنے والد ماجد رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر چلی گئیں ـــــ تو جب حضرت فاطمہؓ کے غضبناک ہونے سے حضرت علیؓ پر کوئی اعتراض نہیں آتا ـــــ تو حضرت ابوبکر پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔؟

حضرت علی پر حضرت فاطمہ کا ناراض ہونا

جلاء العیون اردو ص۱۳۷ میں ہے یہاں اس مضمون کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ جناب جعفر طیار جب حبشہ میں تھے ان کو کسی نے ایک کنیز ہدیہ بھیجی انہوں نے مدینہ پہنچ کر بطور ہدیہ حضرت امیر کو دی۔ وہ خدمت کرتی ایک دن جناب سیدہ حضرت امیر کو اس کے دامن میں سر رکھے دیکھ کر ناراض ہو گئیں ـــــ اور با اجازت لیکر رسول کے پاس چلی گئیں ـــــ قبل اسکے کہ آپ کوئی حرف شکایت زبان پر لائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بوجہ نزول جبرئیل بحکم خدا سے مطلع ہو کر فرمایا علیؓ کے پاس پھر جاؤ اور کہو میں راضی ہوں، چنانچہ جناب نے واپس آکر تین مرتبہ کہا میں راضی ہوں) اس روایت سے معلوم ہوا کہ جناب سیدہؓ ایسی زود رنج تھیں کہ کنیز کو جناب امیرؓ کے پاس دیکھ خفا ہو گئیں ـــــ

دوسرا واقعہ ناراضگی فاطمہؓ

جلاء العیون اردو ص۱۳۰۔۱۳۲ میں (یہاں وہ قصہ نقل کیا ہے کہ کسی شقی نے حلفیہ طور پر جناب سیدہ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت علیؓ نے دختر ابوجہل کی خواستگاری کی ہے۔ یہ سن کر جناب سیدہ کو بہت غیرت آئی۔ اور بالآخر تمام بچوں کو ساتھ لے کر اپنے پدر بزرگوار کے گھر تشریف لے گئیں ـــــ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ قصہ سنکر بہت رنجیدہ

ہوئے۔ الغرض آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب سیدہ اور بچوں کے ہمراہ جناب امیرؓ کے پاس آئے اور جب جناب امیرؓ نے حلفیہ بیان دیا کہ جو کچھ جناب سیدہ سے کسی نے کہا ہے وہ صحیح نہیں۔ میرے تو دل میں بھی یہ خیال نہیں گذرا۔ تب جناب فاطمہؓ خوشحال ہوئیں

——— اور اس روایت سے ظاہر ہے کہ حضرت فاطمہؓ کسی کے حلفیہ کہہ دینے سے کہ جناب امیرؓ دختر ابوجہل سے نکاح کرنا چاہتے ہیں غضبناک ہوگئیں ———

جناب سیّدہ کی نازک مزاجی چونکہ جناب سیدہ بوجہ صاحبزادگی نازک مزاج تھیں اس لئے معمولی باتوں سے رنجیدہ خاطر ہوجانا کچھ بڑی بات نہ تھی ———

روایاتِ شیعہ شیعہ صاحبان جو نقشہ اخلاق و عادات جناب سیدہ کا پیش کرتے ہیں۔ اس کے لکھنے سے شرم آتی ہے مگر بوجہ اسکے کہ نقل کفر کفر نباشد درج کرتے ہیں۔ جلاء العیون اردو ج ۱ صـ۱۳۰ میں ہے "پس جب ارادہ تزویج فاطمہ ہمراہ علی ہوا جناب فاطمہ سے پنہاں حضرتؐ نے بیان کیا۔ جناب فاطمہ نے کہا میرا آپ کو اختیار ہے لیکن زنان قریش کہتی ہیں کہ علی بزرگ شکم اور بلند دست ہے اور بندہائے استخوان گندہ ہیں آگے سر کے بال نہیں ہیں۔ آنکھیں بڑی ہیں اور ہمیشہ خندہ دہان اور مفلس ہیں" کیا ایک شریف شرم مجسم خاتون سے یہ توقع ہوسکتی ہے کہ بحالت کنوارگی اپنے سرور عالم کے سامنے ایسی کلام کرے

اسی کتاب کے صـ۱۳۶ میں ہے کتاب کشف الغمہ میں امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ ایک دن جناب فاطمہؓ نے رسول خدا سے شکایت کی کہ جو کچھ وہ پیدا کرتے ہیں فقراء و مساکین کو تقسیم کر دیتے ہیں" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب سیّدہ ایسی طماع و حریص تھیں کہ جناب امیرؓ کا خدا کی راہ میں صدقہ و خیرات کرنا بھی ان کو ناپسند تھا ———

شیعہ کی کتابوں میں یہ روایت موجود ہے کہ حضرت ابوبکر نے فدک حضرت فاطمہ کو دے کر سند بھی تحریر کر دی تھی جیسا کہ جلاء العیون اردو صـ۱۵۱ میں ہے "بروایت دیگر ابوبکر نے نامہ لکھا اور جناب فاطمہؓ کو دیا۔ عمرؓ نے رستہ میں دست مبارک فاطمہ سے نامہ لے کر نامہ پر تھوکا اور نامہ پھاڑ دیا" اسی طرح اصول کافی صـ۳۵۵ میں بھی روایت ہے ——— علاوہ ازیں شیعوں کے شیخ ابن مطہر حلی نے بھی اپنی کتاب میں اسکا اعتراف کیا ہے ——— (منہج الکرامۃ)

جب تم تسلیم کرتے ہو کہ حضرت ابوبکر نے فاطمہ کو دے کر نامہ بھی لکھ دیا تو پھر بھی تم جناب صدیقؓ

کا بچا نہیں چھوڑتے ـــــ جناب سیدہ کی رضامندی حضرت ابو بکر سے شیعہ کی معتبر کتاب حجاج السالکین میں لکھا ہے ـــــ روایت یوں ہے ان ابا بکر ـــــ (بحذف عربی)

(ترجمہ) "ابو بکر نے جب دیکھا کہ جناب فاطمہؓ ان سے کشیدہ خاطر ہو گئیں ہیں اور بات کرنا چھوڑ دیا ہے تو یہ ان پر شاق ہوا اور جناب سیدہ کو رضامند کرنے کی غرض سے ان کے پاس گئے۔ اور کہا آپ نے بے شک سچ کہا ہے اے بنت رسول! لیکن میں نے رسول خدا کو دیکھا کہ آپ فدک کی پیداوار کو تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ محتاجوں، مسکینوں اور مسافروں کو دے دیا کرتے تھے۔ جب تم اہلبیت کو پہلے خرچ دیتے تھے اور کام کرنے والوں کو بھی اس سے دیتے تھے۔ جناب سیدہ نے کہا تم بھی ایسا ہی کرو جیسے میرے والد ماجد رسول خدا کیا کرتے تھے تو ابو بکر نے کہا میں خدا کو گواہ کرتا ہوں کہ ایسا ہی کرونگا۔ جیسے رسول خدا صلے کیا کرتے تھے۔ جناب سیدہؓ نے فرمایا بخدا تم ایسا کروگے؟ ابو بکر نے کہا بخدا ایسا ہی کرونگا۔ جناب سیدہؓ نے کہا خدایا اس پر گواہ رہنا۔ پھر جناب سیدہ اس پر رضامند ہو گئیں اور عہد لے لیا۔ ابو بکر پہلے ان کو خرچ دیا کرتے تھے اور بعد میں غرباء ومساکین کو دیتے تھے"

جنازہ فاطمۃ الزہراؓ

شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا جنازہ ابو بکر نے نہیں پڑھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ رضامندی نہ ہوئی تھی۔ یہ لوگ اس کے متعلق بخاری کی ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی وفات کی اطلاع نہ دی تھی۔ میں کہتا ہوں یہ محض غلط ہے۔ جب کتب فریقین سے رضامندی کا ہو جانا ثابت ہے تو جنازہ نہ پڑھنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی ـــــ حضرت علیؓ کے اطلاع نہ دینے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خاتون جنت کی وفات کی حضرت ابو بکر کو اطلاع نہ ہو ـــــ

حضرت علی اور اسماء بنت عمیس نے حضرت فاطمہؓ کو غسل دیا۔ اسماء ـــــ حضرت ابو بکر کی زوجہ تھیں پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بیوی میت کو غسل دے اور شوہر کو وفات کی ہی خبر نہ ہو ـــــ

حضرت ابو بکر نے جنازہ پڑھایا جیسا کہ طبقات ابن سعد جزو ہشتم ص۱۹ میں ہے ـــــ ترجمہ:۔

"یعنی فاطمہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ حضرت ابو بکر صدیق نے پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں"۔ اب ہم فدک کے متعلق مکمل بحث کر چکے ہر ایک ذی بصیرت سمجھ سکتا ہے کہ رسول کا قبضہ فدک پر متولیانہ تھا ـــــ فدک کی آمدنی جمع کر کے اپنے اہلبیت کو سالانہ

قوت دے کر باقی غربا ء و مساکین امت پہ خرچ کر دیا کرتے تھے (بعد ازاں مؤلف نے "معقولی بحث" کے زیرِ عنوان دائرۃ الاصلاح لاہور کے کسی رسالہ سے چند اقتباسات پیش کر کے اس بحث کو ختم کیا ہے)

معقولی بحث اب ہم نقلی کو چھوڑ کر اس معاملہ میں عقلی بحث کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فدک سچ مچ حضرت زہرا کو ہبہ کر دیا تھا؛

کیا یہ ممکن تھا کہ اتنی بڑی جاگیر جس کی آمدنی (بقول شیعہ) ایک لاکھ چالیس ہزار روپیہ سالانہ بیان کی جاتی ہے پیغمبر خدا نے حضرت فاطمہ کے سپرد کر دی ہو اور مسلمانوں کی ضرورت کا کچھ بھی لحاظ نہ کیا ہو؟ یہ اسوۂ حسنہ رسول سے توقع کی جا سکتی ہے کہ مسلمان روٹی کے محتاج رہیں ــــ اصحاب صفہ کا لقب پائیں ــــ کفار کے حملوں سے ــــ چین نہ پڑے ــــ امہات المؤمنین مسکینی میں بسر کریں، نومسلم فاقوں سے پیٹ کی تواضع کریں اور رحمۃ العالمین ــــ اتنی بڑی جاگیر ــــ اپنی اولاد کے عیش و آرام کے لئے مخصوص کر دیں، کیا اس رسول برحق کے لئے جو فقیروں کا ملجا، غربا کا سہارا ــــ تھا یہ باتیں محالات ــــ سے نہ تھیں ــــ کیا وہ محض نفع ذاتی اور اپنی اولاد کیلئے کرتا تھا کیا احسان کا بدلہ یہی تھا کہ وہ مہاجر جنہوں نے فی سبیل اللہ اپنے گھروں اور مالوں کو راہِ خدا میں قربان کیا ــــ نانِ جویں کو ترسیں اور رسول کریم کا ابر کرم اپنی صاحبزادی کے سوا کسی پر نہ برسے! ــــ کیا اس زمانہ کے مسلمان اسقدر سادہ لوح تھے کہ باوجود اس صریح بے انصافی کے جو ان کے حق میں روا رکھی گئی ہو۔ ذرہ بھی متاثر نہ ہوئے ہوں۔ کیا دشمنانِ اسلام ان حالات کی موجودگی میں بانگ دہل اس امر کا اعلان نہ کریں گے کہ وہ نبی جس کا مذہب خود غرضی اور نفس پروری کا دفعیہ ایثار و اخلاق مکارم کی تکمیل کا ذریعہ تھا۔ نعوذ باللہ میدان عمل میں اسکے خلاف کرے۔ کیا ہم حضرت امیر یا خاتون جنت کے اخلاق ــــ سے یہ امید کر سکتے ہیں کہ انکے پیارے باپ کی امت تو اس رنج و صعوبت میں گرفتار ہو اور وہ اتنی بڑی صاحب جاگیر ہو کر ذرہ پھر ان کی امداد نہ کریں (آفتاب از ص ۲۴۳ تا ص ۲۵۵)

الجواب ــــ

نالۂ بلبل شیدا تو سنا ہنس ہنس کر
اب جگر تھام کے بیٹھو کہ میری باری آئی

المیۂ فدک کا اجمالی بیان

فدک کا قضیہ نا مرضیہ ایک ایسا المیہ ہے جس پر جس قدر بھی نوحہ و [illegible] کیا جائے کم ہے۔ اس سانحہ نے تاریخ اسلام کے روشن چہرہ کو سیاہ اور مسلمانوں کی گردنوں کو جھکا دیا ہے۔ بھلا اس سے بڑھ کر اور کیا خونچکاں داستان ہوگی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو [illegible] باغ فدک اپنی سیدۃ النساء دختر نیک اختر کو بطور ہبہ دیں (ورثہ [illegible]) اور ان کا پہلا خلیفہ منبر رسولؐ پر قدم رکھتے ہی دختر رسولؐ کے حق پر قبضہ کر لے [illegible] دعویٰ کرے تو اس سے گواہ طلب کئے جائیں پھر جب وہ اپنے شوہر امام المتقین [illegible] اور اپنے بیٹے سیدا شباب اہل الجنۃ حسنینؑ اور صحابیہ مہاجرہ صابرہ ام ایمن کو پیش کرے ان بزرگوں کی گواہی نا منظور کر دی جائے۔ پھر سیدہ عالم اپنا حق حاصل کرنے کیلئے اپنے دعویٰ کا عنوان بدل کر کہیں کہ اچھا اگر بطور ہبہ نہیں دیتے تو پھر بطور میراث پدری یہ جائداد مجھے دے دو۔ مگر حالات کی ستم ظریفی دیکھئے کہ کل تک جو لوگ تحریر رسول کے جواب میں "حسبنا کتاب اللہ" کا نعرہ بلند کر رہے تھے آج [illegible] کا سہارا لے کر بی بی عالم کو اس کے جائز حق سے محروم کر دیتے ہیں اور [illegible] قرآن کی آیات پیش کرتی ہے مگر کوئی شنوائی نہیں ہوتی چنانچہ اس [illegible] سیدۃ النساء کو اپنی اس حق تلفی اور اپنی ناقدر شناسی پر اس قدر صدمہ پہنچتا ہے کہ متعلقہ لوگوں پر غضبناک ہو جاتی ہے۔ (وہ بی بی جن کے غضبناک ہونے سے خدا غضبناک ہو جاتا ہے) اور ان سے [illegible] اور دیگر اسلامی تعلقات قطع کر لیتی ہے حتیٰ کہ اسی غم و غصہ میں اور حسرت و ملال میں گھٹ گھٹ کر چند دنوں کے اندر اس دار فانی سے [illegible] جاتی ہے۔ اور جاتے جاتے اپنے شوہر نامدار کو یہ وصیت بھی کر جاتی ہے کہ جن لوگوں نے میرا حق غصب کیا اور میری توہین کی ہے ان کو میرے جنازہ میں شامل ہونے دینا [illegible] باعبور اور وفا شعار شوہر اس وصیت پر عمل کر کے ان لوگوں کو جنازۂ فاطمہؑ کے قریب بھی نہیں آنے دیتا [illegible] تاریخ عالم میں اس دھاندلی اور صریح بے انصافی کی کہیں کوئی مثال ملتی ہے؟ اور اس تمام کارروائی سے باقی کو خلیفۂ رسول سمجھنے والوں کے پاس [illegible] اس کا کوئی معقول جواب ہے؟

اہلسنت کے لئے مسئلۂ فدک مشکل ترین قضیہ ہے

انہی حقائق کی بنا پر تو شاہ عبدالحق محدث دہلوی کو اس حزینہ کے سامنے سپر انداز ہو کر یہ لکھنا پڑا کہ "مشکل ترین قضایا قضیۂ فاطمہ زہرا است" تمام قضیوں سے زیادہ مشکل جناب فاطمہ زہراؑ کا قضیہ ہے (جس کی کوئی تاویل ہو ہی نہیں سکتی) (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۴۵۲ طبع نولکشور) اب ذیل میں ہم اس اجمال کی بقدر ضرورت تفصیل پیش کرتے ہیں جس سے مؤلف کے بے بنیاد بیانات و استدلالات کا بالکل قلع

جمع ہو جائے گا اور حق و صدق اپنی پوری تاب و تابش کے ساتھ طالبانِ حق کے سامنے جلوہ گر ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ۔ وبیدہ ازمۃ التحقیق۔

فدک کی حقیقت

فدک حجاز میں مدینہ سے دو روز (اور بقولے تین روز) کی مسافت پر ایک گاؤں ہے جس میں ایک بہترین چشمۂ آب اور بہت سی کھجوریں تھیں۔ اہل خبر کے بیانات ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) علامہ حموی (جو فنِ معرفت بلاد و امصار کے خاص ماہر ہیں) اپنی کتاب معجم البلدان ج ۶ ص ۳۴۳ طبع مصر میں لکھتے ہیں فدک قریۃ بالحجاز بینھا وبین المدینۃ یومان وقیل ثلاثۃ ـــــ (الی ان قال) فیھا عین فوارۃ ونخیل کثیرۃ ـــــ

(۲) علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری میں لکھتے ہیں "فدک وھی بفتح الفاء والدال المھملۃ بعدھا کاف بلدۃ بینھا وبین المدینۃ ثلاثۃ مراحل۔ (ہر دو عبارات کا مطلب وہی جو اوپر مذکور ہے)

ایک غلطی کا ازالہ

فدک کی جو تعریف ہم نے کتب اہلسنت سے پیش کی ہے وہی تمام کتب شیعہ میں بھی مذکور ہے۔ اس سلسلہ میں مؤلف نے اصول کافی سے اپنے برخلاف جو ایک روایت پیش کی ہے کہ خلیفہ مہدی کے امام موسیٰ کاظمؑ سے فدک کی حدود اربعہ دریافت کرنے پر امام نے فرمایا۔ اس کی ایک حد کوہ احد ہے (تا آخر) تو مؤلف نے کلام امام (جو امام الکلام ہے) کا مفہوم سمجھنے میں ٹھوکر کھائی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب خلیفہ مہدی عباسی نے آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پائمال شدہ حقوق واپس کرنے پر اپنی کچھ آمادگی ظاہر کی اور اسکے حدود امام موسیٰ کاظمؑ سے دریافت کیے تو امام علیہ السلام نے جواب میں اس وقت کی تمام اسلامی مملکت کے حدود اربعہ بیان فرما دیے۔ مطلب یہ تھا اگر فدک واپس کرنا چاہتے ہو تو صرف وہی ہمارا حق نہیں بلکہ تمام قلمرو اسلام کے حقیقی ولی اور مسند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جائز وارث ہم ہیں۔ اس لئے تمام حکومت ہمارے حوالے کر دو۔ مہدی امامؑ کا مطلب سمجھ گیا اور غور کرنے کا وعدہ کرکے اپنی گلو خلاصی کرانے میں سلامتی دیکھی اور پھر کبھی بھول کر بھی اس ارادہ کا اظہار نہ کیا۔

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

فدک کس طرح پیغمبر اسلامؐ کے قبضہ میں آیا

جب چند روز کے محاصرہ اور جنگ و جدال کے بعد خداوند عالم نے مسلمانوں کو خیبر میں عظیم الشان

فتح آنحضرت عطا فرمائی اور یہودی بری طرح ذلیل و رسوا ہوئے اور وہاں سے بہت سا مالِ غنیمت اور جائداد غیر منقولہ مسلمانوں کے ہاتھ لگی۔ تو قرب و جوار کے کفار کے دلوں میں قدرتی طور پر اسلام اور مسلمانوں کا رعب طاری ہوگیا۔ انہی لوگوں میں سے "فدک" نامی گاؤں کے رہنے والے یہودی بھی تھے جن کا سردار یوشع بن نون نامی ایک یہودی تھا۔ انہوں نے از خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ ہمارے مال و جان کو امان دیں اور ہم اس کے عوض اپنی نصف جائداد آپ کے حوالہ کرنے پر تیار ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکی اس پیشکش کو منظور کر لیا۔ اور فدک لے لیا۔ حوالہ جات ملاحظہ ہوں ــــ تاریخ طبری ج ۲ ص ۹۵ حاصر رسول اللہ اھل خیبر فی حصنیھم الوطیح والسلام حتی اذا ایقنوا بالھلکۃ ــ (الی ان قال) فلما سمع بھم اھل فدک قد صنعوا ما صنعوا بعثوا الی رسول اللہ یسئلونہ ان یسیرھم و یحقن دماءھم ــــ و صالحہ اھل فدک مثل ذالک ــــ (۲) طبری ج ۲ ص ۹۷ " ولما فرغ رسول اللہ من خیبر قذف اللہ الرعب فی قلوب اھل فدک حین بلغھم ما اوقع اللہ باھل خیبر فبعثوا الی رسول اللہ یصالحونہ علی النصف من فدک فقبل ذالک منھم (۳) ایسی ہی دو روایات تاریخ کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۰۶/۱۰۷ طبع مصر پر موجود ہیں (۴) کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۲۰۸ میں ہے لما انصرف رسول اللہ من خیبر بعث الی اھل فدک یدعوھم الی الاسلام فصالحوا رسول اللہ علی نصف الارض فقبل منھم ذالک پہلی تینوں روایات کا مفہوم وہی ہے جو اوپر مذکور ہے اور چوتھی میں صرف اسقدر اضافہ ہے کہ فدک کے یہودیوں نے یہ پیشکش آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت اسلام کے جواب میں کی۔ بہرکیف اس پر تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ یہ جائداد ہر قسم کے جنگ و جدال، قتل و قتال اور ہر قسم کی تگ و تاز و گھوڑ دوڑ کے بغیر اہل اسلام کے قبضہ میں آئی۔ ایسی جائداد کو شرعی اصطلاح میں "انفال" کہا جاتا ہے۔ اس بیان تیر ابرہان سے مولف کی غیر معقول بحث بعنوان "معقول بحث" کا تار و پود بھی بکھر گیا جو انہوں نے اس موضوع کے آخر میں پیش کی ہے فتدبر ــ

مالِ غنیمت و انفال اور فئے کا باہمی فرق

آگے بڑھنے سے پہلے یہاں مالِ غنیمت انفال اور فئے کا باہمی فرق اور انکے مصارف و احکام کا بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ جس کا آئندہ مباحث سے گہرا ربط ہے۔ سو مخفی نہ رہے کہ کفار و مشرکین سے جو مال و جائداد اسلام اور اہل اسلام کے قبضہ میں آئے اسکی چند قسمیں ہیں ان میں سے دو یہ ہیں اگر

جہاد کرنے اور عملی جنگ و تاز کے بعد ملے تو اسے غنیمت کہا جاتا ہے اور اگر ہر قسم کی سعی و کوشش کے بغیر اور بغیر گھوڑے دوڑائے دستیاب ہو جائے تو اسے "انفال" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جیسے جائداد فدک اور اسے فئی بھی کہا جاتا ہے۔

ان دونوں اقسام کے مصارف و احکام کا بیان

ان دونوں اقسام کے احکام شریعت اسلامیہ میں الگ الگ ہیں۔ مال غنیمت کے پانچ حصے کئے جاتے ہیں، چار حصے تو مجاہدین میں [illegible] تقسیم کئے جاتے ہیں [illegible] کہ سوار کو دوہرا اور پیدل کو اکہرا حصہ دیا جائے گا اور پانچواں حصہ کا نام خمس ہے جو [illegible] اور رسول کے قرابتداروں، مسکینوں، یتیموں اور مسافروں کا حق ہے (تفصیل دسویں پارہ کی ابتداء میں مذکور ہے) اور جہاں تک مال "انفال" و فئی کا تعلق ہے وہ صرف خدا اور رسول (اور رسول کے بعد امام) کی ملکیت ہے اور کسی کا اس میں کوئی حصہ و حق نہیں ہے چنانچہ سورۂ انفال پ ۹ ع ۱۵ میں مذکور ہے یسئلونک عن الانفال، قل الانفال للہ وللرسول۔ اے رسول! لوگ تم سے مال انفال کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ یہ مال صرف خدا اور اسکے رسول کا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس کے حصول میں مسلمانوں نے اونٹ گھوڑے نہیں دوڑائے اور کوئی جد و جہد نہیں کی خود بخود خدا نے [illegible] اپنے رسول کو عطیہ [illegible] دلوا دیا ہے ــــــ یا رسول کے قرابتداروں اور انکے یتیموں اور مسکینوں کا حق ہے وہیں [illegible]

فدک جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص ملکیت تھی

اگرچہ مذکورہ بالا بیان سے بھی یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ "فدک" بوجہ "انفال" ہونے کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت تھا اور اسمیں مسلمانوں یا ان کے فقراء و مساکین کا ہرگز کوئی حصہ نہ تھا تاہم مزید اطمینان قلب کی خاطر اس امر کی تائید میں اسلامی برادری کی چند معتبر کتابوں کے حوالہ جات پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) علامہ حموی معجم البلدان ج ۶ ص ۳۴۳ پر فدک کی مذکورہ بالا تعریف بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں

وھی مما لم یوجف علیہ بخیل ولا رکاب فکانت خالصۃ لرسول اللہ۔ یعنی فدک ایسی جگہ ہے جس پر نہ گھوڑے دوڑائے گئے اور نہ اونٹ (لشکر کشی نہیں کی گئی) اس لئے وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خالص جائداد تھی۔

(۲) علامہ عسقلانی نے فتح الباری میں منقولہ بالا عبارت (در تعریف فدک) کے بعد لکھا ہے
وکانت لرسول اللہ خاصۃ "یعنی یہ فدک خاص رسول پاک، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت تھا۔
(۳) تاریخ طبری ج ۳ صفحہ ۹۵ پر مذکورہ بالا عبارت کے بعد لکھا ہے۔ "وکانت فدک
خالصۃ لرسول اللہ لانہم لم یجلبوا علیہا بخیل ولا رکاب"
(۴) کامل ابن اثیر ج ۲ صفحہ ۱۰۳ پر منقولہ بالا عبارت کے بعد لکھا ہے وکان نصف فدک
خالصا لرسول اللہ لانہم لم یوجف علیہ بخیل ولا رکاب
(۵) علامہ نووی شرح مسلم ا ص ۹۱/۹۲ پر قاضی عیاض کے حوالہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے مملوکہ اموال کی تفصیل لکھتے ہوئے کہ ایک مال موہوب بھی ہے یعنی یہ کہ کوئی شخص اپنی خوشی سے اپنا مال
آپ کو ہبہ کردے ۔۔۔ اخیر میں انفال اور فدک کو اس میں شامل کرنے کے بعد لکھتے ہیں فکانت
ھذہ کلھا ملکا لرسول اللہ خاصۃ لا حق فیھا لاحد غیرہ یہ سب اموال آپ کی خاص ملکیت
میں تھے جن میں کسی اور کا کوئی حق نہ تھا۔
(۶) علامہ جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ ج ۲ صفحہ ۲۴ میں باسناد احمد و بخاری و مسلم جناب عمر
کی زبانی نقل کیا ہے کہ "فکانت ھذہ خالصۃ لرسول اللہ صلعم"

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متولیانہ قبضہ کی رد | ان ناقابل رد حقائق کی روشنی میں مؤلف کے وہ تمام پادر ہوا بیانات حرف غلط کی طرح بالکل باطل ہو گئے جو انہوں

نے "کیا فدک رسول کی ذاتی جائداد تھی؟" کے زیر عنوان درج کئے ہیں اور ذاتی ملکیت کو صرف دو چیزوں میں منحصر قرار دیا ہے (۱) جو ورثہ میں ملے (۲) ذاتی کمائی سے خریدی جائے۔ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی ملکیت میں کم از کم دو چیزیں اور بھی آتی ہیں (۱) جو مال بطور ہبہ حاصل ہو (۲) انفال (وہ مال جو بغیر جنگ و جدال کفار سے حاصل ہو) اور یہ فدک اسی آخری قسم میں داخل ہے ۔۔۔ اور اس سے مؤلف کے اس دعوی کا بطلان بھی عیاں ہو گیا۔ جو انہوں نے بار بار کیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس جائداد پر قبضہ صرف متولیانہ تھا ۔۔۔ ہمارے ان تحقیقی بیانات سے ثابت ہو گیا کہ یہ قبضہ متولیانہ نہیں بلکہ مالکانہ تھا ۔۔۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس میں ہر قسم کے تصرف کرنے کا کلی اختیار تھا جس کو چاہیں جسقدر چاہیں دیں۔ اور جس مصرف میں چاہیں صرف کریں۔ جیسا کہ تفاسیر میں لکھا ہے "یفعل فیہ ما یشاء" (تفسیر جلالین صفحہ ۴۵۳) "یصنعہ حیث یشاء" (تفسیر کبیر ج ۸ صفحہ ۱۲۵) یعنی آپ کو مکمل اختیار تھا جو چاہیں اس میں تصرف کریں اور جہاں چاہیں صرف فرمائیں۔

فدک کے ملکیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے پر ایک عجیب استدلال

مذکورہ بالا دلائل کے علاوہ فدک کے خاص ملکِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کی ایک مضبوط دلیل یہ بھی ہے کہ جب جناب سیدہ نے ہبۂ فدک کا دعویٰ دائر کیا تو عدالت نے گواہ طلب کئے (جس کی تفصیل عنقریب آرہی ہے) اگر ابوبکر و عمر اس جائداد کو ملکیتِ رسول نہیں سمجھتے تھے تو ہبہ کے ثبوت میں گواہ کیوں طلب کئے؟ یہ کیوں نہ کہا کہ جب یہ جائداد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت ہی نہ تھی تو آپ اس کا ہبہ کیونکر کر سکتے تھے؟ اور جب گواہی منظور نہ کی گئی اور بی بی عالم نے اپنا حق حاصل کرنے کے لئے مقدمہ کا عنوان بدل دیا کہ اگر بطور ہبہ نہیں دیتے تو پھر بطور میراثِ پدر ہی یہ جائداد میرے حوالہ کرو تو اس مقام پر بھی ایک موضوع حدیث (نحن معاشر الانبیاء لا نورث) کا سہارا لینا بھی اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ ان کو فدک کے ملکِ رسول ہونے کا انکار نہ تھا ورنہ اس مخالفِ قرآن جعلی حدیث کا سہارا لینے کی بجائے ان کے لئے یہ کہہ دینا زیادہ آسان تھا کہ یہ جائداد تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت ہی نہ تھی بلکہ وہ سارے مسلمانوں پر وقف تھی اور آپ کا اس پر صرف متولیانہ قبضہ تھا نہ مالکانہ۔ اس لئے وہ اسے ہبہ نہیں کر سکتے تھے۔ اور نہ ہی اس میں میراث کا سلسلہ جاری ہو سکے گا لیکن انکا اس وقت کو اختیار نہ کرنا اس بات کی ناقابلِ انکار دلیل ہے کہ وہ فدک کو ملکیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسلیم کرتے تھے وہو المقصود ——

ہبۂ فدک بحقِ خاتونِ جنت

جب یہ امر سطور بالا میں ثابت ہو گیا ہے کہ فدک جناب رسولِ خدا کی خاص ملکیت تھی۔ لہٰذا انکو اس میں ہر قسم کے مالکانہ تصرفات کرنے کا حق حاصل تھا۔ تو اب صرف اس بات کا اثبات باقی رہ جاتا ہے کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جائداد اپنی دخترِ نیک اختر جناب خاتونِ جنت کو ہبہ کر دی تھی؟ سو یہ امر فریقین کی مسلمہ [illegible] احادیث سے ثابت ہے کہ جب آیت مبارکہ وآت ذا القربیٰ حقہ (اے رسول! اپنے قرابتداروں کو ان کا حق دے دو) نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب سیدہ کو طلب کر کے فدک ان کو ہبہ کر دیا اور ان کو ایک وثیقہ بھی لکھ دیا۔ جسے بی بی عالم نے دربارِ خلافت میں پیش کیا تھا (۱) چنانچہ تفسیر درِ منثور ج ۴ ص ۱۷۷ طبع مصر میں ابو سعید خدری سے منقول ہے۔ کہا لما نزلت وآت ذا القربیٰ حقہ دعا رسول اللہ فاطمۃ فاعطاھا فدک۔ دوسری روایت جو ابن عباس سے مروی ہے اس میں یہ الفاظ درج ہیں۔ لما نزلت وآت ذا القربیٰ حقہ اقطع رسول اللہ فاطمۃ فدکاً۔ ہر دو روایات کا مطلب ایک ہی ہے کہ جب آیت وآت ذا القربیٰ نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو فدک

بعد مرد یا ـــ (۲) لباب النقول فی شرح اسباب النزول مطبوعہ بر حاشیہ تفسیر جلالین ج ۲ ص ۱۶ طبع مصر (۳) ترجمان القرآن ج ۷ ص ۸۵ (۴) معارج النبوۃ ۲ ص ۱۳۱ طبع نولکشور (۵) حبیب السیر ج ۱ ص ۸۵ (۶) روضۃ الصفا ج ۱ ص ۱۶۱ طبع نولکشور لکھنؤ میں لکھا ہے "پیغمبر فاطمہ را بخواند و برائے او حجت نوشت و آں وثیقہ بود کہ بعد از وفات رسول پیش ابوبکر صدیق آورد و گفت کہ ایں کتاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم است برائے من و حسنین نوشتہ است۔"

ایک ایراد کا جواب

مؤلف نے اس مقام پہ یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ آیت مکی ہے اور مکہ میں فدک کہاں تھا؟ اس ایراد کا ہم کئی بار بالخصوص آیت تطہیر کے ذیل میں تفصیل سے جواب پیش کر چکے ہیں کہ جس طرح قرآنی سورتوں کی موجودہ ترتیب نزول قرآن کے مطابق نہیں۔ اسی طرح آیات کی ترتیب بھی نزول کے موافق نہیں ہے بلکہ بعض مکی سورتوں میں مدنی آیات اور بعض مدنی سورتوں میں مکی آیات درج ہو گئی ہیں۔ اس کی متعدد مثالیں مقام مذکور پر کتب اہلسنت سے پیش کی جا چکی ہیں۔ لہٰذا کسی سورہ کے مکی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی تمام آیات بھی مکی ہوں ـــــ چنانچہ نواب صدیق حسن خان نے اپنی تفسیر ترجمان القرآن ج ۷ ص ۲ پر سورۃ بنی اسرائیل (جس میں یہ آیت درج ہے) کے متعلق لکھا ہے کہ "بعض نے کہا آٹھ آیات اس میں مدنی ہیں" علاوہ بریں بنا بر تسلیم اینکہ یہ آیت مکی ہے ممکن ہے یہ آیت ان آیاتِ احکام میں سے ہو جن کا حکم مکہ میں نازل ہوا اور تعمیل مدینہ میں ہوئی۔ جیسے نماز جمعہ فرض تو مکہ میں ہوئی مگر اس پر عمل درآمد مدینہ میں ہوا۔ (ملاحظہ ہو تفسیر اتقان ج ۲ ص ۱۳۱) ـــــ

ایک اور ایراد کا جواب

اس مقام پر مؤلف نے اصول کافی سے اس مضمون کی ایک روایت نقل کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم نہ ہوا کہ "ذی القربیٰ" کا مصداق کون ہے؟ حتیٰ کہ بتوسط جبرئیل خدا سے دریافت کیا! سمجھ میں نہیں آتا کہ اس میں کیا جائے اعتراض ہے؟ ایراد تو جب وارد ہوتا کہ صاحب وحی (رسول) آیت کا مفہوم کسی آدمی سے دریافت کرتا لیکن اگر معلم قرآن (رسول) منزل قرآن (خدا) سے کسی آیت کا مفہوم دریافت کرے تو اس میں کیا قباحت ہے؟ کیا رسول کا علم ذاتی ہے؟ کیا وہ عطیہ خداوندی نہیں ہے؟ کیا یہ علم قابل ازدیاد و اضافہ نہیں ہے؟ اگر اس میں اضافہ کی گنجائش نہیں تو پھر آیت "رب زدنی علماً" کا کیا مطلب ہے؟ کیا یہ خدا کا ارشاد نہیں ہے ان علینا جمعہ وقرآنہ ثم ان علینا بیانہ یعنی اس قرآن کا جمع کرنا، پڑھانا اور اس کا مفہوم بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے۔ بنا بریں اگر رسول اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم منزل قرآن یعنی خدائے رحمٰن سے مفہوم قرآن معلوم کرے اور وہ بیان کر دے تو اس میں مابہ الاعتراض بات کیا ہے؟ یا سعد

خاتونِ جنت کا دعوائے ہبہ فدک

یہ بات ناقابل انکار تاریخی دلائل و شواہد سے ثابت ہے کہ مسلمانوں کے پہلے خلیفہ نے منبرِ رسول پر قدم جماتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ دخترِ رسول کے حق (فدک) پر ہاتھ صاف کیا۔ چنانچہ کتاب وفاء الوفاء باخبار دار المصطفٰی ج ۲ ص ۱۶۰ میں لکھا ہے " ان ابا بکر انتزع من فاطمۃ فدک۔ یعنی ابوبکر نے جناب فاطمہ سے فدک چھین لیا اور بخاری باب الخمس و باب المغازی میں جو ہے ... حتی توفی اللہ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ابوبکر انا ولی رسول اللہ فقبضہا ابوبکر الخ

وفاتِ رسول کے بعد ابوبکر نے یہ کہہ کر کہ میں ولی رسول ہوں، فدک پر قبضہ کر لیا۔ جناب سیدہ نے اس پر صدائے احتجاج بلند کی۔ کہ یہ جائداد جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ہبہ کردی ہے (جس پر ان کا قبضہ بھی تھا) خلیفہ نے اس سلسلہ میں گواہ طلب کئے۔ خاتون جنت نے حضرت امیر اور جناب ام ایمن کو (بروایتے حسنینؑ کو بھی) گواہی میں پیش کیا۔ عدالت نے بوجوہ ان کی گواہی مسترد کردی۔
—— مؤلف نے اس مخمصہ سے گلوخلاصی کرانے کیلئے دو عذر خام پیش کئے ہیں۔ اوّل یہ کہ "اس واقعہ کا ثبوت اہلسنت کی کسی معتبر کتاب سے نہیں ملتا" دوم یہ کہ اگر صحیح بھی ہو تو اس سے حضرت ابوبکر کا عامل بالشرع اور منصف حاکم ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ کیونکہ بحکم قرآن دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہونے چاہئیں تھا اور چونکہ صورت بالا میں نصاب شہادت مکمل نہ تھا —— اسلئے ابوبکر نے فیصلہ بحق خاتون جنت نہ کیا"

مؤلف کے بعض عذر ہائے خام کا جواب

سو پہلے عذر کے متعلق واضح ہو کہ مؤلف کا یہ عذر ان کی اپنی کتابوں سے جہالت یا تجاہل پر مبنی ہے۔ ورنہ بیسیوں کتب معتبرہ میں یہ واقعہ درج ہے۔ بطور نمونہ ہم چند کتابوں سے حوالہ جات پیش کرتے ہیں۔

(۱) فتوح البلدان بلاذری ص ۳۸ طبع اوّل مصر میں لکھا ہے۔ قالت فاطمۃ لابی بکر ان رسول اللہ جعل لی فدک فاعطنی ایاھا وشھد لھا علی بن ابی طالب فسألھا شاھداً آخر فشھدت لھا ام ایمن فقال قد علمت یا بنت رسول اللہ انہ لا تجوز الا شھادۃ رجلین او رجل و امراتین" یعنی جناب سیدہ نے ابوبکر سے کہا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک مجھے ہبہ کر دیا تھا۔ ابوبکر نے آپ سے گواہ طلب کئے۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے شہادت دی۔ خلیفہ نے اور گواہ طلب کیا۔ بی بی نے ام ایمن کو پیش کیا۔ انہوں نے گواہی دی۔ ابوبکر نے کہا بنت رسول! آپ کو علم ہے کہ گواہی دو مردوں کی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی قبول ہوتی ہے (کذا فی وفاء الوفاء للسمہودی ج ۲

(تاریخ ابو نصر)

(۳) صواعق محرقہ صفحہ ۲۱ طبع مصر قدیم لکھا ہے "فاتته فاطمة فقالت ان رسول الله اعطانی فدک فقال هل لک بینة فشهد لها علی وام ایمن۔" (مطلب وہی ہے جو اوپر مذکور ہے)

(۴) علامہ سید شریف جرجانی شرح مواقف صفحہ ۲۳۵ پر لکھتے ہیں "ادعت فاطمة انه علیه السلام نحلها [illegible] فدک نحلة ای عطیة وشهد علیه علی والحسن والحسین وام کلثوم والصحیح ام ایمن" (اس میں حسنین علیہما السلام کی گواہی دینے کا مزید تذکرہ ہے) لیکن اس جرجانی سے نصاب کے نامکمل ہونے کا جو اندیشہ کیا ہے اس پر ہم عنقریب تبصرہ کریں گے۔

(۵) علامہ حموی نے معجم البلدان ج ۶ صفحہ ۳۴۳ میں فدک کی حقیقت بیان کرنے اور اسکے خالصہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے۔ "وهی التی قالت فاطمة ان رسول الله نحلنیها فقال ابو بکر ارید بذلک شهودا ولها قصة" "یعنی یہ فدک وہی گاؤں تھا جس کے متعلق جناب فاطمہ نے دعویٰ کیا تھا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ہبہ کر دیا ہے اور ابو بکر نے جواب میں کہا تھا کہ میں گواہ چاہتا ہوں اور یہ ایک طویل قصہ ہے۔" کیا یہ سب اہلسنت کی معتبر کتابیں ہیں یا کسی اور مذہب کی؟ ——— باقی رہا دوسرے عذر کے خام ہونے کا بیان ذکر اس سے ابو بکر کا عامل بالشرع ہونا ثابت ہوتا ہے ——— سو یہ چند وجوہ باطل اور درجۂ اعتبار سے ساقط ہے۔

اوّلاً ——— ابو بکر کا بی بی عالم سلام اللہ علیہا سے گواہ طلب کرنا قواعد شرعیہ کے خلاف تھا۔ کیونکہ جناب سیدہ اس جائداد پر قابض اور اس میں متصرف تھیں اور شرعی نقطۂ نظر سے متصرف سے گواہ طلب نہیں کئے جا سکتے۔ بلکہ خود قبضہ دلیل ملکیت ہوتا ہے جب تک اس کا خلاف شرع ہونا ثابت نہ ہو جائے۔

ثانیاً - اگر قبضہ و تصرف سے بھی قطع نظر کر لی جائے تو تب بھی خلیفہ صاحب کو جناب سیدہؑ سے گواہ طلب کرنے کا کوئی حق نہ تھا۔ کیونکہ شہادت تو حقیقی علم حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے نہ اصل مقصد۔ لہٰذا جب حاکم و قاضی کو کسی طرح کسی واقعہ کی صحت کا علم ہو جائے۔ جیسے یہ کہ مجرم نے اسکے سامنے جرم کیا ہو تو وہ شہادت کو نظر انداز کر کے اپنے علم کے مطابق عمل کر سکتا ہے۔ تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابو بکر نے مخدومہ کونین معصومہ اور صدیقہ بی بی کے بیان پر کیوں یقین و اعتبار نہ کیا؟ اور ان سے کیوں گواہ طلب کئے۔ اصل مقصد تو عدالت کو یقین دلانا ہوتا ہے کیا ایک مسلمان کہلانے والے کیلئے خاتون قیامت کا بیان یقین حاصل کرنے کے لئے کافی نہ تھا؟

ثالثاً وہ آیت جس میں مدعی کو دو مرد گواہ یا ایک مرد اور دو عورتیں پیش کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس کا عموم ناقابل انکار ہے۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ "ما من عام الا وقد خص" ہر عام قابل تخصیص ہوتا ہے۔ اس کلیہ سے آیت شہادت مستثنیٰ نہیں ہے۔ یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ گواہوں میں گواہ کے درجہ کو بہت دخل ہوتا ہے۔ بعض اوقات صرف ایک ثقہ اور متدین آدمی کی شہادت سے وہ یقین پیدا ہو جاتا ہے جو عام قسم کے پچاس آدمیوں کی شہادت سے بھی پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ کتب اہلسنت سے ثابت ہے کہ ایک مرتبہ خزیمہ بن ثابت نے جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک بدو کے ہاتھ گھوڑا فروخت کرنے کے سلسلہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں شہادت دی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکی شہادت کو دو شہادتوں کے قائمقام قرار دیا تھا۔ اسی لئے ان کو "ذو الشہادتین" کہا جاتا ہے۔

بنابریں اصول کیا جناب امیر علیہ السلام جیسے صدیق و معصوم امام برحق کی شہادت دو شہادتوں کے قائمقام نہیں ہو سکتی تھی؟ جب انہوں نے گواہی دے دی تو اب مزید گواہوں کی کیا ضرورت تھی؟ حالانکہ جناب حسنینؑ اور ام ایمن نے بھی شہادت دی۔ مگر افسوس صد افسوس کہ جن بزرگواروں کی شہادت ٹھکرانے کی جرأت نصرانیوں نے بھی نہیں کی تھی۔ نام نہاد مسلمانوں نے ان کی گواہی مسترد کر دی اور بی بی عالمؑ کا حق ہضم کیا۔

مرمرا باور نمی آید ز روئے اعتقاد
حق زہرا خوردن و دین پیغمبر داشتن؟

رابعاً یہ چیز بھی کتب فریقین سے ثابت ہے کہ اگر مدعی کے پاس صرف ایک گواہ موجود ہو تو اس کے علاوہ اگر وہ قسم کھا لے تو اس کی یہ قسم دوسرے گواہ کی قائمقام بن جاتی ہے۔ لہذا اگر عدالت اسے قسم دلوائے اور وہ قسم کھا لے تو فیصلہ اس کے حق میں ڈگری ہو جاتا ہے اور یہ بات ثابت ہے کہ ابو بکر کا بھی یہی نظریہ تھا۔ چنانچہ کنز العمال فصل ۳ کتاب الشہادت میں وارد ہے کہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابا بکر و عمر و عثمان کانو یقضون بشہادۃ الواحد والیمین یعنی جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر، عمر اور عثمان ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کر دیا کرتے تھے۔ بنابریں وہ زیادہ سے زیادہ جناب سیدہ سے حلف لے کر ان کے حق میں فیصلہ کر سکتے تھے۔ مگر انہوں نے عمداً ایسا نہیں کیا۔ اور دختر رسول کا حق غصب کیا۔

خامساً مؤلف کے عامل بالشریع خلیفہ کے متعلق ناقابل انکار تاریخی شہادتوں سے ثابت ہے کہ وہ بعض اوقات صرف مدعی کے بیان پر اعتبار کر کے بغیر طلب شہود فیصلہ بحق مدعی کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ بخاری پ ص ۴۸ مسلم پ ص ۵۳ کنز العمال تاریخ الخلفاء وغیرہ کتب میں درج ہے

کہ خلیفہ اول کے زمانہ میں جب فتح بحرین کا مال غنیمت آیا تو انہوں نے اعلان کرایا کہ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے کوئی وعدہ کیا ہو وہ آئے اور آکر موعودہ مال لے جائے۔ چنانچہ جناب جابر بن عبداللہ انصاری نے آکر کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ جب بحرین کا مال آئے گا تو اس سے تمہیں کچھ دیا جائے گا۔ یہ سن کر خلیفہ صاحب نے ان کو ڈیڑھ ہزار درہم عطا فرمائے ـــــ اس واقعہ کی شرح میں شارح بخاری کرمانی نے لکھا ہے: وانما صدق ابو بکر جابرا فی دعواہ لقولہ من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار فهو وعيد ولا يظن بان مثله يقدم عليه ـــــ اور فاضل عسقلانی نے فتح الباری (پارہ ۵ صفحہ ۲۲۶) میں اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے "وفيه قبول خبر الواحد العدل من الصحابة ولو جر ذلك نفعا لنفسه لان ابا بكر لم يلتمس من جابر شاهدا على صحة دعواه" یعنی اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ میں سے ایک عادل کی خبر بھی قبول کی جا سکتی ہے اگرچہ وہ اس کی ذات کیلئے سودمند ہو۔ کیونکہ ابو بکر نے جابر سے ان کے دعویٰ کی صحت پر گواہ طلب نہیں کئے اور علامہ عینی نے لکھا ہے انما لم يلتمس شاهدا منه لانه عدل بالكتاب والسنة ابو بکر نے اسلئے جابر سے گواہ طلب نہیں کئے کہ وہ (جابر) کتاب و سنت کی رو سے عادل تھے۔ (عمدة القاری ج ۵ صفحہ ۶۷۵) کاش برادران اسلام اور ان کے چہیتے خلفاء سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء اور سید الابرار علی مرتضیٰ کے ساتھ وہی سلوک روا رکھتے جو عام صحابہ رسول کے ساتھ روا رکھتے تھے اگر جابر کا دعویٰ بلا گواہ صرف اس وجہ سے قبول کر لیا گیا کہ وہ صحابی رسول ہونے کی وجہ سے جھوٹ نہیں بول سکتے۔ تو کیا جناب سیدہ اور جناب امیر کے متعلق یہی حسن ظن نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ بوجہ صحابی و قرابتدار رسول ہونے کے غلط بیانی نہیں کر سکتے؟ والی اللہ المشتکی۔

ایک غلط واقعہ کی رد

اس مقام پر مؤلف نے نصاب شہادت کے نامکمل ہونے کی صورت میں مدعی کے خلاف فیصلہ ہونے کے جو دو واقعات نقل کئے ہیں پہلا تو چونکہ جناب عمر کے متعلق ہے اس لئے ہمیں اس کی صحت و سقم سے کوئی سروکار نہیں۔ ہاں البتہ دوسرا واقعہ چونکہ حضرت امیر سے متعلق ہے اس لئے اس پر ہم مختصر تبصرہ کئے دیتے ہیں مؤلف کا یہ کہنا کہ زرہ کے جھگڑے میں جب آنجناب شریح کے پاس تشریف لے گئے اور اس نے گواہ طلب کئے اور آنجناب نے اپنے فرزند جناب امام حسن اور اپنے غلام قنبر کو پیش کیا اور شریح نے یہ کہہ کر کہ "بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں درست نہیں ہے" ان کی گواہی کو نامنظور کر دیا۔ تو اس فیصلہ پر جناب امیر بالکل ناراض نہ ہوئے حقائق کے بالکل خلاف ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آنجناب کو اس غلط فیصلہ پر بہت رنج و ملال ہوا اور وہیں

اس امر کا برملا اظہار بھی کیا اور فرمایا "رجل من اھل الجنۃ لا تجوز شہادتہ سمعت رسول اللہ یقول الحسن والحسین سید اشباب اھل الجنۃ" کیا جنتی مرد کی گواہی نافذ نہیں؟ میں نے جناب رسول خداؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حسنؑ و حسینؑ جوانانِ جنت کے سردار ہیں (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۲۵) علاوہ بریں دعوائے ہبہ میں جناب سیدہؑ کا حضرت امیرؑ اور ام ایمن کو پیش کرنا اور آنجنابؑ کا حاضر ہو کر گواہی دینا اور دوسرے واقعہ میں جناب امیرؑ کا اپنے شہزادے امام حسنؑ کو پیش کرنا اور ان کا گواہی دینا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ شوہر کی شہادت بیوی کے حق میں اور اولاد کی شہادت والدین کے حق میں نیز ایسی صورت میں ایک مرد اور ایک عورت کی شہادت نافذ العمل ہے ورنہ اہلبیت رسالتؑ ایسا نہ کرتے! کیا وہ مسئلہ جو مولوی کرم دین کو معلوم ہے وہ آل محمدؐ کو معلوم نہ تھا؟ کچھ تو سوچو خدا کیلئے!!

دعوائے میراث

بہرکیف جب بی بی عالم کے دعوائے ہبہ کو مسترد کر دیا گیا۔ تو حضرت بتولؑ نے اپنے دعویٰ کا عنوان بدل دیا کہ اگر یہ جاگیر فدک بطور ہبہ مجھے نہیں دیتے تو بطور میراث پدری ہی دے دو اور یہ بات ارباب عقل و علم پر پوشیدہ نہیں ہے کہ ایک ہی مقصد کے حصول کے مختلف طریقے ہو سکتے ہیں اور یہ کہ اگر ایک طریقہ سے کامیابی نہ ہو تو پھر دوسرا طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔

عنوان دعوے بدلنے کی نظیر

مثلاً جناب ابراہیمؑ نمرود کے سامنے اپنے پروردگار کی ان الفاظ میں معرفی کراتے ہیں "ربی الذی یحیی و یمیت" میرا پروردگار وہ ہے جو مارتا اور جلاتا ہے۔ مگر جب نمرود نے "انا احی و امیت" کہہ کر آنجنابؑ کے اس استدلال کو ٹھکرا دیا تو جناب خلیلؑ نے دوسرا طرز استدلال اختیار کیا اور کہا فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فات بھا من المغرب "میرا رب وہ ہے جو مشرق سے سورج نکالتا ہے۔ اگر تو اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو تو اسے مغرب سے نکال لا۔ خلاصہ یہ کہ "فبہت الذی کفر" نمرود مبہوت اور لاجواب ہو گیا۔ تو جس طرح جناب ابراہیمؑ کے ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف عدول کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ پہلی دلیل غلط یا ناقص تھی۔ اسی طرح جناب سیدہؑ کے پہلے دعویٰ سے عدول سے بھی یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ معاذ اللہ آپ کا پہلا دعویٰ غلط تھا۔

اب یہ حقیقت ناقابل انکار شہادتوں سے ثابت ہے کہ جب دختر رسولؐ نے پہلی خلافت کے دربار میں دعوائے وراثت دائر کیا اور خلیفہ صاحب نے ان کے جواب میں ایک من گھڑت حدیث پیش کی کہ "نحن معاشر الانبیاء لا نرث و لا نورث ما ترکنا صدقۃ" ہم گروہ انبیاء نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ کوئی ہمارا وارث ہوتا ہے۔ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے" (بخاری ج ۲ ص ۱۱۱ مطبع

مصر مسلم ج ۲ ص ۹۲ وغیرہ)

جناب سیدہ کا استدلال تو عالمہ غیر معلمہ بی بی نے اس جعلی حدیث کے بالمقابل قرآن مجید کی متعدد آیات سے استدلال کیا۔ جیسے وورث سلیمان داؤد، رب ھب لی من لدنک ولیا یرثنی ۔۔۔ یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین۔ اس سلسلہ میں یہ بھی فرمایا۔ انتم تزعمون ان لا ارث ابی افعلی عمد ترکتم کتاب اللہ فزعمتم ان لا حظ لی ولا ارث لی من ابی احکم اللہ بایۃ اخرج ابی منھا ام انتم اعلم بخصوص القرآن وعمومہ من ابی افحکم الجاھلیۃ تبغون ۔۔۔ ؟ تمہارا یہ گمان ہے کہ میں اپنے باپ کی وارث نہیں۔ کیا تم جان بوجھ کر کتاب خدا کو چھوڑ رہے ہو؟ کیا خدا نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ میرے والد ان آیات (وراثت) سے خارج ہیں ۔۔۔ یا تم لوگ قرآنی عموم و خصوص کے میرے باپ سے زیادہ عالم ہو؟ کیا تم جاہلیت والے احکام چاہتے ہو ۔۔۔ (شرح نہج البلاغہ حدیدی بلاغات النساء ص ۱۶ تا ص ۲۳) نیز ابوبکر سے فرمایا۔ یا بن ابی قحافہ اترث اباک ولا ارث ابی۔ اے ابو قحافہ کے بیٹے! (کیا یہ انصاف ہے کہ) تو تو اپنے باپ کا وارث بنے مگر میں اپنے باپ کی وارث نہ بن سکوں؟ (تذکرہ خواص الامۃ ص ۱۷۹) مگر افسوس۔ وہی لوگ جو کل رسول اسلام کے قلم دوات طلب کرنے کے وقت "حسبنا کتاب اللہ" کا نعرہ لگا رہے تھے۔ آج قرآن کے مقابلہ پر خلاف عقل و نقل ایک من گھڑت حدیث کا سہارا لیتے ہوئے دختر رسول کو ان کے حق سے محروم کر رہے تھے ۔۔۔ الغرض فابی ابوبکر ان یدفع الی فاطمۃ شیئا ابوبکر نے جناب سیدہ کو کچھ حق بھی دینے سے صاف انکار کر دیا (صحیح بخاری ج ۳ ص ۲۶ طبع مصر، ج ۴ ص ۱۷ مع الفتح طبع دہلی) اس انکار کا نتیجہ نکلا کہ فوجدت او غضبت علی ابی بکر و ھجرتہ و لم تکلمہ حتی توفیت وعاشت بعد رسول اللہ ستۃ اشھر فلما توفیت دفنھا زوجھا علی لیلا و لم یؤذن بھا ابا بکر ۔۔۔ جناب سیدہ ابوبکر پر غضبناک ہوگئیں اور تا زیست ان سے مکمل بائیکاٹ کر لیا۔ اور آنحضرت کے بعد کل چھ ماہ تک زندہ رہیں۔ جب فوت ہوگئیں تو ان کے شوہر علی نے رات کے وقت ان کو دفن کیا اور ابوبکر کو اطلاع تک نہ دی (بخاری ج ۳ ص ۱۱۱ طبع مصر و ۲ ص ۶۰۹ طبع دہلی) اور صحیح مسلم میں مذکورہ بالا عبارت پر اس قدر اضافہ ہے کہ "وصلی علیھا علی" (ج ۲ ص ۹۱) یعنی نماز جنازہ حضرت علی نے پڑھائی۔ اگرچہ یہ مضمون غیر معمولی طور پر طویل ہوتا جا رہا ہے۔ تاہم ذیل میں مذکورہ بالا بعض امور کی کچھ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحیی من حی عن بینۃ

حدیث نحن معاشر الانبیاء لا نورث خلافِ عقل و قرآن ہے

وہ موضوع حدیث جس سے تمسک کرکے ابوبکر نے جناب سیدہ کو باپ کی میراث سے محروم کیا وہ بالکل خلافِ عقل و قرآن ہے ۔ لہٰذا وہ استدلال کے قابل نہیں ہے ۔ اس کا خلافِ عقل ہونا بچند وجوہ ہے

اولاً ۔ انبیاء جو شریعت لاتے ہیں ۔ اسکے احکام خود ان پر بھی حاوی ہوتے ہیں ۔ جیسے نماز ، روزہ ، حج و زکوٰۃ وغیرہ کا وجوب اور مناہی سے اجتناب ۔ تو حکم میراث سے وہ کیونکر خارج ہو سکتے ہیں ؟

ثانیاً ۔ ہر پیغمبر کے پاس زمینیں اور جاگیریں تو نہ تھیں ــــ تو کیا ان کی وفات کے بعد ان کا اثاثۃ البیت امت کے غرباء میں تقسیم ہو جاتا تھا اور ان کے ورثہ محروم ہوتے تھے ؟ کیا تاریخ میں ایسی کوئی مثال ملتی ہے ؟ کیا خدا کو یہ منظور ہے کہ پیغمبر کے اہل و عیال بھیک مانگ کر یا لوگوں کے عطیات و صدقات پہ گذر بسر کریں ؟

ثالثاً ۔ اگر اس حدیث کی کوئی اصلیت ہوتی تو چاہیے تو یہ تھا کہ اس کے متعلقہ حضرات (علیؑ و فاطمہؑ اور حسنینؑ) کو معلوم ہوتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا بھی فرض تھا کہ ان کو آگاہ فرما جاتے تاکہ بعد میں کسی قسم کا کوئی تصادم اور اختلاف پیدا نہ ہوتا ۔ یہ کس طرح باور کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم متعلقہ افراد کو تو اس کی اطلاع نہ دیں اور غیر متعلق آدمی (ابوبکر) کو بتا دیں ؟ (کذا فی التفسیر الکبیر ج ۳ صفحہ ۲۲) مگر ان ذوات مقدسہ کا دعویٰ دائر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ انکے علم میں یہ حدیث نہ تھی ۔ ورنہ آیت تطہیر کی مصداق ذوات قادسہ کا کذب لازم آئے گا ۔ اس سے عیاں ہے کہ یہ یاروں کی خانہ ساز ہے ــــ باقی رہا اس کا خلاف قرآن ہونا سو وہ بھی بچند وجہ ہے ۔

اولاً ۔ یہ عمومات قرآنی کے خلاف ہے جیسے یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین (اولاد کے بارے میں خدا تمہیں وصیت کرتا ہے کہ لڑکے کو لڑکی کے دو برابر حصہ دو) ۔ ولکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والاقربون ہم نے ہر ایک کے وارث بنا رکھے ہیں ۔ جو کچھ والدین یا قرابتدار چھوڑ جائیں ۔ اس میں انبیاء و غیر انبیاء کی کوئی تخصیص نہیں ہے ۔

ازالۂ شبہ کہا جاتا ہے کہ حدیث مخصص قرآن ہو سکتی ہے ۔ چنانچہ آیت فانکحوا الخ سے زیادہ سے زیادہ چار عورتوں سے نکاح کا جواز ثابت ہوتا ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس سے مستثنیٰ ہیں ــــ اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو یہ استثناء قرآن کی ایک دوسری آیت کے پیش نظر ہے جس میں وارد ہے کہ "خالصۃ لک من دون المومنین" یہ بات آپ سے مخصوص ہے دوسرے

اہل ایمان اس میں شامل نہیں۔ ثانیاً قطع نظر اس اختلاف سے جو خبر واحد کے مخصص عموم قرآنی ہونے کے بارے میں علمائے اصول کے درمیان ہے۔ اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے (کما ہو الصحیح) تو یہ تب ہے کہ وہ خبر صحیح السند اور مسلم الثبوت ہو مگر وہ خبر جو علی و فاطمہ اور حسن و حسین علیہم السلام جیسے معصوم ذوات مقدسہ کی نظر میں غلط ہے وہ کسی طرح بھی مخصص قرآن نہیں ہو سکتی۔ اور یہ جناب سیدہ کا یہ کلام گذر چکا ہے کہ اَمْ انتم اعلم بخصوص القرآن وعمومہ من ابی؟ کیا تم میرے باپ سے زیادہ قرآن کے عموم و خصوص کے عالم ہو؟ اس سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ یہاں کوئی مخصص موجود نہیں ہے وہو المقصود۔

ثالثاً یہ قرآنی واقعات و حکایات کے خلاف ہے۔ مثلاً خدا فرماتا ہے وورث سلیمان داؤد حضرت سلیمان (اپنے باپ) داؤد کے وارث ہوئے وانی خفت الموالی من ورائی وکانت امرأتی عاقراً فھب لی من لدنک ولیاً یرثنی ویرث من آل یعقوب۔ حضرت زکریا بارگاہ ربوبیت میں عرض کرتے ہیں "مجھے اپنے وارثان بازگشت سے خوف ہے اور میری عورت بانجھ ہے۔ مجھے اپنی بارگاہ سے ایسا وارث عطا کر جو میرا اور آل یعقوب کا وارث بنے"۔ ان آیات سے واضح ہے کہ نبی نبیوں کے وارث ہوتے رہے ہیں لہٰذا مضمون روایت کہ نبی کسی کے وارث نہیں ہوتے۔ بوجہ مخالف قرآن ہونے کے باطل ہے۔ اور ناقابل قبول۔ کما لا یخفی علی ذوی العقول!

ازالہ شبہ کہا جاتا ہے کہ یہاں وراثت سے مراد نبوت و حکمت ہے نہ مال و منال۔ ورنہ وراثت مالی میں صرف جناب سلیمان نہیں۔ انکے باقی اٹھارہ بھائی بھی تھے۔ اسی طرح جناب زکریا کو مال کا اندیشہ نہ تھا۔ بلکہ ناخلف چچازاد بھائیوں سے اندیشہ تھا۔ ورنہ وہ سارا مال موت سے پہلے راہ خدا میں خرچ کر سکتے تھے۔ نیز وہ مولود آل یعقوب کا مدت دراز کے بعد کیونکر وارث ہو سکتا تھا؟

تفسیر آیات وراثت انبیاء اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ شبہ اجتہاد فی مقابل النص ہونے کی بنا پر ناقابل توجہ ہے کیونکہ فریقین کی کتب تفاسیر میں وارد ہے کہ یہاں وراثت سے مالی وراثت مراد ہے۔ چنانچہ آیت وورث سلیمان داؤد کے متعلق علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں فقال الحسن: المال وقال غیرہ النبوۃ، وقال آخرون بل الملک والسیاسۃ ___ (الی ان قال) ___ فاما اذا قیل ورث المال والملک معاً فھذا لا یبطل بالوجوہ التی ذکرناھا۔ یعنی حسن (بصری) کہتے ہیں کہ یہاں مراد مال ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد نبوت ہے۔ دوسرے کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد مال و ملک ہے ___ اگر مذکورہ وجوہ کی بنا پر اس سے مال و ملک ہر دو کو مراد لیا جائے تو باطل نہیں ہے۔ عقلاً بھی یہی تفسیر درست ہے کہ یہاں وراثت سے وراثت مالی

مراد ہے ورنہ جناب سلیمان نبی تو جناب داؤد کی زندگی میں تھے اور علم و حکمت بھی اسقدر رکھتے تھے کہ مسئلہ غنم میں انکا فیصلہ نافذ تھا۔ ففهمنا ها سليمان وكلاً آتينا حكماً و علماً" لہذا علم تو ان کو بالاصل پہلے سے حاصل تھا۔ اس میں وراثت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ باقی رہی ان کی تخصیص باوجودیکہ بھائی اور بھی تھے تو یہ ان کی عظمت شان بیان کرنے کے لئے ایسا کیا گیا ہے۔ کما لا یخفی علی اولی الافہام۔

موارثت انبیاء کا بیان

بعض تفاسیر میں اس وراثت مالی کی تفصیل بھی موجود ہے چنانچہ تفسیر بیضاوی، کشاف، بحر المعانی، مدارک اور معالم میں بذیل آیت مبارکہ اذ عرض علیہ بالعشی لکھا ہے۔ وورث سلیمان من ابیہ داؤد الف فرس جناب سلیمان نے اپنے باپ حضرت داؤد سے وراثت میں ہزار گھوڑے پائے۔ دوسری آیت (فهب لی ولیا یرثنی) کے متعلق تفسیر کبیر ج ۵ ص۵۶۷ میں لکھا ہے المراد بالمیراث فی الموضعین ھو وراثۃ المال وھذا قول ابن عباس والحسن والضحاک "یعنی دونوں مقامات (یرثنی ویرث من آل یعقوب) پر وراثت سے مراد مالی وراثت ہے۔ یہی ابن عباس، حسن بصری اور ضحاک کا قول ہے۔ نووی نے شرح مسلم ج ۲ ص۹۲ پر لکھا ہے کہ عن الحسن البصری یرثنی ویرث من آل یعقوب المراد وراثۃ المال ولو اراد وراثۃ النبوۃ لم یقل وانی خفت الموالی من ورائی الآیہ اذ لایخاف الموالی علی النبوۃ" یعنی حسن بصری اس آیت کے متعلق کہتے ہیں کہ وراثت سے مراد مال ہے اگر ان (زکریا) کی مراد نبوت ہوتی تو یہ نہ کہتے کہ مجھے وارثانِ بازگشت سے خوف ہے کیونکہ نبوت پر کسی سے اندیشہ نہیں ہو سکتا" اسے کہتے ہیں

شعر
جادو وہ جو سر پہ چڑھ کر بولے

قول کا قول اور دلیل کی دلیل۔ اس استدلال میں ان لوگوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے جو یہاں وراثت سے مراد نبوت لیتے ہیں!

جناب زکریا کے موالی (چچازاد بھائی) اچھے تھے یا برے۔ نبوت کے بارے میں ان سے خوف کرنے کا کیا مطلب؟ خدا خود اپنے اس منصب جلیل کے لئے مناسب افراد منتخب کر لیتا ہے وہ نہ بدکاروں کو ملتی ہے اور نہ ہی اس کی بربادی کا کوئی خطرہ ہوتا ہے البتہ اگر ان کو کوئی خطرہ تھا تو اپنے مال کے متعلق کہ وہ اشرار اسے معصیتِ خدا میں خرچ نہ کر دیں۔ علاوہ بریں جناب یحییٰ اپنے والد جناب زکریا کے عین حیات میں مستقل نبی تھے۔ لہذا نبوت کو وراثت میں حاصل کرنے کا کیا مطلب؟ کیا نبوت کوئی موروثی چیز ہے؟ باقی رہا یہ خیال کہ تمام مال کو راہ خدا میں خرچ کر دیتے۔ سو واضح رہے کہ تمام مال خرچ کر کے خود کو فقیر و نادار بنا لینا اصول شریعت کے خلاف ہے خدا فرماتا ہے ولا تبسطها کل البسط

فتقعد ملوماً محسوراً۔ اس قدر ہاتھ کشادہ نہ کرو کہ قابل ملامت حالت میں بیٹھ رہو۔ آل یعقوبؑ کے مال کے وارث ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ جناب زکریاؑ تک جو مال پہنچا تھا اس میں آل یعقوب کا مال بھی شامل تھا۔ بہ اس طرح جو شخص بلا واسطہ جناب زکریاؑ کا وارث ہوگا وہ بالواسطہ آل یعقوب کا وارث بھی ہوگا۔ شعر

سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجا است!!

علاوہ بریں وہ بزرگوار (جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) جن کی طرف یہ حدیث منسوب ہے۔ خود ان کے متعلق کتب سیر و تواریخ میں مذکور ہے کہ ان کو متعدد چیزیں اپنے والد سے وراثت میں ملیں۔ چنانچہ سیرت حلبیہ ج ۱ صفحہ ۶۱ میں لکھا ہے "ترک عبد اللہ (ابو محمدؐ) خمسة اجمال و قطعة من غنم فورث ذلك رسول اللہ من ابیہ" یعنی رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد جناب عبد اللہ نے پانچ اونٹ اور کچھ بکریاں چھوڑیں جن کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم وارث ہوئے۔ اسی کتاب کی جلد ۳ صفحہ ۳۶۶ پر لکھا ہے "سیف یقال لہ ماثور ورثہ علیہ السلام من ابیہ" آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی "ماثور" نامی ایک تلوار تھی جو آپ کو اپنے والد سے وراثت میں ملی تھی"۔ شبلی نعمانی نے سیرۃ النبی ج ۱ صفحہ ۱۲۲ بحوالہ طبقات ابن سعد لکھا ہے "عبد اللہ نے اونٹ، بکریاں اور ایک لونڈی چھوڑی تھی جس کا نام ام ایمن تھا۔ یہ سب چیزیں رسول اللہ کو ترکہ وراثت میں ملیں"۔۔۔۔۔۔ اب ان حقائق کی روشنی میں اہل عقل و انصاف فرمائیں کہ یہ حدیث کہ "گروہ انبیاء نہ کسی کا وارث ہوتا ہے اور نہ کوئی ان کا وارث ہوتا ہے"۔ کہاں تک صحیح ہے؟

ع ۔۔۔۔۔۔ بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

حدیث العلماء ورثۃ الانبیاء کا جواب

اہل خلاف اس مقام پر اپنی گرتی ہوئی دیوار اعتقاد کو اصول کافی کی اس حدیث سے سہارا دینے کی ناکام کوشش کیا کرتے ہیں (جیسا کہ مؤلف نے کیا ہے) جس میں وارد ہے کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں کیونکہ انبیاء درہم و دینار کا وارث نہیں بناتے ۔۔۔۔۔۔ یہ سہارا بچند وجہ ناقابل استناد ہے۔

اولاً یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کا راوی ابو البختری (وہب بن وہب) ہے اور وہ اکذب البریہ ہے جیسا کہ رجال کشی صفحہ ۱۹۹ اور رجال نجاشی صفحہ ۳۰۳ ہر دو طبع بمبئی میں مذکور ہے اور علامہ جلال الدین سیوطی نے اللئالی المصنوعہ ج ۲ صفحہ ۱۲۵/۱۲۶ طبع مصر میں اس کے متعلق لکھا ہے "من کبار الوضاعین" بہت بڑے حدیث سازوں میں سے ہے اسلئے یہ حدیث ناقابل اعتماد ہے۔

ثانیاً۔ بنا بر تسلیم اس کا مطلب وہ نہیں جو اہل خلاف لیتے ہیں یہ تو کلمہ حق یراد بہا الباطل"

والا معاملہ ہے بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ انبیاء کی وراثت دو قسم کی ہوتی ہے۔ (۱) مالی (۲) علمی۔ مالی کے وارث ان کے رشتہ دار اور علمی کے وارث علماء کبار ہوتے ہیں۔ جب امام نے فرمایا کہ علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں تو یہاں یہ وہم ہو سکتا تھا کہ شاید ان کے مال کے وارث بھی علماء ہوں گے؟ اس وہم کے ازالہ کی خاطر فرمایا کہ یہ صرف علم کے وارث ہیں نہ درہم و دینار کے کیونکہ اس کے وارث تو ان کے رشتہ دار ہوتے ہیں۔

دفع دخل مقدر

یہ خیال کہ وارث تو اور بھی تھے چچا عباس، ازواج تو اس کے متعلق واضح رہے کہ یہ بات اپنے مقام (فقہ جعفری) میں دلائل و براہین سے ثابت کی جا چکی ہے کہ اولاد کی موجودگی میں چچاؤں کو کچھ نہیں ملتا اور جائداد غیر منقولہ سے ازواج محروم الارث ہوتی ہیں۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جائداد غیر منقولہ کی واحد وارث جناب سیدہ ہی تھیں۔ نصف کی بالفرض اور نصف کی بالرد فتدبر ولا تکن من الغافلین۔[1]

عمل علوی والے شبہ کا جواب

مؤلف نے دیگر مناظرین اہلسنت کی طرح یہاں اپنے موقف کی تائید میں حضرت امیر کے عمل کا بھی سہارا لیا ہے کہ انہوں نے اپنے ظاہری دور خلافت میں فدک واپس نہیں کیا۔۔۔ سو اس کا جواب واضح ہے۔ جناب امیر نے ظاہری مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد فرمایا تھا لو قد استوت قدماى من هذه المداحض لغيرت اشياء (نہج البلاغہ) "اگر مجھے ثابت قدمی حاصل ہو گئی تو میں بہت سی اصلاحات کروں گا" معلوم ہوا کہ یہ اصلاحات ثبات قدم حاصل ہونے کے ساتھ مشروط تھیں چنانچہ مؤلف کے ہم مسلکوں کی وجہ سے نہ آنجناب کو ثبات قدم حاصل ہوا اور نہ وہ یہ موعودہ اصلاحات کر سکے کیونکہ یہ مسلم ہے کہ اذا فات الشرط فات المشروط۔ اگر اس امر کی صراحت مطلوب ہو کہ جناب امیر فدک کو اپنا مغصوبہ مال سمجھتے تھے تو اس سلسلہ میں آنجناب کا یہ کلام بطور نص صریح موجود ہے۔ فرماتے ہیں "بلى كانت فى ايدينا فدك من كل ما اظلته السماء فشحت عليها نفوس قوم وسخت عنها نفوس آخرين ونعم الحكم الله" جو کچھ زیر آسمان ہے۔ اس میں صرف فدک ہی ہمارے قبضہ میں تھا۔ اس کے متعلق کچھ لوگوں نے بخل سے کام لیا۔ (ہم سے غصب کر لیا) خدا ہی بہتر حکم کرنے والا ہے (نہج البلاغہ ج ۲ ص ۹۳ طبع مصر) کتاب الرسائل

---

[1] اس مسئلہ کی مکمل تفصیلات دیکھنے کے شائقین ہماری فقہی کتاب قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ کی جلد دوم کی طرف رجوع کریں (منہ عفی عنہ)

کی جس روایت پر مؤلف نے ایراد کیا ہے یہ ان کی ناسمجھی کی دلیل ہے ورنہ جن لوگوں کی اس حقیقت پر نگاہ ہے کہ جناب امیرؑ خانہ جنگیوں اور سازشیوں کی ریشہ دوانیوں کا شکار تھے اور آپ کے ہمراہی اگر تمام نہیں تو اکثر ایسے تھے جو ابوبکر، عمر اور عثمان کو خلفاء برحق جانتے تھے۔ دریں حالات ان خلفاء کے بدعات و احداث کا قلع قمع کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ جو کچھ جناب نے کیا وہی عقل و خرد کا تقاضا تھا۔ علاوہ بریں اس روایت سے بھی اتنا تو واضح ہے کہ آنجنابؑ ان خلفاء کو خدا اور رسول کا مخالف اور بدعات کا مرتکب سمجھتے تھے ـــــ لہٰذا اس سے مؤلف کی تردید ہوتی ہے نہ کہ تائید!

لمحہ فکریہ! علاوہ بریں اہلسنت کے لئے اس روایت میں بھی لمحہ فکریہ ہے کہ انکے ایک خلیفہ نے فدک غصب کیا اور دو خلیفوں نے واپس کیا۔ ایک عمر بن عبدالعزیز اموی نے اور دوسرے مامون عباسی نے (فتوح البلدان ص ۳۸ معجم البلدان ج ۲ ص ۲۴۵) اب کس خلیفہ کا عمل صحیح تھا اور کس کی کارروائی غلط تھی؟ بینوا توجروا؟

جنابؑ سیدہؑ کی ناراضی

یہ باب ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا ہے کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا اس واقعہ کے سلسلہ میں ابوبکر پر سخت ناراض ہوئیں اور تادم زیست ان سے بات نہ کی (جیسا کہ اوپر حوالہ جات سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے) اور ان کو اپنی نماز جنازہ میں شرکت سے بھی منع کر دیا (جیسا کہ عنقریب واضح ہوگا) مگر اس کا کیا علاج کہ جب کتب ستہ کی بھی سرتاج بخاری و مسلم کی روایات کا بھی انکار کر دیا جائے تو پھر کس کتاب کا حوالہ پیش کیا جائے حالانکہ شاہ ولی اللہ دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۰۶ طبع مصر پر وضاحت سے لکھا ہے کہ جو شخص بخاری و مسلم کی کسی حدیث کا انکار کرے وہ مذہب اہلسنت سے خارج ہو جاتا ہے اور گمراہ و بدعتی قرار پاتا ہے۔

مؤلف نے بتول کا معنی تارک الدنیا کر کے چند کھجوروں کی خاطر کچہری میں جا کر مقدمہ پیش کرنے کو بھی ان کی شان کے خلاف قرار دے کر اسے غلط قرار دینے کی سعی لاحاصل کی ہے۔ حالانکہ بتول کے معنی ہیں وہ عورت جو نسوانی نقائص سے پاک ہو۔ ترک دنیا کر کے رہبانیت اختیار کرنا اسلام میں روا نہیں ہے۔ بی بی عالم کا دروازہ عین مسجد میں کھلتا تھا اور دربار خلافت مسجد میں تھا۔ لہٰذا اگر انہوں نے با پردہ ہو کر اپنا دعویٰ پیش کیا تو اس میں کیا جائے تعجب ہے اور اپنے حق ملکیت کا مطالبہ کرنا تھوڑا ہو یا زیادہ عقلاً و شرعاً قبیح نہیں ہے بلکہ حسن ہے اور اس اعتبار سے کہ اس سے بے ایمان کی بے ایمانی اجاگر ہوتی ہے احسن ہے۔ علاوہ ازیں اوپر ثابت کیا جا چکا ہے کہ فدک چند کھجوروں کا نہیں بلکہ ایک پورے گاؤں کا نام ہے۔ اور اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ وہ چند کھجوریں تھیں تو اس سے خلیفہ صاحب کی بے بسی کا بھی جنازہ نکل جاتا ہے کہ چند کھجوروں کی خاطر دختر رسولؐ کو ناراض کیا۔

وجدت کا معنی ندمت کرنا جہالت مرکبہ ہے

مؤلف کا یہ کہنا کہ بخاری و مسلم میں لفظ "وجدت" وارد ہے اور اس کے معنی ہیں "ندمت" بی بی سوال کر کے نادم ہوئیں (معاذ اللہ) تین وجوہ سے غلط ہے۔ اولاً۔ تو خود بخاری میں لفظ "غضبت فاطمہ" موجود ہے (ملاحظہ ہو بخاری ج ۳ صفحہ ۱۲ طبع مصر) ثانیاً۔ مؤلف کا یہ کہنا کہ "وجدت" کا معنی ہے "ندمت" اور اس سلسلہ میں حاشیہ قاموس کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ تو سراسر جھوٹ ہے۔ اور مؤلف کی جہالت وضلالت کی واضح دلیل ہے۔ قاموس کیا کسی بھی لغت عرب میں اس بات کا نام ونشان ہی نہیں ہے۔ "وجد" کے معنی خصوصاً جبکہ اسکا صلہ "علیٰ" کے ساتھ ہو جیسے "وجد فلان علی فلان" سوائے ناراضی کے اور کوئی ہوتے ہی نہیں ہیں اس سلسلہ میں قاموس، المنجد، لسان العرب، منتھی الارب، صراح، نہایہ ابن اثیر، مجمع البحار وغیرہ کتب لغت دیکھی جا سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بخاری و مسلم کی جن روایات میں "وجدت فاطمۃ علی فلان" وارد ہے۔ وہاں بخاری و مسلم کے محشی اور شارح حضرات نے اس کے معنی "غضبت" ہی لکھے ہیں۔

ثالثاً۔ یہ کہنا کہ اسپنے آپ پر ناراض ہوئیں۔ ہر قسم کے حالات اور عبارات کے سیاق وسباق سے آنکھیں بند کر کے ایسی بے تکی بات کہنا دھاندلی و بے انصافی کی بدترین مثال ہے۔ ورنہ علاوہ دوسری بیسیوں کتب کے خود بخاری و مسلم کی متعدد روایات میں وارد کہ "ابوبکر پر ناراض ہوئیں اور ان سے مکمل بائیکاٹ کر لیا اور ان سے بات چیت بند کر دی"۔۔۔۔ ان حیلوں بہانوں سے ابوبکر کو جناب خاتون جنت کی ناراضی سے ہرگز نہیں بچایا جا سکتا۔

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی

جناب سیدہ کی ناراضی خدا و رسولؐ کی ناراضی کا باعث ہے

علاوہ دیگر بے شمار کتب کے خود بخاری و مسلم کی روایات سے ثابت ہے کہ جناب فاطمۃ الزہراء کی رضا خدا و رسولؐ کی رضا اور ان کی ناراضی خدا و رسولؐ کی ناراضی کا موجب ہے۔ چنانچہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں فاطمۃ بضعۃ منی فمن اغضبها اغضبنی ۔۔۔۔ (وفی روایۃ) یریبنی ما ارابھا ویؤذینی ما آذاھا (وفی روایۃ) من اٰذاھا فقد آذانی ومن اغضبها فقد اغضبنی ۔۔۔۔ (بخاری ج ۱ صفحہ ۳۹ ۔۔۔۔ وطبع مصر ج ۱ صفحہ ۱۸۶/۱۱۱ مسلم ج ۱ صفحہ ۲۹۰ شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۲۵ طبع لاہور ۔۔۔۔ روضۃ الاحباب ج ۱ صفحہ ۱۲۲ وغیرہ) ۔۔۔۔ اس سے روز روشن کی طرح واضح وعیاں ہے کہ جناب سیدہ کی اذیت رسانی خدا و رسول کی اذیت کا باعث ہے اور ان کی

ناراضی خدا و رسول کی ناراضی کا سبب ہے۔

خدا و رسولؐ کو ایذا دینے والوں کی سزا

اب دیکھنا یہ ہے کہ خدا و رسول کو ایذا دینے والوں کی سزا کیا ہے؟ ارشاد قدرت ہے "ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا والآخرۃ واعد لہم عذاباً مہیناً" جو لوگ خدا و رسول کو اذیت پہنچاتے ہیں ان پر خدا نے دنیا و آخرت میں لعنت کی ہے اور ان کے لئے رسوا کرنے والا عذاب مہیا کر رکھا ہے۔ (جس کیلئے حضرت سیدہ کونین کو ناراض کرنے والوں اور انکی حمایت کرنے والوں کو تیار رہنا چاہیئے!)

مؤلف کے ایرادات ثلاثہ کے جوابات

مؤلف نے اس ناراضی کے وزن کو ہلکا کرنے کے لئے بزعم خود بعض ایرادات کئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ "اغضاب" کا مطلب ہے جس نے دانستہ آپ کو غضبناک کیا اور ابوبکر نے ایسا نہیں کیا۔ یہ ایراد بدو وجہ باطل ہے۔ اولاً یہ کہنا کہ "اغضاب" میں قصد شرط ہے درست نہیں بلکہ اسکا صاف مطلب ہے کسی کو ناراض کرنا (بابِ تفعیل کا ن) بقول خود مولف جب جناب سیدہ کو یہ اطلاع ملی کہ حضرت علی دختر ابوجہل سے عقد کر رہے ہیں تو وہ غضبناک ہوئیں اور جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا من اغضبها فقد اغضبنی — تو کیا جناب امیرؑ نے جناب سیدہؑ کو غضبناک کرنے کا قصد کیا تھا؟

ثانیاً کتاب الامامۃ والسیاسۃ ص۱۵ طبع مصر سے واضح ہے کہ خود ابوبکر و عمر کو اعتراف تھا کہ انہوں نے بی بی کو غضبناک کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔ قال ابوبکر لعمر انطلق بنا الی فاطمۃ فانا قد اغضبناها۔ ابوبکر نے عمر سے کہا کہ ہمارے ساتھ فاطمہؑ کے پاس چلو کیونکہ ہم نے ان کو غضبناک کیا ہے۔ اس سے واضح ہے کہ مؤلف کا برائت ابوبکر کیلئے ہاتھ پیر مارنا "مدعی سست و گواہ چست" والی مثل کا مصداق ہے۔

روایات نازک مزاجی کا جواب

مؤلف نے بزعم خود اس مقام پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جناب سیدہ بوجہ شہزادی ہونے کے نازک مزاج تھیں۔ اسلئے وہ معمولی معمولی باتوں پر ناراض ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں انہوں نے بعض ضعیف آثار و اخبار کا سہارا بھی لیا ہے۔ جو مسلمہ حقائق سے متصادم ہونے کی بنا پر ناقابل اعتبار ہیں۔ سادہ یہ بھول گئے ہیں کہ وہ شہزادی ضرور تھیں۔ لیکن نہ دنیا کی شہزادیوں کی طرح بلکہ وہ ایسی شہزادی کونین تھیں جو چرخا خود کاتتی، چکی خود پیستی، جھاڑو خود دیتی اور گھر کا تمام کام کاج خود کرتی تھیں۔ لہٰذا ان کا دنیوی شہزادیوں پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ جو بالاتفاق باطل ہے۔ جلاء العیون کے حوالہ سے جو بعض واقعات مؤلف

سے پیش کئے گئے ہیں وہ فی نفسہ سب کے سب مسند و مرسل اور صحیح تاریخی حقائق کے معارض ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتماد ہیں۔ مثلاً حضرت علی کے ساتھ جناب سیدہؑ کے عقد کے وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ انکا جو مکالمہ درج ہے وہ روایۃً و درایۃً شان سیدہؑ کے بالکل منافی ہے۔ صحیح روایات میں صرف اس قدر وارد ہے کہ جب جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دختر نیک اختر سے اجازت حاصل کرنا چاہی تو بی بی عالم خاموش ہوگئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے فرمایا اللہ اکبر سکوتہا رضاھا ان کی خاموشی ان کی رضامندی کی علامت ہے (منتہی الآمال وغیرہ) اسی طرح کنیز والا واقعہ بھی بالکل بے بنیاد ہے اور عصمت مآب بی بی کی جلالت شان سے بعید ہے کہ ایک جائز اور مباح بات سے ناراض ہوں ـــــ علاوہ بریں علامہ مجلسیؒ نے یہ واقعہ لکھ کر اسکی خود ایک مناسب تاویل کر دی ہے۔ وہاں رجوع کیا جائے۔ اسی طرح جناب امیرؑ کا دختر ابوجہل کے ساتھ عقد کرنے کا ارادہ اور جناب سیدہؑ کی ناراضی والا واقعہ بھی ایک افسانہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ رئیس المحدثین حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے علل الشرائع میں اس قصہ کی رد کی ہے فرماتے ہیں الخبر عندی غیر معتمد ولا هو لی بمعتقد لان علیا و فاطمة ما کان لیقع بینهما کلام یحتاج رسول اللہ الی الاصلاح بینهما لانه علیه السلام سید الوصیین وهی سیدة نساء العالمین ـــــ یعنی یہ خبر میرے نزدیک قابل اعتماد و اعتقاد نہیں ہے۔ کیونکہ جناب علیؑ سید اولیاء اور جناب فاطمہ سیدۃ النساء تھیں۔ ان کی شان اس سے کہیں بلند ہے کہ ان کے درمیان ایسا نزاع واقع ہو کہ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صلح کرانے کی ضرورت پیش آئے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ایک جائز کام کا برا منائیں یہ شان رسالت کے منافی ہے۔ اسی طرح محدث عبدالحق دہلوی نے بھی مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۶۶ طبع نولکشور پر اس واقعہ کی تردید کی ہے ـــــ علاوہ بریں یہاں ایک اور بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اقوال۔ توان اخبار و آثار میں جناب سیدہؑ کا حضرت امیرؑ پر غضبناک ہونا مذکور نہیں صرف یہ وارد ہے کہ آپ رنجیدہ ہوئیں آپ کو حزن و ملال ہوا وغیرہ وغیرہ۔ اور ظاہر ہے کہ ان دو باتوں میں نمایاں فرق ہے!

ثانیاً۔ انکشاف حقیقت کے بعد فوراً ان کا راضی ہو جانا اور حزن و ملال کا زائل ہو جانا بھی ثابت ہے جس کی نظیر جناب موسیٰ و ہارون کے قصہ میں موجود ہے کہ سوء تفاہم سے معمولی سی باہمی رنجش پیدا ہوئی اور انکشاف حقیقت کے بعد فوراً زائل ہوگئی اور صفائی ہوگئی۔ مگر ابوبکر کے معاملہ میں تو یہ ناراضگی تازیست باقی رہی۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ناراضی صرف بتقاضائے بشریت نہ تھی کیونکہ

اولاً تو بی بی عالم آیت تطہیر کا مصداق اور درجۂ عصمت پر فائز ہونے کے سبب بشری کمزوریوں سے منزہ و مبرا تھیں۔ ثانیاً اگر بالفرض بنا ہی تقاضائے بشریت ہوتی تو فوراً زائل ہو جاتی۔ مگر یہاں تو مدت العمر تک ان کا ناراض رہنا ثابت ہے۔

رضامندی سیدہ والی روایت کا جواب

مؤلف نے تمام تاریخی مسلمات سے آنکھیں بند کر کے شاہ عبدالعزیز دہلوی کی تقلید کرتے ہوئے کسی مجہول المصنف اور مجہول الحال کتاب مسمیٰ بہ "محجاج السالکین" سے ایک روایت نقل کی ہے کہ جناب سیدہ ابوبکر پر راضی ہو گئی تھیں ــــــ سچ ہے الغریق یتشبث بکل حشیش۔ غالباً سب سے پہلے اس افترا پردازی کا سہرا محدث دہلوی نے اپنے سر پر باندھا پھر بعد والے مصنفین اہلسنت نے بلاسوچے سمجھے اسے نقل کرنا شروع کر دیا۔ حالانکہ اس نام کی کسی کتاب کا وجود موصوف کے نہاں خانہ دماغ میں ہو تو ہو ورنہ اور تو کہیں اس کا نام و نشان بھی موجود نہیں ہے اور اگر بالفرض ہو بھی تو تمام کتب معتبرہ اور تاریخی مسلمہ واقعات کو نظر انداز کر کے صرف اس مرسل و مقطوع روایت کو کس طرح آنکھیں بند کر کے تسلیم کیا جا سکتا ہے؟

الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ دینوری (ص۱۵ طبع مصر) میں ہے کہ جب ابوبکر و عمر جناب سیدہ کے آخری ایام حیات میں ان کو راضی کرنے کے لئے ان کے گھر گئے اور بڑی رد و قدح کے بعد اذن باریابی ملا تو شیخین نے جا کر سلام کیا ــــــ بی بی عالم نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر ابوبکر نے سلسلہ کلام کا آغاز کیا۔ جناب سیدہ نے جواب میں فرمایا۔ میں تم دونوں سے خدا کو گواہ کر کے پوچھتی ہوں کہ آیا تم نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سنا تھا کہ فاطمہ کی رضامندی میری رضامندی اور فاطمہ کی ناراضگی میری ناراضگی ہے؟ دونوں نے اقرار کیا۔ اس وقت جناب سیدہ نے فرمایا۔ میں خدا کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ تم دونوں نے مجھے ناراض کیا ہے اور رضامند نہیں کیا۔ میں جب بابا سے ملوں گی تم دونوں کی شکایت کروں گی۔ پھر ابوبکر سے خطاب کر کے فرمایا۔ میں جب تک زندہ ہوں ہر نماز کے بعد تم پر بددعا کروں گی۔ اس کے بعد شیخین اپنا سا منہ لے کر چلے گئے۔ علاوہ بریں اس روایت میں "رضیت بذلک" وارد ہے نہ کہ "رضیت عنہ" اور ارباب علم جانتے ہیں کہ جب "رضی" کا صلہ "با" کے ساتھ ہو تو اس کے معنی قناعت کے ہوتے ہیں نہ کہ رضامندی کے لہٰذا بنابر تسلیم مقصد یہ ہے کہ بامر مجبوری خاتون جنت نے اسی مقدار پر قناعت کر لی جو مل رہی تھی اس میں یہ کہاں وارد ہے کہ ابوبکر پر راضی ہو گئیں ــــــ یہ بات تمام اہلسنت مل کر بھی صبح قیامت کے طلوع ہونے تک ثابت نہیں کر سکتے۔ ولو کان بعضہم لبعض ظہیراً

بنت رسولؐ کی اپنے جنازہ میں شیخین کو شامل نہ کرنے کی وصیت

بخاری و مسلم میں تو صرف اس قدر ہے کہ جناب امیرؑ نے جناب سیدہؑ کو وقت شب دفن کیا اور ابوبکر کو اطلاع نہ دی۔ مگر دوسری بکثرت کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کاروائی جناب سیدہ کی وصیت کے مطابق کی گئی تھی۔ چنانچہ روضۃ الاحباب ج ۱ ص ۲۳۲ میں ہے "نماز بروے علیؑ بقول عباس گذارد۔ روز دیگر ابوبکر صدیق و عمر فاروق و سائر اشراف صحابہ با علی معاتبہ می کردند کہ چرا ما را خبر نکردی تا شرف نماز براو دریافتمی۔ علیؑ عذر گفت من بہ وصیت او چنیں کردم" (کذا فی مدارج النبوۃ) یعنی دوسرے دن ابوبکر و عمر وغیرہ نے حضرت علی سے شکوہ کیا کہ ہمیں کیوں اطلاع نہ دی" تاکہ ہم بھی نماز جنازہ کا شرف حاصل کرتے۔ حضرت علی علیہ السلام نے بی بی کی وصیت پر ایسا کیا ہے" کتاب وفا الوفا سمہودی ج ۲ ص ۹۲ طبع مصر میں لکھا ہے "ان ابابکر علم بذلک واحب ان لا یرد غرض علیؑ کتمانہ منہ" (یعنی ابوبکر کو (وفات سیدہؑ) کا علم تو ہو گیا تھا مگر اس نے چاہا کہ حضرت علیؑ کی پوشیدہ رکھنے سے جو غرض ہے وہ پوری ہو جائے (اس لئے جنازہ میں شریک ہونے کی کوشش نہ کی)

ایک عجیب دروغ بے فروغ

ان لوگوں کی ڈھٹائی قابل داد ہے اگرچہ صحیح مسلم (ج ۲ ص ۹۱) وغیرہ میں یہ تصریح موجود ہے کہ حضرت علیؑ نے جناب سیدہؑ کی نماز جنازہ پڑھائی اور ابھی اوپر کتب اہلسنت سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ ابوبکر و عمر جناب سیدہؑ کے جنازہ میں شریک بھی نہ تھے۔ مگر ہمارے فاضل مؤلف یہ راگ الاپتے ہیں کہ بنت رسول کی نماز جنازہ ابوبکر نے پڑھائی اور وہ بھی چار تکبیر یک دو شد دو شد۔ سچ ہے ع

بے حیا باش وہر چہ خواہی کن

حالانکہ مؤلف نے جو حوالہ دیا ہے۔ ان کے اکابر علماء اسے رد کر چکے ہیں۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانی اصابہ ج ۴ ص ۳۷۹ پر اور زرقانی شرح مواہب ج ۳ ص ۲۰۷ پر یہی روایت نقل کر کے لکھتے ہیں "ھذا فیہ ضعف وانقطاع" ـــــ اور سیرۃ حلبیہ ج ۳ ص ۳۹۰ میں لکھا ہے "ثبت عندنا ان علیا کرم اللہ وجھہ دفنھا رضی اللہ عنھا لیلا وصلی علیھا ـــــ" یہ بات ہمارے نزدیک پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ حضرت علیؑ نے جناب سیدہؑ کو رات کے وقت دفن کیا اور خود ان پر نماز جنازہ پڑھائی"

واقعہ فدک سے سنیوں کی گلو خلاصی ناممکن ہے

الغرض اہلسنت جس قدر چاہیں ہاتھ پیر ماریں واقعہ فدک سے

ان کی اور ان کے خلیفہ کی گلو خلاصی ہرگز نہیں ہو سکتی ہے اسی لئے محدث عبدالحق دہلوی نے تسلیم کیا ہے کہ "مشکل ترین قضایا قضیہ فدک است"

واقعۂ فدک پر بعض منصف مزاج علمائے اہلسنت کا بے لاگ تبصرہ

آخر کلام میں واقعۂ فدک اور آزردگی بتول اور جفا کاری امت رسولؐ کے متعلق بعض اہل انصاف علمائے اہلسنت کا بے لاگ تبصرہ نقل کر کے اس مبحث کو ختم کیا جاتا ہے۔

(۱) مولانا صدر الدین حنفی اپنی کتاب روائح المصطفیٰ طبع کانپور ص۴۶ پر لکھتے ہیں "بعد از وفات پیغمبر واقعات بسیار گذشتہ مثل معاملۂ فدک و سقط شدن حمل او و تہدید نمودن عمر خطاب بنی ہاشم را کہ درخانۂ زہراء اجتماع نمودہ بودند و نالہ و شیون نمودن حضرت زہراؑ پیش انصار طولے وارد و ذکر نمودن اولی تر است وصیت نمودن حضرت زہراؑ کہ ہیچ کس بر جنازۂ او حاضر نہ شود۔ دلیل صریح است کہ حضرت زہراؑ از آنہا دلمول از دنیا رفت۔ اکنون تاویل ہر چہ خواہند کنند۔ ـــــ و مرثیہ برائے پیغمبر انشاء نمودہ یک بیت از اں قصیدہ این است۔

صبت علی مصائب لو انہا
صبت علی الایام صرن لیالیا

(۲) مولانا حافظ نذیر احمد مترجم قرآن دہلوی اپنی کتاب رویائے صادقہ ص۱۹۵ طبع پنجم پر لکھتے ہیں "جو شخص سب سے زیادہ پیغمبر کی وفات سے متاذی ہوا وہ جناب فاطمہؑ تھیں۔ والدہ پہلے انتقال فرما چکی تھیں اب ماں اور باپ دونوں کی جگہ پیغمبر صاحب صلعم تھے اور باپ بھی کیسے باپ؟ دین و دنیا کے بادشاہ ایسے باپ کا سر سے اٹھ جانا۔ اس پر حضرت علیؑ کا خلافت سے محروم ہونا۔ بہ بجز احت ترکہ پدری باغ فدک کا دعویٰ کرنا اور مقدمہ کا ہار جانا۔ کسی دوسرے کو ایسے پیہم صدمات پہنچتے تو وہ زہر کھا کر مر جاتا۔ مگر ان کے صبر و تحمل ان ہی کے ساتھ تھے پھر بھی انہی رنجوں میں گھل گھل کر چھ ہی مہینے کے اندر انتقال فرما گئیں اور جتنے دن زندہ رہیں ان لوگوں سے جنہوں نے رنج دیئے تھے نہ بولیں اور نہ بات کی یہاں تک کہ ان لوگوں کو اپنے جنازہ پر آنے کی مناہی کر دی اور شب کے وقت مدفون ہوئیں انا للہ وانا الیہ راجعون مانا کہ انکا غصہ کس قدر بے جا بھی تھا (معاذ اللہ ناقل) تاہم ان کے باپ کے حقوق کیا چاہتے تھے جناب فاطمہؑ کے دل غمزدہ کو خوش کرنے کیلئے جناب علیؑ کو اگر وہ اہل بھی نہ تھے (معاذ اللہ۔ ناقل) برائے نام خلافت دے دی ہوتی اور آپ انتظام کیا ہوتا خیر خلافت تو کون دیتا! مگر باغ فدک کے دینے میں آخر کونسی

قباحت تھی؟ غایۃ ما فی الباب حدیث شریف نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ما ترکنا صدقۃ کے خلاف ہوتا۔ اگر گناہ ہوتا تو جناب فاطمہؓ کو ہوتا جو بیدانی ہو کر صدقہ کھاتیں سخت افسوس کی بات ہے کہ اہلبیت نبوی کو پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد ہی ایسے ناملائم الفاظات پیش آنے کہ انکا وہ ادب احترام نہ جو ہونا چاہیئے تھا۔ اس میں ضعف آگیا اور وہ شدہ شدہ منجر ہوا اس ناقابل برداشت واقعہ کربلا کی طرف جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے وہ ایسی نالائق حرکت مسلمانوں سے ہوئی ہے کہ اگر سچ پوچھو۔ تو دنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہیں" وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون ــــ

ساتواں طعن حضرت ابوبکر کا قول ہے۔ لست بخیر کم وعلی فیکم اقیلونی اقیلونی (میں تمہارے لئے بہتر نہیں ہوں جبکہ علی تم میں موجود ہیں مجھے واپس کرو۔ واپس کرو۔ اس سے فضیلت حضرت علی ــــ ابوبکر پر ثابت ہوتی ہے اور افضل کی موجودگی میں مفضول خلیفہ نہیں ہو سکتا۔

جواب اولاً یہ کہ یہ صرف شیعہ کی گھڑت ہے۔ اہلسنت کی کسی مستند کتاب میں اس کا وجود نہیں ہے ــــ ثانیاً۔ صحابہ کرام کے اس قسم کے اقوال بے نفسی اور زہد واتقا کی وجہ سے ہوتے تھے۔ جیسا کہ حضرت علی نے فرمایا کہ میرا وزیر ہونا میرے امیر ہونے سے بہتر ہے ــــ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے دل میں طمع خلافت ــــ نہ تھی یہ بارِ گراں اہل حل وعقد نے بالاجماع ان کی گردن پہ رکھ دیا ــــ تکبر وغرور شیطانی اوصاف ہیں۔ بزرگانِ خدا باوجود کمال وجلال خود کو سب سے کمتر سمجھتے ہیں ــــ ہے

رانده شد ابلیس از مستکبری
گشت مقبل آدم از مستغفری

(آفتاب صہ ۲۵۴/۲۵۵)

الجواب مؤلف کا اس روایت کو شیعہ کی من گھڑت قرار دیتے ہوئے کتب اہلسنت میں اسکے وجود کا انکار کرنا ان کے اپنی کتابوں سے نابلد ہونے کی بین دلیل ہے۔ حالانکہ یہ ان کی مستند کتابوں میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہوں ابطال الباطل ابن روزبہان، سر العالمین غزالی اور تذکرۃ الخواص سبط ابن جوزی وغیرہ۔

اور بنا بر تسلیم مؤلف نے اس کی جو یہ تاویل کی ہے کہ یہ محض کسر نفسی کے طور پر کہا ہے یہ تاویل بالکل علیل ہے اولاً کسر نفسی کا اپنا ایک مقام و محل ہوتا ہے کیا یہ ممکن ہے کہ خدا کسی شخص کو نبی بنائے اور وہ لوگوں سے کہتا پھرے لوگو مجھے چھوڑ دو کیونکہ فلاں شخص موجود ہے (یعنی اس کو نبی مان لو)؟ جب نبی ایسا نہیں کر سکتا تو وصی کس طرح کر سکتا ہے؟

ثانیاً۔ بالفرض اگر یہ کلام بطور کسر نفسی ہوتا تو پھر حضرت امیرؑ کا نام گرامی صراحت کے ساتھ نہ لیا جاتا۔ بلکہ صرف یہ کہا جاتا کہ تم سب مجھ سے بہتر ہو۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ بموجب الحق یجری علی اللسان یہ حق بات ان کی زبان پر جاری ہوئی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرت علیؑ کو اپنے سے افضل جانتے تھے اور اس حقیقت کا کوئی بھی صحیح الدماغ آدمی انکار نہیں کر سکتا کہ افضل کی موجودگی میں مفضول مسندِ خلافت پر بیٹھنے کا حقدار نہیں ہے۔

ـــــ مؤلف نے یہ بڑی طرفہ کی بات کی ہے کہ "ابوبکر کے دل میں خلافت کی طمع نہ تھی اہل حل وعقد نے یہ بارگراں ان کی گردن میں ڈال دیا" ہم آیات فضائل صحابہ میں سے پہلی آیت کے جواب میں واضح کر چکے ہیں کہ یہ صاحب اسلام ہی طمع خلافت و امامت میں لائے تھے اور یہ مطلب بھی کئی بار واشگاف کر چکے ہیں کہ جس طرح نبی و رسول خدا منتخب کرتا ہے۔ خلافت الٰہیہ کے لئے بھی مناسب افراد کا انتخاب وہی کرتا ہے۔ اجماع و شوریٰ سے کوئی شخص نہ نبی بن سکتا ہے اور نہ خلیفۂ نبی اور یہ کہ ابوبکر صاحب کی خلافت پر تو اہل حل و عقد کا بھی اجماع نہیں ہوا سقیفہ میں جو چند افراد موجود تھے (جبکہ تمام بنی ہاشم غیر حاضر تھے) ان میں بھی باہمی کشمکش لگی ہوئی تھی اور ہر سو سے "منا امیر و منکم امیر" کی آوازیں بلند تھیں ـــــ مہاجر و انصار کی باہمی تو تکار و تکرار یہاں تک رفتار تک پہنچ رہی تھی کہ جناب عمر کی چابکدستی سے بڑے ڈرامائی انداز میں ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت ہو گئی (شرح مواقف وغیرہ) اسی بنا پر عمر کہا کرتے تھے کانت بیعۃ ابی بکر فلتۃ وقی اللہ شرها (بخاری شریف)

اگر ابوبکر صاحب خلافت کے خواہشمند نہ تھے تو اپنی بیعت لینے کے لئے حضرت علی کو ظلم و ستم کا نشانہ کیوں بنایا؟ اور خدر و انہ فاطمہ پر آگ و لکڑیاں جمع کر کے گھر کو آگ لگانے کی دھمکیاں کیوں دی گئیں؟ (الامامۃ والسیاسۃ وغیرہ) قبل ازیں تفصیل کے ساتھ ان امور پر تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ ان حقائق سے معلوم ہوا کہ خدا نے قدرت سے یہ جملہ ابوبکر کی زبان پر جاری کر دیا ہے۔ تا کہ ان کی نا اہلی اور حضرت امیرؑ کی افضلیت و اہلیت پر مہر تصدیق ثبت ہو جائے "ویحق اللہ الحق بکلماتہ"۔

آٹھواں طعن ابو بکر نے اپنے نفاق کا خود اقرار کیا ہے اور ایسا شخص قابل خلافت نہیں ہو سکتا۔ جواب ۱۔ متقدمین شیعہ کسی قدر شرم وحیا سے بھی کام لیتے تھے لیکن آج کل کے شیعہ تو بے حیا باش ہر چہ خواہی کن کے مصداق ہو کر ایسی بے تکی ہے

"عربی نہ فارسی نہ تھ کی نہ تال کی نہ شعر کی"

ہانگ دیا کرتے ہیں ——— ہم اصل حقیقت کو بے نقاب کرنا ضروری سمجھتے ہیں

———

——— ترمذی میں ایک حدیث یوں لکھی ہے "عن حنظلۃ الاسدی" (بحذف عربی) حنظلہ اسدی سے مروی ہے جو حضور علیہ السلام کے کاتبوں میں سے تھا کہ ابو بکر کے پاس سے گذرا جبکہ وہ رو رہا تھا۔ ابو بکر نے پوچھا تجھے کیا ہوا؟ کہا حنظلہ منافق ہو گیا ہے! اے ابو بکر! ہم رسول خدا کے پاس ہوتے ہیں جبکہ ہمیں دوزخ و بہشت کی یاد دلاتے ہیں ——— پھر جب گھروں میں آتے ہیں عورتوں اور کام کاج کے شغل میں ہو جاتے ہیں اور بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ ابو بکر نے کہا بخدا میرا بھی یہی حال ہے چل رسول اللہ کے پاس چلیں۔ ہم دونوں رسول کے پاس گئے آپ نے دریافت کیا حنظلہ کیا بات ہے؟ میں نے کہا حضور حنظلہ منافق ہو گیا ہے۔ ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں آپ ہمیں دوزخ (وہی سابقہ تقریر دہرائی ہے ——— ناقل) ——— حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر تم اسی حالت پر رہو جو میرے پاس تمہاری حالت ہو جاتی ہے فرشتے تم سے تمہاری مجلسوں میں آکر بلکہ تمہارے بستروں پر اور راستوں میں مصافحہ کریں لیکن اے حنظلہ ساعت ساعت حالات بدلتے رہتے ہیں ——— اب اہل انصاف غور کریں کہ اس واقعہ سے حنظلہ اور ابو بکر کے نفاق کا ثبوت ملتا ہے یا ان کے کمال ایمان اور خوف وخشیۃ الٰہی ثابت ہوتی ہے ———

——— (یہاں شیعہ علماء و مجتہدین کا توہین آمیز کلمات کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔ ناقل)۔

اسی مضمون کی حدیثیں اصول کافی میں بھی موجود ہیں چنانچہ صفحہ [illegible] میں ہے "دخل علی ابی جعفر علیہ السلام حمران بن اعین ——— (اس مقام پر ترمذی والی حدیث کی ہم مضمون دو روایتیں اصول کافی سے مع ترجمہ نقل کی ہیں۔ بعد ازاں ان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے

ناقل) ان دو احادیث نے جو شیعہ کی مستند کتاب اصول کافی سے بروایت ائمہ اہلبیت مذکور ہیں، حدیث حنظلہ کی تشریح کر دی ہے جن کا مضمون بعینہ وہی ہے بلکہ اس سے کچھ زائد ہے کہ اصحاب کمال خوف الٰہی سے ذرہ ذرہ باتوں سے کانپ جاتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہو کر استفسار کیا کرتے تھے کہ ایسے وسوسوں سے ہماری ایمانی حالت میں کچھ خلل تو نہیں آجاتا حضور ان کی تشفی فرمایا کرتے تھے خدا کی قسم تمہاری ایمانی حالت میں ان باتوں سے تغیر نہیں ہوتا —— خاصان خدا کا یہ خاصہ ہوتا ہے کہ باوجود عدم صدور ذنب کے وہ خود کو گنہگار کہتے ہیں اصول کافی ص۲۷۵ پر ایک حدیث ہے کہ واللہ ما ینجو من الذنب الا من اقر بہ (بخدا گناہ سے وہ شخص نجات پاتا ہے جو گناہ کا اقراری ہو) دیکھو حضرت یوسف علیہ السلام جو پیغمبر معصوم تھے کہتے ہیں وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء —— کیا معترض اس سے یہ استدلال کرے گا کہ حضرت یوسف معاذاللہ گناہ سے مبرا نہ تھے؟ —— ہاں یہ بتاؤ کہ نبی آخرالزمان کو تو تم معصوم مانتے ہو۔ لیکن اصول کافی ص۲۶۴ میں ایک حدیث ہے (بحذف عربی) —— امام جعفر صادقؑ کا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دن میں ستر مرتبہ اللہ عزوجل سے طلب مغفرت کرتے تھے) کیا اس سے یہ قیاس ہو سکتا ہے کہ العیاذ باللہ آپ گنہگار تھے پھر جناب امیرؑ جن کو شیعہ معصوم سمجھتے ہیں اپنی خطاؤں کا ذیل میں اقرار فرما کر طلب مغفرت کرتے ہیں۔

ذنوبی مذ ذقی فحا جیلتی
اذا کنت فی الحشر حسا لہا

—— اب بتاؤ ان اشعار سے ایک خارجی یہ استدلال کر سکتا ہے کہ اس کی منطق کی زد الٹی اس کے مذہب پر اور پیشوائے مذہب (حضرت علی المرتضیٰ) پر پڑتی ہے —— بات یہ ہے کہ محبان حضور کبریائی اپنی عبادات کو بھی بمقابلہ نعمت ہائے غیر متناہی جو واہب العطایا سے انہیں حاصل ہیں۔ گناہ سمجھ کر ہر وقت باعتراف اس کی بارگاہ سے طلب مغفرت کیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ ملا باقر مجلسی نے حیات القلوب ص۵۴ میں اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے "حسنات الابرار سیئات المقربین نیکوں کی نیکیاں مقربین کی بدیاں متصور ہوں گی" (آفتاب ص۲۵۹)

الجواب اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ شیعیان حیدر کرار ابوبکر کو سچا و پکا مسلمان اور مخلص باایمان
نہیں جانتے بلکہ ...... جانتے ہیں۔ لیکن ان کے اس نظریہ کی بنیاد اس واقعہ پر نہیں
ہے جس کے جواب میں مؤلف نے اسقدر طول لاطائل سے کام لیا ہے (اگرچہ اس واقعہ سے بھی ان
کے کمال ایمان کی نفی ہو جاتی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ اگر مومن کامل ہوتے تو ان کی خلوت وجلوت اور ظاہر
وباطن اور حضور وغیاب برابر ہوتا۔ اور اس میں یہ تغیر و تبدل اور بوقلمونی نہ ہوتی۔ انما المومنون الذین
آمنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا) بلکہ ہمارے اس اعتقاد کا سنگِ بنیاد اور بعض تلخ حقائق پر
ہے۔ جن میں سے بعض حقائق سابقہ ابواب (بالخصوص بحث ایمان ابوبکر) میں ذکر کئے جا چکے ہیں
اور بعض کی طرف یہاں اشارہ کیا جاتا ہے۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر سے خطاب کرکے فرمایا الشرک فیکم اخفی من
دبیب النمل! اے ابوبکر! شرک تم میں چیونٹی کی رفتار سے بھی زیادہ مخفی چلتا ہے! ابوبکر نے کہا هل
الشرک الا ان یجعل مع اللہ الٰہ آخر کیا شرک یہ نہیں کہ خدا کے ساتھ کوئی اور خدا مانا جائے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا۔ الشرک فیکم اخفی من دبیب النمل (تفسیر ابن کثیر
مطبوعہ برحاشیہ فتح البیان طبع مصر ج ۵ ص ۲۲۹ تفسیر در منثور ج ۴ ص ۵۴، کنز العمال ج ۲ ص ۹۷-۹۸
اور کنز العمال ج ۲ ص ۱۶۹ میں تو یہاں تک مذکور ہے کہ ابوبکر کے سوال (هل الشرک ......)
آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ثکلتک امک یا ابابکر الشرک فیکم اخفی من دبیب ال
اے ابوبکر تمہاری ماں تمہارے ماتم میں بیٹھے۔ تم میں شرک چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی چلتا
تفسیر در منثور کے اسی مقام اسی جلد پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلفیہ بیان موجود ہے فرمایا والذی
نفسی بیدہ ان الشرک الخ مجھے اس خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے (شرک تم میں الخ) اہل
انصاف فرمائیں جسے رسول اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حلفیہ طور پر مشرک فرمائیں ہم کیوں کر اسے مومن تسلیم کر
سکتے ہیں؟

(۲) ایک مرتبہ ابوبکر صاحب نے اہل یمن کو خوف خدا سے روتے ہوئے دیکھ کر کہا هکذا کنا
ثم قست القلوب۔ ہم بھی کبھی ایسے ہی تھے مگر پھر دل سخت ہو گئے (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۲۶ طبع
تاریخ الخلفاء، ص ۹۷ طبع لاہور حالانکہ خداوند عالم بطور حصر ارشاد فرماتا ہے انما المومنون الذین
اذا ذکر اللہ وجلت قلوبہم مومن تو بس وہی ہیں کہ جب خدا کا ذکر کیا جاتے تو ان کے
دل ڈر جائیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو قسی القلب ہے وہ مومن نہیں ہو سکتا۔

(۳) نیز یہ حقیقت بھی مسلّم ہے کہ حضرت علیؑ جو (الحق مع علی و علی مع الحق کے مصداق تھے) ابوبکر کو کاذب، آثم، خائن و غادر سمجھتے تھے (صحیح مسلم ج ۲ ص۹۲ طبع دہلی مع شرح النووی) اب یہ بات محتاج بیان نہیں کہ جسے رسول مشرک، علیؑ کاذب و آثم اور وہ خود اپنے تئیں قسی القلب سمجھتا ہو وہ مسند نبوی کا وارث نہیں ہو سکتا۔۔۔ باقی اس سلسلہ میں مؤلف نے جو غیر متعلق باتیں کیں ہیں ان کا اس موضوع سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ علاوہ بریں انکا جواب باصواب وہی ہے جو خود مؤلف نے سرکار علامہ مجلسیؒ کی ہمنوائی میں دے دیا ہے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین والحمد للہ علی ظہور الحق والحقیقۃ۔

مؤلف نے صرف انہی آٹھ عدد مطاعن بکریہ کا جواب دینے کی سعی لاحاصل کی ہے جن کا جواب الجواب پیش کر کے ہم نے ان کے جوابوں کا تار و پود فضائے محیط میں بکھیر کر یہ بات ثابت کر دی ہے کہ ان مطاعن سے ابوبکر اور اس کے ماننے والوں کی کبھی گلو خلاصی نہیں ہو سکتی حتی یلج الجمل فی سم الخیاط۔۔۔ اس کے بعد مؤلف نے مطاعن عمریہ ذکر کر کے ان کے جوابات دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔ مگر ہم سلسلہ کلام کو آگے بڑھانے سے قبل یہاں ابوبکر صاحب کے مزید چند مطاعن اجمالاً ذکر کرتے ہیں۔ جن کے دیکھنے سے یہ حقیقت اور بھی اجاگر ہو جاتی ہے کہ ایسا شخص کسی طرح بھی عہدۂ جلیلۂ خلافت نبویہ کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ وہو المراد۔۔۔

طعن نمبر ۹ ایک شخص مرگیا اس کی دادی نے ابوبکر صاحب سے اپنے حصہ وراثت کا سوال کیا انہوں نے کہا تیرے لئے کتاب خدا اور سنت رسول میں کچھ نہیں۔ اسوقت واپس لوٹ جا تاکہ میں لوگوں سے دریافت کروں چنانچہ خلیفہ صاحب نے جب لوگوں سے اس بارے میں سوال کیا تو مغیرہ بن شعبہ نے کہا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دادی کو چھٹا حصہ دیا تھا ابوبکر نے گواہ طلب کیا۔ محمد بن مسلمہ نے اٹھ کر گواہی دی۔ تب ابوبکر نے اسے حصہ دلوایا۔۔۔ (ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۱۰۲ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۴۶، صواعق محرقہ ص ۲۱ وغیرہ) جس شخص کی علمی حالت یہ ہو کہ میراث کے عامۃ البلوی مسائل بھی نہ جانتا ہو کیا وہ بھی خلیفۃ النبی ہو سکتا ہے؟؟

طعن نمبر ۱۰ تاریخ اسلام کا یہ بہت ہی تکلیف دہ واقعہ ہے کہ کچھ لوگوں نے ابوبکر کو صحیح جانشین رسول نہ سمجھتے ہوئے اس کے عمّال کو زکوٰۃ دینے سے انکار کیا ابوبکر نے خالد بن ولید کو ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ جس نے اس قبیلہ کو تہس نہس کر دیا اور سردار قبیلہ مالک بن نویرہ کو قتل کرنے کے بعد اسی رات اسکی بیوی سے منہ کالا کیا دربار خلافت میں اس کے اس فعل شنیع کی گواہیاں بھی دی گئیں مگر بایں ہمہ ابوبکر صاحب نے خالد پر قہر الٰہی

بخاری نہ کی (تاریخ طبری، کامل، کنز العمال، روضۃ الاحباب و تاریخ خمیس وغیرہ) کیا ایسے سنگین جرم کا ارتکاب کرنے والا اور حدود شرعیہ کو معطل کرنے والا شخص بھی خلیفہ رسول ہو سکتا ہے؟

طعن نمبر ۱۱ ابوبکر نے فجاءۃ اسلمی کو آگ میں جلا دیا حالانکہ شرعاً کسی کو آگ میں جلانا ممنوع ہے اس کا جرم صرف یہ تھا کہ اس نے ابوبکر کی اطاعت نہیں کی تھی، کلمہ شہادتین پڑھتے ہوئے جل گیا (استیعاب ج ۱ ص ۳۲۲ وغیرہ) اس کے جواب میں یہ کہنا کہ حضرت علی نے ابن سبا کو آگ میں جلا دیا تھا" درست نہیں ہے کیونکہ جناب امیرؑ کا اسے جلانا ثابت نہیں بلکہ زیادہ معتبر روایت یہ ہے کہ اسے جلاوطن کیا تھا (ملاحظہ ہو تنقیح المقال۔ از علامہ مامقانی)

طعن نمبر ۱۲ ابوبکر نے چور کا بایاں ہاتھ قلم کرایا۔ حالانکہ شرعاً اس کا دایاں ہاتھ قطع کرنے کا حکم ہے (جیسا کہ کتب تاریخ میں مذکور ہے)

طعن نمبر ۱۳ پوری تفسیر تو درکنار ابوبکر صاحب کو بعض مفردات قرآنی کے معانی بھی معلوم نہیں تھے چنانچہ جب ان سے "وفاکہۃ وابا" کے معنی دریافت کئے گئے تو انہوں نے لا علمی ظاہر کی (تفسیر اتقان ج ۲ ص ۱۱۵ وغیرہ)

طعن نمبر ۱۴ باوجودیکہ لوگ اعتراض کرتے رہے مگر ابوبکر صاحب نے بلا استحقاق اپنے بعد عمر کو اپنا نائب نامزد کر ہی دیا (کنز العمال ج ۳ ص ۱۴۶ ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۱۷ وغیرہ) حالانکہ حقیقی نائب رسولؐ (حضرت امیرؑ) کی موجودگی میں نہ خود اسے منبر رسولؐ پر قدم رکھنے کا حق تھا اور نہ ہی کسی اور کو خلیفہ بنانے کا ___ کیا جس شخص کی علمی و عملی حالت یہ ہو وہ بھی رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ و جانشین ہو سکتا ہے؟ حاشا و کلا! ؎

مانو نہ مانو جان جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جائیں گے

نواں طعن حدیث بخاری کی حدیث ہے قال ابن عباس یوم الخمیس ___ بحذف عربی ابن عباس نے کہا جمعرات کا دن اور وہ کیسا دن تھا کہ اس میں آنحضرت کو درد کی شدت تھی پس فرمایا لاؤ میرے پاس تمہیں ایک تحریر لکھ دوں ___ کہ تم کبھی اس کے بعد گمراہ نہ ہو سکو حاضرین آپس میں جھگڑنے لگے اور کہنے لگے آپ کا کیا حال ہے۔ کیا ہجرت (دنیا سے) کرنے کو ہیں آپ سے دریافت کرو۔ ان لوگوں نے آپ سے سوالات کرنے شروع کئے۔ پھر آپ نے

فرمایا مجھے چھوڑ دو کیونکہ جس حالت میں میں ہوں اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو پھر آپ نے تین وصیتیں کیں (۱) یہ کہ کفار مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو (۲) کہ وفدوں کو میری طرح عطیے دیتے رہنا تیسری سے ابن عباس نے سکوت فرمایا کہا اسے بھول گیا ہوں۔

توضیح بخاری میں یہ حدیث باختلاف الفاظ متعدد جگہ مذکور ہے کسی جگہ ہے ایتونی بالکتف واللوح والدواۃ ___ فقال بعضھم ان رسول اللہ علیہ الوجع وعندکم القرآن حسبنا کتاب اللہ ___ ایک جگہ ہے فقال عمر ان رسول اللہ ___ قد غلبہ الوجع ___ عمر نے کہا حضور کو اس وقت تکلیف ہے اور تمہارے پاس قرآن ہے کتاب اللہ کافی ہے پس گھر والوں نے اختلاف شروع کر دیا بعض کہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کاغذ دو ___ بعض وہ بات کہتے تھے جو عمر کہتے تھے جب شور وغل پڑ گیا تو حضور نے فرمایا چلے جاؤ ___

خلاصہ طعن شیعہ ___ (۱) عمر نے قول آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم رد کیا جو سراسر وحی تھا اور رد وحی کفر ہے (۲) عمر نے قول آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ہذیان سے تعبیر کیا یہ کمال گستاخی ہے (۳) عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ___ سے حضور رفع صوت کیا جو حکم آیت لا ترفعوا اصواتکم ممنوع ہے (۴) وصیت میں رکاوٹ ڈال کر حق امت تلف کیا ___

الجواب اوّل یہ حدیث جتنے طرق سے مروی ہے سب میں آخری راوی عبداللہ بن عباس ہیں حالانکہ ___ اس وقت ان کی عمر تیرہ سال کی تھی ___ اور تیرہ سال کے نابالغ بچے کی اکیلی شہادت کب قبول ہو سکتی ہے ___ جبکہ حضور کی مرض الموت کے وقت تمام اصحاب اور اہل بیت رسول کا موجود ہونا ضروری ہے ___ پھر جب ان اکابر صحابہ سے جن میں حضرت علی المرتضیٰ بھی شامل ہیں کوئی بھی اس واقعہ کی روایت نہیں کرتا تو ایک نابالغ بچے کی شہادت کس طرح قابل سماعت ہو سکتی ہے ___

دوم ___ سب سے بڑا الزام جو حضرت عمر کے ذمے تھوپا جاتا ہے یہ ہے کہ انہوں نے قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہذیان سے نسبت دی لیکن حدیث سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا جس لفظ سے شیعہ صاحبان خوش فہمی سے ہذیان کا معنی لیتے

ہیں وہ اہجر ہے لیکن حدیث میں یہ نہیں کہ یہ لفظ حضرت عمر نے کہا حدیث میں قالوا ماشانہ اھجر استفھموہ لکھا ہے حاضرین نے یہ لفظ کہا ۔۔۔ نیز اہجر کا معنی ہذیان کرنا شیعوں کی ڈبل جہالت کی دلیل ہے معنی عبارت یہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے کیا آپ دنیا سے ہجرت فرمانے لگے ہیں۔ آپ سے دریافت تو کرو۔ اگر ہجرت کے معنی ہذیان کئے جائیں تو استفھموا کا معنی صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جس شخص کی نسبت یہ گمان ہو کہ اس کے حواس مختل ہو گئے ہیں ۔۔۔ تو کوئی پاگل بھی یہ نہیں کہے گا کہ اس سے پوچھو تو سہی کہ تمہارے اس کلام کا مفہوم کیا ہے ۔۔۔

۔۔۔ علاوہ ازیں اگر ہجر کا معنی بفرض محال ہذیان بھی کئے جائیں تو چونکہ لفظ ہجر میں ہمزہ استفہام موجود ہے اور یہ استفہام انکاری ہوگا تو پھر بھی شیعوں کا مدعی پورا نہیں ہو سکتا۔ مطلب قائل کا یہ ہے کہ جو کچھ حضور فرما رہے ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ آپ ہذیان نہیں کہہ رہے ہیں اسلئے آپ سے دریافت کرنا چاہیئے کہ اس تحریر سے بحکم وحی کسی ضروری مسئلہ کا بتلانا مقصود ہے یا بطور استحسان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ فرمانا چاہتے ہیں جو زبانی بھی ہو سکتا ہے یا اس کے بعد بھی ۔۔۔ اور احادیث سے یہ ظاہر ہے کہ اس معاملہ میں حاضرین دو فریق میں منقسم ہو گئے تھے بعض اصرار کرتے تھے کہ قلم دوات، کاغذ حاضر کیا جائے۔ بعض قول عمر سے اتفاق کر کے کہتے تھے کہ مسائل دین و دنیا کی تکمیل بذریعہ قرآن کریم ہو چکی ۔۔۔ اس لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ایسے وقت تکلیف میں ڈالنا عشاق ذات احمدی گوارا نہیں کر سکتے۔ پھر ان دو فریق میں ایک طرف حضرت علی اور بنو ہاشم بھی ضرور ہوں گے اور وہ الزامات جو بلا وجہ حضرت عمر کے ذمہ لگائے جاتے ہیں ان کے ذمہ دار جناب امیر اور جملہ بنی ہاشم بطریق اولی ہوں گے ۔۔۔ جناب امیر کا فرض تھا کہ فوراً اشیاء مطلوبہ حاضر کر کے تحریر لے لیتے۔

کیا وہ تحریر ضروری تھی؟

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ جناب جس امر کے لئے کاغذ قلم دوات طلب فرماتے تھے وہ کوئی ضروری امر تھا جو وحی کے ذریعہ اس کا حکم تھا یا ویسے مصلحتاً حضور صلے اللہ علیہ وسلم کرنا

چاہتے تھے ـــــ شیعہ کہتے ہیں کہ اس وقت جناب خلافت علی المرتضیٰ کے متعلق لکھنا چاہتے تھے لیکن یہ بات شیعہ کے سخت برخلاف ہے کیونکہ اس سے شیعہ کے باقی تمام استدلالات پر پانی پھر جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تہ بروز خم غدیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت علی کا اعلان فرمایا اور نہ کوئی حدیث یا آیات اسوقت تک خلافت علیؓ پر موجود تھی ـــــ اور وصیت تحریری نہیں ہوئی شیعہ حضرات کو ناکامی پہ ناکامی کا سامنا ہوا ہے

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

ـــــ علاوہ ازیں اگر تحریر ضروری اور حکم وحی تھی اور محض چند اشخاص کے اختلاف رائے کے باعث حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس ـــــ کی تعمیل سے قاصر رہے تو آپ کے ذمے سخت الزام عائد ہوتا ہے کہ آپ نے فرض تبلیغ میں کوتاہی کی اور حضرت علی اور دیگر اہل بیعت کے ذمے الزام ہے کہ انہوں نے ـــــ رسولپاک صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد نہ کی ـــــ اور اس بات کا عملی ثبوت کہ تحریر کوئی ضروری امر نہ تھا یہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اسکے بعد چار روز تک زندہ رہے اور افاقہ بھی ہوتا رہا لیکن پھر نہ کاغذ قلم دوات طلب فرمایا نہ کوئی تحریر کی ـــــ دوسرا ثبوت اس کا حدیث میں موجود ہے کہ ان دو فریق سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فریق کی رائے سے اتفاق فرمایا جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ تکلیف نہ دینا چاہتے تھے دوسرے فریق کو آپ نے ڈانٹ دیا کہ مجھے بے وجہ تکلیف نہ دو ـــــ شیعہ اس حدیث سے کسطرح دلیل پکڑ سکتے ہیں کہ خلافت علیؓ کی ہی وصیت لکھنا مقصود تھی۔ ممکن ہے کہ خلافت صدیقؓ کا لکھنا منظور ہو اور چونکہ بنی ہاشم کو حضور کا رجحان معلوم تھا کہ امامت نماز پر بھی آخری وقت ابوبکر صدیقؓ کو ہی مامور کیا گیا۔ اس لئے قلم کاغذ و دوات پیش کرنے سے اہلبیت نے تامل کیا ـــــ

حدیث میں اختلاف اور شور و غل کو اہلبیت کی طرف منسوب کیا گیا ہے فاختلف اهل البیت ـــــ پھر تعجب ہے اور تو سب جگہ اہلبیت سے مراد حضرت علیؓ و فاطمہؓ و حسنینؓ مراد لئے جاتے ہیں۔ لیکن یہاں اہلبیت سے حضرت عمرؓ اور ان کے طرفداران مراد لئے جاکر اختلاف ـــــ کا ذمہ دار ان ہی کو قرار دیا جاتا ہے۔

ـــــ حدیث میں تنازعوا، اختصموا، قالوا وغیرہ سب جمع کے صیغے استعمال ہوئے ہیں

اور اس تنازعہ و جھگڑا اور رفع الصوت رد قول رسولؐ حق تلفیٔ امت میں جملہ حاضرین حجرہ جن میں علی المرتضےٰ اور بنو ہاشم وغیرہ بھی تھے سب یکساں شریک ہیں اگر قصور ہے تو سب کا نہیں تو کسی کا بھی نہیں۔

حسبنا کتاب اللہ ہاں یہ قصور حضرت عمر کا ہے کہ انہوں نے عشق ومحبت رسول کی وجہ سے یہ رائے پیش کر دی کہ جب یہ مسلم امر ہے کہ دین کا کوئی ایسا امر باقی نہیں ہے کہ قرآن میں مذکور نہ ہو ——— الیوم اکملت لکم دینکم ——— تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی نازک حالت شدت مرض میں تکلیف ڈالنا شیدایان ذات والا کو مناسب نہیں ہے۔ چنانچہ عمر کی سائے زرین سے نہ صرف اکثر حاضرین نے بلکہ حضور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اتفاق فرمایا کر تحریر کی صلاح ملتوی کر دی ———

ردّ قول رسولؐ اگرچہ ردّ قول رسولؐ کی ذمہ داری زیادہ تر اہلبیت رسولؐ کے ذمہ عائد ہوتی ہے لیکن بفرض محال اسکا مجرم حضرت عمر کو ہی قرار دیا جائے تو چونکہ اقتضائے محبت وعشق اور نیک نیتی پر مبنی تھا اس لئے یہ داخل جرم نہیں ہو سکتا۔ اور اگر ہر حالت میں خواہ کسی نیت سے ہو، ردّ قول جرم ہے تو اس جرم کے مرتکب جناب امیرؑ بھی متعدد مرتبہ ہو چکے ہیں۔ چنانچہ شیعہ کی مستند کتاب حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۴۱۹ میں ہے (یہاں مؤلف نے) نے صلح حدیبیہ کے وقت محمد رسول اللہ کی کتابت پر کفار کا اعتراض کرنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جناب امیرؑ کو فرمانا کہ میرے نام سے رسول اللہ کا لفظ کاٹ دیں اور آنجناب کا معذرت طلب کرنا پھر خود ——— آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محو کرنے والا مشہور واقعہ نقل کر کے لکھا ہے) اب شیعہ حضرات انصاف سے بتائیں کہ کیا ردّ قول رسول اور آپ کا عدول حکم نہ تھا

دوسرا واقعہ شریف مرتضےٰ (علم الھدیٰ) اپنی الدرر الغرر میں یوں لکھتے ہیں (یہاں ماریہ قبطیہ والا واقعہ پیش کیا ہے کہ جب لوگوں نے اس مغفور کو اسکے چچا زاد بھائی کے ساتھ متہم کیا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت کو تلوار دے کر بھیجا کہ اگر وہ وہاں مل جائے تو اسے قتل کر دیں وہ دوڑ کر کھجور پر چڑھ

گیا۔ پھر اٹھا نیچے گرا دیا اور پاؤں اوپر کر لئے حضرت امیر نے دیکھا کہ وہ مقطوع الذکر
ہے۔ آپ نے تلوار نیام میں کر لی اور واپس آکر ماجرا بیان کیا۔ حضور
نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے ہم اہلبیت کو رجس سے پاک کیا ہے) اس
حدیث سے پایا جاتا ہے کہ جناب امیر نے حکم رسول کی تعمیل نہ کی اور قبطی کو تلوار
سے قتل نہ کیا ـــــ نوٹ:۔ اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کی ازواج مطہرات بھی اہلبیت ہیں چنانچہ ماریہ قبطیہ کے حق میں یہ لفظ استعمال
فرمایا ـــــ

تیسرا واقعہ شیعہ کی معتبر کتاب ارشاد القلوب دیلمی نے اور محمد بن بابویہ نے
امالی میں یہ روایت لکھی ہے ـــــ (بحذف طویل) رسول پاک
صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ کو سات درہم دیئے اور فرمایا کہ علی کو دو تاکہ وہ اپنے
اہل و عیال کیلئے غلہ خرید لائے کہ وہ گرسنہ شکم ہیں جناب سیدہ نے وہ درہم حضرت
علی کو دے کر فرمائش رسول کی اطلاع دی۔ آپ وہ درہم لے کر غلہ خریدنے گئے۔ تو
ایک شخص کو یہ آواز کرتے سنا کہ کوئی شخص ہے جو غنی راست وعدہ کو قرض دے
آپ نے وہ درہم اسکے حوالے کر دیئے الخ ـــ کیا یہ فرمان نبوی کی مخالفت نہیں
اور رد قول رسول کا جرم امیر پر عائد نہیں ہوتا۔

خلاصہ جوابات اول تو حدیث صرف ایک نابالغ طفل سے مروی ہونے کی
وجہ سے درایۃً حجت نہیں۔ دوم حدیث سے یہ مفہوم نہیں
ہوتا کہ حضرت عمر نے رسول کو ہذیان کی نسبت دی ـــ اور اگر ہجر کا معنی ہذیان ہی
لیا جائے تو یہاں استفہام انکاری ہونے کی وجہ سے نفی ہذیان ہو رہی ہے ـــ حسبنا
کتاب اللہ کہنا کوئی جرم نہیں۔ نبی علیہ السلام کا یہ فرمانا فیصلہ خلافت لکھنے کے لئے
نہ تھا ایسا ہو تو شیعہ کا ادعائیں خلافت علی کی تمام عمارت گر جاتی ہے ـــ یہ درست
نہیں ہے کہ نبی علیہ السلام کو کسی دینی ضروری امر کے متعلق کچھ لکھنا چاہتے تھے اور
حضور پر الزام آتا ہے کہ آپ نے تبلیغ حکم الہی میں قصور کیا۔
اگر کاغذ قلم دوات حاضر نہ کرنا۔ نافرمانی حکم رسول میں داخل ہے تو اس کے مجرم
بہ نسبت عمر حضرت علی اور دیگر اہلبیت زیادہ ہیں اگر ہمراہ بات ہیں قول رسول کے

ظاہری الفاظ پر عمل کرنا ضروری ہے تو حضرت علی المرتضیٰ نے بدولت خود فرمان نبوی کی مخالفت کی اس لئے ابن تیمیہ ان کو جنگ میں شریک ہونے کی وجہ سے آپ خلافت و امامت کے اہل نہیں رہتے (آفتاب ہدایت ص ۲۶۵ تا ۲۶۶)

الجواب قضیہ نامرضیہ قرطاس تاریخ اسلام کے ان افسوسناک قضایا میں سے ایک ہے کہ جن پر جس قدر رنج و افسوس کا اظہار کیا جائے کم ہے اس نے اسلام میں ایسے اختلاف و افتراق کا سنگ بنیاد رکھا اور ایسی منافرت کی تخم ریزی کی ہے کہ جس کے آثار قیامت تک زائل نہیں ہوں گے فاضل شہرستانی نے اختلاف امت مرحومہ کے اسباب گنواتے ہوئے پہلا سبب اسی واقعہ ہائلہ کو قرار دیا ہے (اول تنازع وقع فی مرضہ الملل والنحل للشہرستانی صفحہ ۹ طبع ایران) اور یہ وہ واقعہ ہائلہ ہے جس نے دشمنان اسلام کے سامنے مسلمانوں کی گردنوں کو خم کر دیا ہے اور وہ اہل عالم کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔ اقوام عالم کا دستور ہے کہ وہ اپنے لیڈر کے تمام فرامین پر بالعموم اور آخری لمحات حیات میں نکلے ہوئے قول پر بالخصوص عمل در آمد کرتے ہیں مگر یہاں معاملہ ہی دیگر ہے رسول اسلام کے آخری لمحات حیات میں شفقت و رسالت کے جذبات سے لبریز ہو کر ایک دستاویز لکھنا چاہی تو عجیب ہوا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے یہ جملے نکلے کہ مجھے قلم، کاغذ اور دوات لا دو تاکہ تمہارے لئے ایسی تحریر لکھ جاؤں کہ اس کے بعد گمراہ نہ ہو گے مگر تعمیل ارشاد کی بجائے انہیں یہ جواب ناصواب سننا پڑا کہ یہ شخص ہذیان بک رہا ہے ہمیں کتاب اللہ کافی ہے (العیاذ باللہ) اور اس کے نتیجہ میں خلق عظیم کے مالک کو یہ فرمانا پڑا ہے کہ قوموا عنی میری بارگاہ سے نکل جاؤ۔ جہاں تک شیعیان حیدر کرار کا تعلق ہے ان کے نزدیک تو یہ معاملہ پیچیدہ نہیں ہے وہ اس گستاخی کے مرتکب اور اس کے حامیوں کو مومن ہی نہیں سمجھتے کیونکہ وہ رسول کے بالمقابل تمام کائنات کو پرکاہ کے برابر نہیں جانتے لیکن مصیبت اور بڑی مصیبت ان لوگوں کے لئے ہے جو نہ تو رسول کا دامن چھوڑ سکتے ہیں اور نہ اپنے چہیتے خلیفہ کا دامن چھوڑنے کے لئے تیار نظر آتے ہیں وہ عجیب مخمصہ میں مبتلا ہیں کبھی اس واقعہ کے راوی کو ناقابل اعتبار قرار دے کر اس سے گلو خلاصی کرانے کی الٹی سیدھی حرکتیں کرتے ہیں کبھی حضرت عمر کے اس قول کے قائل ہونے کا انکار کرتے ہیں اور کبھی اس کی بعید از کار تاویلیں پیش کرتے ہیں مگر ع

بگڑی نہیں کچھ ایسی کہ بنائے نہ بنی

یہ قضیہ ان کے گلے کا ایک ایسا پھندہ ہے جس سے قیامت تک ان کی گلو خلاصی نہیں ہو سکتی!

ابن عباس رضؓ کی صغر سنی والے شبہ کا جواب

یہ کہہ کر اس واقعہ کا انکار کرنا کہ اس کا راوی ابن عباس ہے جو تیرہ سال کا بچہ تھا۔ بچند وجہ غلط ہے ——— اوّلاً۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ وفات نبوی کے بوقت ابن عباس کی عمر کیا تھی؟ مشہور تو یہی ہے کہ تیرہ سال تھی مگر بعض آثار سے پندرہ سال ظاہر ہوتی ہے چنانچہ استیعاب مطبوعہ بر حاشیہ اصابہ ج ۲ صفحہ ۳۵۰ پر خود ابن عباس سے مروی ہے کہ وفات رسولؐ کے وقت میری عمر پندرہ برس تھی" بنا بریں خورد سالی والا عذر ختم ہو جاتا ہے۔

ثانیاً۔ بنا بر تسلیم اینکہ ان کی عمر تیرہ سال تھی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ محدثین اہلسنت نے طفل ممیز کی روایت کو صحیح اور قابل قبول قرار دیا ہے چنانچہ رسالہ فخر الحسن۔ مؤلفہ فخر الدین نظامی دہلوی میں (علی ما نقلہ فی فلک النجاۃ) کتاب جامع الاصول ابن اثیر، اتمام الدرایہ، فتح الباری شرح بخاری وغیرہ کے حوالہ جات سے ثابت کیا ہے کہ جب لڑکا با فہم و با تمیز ہو اس کی روایت اور سماع صحیح ہیں۔ شبلی نعمانی (جنہوں نے الفاروق میں ابن عباس کی صغر سنی کو ڈھال بنا کر اس واقعہ کے انکار کی جسارت کی ہے) سیرۃ النبی ج ۱ صفحہ ۵۴ طبع اعظم گڑھ میں لکھتے ہیں "روایت کرنے کیلئے عمر کی قید ہے یا نہیں؟ اکثر محدثین کا مذہب ہے کہ پانچ برس کا لڑکا حدیث کی روایت کر سکتا ہے ——— محدثین کا استدلال ہے کہ محمود بن ربیع ایک صحابی تھے۔ آنحضرتؐ کی وفات کے وقت ان کی عمر پانچ برس تھی۔ انہوں نے آنحضرتؐ سے ایک واقعہ نقل کیا اور سب نے ان کی روایت قبول کی"۔ اسی طرح صفحہ ۵۶ پر فتح المغیث صفحہ ۱۲۱ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "بچہ سننے اور مجلس میں شریک ہونے کے قابل ہو جائے اس کی روایت جائز ہے" مقام تدبر ہے جب پانچ برس کے بچہ کی روایت اہلسنت کے نزدیک جائز اور قبول ہے تو تیرہ سال کے لڑکے کی روایت کیوں قابل قبول نہیں ہے؟ ھل فیکم رجل رشید؟

ثالثاً۔ اس طرح بخاری و مسلم کی تحقیر اور ان کی روایات کا انکار لازم آئے گا اور ان کی تحقیر کرنے والا اور ان کی روایات صحیحہ کا منکر بقول شاہ ولی اللہ دہلوی بدعتی غیر متبع اہلسنت سے خارج ہے (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ صفحہ ۱۰۶ طبع مصر) نیز اس طرح بخاری و مسلم کی صحت بھی ختم ہو جائے گی اور امام بخاری و مسلم کی علمی جلالت بھی داغدار ہو گی کہ وہ ایسے امور کو بھی نہ سمجھتے تھے کہ ان کو یہ تک معلوم نہ تھا کہ ایک نابالغ بچے کی روایت ناقابل اعتماد ہوتی ہے۔ اس لئے اپنی صحیحین میں اس کی روایات درج کیں۔

رابعاً۔ اگر بوجہ صغر سنی یہ روایت ناقابل قبول ہے تو پھر اس حبر امت و ترجمان قرآن و رئیس المفسرین ابن عباس سے کتب تفسیر و احادیث میں جس قدر روایات مروی ہیں ان سب کا انکار کرنا پڑے گا! لیکن یہ سودا اہلسنت کو بہت مہنگا پڑے گا۔ کیونکہ اس طرح انکو اپنے مذہب کی تقریباً ایک تہائی روایات سے دست بردار ہونا پڑے گا کیا یہ سودا انکو منظور ہے؟

واقعہ قرطاس کے دوسرے راوی

خامساً یہ کہنا بھی خلاف حقیقت ہے کہ سوائے ابن عباس کے اور کسی صحابی سے یہ واقعہ منقول نہیں ہے کیونکہ ابن عباس کے علاوہ یہ واقعہ متعدد صحابہ سے مروی ہے چنانچہ مسند امام احمد بن حنبل ج ۳ ص۳۴۶ پر جابر بن عبد اللہ انصاری سے مروی ہے اور ازالۃ الخفاء ص۱۲ پر عبد الرحمن بن ابی بکر سے منقول ہے۔ بلکہ کنز العمال ج ۳ ص۱۳۸، ج ۴ ص۵۲ میں خود حضرت عمر سے مروی ہے۔

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے
جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

رسول دوجہان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہذیان کی نسبت دینے والا عمر ہی ہے

اگرچہ محدثین نے قالوا صیغہ جمع کے صیغے استعمال کرکے اصل قائل کو پردہ میں بٹھانے کی بہت کوشش کی ہے۔ مگر بموجب اینکہ ؏

تاڑنے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں

وہ اس پردہ نشین "قالوا" کو تاڑ ہی گئے کہ وہ جناب عمر ہی ہیں کوئی اور نہیں ہے اور لطف یہ ہے کہ قدرت کاملہ نے اس کی یہ پردہ دری بھی محدثین اہلسنت کے ہاتھوں کرائی ہے۔ حوالہ جات ملاحظہ ہوں

(۱) مجمع البحار ص۲۴۳ ج ۳ پر ہے "هجر اذا هذی وهو ما یقول المحموم عند الحمی ومنه قول عمر بن الخطاب بسند مرض رسول اللہ ان هذا الرجل لیهجر، علی عادۃ العرب" یعنی ہجر کے معنی ہذیان کے ہیں اور ہذیان اس کلام کو کہا جاتا ہے جو تپ زدہ آدمی شدت بخار کے وقت کرتا ہے۔ اسی سے عمر بن الخطاب کا عادت عرب کے مطابق یہ جملہ ہے کہ اس مرد کو ہذیان ہو گیا ہے (العیاذ باللہ) (۲) نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض ج ۴ ص۲۷۸ میں ہے "فقال عمر ان الرجل لیهجر حسبنا کتاب اللہ" یعنی عمر نے کہا اس مرد کو ہذیان ہو گیا ہے ہمیں کتاب اللہ کافی ہے۔

(۳) نہایہ ابن اثیر ج ۴ ص۲۵۵ طبع مصر میں تصریح موجود ہے کہ "القائل کان عمر" اس ہذیان کی نسبت دینے والا عمر تھا۔

(۴) مشکوٰۃ ج ۲ ص۵۴۷ میں بھی تصریح موجود ہے کہ عمر نے کہا۔ قد غلب علیہ الوجع وعندکم القرآن حسبکم کتاب اللہ ۔ آپ پر درد کا غلبہ ہے یعنی یہ کلام اسی کا نتیجہ ہے تمہارے پاس قرآن موجود ہے اور یہ تمہیں کافی ہے۔

(۵) مقدمہ ابن خلدون ص۱۷۱ طبع مصر میں بالوضاحت لکھا ہے "وان عمر منع من ذلک" یعنی جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کاغذ قلم دوات طلب کیا تو عمر نے تحریر میں رکاوٹ ڈالدی۔

(۶) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ملا علی قاری ج ۲ ص۲۵۲ طبع اسلامبول میں لکھا ہے "دفی بعض طرقہ قال عمران النبی لیھجرای یاتی بھجر من الکلام" یعنی بعض طرق میں وارد ہے کہ عمر نے کہا کہ نبی کو ہذیان ہوگیا ہے۔

(۷) شرح شفا خفاجی ج ۱۳ ص۲۲۲ میں لکھا ہے "وردفی الاحادیث الصحیحۃ ان النبی قال فی مرضہ ایتونی بدوات اکتب لکم کتاباً لا تضلون بہ من بعدی فقال عمران الرجل لیھجر حسبنا کتاب اللہ" یعنی احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے پاس قلم دوات لاؤ تاکہ میں ایسی تحریر لکھ دوں کہ میرے بعد گمراہ نہ ہو۔ عمر نے کہا اس مرد کو ہذیان ہو گیا ہے۔ ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے۔

(۸) سرالعالمین غزالی ص۹ طبع بمبئی پر مذکور "قال عمران الرجل لیھجر" یعنی عمر نے کہا اس مرد کو ہذیان ہوگیا ہے۔

(۹) تذکرہ خواص الامۃ سبط بن جوزی ص۳۶ پر مذکور ہے کہ عمر نے کہا دعوا الرجل فانہ لیھجر اس مرد کو اپنی حالت پر چھوڑ دو اسے ہذیان ہوگیا ہے جو بہکی ہوئی باتیں کر رہا ہے۔ نعوذ باللہ۔

(۱۰) شبلی نے بھی دبے لفظوں میں اس کا اقرار کر لیا ہے لکھتے ہیں "طرویہ کہ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمر نے ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کیا تھا۔ (الفاروق ج ۱ ص۲۹ طبع دہلی) تلافی عشرۃ کاملۃ

چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما؟

یاں ہمہ مؤلف شیعیان حیدر کرار کو کوستے ہیں کہ وہ عمر پر یہ الزام عائد کرتے ہیں ـــــ دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ۔ سچ ہے ـ

بے حیا باش و ہرچہ خواہی کن

ہجر کے معنی ہذیان ہی ہیں

جب یہ حقیقت ناقابل رد حقائق سے روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو گئی کہ پیغمبر اسلام کی طرف اس ہجر کی نسبت دینے والا عمر ہی ہے تو اب صرف اس بات کی تحقیق باقی رہ جاتی ہے کہ اس لفظ کے معنی کیا ہیں؟ مؤلف آفتاب نے نئی اپچ لگاتے ہوئے اس کے معنی یہ کیے ہیں "گویا آپ دنیا سے ہجرت فرمانے لگے ہیں" اور "ہجر" کے معنی ہذیان کرنے کو شیعوں کی دلیل جہالت قرار دیا ہے۔ اب ہم بفضلہ تعالیٰ اہل لغت و حدیث کے بیانات کافیہ کی روشنی میں ہجر و ہذیان کا ہم معنی ہونا اور مؤلف کے بیان کردہ مفہوم کا غلط محض ہونا ثابت کرتے ہیں جس کے بعد یہ بات بالکل الم نشرح ہو جائے گی کہ باب مدینۂ علم نبوت کے دامن سے متمسک لوگوں کو جہالت کا طعنہ دینا اپنی جہالت کا اعلان کرنے کے مترادف ہے اور "ہجر" کے معنی "ہجرت" کرنا دلیل جہالت اور دلیل ضلالت ہے۔

ع بے طاقتی کے طعنے ہیں اور کس ادا کے ساتھ

(۱) المنجد طبع چہارم ص۹۵۵ بیروت پر لکھا ہے "الہجر الاسم من الاہجار یا القبیح من الکلام او الفاحش فی النطق" یعنی ہجر اہجار سے اسم ہے جس کے معنی قبیح اور فحش کلام کے ہیں"۔ اسی صفحہ پر لکھا ہے "ھجر فی نومہ او مرضہ خلط وھذی" یعنی جب یہ کہا جائے کہ فلاں شخص نے نیند یا مرض میں ہجر کیا ہے تو اسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسے ہذیان ہو گیا ہے (بہکی ہوئی باتیں کر رہا ہے)

(۲) قاموس اللغۃ ج ۲ ص۱۵۸ طبع مصر میں لکھا ہے "والھجر بالضم القبیح من الکلام وھجر فی نومہ ومرضہ ھجراً بالضم ـــ ھذی" یعنی ہجر ضمہ (پیش) کے ساتھ کلام قبیح کو کہا جاتا ہے اور جب یہ کہا جائے کہ فلاں نے نیند یا مرض میں ہجر کیا تو اسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسے ہذیان ہو گیا ہے۔

(۳) مجمع البحار ج ۳ ص۱۵۵ پر لکھا ہے "ہجر اذا ھذی وھو ما یقول المحموم عند الحمّٰی" یعنی ہجر کے معنی ہیں ہذیان اور ہذیان اس کلام کو کہا جاتا ہے جو تپ زدہ آدمی شدت مرض کے وقت کرتا ہے یعنی بڑبڑاتا ہے اور لایعنی اور بہکی ہوئی باتیں کرتا ہے۔

(۴) مفردات راغب اصفہانی ص۵۵۱ طبع مصر میں ہے " وھجر المریض اذا اتی ذلک من غیر قصد یعنی کہا جاتا ہے ہجر المریض۔ یہ اسوقت کہا جاتا ہے جب وہ بلا قصد و ارادہ کوئی (بہکی ہوئی) بات کرے۔

(۵) صراح میں لکھا ہے " ہجر بالفتح پریشان گفتن بیمار۔ و بالضم سخن بیہودہ۔

(۶) الفاروق شبلی ص۲۹ طبع دہلی میں لکھا ہے " روایت میں ہجر کا لفظ ہے جس کے معنی ہذیان کے ہیں "

(۷) تفسیر در منثور ج ۶ ص۱ پر لکھا ہے " الم تر الی المریض اذا ھذی قیل ھجر ای قال غیر الحق " کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب مریض کو ہذیان ہو تو کہا جاتا ہے کہ " ہجر " یعنی خلاف حق بات کر رہا ہے "

(۸) انوار اللغۃ پ۲۵ ص۱ میں علامہ وحید الزمان نے " اھجر استفھموہ کے یہ معنی کئے ہیں " آنحضرت کا کیا حال ہے کہیں بخار کی شدت میں آپ بڑبڑا تو نہیں رہے (جیسے بیمار کا حال ہوتا ہے) "

(۹) شرح مسلم نووی ج ۲ ص۱۱ پر لکھا ہے " صدما منہ صلی اللہ علیہ وسلم من غیر قصد جازم المراد بقولہ ھجر و بقول عمر غلب علیہ الوجع یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ کلام بلا ارادہ سادر ہوا ہے اور صحابہ کے قول " ہجر " اور عمر کے قول " غلب علیہ الوجع " سے یہی مراد ہے "۔

(۱۰) منتہی الارب فی لغات العرب ص۱ (۴) ذیل لغت ہجر لکھا ہے " ھجر فی نومہ او مرضہ ھجرا بالضم ہذیان در آمد در آں و پریشان گفت " تلک عشرۃ کاملۃ۔ امید ہے کہ اب تسلی ہو گئی ہوگی کہ ہجر کے معنی ہذیان کے بھی ہیں۔ ع

اگر اب بھی نہ تم سمجھے تو پھر تم سے خدا سمجھے۔

مؤلف آفتاب نے بموجب " زاد فی الطنبور نغمۃ " " ہجو " کے جو معنی ہجرت کئے ہیں یہ ان کی ذاتی ذہنی اختراع ہے یہ معنی لغات عرب میں مذکور نہیں ہیں جب ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے مطلب کو ادا کرنا ہو تو عربی زبان میں " ھاجر " یھاجر " ہجرا " کا استعمال ہوتا ہے۔ نہ ہجر یہجر " مؤلف نے شاید یہ قیاس کیا ہے کہ جب دونوں کا مادہ ایک ہے تو معنی بھی ایک ہی ہونگے اور یہ نہ سوچا کہ مجرد و مزید فیہ میں اکثر اوقات معانی تبدیل ہو جاتے

کرتے ہیں مثلاً قَتَل اور قَاتَل کا مادہ ایک ہے مگر معانی مختلف ہیں۔ قتل کے معنی ہیں قتل کرنا اور قاتل کے معنی ہیں جنگ کرنا۔ اسی طرح "سفر" و "سافر" کا مادہ ایک ہے۔ لیکن سفر و سفور کے معنی ظہور و بے حجابی کے ہیں اور مسافرت کے معنی سفر کرنے کے ہیں اسی طرح "ہجر" اور "ہاجر" کا مادہ گو ایک ہے مگر معانی الگ الگ ہیں۔ ہجرت "مہاجرت" سے اسم مصدر ہے۔ "استفہموا" کا سہارا لیتے ہوئے جو نکات سے اپنے غلط معنی کی تائید حاصل کرنا چاہی ہے وہ غلط ہے۔ اس کا صحیح مفہوم وہی ہے جو علامہ وحید الزمان نے انوار اللغۃ میں بیان کیا ہے کہ "آنحضرت کا کیا حال ہے کہیں بیماری کی شدت سے بڑبڑا تو نہیں رہے ہیں"؟ اسی طرح اس استفہام کو استفہام انکاری قرار دینا بھی کسی طرح درست نہیں ہے۔ بالخصوص جبکہ اکثر روایات میں ہمزہ ہے ہی نہیں بلکہ وہاں تو بڑے شد و مد سے حرف تحقیق "ان" اور "لام تاکید" کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ "ان ھذا الرجل لیھجر" امید ہے کہ دوسروں پر جہالت کا الزام عائد کرنے والے اب ضرور زیر لب یہ کہتے ہوں گے ؎

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

مؤلف نے خود ساختہ مفہوم میں اپنی جہالت مرکبہ کا ثبوت دیتے ہوئے "ہجر" (بالفتح) کے معنی جدائی بیان کئے کہ اس سے دنیا سے جدائی مراد لی ہے۔ اور یہ نہیں سمجھا کہ ہم نے جو "ہُجر" کے معنی بیان کئے ہیں وہ بالضم ہے نہ کہ بالفتح نیز ایک زمین سے دوسری زمین کی طرف منتقل ہونے ... نہ کہ ... اور اس مفہوم کے ادا کرنے کیلئے لغت عرب میں ہاجر یہاجر (مفاعلہ) استعمال ہوتا ہے ہجر یہجر۔ مجمع البحار گجراتی مؤلف کے احتمالی معنی سے لغت عرب مرتب نہیں ہو سکتی بلکہ استفہموہ کے صحیح معنی وہی ہیں جو ہم نے علامہ وحید الزمان کی زبانی پیش کر دیئے ہیں۔

وہ تحریر اشد ضروری تھی

مؤلف نے یہاں اس مطلب پر بھی زور طبع صرف کیا ہے کہ کیا وہ تحریر ضروری تھی۔ وحی حق کے ذریعہ اس کا حکم تھا یا ویسے مصلحتاً حضور لکھنا چاہتے تھے؟ اس کا مطلب تو یہ نکلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام دو قسم کے ہوتے تھے کچھ وحی کے تابع اور کچھ ذاتی مصلحت کے ماتحت (العیاذ باللہ) غالباً اسی بنا پر شبلی نعمانی نے الفاروق ج ۲ ص ۲۲۸ طبع دہلی پر لکھا ہے کہ "حضرت عمر کے نزدیک نبی صلعم کے سب احکام واجب التعمیل نہیں ہوتے تھے" اور اسی نظریۂ فاسدہ پر منکرین حدیث نے انکار حدیث کا سنگ بنیاد رکھا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام دو قسم کے تھے کچھ وحی کے تابع اور کچھ ذاتی مصلحت کے تابع تو ہمیں کیا پتہ کہ کون سا

اور یہی معنی محمد گجراتی نے اسی کتاب (مجمع البحار ج ۳ ص ۴۵۲) کئے ہیں فراجع

حکم تابع وحی ہے اور کون سا تابع مصلحت؟ لہذا ؎

این دفتر بے معنی غرق مئے ناب اولیٰ

جب یہ لوگ انکار حدیث کرتے ہیں تو حمایت کاران عمران پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ ؎

اے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست!

بہرحال عمران اور لوگ جو چاہیں نظریہ قائم کریں قرآن حکیم سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر قول وفعل وحی الہیٰ کے تابع ہوتا تھا۔ ارشاد قدرت ہے وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ: یعنی

؎ گفتۂ او گفتۂ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

اسی وجہ سے تو ہر حال اور ہر قول وفعل میں رسول کی اطاعت واجب اور انکی اطاعت اطاعت خدا ہے ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ چنانچہ علامہ فخر الدین رازی تفسیر کبیر ج ۳ میں اسی آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں من اقوی الدلائل علی ان الرسول معصوم فی جمیع الاوامر والنواہی وفی کل ما یبلغہ من اللہ لانہ لو اخطأ فی شیء منہا لم یکن طاعتہ طاعۃ اللہ۔ یعنی اس بات کی سب سے قوی ترین دلیل کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام اوامر ونواہی اور تمام تبلیغات میں معصوم تھے یہ ہے کہ ہر حالت میں ان کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے۔ اگر وہ کسی بات میں غلطی کا ارتکاب کریں تو پھر ہر حال میں ان کی اطاعت خدا کی اطاعت نہ ہوگی۔ اسی طرح آیت مبارکہ انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ کے ذیل میں فخر رازی نے لکھا ہے قال المحققون ھذہ الایۃ تدل علی انہ ما کان یحکم الا بالوحی والنص یعنی علماء محققین نے کہا ہے کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی اور نص کے بغیر کوئی حکم نہیں دیتے تھے (تفسیر کبیر ج ۳ صفحہ ۲۱۳)

علاوہ بریں حدیث میں وارد شدہ جملہ "اکتب لکم کتابا لا تضلون بعدہ" یعنی تمہارے لئے ایسی چیز لکھ جاؤں کہ اسکے بعد گمراہ نہ ہوتے۔ اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے وہ تحریر بہت ہی اہم تھی۔ جس کے ترک میں ضلالت وگمراہی کا اندیشہ تھا۔ یہ درست ہے کہ نزول قرآن مکمل ہو چکا تھا۔ تنزیلی طور پر تکمیل دین کی سند بھی مل چکی تھی مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے

کہ اب کسی چیز کی تشریح یا اسے ضبط تحریر میں لانے کی ضرورت بھی باقی نہ رہی تھی۔ علاوہ بریں اپنے مقام پر یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جب تک استحباب کا کوئی قطعی قرینہ موجود نہ ہو اس وقت تک صیغۂ امر وجوب میں حقیقت ہوتا ہے لہٰذا "ایتونی بدواۃ" وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ باقی رہا یہ شبہ کہ بعد میں آنحضرت صلے اللہ علیہ والہ وسلم نے وہ تحریر کیوں نہ لکھی؟ تو اس کا جواب ظاہر ہے کہ جب آپ کی اسقدر مخالفت کی گئی کہ آپ پر ہذیان اور زیادہ گوئی کا بہتان بھی لگا دیا گیا تو اب تحریر لکھوانے کا فائدہ کیا تھا؟ بہر کیف جس طرح آپ نے حکم خدا سے لکھوانے کا حکم دیا تھا اسی طرح حکم خدا سے اسے ترک بھی کر دیا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری ج ۸ ص۱۰۱ پر لکھا ہے "وعزمه صلعم ان کان بالوحی فترکه کذلک" یعنی اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لکھوانے کا عزم وحی سے تھا تو اس کا ترک بھی وحی کے ماتحت تھا اسے "نسخ قبل الوقوع" کہا جاتا ہے جو عند الاکثر جائز ہے (ملاحظہ ہو مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۵ ص۴۳)

حضرت امیر علیہ السلام نے وہ تحریر کیوں نہ لکھوائی؟

مؤلف نے بار بار اس بات پر اصرار کیا ہے کہ اگر وہ تحریر ضروری تھی تو پھر حضرت امیرؑ نے کاغذ پیش کر کے کیوں نہ لکھوائی؟ اس کا کئی طرح جواب دیا جا سکتا ہے۔

اوّلاً۔ یہ واقعہ وفات سے تین چار دن پہلے کا ہے۔ اس وقت حضرت علیؑ کی موجودگی ثابت ہی نہیں ہے۔ روایت میں جو موجود ہے کہ "فاختلف اھل البیت" لمعات شرح مشکوٰۃ میں مذکور ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس وقت گھر میں موجود تھے نہ کہ اہلبیت نبوت؛ (جن میں اختلاف ہو تا ہی نہیں ہے) اور قسطلانی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ اہلبیت نبوت کی موجودگی ثابت نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ یہاں اختلاف کرنے والے اہلبیت سے مراد اس کے عمومی لغوی معنی میں (گھر میں موجود افراد) نہ خاص اصطلاحی (وھم اھل الکساء)

ثانیاً۔ اس تحریر کی ان لوگوں کو ضرورت تھی جن کے گمراہ ہونے کا اندیشہ تھا۔ جناب امیرؑ تو نفس رسول، کل ایمان اور معصوم امام تھے ان کو اس کی کیا ضرورت تھی کہ لکھواتے نسخۂ شفا بیمار کے لئے لکھا جاتا ہے نہ کہ تندرست کے لئے۔

ثالثاً۔ جب عمر اور ان کے ہمنواؤں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دماغ پر حملہ کر کے ان پر تہمت ہذیان لگا دی تو اب اگر جناب امیرؑ وہ تحریر لکھوا بھی لیتے تو اس کا نتیجہ کیا نکلتا؟ کیا وہ تحریر ان لوگوں کے نزدیک قابل قبول ہوتی؟ لا ورب الکعبۃ!

رابعاً۔ مذکورہ بالا امور سے قطع نظر ہماری کتب مثل احتجاج طبرسی، سلیم بن قیس وغیرہ سے واضح ہوتا ہے کہ جناب امیرؑ نے وہ تحریر لکھوالی تھی اور جناب سلمانؓ۔ ابوذرؓ اور مقدادؓ کو گواہ مقرر کیا تھا اور وہ تحریر ائمہ اطہارؑ از علیؑ تا مہدیؑ علیہم السلام کی امامت و خلافتِ حقہ کے متعلق تھی ۔۔۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا لکھنا چاہتے تھے؟

باقی رہی اس بات کی تحقیق کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ لکھوانا کیا چاہتے تھے؟ مؤلف نے کہا ہے کہ شیعہ یہ کہتے ہیں "حضرت علیؑ کی خلافت لکھنا چاہتے تھے" اور پھر بزعم خویش اس بات کو شیعوں کے خلاف قرار دیا ہے کہ اس سے دوسری تمام نصوص خلافتِ علیؑ پر پانی پھر جاتا ہے۔ سبحان اللہ! اس تقریر دلپذیر سے علم و فضل کی شعاعیں پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہیں! کیا تقریر و تحریر میں کوئی تضاد و تناقض پایا جاتا ہے؟ اگر کوئی بات پہلے زبانی طور پر کہی گئی ہو اور اب پھر اسے حیطۂ تحریر میں لایا جائے تو کیا پہلی بات پر پانی پھر جائے گا؟ مالکم کیف تحکمون؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعلانِ رسالت کے دن سے لے کر دم واپسین تک بار بار حضرت امیرؑ کی خلافت بلافصل کا زبانی اعلان و اظہار فرما چکے تھے اب چاہتے تھے کہ اپنے آخری لمحاتِ حیات میں اس بات کو ضبط تحریر میں بھی لے آئیں تاکہ کسی کو یارائے انکار نہ ہو سکے اور کسی قسم کی کوئی تاویل نہ کر سکے۔ مگر چونکہ بعض لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منشا بھانپ گئے تھے۔ اس لئے اس ارادہ کو عملی جامہ نہ پہنانے دیا ۔۔۔! یہ ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کا نہ صرف شیعوں نے بلکہ علماء اہلسنت نے بھی اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ کتاب نسیم الریاض شرح شفا ج ۴ ص ۲۷۸ طبع مصر میں لکھا ہے۔ قال سفیان اراد ان یبین امر الخلافۃ بعدہ حتی لا یختلفوا فیہا یعنی سفیان کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ یہ تھا کہ اپنے بعد امرِ خلافت کا بیان کر دیں تاکہ اس میں کوئی اختلاف رونما نہ ہو۔ کرمانی نے شرح بخاری میں لکھا ہے اراد ان یکتب اسم الخلیفۃ بعدہ لئلا یختلف الناس یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارادہ تھا کہ اپنے بعد والے خلیفہ کا نام لکھ دیں تاکہ لوگ اس امر میں اختلاف نہ کریں۔ اسی طرح ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں لکھا ہے "ارادہ تعیین الخلیفۃ بعدہ" یعنی اس تحریر سے مقصود خلیفہ کی تعیین تھی" (کذا فی النووی شرح مسلم ج ۲ ص [illegible]) بحوالہ فلک النجاۃ)

الفاظ حدیث سے بھی اس مطلب کی تائید مزید ہوتی ہے۔ اس حدیث قرطاس میں ہے میں ایسی چیز لکھ دوں کہ تم اس کے بعد گمراہ نہ ہو۔ اور حدیث ثقلین میں بھی یہی وارد ہے کہ میں تمہارے درمیان دو ایسی نفیس اور گرانقدر چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر ان کے دامن سے متمسک رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ ایک اللہ کی کتاب دوسری میری عترت اہلبیت" (حدیث متواتر)

حسبنا کتاب اللہ کے قائل کی گلو خلاصی ناممکن ہے

خدا کا ارشاد ہے کہ استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم جب بھی خدا و رسول تمہیں بلائیں تو تم لبیک کہو مگر عمر نے اس حکم کی نہ صرف صریح خلاف ورزی کی بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تہمت ہذیان بھی لگائی۔ اب ــــ مؤلف ان کے اس جرم شنیع کو ہلکا کرنے کے لئے اسے مدح کا رنگ دے رہے ہیں کہ قرآن مکمل ہو چکا تھا۔ دین و دنیا کے تمام مسائل اس میں درج تھے۔ تو اب رسول کو اس حالت میں زحمت دینے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ تو "حق یراد بہا الباطل" والی بات ہے۔ ورنہ اگر قرآن ہر لحاظ سے کافی تھا تو پھر خدا کو اسکے ساتھ رسول کے بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟ قرآن یقیناً کافی ہے۔ مگر اس معنی میں کہ اسکی موجودگی میں کسی اور کتاب و قانون الٰہی کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہے کہ اس کے ساتھ اس کے کسی حقیقی مفسر و شارح اور اس کے احکام کو نافذ کرنے والے کی بھی ضرورت نہیں ہے!

اگر یہ مطلب درست ہوتا تو خود عمر صاحب بیسیوں مرتبہ یہ کیوں کہتے۔ "لولا علی لھلک عمر" اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا (شرح مواقف وغیرہ) ــــ اور اگر عمر کا یہ خیال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاج کے مطابق ہوتا تو آپ ناراض ہو کر ان کو اپنی بزم سے کیوں نکالتے؟ یہ کہنا کہ ناراض ان پر ہوئے جو تحریر لکھوانا چاہتے تھے۔ یہ اتنا بڑا سفید جھوٹ ہے کہ شاید اس کی سنگینی سے آسمان و زمین پھٹ جائیں۔ کبرت کلمة تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا یعنی تعمیل حکم کی کوششیں کرنیوالوں پر ناراض اور مخالفت کرنے والوں سے خوش۔ چہ خوش؟ ع

جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

یہ رسول پر تہمت ہذیان لگانے والوں کا اپنا ہذیان نہیں اور کیا ہے؟ اس لیپا پوچی کا کیا فائدہ کہ انہوں نے عشق رسول کی وجہ سے کہا کہ ایسی نازک حالت میں آپکو تکلیف میں ڈالنا

مناسب نہیں ہے! یہ عجب اندازِ عشق و محبت ہے کہ محبوب کوئی حکم دے اور بجائے اسکے کہ اسکی تعمیل کرکے اسے خوش و خرم کیا جائے الٹا اسکے دماغ پر حملہ کرکے اسے اذیت دیجائے؟

مؤلف کے الزامی جواب کا جواب

مؤلف نے عمر کی حکم عدولی رسول ؐ کرنے کے دھبہ کو ہلکا کرنے کے لیئے قیاس مع الفارق کرتے ہوئے جناب امیر علیہ السلام کے متعلق تین غیر متعلقہ واقعات پیش کئے ہیں مگر افسوس کہ اس تمام تگ و تاز کے باوجود گوہر مقصود ان کے ہاتھ نہیں آیا۔ کیونکہ ناکامی و نامرادی ان کا مقدر بن چکی ہے۔

تیری وہ مثل ہے اب اے رضی
نہ الی الذی نہ الی الذی

اس لیئے وہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ مگر پھر بھی یہ توفیق شامل حال نہیں ہوتی کہ باطل کو چھوڑ کر دامن حق سے وابستہ ہو جائیں۔ جہاں تک صلح حدیبیہ میں حضرت علیؑ کے لفظ رسول اللہ کو اپنے ہاتھ سے نہ مٹانے کا تعلق ہے تو سنی و شیعہ علماء نے اقرار کیا ہے کہ یہ آپکے پاس ادب نبوت سے کیا تھا چنانچہ شارح نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے وھذا الذی فعلہ علی رضی اللہ عنہ من باب الادب المستحب" یعنی جو کچھ حضرت علی نے کیا وہ ادب مستحب کی قسم سے ہے"۔ ایسا ہی مواہب لدنیہ میں لکھا ہے۔ قال العلماء وھذا الذی فعلہ علی من باب الادب المستحب

کیونکہ ع ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

یہی وجہ ہے کہ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی قسم کی ناراضی کا اظہار نہیں فرمایا۔ بلکہ ان سے کاغذ لے کر خود محو کر دیا۔ اور جہاں تک ماریہ قبطیہ والے واقعہ کا تعلق ہے۔ اس کے متعلق کتاب الدر المنثور کی عبارت نقل کرنے میں خیانت جرمانہ کی گئی ہے۔ اس میں وارد ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب امیرؑ کو قبطی کے قتل کا حکم دیا تو جناب نے دریافت کیا۔ یا رسول اللہ! اکون فی امرک اذا ارسلتنی کالسکۃ المحماۃ امضی لما امرتنی بہ ام الشاھد یری مالا یری الغائب قال بل الشاھد الخ یا رسول اللہ! جس معاملہ کے متعلق آپ مجھے بھیجتے رہتے ہیں اس میں گرم لوہے کی مانند بنوں یا معاملہ پر موجود شخص کی مانند بنوں کہ جو کچھ وہ دیکھتا ہے وہ غائب نہیں دیکھتا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا شاہد کی مانند بننا۔ مطلب یہ کہ تحقیق سے کام لینا چنانچہ جب جناب امیرؑ نے تحقیق کی تو قبطی کو بلا قصور پایا۔ اس لیئے اسے قتل نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ آنحضرت ناراض ہونے کی بجائے الٹا خوش

اور شکرِ خدا ادا کیا۔ اہلِ انصاف بتائیں کہ یہ حکم عدولی ہے! یا ارشادِ رسالت کی عین پیروی؟ ایسا ہی کتب اہلسنت
میں مذکور ہے چنانچہ تفسیر الشیعہ ج ۲ ص ۱۷۱ پر لکھا ہے "علی نے رسول سے پوچھا کہ میں آپکے حکم
کی تعمیل کردوں یا ـــــ تامل کے ساتھ تحقیق کروں تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تامل کے
ساتھ کام کرو۔ (کذا فی حیواۃ الحیوان للدمیری) چنانچہ جب حضرت علیؓ نے حسب الحکم تحقیق سے کام لیا
تو قبطی کو بے قصور پاکر چھوڑ دیا جس کا نتیجہ نکلا کہ ناراض ہونے کی بجائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
خوش ہوئے اور شکرِ خدا ادا کیا ـــــ تیسرا واقعہ اس قدر واضح ہے کہ کسی تشریح کا محتاج نہیں۔
باوجود اپنی احتیاج و ضرورت کے دوسرے حاجتمندوں کا اپنے اوپر ترجیح دینا وہ مستحسن فعل ہے کہ خدا نے ایسا کرنے
والوں کی مدح میں قرآنی سورے نازل کئے ہیں ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما
واسیرا ـــــ ویؤثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصۃ ـــــ اس کا عمر کے کردار
سے کیا تعلق ہے کہ جس کے گستاخانہ اقدام سے رسول دوجہان کو اسقدر صدمہ پہنچا کہ "قوموا عنی"
فرما کر ان کو اپنی بزم سے بھی نکال دیا۔ محبوب خدا و رسول کا مقام اور ہے اور طرید رسول کا مقام اور؟

؎ شاہین کا جہاں اور ہے کرگس کا جہاں اور؟

طرید رسول کے معترض جو ہیں انکی وجہ سے اب تک جو ضلالت و گمراہی پھیلی ہے یا آئندہ پھیلے گی اسکی ذمہ داری
علی ابن الخطاب پر عائد ہوتی ہے اور دنیا کی کوئی طاقت ان کو اس کے وزر و وبال سے نجات نہیں دلا سکتی

ولعذاب الاخرۃ اشد وابقی ؎

نہ سمجھوگے تو پھر سمجھوگے یہ چیستاں کب تک؟

قد بینا الآیات لقوم یعقلون۔

دسواں طعن

حضرت عمر نے معاذ اللہ جناب سیدہؑ کی سخت توہین کی ان پر دروازہ گرا کر پسلیاں توڑ دیں۔۔۔۔ شکم مبارک پر۔۔۔ جل
گرا دیا۔۔۔ ان کا گھر جلا دیا۔ جواب: یہ سب باتیں بیہودہ خرافات ہیں جن کو عقل و
نقل دونوں تسلیم نہیں کرتے ـــــ

ـــــ جناب سیدہ خاتونِ جنت، لختِ جگرِ رسول کی طرف
کوئی آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے تو شیرِ میدان حضرت علی المرتضیٰ اپنی زوجہ محترمہ۔۔۔۔۔ کی
توہین دیکھ کر خاموش بیٹھے رہیں؟ ـــــ خدا نخواستہ ایسا ہوتا تو قیامت برپا ہو جاتی۔

تمام بنو ہاشم۔ داماد رسول اور بنت جگر رسولؐ کی حمایت کے لئے تلوار لے کر اٹھ کھڑے ہوتے
نمونہ محشر برپا ہو جاتا ۔۔۔ شیعہ اس بارگاہ میں عجیب وغریب قصے تراش کر لوگوں کو
گمراہ کرنا چاہتے ہیں ۔۔۔ جلاء العیون اردو ص۵۸ میں درج ہے۔ بسند معتبر جناب صادقؒ
سے روایت کی ہے کہ جس وقت ابو بکر نے جناب امیرؑ سے خلافت غصب کی تو جناب
امیرؑ نے فرمایا کیا جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم نے تجھے میری اطاعت کا حکم دیا؟
ابو بکر نے کہا نہیں! ۔۔۔ جناب امیرؑ نے فرمایا اگر آپ پیغمبر کو دیکھے اور تجھ کو میری
اطاعت کا حکم دیں تو میری اطاعت کرے گا؟ ۔۔۔ کہا ہاں! جناب امیرؑ نے فرمایا۔
میرے ہمراہ مسجد قبا میں چل جب وہاں پہنچے۔ ابو بکر نے دیکھا کہ حضرت رسول صلی اللہ
علیہ وسلم کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ جب فارغ ہوئے تو جناب امیرؑ نے
عرض کی یا رسول اللہ! ابو بکر کو انکار ہے کہ آپ نے میری اطاعت ... آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر سے کہا میں نے مکرر تجھے اطاعت علی کا حکم نہیں
کیا ہے؟ ۔۔۔ ابو بکر نے خائف ۔۔۔ معاودت کی راہ میں عمر کو دیکھا عمر نے کہا اسے
ابو بکر! تجھے کیا ہو گیا ہے؟ ابو بکر نے کہا حضرت رسولؐ نے مجھ سے ایسا
فرمایا ہے! عمر نے کہا وہ گروہ ہلاک ہوگا جو تجھ ایسے احمق کو سردار کرے۔ مجھ تو نہیں جانتا
یہ سب بنی ہاشم کا سحر ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب امیرؑ کو اتنی قدرت
تھی کہ جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم کو مسجد قبا میں ابو بکر کے سامنے زندہ لا کھڑا کیا
پھر وہ اپنی قوت اعجاز سے ابو بکر و عمر کے دلوں کو کیوں نہ مسخر کر لیتے۔

دوم: جب ابو بکر نے مدت حیات میں اپنے مال اور اہل و عیال حضور نبی علیہ السلام
پر قربان کر کے خدا و رسول کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے اپنی زندگی وقف
کر دی تھی تو کیا قیاس ہو سکتا ہے کہ جناب امیرؑ کے زور کرامت سے رسولؐ کو
زندہ دیکھ کر اور یہ ارشاد سن کر کہ اطاعت علی تجھ پر فرض ہے۔ حضرت عمرؓ یا کسی اور شخص
کے کہنے پر قول رسول سے انحراف کرتے ۔۔۔ یہ سب یاروں کی گھڑت ہے

ہٹ دھرم تہمت لگانا چھوڑ دے
راستی پر آ خدا کو مانے کر لے

(آفتاب ص۲۷)

الجواب مؤلف آفتاب اور ان کے ہمنواؤں کی عقل تسلیم کرے یا نہ کرے۔ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ مگر یہ حقیقت ناقابل انکار حد تک ثابت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جناب خاتون جنت حضرت امیر اور ان کے بعد دوسرے افراد خانوادہ عصمت و طہارت پر مصائب و شدائد کے جو کوہ ہائے گراں گرائے گئے بقول علامہ تفتازانی (در شرح مقاصد) جمادات بھی ان کی گواہی دے رہے ہیں۔ خاتون قیامت کے مشہور دل گداز مرثیہ کا ایک شعر یہ ہے۔

صبّت علیّ مصائب لو انہا
صبّت علی الایام صرن لیالیا

(تیسیر الباری ترجمہ بخاری پ ۶ ص ۱۰)

مؤلف بجا فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں حضرات شیعہ جو حوالہ جات پیش کیا کرتے ہیں ان کے عقلی ونقلی جوابات پیش کئے۔ انہوں نے بالکل وہی روش اختیار کی ہے جو حامیان یزید واقعات کربلا پر پردہ ڈالتے ہوئے کیا کرتے ہیں "بھلا اس طرح کوئی شخص خاندان نبوت کی توہین کر سکتا تھا کوئی مخدرات کے سروں سے چادریں اتار کر ان کو قید کر سکتا تھا" "اگر ایسا ہوتا تو قیامت نہ آجاتی" وغیرہ وغیرہ۔ ان عامیانہ وسوقیانہ باتیں کرنے والوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ شان دکھانے کا مقام اور ہوتا ہے اور امتحان دینے کا مقام اور؟ اگر نصرت دین کی خاطر نبیوں کو آروں سے چیرا جاتا ہے اور قیامت برپا نہیں ہوتی۔ حضرت مریم پر تہمت زنا لگائی جاتی ہے اور قیامت برپا نہیں ہوتی۔ پیغمبر خاتم کے دانت جہاد کے توڑے جاتے ہیں اور قیامت برپا نہیں ہوتی۔ تو اگر اسی دین مبین کی حفاظت کے سلسلہ میں جناب سیدہ اور جناب امیر پر ایسے مظالم ڈھائے جائیں تو اس سے قیامت کیوں برپا ہو جائے گی؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ بنو ہاشم بڑے شجاع و دلیر تھے۔ مگر وہ احمق نہ تھے۔ شجاعت و تہور میں یہی فرق ہے کہ شجاعت نام ہے اس حقیقت کا کہ جہاں آگے بڑھنے میں مصلحت ہو تو اگرچہ سارا جہان مخالفت پر کمربستہ ہو مگر قدم پیچھے نہ ہٹے۔ اور جہاں خاموشی میں مصلحت ہو۔ وہاں اگرچہ کتنے ہی جوش دلانے اور ابھارنے والے امور موجود ہوں مگر تلوار میان سے باہر نہ نکلے۔ لیکن تہور میں موقع و محل کی پابندی نہیں ہوتی۔ متہور شخص (اجڈ) ہر جگہ آستین چڑھا کر مرنے مارنے پر تل جاتا ہے حضرت امیر ہوں یا دیگر جوانان بنی ہاشم وہ شجاع تھے متہور نہ تھے ___ کہ محل و موقع کی نزاکت کا احساس کئے بغیر تلوار اٹھا کر محشر برپا کر دیتے ___ نیز بنی ہاشم حضرت امیر کے تابع فرمان تھے اور جناب امیر خدا و رسول کی مرضی کے تابع اور خدا و رسول کی مرضی صبر و ثبات کا دامن پکڑنے

اور خاموشی اختیار کرنے میں تھی! جیسا کہ ان امور پر قبل ازیں مکمل تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ اس تمہیدی بیان کے بعد اب ہم ذیل میں اصل موضوع کے اثبات پر چند حوالہ جات پیش کرتے ہیں تاکہ یا انصاف ناظرین پر یہ حقیقت واضح و آشکار ہو جائے کہ بقول مؤلف یہ یار لوگوں کی گھڑنت نہیں بلکہ ناقابل انکار تاریخی حقائق ہیں۔ جو کسی حق بجو وحق بین پر پوشیدہ نہیں ہیں

گر الاعلیٰ اکمہ لم یبصر القمر!

اُمّت کا رسولؐ زادی کے دروازہ پر آگ و لکڑیاں لے جانا

کتاب الامامۃ والسیاسۃ صہ۱۲ طبع مصر پر لکھا ہے وان ابا بکر تفقد قوما تخلفوا عن بیعتہ عند علی فبعث الیھم عمر فجاء فناداھم وھم فی دار علی فابوا ان یخرجوا فدعا بالحطب وقال والذی نفس عمر بیدہ لتخرجن اولاحرقنہا علی من فیہا فقیل لہ یا ابا حفص ان فیہا فاطمۃ فقال وان! یعنی ابو بکر نے ایک گروہ کو نہ پایا۔ جو ان کی بیعت سے گریز کر کے حضرت علی کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس نے عمر کو بھیجا۔ اس نے لکڑیاں ساتھ لے لیں اور دروازہ پر آواز بلند کہا مجھے اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں عمر کی جان ہے۔ باہر نکلو ورنہ گھر کو گھر والوں سمیت آگ لگا دوں گا۔ ان سے کہا گیا۔ اے حفصہ کے باپ! اس گھر میں تو فاطمہ موجود ہیں؟ کہا اگرچہ ہوں (کذا فی تاریخ الطبری والعقد الفرید للاندلسی۔ وشرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید۔ تاریخ ابی الفداء وغیرہ)

(۲) کتاب الملل والنحل للفاضل الشہرستانی ص۲۶ پر نظام کا یہ قول لکھا ہے "ان عمر ضرب فاطمۃ یوم البیعۃ حتی القت المحسن من بطنہا وکان یصیح احرقوھا بمن فیہا وما کان فی الدار غیر علی وفاطمۃ والحسن والحسینؑ" یعنی بیعت والے دن عمر نے جناب فاطمہؑ کے بطن اقدس پر ایسی ضرب لگائی جس سے محسن شہید ہو گیا اور اس دن چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا گھر کو گھر والوں سمیت جلا دو۔ حالانکہ اس گھر میں سوائے علی و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ (علیہم السلام) کے اور کوئی موجود تھا۔

(۳) اسی طرح جناب امیرؑ کے گلے میں کپڑا وغیرہ ڈال کر زبردستی کشاں کشاں بیعت کی طرف لے جانا الامامۃ والسیاسۃ ص۱۲ شرح نہج البلاغہ حدیدی ج ۲ ص۲ پر بھی مذکور ہے۔

خانوادہ مصطفیٰ کیساتھ امت کے ناروا سلوک پر بعض سنی علما کا تبصرہ

انہی حقائق کے پیش نظر تو

بعض منصف مزاج علمائے اہلسنت یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ جو شخص سب سے زیادہ پیغمبر صاحب کی وفات سے متاذی ہوا وہ فاطمہؑ تھیں والدہ پہلے انتقال فرما چکی تھیں۔ اب ماں اور باپ دونوں کی جگہ پیغمبر صاحب تھے۔ باپ بھی کیسے باپ؟ دین و دنیا کے بادشاہ۔ ایسے باپ کا سر سے اٹھ جانا۔ اس پر حضرت علیؑ کا خلافت سے محروم رہنا اور نمک بر جراحت ترکۂ پدری باغ فدک کا دعوے کرنا اور مقدمہ کا ہار جانا۔ کسی دوسرے کو ایسے پیہم صدمات پہنچتے تو زہر کھا کر مر جاتا۔ مگر ان کے صبر و ضبط ہی کے سہارے تھے۔ پھر بھی انہی رنجوں میں گھل گھل کر چھ مہینے کے اندر اندر انتقال فرما گئیں اور جتنے دن زندہ رہیں ان لوگوں سے جن سے انہیں رنج پہنچے تھے نہ بولیں اور نہ بات کی۔ یہاں تک کہ ان لوگوں کے اپنے جنازہ پر آنے کی بھی مناہی کر دی اور شب کے وقت مدفون ہوئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ سخت افسوس کی بات ہے کہ اہلبیت نبوی کو پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد ہی ایسے نالائق اتفاقات پیش آئے کہ ان کا وہ ادب اور لحاظ جو ہونا چاہیئے تھا۔ اس میں ضعف آگیا اور شدہ شدہ منجر ہوا اس ناقابل برداشت واقعہ کربلا کی طرف جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے (رویائے صادقہ ص۲۲۵ مولانا نذیر احمد دہلوی)

اعجاز مرتضوی کا اثبات

مؤلف نے بحوالہ جلاء العیون ایک معجزۂ علویہ کا تذکرہ کر کے اور پھر اسے یار لوگوں کی گھڑت قرار دے کر اپنی ناصبیت کا ثبوت دیا ہے بھلا اگر حضرت عیسےٰ مقام اعجاز نمائی میں مردوں کو زندہ کریں تو یہ ان کا معجزہ اور درست مؤلف کے نام نہاد اولیاء سینکڑوں مردوں کو زندہ کریں تو ان کی کرامت اور صحیح لیکن اگر یہی کام جناب امیر کریں جو سردار جمیع اولیاء ہیں تو یار لوگوں کی گھڑت بن جائے ؎

جو چاہے آپ کا علم کرشمہ ساز کرے!

حالانکہ معجزہ کا فاعل حقیقی خدا ہوتا ہے جو نبی یا امام کی استدعا پر ان کی صداقت کے اظہار کے لئے ان کے ہاتھوں پر خارق عادت امر کو ظاہر کرتا ہے۔ قرآن مجید میں یہ تاثیر ہے کہ اس کے ذریعے سے مردوں سے کلام کیا جا سکتا ہے (ولو ان قرآنا سیرت به الجبال او قطعت به الارض او کلم به الموتی الآیۃ) تو اگر خدا حقیقی وارث قرآن کے ہاتھ پر اسی قرآن کی برکت سے کسی مردہ کو زندہ کر دے تو اس میں کونسی تعجب انگیز بات ہے؟ اور رسولؐ تو در حقیقت ہیں ہی زندہ ولکن لا تشعرون

ایک استبعاد کا جواب

باقی رہا مؤلف کا یہ کہنا کہ اگر ایسا ہوتا تو پھر اولاد بجائے کرامت دیکھ کر قول رسول سے کیونکر انحراف کرتے؟ یہ محض استبعاد ہے

دیکھیں یہ ثابت شدہ حقائق کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ ع

جنہیں ہو ڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

کیونکہ جو شخص رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری زندگی والے بیسیوں فرامین کو پس پشت ڈالنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتا۔ خصوصاً غدیر خم کے موقع پر حضرت امیرؑ کو جانشین برادر اور اپنا مولا تسلیم کر کے مکر جانے میں کوئی عار نہیں سمجھتا۔

ز اقرار خودش ظاہر بانکار آمدہ آخر
کہ ان الاصل لا یخفی حدیث مصطفےٰ باشد

تو وہ کہ باقی زندگی میں فرمان رسول کو کس طرح نظر انداز نہیں کر سکتا؟ اور جہاں تک خلیفہ راشد کے مالی وجانی ایثار کا تعلق ہے ہم اس پر قبل ازیں مفصل تبصرہ کر چکے ہیں مگر اس کی [illegible] العاقل یکفیہ الاشارۃ والبلید لا ینفعہ الف عبارۃ۔

گیارہواں طعن

عمر نے ایک حاملہ عورت کو بجرم زنا سنگساری کا حکم دیا تھا۔ جناب امیرؑ نے کہا ـــ اگرچہ اسکی ذات پر حکم دینے کا حق ہے لیکن اسکے بچہ شکم پر سزا دینے کا اختیار نہیں ہے۔ عمر نے ـــ سزا ملتوی کر دی اور کہا لولا علی لھلک عمر ـــ جب وہ دینی مسائل سے جاہل تھے تو خلافت کا استحقاق کس طرح رکھتے۔

جواب: اصل بات یہ ہے کہ مخصوصہ مزینہ پر جرم زنا ثابت ہو گیا تھا۔ جس کی سزا رجم ہے اس کے حمل کا ہونا آپ کو کسی وجہ سے علم تھا۔ حضرت عمر کو یہ معلوم نہ تھا ـــ حضرت امیرؑ نے بتایا کہ یہ حاملہ ہے تو آپ نے سزا ملتوی کر کے [illegible] کی اس اطلاع خیر کا شکریہ ـــ ادا کیا ـــ اس سے تو جناب فاروق اعظم کی صاف باطنی و خشیت الٰہی اور بے نفسی کا ثبوت ملتا ہے اور اس سے تو یہ بھی ثابت ہوتا ہے حضرت المرتضےٰ کو ہرگز کچھ کدورت نہ تھی وہ آپ کو نیک مشورہ دیتے آپ قبول کر کے ان کا شکریہ ادا کرتے۔ (آفتاب ص ۲۱)

الجواب اکثر و بیشتر مطالب میں آفتاب ہدایت بالکل اسی طرح تحفہ اثنا عشریہ کا سرقہ اور چربہ ہے جس طرح خود تحفہ صواقع کابلی کا سرقہ ہے جو کچھ شاہ صاحب نے تحفہ میں لکھ دیا۔ ہمارے مخاطب نے اسے بلا کم و کاست آفتاب میں نقل کر دیا۔ گویا وہ زبان حال

سے یہ کہہ رہے ہیں۔

؎ درپس آئینہ صفت طوطی داشتہ اند
آنچہ استادِ ازل گفت بگو میگویم

بنا بریں ہماری یہ کتاب جہان "آفتاب ہدایت" کا دندان شکن جواب ہے وہاں بفضلہ تعالیٰ بالواسطہ طور پر تحفہ اثنا عشریہ کا بہت شکن جواب بھی ہے والحمد للّٰہ علی احسانہ بہر کیف ہمارے مؤلف محترم نے صاحب تحفہ کے تتبع میں جو جواب پیش کیا ہے وہ چند وجہ غلط ہے اور یہ طعن خلیفہ دوم کی جہالت کا دہ ہوتا ہوا ثبوت ہے کہ پرستاران ثانی اس کی موجودگی میں اپنے خلیفہ کی جہالت پر قیامت تک پردہ نہیں ڈال سکتے۔

اوّلاً۔ یہ کہنا کہ حضرت امیر کو کسی طرح اس عورت کے حاملہ ہونے کا علم ہو گیا تھا اور خلیفہ دوم صاحب کو معلوم نہ تھا۔ یہ نص روایت کے خلاف ہے۔ کنز العمال وغیرہ کتب میں اصل واقعہ ہی یوں مروی ہے کہ ایک عورت کا شوہر دو سال سے غائب تھا۔ جب گھر آیا تو عورت کو حاملہ پاکر عدالت میں مقدمہ پیش کیا۔ جس پر خلیفہ صاحب نے اس عورت کے سنگسار کرنے کا حکم صادر کیا۔۔۔۔۔۔ لہٰذا یہ تاویل بالکل علیل ہے کہ عمر کو اس کے حمل کا علم نہ تھا!

ثانیاً۔ اگر صورت حال یہی ہوتی تو جو اس تاویل میں بیان کی گئی ہے تو جناب امیر صرف یہ اطلاع دے دیتے کہ یہ عورت حاملہ ہے وبس۔ مگر وہ تو حاملہ عورت کے سنگسار نہ کرنے پر دلیل قائم فرما رہے ہیں کہ "ان کان لك علیها سبیل فلیس لك علی ما فی بطنها سبیل" یعنی اگرچہ تجھے اس عورت پر حکم دینے کا حق ہے مگر اس کے بچے کو سزا دینے کا تمہیں کوئی اختیار نہیں ہے؟ یہ دلیل بانگ دہل بتا رہی ہے کہ خلیفہ کو اس کے حاملہ ہونے کا علم تو تھا۔ مگر یہ علم نہ تھا کہ حاملہ کو سنگسار نہیں کیا جا سکتا!

ثالثاً۔ ان سب باتوں سے قطع نظر عورت کا حاملہ ہونا موانع رجم میں سے ایک مانع ہے یعنی حمل کی صورت میں زانیہ عورت کو سنگسار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا حکم رجم سے پہلے مفتی اور حاکم کا فرض ہوتا ہے کہ وہ تحقیق حال کر لے کہ کہیں عورت حاملہ تو نہیں ہے۔ لہٰذا عمر کا بلا تحقیق اسکے سنگسار کرنے کا حکم دے دینا شرعی قواعد کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہے اور اس سے بہر حال عمر کی جہالت ثابت ہوتی ہے۔

رابعاً۔ حضرت امیر کے مشورہ دینے اور عمر کے لولا علی لهلك عمر کہنے سے مؤلف نے

ان کے باہمی تعلقات کے خوشگوار ہونے پر جو استدلال قائم کیا ہے وہ تار عنکبوت سے بھی زیادہ بودہ اور کمزور ہے۔ اس بات کا مکمل اور تحقیقی جواب تو وہاں گذر چکا ہے۔ جہاں سابقاً مؤلف نے فضائل ع بیان کئے ہیں۔ یہاں صرف اجمالاً اسقدر لکھا جاتا ہے کہ حضرت امیرؑ تھے حقیقی محافظ شریعت ۔۔ لوگوں کے واقعی خیر خواہ۔ انہوں جب دیکھا کہ حکم شریعت کی خلاف ورزی کی جا رہی ہے اور بلاوجہ ایک جان تلف ہو رہی ہے۔ تو بوجہ محافظ شرع اقدس ہونے کے انہوں نے اپنا فرض ادا کیا۔ اور عمر صاحب نے بھی جب دیکھا کہ اب نہ جائے ماندن ہے اور نہ پائے رفتن تو لولا علی لهلک عمر کہہ کر اپنی سبکی کو کم کرنے کے لئے حضرت امیرؑ کے فضل و کمال کی داد دے دی ۔۔۔ مگر یہ نہ سوچا کہ اسطرح تو وہ حضرت امیرؑ کی افضلیت کا اعتراف کر رہے ہیں جس سے ان کی خانہ ساز خلافت ایسا قصر زمین بوس ہو جائے گا۔ کیونکہ افضل کی موجودگی میں مفضول اور عالم کی موجودگی میں جاہل کی حکومت تسلیم کرنا جائز نہیں ہے

ع اسے ترک من ناز کر ترکی تمام شد!

بارھواں طعن

ایک روز عمر خطبہ میں لوگوں کو گرانی مہر نساء سے منع کر رہے تھے اس اثنا میں ایک عورت کھڑی ہو کر کہنے لگی اے عمر! خدا فرماتا ہے ان آتیتم احدهن قنطاراً فلا تاخذوا منه شیئاً اگر تم بقدر خزانہ بھی عورتوں کو حق مہر دے دو تو واپس نہ کرو۔ عمر اس پر خلیفہ نے کہا۔ کل الناس افقه من عمر حتی المخدرات (سب لوگ عمر سے زیادہ فقاہت رکھتے ہیں حتی کہ مستورات بھی) تو جب ایک عورت بھی علم ۔۔۔ میں آپ سے زیادہ تھی تو آپ خلافت کے قابل نہ تھے۔

جواب:۔ ہمیں فہم و دانش باید گریست۔ نادان معترض جس بات کو باعث طعن قرار دے رہا ہے اہل عقل و دانش اس کو کمال وصف سمجھتے ہیں کہ باوجود جلال و جبروت کے جو فاروق اعظم کو حاصل تھا اور قیصر و کسریٰ کے محل آپکا نام سن کر لرز رہے تھے ان کی بے نفسی ۔۔۔ کی یہ حالت ہے کہ ایک ادنیٰ عورت سر دربار ٹوک دیتی ہے اور قرآن کی آیت کو استدلال میں پیش کرتی تو خلیفہ وقت قرآن پاک کے ادب ۔۔۔ سے اس کے سامنے سر جھکا دیتے ہیں ۔۔۔ اگر حضرت عمر کی جگہ کوئی دنیا پرست مغرور انسان ہوتا ۔۔۔ تو جابر ہونا مشکل تھا ۔۔۔ حضرت عمر کا فعل

ناس ہونے کے خود کو سب سے قابت میں کمتر سمجھتے تھے جیسا کہ حضرت علی المرتضیٰ باوجود افضل الناس ہونے کے خود کو اشر الناس کہتے ہیں۔

سے یظن الناس بی خیراً و انی

اشر الناس ان لم تعف عنی

حقیقت میں عورت کا سوال بے محل اور استدلال صحیح نہ تھا کیوں کہ حضرت عمر فرما رہے تھے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹیوں کے مہور بہت معمولی بندھوائے اور آپ کا ارشاد ہے اعظم برکۃ ایسرھن صداقا اور گرانی مہور کے نتائج ہمیشہ آخر خراب نکلتے ہیں، فتنہ و فساد، مقدمہ بازی تک نوبت پہنچتی ہے اسلام نے ہر معاملہ میں کفایت شعاری کی تعلیم دی ہے آیت قرآن کا یہ مفہوم نہیں کہ مہر میں قنطار ہی مقرر کیا جائے بلکہ اسکا معنیٰ یہ ہے کہ کوئی شخص نادانی سے ایسا کر بیٹھے تو مہر دے کر اسے واپس لینے کا اختیار نہیں ہے۔ ہر چند عورت کا استدلال صحیح نہ تھا خلیفہ وقت نے اسکی فقاہت دیکھ کر محض اسکی دلجوئی اور حوصلہ افزائی کیلئے اس کی داد دی جناب امیر کی نسبت (اسی) طرح کا ایک قصہ مشہور ہے ایک شخص نے علی المرتضیٰ سے مسئلہ پوچھا آپ نے جواب دیا تو اس شخص نے کہا اس کا جواب یہ نہیں بلکہ اس طرح ہے آپ فرمانے لگے تو نے ٹھیک کہا اور ہر دانا کے اوپر کوئی دانا ہوا کرتا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ کسی جزوی بات میں اگر کوئی شخص کسی مسلم بزرگ سے زیادہ واقفیت پیدا کرے تو اس کی شان میں کمی نہیں ہوتی جیسا کہ قرآن کریم میں حضرت سلیمان کا قصہ مذکور ہے کہ حضرت داؤد کے مقابلہ ان کا فیصلہ درست نکلا حالانکہ حضرت سلیمان اس وقت نبی نہ تھے (آفتاب ص ۲۷۲)

الجواب لطیفہ: کتاب ایقاظ العلماء و تنبیہ الامراء میں ایک واقعہ نظر سے گذرا ہے کہ ایک بزرگ سے [illegible] مسئلے دریافت کیے گئے انہوں نے [illegible] مسئلوں کے جواب میں تو اپنی لاعلمی ظاہر کی اور صرف [illegible] کا جواب اثبات میں دیا۔ اس کے [illegible] یہ کہنا شروع [illegible] کس قدر نیک نفس [illegible] جس چیز کا علم تھا اسمیں بلا چون و چرا اپنی لاعلمی [illegible] بلا شبہ یہی کیفیت خلیفہ دوم [illegible] تھی [illegible]

کرم الدین صاحب کی ہے کہ اپنے خلیفہ کی کھلی جہالت پر پردہ ڈالنے کیلئے بحث کا رُخ دوسری طرف موڑ دیا ہے کہ سبحان اللہ۔ ان کے عہد میں اظہار رائے کی کس قدر آزادی تھی کہ جس بیسٹر و کا بڑے بڑے ایوان لرزتے تھے دربار میں ان کو ایک عورت ٹوک دیتی ہے اور خلیفہ صاحب سر تسلیم خم کر دیتے ہیں چلو ہم چند منٹ کے لئے مان لیتے ہیں کہ اس دور میں اظہار رائے کی آزادی تھی (جو محل کلام ہے) جلالت عمر سے قیصر و کسریٰ ترساں و لرزاں تھے۔ وغیرہ وغیرہ مگر کیا اس سے خلیفہ کی جہالت رفع ہو گئی؟ اور اگر نہیں ہوئی تو تقریر سے فائدہ؟ اگر بالفرض اس دور میں اظہار رائے کی آزادی تسلیم بھی کر لی جائے تب بھی مؤلف کے خلیفہ کی خلافت نہیں بچ سکتی کیونکہ صحیح جانشین رسولؐ کے لئے صرف لوگوں کو اظہار رائے کی آزادی دینا کافی نہیں ہے (اگرچہ یہ بھی ضروری ہے) بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس قدر عالم شریعت ہونا بھی لازم ہے کہ کسی سائل کے کسی سوال کے جواب میں یہ نہ کہے کہ مجھے اس سوال کا جواب معلوم نہیں ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ پوری امت میں اس سے بڑا تو کیا اس کے برابر بھی کوئی دوسرا عالم نہ ہو۔ مگر جس کا یہ اعتراف ہو (باقرار خودش) پردہ نشین عورتیں بھی زیادہ فقہ دان ہوں۔ وہ اور تو سب کچھ ہو سکتا ہے مگر عالم علم لدنی نبی کی مسند کا وارث نہیں ہو سکتا۔

مدعی سست و گواہ چست

پھر مؤلف نے بموجب مدعی سست و گواہ چست۔ عمر کو افقہ الناس قرار دیتے ہوئے ـــــ جس کا دعویٰ عمر صاحب نے بھی نہیں کیا تھا۔ اس کی نظیر حضرت امیرؑ کی طرف منسوب ایک شعر سے پیش کی ہے جو بچند وجہ غلط ہے

اولاً۔ اس شعر کا کلام جناب امیرؑ ہونا مسلم نہیں ہے۔ یہ اس دیوان میں ہے جو آنجناب کی طرف منسوب ہے جس کے متعلق علمائے اعلام کی رائے یہ ہے کہ نہ سارا کلام آنجناب کا ہے اور نہ ہی سارا غلط ہے بلکہ کچھ درست ہے اور کچھ مجہول ـــــ علامہ سید محسن امین عاملیؒ نے بیروت سے جو دیوان علیؑ کا نسخہ علی الروایۃ الصحیحۃ شائع فرمایا ہے اس میں یہ شعر موجود نہیں ہے فراجع)

ثانیاً۔ بنا بر تسلیم جناب امیرؑ کا روئے سخن خدائے ذوالجلال کی طرف ہے۔ جہاں انبیائے اولوالعزم جیسے معصوم بزرگوار بھی توبہ و استغفار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جہاں تک لوگوں کے ساتھ بات کرنے کا تعلق ہے۔ جناب امیرؑ ہمیشہ اپنے آپ کو افضل الناس سمجھتے اور ظاہر فرماتے رہے اور یہاں تو معاملہ ہی دیگر ہے کہ ایک عورت حضرت صاحب کو غلط مسئلہ بیان کرنے پر ٹوکتی ہے اور وہ اسکے جواب میں عاجز اور پا در گل ہو کر اپنی جہالت اور اس عورت کی علمی برتری کا برملا اقرار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ وشتان ما بینھما!

نادان دوست کا کردار

مؤلف نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ نادان دوست کا پارٹ ادا کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ عورت کا سوال محل

اور استدلال صحیح نہیں تھا۔ مگر انہوں نے یہ کہتے ہوئے یہ نہ سوچا کہ اس طرح تو خلیفہ پر یہ اور الزام عائد ہوتا ہے کہ جب انکے سامنے آیت قرآنی کے ساتھ غلط استدلال کیا گیا اور قرآن کی تفسیر بالرائے کی گئی تو انہوں نے بجائے ٹوکنے اور صحیح مفہوم بتانے کے الٹا اس کی دلجوئی اور حوصلہ افزائی کے لئے داد بھی دی تھی

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است؟

غلط کلام پہ تحسین افزائی کرنا بجائے خود انتہائی غلط اقدام ہے۔ اس طرح تو خلیفہ کی دیانت کا بھرم بھی کھل جاتا ہے۔

یہ ہم بھی مانتے ہیں کہ اگر مہر تھوڑا ہو تو یہ مستحسن ہے مگر کلام زیادہ مہر مقرر کرنے کے جواز میں ہے کہ آیا جائز ہے یا نہ؟ سو یہاں کلام جائز ہے۔ لیکن جو صاحب اسے ناجائز قرار دے کر زائد مقدار کو بیت المال میں داخل کرنے کی دھمکی دے رہے تھے۔ جب ان پر عورت نے بھرے دربار انہیں ٹوکا۔ اس عورت کی گرفت اس طرح اچانک اور اس قدر مضبوط تھی کہ خلیفہ صاحب سے اسکا کوئی جواب نہ بن پڑا اسلئے یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ جس شخص کی علمی حالت اتنی کمزور ہو کہ عام عورت کے بالمقابل بھی نہ ٹھہر سکے وہ رسول اسلام کی مسند خلافت پر نہیں بیٹھ سکتا! وہو المقصود

مؤلف کے ناصبیانہ حملہ کا جواب

یہاں مؤلف نے حضرت امیرؑ کی طرف جس بے سروپا قصہ کو منسوب کیا ہے وہ تو ان کی ناصبیت نوازی ہے ورنہ ضمیر ان کا بھی گواہی دے رہا تھا کہ یہ قصہ سراسر غلط ہے۔ ورنہ کم از کم کوئی حوالہ تو دے دیتے۔ صرف شہرت کا سہارا نہ لیتے اور اصول مناظرہ کے مطابق الزام بھی درست ہوتا جو شیعہ کی کتب مستندہ میں موجود ہوتا اور یہ بات آفتاب قیامت کے طلوع کرنے تک کوئی خارجی و ناصبی بحول خمی مرتبت حضرت امیر علیہ السلام پر کسی اور شخص کی علمی برتری ثابت نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی صاحب شریعت کے سوا کسی اور کی طرف ان کا کسی مسئلہ میں رجوع کرنا ثابت کر سکتا ہے۔ قل هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين۔

ایک قیاس مع الفارق

آخر میں مؤلف نے جناب داؤد و سلیمان کے قصہ سے جو تمسک کیا ہے وہ قیاس مع الفارق ہونے کی وجہ سے درجہ اعتبار سے ساقط ہے وہ دونوں بزرگوار نبی تھے اگرچہ ایک فی الحال خاموش تھے لہذا یہ کہنا غلط

ہے کہ حضرت سلیمان اس وقت نبی نہ تھے) اور اس داؤد تھا مگر علم خداوند کریم نے بالخصوص وہ
جناب سلیمان کو اس لئے عطا فرمایا تھا تاکہ باقی اولاد داؤد میں سے جناب سلیمان کی خلافت
پر کوئی بحث قائم ہو جائے، اس کا جناب عمر اور ابوبکر کے واقعہ کے ساتھ کیا ربط و تعلق ہے ؟

افسوس

ہرگز نہ ہوئے مغز سخن سے آگاہ
لاحول ولا قوۃ الا باللہ

تیرھواں طعن صحیح مسلم میں ہے فقال ابوبکر (بحذف عربی) جس میں
حضرت علی و جناب عباس کا ابوبکر و عمر کو کاذب،
آثم، غادر اور خائن قرار دینا مذکور ہے) شیعہ کہتے ہیں کہ عباس و علی سے ثابت ہوا
کہ حضرت علی و عباس حضرت ابوبکر و عمر کو کاذب، آثم، غادر، خائن سمجھتے تھے پس
کہ حضرت نے کہا جو ایسا ہو وہ قابل خلافت کب ہو سکتا ہے؟

جواب یہ طعن متقدمین شیعہ کو نہیں سوجھا کیونکہ ان میں کسی قدر مادہ انصاف
موجود تھا — لیکن متاخرین شیعہ ان سب باتوں سے پاک ہیں تالف تا بحث
پر عمل پیرا ہیں۔ اس جگہ حضرت عمر تنبیہ کے طور پر حضرت عباس و حضرت علی کو
کہتے ہیں کہ جو فیصلہ حضرت ابوبکر نے مطابق فرمان نبوی کیا میں نے اس
کو بحال رکھا کیا تم لوگ ابوبکر کو اور مجھ کو اس بارہ میں کاذب، آثم، غادر، خائن
سمجھتے ہو، حالانکہ خدا جانتا ہے کہ میں اور ابوبکر اپنے دعوے میں سچے، بار راشد
تابع حق ہیں اردو کا محاورہ ہے کہ جو شخص اپنے دعویٰ میں فی الواقع سچا ہوتا ہے وہ اپنی برأت
کے لئے ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے کیا تم مجھے چور بدمعاش — سمجھتے ہو؟ کیا میں
نے تمہاری چیزیں دبا رکھی ہیں — دوم حدیث میں لکھا ہے کہ حضرت عباس نے
حضرت عمر کے پاس حضرت علی کی معیت میں یہ الفاظ کہے "اقض بینی و بین
هذا الکاذب الآثم الغادر الخائن — وہی الفاظ حضرت عمر نے اپنی اور
حضرت ابوبکر کی نسبت دہرائے تاکہ حضرت عباس کا جوش ختم ہو، اگر حضرت علی
کاذب، آثم — نہیں ہے تو ہم بھی تو ایسے نہیں ہیں — کیا معترض کہہ
سکتا ہے کہ حضرت عباس — نے جو الفاظ کاذب آثم — اپنے برادر زادہ حضرت

علی کی نسبت استعمال کئے فی الواقع وہ ان کو ایسا ہی سمجھتے تھے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو یہاں کس طرح کہہ سکتے ہو کہ فی الواقع حضرت عباس و علی شیخین کو ان الفاظ کا مصداق سمجھتے تھے ——؟

(آفتاب ہدایت ص ۲۷۴)

الجواب مؤلف کی عادت قدیمہ ہے کہ وہ شیعیان حیدر کرارؑ کو بالعموم اور ان میں سے تقصیر کو بالخصوص بڑے تقبیح الفاظ کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ ہم مقدمہ کتاب میں وضاحت کر چکے ہیں کہ ہم بموجب ارشاد رب العباد واذا مروا باللغو مروا کراما و اذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما، ان کی گالیوں کا جواب گالیوں سے نہیں دیں گے۔ اور نہ ہی ہمیں سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی سیرت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ ورنہ سب کے اس پرستار کو اس انداز سے جواب دیا جاتا کہ اس کی نسلیں بھی یاد رکھتیں کہ کسی کو ناجائز طعن و تشنیع کا نشانہ بنانے کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ ثلاثہ کے مطاعن[1] اس قدر زیادہ ہیں کہ ان سب کا احاطہ کرنا جوئے شیر لانے سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ البتہ ہمارے علماء متقدمین ہوں یا متاخرین (شکر اللہ مساعیھم الجمیلہ) انہوں نے بقدر امکان و گنجائش ظرف زمان و مکان اپنی کتابوں میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ کسی عالم کے کسی طعن کو اپنی کتاب میں درج نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ طعن اس کے نزدیک طعن ہی نہیں ہے کیونکہ —

سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے!

جہاں تک زیر بحث طعن کا تعلق ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جناب عمرؓ نے جناب عباسؓ اور حضرت علیؑ کو خطاب کرکے کہا کہ تم نے ابوبکر کو کاذب، آثم، غادر اور خائن سمجھا پھر اس کے بعد مجھے بھی ایسا ہی سمجھتے ہو حالانکہ خدا بہتر جانتا ہے کہ نہ ابوبکر ایسا تھا نہ ہی میں ایسا ہوں۔ مگر حضرت امیرؑ و جناب عباسؓ نے ان کے اس الزام کی تردید نہیں کی۔ بلکہ اپنی خاموشی سے اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے کہ واقعاً ہم تم لوگوں کو ایسا ہی سمجھتے ہیں! مؤلف کا یہ کہنا درست ہے کہ روزمرہ کا محاورہ ہے کہ جو شخص اپنے دعویٰ میں سچا ہو وہ ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے کہ کیا تم مجھے بدمعاش سمجھتے ہو؟ مگر وہ یہ حقیقت کیوں بھول گئے ہیں کہ روزمرہ کا محاورہ یہ بھی ہے کہ اگر مخاطب کرنے والے کو فی الواقع چور اور ڈاکو نہ سمجھتا ہو تو وہ فوراً اسے ٹوک کر اس کی تردید کر دیتا ہے

---

[1] جو شخص اصحاب ثلاثہ کے مطاعن کا تفصیلی جائزہ لینے کا خواہشمند ہے۔ وہ کتاب مستطاب تشئید المطاعن کی تینوں جلدوں کا مطالعہ کرے فانہ شفاء لکل علیل و ریٌّ لکل غلیل (منہ عفی عنہ)

جناب ہم تو ہرگز آپ کو چور اور ڈاکو نہیں بلکہ ایک شریف اور معزز آدمی سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر مخاطب یہ کلام سن کر خاموش ہو جائے تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ متکلم کو فی الواقع ایسا ہی سمجھتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی صورت حال یہی ہے۔ جناب امیر و عباس نے سکوت اختیار کر کے عمر کے قول پر کہ "تم ابوبکر کو اور مجھے کاذب، آثم غادر اور خائن سمجھتے ہو" مہر تصدیق لگا دی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ اگر عمر کا یہ الزام غلط ہوتا تو وہ بزرگوار فوراً اسے ٹوکتے کہ اے معاذ اللہ! تم کیا کہہ رہے ہو؟ ہم کب آپ کو ایسا ویسا سمجھتے ہیں۔ مگر روایت میں تردید کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ہے۔ علاوہ بریں روایت کے سیاق و سباق پر نگاہ ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کہ جناب عمر نے بطور استفہام نہیں بلکہ بطور تجزیہ کے طور پر یہ کلام کیا ہے۔

اور جہاں تک جناب عباس کے حضرت امیرؑ کی شان اقدس میں گستاخانہ الفاظ استعمال کرنے کا تعلق ہے اسکے متعلق پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ الفاظ الحاقی معلوم ہوتے ہیں جو بعض لوگوں نے کسی خاص مقصد کے تحت گھڑ لئے ہیں ورنہ عباس کی جلالت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ حضرت امیر ایسے امام مبین کے حق میں ایسے قبیح الفاظ استعمال کریں؟ دوسری بات یہ کہ اگر بالفرض یہ بات ثابت ہو جائے کہ انہوں نے یہ الفاظ حضرت علیؑ کے حق میں استعمال کئے ہیں تو پھر اگر جناب امیرؑ کا ان کو معاف کرنا ثابت ہو جائے تو فبہا ورنہ ہم ان سے بھی بیزاری اختیار کر لیں گے۔ اور ان کو بھی ایسا ہی سمجھیں گے جیسا دشمنان اہلبیتؑ کو سمجھتے ہیں ہم اصول پرست ہیں شخصیت پرست نہیں ہیں بموجب ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اہلبیتی ... ہمارے کسی شخص کو ماننے یا نہ ماننے کا میزان ایک قرآن اور دوسرا عترت رسول اکرمؐ ہے۔ لہٰذا کتاب وہ صحیح جو قرآن کے مطابق ہو اور بندہ وہ درست جو آل رسول کے تابع ہو اور جو ایسا نہیں ہم اس سے بیزار ہیں۔ کائناً من کان!

ہزار نکتے یہاں بال سے بھی ہیں باریک
کہ جس کی عقل ہو موٹی وہ اس کو کیا جانے؟

چودھواں طعن

میزان الاعتدال میں ہے کہ حضرت عمر نے کہا یا حذیفۃ باللہ انا من المنافقین (اے حذیفہ! بخدا میں منافقوں سے ہوں) پھر خلیفہ کس طرح ہو سکتے ہیں؟

جواب

اوّل میزان الاعتدال میں اس حدیث کو ضعیف موضوع قرار دیا گیا ہے اور اسکے راوی زید بن وہب کے متعلق لکھا ہے فی حدیثہ خلل کثیر (زید کی حدیث مرویہ میں خلل ہے) اور اس روایت کو جھوٹ پر محمول کیا گیا ہے شیعہ کی

خیانت قابل دار ہے

دوم: اگر روایت بھی ہو تو جیسا کہ طعن ۵ پر مفصل بحث ہو چکی ہے ۔ خوف الہیٰ سے خاصانِ خدا اپنے آپ کو کمتر خلائق سمجھتے ہیں ۔ مفصل جواب طعن ۵ میں پڑھنا چاہیئے ۔ جہاں شیعہ کتب حدیث سے متعدد حدیثیں لکھی گئیں ہیں کہ دوستان رسول جب دنیا کے کاروبار میں مصروف ہو کر لمحہ بھر دربار رسالت سے دور ہو جاتے تو اس کو نفاق سے تعبیر کرنے لگتے ۔ بندہ خدا منافق تو اسے کہا جاتا ہے جو اپنے نفاق کو چھپاتا اور اپنے آپ کو مومن ظاہر کرتا ہے ۔ یہ مؤمن کامل کا خاصہ ہے کہ باوجود کمال ایمان خود کو ناقص تصور کرتا ہے کیا تمہیں آدم علیہ السلام کی دعا یاد نہیں رہی ربنا ظلمنا انفسنا ۔ کافی کلینی میں "اعتراف الذنوب" ایک مستقل باب باندھ کر احادیث لکھی گئی ہیں کہ مومن کی شان ہے کہ معترف الذنوب ہو کر استغفار کرے ۔ کاش کوڑھ مغز معترض جناب امیرؑ کی دعا مندرجہ نہج البلاغہ ص۱۴۹ مطبوعہ ایران ص۸۲ پڑھ کر اس کے الفاظ پر غور کرتا اللهم اغفرلی ما انت اعلم به مني فان عدت فعد علي بالمغفرة اللهم اغفرلي ما رأيت من نفسي ولم تجد له وفاء عندي اللهم اغفرلي ما تقربت اليك بلساني ثم خالفه قلبي اللهم اغفرلي رمزات الالحاظ وسقطات الالفاظ وشهوات الجنان وهفوات اللسان ۔ کیا حضرت علی المرتضٰی کی اس دعا کے الفاظ دیکھ کر کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ فی الواقع آنجناب گنہگار تھے اور بار بار گاہ کی طرف عود کر کے طالب مغفرت ہوتے تھے ۔ نہیں نہیں ۔ یہ سب کچھ اسی خوف و خشیہ الہیٰ کا نتیجہ ہے کہ جو ایک کامل ایمان شخص کے رگ و ریشہ میں کوٹ کوٹ کر بھرا رہتا ہے کہ اپنی عبادتوں کو گناہ، اپنے ایمان کو نفاق، اپنی حرکات و سکنات کو لغزشیں تعبیر کر کے طالب مغفرت ہوتا ہے اور ایک کور باطن شخص اس کے ظاہری الفاظ انکسار کو دیکھ کر اس کو واقعی خطاکار سمجھتا ہے ۔

؎ تو خود نہ شنوی بانگ دہل را
رموز سر سلطان را چہ دانی (آفتاب ص۲۷)

الجواب مؤلف ایک ہی سانس میں اس روایت کو ضعیف اور موضوع کہہ گئے ہیں جس سے

معلوم ہوتا ہے کہ ان کو خیر سے فن درایۃ الحدیث کی اصطلاحات کا علم نہیں ہے ورنہ ارباب علم جانتے ہیں کہ موضوع اس حدیث کو کہا جاتا ہے کہ جس کے جعلی اور خود ساختہ ہونے کا یقین ہو اور ضعیف اسے کہا جاتا ہے کہ جس کے راوی بظاہر کمزور ہیں (اور ممکن ہے کہ واقع میں صحیح ہو) اسی طرح کسی راوی کے متعلق جب فن رجال میں یہ کہا جائے کہ "فی حدیثہ خلل" اس کی روایت میں خلل ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ اس کی تمام مرویات کو درجۂ اعتبار سے ساقط قرار دے دیا جائے بلکہ مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ اس کی روایات کی جانچ پڑتال کر لینا چاہئے ——— وبس۔ لہٰذا اس قاعدے کے تحت زید بن وہب کی اس روایت کو صاحب میزان الاعتدال کے میزان کے مطابق ضعیف تو کہا جا سکتا ہے (جو فی الواقع صحیح بھی ہو سکتی ہے اور ہے) لیکن اسے موضوع ہرگز قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ ہی صاحب میزان الاعتدال "علامہ ذہبی" نے اسے موضوع قرار دیا ہے بلکہ انہوں نے راوی کی توثیق کی ہے۔ (ملاحظہ ہو میزان الاعتدال ج ۱ صفحہ [illegible] طبع مصر)

اسکے بعد مؤلف نے پیرا نمبر ۲ میں جو کچھ طول لاطائل سے کام لیا ہے اور مزید براں طعن نمبر ۸ کے جواب کا حوالہ بھی دیا ہے وہ سراسر اس روایت کے شان ورود سے جہالت یا تجاہل پر مبنی ہے ورنہ اگر اس روایت کے شان ورود ——— کا علم ہو جائے تو پھر یہ ساری تحریر بے کار اور مہمل ہو کر رہ جاتی ہے۔ تو آئیے آپ کو اس کا پس منظر بتائیں سو مخفی نہ رہے کہ لیلۃ العقبہ میں جب بعض منافقوں نے جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قاتلانہ حملہ کیا تھا اور چونکہ خداوند کریم نے بروقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان لوگوں کے مکروہ عزائم کی خبر دے دی تھی۔ اور آنجناب نے بروقت حفاظتی اقدام کر لیا تھا جس کی وجہ سے بال بال بچ گئے تھے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خاص صحابی جناب حذیفہ یمانی کو ان سازشی منافقوں کے نام بتا دیئے تھے جن کی تعداد بارہ تھی اور ساتھ ہی یہ تاکید فرما دی تھی کہ ان ناموں کا اظہار کسی سے نہ کرنا۔ اسی بنا پر جناب حذیفہ کو "صاحب السر" (آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رازدار) کہا جاتا ہے۔ اب ہوا یہ کہ "چور کی داڑھی میں تنکا" کئی حضرات جناب حذیفہ سے دریافت کیا کرتے تھے کہ ان منافقوں میں کہیں ان کا نام تو شامل نہیں ہے؟ انہی لوگوں میں سے ایک حضرت عمر بھی تھے جو ہمیشہ اس ٹوہ میں لگے رہتے تھے کہ حذیفہ مجھے بتا دو کیا منافقوں کے اس سازشی ٹولہ میں میرا نام بھی داخل ہے؟ مگر جب حذیفہ نے حقیقت حال کے اظہار سے ہر بار انکار کیا تو بالآخر ایک دن تنگ آ کر عمر خود ہی پھٹ پڑے اور کہا "یا حذیفہ! باللہ انا من المنافقین" اے حذیفہ! (تم بتاؤ یا نہ بتاؤ) خدا کی قسم میں ضرور منافقوں میں سے ہوں" سچ ہے بل الانسان علی نفسہ بصیرۃ ولو القیٰ معاذیرہ!

؎ کیا لطف جو غیر پردہ کھولے ✽ جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

اب اس پس منظر میں اس واقعہ کو دیکھ کر اہل انصاف ناظرین کرام فرمائیں کہ اس واقعہ کو عبد و معبود کے باہمی رشتہ اور خالق اکبر کی بارگاہ میں اپنے گناہوں کے اقرار اور پھر توبہ و استغفار کرنے سے کیا تعلق ہے؟ یا اسے جناب امیرؑ کی دعا و مناجات سے کیا ربط؟ جس کے متعلق تو دمؤلف طعن ۱۵ کے جواب میں یالو صاحت لکھ چکے ہیں۔ کہ محبوبانِ حضور کبریائی اپنی عبادات کو بھی بمقابلہ نعمت ہائے غیر متناہی جو واہب العطایا سے انہیں حاصل ہیں۔ گناہ سمجھ کر ہر وقت باعتراف قصور اس کی بارگاہ سے طلب مغفرت کیا کرتے ہیں (آفتاب صفحہ ۷۵۹) اسی بیان سے جناب آدم علی نبینا و آلہ و علیہ السلام کی توبہ و استغفار کی حقیقت بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین کے طور پر تھی! اب چونکہ خدا کی بارگاہ میں اپنے آپ کو مجرم ظاہر کرکے اس سے طلب مغفرت کرے تو اس سے کوئی دانشمند یہ مطلب اخذ کر سکتا ہے کہ ہر مؤمن کامل کو عام لوگوں کے سامنے بھی یہ اعلان کرنا چاہیئے کہ لوگو! میں منافق ہوں، میں بے ایمان ہوں؟ کیا یہ کسر نفسی ہے یا حماقت؟ ؎

ہر سخن جائے و ہر نکتہ مقامے دارد

؎ ہزار نکتہ باریک تر ز مو اینجا است ٭ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

مگر افسوس ؎ جس کی عقل ہو موٹی وہ کیا جانے

پندرہواں طعن | حضرت عمر نے غزوۂ حدیبیہ میں کہا۔ اے رسول! جب سے اسلام لایا ہوں مجھے شانِ نبوت میں ایسا کبھی شک نہیں ہوا جیسا آج ہوا۔

جواب | ہم نے تو کسی کتاب میں یہ نہیں دیکھا۔ مولانا عبد الشکور صاحب نے النجم میں اس کے متعلق پانسو روپے انعام دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اگر کسی معتبر کتاب حدیث سے یہ قول دکھلا دیں ـــــ اس لئے جب تک معترض حوالہ نہ دکھائے۔ جواب کی ضرورت نہیں ہے

دوم۔ اگر اقتضائے بشریت سے ایک مومن کامل کو کسی امر میں تردد پیدا ہو اور وہ فی الفور رفع ہو جائے تو اس کا کوئی مواخذہ نہیں ہوتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے موحد کامل نے رب العزت سے احیاء اموات کا نشان اطمینان قلب کیلئے طلب کیا ـــــ ہم شیعہ کی مستند کتاب حدیث فروع کافی کتاب الروضہ سے بھی قسم ایک روایت پیش کرتے ہیں ـــــ امام جعفر صادقؑ ایک دفعہ خلیفہ منصور کی اردل میں جا رہے تھے۔ خلیفہ بڑے جاہ و جلال سے گھوڑے پر سوار تھا ـــــ لیکن امام گدھے

پس ــــ آپ کے ایک خاص الخاص شیعہ نے استفسار کیا جبکہ آپ واپس لودلتی نہ پر تشریف لائے ــــ ترجمہ:۔ امام نے فرمایا جب میں واپس گھر آیا تو میرا ایک ــــ شیعہ مجھے ملا اور کہنے لگا۔ میں آپ پر قربان! بخدا میں نے آپ کو منصور کی اردل میں دیکھا۔ آپ گدھے پر سوار تھے وہ گھوڑے پر اور آپ کی طرف جھک کر باتیں کر رہا تھا گویا آپ اسکے ماتحت ہیں۔ میں نے دل میں کہا کہ یہ (امام) خدا کی طرف سے اس کی مخلوق پر حجت ہے ــــ اور یہ دوسرا (منصور) ایک ظالم شخص ہے جو اہلبیت رسول کو قتل کرتا ہے پھر تعجب ہے کہ وہ لاؤ لشکر کے ساتھ جا رہا ہے اور آپ گدھے پر سوار ــــ میرے دل میں شک پیدا ہوا حتیٰ کہ مجھے اپنے ایمان کا خوف ہو گیا۔ امام فرماتے ہیں پھر میں نے اس سے کہا کاش! تو ان فرشتوں کو دیکھتا جو میرے گرد و پیش جا رہے تھے تو تو منصور اور اس کے جاہ جلال کو ہیچ سمجھتا۔ اس شیعہ ــــ نے کہا اب میری تسلی ہو گئی ہے۔ بتلائیے امام صادق کے خاص الخاص جب شیعہ نے تو یہاں کہہ دیا کہ مجھے امامت کے متعلق ایسا شک ہوا کہ مجھے اپنے دین و ایمان کا بھی اندیشہ ہو گیا ــــ کیا وہ محب امام شک کی وجہ سے کافر ہو گیا تھا؟ ــــ نہیں وہ پہلے سے بھی ایمان میں مضبوط ہو گیا ــــ سو اسی وجہ سے اگر حضرت عمر نے بھی کہہ دیا ہو اور پھر اعجاز نبوی سے ہدایت مزید اطمینان قلب کا باعث ہوا تو نور علیٰ نور ہے۔ ایسا شک ہر کسی کو نصیب ہو۔ شیعہ بیچارے ان نکات کو کیا سمجھیں؟ (آفتاب)

الجواب جناب عمر کا صلح حدیبیہ کے مقام پر با ایں ہمہ الفاظ شک فی النبوۃ کا اظہار کرنا کہ "ما شککت منذ اسلمت الا یومئذ" صرف کسی ایک کتاب میں نہیں بلکہ بہت سی کتب معتبرہ میں مذکور ہے۔ بطور نمونہ چند حوالہ جات پیش کئے جاتے ہیں۔ (۱) تفسیر درمنثور ج ۶ صے ۷۷

(۲) عینی شرح بخاری ج ۷ صـ ۵۵۲ طبع مصر بروایت مروی ہے قال عمر لقد دخلنی امر عظیم و راجعت النبی مراجعة ما راجعت مثلها قط۔ اس روز میرے دل میں بڑا ہی شک و شبہ پیدا ہوا اور بار بار میں نے اسقدر آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں رجوع کیا کہ ایسا کبھی نہیں کیا تھا (۳) تفسیر ابن جریر ج ۲۶ صـ ۵۸ طبع مصر (۴) زاد المعاد ابن قیم طبع کانپور ج ۱ صـ ۳۷۶ (۵) تاریخ خمیس ج ۲ صـ ۲۷ طبع مصر (۶) معالم التنزیل ج ۴ صـ ۱۴۲ وغیرہ اب اگر یہ شک پیغمبر خدا کی رسالت اور دین اسلام کی صداقت میں نہیں تھا تو اور کس چیز کے متعلق تھا؟ آخر متعلق شک کیا تھا؟

۔۔۔ اگر ملا عبدالشکور لکھنوی یا مولوی کرم دین آف بھیں اس وقت بقید حیات ہوتے تو ہم بطور ارمغاں یہ حوالہ جات انکی خدمت میں پیش کرتے اور کہتے کہ ہم نے حسب المطلب اس مقولہ کو کتب معتبرۂ اہلسنت سے ثابت کر دیا ہے لیکن ہم پانسو روپیہ نہیں لیتے۔ عطائے شما بلقائے شما۔ یہ دنیا کے دن تمہیں مبارک ہوں ۔

رضینا قسمۃ الجبار فینا
لنا علم وللاعداء مال

البتہ ہم ان سے یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہوتے کہ ایسے شاک فی النبوۃ کے دامن کو چھوڑ کر اس بزرگوار کے دامن امامت سے متمسک ہو جائیں جس کا دعوے تھا۔ لو کشف الغطاء لما ازددت یقینا (شرح فقہ ص۱۵۹ طبع لاہور) مگر اب جبکہ وہ اس عالم ناپائیدار میں موجود نہیں بلکہ اپنے اعمال حسنہ و زر و وبال سمیت اپنے پروردگار کی بارگاہ ۔۔۔ میں پہنچ چکے ہیں۔ اس لئے ان کی بجائے ان کے ہم نواؤں سے ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ ۔

ادھر آ بحر عشق پنجتن میں ڈال دے کشتی
جو اس میں ڈوب جاتا ہے اسکا بیڑا پار ہوتا ہے

(اگر حجابات قدرت ہٹ جائیں تب بھی میرے ایقان میں مزید اضافہ نہیں ہو سکتا) ارشاد رب العزت ہے انما المؤمنون الذین آمنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابو۔ یعنی مومن تو بس وہی ہیں جو خدا و رسول پر ایمان لانے کے بعد پھر کبھی شک نہیں کرتے = اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خدا کی توحید و رسول کی رسالت میں شک کرنے والا مومن کامل نہیں ہو سکتا ۔۔۔ اور جو ایسا ہو وہ مسند امامت و خلافت کا اہل نہیں ہو سکتا ۔۔۔ اس سلسلہ میں مؤلف نے جناب ابراہیمؑ کے جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اسکا ہمارے متنازعہ فیہ مسئلہ سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ آنجناب ایمان کے مقام پر تو فائز تھے ہی اب وہ یہ استدعا کر کے اس سے بالائی منزل اطمینان قلب حاصل کرنے کے خواہش مند تھے۔ جیسا کہ خدا کے سوال "اولم تؤمن؟" کے جواب سے ظاہر ہے کہ "بلی ولکن لیطمئن قلبی" کیا ان کو اصل ایمان میں شک تھا جسے خدا نے رفع ؟ حاشا و کلا۔

اسی طرح مؤلف نے فروع کافی کی کتاب الروضہ سے جس مولائی کا واقعہ نقل کیا ہے کہ اسے منصور دوانیقی کا ظاہری جاہ و جلال اور امام وقت کی ظاہری خستہ حالی دیکھ کر دل میں شک پیدا ہوا اس کا بھی ہمارے موضوع سے کوئی ربط نہیں وہ شخص نہ نبوت کا دعویدار تھا اور نہ خلافت کا۔ لہذا

اگر اس کے ایمان میں نقص ہو تو کچھ ایسا ضرر نہیں مگر ہمارا روئے سخن تو اس شخص کی طرف ہے جو ایک طرف اقلیم خلافت کا دوسرا تاجدار ہونے کا دعویدار ہو اور دوسری طرف ایمان کی کمزوری کا عالم یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت میں شک کر رہا ہے۔ ع

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است!

نیز جناب عمر اور اس مولائی کے شک میں ایک اور نمایاں فرق بھی ہے اور وہ یہ کہ امام کی اعجاز نمائی سے اس مولائی کا شک تو رفع ہو گیا اور ایمان مضبوط ہو گیا مگر صلح حدیبیہ میں شک کرنے والے کو تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا تھا جس سے اس کا شک رفع ہوتا اور ایمان مضبوط ہوتا۔ وہاں تو صرف شک کرنا ثابت ہے جس سے ایمان رخصت ہو جاتا ہے اور پھر اس شک کے زائل ہونے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے

ذھب الحمار لیستفید لنفسہ

قرنا فآب وما لہ اذنان

ایسے شک کی خواہش جناب عمر کے مریدان باصفا ہی کر سکتے ہیں ورنہ اور تو کوئی عقل وہوش رکھنے والا آدمی ایسی غلط خواہش نہیں کر سکتا۔ اور وہی اس میں پوشیدہ نکات کو سمجھ سکتا ہے۔ ع
جو خدا کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔ کے مصداق ہی سچ ہے حب الشئی یعمی ویصم۔ وانھا لا تعمی الابصار بل تعمی القلوب التی فی الصدور۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

(نوٹ) اس کے بعد مؤلف نے مطاعن عثمان ذکر کر کے برعم خویش ان کے جوابات دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔ مگر ہم سلسلہ کلام کو آگے بڑھانے سے پہلے جناب عمر کے چند دیگر مطاعن کا اجمالی تذکرہ کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ وھی ھذہ!

طعن ۱۶ جناب عمر نے خدا و رسول کی بعض حلال کردہ چیزوں کو حرام قرار دیا جیسے متعۃ النساء اور متعۃ الحج چنانچہ انہوں نے علی الاعلان برسر منبر کہا تھا متعتان کانتا علی عہد رسول اللہ وانا انھی عنھما واعاقب من عاد متعۃ النساء ومتعۃ الحج یعنی دو متعے رسول اسلام کے زمانہ میں جائز تھے مگر میں ان کی ممانعت کرتا ہوں اور دوبارہ ارتکاب کرنے والوں کو سزا دوں گا۔ ایک متعۃ النساء ہے دوسرا متعۃ الحج (شرح تجرید فاضل قوشجی ص ۴۸۴ وتفسیر کبیر ج ۳ ص $\frac{287}{289}$) تفصیل مسئلہ متعہ میں گزر چکی ہے) ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالاً مبینا۔ ظاہر ہے کہ حلال خداوی کو حرام بنانے

والا شخص خلیفہ رسول نہیں ہو سکتا!

طعن نمبر ۱۷ جناب عمر نے ماہ رمضان میں بجماعت نماز تراویح رائج کی اور خوش ہو کر کہا نعمت البدعۃ ھذہ " یہ بہت اچھی بدعت ہے" (بخاری ج ۱ ص ۶۳۶) حالانکہ پیغمبر اسلام کا فرمان ہے کل بدعۃ ضلالۃ و کل ضلالۃ فی النار ہر بدعت گمراہی اور ہر گمراہی جہنم میں ہے (کنز العمال ج ۱ ص ۴۸) ظاہر ہے کہ بدعتی شخص نائب رسول نہیں ہو سکتا۔

طعن نمبر ۱۸ عمر صاحب نے نماز صبح میں الصلوٰۃ خیر من النوم جاری کرایا جیسا کہ موطائے مالک مع شرح تنویر الحوالک ج ۱ ص ۷۱ طبع مصر میں ہے کذا فی الفاروق للشبلی ص ۲۹ طبع لاہور۔

طعن نمبر ۱۹ جناب عمر پہلا شخص ہے جس نے نماز میں لوگوں کو ہاتھ باندھنے کا حکم دیا۔ اس سے قبل کوئی ہاتھ نہیں باندھا کرتا تھا (کتاب الاوائل علامہ ابو ہلال عسکری)

طعن نمبر ۲۰ جناب عمر نے ہی اپنی خلافت میں جاری کردہ تین طلاقوں کو طلاق بائن قرار دیا حالانکہ اس سے پہلے بلکہ ان کی خلافت کے پہلے دو سالوں میں یک وقت تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھا جاتا تھا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲)

طعن نمبر ۲۱ جناب عمر نے ہی لوگوں کو چار تکبیر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۳۷ طبع مصر)

طعن نمبر ۲۲ عمر نے ایک مجنونہ عورت کو بجرم زنا سنگسار کرنے کا حکم دیا جب جناب امیر علیہ السلام نے ٹوکا کہ کیا تمہیں علم نہیں کہ پیغمبر کا ارشاد ہے تین شخصوں سے حکم شریعت ساقط ہے۔ (۱) مجنون سے جب تک اسے افاقہ نہ ہو (۲) نابالغ سے جب تک بالغ نہ ہو (۳) اور سوئے ہوئے آدمی سے جب تک بیدار نہ ہو۔ یہ سن کر عمر نے کہا لولا علی لھلک عمر۔ (فواتح میبدی و شرح مواقف وغیرہ) واضح ہے کہ جو شخص شریعت اسلامیہ کی مبادیات سے ناواقف ہو اس میں تغیر و تبدل کرنے والا ہو وہ مسند رسول کا وارث نہیں ہو سکتا!

اس کے بعد ہم مؤلف کی ترتیب کے مطابق مطاعن عثمان کا تذکرہ کر کے ان کے جواب اجواب پیش کرتے ہیں۔

سولھواں طعن حضرت عثمان نے قرآن جلوا دیئے۔ اس لئے توہین قرآن کے جرم کے مرتکب ہوئے۔ ایسا شخص اہل خلافت نہیں ہو سکتا!

جواب حضرت عثمان نے قرآن جلوائے نہیں بلکہ قرآن کو جمع کرکے حفاظت کتاب اللہ کا ثواب حاصل کیا ——— آپ نے قرآن کو جمع کر دیا۔ البتہ غیر قرآن جو از قسم تفسیر لوگوں نے قرآن میں شامل کر رکھا تھا۔ اسکو جلا دیا اور سوائے اس صورت کے کلام اللہ کی حفاظت مشکل تھی۔ لیکن شیعہ معترض کو اپنے گھر کی بھی خبر ہے کہ بقول انکے ائمہ اہلبیت نے قرآن سے کیا سلوک کیا حضرت علی نے تو قرآن جمع کرنے کے بعد ایسا گم کیا کہ کہیں پتہ ملنا بھی مشکل ہے۔ کہا جاتا ہے اپنی اولاد کے سپرد کیا اور آخر امام مہدی کے ہاتھ آیا کیا اس سے بڑھ کر توہین قرآن ہو سکتی ہے؟ ——— تیسرے [illegible] اسی غلط سلط سفینوں کے قرآن سے کام لے رہے ہیں ——— اسکو نمازوں میں پڑھتے ہیں ——— اسکی تعلیم اپنے اطفال کو دلاتے ہیں اسی کا ثواب اپنے مردوں کے روحوں کو بخشوایا جاتا ہے ——— توہین قرآن کا ایک واقعہ ——— اصول کافی صفحہ ۱۸۰ میں ہے کہ حضرت صادق نے قرآن کی آیت یوں پڑھی ولا تکونوا کالتی نقضت غزلها من بعد قوة انکاثا تتخذون ایمانکم دخلا بینکم ان تکون ائمة ازکی من ائمتهم (قرآن موجودہ میں ہے) ان تکون امة اربی من امة۔ قال قلت جعلت فداك ائمة قال ای واللہ ائمة قلت فانا نقرا اربی من امة فقال ما اربی واومأ بیده فطرحها

ترجمہ:- راوی کہتا ہے میں نے حضرت امام سے پوچھا کہ یہ ائمہ ہے۔ آپ نے کہا ہاں خدا کی قسم ائمہ ہے۔ پھر میں نے کہا ہم اربی پڑھا کرتے ہیں۔ آپ نے کہا اربی کیا ہے؟ پھر آپ نے (جوش میں آ کے) ہاتھ سے اشارہ کیا اور قرآن زمین پر پھینک دیا۔ اب دیکھیے اس سے بڑھ کر توہین کیا ہو سکتی ہے ——— امام معصوم کا یہ فعل صریح توہین کلام پاک نہیں ہے؟ (آفتاب صفحہ ۲۷۹)

الجواب مؤلف نے جناب عثمان کے دفاع میں جو طریقہ کار اختیار کیا ہے وہ "تاویل القول بما لا یرضی به قائله" (یعنی کسی کے قول یا فعل کی ایسی دور از کار تاویل کرنا جس پر وہ خود قائل بھی راضی نہ ہو) کی بدترین مثال ہے۔ بخاری شریف ج ۲ صفحہ ۷۴۶ طبع مصر مطبع بہیہ مصریہ۔ میں عثمان کی جمع قرآن والی کیفیت کے بعد لکھا ہے "حتی اذا نسخوا الصحف فی المصاحف رد عثمان الصحف الی حفصة وارسل الی کل افق بمصحف مما نسخوا وامر بما سواه من القرآن فی کل صحیفة او مصحف ان یحرق" ——— یعنی جب کتابت قرآن مکمل ہو گئی تو عثمان نے حفصہ کے صحف انکو واپس کر دیئے اور اپنے لکھے ہوئے قرآنوں کا ایک ایک نسخہ ہر ہر علاقہ میں بھجوا دیا۔ اور حکم دیا کہ اس نسخہ کے علاوہ جو بھی قرآن ہیں جلا دیئے جائیں۔ صحیح بخاری کی اس قدر واضح عبارت کے بعد ہمارے مولوی صاحب کی تاویل علیل کی کیا قیمت باقی

مذکہ جو کچھ جلایا گیا وہ از قسم تفسیر تھا۔ یہاں تو اس کے قرآن ہونے کی صراحت موجود ہے اس کے بعد مؤلف نے ہارے ہوئے وکیل کی طرح نہایت کھسیاتے ہوئے لب ولہجہ میں الزامی طور پر جو کچھ لکھا ہے خدا شاہد ہے اس تحریر کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے۔ جیسے کوئی نہروان کا خارجی آل رسول کے خلاف ہرزہ سرائی کر رہا ہے اور جیسے اس محرر کا ان ائمہ اہلبیت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے اور گویا یہ ذوات قادسیہ صرف شیعوں کے ہی پیشوا و مقتدا ہیں۔ حالانکہ کتاب لکھنے والا اہل سنت کہلاتا ہے اور یہ ذوات مقدسہ سب مسلمانوں کا مشترکہ سرمایہ ہیں اور سب کے پیشوا اور ان کے دین و دنیا کے ہادی و رہنما ہیں۔ بہرکیف موجودہ قرآن پر شیعوں کے ایمان رکھنے، اس کی تعلیمات پر عمل کرنے اسی کو پڑھنے اور پڑھانے، حضرت امیر کے قرآن جمع کرنے اور مولف کے پیشواؤں کے اسے ٹھکرا دینے کے تفصیلی واقعات اسی کتاب کے ابتدا میں ایمان بالقرآن کی بحث میں مفصل ذکر ہو چکے ہیں۔ وہاں رجوع کیا جائے۔ فان فیہ کفایۃ لمن لہ ادنیٰ درایۃ۔ یہاں ان مباحث کے اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں ہے ــــــ ہاں البتہ یہاں ایک اہم مطلب پر تنبیہ کرنا لازم ہے۔ مؤلف نے اس بحث کے خاتمہ پر توہین قرآن کا ایک واقعہ کے ذیل میں جو واقعہ لکھا ہے اور جملہ " اومأ بید لا فطرحها " کا ترجمہ یہ کیا ہے " پھر آپ نے (جوش میں آ کے) ہاتھ سے اشارہ کیا اور قرآن زمین پر پھینک دیا " یہ سراسر غلط اور دروغ بے فروغ ہے! اس پوری عبارت میں قرآن کا کہیں ذکر تک موجود نہیں کہ وہ امام کے ہاتھ میں تھا! " فطرحها " کی ضمیر مؤنث ہے کہ " اس کو پھینک دیا " کیا قرآن مؤنث ہے؟ حالانکہ بات یہ ہے کہ " فطرحها " میں ضمیر مؤنث کا مرجع ہاتھ ہے۔ جو مؤنث سماعی ہے۔ اصل مطلب عبارت یہ ہے کہ جب مرادی نے کہا کہ ہم تو اسے امتہ پڑھتے رہے تو امام نے ہاتھ کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے ہاتھ نیچے پھینکا۔ مطلب یہ تھا کہ تم بھی اسی طرح اس کو ترک کر دو۔ نا سمجھی سے مؤلف نے بات کہاں سے کہاں تک پہنچا دی اور رائی کا پہاڑ بنا دیا متنبی نے ایسے ہی لوگوں کے متعلق کہا تھا ؎

وکم من عائب قولاً صحیحاً

وآفتہ من الفہم السقیم

یعنی کئی لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو صحیح بات کو غلط کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ بات غلط نہیں ہوتی بلکہ ان کا اپنا دماغ خراب ہوتا ہے جیسے کہ ؎

ان الیتیم یتیم العقل والادب

علاوہ بریں یہ بھی واضح ہے کہ اس روایت سے تحریف قرآن ثابت نہیں ہوتی بلکہ اختلاف قرأت کی نشاندہی ہوتی ہے کما لا یخفیٰ۔

سترہواں طعن حضرت عثمان نے حکم بن ابی العاص کو مدینہ منورہ بلوالیا حالانکہ آنحضرت نے اس کو اس کی شرارتوں کی وجہ سے مدینہ منورہ سے نکال دیا تھا اور شیخین نے بھی اسکو واپس آنے کی اجازت نہیں دی تھی۔

جواب حضور صلعم نے حکم کو اس لیے مدینہ سے نکال دیا تھا کہ اس کی منافقین اور کفار سے دوستی تھی اور احتمال فتنہ و فساد تھا۔ اور چونکہ حکم بنی امیہ سے تھا اور شیخین تیم اور عدی سے۔ اس لئے انہوں نے واپس کرنے کی اجازت نہ دی۔ لیکن حکم چونکہ حضرت عثمان کا رشتہ دار ابن العم تھا اور نیز مرض الموت میں حضرت عثمان نے رسول پاک سے سفارش کر کے اسکا قصور معاف کرالیا تھا۔ جس کی اطلاع شیخین کو نہ تھی اس لئے انہوں نے اسکو واپس بلوالیا۔ اور ایک ضعیف بڈھا فرتوت ہو چکا تھا کسی شور و شر کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔ اسکے واپس بلا لینے میں کچھ حرج نہ تھا (آفتاب صفحہ ۲۸)

الجواب حکم کو شہر بدر کرنے کے حقیقی علل و اسباب کیا تھے؟ ان کا کھوج لگانا ہمارے فرائض میں شامل نہیں ہے اتنا تو مؤلف بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے (مع اسکے بیٹے مروان کے) شہر بدر کر دیا تھا اور مدت العمر تک اسے واپس آنے کی اجازت نہ دی۔ پھر شیخین نے بھی اپنے دور حکومت میں اسے واپس نہ آنے دیا۔ البتہ عثمان نے اپنے دور حکومت میں اسے واپس بلا لیا۔ کیا ان کا یہ اقدام سنت رسول اور سیرت شیخین کی خلاف ورزی نہیں جس پر چلنے کا انہوں نے خلافت حاصل کرتے وقت عہد و پیمان کیا تھا؟ مؤلف کا یہ کہنا کہ حکم بنی امیہ میں سے تھا، عثمان کا ابن العم تھا۔ یہ چیزیں تو اس طعن کو اور زیادہ قوی کرتی ہیں کہ عثمان نے اپنی کنبہ پروری کی وجہ سے سنت رسول کی پرواہ نہ کی اور طرید رسول کو اپنا مقرب بارگاہ بنا لیا۔ ہاں البتہ مؤلف کا یہ کہنا غور و فکر اور صحیح توجہ کا مستحق ہے کہ "عثمان نے مرض الموت (نبوی) میں سفارش کر کے اس کا قصور معاف کرالیا تھا"۔ یہاں چند امور کی تنقیح ضروری ہے (الف) کب قصور معاف کرایا؟ (ب) اس بات کا علم کسی اور شخص کو بھی تھا؟ (ج) اگر تھا تو وہ گواہ کون کون حضرات تھے؟ (د) اگر کسی کو علم نہ تھا تو کیا رفع

تہمت کی خاطر اتنے بڑے اہم معاملہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حین حیات میں دوسروں کو کیا اسکی اطلاع دینا ضروری نہ تھی؟ (ھ) شیخین کے دورِ حکومت میں عثمان کیوں خاموش رہے؟ ان سے اس معافی کا تذکرہ کر کے کیوں حکم کو واپس نہ بلوا لیا (و) شیخین کے دورِ حکومت میں عثمان کی خاموشی سے کیا یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ ان کے پاس حکم کی معافی کا کوئی ثبوت نہ تھا؟ (ز) ان سب امور سے قطع نظر عثمان کا بارگاہِ نبوت میں سفارش کر کے معافی دلوانا کس معتبر کتاب میں لکھا ہے؟ واضح رہے کہ شیعوں کے جواب میں حوالہ بھی شیعی کتب کا درکار ہے! ____ ان حقائق کی روشنی میں سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہیں کہ اس تاویل علیل کو مؤلف کی ذہنی اختراع قرار دیا جائے لہٰذا ان بھول بھلیوں سے عثمان کے دامن کو مخالفت رسول کے بدنما دھبے سے صاف نہیں کیا جا سکتا تھا ایسا شخص جو اس طرح کھلے بندوں سنتِ رسول کی مخالفت کرے وہ مسندِ رسول پہ بیٹھنے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ وھو واضح من ان یخفی ۔ مگر ع

جس کی عقل ہو موٹی وہ کیا جانے؟

اٹھارہواں طعن حضرت عثمان نے مروان بن الحکم کو اپنا وزیر اور میر منشی رکھا تھا چنانچہ اسکی شرارت کا نتیجہ آخر کار آنجناب کی شہادت کا باعث ہوئی ____ خط پکڑا گیا اور محمد بن ابوبکر واپس آئے اور فتنہ و فساد ہوا ____

جواب مروان بن حکم نے عہد نبوی یا خلافت شیخین میں کوئی فتنہ و فساد نہیں کیا تھا جس سے معلوم ہو سکتا کہ مفسد و شریر ہے ____ حضرت عثمان کوئی عالم الغیب نہ تھے کہ آئندہ کے حالات ان کو معلوم ہوتے انہوں نے صلہ رحمی کے لحاظ سے اس کو ملازم رکھ لیا۔ آخر کار اس نے شرارت کی۔ لیکن شیعہ کے پاس اسکا کیا جواب ہے کہ ____ جنگ جمل میں جب وہ گرفتار ہو گیا تھا تو حسنین نے جناب امیر کے پاس سفارش کی اور اسے چھوڑ دیا جیسا کہ نہج البلاغہ میں ہے ____ خود جناب امیر نے اپنے عہدِ امارت میں زیاد جیسے ولد الزنا کو فارس کا امیر بنا رکھا تھا ____ لیکن اس بدنہاد نے آخر کار نمک حرامی کی اور محبان اہلبیت پر طرح طرح کے ظلم کئے ____ نیز آپ نے عبد الرحمٰن بن ملجم کو اپنی بیعت سے مشرف فرمایا اور اس پر طرح طرح کے احسان کئے چنانچہ جلاء العیون اردو صـ ۱۱۹ میں ہے" اس وقت عبد الرحمٰن بن ملجم بھی آیا کہ حضرت سے بیعت کرے حضرت نے اسکی بیعت قبول نہ فرمائی یہاں تک کہ تین مرتبہ حضرت کی

خدمت میں آیا۔ مرتبہ سوم میں حضرت نے اس سے بیعت لی رجب اس نے پیٹھ پھیری پھر حضرت نے اسے بلوایا اور قسمیں دیں۔ کہ بیعت سے انحراف نہ کرنا اور عہد ہائے محکم اس ملعون سے لئے ـــــ جناب ممدوح کو آخر کار شہید کیا ـــــ

جناب امیر علیہ الرضوان نے بقول شیعہ عالم الغیب ہو کر ایسے ملعون کی بیعت قبول فرمالی اور اس پر طرح طرح کے احسان بھی کرتے رہے ـــــ کیا شیعہ کچھ جواب دے سکتے ہیں ؟ کہ حضرت امیرؑ نے جو بقول ان کے انجام کار سے واقف تھے۔ کیوں اس پر احسانات کرتے رہے ؟ ـــــ (آفتاب صـ ۲۸۲)

الجواب یہ طعن اسقدر مضبوط ہے کہ ادھر ادھر کی غیر متعلق باتیں کر کے اس سے پیچھا نہیں چھڑایا جا سکتا۔ صرف یہی نہیں کہ عثمان نے طرید بن طرید رسول کو واپس مدینہ بلوایا۔ بلکہ اسے اپنی بہن کا رشتہ بھی دیا، تمام امور سلطنت کا مدار المہام بنایا اور افریقہ کا خمس بھی اس کے حوالے (الامامۃ والسیاسۃ صـ ۳۰ طبع مصر) نیز جاگیر فدک اس کے سپرد کر دی (تاریخ الخلفاء صـ ۱۵۰ المناظر بر حاشیہ مروج الذہب ج ۱ صـ ۲۰۹) اگر اسکا نام صلہ رحمی ہے۔ تو پھر مخالفت خدا و رسول کس چیز کا نام ہے ؟ یہ کہنا کہ اس نے پہلے کبھی کوئی شرارت نہیں کی تھی۔ جس سے اس کا شریر ہونا ثابت ہوتا۔ یہ حقائق کے سراسر خلاف ہے۔ مروان اور اس کے باپ حکم کی شرارتوں کی داستان اسقدر طویل ہے کہ حلہ

سفینہ چاہیئے اس بحر بیکراں کے لئے

ـــــ اور اگر بالفرض چند لمحات کے لئے یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ پہلے اس نے کوئی شرارت نہیں کی تھی اور بقول مؤلف "آخر کار اس نے شرارت کی" اور اسے بنا پر امت رسول نے (جس میں کئی صحابہ کرام بھی شامل تھے) عثمان سے اس شریر کی برطرفی کا مطالبہ کیا تو کیا اسوقت عثمان نے اس کے خلاف کوئی تادیبی کاروائی کی ؟ اسے برطرف کیا ؟ اگر نہیں کیا اور یقیناً نہیں کیا تو کیوں ؟ کیا یہ بھی صلہ رحمی تھی ؟ صلہ رحمی اپنے مال سے کی جاتی ہے نہ کہ خدا اور رسول کے مال سے ! کیا یہ صلہ رحمی ہے کہ ایک نااہل کو مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط کر دیا جائے، اور ان کے سفید و سیاہ کا اسے مختار کل بنا کر حقوق شرعیہ کا پیسہ اسکے حوالہ کر دیا جائے اگر یہ صلہ رحمی ہے تو پھر معصیت خدا و مصطفٰےؐ کسے کہا جاتا ہے ؟ یہ کہنا کس قدر بے ربط ہے کہ اگر مروان ایسا تھا تو جناب امیرؑ نے باوجود اس کی شرارت کے ظاہر ہو جانیکے جنگ جمل میں اسے کیوں چھوڑ دیا ؟ کسی مجرم کے جرم سے درگذر کر کے اسے چھوڑ دینا اور ہے اور مفسد و شریر اور

خدا و خلق کے حقوق پامال کرنے والے شخص کو مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط کرنا اور پہلا فعل عقلاً و شرعاً مستحسن ہے اور دوسرا قبیح - ولا شک فیہ! ــــ اسی طرح مؤلف کا الزاماً یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ حضرت علیؑ نے زیاد کو کیوں فارس کا امیر بنایا؟ یہ سنت اللہ ہے کہ جب تک مجرم سے جرم سرزد نہ ہو اس وقت تک اس کا مواخذہ نہیں کیا جا سکتا - اور نہ ہی اسے حسن سلوک سے محروم کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح خداوند حکیم نے شیطان کے ساتھ سلوک کیا۔ زیاد نے جو کچھ غداریاں کیں اور محبان اہلبیت پر مظالم ڈھائے یہ سب حضرت امیرؑ کی شہادت کے بعد کیا اور مؤلف کے محبوب القلب معاویہ کے ساتھ مل کر اور اسی کی انگیخت پر کیا - اگر اس نے یہ نمک حرامی آنجناب کے دور میں کی ہوتی اور پھر بھی جناب اسے امارت پر برقرار رکھتے، تب یہ اعتراض وارد ہوتا۔ مگر ایسا نہیں ہوا ــــ

باقی رہا عبدالرحمٰن بن ملجم کا معاملہ تو اگرچہ شیعہ خیرالبریہ عالم الغیب صرف خداوند عالم کو جانتے ہیں باقی انبیاء و مرسلین ہوں، یا ائمہ طاہرینؑ وہ اسی قدر مغیبات پر اطلاع رکھتے ہیں جس قدر خدا ان کو اطلاع دیتا ہے (عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احداً الا من ارتضی من رسول) ہاں البتہ بعض اخبار و آثار سے جو کچھ واضح و آشکار ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جناب امیرؑ کو باعلام اللہ والرسول اس شریر کی شرارت کی پیشگی اطلاع ضرور تھی جب ہی تو اس سے بیعت لینے میں اس قدر تردد و تامل فرمایا جس کا اقرار خود مؤلف نے بھی کیا ہے۔ ورنہ پہلے اس قدر تامل پھر اس قدر تاکید اور بیعت سے عدم انحراف پر ابتقدر عہد و پیمان لینے کی کیا ضرورت تھی؟ باقی رہا اس پر احسانات کرنا اور اس سے بلطف و مدارا پیش آنا تو یہ صرف اتمام حجت کے لئے تھا تاکہ اس شقی ازلی کو اس کا فرانہ اقدام کرنے کا کوئی ادنیٰ جواز بھی نہ مل سکے پھر بھی اسے لوگوں کا حاکم تو نہیں بنایا تھا اور نہ ہی کوئی اسلامی عہدہ اس کے سپرد کیا تھا! یہ ایسے کھلے ہوئے حقائق ہیں کہ معمولی سمجھ والا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے۔ نہ معلوم ان لوگوں کی بصیرت کیوں ختم کیوں ہو گئی ہے کہ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا مالھؤلاء القوم لا یفقھون حدیثاً، حالانکہ

این ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

انیسواں طعن

حضرت عثمان کی نعش تین دن بے گور و کفن پڑی رہی اور نماز جنازہ بھی نہ ہوئی ــــ **جواب**: اول تو یہ بات سراسر بہتان و افترا ہے۔ متعدد رشتہ دار حضرت طلحہ، مروان العاص وغیرہ موجود تھے، جنہوں نے قصاص میں جنگہائے عظیم کئے اور نیز صدہا جاں نثار غلام بھی موجود تھے تو یہ کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ ان کی نعش تین روز بے گور و کفن پڑی رہی ہو! اگر فرض کر لیا جائے ایسا ہی ہو تو اس سے

آپکی شانِ اقدس میں کیا کمی آسکتی ہے؟ کیا شہدائے کربلا کے ساتھ اشرار نے اس سے بڑھ کر سلوک نہیں کیا۔ ایسے اعتراضات کرتے وقت شیعوں کو یہ خیال کرنا چاہیئے کہ اس سے ہم پہ تو زد نہیں پڑتی ــــــ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی نعش مبارک بڑی عزت و احترام سے جنت البقیع میں دفن کی گئی ــــــ اس امر کی تصدیق تفسیر جامع عباسی باب دوم میں درج ہے۔ عثمان غنی برگزیدہ تلمیذ رسول تھے! جن کو دوسری دامادی رسول مقبول کا فخر حاصل تھا ــــــ آپ کے عہدِ خلافت میں ــــــ اسلامی مقبوضات میں وسعت ہوئی۔ پس آپ کی شہادت پر ترقی اسلام کا خاتمہ ہوگیا ــــــ عہدِ امارت جناب امیر میں صرف خانہ جنگیاں ہوتی رہیں ــــــ کسی شاعر نے آپ کی منقبت میں یوں درفشانی کی ہے

ع نبی کی بیٹی کے تھے عثمان رضؓ بیٹے ۔۔۔ ہو کیا اس سے بڑھ کر نجات غنیؓ کی
سب اسلامیوں سے ہوئی دُور عسرت ۔۔۔ ہوئی نفع بخش ایسی دولت غنی رضؓ کی
ہوئی فوت اِک دوسری دے دی بیٹی ۔۔۔ یہ دل میں نبی کے تھی وقعت غنیؓ کی
نبی نے سفارت پہ مکے کو بھیجا ۔۔۔ تو ل ہاتھ اپنے سے بیعت غنیؓ کی
علیؓ ان کے ہم زلف زہرا رضؓ تھی سالی ۔۔۔ یہ سبطینؓ سے تھی قرابت غنیؓ کی

ہے اوراقِ تاریخ میں ثبت اب تک
شجاعت علیؓ کی سخاوت غنی رضؓ کی (آفتاب)

الجواب یہ حقیقت ناقابل انکار تاریخی حقائق سے ثابت ہے کہ جناب عثمان کی نعش قتل کے بعد تین دن تک بے گور و کفن پڑی رہی اور بالآخر تیسرے دن بڑی افراتفری کے عالم میں بمقام "حش کوکب" (جہاں لوگ بول و براز کرتے تھے اور یہودیوں کا قبرستان تھا) دفن کی گئی اور پھر معاویہ نے اپنے دورِ حکومت میں جنت البقیع کی دیوار کو بڑھا کر کے اس مقام کو جنت البقیع میں داخل کرایا (آج تک دیوار کی کجی معاویہ کی اس کارستانی کی شاہد ناطق ہے) ان حقائق کے مختصر حوالہ جات یہ ہیں (۱) حیواۃ الحیوان دمیری ج ۱ ص۵۰ طبع مصر میں لکھا ہے دفاقام ثلاثة ایام لم یدفن و لم یصل علیہ یعنی عثمان کی نعش تین دن تک بے گور و کفن اور بلا نماز پڑی رہی" ــــــ

(۲) سیرت حلبیہ ج ۲ ص۸۱ طبع مصر میں مزید بیں لکھا ہے۔ "القی علی المزبلة ثلاثة ایام" یعنی عثمان کی نعش تین دن تک مزبلہ (اروڑی) پہ پڑی رہی" (۳) خواجہ حسن نظامی نے اپنے رسالہ محرم نامہ

ص۱۴۱ پر لکھا ہے "یہ دل لرزنے کی بات ہے امیر المومنین (عثمان) جانشین رسول کا جنازہ تین دن بے گور و کفن پڑا رہا ——— عبرت کا مقام ہے جو خلیفہ دنیا کے بڑے حصے کا مالک ہو اس کی میت کے ساتھ چار آدمی سے زیادہ نہ تھے اور اس پر بلوائیوں کا یہ حال تھا کہ پتھر مار رہے تھے اور بیچارے جنازہ اٹھانے والے بھاگم بھاگ جا رہے تھے۔ جب حضرت عثمان کو آخر مجبور ہو کر یہودیوں کے قبرستان میں جو جنت البقیع کے برابر تھا اس حامی اسلام اور مسلمان خلیفہ کو دفن کیا گیا" (۴۳) کتاب الامامۃ والسیاسۃ ص۴۲ طبع مصر پر لکھا ہے کہ عثمان کو بمقام حش کوکب دفن کیا گیا (۵۱) انوار اللغۃ ۲۲ ص ۹۹ پر لکھا ہے "حش کوکب بقیع سے باہر ایک مقام ہے۔ جس میں یہودی اپنے میتوں کو دفن کیا کرتے تھے اور معاویہ نے اپنے زمانہ میں اس مقام کو بقیع میں داخل کر لیا اور لوگوں کو حکم دیا اس قبر (عثمان) کی نواح میں مسلمانوں کی قبریں بنائیں۔ چنانچہ اسی طرح کیا گیا اور وہ مقام مقابر مسلمین سے متصل ہو گیا ——— اب اہل انصاف بتائیں کہ یہ بات بہتان ہے یا بالکل حقیقت؟ مولف نے اس حقیقت کو جھٹلانے کیلئے جس بات کا سہارا لیا ہے وہ تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ اگر عثمان کے طلحہ اور عمرو بن العاص جیسے مقتدر رشتہ دار اور سینکڑوں غلام جانثار موجود تھے تو عثمان قتل ہی کیوں ہوئے؟ اور اگر یہ حقیقت ہے کہ حالات اس قدر بے قابو ہو چکے تھے کہ یہ لوگ قتل عثمان کے معاملہ میں بے بس تھے تو دفن و کفن کا معاملہ بھی اس سے مختلف نہ تھا!

——— پھر مؤلف نے اپنے خلیفہ کی اس بے عزتی کے وزن کو ہلکا کرنے کے لئے شہدائے کربلا کی مظلومیت اور انکی بے کفنی و بے دفنی کا تذکرہ کیا ہے مگر یہاں جو نمایاں فرق تھا وہ اسے نظر انداز کر گئے یعنی وہ یہ بھول گئے ہیں کہ کربلا میں حضرت سید الشہداؑ اور ان کے اعزا و انصار روحی و ارواح العالمین بہم الفداء کے ساتھ یہ سلوک کرنے والے کوفہ کے وہ درندہ صفت انسان نما تھے۔ جن میں نہ کوئی صحابی تھا اور نہ کوئی تابعی مگر عثمان کو قتل کرنے والے اور تین دن تک بے گور و کفن رکھنے والے اصحاب کرام تھے یا تابعین عظام۔ الغرض برادران اسلامی کے اصول کے مطابق قاتل بھی رضی اللہ عنہ اور مقتول بھی رضی اللہ عنہ ظالم بھی رضی اللہ اور مظلوم بھی رضی اللہ۔ یہ عجیب انداز محبت ہے ظالم سے بھی یارانہ مظلوم سے یارانہ بہر حال ؎

سماع وعظ کجا نغمہ رباب کجا

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا؟

مؤلف نے عثمان کی دامادی اور حدود مملکت کو وسیع کرنے وغیرہ کے جن غیر متعلق امور

کا بیان تذکرہ کیا ہے۔ ان کے دندان شکن جواب اس سے قبل کئی مقامات پر بالخصوص فضائل عثمان کے عنوان کے ذیل میں دیئے جا چکے ہیں۔ وہاں رجوع کیا جائے۔ فلا نطیل الکلام بالتکرار ہاں البتہ نظم کا جواب نظم میں حاضر ہے اسے پڑھیئے اور سر دھنیئے۔

حضرت عثمان کا تعارف

تھی مشہور عالم شرافت غنی کی
نرالی تھی سب سے نجابت غنی کی

تھے عثمان حضرت امیہ کے پوتے
تھی اموی نژادوں سے نسبت غنی کی

تھے مروانیوں کے وہ ہم نسل بھائی
جگر خوارہ سے تھی قرابت غنی کی

غنی کے اقارب تھے بیری بنی کے
ہو کیا اس سے بڑھ کر فضیلت غنی کی

طرید رسالت سے محکم تھا رشتہ
ہوئی جس کے ذریعے اہانت غنی کی

نہ حیدرؑ سے قربت نہ زہراؑ سے الفت
یہ دشمن کی جھوٹی ہے مدحت غنی کی

ہوئی تجہیز مروان کی دورہ عسرت
بڑے کام آئی سخاوت غنی کی

جناب غنی تھے سخاوت کے پیکر
تھی رشتہ داروں کو دولت غنی کی

نبی کے صحابہ رہے دیکھتے ہی
ہوئی ان کے غیروں پہ شفقت غنی کی

بہر حال ہے یہ مقام تعجب
صحابہ کے ہاتھوں شہادت غنی کی

ہے اتنا تو افسوس منظور کو بھی!
گئی حش کوکب میں میت غنی کی

(سید منظور بخاری)

★

نوٹ: یہاں تک مؤلف کے بیان کردہ مطاعن اور ان کے جوابات تو مکمل ہو گئے مگر حسب سابق ہم پھر اختصار کے ساتھ بیان عثمان کے چند مزید مطاعن کا تذکرہ کرتے ہیں۔

طعن ۲۰
جناب ابوذرؓ جیسے پاکباز صحابی کو ربذہ جیسے مقام کی طرف شہر بدر کیا (الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۱۳۰ بخاری مع فتح الباری ج ۶ ص ۱۴/۱۵ طبع دہلی وکذا فی تیسیر الباری پ ۶ ص ۲۲ حاشیہ ۵ و ص ۱۳ حاشیہ ۲)

طعن ۲۱
جناب عمار بن یاسرؓ جیسے مخلص مومن اور سچے صحابی رسولؐ کو اسقدر پٹوایا کہ ان کو فتق کا عارضہ لاحق ہو گیا۔ (تاریخ مروج الذہب بر حاشیہ کامل ج ۵ ص ۱۵۹ وغیرہ)

طعن ۲۲ مروان بن الحکم کو افریقہ کا تمام خمس بخش دیا (تاریخ خمیس ص ۲۷۱ وغیرہ)

(طعن ۲۳) ولید بن عقبہ جیسے شرابخور کو کوفہ کا گورنر بنایا۔ جس نے صبح کی چار رکعت نماز پڑھائی اور شراب کی قئے کی (مروج الذہب ج ۲ ص ۲۴ طبع جدید مصر وغیرہ)۔

طعن ۲۴ مروان کو فدک ہبہ کر دیا حالانکہ اسی کی خاطر پہلے خلیفہ نے صدیقہ کبریٰ بی بی عالم کی ناراضی مول لی تھی (روضۃ المناظر "لابن شحنہ" برحاشیہ مروج الذہب ج ۱ ص ۲۰۹ وغیرہ) جو بقول اہلسنت امت کے تمام غرباء ومساکین کا مال تھا اور بقول شیعہ خاتون قیامت اور ان کے بعد انکی اولاد امجاد کا حق تھا۔

طعن ۲۵ انہی مذکورہ بالا حقائق کی بنا پر جناب عائشہ صاحبہ کہا کرتی تھیں۔ **اقتلوا نعثلا لقد فجر نعثل** (عثمان) کو قتل کر دو کہ یہ فاجر ہو گیا ہے "الامامۃ والسیاسۃ ص ۴۸ ونہایہ ابن اثیر باب النون مع العین۔ ظاہر ہے کہ جس شخص کا یہ کردار ہو اور یہ روش ورفتار ہو وہ اور تو سب کچھ ہو سکتا ہے مگر رسول کردگار کی مسند کا حقدار نہیں ہو سکتا۔ **انا ھدینٰہ السبیل اما شاکرا و اما کفورا۔**

اصحاب ثلاثہ کے نام پر فرزندان علی کے نام

کتب معتبرہ تواریخ فریقین سے ثابت ہے کہ جناب امیرؑ نے اپنے ایک صاحبزادہ کا نام ابوبکر — ایک — کا نام عمر رکھا — ایک کا نام عثمان رکھا — ایک صاحبزادی کا نام ام المومنین — کے نام پر میمونہ رکھا دوسری دو صاحبزادیوں کا نام رقیہ و ام کلثوم رکھا جو رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں کے نام تھے — ایسا ہی امام حسن نے ایک صاحبزادہ کا نام ابوبکر — ایک کا نام عمر رکھا — امام زین العابدینؑ نے بھی اپنے ایک فرزند کا نام عمر رکھا اور حضرت امام موسیٰ کاظمؑ نے بھی اپنے ایک صاحبزادے کا نام ابوبکر رکھا۔ حضرت امام رضاؑ نے اپنی دختر کا نام عائشہ رکھا اور حضرت علی نقیؑ نے اپنی نور چشمی کا یہی نام رکھا۔ اب شیعہ حضرات سے ہم دریافت کرتے ہیں کہ اگر جناب امیر علیہ الرضوان اور ان کے فرزندان گرامی کو حضرات ثلاثہ السابقین وازواج مطہرات سے محبت و پیار نہ تھا تو اپنی اولاد کے نام ان کے ناموں پر کیوں رکھے؟ — کوئی شخص دشمن کے نام پر اپنی اولاد کے نام نہیں رکھے گا —

—— یہ ایک ایسی زبردست دلیل ہمارے ہاتھ میں فضیلت —— اصحاب ثلاثہؓ ثابت کرنے کے لئے ہے جس کا کوئی جواب شیعہ سے قیامت تک نہیں ہو سکتا۔

لطیفہ (یہاں مؤلف نے یہ لطیفہ یا بالفاظِ مناسب یہ کثیفہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے اپنے ایک جہلمی شیعہ دوست سے یہی سوال کیا تو اس نے جواباً کہا کہ تاکہ بیٹوں کا نام لے کر ثلاثہ کو دل کھول کر گالیاں دے سکیں۔ اس پر مؤلف نے کہا تو پھر آپ یزید و شمر نام رکھیں، تاکہ ان کو بھی گالیاں دے سکیں۔ جس پر وہ دوست خاموش ہو گیا)

شیعہ سے چند سوالات ہم شیعہ سے چند سوالات کرتے ہیں امید ہے کہ کوئی صاحب جواب باصواب سے مطلع کریں گے اور اگر جواب نہ دے سکیں اور ہرگز نہیں دے سکتے تو خدارا راہِ راست پر آجائیں۔ (۱) پہلا سوال یہی ہے کہ اگر اصحاب ثلاثہ —— منافق و کافر تھے —— تو جناب امیر علیہ السلام اور ان کے اہلبیتؑ نے اپنی اولاد کے نام ان کے ناموں پر کیوں رکھے؟ (۲) اگر نعوذ باللہ وہ کافر و منافق تھے تو رسول نے اپنی بیٹیوں کے ناطے ان کو کیوں دیے اور ان کی بیٹیاں اپنی زوجیت میں کیوں لیں؟ —— (۳) اگر —— وہ کافر و منافق تھے تو جناب امیر علیہ السلام نے اپنی بیٹی امّ کلثوم کیوں حضرت عمرؓ کو نکاح دی —— (۴) اگر وہ کافر و منافق تھے تو جناب رسولپاک صلے اللہ علیہ وسلم نے اور حضرت امیرؓ نے ان سے لڑائی کیوں نہ کی حالانکہ قرآن کا حکم ہے یا ایہا النبی جاھد الکفار والمنافقین۔ (۵) جب بقول شیعہ اصحاب ثلاثہ نے جناب امیرؓ سے خلافت چھین لی۔ فدک دبا لیا —— جناب امیرؓ نے کیوں تلوار نہ اٹھائی؟ اگر کہو کہ صبر کیا تو پھر —— امیر معاویہ سے کیوں جنگ کی —— حضرت امام حسینؑ نے کیوں یزید سے لڑ کر اپنی اور معصوم بچوں کی جانیں قربان کیں؟ (۶) اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ثم لا یجاورونک فیہا الا قلیلا (منافق لوگ نبی کی ہمسائگت میں زیادہ عرصہ تک نہیں ٹھہر سکیں گے۔ حالانکہ اصحاب ثلاثہ زندگی میں ہمیشہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مصاحب خاص رہے اور بعد وفات ان کو —— مجاورت —— حاصل ہے —— (۷) قرآن میں ہے لا تتخذوا

عدوی وعدوکم اولیاء (میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ) تو جب بقول شیعہ اصحاب ثلاثہ جناب رسول اور جناب امیرؑ کے دشمن تھے تو کیوں رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو دوست بنائے رکھا؟ اگر کہو بے بس تھے تو ہجرت کیوں نہ کی؟ (۸) قرآن میں ہے انا لننصر رسلنا والذین آمنوا (ہم اپنے رسولوں اور مومنوں کو نصرت بخشا کرتے ہیں) اگر اصحاب ثلاثہ مؤمن نہ تھے تو کیوں نصرت الہٰی ان کے شامل حال رہی؟ (۹) اگر خلافت اصحاب ثلاثہ کا حق نہ تھی تو حضرت شہربانو جو غنیمت میں منقیہ بن کر آئی تھی اور حضرت عمرؓ نے امام حسینؑ کو دے دیں آپ نے کیوں قبول کیں (۱۰) جب متعہ اتنا بڑا ثواب کا کام ہے کہ ... تو ائمہ اہلبیتؑ کیوں اس ثواب سے محروم رہے۔ کتب شیعہ سے ثابت ہے کہ کسی امام نے متعہ نہیں کیا (۱۱) کتب شیعہ سے ثابت ہے کہ علی المرتضےٰ کے تین فرزندوں کا نام ابوبکر، عمر، عثمان تھا وہ بھی امام حسینؑ کے ساتھ معرکہ کربلا میں شہید ہوئے مرثیوں میں ان کا نام کیوں ذکر نہیں کیا گیا (۱۲) کتب شیعہ میں تصریح موجود ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے قرآن جمع کر کے اصحاب کو دکھلایا تھا انہوں نے قبول نہ کیا تو آپ نے کہا اب تم لوگ اس قرآن کو تا قیامت نہ دیکھو گے۔ وہ قرآن اب دفن کہاں ہے؟ اگر امام غائبؑ نے اس کو چھپا رکھا ہے تو کیا وہ کتاب خدا چھپا رکھنے کے مجرم نہیں ہیں؟ کافی کلینی میں تصریح ہے کہ رسول پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فوت ہوتے ہی تمام اصحاب سوائے تین چار کے اسلام سے پھر گئے۔ پھر بعثت رسول اور نزول قرآن سے فائدہ کیا ہوا؟ اور پھر سوال یہ ہے کہ جناب امیرؑ انہی تین چار بزرگوں کے اجماع سے خلیفہ ہوئے کیا کوئی شیعہ بزرگ ان سوالات کا کوئی معقول جواب دیں گے؟ ہمیں تو امید نہیں ہے (آفتاب صـ ۲۸۷)

الجواب مؤلف صاحب اصحاب ثلاثہ کی محبت میں کچھ اس طرح گرفتار ہیں۔ (حشرہ اللہ معہم یوم القیامۃ) کہ بزعم خویش انکی کوئی فرضی فضیلت ثابت کرنے یا ائمہ اہلبیتؑ کے ساتھ ان کے خوشگوار تعلقات ظاہر کرنے کی خاطر وہ تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور باتوں کا سہارا لینے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے اور اس بات کا تو گویا انہوں نے اجارہ لے لیا ہے کہ وہ اپنی کتاب میں ان تمام امور کا تذکرہ کریں گے۔ جو ان کے پیشرو اہل حق کے خلاف کر گئے ہیں ان کی بلا سے کہ وہ بیسیوں مرتبہ کے مردودہ اور مدتوں کے فرسودہ ہیں ــــ جس سے بحمد اللہ قارئین کرام ان کے متعلق کوئی اچھا تاثر نہیں لے سکتے بلکہ وہ انکی علمی بے مائیگی اور فضل و کمال سے تہی دامنی کا یقین کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

مثلاً اسی ناموں والے مسئلہ ہی کو لے لیں اس پر انہوں نے حضرات ائمہ اہلبیتؑ اور اصحاب ثلاثہ کے باہمی تعلقات کے خوشگوار ہونے کی دیوار استوار کی ہے یہ کس قدر کمزور اور بودہ استدلال ہے۔

۱۔ شیعیان حیدر کرارؑ کی ائمہ اطہارؑ کی تقلید و تاسی میں جو کچھ کدو کاوش ہے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جن کے یہ نام ہیں، ان کو ناموں سے

کوئی پر خاص نہیں ہے اسم تو اپنے مسمیٰ کی صرف ایک شناختی علامت ہے جو کچھ خوبی یا خامی ہوتی ہے وہ مسمیٰ میں ہوتی ہے نہ اسم میں۔

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا — غواص کو موتی کی طلب ہے کہ صدف کی ؟

تنگ نظر لوگوں کو (جو اپنے مخالف کا نام لینا یا سننا گوارا نہیں کر سکتے۔) ادیان خلائق کا اپنے اوپر قیاس نہیں کرنا چاہئیے۔ ع

کارِ پاکان را قیاس از خود مگیر — گرچہ باشد در نوشتن شیر شیر

ب ۔ اگر مؤلف کا یہ نظریہ علی الاطلاق درست تسلیم کر لیا جائے کہ فوت شدگان سے جو بزرگ واجب الاحترام اور ذی شرافت سمجھا جاتا ہے اس کا نام تبرکاً اولاد کا رکھا جاتا ہے ؟ تو مؤلف کے ہم مذہب کئی اکابر اصاغر کے نام عبدالرحمٰن اور یزید ہیں۔ (کتب رجال میں فہرست دیکھی جا سکتی ہے) تو کیا ہم یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں گے۔ کہ اہلسنت کو جناب امیرؑ اور جناب امام حسینؑ کے قاتلوں سے محبت ہے اور یہ ان کو واجب الاحترام بزرگ سمجھتے ہیں جب ہی تو ان کے نام پر اپنی اولاد کے نام رکھتے ہیں لیکن اگر قاتلان ائمہؑ کے نام پر نام رکھنے سے اہل سنت کے تعلقات ان ملعونوں سے خوشگوار ثابت نہیں ہوتے تو پھر اصحاب ثلاثہ کے نام پر اولاد کے نام رکھنے سے آئمہ اور ثلاثہ کے تعلقات بھی خوشگوار ثابت نہیں ہو سکتے۔ ج ائمہ اطہارؑ اور اصحاب ثلاثہ کے باہمی تعلقات کی کیفیت تو متنازعہ فیہ ہے مگر یہ تو مسلّم ہے کہ وہ معاویہ اور یزید کو برا سمجھتے تھے حالانکہ ائمہ اطہارؑ کے اصحاب کبار میں بہت سے حضرات کے نام معاویہ اور یزید ہیں (ثبوت کے لئے تمام کتب رجال دیکھی جا سکتی ہیں) کیا کوئی عقل کا اندھا یہ باور کر سکتا ہے کہ ان حضرات کے والدین نے ان کے یہ نام اس لئے رکھے تھے کہ ان کو معاویہ اور یزید سے محبت تھی۔ اور وہ ان کے واجب الاحترام بزرگ تھے۔ حاشا و کلا (د) اگر یہ قاعدہ بالفرض تسلیم ہی کر لیا جائے کہ کسی کے نام پر نام رکھنے سے باہمی محبت ظاہر ہوتی ہے تو اس کی کیا دلیل ہے کہ حضرت امیرؑ اور دوسرے ائمہ اطہارؑ نے اصحاب ثلاثہ کو ہی پیش نظر رکھ کر اپنی اولاد کے یہ نام رکھے ہیں۔ کیا ثلاثہ کے علاوہ ان اسماء کا کوئی اور اچھا مسمیٰ نہ تھا ؟ ایک ابوبکر وہ ہے جس نے جناب امیرؑ کی خلافت غصب کی تو دوسرا وہ ابوبکر ہے جس نے ان کو اس حرکت پر سر عام ٹوکا تھا ملاحظہ ہو کتاب الیقین بحوالہ مناقب ابن جریر ص۱۰۱) جناب امیرؑ کے جد اعلیٰ جناب ہاشم کا اسم گرامی عمرو ہے ۔ اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض اصحاب باصفا کا نام بھی عمر ہے ۔ جیسے عمر بن سلمہ اور عمر بن مالک وغیرہم ۔ نیز عثمان نام کے کئی اچھے بزرگ موجود تھے جیسے رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلیل القدر صحابی عثمان بن مظعون اور دوسرے جناب امیرؑ کے عظیم صحابی عثمان بن حنیف ۔ لہذا عین ممکن ہے کہ ائمہؑ نے ان حضرات کے جذبۂ محبت سے سرشار ہو کر اپنی اولاد کے نام ان کے ناموں پر رکھے ہوں لہذا جب تک ثلاثہ کو ملاحظہ رکھ کر ان کے نام پر نام رکھنا ثابت نہ کیا جائے (جو کہ قیامت تک اہلسنت ثابت نہیں کر سکتے) اس وقت تک ائمہ اہلبیتؑ اور ثلاثہ کے خوشگوار تعلقات ثابت کرنے کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا ! الحمد للہ ان حقائق کی روشنی میں بزعم خویش مؤلف کی زبردست دلیل کا تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہونا واضح ہو گیا۔ اب آئیے ذیل میں مؤلف کے بیان کردہ بارہ عدد سوالات کے جوابات ملاحظہ فرمائیں جن کو انہوں نے بلا ربط و انضباط یہاں یکطرفہ جمع کر دیا ہے اور پھر اس خوش فہمی میں مبتلا بھی ہیں کہ کوئی شیعہ ان کا جواب نہیں دے سکتا۔ یا للعجب !

؎ خاکساران جہاں را بحقارت منگر
توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد؟

مؤلف کے پیش کردہ بارہ سوالات کے تحقیقی جوابات

(۱) آپ کے پہلے سوال کا تحقیقی جواب باصواب ابھی اوپر درج کر دیا گیا ہے۔

(۲) دوسرے سوال کا تحقیقی جواب قبل ازیں بذیل مناقب عثمان "مسئلہ بنات رسولؐ" کے ضمن میں دیا جا چکا ہے اسی مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

(۳) اس سوال کا صحیح اور مکمل جواب بذیل "فضائل عمر" دیا جا چکا ہے اور دلائل قاطعہ سے اس ازدواج کا ایک افسانہ ہونا ثابت کیا جا چکا ہے وہاں رجوع کیا جائے۔

(۴) اصحاب ثلاثہ کو چھوڑیئے اتنا تو سب مانتے ہیں کہ مدینہ میں منافق موجود تھے (ومن اہل المدینۃ مردوا علی النفاق) کفار سے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد بار جہاد فرمایا۔ کیا کسی تاریخ سے منافقین سے بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جہاد کرنے کا کوئی ثبوت ملتا ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے، تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد کرنے کی نوعیت جدا جدا ہے۔ کفار سے "جہاد بالسیف" (تلوار سے جنگ) کا حکم تھا اور منافقین سے "جہاد باللسان" (زبان سے جنگ) کا۔ جیسا کہ تمام مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے (ملاحظہ ہو تفسیر درمنثور ج ۳ ص ۲۵۸) اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جناب امیرؑ برابر ان لوگوں سے یہ جہاد فرماتے رہے۔ اگر منافقین سے بھی جہاد بالسیف فرماتے جو بظاہر اصحاب میں شامل تھے تو اشاعت اسلام کا سلسلہ رک جاتا اور یتحدث الناس ان محمداً یقتل اصحابہ لوگ یہ باتیں بناتے کہ محمدؐ اپنے اصحاب کو قتل کرتے ہیں (بخاری مع فتح الباری ج ۳ ص ۳۰۵)

(۵) اس سوال کا تحقیقی جواب باصواب کئی بار قبل ازیں مختلف مقامات پر دیا جا چکا ہے فہرست مطالب دیکھ کر قارئین کرام ان مقامات کا مطالعہ فرمائیں۔ معاویہ کے ساتھ جنگ کی نوعیت اور تھی جناب امیرؑ کی خلافت قرآن وسنت کی روشنی میں تو پہلے ہی ثابت تھی ـــــ اب حسب ظاہر بھی سارا عالم اسلام آپکی بیعت خلافت پہ اتفاق کر چکا تھا مگر معاویہ نے بغاوت کا علم بلند کر دیا۔ تو باغی کی سرکوبی کرنا اسلامی حکومت کے سربراہ کا فرض منصبی ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے "فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٔ الی امر اللہ" باغی سے اس وقت تک جنگ جاری رکھو جب تک حکم خدا (اقرار حق یا صلح) کی طرف نہ لوٹ آئے
باقی رہے حضرت سید شہداؑ تو ان کا معاملہ اپنے بھائی اور والد ماجد سے قطعاً مختلف تھا ان حضرات کا جن

سے سابقہ پڑا تھا وہ بباطن جیسا کچھ بھی تھے مگر بظاہر اسلام کا نام لیتے تھے اور اسکے اکثر ظواہر پر عمل درآمد بھی کرتے تھے۔ مگر امام حسین کا جس نابکار سے واسطہ پڑا تھا۔ اس نے اسلام کا جوا بالکل گردن سے اتار دیا تھا۔ اس لئے ان کو تحفظ اسلام کی خاطر یہ عظیم قربانی پیش کرنا پڑی جو واقعہ ہائلہ کربلا کے نام سے مشہور ہے۔ مقصد تمام حضرات کا ایک تھا۔ البتہ اس کے حصول کے طریقے مختلف تھے اور یہ بات محتاج بیان نہیں کہ ایک ہی مقصد کے حاصل کرنے کے طریقے حالات و ظروف کے بدلنے سے بدلتے رہتے ہیں ــــ کما لایخفیٰ اس سے زیادہ تفصیلی جوابات دیکھنے کیلئے ہماری کتاب سعادۃ الدارین فی مقتل الحسین اور اثبات الامامت کی طرف رجوع کیا جائے ــــ ونعم ماقیل۔

چاہا جب خدا نے یہ بتائے دنیا والوں کو کہاں پر صلح ہوتی ہے کہاں پر جنگ ہوتی ہے
تو بھیجے اپنی رحمت سے نبی کے لاڈلے دونوں یہ سمجھائیں جس پہ آج دنیا دنگ ہوتی ہے
یہ آئے اور مسلم کو عمل کر کے یہ بتلایا یہاں پہ صلح ہوتی ہے یہاں جنگ ہوتی ہے

(۷) پوری آیت پڑھنے سے اس سوال کا جواب باصواب معلوم ہو جاتا ہے جو اس طرح ہے لئن لم ینتہ المنافقون والذین فی قلوبہم مرض والمرجفون فی المدینۃ لنغرینک بہم ثم لا یجاورونک فیہا الا قلیلاً ملعونین اینما ثقفوا اخذوا وقتلوا تقتیلا (پ۲۲ س احزاب ع ۵) منافق اور وہ لوگ جن کی نیتیں بد ہیں اور جو لوگ مدینے میں (جھوٹی جھوٹی) افواہیں پھیلایا کرتے ہیں اگر اپنی حرکات سے) باز نہ آئیں گے تو (اسے پیغمبرؐ) ہم تم (ہی) کو ایک نہ ایک دن) ان پر اکسا دیں گے پھر (یہ لوگ) مدینے میں تمہارے پڑوس میں ٹھہرنے پائیں گے نہیں مگر چند روز (عارضی طور پر) ان کا یہ حال ہوگا کہ ہر طرف پھٹکارے ہوئے جہاں ملے پکڑا اور مار کے ٹکڑے اڑا دیئے" (ترجمہ مولانا نذیر احمد دہلوی) ــــ مولانا موصوف اسی آیت کے حاشیہ ۲ میں تحریر فرماتے ہیں " جھوٹی افواہیں پھیلانے کی نسبت مفسرین نے لکھا ہے کہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جب مسلمانوں کا کوئی لشکر یا فوج کا دستہ جہاد کے لئے جاتا تو کچھ لوگ مدینے میں بڑی افواہیں پھیلاتے پھرتے کہ مسلمان ہار نے اور مارے گئے اور بھاگے ان افواہوں کی وجہ سے مجاہدین کے عزیزوں اور رشتہ داروں میں تشویش ہوتی تھی اور یہ آیت ان ہی افواہ بد پھیلانے والوں کے حق میں نازل ہوئی۔ (ص ۶۸۵ طبع دہلی) اس ترجمہ اور تفسیر کو پیش نظر رکھنے کے بعد یہ حقیقت بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ یہ آیت صرف ان منافقوں اور افواہیں پھیلانے والوں کے متعلق بطور تنبیہ نازل ہوئی ہے کہ اگر وہ اپنی ان ناشائستہ حرکات سے باز نہ آئے تو ہم ایسا و لیسا کریں گے لیکن چونکہ وہ لوگ اس دھمکی کے بعد بظاہر ان حرکات سے باز آ گئے تو بموجب اذا فات الشرط فات المشروط وہ

سرزنش اور سزا بھی موقوف کر دی گئی جو اس آیت میں بیان کی گئی تھی۔ اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ علی الاطلاق چند دنوں کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں منافق ختم ہو گئے تھے نہیں ہرگز نہیں بلکہ منافق آپ کے بعد بدستور موجود اور پہلے سے بدتر حالت میں موجود تھے چنانچہ بخاری ج ۲ ص۱۰۵۵ طبع مصر میں بروایت حذیفہ یمانی مروی ہے۔ فرمایا ان المنافقین الیوم شر منہم علی عہد رسول اللہ کانوا یومئذ یسرون والیوم یجھرون۔ آج کل (وفات پیغمبر کے بعد) منافقوں کی حالت عہد نبوی والی حالت سے بدتر ہے۔ کیونکہ وہ آج کل کھلم کھلا کاروائیاں کر رہے ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت میں چھپ کر ریشہ دوانیاں کرتے تھے"۔ اور شبلی نعمانی نے تو یہ لکھ کر رہی سہی کسر بھی نکال دی ہے کہ "آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جس وقت وفات پائی۔ مدینہ منافقوں سے بھرا پڑا تھا جو مدت سے اس بات کے منتظر تھے کہ رسول کا سایہ اٹھ جائے تو اسلام کو پامال کر دیں"۔ (الفاروق ج ۱ ص۵۳ طبع لاہور)

(۷) کتاب کی ابتداء میں جہاں مؤلف نے آیات قرآنیہ سے فضائل ثلاثہ پر استدلال کیا ہے۔ وہاں آیت مبارکہ لا تجد قوما یؤمنون باللہ ورسولہ یوادون من حاد اللہ۔ کے ذیل میں اس سوال کا مکمل جواب دیا جا چکا ہے وہاں رجوع کیا جائے۔

(۸) اگر اس نصرت سے ظاہری فتح وفیروزی مراد لی جائے تو یہ ان دوسری آیات کے خلاف ہے جن سے انبیاء ومرسلین اور کامل الایمان مومنین کا مظلومیت کے عالم میں شہید ہونا مذکور ہے۔ جیسے۔ تقتلون فریقاً وتأسرون فریقاً ——— یقتلون الانبیاء اللہ بغیر حق ——— لہٰذا اس طرح ان بزرگواروں کو نبیوں اور مومنوں کی فہرست سے خارج کرنا پڑے گا (معاذ اللہ) اور بڑے فاتحین جیسے سکندر اعظم، چنگیز خان، نپولین وغیرہ کو مومن کامل تسلیم کرنا پڑے گا جنہوں نے مؤلف کے خلفاء سے کہیں بڑھ کر ممالک فتح کئے اور ظاہری نصرت الٰہی ان کے شامل حال رہی۔ ہم کئی بار اس حقیقت کا اظہار کر چکے ہیں کہ ظاہری فتوحات کسی شخص کے ایمان کی دلیل نہیں بن سکتیں کیونکہ ان اللہ لیؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر۔

(۹) اس سوال کا مفصل ومکمل جواب "فضائل عمر" کے جوابات کے ضمن میں دیا جا چکا ہے۔ جہاں مؤلف نے یہ استدلال پیش کیا تھا۔ اس جگہ رجوع کیا جائے۔

(۱۰) یہ کہنا کہ کتب شیعہ سے ثابت ہے کہ کسی امام نے متعہ نہیں یہ مؤلف کی کتب شیعہ سے ناواقفی کی بین دلیل ہے ورنہ کتب شیعہ سے ائمہ طاہرین کا اس سنت نبویہ پر عمل کرنا مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو انوار نعمانیہ (یہ بالخصوص قابل دید ہے) اور وسائل الشیعہ وغیرہ۔ اور ہم سابقہ ابواب میں ناقابل انکار دلیلوں سے اسلام میں متعہ کا جواز اور اس کا شرعی نکاح ہونا ثابت کر آئے ہیں تو بجائے اس اگر ائمہ اہلبیت نے اس

پر عمل کیا ہے تو اس میں قباحت کیا ہے ؟؟

ایضاح مؤلف کے لائق فرزند نے اس مقام پر ہم سے سادات عظام (یعنی ائمہ طاہرین علیہم السلام) کا متعہ نامہ طلب کیا ہے جس میں ان عورتوں کے نام درج ہوں جن سے انہوں نے متعہ کیا اور پھر اس اولاد کے نام بھی درج ہوں جو اس کے نتیجہ میں پیدا ہوئی ——— تو جوابًا عرض ہے کہ پہلے موصوف اپنے بارہ خلفاء کا نکاح نامہ پیش کریں اور کنیز نامہ بھی اور اولاد نامہ بھی یعنی اپنے خلفاء کی تمام منکوحہ بیویوں اور مملوکہ (لونڈیوں) کے نام اور پھر ان سے پیدا ہونے والی تمام اولاد کے نام ہمیں بتائیں پھر ہم بھی سادات کا متعہ نامہ پیش کر دیں گے ؟ ——— نیز یہ بیہودہ ایراد بھی کیا ہے کہ جب نکاح کے اسقدر فضائل نہیں تو متعہ کے کیوں ہیں ؟ تو اسکی وجہ یہ ہے کہ چونکہ آپ کے خلیفۂ دوم نے اس سنت نبویہ کو بند کر دیا تھا۔ اس لئے حقیقی جانشینانِ رسول نے اس مردہ سنت کو زندہ کرنے کے لئے اسکے زیادہ فضائل بیان فرمائے ہیں۔

——— متعہ کرنے سے حسنین کا درجہ حاصل ہونے والے ثواب پر وارد شدہ ایراد کے جواب میں ہم نے آیت کریمہ "اولئک الذین انعم اللہ علیھم" پیش کر کے جو جواب دیا تھا اس کے جواب الجواب میں قاضی نے جس ژولیدہ خیالی کا اظہار کیا ہے۔ اور ہمارے بیان کردہ مفہوم کو امام مازری کے بیان کردہ مطلب سے جس طرح متضاد قرار دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔ وہ ان کی شکست خوردہ ذہنیت اور پریشان خیالی کا شاہکار ہے ——— فلیراجع

(۱۱) یہ سوال بھی مذہب شیعہ خیر البریہ کی کتب تاریخ بالخصوص واقعہ کربلا پر لکھی جانے والی کتب سے ناواقفیت کی کھلی ہوئی دلیل ہے ورنہ ان کتابوں کے ناظرین پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ ہر وہ کتاب جس میں شہداء کربلا کا مقدس تذکرہ ہے اس میں ان نام بردہ حضرات کی شہادتوں کا تذکرہ بھی موجود ہے بلکہ اس موضوع پر چند کتب بالخصوص موجود ہیں جیسے ابصار العین، نجاۃ الدارین، فرسان الہیجاء، شہداء کربلا اور اصحاب الیمین اس راقم آثم کی کتاب سعادۃ الدارین فی مقتل الحسین میں بھی ان حضرات کی مقدس شہادتوں کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے ہمیشہ شیعہ علماء و مؤرخین نے نظم و نثر میں دوسرے شہداء کے ساتھ ان کا بھی تذکرہ کیا ہے ؎

شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور

(۱۲) اس سوال کا تحقیقی جواب کتاب کی ابتداء میں تحریف قرآن والی بحث میں دیا جا چکا ہے۔ اس قرآن مجید (جو جناب امیرؑ نے مرتب کیا تھا) کے اخفاء اور تاخیر ظہور کی ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی

ہے۔ جنہوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور وہ مؤلف کے چہیتے خلفاء تھے۔ اگر مجرم ہیں تو وہی نہ امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ۔

مؤلف نے آخر میں جو سوال اٹھایا ہے اس کا الزامی اور علمی جواب باصواب بھی قبل ازیں وہاں پیش کیا جا چکا ہے جہاں مؤلف نے "ارتداد صحابہ" کی بحث کی ہے۔ نہ معلوم ان سوالات کا بار بار تکرار کرنے سے مؤلف کا مقصد کیا ہے۔ یہاں صرف اسقدر عرض کر دینا کافی ہے کہ اگر انوار نبوت اور فیوض رسالت سے صرف چند نفوس زاکیہ نے ہی صحیح استفادہ کیا اور باقی محروم رہے تو اس میں رسول کا کوئی قصور نہیں ہے۔ کیونکہ ؎

نہ ہو طبیعت ہی جن کی قابل وہ تربیت سے نہیں سنورتے

؎ باران کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست ✿ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم و خس

وقلیل من عبادی الشکور۔

علمائے اہلسنت سے چند سوالات

بعونہ تعالیٰ جب ہم نے مؤلف کے تمام پیش کردہ سوالات کے تحقیقی جوابات پیش کر دیے ہیں۔ جن پر ان کو اس قدر ناز تھا کہ بار بار یہ کہتے تھے "کوئی شیعہ ان کا جواب نہیں دے سکتا" تو اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم بھی ان کے ابنائے مذہب سے چند سوالات کر کے ان کے جوابات کا ان سے مطالبہ کریں۔ کیا علمائے اہلسنت ان سوالات کے تحقیقی جوابات دینے کی زحمت گوارا کریں گے؟ اور اگر ان سوالات کا کوئی معقول جواب نہ دے سکیں (جس کی آفتابِ قیامت کے طلوع ہونے تک امید نہیں ہے ویسے رطب ویابس جمع کر کے چھاپ دینا اور بات ہے) تو کیا ہم ان سے توقع رکھیں کہ وہ کشتیٔ نجاتِ اہلبیتؑ نبوتؐ پر سوار ہو کر سعادتِ دارین حاصل کریں گے؟

پہلا سوال

جب کتب حدیث اہلسنت سے ثابت ہے کہ خدا عرش پر بیٹھتا ہے اور عرش اس کے بیٹھنے سے اس طرح چرچراتا ہے جیسے تازہ زین سوار کے بیٹھنے سے چرچراتی ہے (کنز العمال ج ا ص ۵۷)، اس کے کپڑے ریشم کے ہیں جوتے سونے کے اور اس کے بال گھنگھریلے ہیں (کنز العمال ج ا ص ۵۸)، وہ اٹھتا ہے بیٹھتا ہے چڑھتا ہے اترتا ہے (انوار اللغۃ پ ۱ ص ۱۱۵) بروز قیامت اپنی ٹانگ دوزخ میں ڈالے گا (بخاری ج ۳ ص ۱۱۹ طبع مصر) تو بعد ازاں خدا تعالیٰ لیس کمثلہ شیئ کا مصداق کس طرح ہو سکتا ہے؟ اور ایسا اعتقاد فاسد رکھنے والا فرقہ کیونکر موحد کہلا سکتا ہے؟

دُوسرا سوال جب خیر و شر کا مقدر اور فاعل اور جاعل خدا کو ہی تسلیم کیا جائے (جیسا کہ اہلسنت کا اعتقاد ہے) تو پھر خدا کی عدالت کیونکر برقرار رہ سکتی ہے؟ اور اسکی جنت و جہنم اور وعدہ و وعید پہ کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟

تیسرا سوال بخاری ج ۲ ص ۱۷۹ باب الطلاق پر جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جونیہ کے متعلق جو حیرتناک واقعہ درج ہے کیا اسے صحیح تسلیم کرنے کے بعد رسول کی رسالت برقرار رہ سکتی ہے؟ اور کیا اس کا معتقد مسلمان کہلا سکتا ہے؟

چوتھا سوال کتاب جذب القلوب شیخ عبدالحق محدث دہلوی مطبوعہ کلکتہ ۱۲۶۲ھ ص ۱۹۱ پر جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق مسجد فضیح میں بیٹھ کر شراب نوشی کرنے کا جو واقعہ درج ہے کیا اسکی روشنی میں آنحضرت کی عصمت باقی رہ جاتی ہے؟ اور کیا اس کا معتقد مسلمان کہلانے کا حقدار ہو سکتا ہے؟

پانچواں سوال بخاری ج ۴ ص ۱۰۱ طبع مصر میں ہے کہ مطالبۂ فدک و انکار ابو بکر کے بعد جناب خاتونِ قیامت ابو بکر پر اسقدر ناراض ہوئیں کہ تازیست ان سے کلام نہیں کیا۔

اور اسی بخاری کی ج ۲ ص ۲۱۳ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد درج ہے کہ فاطمہ میرا پارہ تن ہے جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا اور قرآن میں رسول کو ایذا دینے اور ناراض کرنے والوں پہ لعنت کی گئی ہے اور انہیں جہنمی قرار دیا گیا ہے (ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ) کیا بعد ازیں ابو بکر کو مؤمن تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ تا بخلافت چہ رسد؟

چھٹا سوال بخاری شریف اور مشکوۃ شریف ج ۲ ص ۵۴۲ پر مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مرض الموت میں حکم دیتے ہیں کہ مجھے قلم دوات لا دو تاکہ میں ایسی تحریر لکھ جاؤں کہ اسکے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو مگر جناب عمر اسے ہذیان کہہ کر یہ تحریر لکھوانے سے مانع ہوتے ہیں! کیا دریں حالات تمام گمراہوں کی گمراہی کی ذمہ داری عمر پہ عائد نہیں ہوتی؟ اور کیا ان حالات میں عمر کو مؤمن قرار دیا جا سکتا ہے؟

ساتواں سوال جناب عائشہ جناب عثمان کے متعلق کہا کرتی تھیں اقتلوا نعثلاً فانہ کفر لمبی داڑھی والے اس نعثل (یہودی) کو قتل کر دو خدا اسے قتل کرے کیونکہ وہ کافر ہو گیا ہے! ملاحظہ ہو نہایہ ابن اثیر ص ۱۶۶ مجمع البحار ج ۲ ص ۳۷۳ الامامۃ والسیاسۃ ص ۵۲ اب غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ اگر جناب عائشہ کا یہ فتویٰ کہاں تک صحیح ہے؟ کیونکہ اگر اسے صحیح تسلیم کیا جائے تو عثمان کا ایمان و خلافت رخصت اور اگر غلط مانا جائے تو جناب عائشہ کی دیانت و امانت ختم؟

چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما؟

آٹھواں سوال خداوند عالم قرآن مجید میں بار بار اپنے برگزیدہ بندوں سے محبت اور انکی اتباع کرنے اور برے بندوں (جیسے کافر ظالم اور کاذب وغیرہ) سے دوری اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے اور خود ان پر لعنت بھی کرتا ہے کیا یہی وہ تولاّ و تبرا نہیں جسکے شیعہ قائل ہیں اور اہل سنت اس کے نام سے کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں؟ ایسا کیوں ہے؟ کیا برادرانِ اسلامی کی یہ روش تعلیمات اسلامیہ کے خلاف نہیں ہے

نواں سوال پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے بنا بر مشہور ایک کم ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی گذرے ہیں کیا کسی ایک نبی کے متعلق یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی مسند کے وارث کا نام و نشان بتائے بغیر دنیا سے تشریف لے گیا ہو۔ اور اسکے بعد اسکی امت نے اجماع و شوریٰ کر کے اس کے وصی کو منتخب کیا ہو؟ اور اگر ایسی کوئی مثال نہ مل سکے تو پھر پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت کس طرح ایسا ہو سکتا ہے؟ کیونکہ لن تجد لسنۃ اللّٰہ تبدیلا!

دسواں سوال کیا پیغمبر خاتم سے پہلے ایک کم ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں میں سے کسی ایک نبی کے متعلق کوئی ثبوت ملتا ہے کہ اس کا تمام ترکہ اسکی امت کے فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیا گیا ہو۔ اور اسکی اولاد کو اس کے ورثہ سے محروم کر دیا گیا ہو؟ اور اگر ایسا ثابت نہ ہو سکے تو پھر پیغمبر خاتم کے متعلق یہ نظریہ کیوں قائم کیا جاتا ہے کہ ما ترکناہ صدقۃ؟

گیارہواں سوال جو شخص پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحیح جانشین کی خلافت و امامت کو تسلیم نہ کرے بلکہ علی الاعلان اس کی مخالفت کرے اور اس سے جنگیں لڑے اس کے متعلق اسلامی شریعت کا حکم کیا ہے؟ اور کیا یہ حکم معاویہ اور ام عائشہ پر نافذ نہیں ہوتا؟ اس کے باوجود ان کا احترام اور ان کو خلیفہ ماننے والوں کا انجام و مقام کیا ہے؟

بارہواں سوال صحاح ستہ سمیت تمام کتب حدیث چھلک رہے ہیں کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میرے بعد میرے بارہ ۱۲ جانشین ہونگے! اب سوال یہ ہے کہ وہ بارہ ۱۲ جانشینانِ رسول کون ہیں؟ حضرات شیعہ جن بارہ کو جانشین رسول اور امام خلق مانتے ہیں وہ تو ساری دنیا جانتی ہے (از علیؑ تا مہدیؑ) ——غور طلب بات یہ ہے کہ اہلسنت کے نزدیک وہ بارہ خلیفے کون ہیں؟ کیا ان میں چھٹے نمبر پر یزید اور ساتویں پہ مروان کا نام بھی شامل ہے؟ اگر ہے، اور یقیناً ہے (جیسا کہ کتب عقائد اہلسنت میں تصریح موجود ہے) تو جس مذہب کے امام یزید اور مروان جیسے بے ایمان ہوں وہ مذہب بھی نجات کا ضامن ہو سکتا ہے؟ اور اس کے نام لیوا ناجی ہو سکتے

ہیں : بینوا توجروا ـــــ ان درمیانی کڑیوں کے بعد ہم پھر عنان بیان مؤلف آفتاب کے بیانات اور ان کے جوابات کی طرف موڑتے ہیں چنانچہ جناب موصوف درج ذیل عنوان کے تحت رقمطراز ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ اصحاب ثلاثہ کے بعد زیادہ غیظ و غضب شیعہ اصحاب کو ام المومنین عائشہ صدیقہ سے ہے اور آپ کے خلاف چند الزامات لگائے ہیں جن کا جواب دینا فرض ہے۔

پہلا طعن قرآن مجید میں ہے وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ (اپنے گھروں میں بیٹھی رہو اور زمانہ جاہلیت کی طرح باہر نہ نکلو) حضرت عائشہ نے اس حکم کی مخالفت کی کہ معرکہ کارزار میں نکل کر شریک ہوئیں ـــــ

جواب نادان معترض جس کو تدبر فی القرآن نصیب نہیں۔ آیات قرآن کے معنی کرتے وقت ہمیشہ ٹھوکر کھاتا ہے۔ کیا اس کا یہ معنی ہے کہ گھر کی چار دیواری میں عمر بھر ایسی محبوس ـــــ رہیں کہ گھر سے باہر نکلنا کسی دینی ضرورت کے لئے بھی جائز نہ ہو۔ ہرگز نہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کو حج اور عمرہ کے لئے ساتھ لے جایا کرتے۔ میکے جاتے، عیادت مریض۔ ۔ ۔ ۔ کی ممانعت نہ تھی ـــــ آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جیسے عورتیں بے حجاب ہو کر زرق برق لباس پہنے بازاروں میں پھرتی تھیں اب اس طرح بے پردہ پھرنا جائز نہیں ہے ـــــ حدیث میں ہے کہ اس آیت کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذن لکن ان تخرجن لحاجتکن (اب تمہیں اجازت دی گئی کہ اپنی حاجت کے لئے نکل سکو) حضرت عائشہ صدیقہ چونکہ مظلوم خلیفہ عادل کے قصاص کے لئے سفر میں نکلنے پر مجبور ہوئی تھیں اس لئے یہ سفر جہاد و حج وعمرہ کی طرح ایک دینی ضرورت تھی جس پر طعن نہیں ہو سکتا۔ پھر آپ کے ساتھ آپ کے اقارب میں سے عبد اللہ بن زبیر ـــــ تھے ـــــ علاوہ ازیں آپ ام المومنین ہونے کی وجہ سے تمام مسلمانوں کی ماں اور سب آپ کے فرزند تھے۔ اس لئے آپ کے اس سفر پر معترض ہونا شیعہ کی سخت حماقت ہے ـــــ غالباً شیعہ حضرات اہلسنت پر ایسے اعتراض کرتے وقت اپنے گھر سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ شیعہ کی معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؓ گھر سے باہر نکل کر حضرت عمر سے دست بگریباں ہوئیں ـــــ شیعہ اس کے بھی قائل ہیں کہ جناب سیدہؓ نے باغ فدک کے لئے دربار میں اصالتاً دعویٰ کیا ـــــ یہ بھی

شیعہ کتابوں میں لکھا ہے کہ غصب خلافت و دیگر حقوق پر جناب امیرؑ تا توں جنت کو سوار کر کے مہاجرین و انصار کے گھر پھیرتے کیا یہ باتیں جائز تھیں؟

دوسرا طعن حضرت عائشہ نے جناب امیرؑ سے بغاوت کی اور جنگ کیا۔

جواب :- اسی قسم کا اعتراض جناب امیر علیہ السلام پر بھی عائد ہوتا ہے کہ بحکم "وازواجہ امہاتہم" (رسول کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں) جب حضرت عائشہ حضرت علیؑ کی ماں تھیں آپ کو ان سے جنگ ہرگز جائز نہ تھا۔ قرآن میں ہے۔ ولا تقل لہما اُف حقیقت یہ تھی کہ یہ جنگ و جدل طرفین کی کسی بدنیتی پر مبنی نہ تھا بلکہ ہر دو فریق کی اجتہادی غلطی تھی حضرت عائشہ اور ان کے طرفدار حضرت عثمان کا قصاص لینے کے لئے ان کے قاتلین کو امیر علیہ السلام سے مانگتے تھے۔ جناب امیرؑ ان کے شر و فساد کے اندیشہ سے ان کو حوالہ نہ کر سکے۔

—— طرفین میں معرکہ کی جنگ ہوئی آخرکار صلح و صفائی ہوئی حضرت عائشہ اپنے کئے پر پشیمان ہوئیں جناب امیرؑ نے انکو بڑی عزت —— سے گھر پہنچایا اور دلی صفائی ہو گئی۔ اعتراض ہر دو پر یکساں عائد ہوتا ہے فما ہو جوابکم فہو جوابنا۔ حضرت عائشہ مومنوں کی ماں ہیں۔ آپ کو ہی یہ فضیلت حاصل ہے کہ آپ کے حجرہ میں آپ کی گود میں حضور کا وصال ہوا۔ آپ کی نسبت قرآن کریم میں آپ کی بریت کے متعلق آیات نازل ہوئیں اور آپ کے قاذفین اور طاعنین کو عتاب ہوا۔

تیسرا طعن حضرت عائشہ نے روضہ مطہرہ میں اپنے باپ اور حضرت عمر کو دفن کرنے کی اجازت دی حالانکہ اس مکان کی آپ اکیلی مالک نہ تھیں۔

جواب :- حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ازواج مطہرات کو الگ الگ مکان دے کر ان کو ان کا مالک کر دیا ہوا تھا۔ چنانچہ یہ حجرہ —— حضرت عائشہ کا تھا جو ان کی ملکیت تھا —— اگر عائشہ کی ملکیت نہ تھی تو حضرت امام حسنؑ نے اپنے مزار کیلئے حضرت عائشہ سے کیوں اجازت طلب فرمائی —— قرآن سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حجرات ازواج مطہرات کی ملکیت تھے جہاں وہ بستی تھیں قرآن میں ہے۔ وقرن فی بیوتکن (اپنے گھروں میں ٹھہری رہو) —— (آفتاب ہدایت از صفحہ ۲۷۸ تا صفحہ ۲۹۹)

الجواب یہ امر بھی نیرنگی روزگار کا شاہکار ہے۔ کہ آج وہ لوگ بھی قرآن ناطق کے نام لیوا قدم قدم تدبّر فی القرآن کا طعنہ دے رہے ہیں جنکے پیروں اور مرشدوں کو سارا قرآن تو کجا اسکی ایک آیت کا بھی صحیح مطلب معلوم نہیں تھا۔ (تفسیر درمنثور ج ۶ صفحہ ۱۲۱) اگر کسی قوم کے ماموم جاہل ہوں تو کوئی ایسی بات نہیں۔ خدا کرے کسی قوم کا امام جاہل نہ ہو۔!

عائشہ کا قصاص عثمان کیلئے گھر سے نکلنا بچند وجہ غلط ہے

یہ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ کسی شرعی ضرورت کے لئے مستورات کا گھر کی چار دیواری سے باپردہ باہر نکلنا جائز ہے اور آیت سے اسکی ممانعت ثابت نہیں ہوتی اور نہ ہی ہمارا یہ مدعا ہے۔ مگر جناب عائشہ کا قصاص عثمان کے لئے گھر سے باہر نکلنا کسی طرح بھی جائز قرار نہیں دیا جا سکتا مؤلف نے جو اس خروج کو قصاص عثمان کی خاطر ہر دو کی بجا آوری کی طرح ایک دینی ضرورت قرار دیا ہے۔ یہ بچند وجہ غلط ہے۔

وجہ اوّل کتب سیر و تواریخ کا مطالعہ کرنے والے حضرات پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ قتل عثمان میں سب سے زیادہ حصہ انہی صاحبہ کا ہے۔ ذیل میں اس کے بعض شواہد پیش کئے جاتے ہیں۔ (الف) ابن سعد اور بلاذری نے لکھا ہے کہ جن دنوں عثمان محصور تھے۔ عائشہ نے حج پر جانے کا ارادہ کیا۔ عثمان نے مروان، زید بن ثابت اور عبدالرحمٰن بن عتاب کو ان کے پاس بھیجا کہ وہ ان دنوں مدینہ سے باہر نہ جائیں۔ شاید اس طرح یہ مصیبت ٹل جائے مگر مروان کے بار بار اصرار کے باوجود جب عائشہ اپنا ارادہ بدلنے پر آمادہ نہ ہوئیں تو مروان یہ شعر پڑھتا ہوا واپس لوٹ آیا۔

وحرق قیس علی البلاد ... حتی اذا استعرت اجذ ما

یعنی قیس نے میرے خلاف شہروں میں آگ لگا دی۔ جب وہ خوب بھڑک اٹھی تو خود بھاگ گیا۔" (ب) بلاذری، طبری، ابن ابی الحدید وغیرہ مورخین نے لکھا ہے کہ عثمان نے عبداللہ بن عباس کو موسم حج کا افسر مقرر کر کے بھیجا۔ راستہ میں عائشہ کی ان سے ملاقات ہوئی تو عائشہ نے ان سے کہا ابن عباس! میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں کہ خدا نے تمہیں قوت تقریر بخشی ہے۔ تم لوگوں کو اس شخص (عثمان) کی مدد سے روکو اور ان سے روگرداں کرو۔ اب لوگوں کی آنکھیں کھل گئی ہیں۔ وہ مختلف شہروں سے سمٹ آئے ہیں ـــ میں دیکھ آئی ہوں کہ طلحہ بن عبیداللہ نے بیت المال اور خزانوں

کی کنجیاں اپنے قبضہ میں کر لی ہیں اگر وہ خلیفہ ہوتے تو اپنے چچا کے بیٹے (ابوبکر) کی سیرت پر چلیں گے (ج) مؤرخ ابوالفدا رنے لکھا ہے کہ منجملہ مخالفین عثمان کے ایک عائشہ بھی تھیں۔ وہ پیغمبر کا موئے مبارک اور پیراہن اقدس نکال کر کہتیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیراہن اور موئے مبارک ابھی بوسیدہ نہیں ہوئے مگر تمہارا دین بوسیدہ ہو گیا ہے

(د) جناب عائشہ ہی تھیں جو بار بار یہ کہہ کر کہ "اقتلوا نعثلاً فقد کفر، (نعثل کو قتل کرو کہ وہ کافر و فاجر ہو گیا ہے) لوگوں کو قتل عثمان پر ابھارتی تھیں (الامامۃ والسیاسۃ ص۴۸)

(ہ) ابو مخنف نے مختلف طرق سے روایت کی ہے کہ جب مکہ میں عائشہ کو قتل عثمان کی خبر ملی تو کہا "ابعدہ اللہ" خدا اسے غارت کرے۔ ذالک بما قدمت یداہ وما اللہ بظلام للعبید یہ ان کے کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔ خدا ہرگز اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

ایک سوال کا جواب

یہاں قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر فی الواقع جناب عائشہ قتل عثمان پر نہ صرف راضی تھیں بلکہ لوگوں کو ان کے قتل پر ابھارتی بھی رہی تھیں تو پھر ان کے قصاص لینے کا ڈھونگ کیوں رچایا؟ اس سوال کا جواب یہ ہے جیسا کہ اوپر (ب) میں لکھا گیا ہے۔ عائشہ یہ چاہتی تھیں کہ عثمان کے بعد خلافت طلحہ کو ملے تاکہ اس طرح پھر خلافت تیم کے گھر آجائے مگر جب ایسا نہ ہوا بلکہ قتل عثمان کے بعد لوگوں نے حضرت امیرؑ کی بیعت پر اتفاق کر لیا۔ اور عائشہ کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ تو پھر قصاص عثمان کا بہانہ بنا کر چاہا کہ اس سے اپنے مقصد کی تکمیل کی راہ ہموار کریں — چنانچہ طبری نے لکھا ہے کہ مکہ سے واپسی پر عائشہ جب مقام "سرف" میں پہنچیں تو وہاں عبداللہ بن ام کلاب سے ملاقات ہوئی۔ عائشہ نے اس سے مدینہ کا حال پوچھا۔ عبداللہ نے کہا لوگوں نے عثمان کو قتل کر دیا۔ عائشہ نے کہا پھر کیا ہوا؟ عبداللہ نے کہا سب نے حضرت علی کی خلافت پر اتفاق کر لیا ہے۔ عائشہ نے کہا۔ اگر تم سچ کہتے ہو تو خدا کرے آسمان زمین پر پھٹ پڑے۔ مجھے واپس مکہ لے چلو۔ چنانچہ واپس مکہ جا کر کہا قتل واللہ عثمان مظلوماً بخدا عثمان بحالت مظلومی قتل ہوا ہے میں اس کا انتقام لوں گی عبداللہ ابن ام کلاب نے کہا خدا کی قسم آپ ہی نے تو سب سے پہلے ان کے خلاف فضا مکدر کی اور کہا "اقتلوا نعثلاً فقد کفر" اور آج یہ نعرہ بلند کر رہی ہیں؟ عائشہ نے کہا میری آخری بات پہلی بات سے بہتر ہے۔!

مگر صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے

ابو مخنف نے عائشہ کا جناب ام سلمہ کو قصاص عثمان کے لئے بصرہ ہمراہ چلنے پر آمادہ کرنے اور جناب ام سلمہؓ کے ان کو ٹکا سا جواب دینے کا تذکرہ کیا ہے کہ عائشہ تم ہی تو تھیں جو لوگوں کو عثمان کے خلاف بھڑکاتی

تھیں اور ان کے لئے سوائے نعثل (بے وقوف بڈھا) کے اور کوئی نام نہ تھا اور پھر تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک علی کی کیا قدر و منزلت تھی؟ (مذکورہ بالا تمام حقائق درج ذیل کتب میں موجود ہیں۔ طبقات ابن سعد ج ۵ صـ۲۵ طبع لیدن۔ کتاب الانساب ج ۵ صـ۳۰ و صـ ۱۷۱/۱۹۱ الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ صـ ۴۲/۴۶ و صـ۵۷ تاریخ طبری ج ۵ صـ ۶۶/۱۴۰ و صـ ۱۰۶/۱۷۲ العقد الفرید ج ۲ صـ ۲۶۷/۲۷۲ تاریخ ابن عساکر ج ۷ صـ۳۱۹ تاریخ ابو الفداء ج ۱ صـ۱۷۲ نہایہ ابن اثیر ج ۴ صـ۱۶۶ سیرہ حلبیہ ج ۳ صـ۳۱۴ وغیرہا (بحوالہ الغدیر)

وجہ دوم سابقہ حقائق سے قطع نظر کرتے ہوئے بھی شرعاً عائشہ کو قصاص عثمان کا مطالبہ کرنے کا کوئی حق نہ تھا۔ عائشہ عثمان کی نہ ولی تھیں نہ وارث۔ وہ بنی امیہ کے چشم و چراغ تھے۔ جبکہ عائشہ کا تعلق بنی تیم سے تھا اس لئے ان کو ان سے کوئی نسبت نہ تھی اور نہ کوئی واسطہ جبکہ عثمان کی اپنی اولاد اور برادری موجود تھی۔ اقد حسنؓ قدح لیس منھا

وجہ سوم اگر سابقہ ہر دو وجہ سے بھی چشم پوشی کر لی جائے تاہم ایک عورت کو محاذ جنگ پر لشکر کی کمانداری کرنے اور ناحق لوگوں کا خون بہانے سے کیا واسطہ؟ مؤلف کا یہ عذر کس قدر پھسپھسا ہے کہ مومنوں کی ماں تھیں اور سب ان کے فرزند۔ آیا اس عذر لنگ سے ایک ماں کے لشکر کشی کی کمانداری کرنے اور اپنے بیٹوں کا خون ناحق بہانے کا جواز پیدا ہو سکتا ہے؟ حالانکہ وہ ماں اس اعتبار سے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امت کا کوئی آدمی ان سے نکاح نہیں کر سکتا۔ ایسا تو نہیں ہے کہ حجاب وغیرہ کی پابندی ختم ہو جائے اور ان پر اور دوسرے مسلمانوں پر بالکل حقیقی ماں اور بیٹے والے احکام مترتب ہوں۔ اس کا تو کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

وجہ چہارم اس جنگ کو دونوں فریق کی اجتہادی غلطی قرار دینا مؤلف کی ناصبیت کی بین دلیل ہے۔ ورنہ علمائے اہلسنت ہمیشہ سے غلطی کا شکار جناب عائشہ اور دیگر محاربین علی کو قرار دیتے رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو شرح مواقف صـ۷۴۵ طبع نولکشور۔ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی یہی فرمان ہے کہ الحق مع علی وعلی مع الحق ہر حال میں حق علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ حق کے ساتھ ہیں جناب امیرؑ خلیفۂ وقت تھے۔ ہر شورش کا فرو کرنا اور ہر بغاوت کا کچلنا ان کے فرائض میں داخل تھا اسی طرح یہ کہنا بھی علی دشمنی کی علامت ہے کہ عائشہ علیؑ کی ماں تھیں اور ان کو ان سے نہیں لڑنا چاہیئے تھا حضرت علی بھلا کب لڑے تھے؟ انہوں نے تو صرف مدافع کیا تھا جو قانوناً اخلاقاً اور شرعاً ان کا حق تھا۔ اور دنیا کی کوئی طاقت ان کو اس حق سے محروم نہیں کر سکتی!

وجہ پنجم یہ کہنا بھی خلاف واقع ہے کہ یہ جنگ عائشہ کی اجتہادی غلطی تھی۔ سب علماء اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اجتہاد وہاں ہوتا ہے جہاں کوئی نص موجود نہ ہو۔ مگر یہاں تو نصوص صریحہ موجود ہیں کہ علیؑ سے جنگ کرنا رسولؐ سے جنگ کرنا ہے۔ ان سے جنگ کرنے والے پر جنت حرام ہے۔ اور علیؑ سے جنگ خدا سے جنگ ہے (صواعق محرقہ ص۲۳۸، ینابیع المودۃ ص۲ وغیرہ) اور نص کے مقابلہ میں بالاتفاق اجتہاد ناجائز اور باطل ہے۔

عداوت عائشہ با علیؑ بعد ازیں اس جنگ کو عائشہ کی خطائے اجتہادی قرار دے کر اسکے وزر و وبال کو کم نہیں کیا جا سکتا؟ بلکہ ماننا پڑتا ہے کہ یہ جنگ عائشہ کے حضرت علی سے ذاتی بغض و عناد کا نتیجہ تھی اور عائشہ کی حضرت علی سے عداوت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں بلکہ بڑے بڑے عظیم القدر علمائے اہلسنت نے اس تلخ حقیقت کا اقرار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو فتح الباری شرح بخاری پ۳ ص۱۲۵ باب حد المریض ان یشھد الجماعۃ بخاری مع شرح تیسیر القاری پ۳ ص۲۵۸ تاریخ طبری ج۳ ص۱۹۱ عمدۃ القاری ج۲ ص۴۱ اور الامامۃ والسیاسۃ ص۳۸ ارشاد الساری شرح بخاری ج۲ ص۴۲ وغیرہا اور یہ مخالفت اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ عائشہ حضرت کا نام لینا گوارا نہ کرتی تھیں (مذکورہ بالا حوالہ جات)۔ —— یہ درست ہے کہ عائشہ کی شکست کے بعد حضرت امیرؑ نے اپنی ذاتی اور خاندانی شرافت و نجابت کا ثبوت دیتے ہوئے عزت کے ساتھ انہیں مدینہ پہنچایا۔ مگر یہ کہنا بالکل بے دلیل ہے کہ دلی صفائی ہو گئی تھی۔ قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین! —— حضرت خاتون قیامتؑ کا عمر سے دست بگریباں ہونے کا واقعہ بالکل بے بنیاد ہے اور دروغ بے فروغ۔ دوسرے جن مقامات پر جناب خاتون جنت کے بیت الشرف سے باہر آنے کے واقعات مؤلف نے شمار کئے ہیں ان میں شرعی ضرورت کے تحت اس معظمہ کا بیت العصمت سے باہر قدم رکھنا جائز تھا۔ مگر عائشہ کے خروج کا اس پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے جس کا عدم جواز مسلم ہے۔

تیسرے طعن کا جواب الجواب تیسرے طعن کا مؤلف نے قرآن جو جواب دیا ہے وہ بالکل غلط ہے اور یہ محض قیاس بے اساس ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں جن مکانوں میں رہتی تھیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ان کا مالک بنا دیا تھا۔

نگفتہ کسے با تو دارد نہ کار —— ولیکن چو گفتی دلیلش بیار!

الگ الگ مکانات میں ٹھہرانے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ وہ مکان ان کی ملکیت بھی قرار دے دیئے گئے ہوں۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید کی آیت وقرن فی بیوتکن سے استدلال بھی درست نہیں یہ نسبت

مجازی ہے۔ اسی قرآن مجید کی دوسری آیت سے بالصراحت ثابت ہے کہ یہ سب مکانات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت تھے۔ ارشاد ہوتا ہے لا تدخلوا بیوت النبی۔ اے ایمان والو! جب تک اجازت نہ مل جائے۔ نبی کے گھروں میں مت داخل ہوا کرو! لہذا ماننا پڑے گا کہ اس حجرہ کے آٹھویں حصہ میں سے نواں حصہ عائشہ کا تھا اور اتنی مقدار میں دو آدمی تو کجا ایک بھی دفن نہیں ہو سکتا تھا۔ لہذا ان کا یہ اقدام شرعی نقطۂ نظر سے ہرگز درست نہیں ہو سکتا۔ یہ شعر ابن عباس کی طرف منسوب ہے کہ انہوں نے عائشہ کو خطاب کر کے کہا تھا۔

لکِ التسع من الثمن فبالکل تصرفت

تجملت تبغلت ولو عشت تفیلت

اے عائشہ! تیرا (آنحضرت کی املاک سے) آٹھویں حصہ میں سے نواں حصہ تھا (باقی سات حصے دختر رسول کے تھے۔ اور ⅛ میں نو بیبیاں شریک تھیں) مگر تو نے تمام پر قبضہ جما لیا تو اونٹ پر سوار ہوئی۔ خچر پر بھی ہوئی اور اگر زندہ رہی تو اب ہاتھی پر بھی سواری کرے گی ـــــ اس سے معلوم ہوا کہ شیخین کی یہ تدفین غصبی جگہ پر عمل میں آئی ہے۔ جو فعل حرام ہے۔

عائشہ کے ایما پر جنازہ حسنی پر تیر چلنا

مؤلف نے اس حجرہ کے ملکیت عائشہ ہونے پر اس بات سے بھی استدلال کیا ہے کہ امام حسن نے اسمیں دفن ہونے کے لیے ان سے اجازت طلب کی تھی۔ یہ استدلال بدو وجہ غلط ہے۔ اوّلاً تو شیعہ کتب معتبرہ میں اس اجازت طلب کرنے کا کہیں نام ونشان نہیں ہے ہاں بعض کتب اہلسنت میں اس کا تذکرہ ہے جو ہمارے لیے حجت نہیں۔ ثانیاً مؤلف یہ ہضم کر گئے کہ بالآخر عائشہ نے جنازہ امام کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

روضۃ الصفا ج ۳ ص ۶ طبع نولکشور میں ہے کہ عائشہ صاحبہ نے خچر پر سوار ہو کر امام حسنؑ کے جنازہ کو روکا اور حجرہ میں دفن سے مانع ہوئیں ـــــ اس پر شیعیان علیؑ نے شور مچایا کہ کبھی اونٹ پر سوار ہوتی ہے اور کبھی خچر پر۔ اگر زندہ رہی تو اب ہاتھی پر بھی سوار ہوگی۔ اس طرح تذکرہ خواص الامۃ ص ۱۲۳ روضۃ المناظر بر حاشیہ تاریخ کامل ج ۱۱ ص ۱۳۲/۱۳۳ پر لکھا ہے فمنعت من ذلک عائشۃ۔ یعنی عائشہ نے امام حسن کو دفن ہونے سے روکا۔ خواجہ حسن نظامی نے اپنے رسالہ محرم نامہ میں لکھا ہے "اور ان کے ساتھیوں نے حضرت حسن کے جنازہ پر تیر برسائے جس سے جنازہ چھلنی ہو گیا اور مجبور ہو کر حضرت حسنؑ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا" ـــــ باقی رہا مؤلف کا یہ کہنا کہ عائشہ مومنوں کی ماں ہیں ہم نے ان کے ماں ہونے کا انکار کب کیا ہے مگر اس سے ان کا مومنہ ہونا تو ثابت نہیں ہوتا۔ ماں ہوتا اور ہے اور مؤمنہ

ہونا ادرے !

اسی طرح جس بات کے متعلق خدا نے ان کی برأت دی شیعوں نے کبھی بھول کر بھی ایسی چیز کی نسبت جناب عائشہ کی طرف نہیں دی - ہم یہ بات دریافت کرنے میں حق بجانب ہیں کہ قذف (تہمت زنا) لگانے والے جن کو بقول مؤلف خدا نے عتاب کیا- کون تھے ؟ آیا وہ شیعیان حیدر کرار تھے ؟ جن پہ مؤلف بہت غیظ و غضب فرماتے ہیں- یا صحابۂ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تھے - جن پہ جناب موصوف کی بہت ہی نظر عنایت ہے ؟ اور اگر وہ صحابہ ہی تھے (اور یقیناً صحابہ تھے) تو جو شخص زوجۂ رسولؐ پر تہمت زنا لگائے اور خدا اس کو عتاب کرے اور رسول اس پہ حدِ قذف جاری فرمائیں وہ بھی "عادل" ہو سکتا ہے ؟ اگر نہیں (اور یقیناً نہیں) تو پھر "الصحابۃ کلھم عدول" کا خود ساختہ نظریۂ اہلسنت کہاں تک درست ہے ؟ عائشہ پہ اتہام آپ کے صحابہ لگائیں اور آپ الزام دیں شیعوں کو کہ وہ ان کا احترام نہیں کرتے - ؎

شرم تم کو مگر نہیں آتی ؟

حضرت امیر معاویہ شیعہ صاحبان حضرت معاویہ کو بہت کوستے ہیں کیونکہ انہوں نے جناب امیرؑ سے جنگ کی اس کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے کہ یہ ناگوار واقعہ طرفین کی اجتہادی رائے کی وجہ سے ہوا وہ باہم جدی بھائی تھے اصحاب رسولؐ تھے - حضرت امیر معاویہ کاتب وحی بھی تھے - حضور کے سالے بھی تھے آپ کی شان میں بہت سی احادیث وارد ہیں ــــ پھر اس ایک واقعہ سے جس کا خاتمہ صلح پہ ہوا آپ کو برا کہنا اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کرنا ہے - حضرت یوسفؑ پہ ان کے بھائیوں نے کس قدر مظالم توڑے ــــ لیکن آخر یوسفؑ نے ان کی خطا کو معاف کر دیا - ایسا ہی یہ واقعہ ہے - دیکھنا یہ ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے اس بارہ میں کیا فتویٰ دیا ہے ــــ سو آپ نے ایک گشتی چٹھی بدست خاص تحریر فرما کر مختلف بلاد ــــ میں شائع کی تھی - جو نہج البلاغہ مطبوعہ طہران ص۵۰۱ میں یوں درج کی جاتی ہے ــــ الجذت مغرب (ترجمہ) ــــ ہمارے معاملہ کی ابتداء یوں ہے کہ ہماری اور اہل شام کی آپس میں جنگ چھڑ گئی - اور یہ ظاہر ہے کہ ہم دونوں فریق کا ایک خدا اور ایک رسول ہے اور ہمارا اسلام میں بھی دعوٰی ایک رہا ہے - ہم ان سے دربارہ اعتقادات توحید و رسالت کچھ زیادتی نہیں چاہتے - اور نہ اس بارہ میں وہ ہم سے کچھ زیادتی کے طالب ہیں بات ایک ہی ہے - اختلاف صرف خون عثمانؓ کے متعلق تھا حالانکہ ہم اس الزام سے بری ہیں "حضرت امیر علیہ الرضوان

کا یہ مکتوب امر متنازعہ کے متعلق ایک قاطع النزاع صریح فیصلہ ہے۔۔۔ کہ اسلام کے بارے میں کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ اعتقادات میں بھی کوئی نزاع نہیں ۔۔۔ صرف یہ اختلاف تھا کہ انہوں نے اپنے خیال میں حضرت عثمانؓ کے قتل کا ذمہ دار ہمیں قرار دیا۔۔۔ جناب امیرؓ جن سے جنگ ہوئی وہ تو تمام اسلامی عقائد میں امیر معاویہ کو اپنے جیسا مسلمان سمجھتے ہیں۔ لیکن شیعہ صاحبان بہ خلاف فیصلہ جناب امیرؓ ان کو کافر و منافق قرار دے دیتے ہیں۔۔۔ اگر حضرت امیر معاویہ معاذ اللہ فاسق و منافق ہوتے تو حضرت امام حسنؓ ہرگز ان کی بیعت نہ کرتے۔ بلکہ تلوار اٹھا کر ان سے مقابلہ کرتے۔ جیسا کہ بعد میں امام حسینؓ نے یزید لعین سے کیا۔۔۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

۔۔۔ ابتدائے آفرینش سے لے کر زمان نبوت محمدیہ تک جتنے بھی انبیائے کرام علیہم السلام اور ۔۔۔ برگزیدہ ہستیاں دنیا کی ہدایت کے لئے تشریف لائیں ۔۔۔ ان مقدس ہستیوں کو مطعون کیا گیا ۔۔۔ تاجدار مدینہ ۔۔۔ کو ساحر کہا گیا ۔۔۔ اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ خود اللہ جل جلالہ پر بھی اعتراض کیا گیا۔ اسی سلسلہ میں صحابہ کرام ۔۔۔ کی مبارک ہستیاں ہیں کہ ایک گروہ نے ان کو بھی برا کہا ۔۔۔ حالانکہ صحابہ کرام کو خداوند قدوس نے جو فضیلت بخشی اور سرکار دو عالم نے ان کی جو عزت کی اور تعریف فرمائی قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں اس کے متعلق دفتر کا دفتر موجود ہے ۔۔۔ اوروں سے ہمیں کیا شکوہ خود ہمارے یہاں بعض ایسے حضرات موجود ہیں جو بظاہر سنی حنفی اپنے کو کہتے ہیں لیکن درحقیقت ان کا امتیازی شعار یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فاسق و فاجر تھے۔ ۔۔۔ ہمارے دیار میں بھی ایسے نام نہاد سنی حنفی جماعت کا وجود پیدا ہو چلا ہے ۔۔۔ وہ مقدس ہستیاں جن کی شان میں تمام امت کا اتفاق ہوا الصحابۃ کلھم عدول ۔۔۔ جن کے فضائل میں احادیث نبویہ کا ذخیرہ معمور ہو اور قرآن کریم جن کے ایمان ۔۔۔ پر شاہد عدل ہو۔ کیسے ان کی تنقیص کی جائے؟ غوث الثقلین (حضرت شیخ عبد القادر قدس سرہ) سے منقول ہے کہ اگر حضرت امیر معاویہ کے رہگذر میں بیٹھوں اور آپ کے گھوڑے کے سم کا غبار میرے اوپر پڑ جائے تو میں اس کو باعث نجات خیال کروں ۔۔۔ امام ہمام عبداللہ بن مبارک سے سوال کیا گیا کہ حضرت معاویہ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیز ۔۔۔ تو جواب دیا ۔۔۔ خدا کی قسم وہ غبار جو حضرت معاویہ کے گھوڑے کی ناک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گھسا ہے عمر بن عبدالعزیز

سے ہزار درجہ افضل ہے۔ تقریب التہذیب میں ہے۔ معاویہ بن ابی سفیان خلیفۃ صحابی اسلم قبل الفتح وکتب الوحی (حضرت معاویہ بن ابوسفیان خلیفہ صحابی ہے۔ فتح مکہ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اور آپ نے وحی لکھی) علامہ صفی الدین اپنی کتاب خلاصہ میں تحریر فرماتے ہیں ـــــ امیر معاویہ فتح مکہ کے زمانہ میں اسلام لائے اور آپ سے ۱۳۰ حدیثیں روایت کی گئی ہیں، تاریخ میں ہے کہ حضرت معاویہ نے ۱۶۳ حدیثیں روایت کی ہیں اور آپ سے بہت سے صحابہ مثلاً ابن عباس، ابن عمر ـــــ اور تابعین مثلاً ابن المسیب، حمید بن عبد الرحمن وغیرہم ـــــ نے روایت کی ہے۔ آپ ہوشیاری، دانائی اور بردباری میں بہت زیادہ مشہور تھے۔ آپ کی فضیلت میں بہت زیادہ احادیث وارد ہیں آپ کا علم ضرب المثل تھا ـــ آپ کی طرف عمر دیکھ کر فرمایا کرتے تھے، کہ یہ عرب کے کسریٰ ہیں۔ نیز حضرت علی سے مروی ہے کہ معاویہ کو برا نہ سمجھو جس وقت یہ تمہارے درمیان سے اٹھ جائیں گے تو تم دیکھو گے کہ بہت سے سرتن سے جدا کئے جائیں گے ـــــ حافظ شمس الدین ذہبی میزان الاعتدال میں ارقام فرماتے ہیں ـــ کہ حضرت امیر معاویہ بیس سال شام کے والی رہے اور بیس سال مالک رہے اور حلیم و کریم تھے۔ اور بہت مدبر و منتظم تھے۔ عقلمند تھے اور امیر ہونے کے لائق اور سرداری کیلئے کامل تھے حضرت امیر معاویہ بہت بڑے مجتہد تھے۔ اگر ان کی شان فقاہت اور اجتہاد بھی ملاحظہ فرمانا ہو تو بخاری اور مشکوٰۃ ملاحظہ فرمائیے۔ ابن عباس سے سوال کیا گیا کہ امیر ـــــ معاویہ وتر میں ایک رکعت پڑھتے ہیں تو ابن عباس نے فرمایا اصاب انہ فقیہ کہ معاویہ صاحب الرائے شخص اور فقیہ ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے دعہ انہ صحب النبیؐ ـــــ یعنی معاویہ کو کچھ نہ کہو وہ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں ـــــ حمید بن عبد الرحمٰن نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو حج کے سال میں عاشورہ کے دن منبر پہ کہتے ہوئے سنا کہ اہل مدینہ! کہاں ہیں تمہارے علماء میں نے رسول اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ یہ یوم عاشورہ ہے اور اللہ تعالےٰ نے تم پر اس کا روزہ فرض نہیں کیا۔ البتہ میں روزہ دار ہوں لیس جس کا جی چاہے روزہ رکھے اور جس کا جی چاہے افطار کرے۔ حضرات! اس طرح مجمع عام میں تمام علماء کو دعوت دے کر حکم شرعی بیان کرنا مجتہد ہی کی شان ہے بادشاہ کا کام نہیں ہے ـــــ حضرت علی، حضرت حسن اور امیر معاویہ میں جو کچھ ہوا یا اور جتنے واقعات مابین

صحابہ اس قسم کے واقع ہوئے وہ محض خطائے اجتہادی پر مبنی تھے ـــــ نہ بغض و عناد کی وجہ سے بالخصوص جبکہ ان تینوں میں صلح واقع ہو گئی۔ جیسا کہ تمہید شرح عقائد میں ہے لا یجوز اللعن علی معاویۃ (بحذف عربی) یعنی حضرت معاویہ پر لعن جائز نہیں ہے کیونکہ حضرت علیؓ نے ان سے صلح کر لی تھی ـــ حضرت حسنؓ نے بھی مصالحت فرمائی تھی ـــــ اگر حضرت امیر معاویہ لعن کے مستحق ہوتے تو البتہ ان کے ساتھ صلح جائز نہ ہوتی۔ (ایسے ہی مزید دو حوالے انوار اور شرح مسلم نووی سے دیئے گئے ہیں)۔

ـــــ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب ہمارے اصحاب کا ذکر کیا جائے تو خاموش ہو جاؤ اس لئے مجال دم زدنی نہیں (بیان الاسرار ص [illegible])

ـــــ حضرت معاویہ کی طرف سے حضرت حسنؓ کو ایک لاکھ سالانہ وظیفہ ملا کرتا تھا (بیان الاسرار ص۲۸۸) کیا کوئی خلیفہ اپنے دشمن کے ساتھ بھی ایسا معاملہ کرتا ہے ـــــ اہلسنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے جیسا کہ علامہ نووی اور علامہ نسفی تحریر فرماتے ہیں (بحذف عربی ترجمہ) اور بہرحال وہ لڑائیاں جو مابین صحابہ واقع ہوئیں۔ پس ہر گروہ کے لئے شبہ تھا۔ جس کے سبب سے ہر شخص نے اپنے کو حق پر سمجھا اور سب کے سب عادل ہیں اور اپنے حروب وغیرہ میں متاول ہیں اور ان اشیاء میں سے کوئی شیئی عدالت سے ان کو نہیں نکالتی اس واسطے کہ صحابہ مجتہد ہیں ـــــ حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم ... امیر معاویہ کے متعلق فرماتے ہیں ـــ اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا واھد بہ (رواہ الترمذی مشکوٰۃ ص [illegible]) ـــــ اے اللہ امیر معاویہ کو ہدایت کرنے والا اور ہدایت پانے والا بنا دے اور معاویہ کے ذریعے لوگوں کو ہدایت دے) ـــــ علامہ طیبی فرماتے ہیں ـــــ (ترجمہ) اس بات میں شک نہیں کہ جو دعا رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ کے لئے فرمائی وہ عند اللہ مقبول ہے۔

حضرت معاویہ کے نجی حالات

صاحب مظاہر حق بھی اسی روایت کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ کاتب وحی تھے اور بعض نے کہا ہے کہ کاتب وحی نہیں بلکہ حضور کے خطوط نویس تھے اور حضرت عمر کے زمانہ میں شام کے حاکم ہوئے اور بیس سال تک حکومت کی اور اٹھتر سال کی عمر میں رحلت فرمائی آپ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تہبند اور چادر اور قمیص تھی اور

کچھ حضور کے موئے مبارک اور ناخن تھے ——— عرباض بن ساریہ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ الہٰی امعاویہ کو حساب وکتاب سکھلا دے اور اپنے عذاب سے ان کو بچالے ——— خود حضرت معاویہ نے کہا کہ مجھے خلافت کی اس وقت سے امید تھی جس وقت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ——— نے فرمایا تھا کہ معاویہ! جب تو بادشاہ ہو جائے لوگوں سے اچھی طرح پیش آنا (بیان الامراد صفحہ ۲۰۸) چنانچہ وہ حتی الوسع لوگوں کے ساتھ عدل وانصاف کے ساتھ پیش آئے حضرت معاویہ کو برا کہنے والا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک ارشاد ولا تسبوا اصحابی (مسلم) اور حدیث اذا رأیتم الذین یسبون اصحابی فقولوا لعنة اللہ علی شرکم (ترمذی) ——— سب صحابہ ——— حرام ہے علامہ نووی فرماتے ہیں واعلم ان سب الصحابة حرام ——— اور جان تو کہ حرام ہے صحابہ کو گالی دینا۔ فواحش محرمات میں سے ——— چاہے وہ صحابہ ہوں جو فتنہ میں ملابس ہوئے (جیسے حضرت امیر معاویہ) کیونکہ وہ باہمی جنگوں میں مجتہد اور متاول ہیں) ——— اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اس (صحابہ کو گالیاں دینے والے ناقل) کی تعزیر دی جائے اور قتل نہ کیا جائے اور بعض مالکیہ نے فرمایا کہ قتل کیا جائے"۔ (نووی صفحہ ۳۱) علماء کرام کے ارشادات ملاحظہ ہوں ویکف عن ذکر الصحابة الا بخیر (شرح عقائد صفحہ ۱۱۶) یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذکر سے روکا جائے مگر خیر کے ساتھ" ولذا ذهب جمهور العلماء الی ان الصحابة کلهم عدول قبل فتنة عثمان وعلی وکذا بعدها ——— علامہ نسفی بھی اسی متن کی شرح میں فرماتے ہیں وبالجملة لم تنقل عن السلف المجتهدین والعلماء الصالحین جواز اللعن علی معاویة واحزابه (شرح عقائد صفحہ ۱۱۶) (حاصل سلف مجتہدین اور علماء صالحین سے حضرت معاویہ اور ان کے شرکاء پر جواز لعن منقول نہیں ہے) لہٰذا محقق ہو گیا کہ علماء اہلسنت والجماعت کے نزدیک حضرت معاویہ کو فاسق کہنا یا ان پر لعن طعن کو جائز قرار دینا بدعت ہے ——— (آفتاب از صفحہ ۲۹ تا صفحہ ۲۹)

الجواب

نالۂ بلبل شیدا تو سنا ہنس ہنس کر
اب جگر تھام کے بیٹھو کہ مری باری آئی

کس قدر ستم ظریفی اور ناحق کوشی ہے سواد اعظم کے پہلے خلیفہ کے عہد میں جن بعض مسلمانوں نے ان کو زکوٰۃ دینے سے

انکار کیا۔ ان پہ بغاوت کا الزام عائد کر کے ان کے خلاف لشکر کشی کی گئی۔ مردوں کو قتل اور عورتوں کو کنیزیں بنا لیا گیا۔ اور آج تک مسلمانوں نے ان کو معاف نہیں کیا لیکن وہ معاویہ بن ابوسفیان جس نے انہی مسلمانوں کے چوتھے خلیفۂ راشد کے خلاف نہ صرف یہ کہ علم بغاوت بلند کیا۔ بلکہ ہزارہا اہل ایمان کا خون ناحق بھی بہایا۔ یزید پلید جیسے بدکردار کو اپنے بعد خلیفہ بنایا۔ ولد الزنا زیاد کو اپنا بھائی بنایا وغیرہ وغیرہ وغیرہ اس کی حمایت میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا جا رہا ہے۔ اس کی تائید میں طومار سیاہ کئے جا رہے ہیں۔ اس کی بریت میں مستقل کتابیں لکھی جا رہی ہیں اور مضامین شائع کئے جا رہے ہیں اور یہ سلسلہ ہنوز بدستور جاری و ساری ہے یا للعجب۔ شعر

تفو بر تو اے چرخ گردوں تفو

آفتاب ہدایت میں معاویہ کی حمایت میں جو طویل و عریض مضمون النجم لکھنؤ سے نقل کیا گیا ہے اگرچہ اصول مناظرہ کی رو سے اس کی جوابدہی ہم پہ عائد نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ تمام تر کتب اہلسنت کے حوالہ جات کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے۔ جو شاید ان حنفی مسلمانوں کے لئے تو سند ہو سکتا ہے۔ جو بقول مضمون نگار کے سنی حنفی کہلا کر بھی معاویہ کو برا بھلا کہتے ہیں (اور شاید یہ مضمون لکھا بھی انہی کی اصلاح کیلئے گیا ہے۔ جسے غلطی سے یہاں شیعوں کے بالمقابل نقل کر دیا گیا ہے) مگر وہ شیعیان حیدر کرار کے خلاف ہرگز حجت و سند نہیں ہو سکتا اور جب تک معاویہ کی مدح یا اس کی بریت کے سلسلہ میں شیعہ کتب معتبرہ کا حوالہ نہ دیا جائے۔ اس وقت تک ایسے مضامین کی جوابدہی کا فریضہ ان پہ عائد نہیں ہوتا۔ بایں ہمہ محض تبرعاً ہم اس کا جواب پیش کر کے اس کے مندرجات کا تار و پود بکھیرتے ہیں اور معاویہ کے حقیقی خدوخال سے اپنے قارئین کرام کو روشناس کراتے ہیں اور اصول مناظرہ کے مطابق جب حوالہ جات بھی کتب اہلسنت سے پیش کریں گے۔ اس مضمون میں سب سے زیادہ زور ان باتوں پہ دیا گیا ہے (۱) معاویہ صحابی ہے اور صحابیوں کے معاملہ میں خاموشی اختیار کرنی چاہیئے (۲) حضرت علی و معاویہ کے مابین جو جنگیں واقع ہوئیں وہ خطائے اجتہادی کا نتیجہ تھیں۔ (۳) آخر میں معاویہ کی جناب امیر اور امام حسن سے صلح ہو گئی تھی (۴) ان پہ لعنت کرنا جائز نہیں ہے ہم یہاں بڑے اختصار کے ساتھ ان تمام امور پہ تبصرہ کر کے حق و حقیقت کا اظہار کرتے ہیں

معاویہ کی صحابیت پہ تبصرہ

جہاں تک صحبت رسول کا تعلق ہے لاریب یہ ایک بہت بڑا شرف ہے مگر (جیسا کہ ہم قبل ازیں مناسب مقام پہ اس پہ مفصل گفتگو کر چکے ہیں) اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ جسے بھی چند روز صحبت رسول میں بیٹھنے کا اتفاق ہو گیا وہ معصوم عن الخطا ہو گیا اور اس طرح مرفوع القلم ہو جاتا ہے کہ اس سے شرعی مواخذہ بھی ساقط ہو جاتا ہے اور اس کے متعلق گناہ و ثواب کے پیمانے بدل جاتے ہیں۔ ہم مقام مذکور پہ قرآن و حدیث کی روشنی میں بڑی

تفصیل مع کے ساتھ ثابت کر آئے ہیں کہ جماعت صحابہ میں ہر قسم اور ہر قماش کے لوگ تھے۔ دیندار بھی۔ دنیادار بھی۔ صالح بھی۔ طالح بھی۔ مومن بھی۔ غیر مومن بھی۔ عادل بھی۔ فاسق بھی۔ ظالم بھی۔ مظلوم بھی حتی کہ قاتل بھی اور مقتول بھی۔ الغرض یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ اس چند روزہ صحبت سے ان کی بشری کمزوریاں سلب نہیں ہو گئیں تھیں کیونکہ۔

ہر کہ رد شے بہبود نداشت
دیدن روئے نبیؐ سود نداشت

یقیناً صحبت رسول ایک بہت بڑا اعزاز اور شرف ہے مگر اس کی کچھ ذمہ داریاں بھی ہیں کچھ حقوقِ صحبت ہیں۔ لہٰذا جو شخص اپنی ان ذمہ داریوں کو محسوس کرے گا اور پھر انہیں ادا بھی کرے گا وہ لائق صد احترام و اکرام ہوگا مگر جو شخص ان ذمہ داریوں کو ادا کرنا تو بجائے خود محسوس بھی نہیں کرے گا وہ کسی بھی دینی یا دنیوی قدر و منزلت کا حامل اور کسی بھی تکریم و تعظیم کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ بدقسمتی سے معاویہ کا شمار اسی آخری قسم میں ہوتا ہے جس نے صحبت رسولؐ کے تمام حقوق اور سب تقاضوں کو یکسر پامال کیا۔ چنانچہ حضرت علامہ وحید الزمان (مترجم صحاح ستہ) اپنی مشہور کتاب انوار اللغۃ پ ۱۴ ص ۹ مطبوعہ بنگلور پر معاویہ کی صحابیت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ہم اہلسنت و جماعت معاویہ اور عمرو بن عاص اور حجاج وغیرہم کی تکفیر نہیں کرتے نہ ان پر لعنت کرنا بہتر جانتے ہیں۔ بلکہ ان کو ظالم اور فاسق سمجھتے ہیں اور جن لوگوں نے معاویہ اور عمرو بن عاص کی صحابیت کی وجہ سے واجب التعظیم اور واجب المدح سمجھا ہے انہوں نے غلطی کی سبب یہ ہے لفظ صحابیت سے بدون ادائے حقوق صحبت کے کچھ نہیں ہوتا جیسے بی بی ام سلمہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا بعض اصحاب میرے ایسے ہیں جو دنیا سے جانے کے بعد پھر مجھ کو نہ دیکھیں گے۔" یہی علامہ وحید الزمان اسی کتاب کے پ ۱۴ ص ۲۵ پر تحریر فرماتے ہیں "واللّٰہ لودّ معاویۃ انہ ما بقی من بنی ھاشم نافخ ضرمۃ الا طعن فی نیطہ (قسم خدا کی حضرت علیؓ نے فرمایا) معاویہ یہ چاہتا ہے کہ ہاشم کی اولاد میں سے کوئی آگ پھونکنے والا تک نہ رہے مگر وہ اس کا دل چھید ڈالے (اس کو مار ڈالے) معاویہ کا اصل مطلب حضرت علیؓ نے قسم کھا کر بیان فرمایا جو شخص خاندان رسالت کا ایسا دشمن ہو کر سارے خاندان کو فنا دینا چاہتا ہو کیا اس کا صحابی ہونا کچھ کام آ سکتا ہے ولا واللّٰہ کلا واللّٰہ۔"

ہر کیف معیار حق قرآن و سنت ہے اسی پر ہر شخص کو جانچا جائے گا۔ غلطی بہرحال غلطی ہے۔ خواہ کوئی عام آدمی کرے اور خواہ کوئی حضرت صاحب قبلہ کرے کوئی رحمۃ اللہ کرے یا کوئی رضی اللہ کرے کسی شخص کی شخصیت سے مرعوب ہو کر حق کے چلنے

مبلغ اسلامی شیوہ و شعار سالفہ اہل حق کا طریقہ کار نہیں ہے۔ لانہ یعرف الرجال بالحق ولا یعرف الحق بالرجال

خطائے اجتہادی کی سپر اور اس کی کمزوری کے وجوہ

برادران اہلسنت نے بخیال خویش بعض صحابہ کی گرتی ہوئی پوزیشن کو سہارا دینے کے لئے ایک سپر تیار کر رکھی ہے۔ جس کا نام ہے "خطائے اجتہادی" جب بھی کسی شخص نے کسی صحابی کی صریح غلطی کا تذکرہ کیا تو جھٹ انہوں نے "خطائے اجتہادی" کا سہارا لیا پھر ان کا اصول یہ ہے کہ مجتہد مصیب کو دوہرا اور مجتہد مخطی کو اکہرا ثواب ملتا ہے کیا خوب ؎

وہی قتل بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا ——؟

عندالتحقیق معلوم ہوتا ہے کہ یہ سپر تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ اور اس کی چند وجوہ ہیں۔

وجہ اول الصحابة کلهم مجتهدون۔ قرآن و حدیث کی کوئی نص نہیں بلکہ "الصحابة کلهم عدول" کی طرح علماء کا خود ساختہ مقولہ ہے جو محققین کے نزدیک قابل قبول نہیں ہے۔

وجہ دوم اجتہاد کیا ہے؟ آنکھوں کا تیل نکالنا اور لوہے کے چنے چبانا۔ یہ اتنا سستا مال نہیں کہ ہر شخص مفت میں اسے حاصل کر سکے نہ اجتہاد کا پٹہ ایسے ارزاں پڑا بکتا ہے جو اس طرح رائیگاں اور مفت ہاتھ آجائے۔ اگر تمام صحابہ مجتہد ہوتے اور ان کے ہر ہر قول و فعل پر اجتہاد کا اطلاق ہو سکتا۔ تو خود پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بعض صحابہ پر شرعی حدود جاری نہ فرماتے اور نہ قرآن اور دفتر حدیث ان کے کارہائے زشت کی مذمت سے لبریز نظر آتے۔ حالانکہ بعض صحابہ پر سنگین جرائم کے ارتکاب قذف (تہمت زنا لگانے) بعض پر چوری کرنے اور بعض پر شراب خواری کرنے پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدود جاری فرمائے ہیں (سرور عزیزی ترجمہ فتاوی عزیزی ج ۱ ص۲۲۳ وغیرہ)

وجہ سوم یہ بھی تو ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ اجتہاد کا محل و مقام کیا ہے؟ باتفاق تمام اہل اسلام اجتہاد وہاں ہوتا ہے۔ جہاں قرآن و حدیث کی کوئی صریح و صحیح نص موجود نہ ہو لہذا جہاں نص موجود ہے وہاں خدا و رسول کے حکم کے بالمقابل اگر کوئی شخص اجتہاد کرے گا تو اس کا اجتہاد باطل (مردود) ہوگا۔ اور جب حضرت علی علیہ السلام کے متعلق پیغمبر اسلام کے نصوص صریحہ و صحیحہ موجود ہیں کہ علی سے جنگ مجھ سے جنگ ہے اور علی سے صلح مجھ سے صلح ہے تو ان کے بالمقابل معاویہ یا کسی اور شخص کے اجتہاد کا کیا مقام یا کیا وزن ہو سکتا ہے؟

وجہ چہارم ۔ معاویہ مجتہد نہیں ہے

باقی رہی اس بات کی تحقیق کہ معاویہ مجتہد ہے یا نہیں ، سو مخفی نہ رہے کہ برادران اہلسنت کے تمام محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معاویہ مجتہد نہیں ہے ۔ ذیل میں اطمینان قلب کی خاطر چند حوالہ جات پیش کئے جاتے ہیں ۔

(۱) بحر العلوم کے والد نے "الصبح الصادق" میں لکھا ہے ومعاویة ونحوہ لیس مجتہداً معاویہ اور اس جیسے لوگ مجتہد نہیں ہیں (انما هیہ معاویہ ص۱۵)

(۲) شاہ عبدالعزیز دہلوی فتاوی عزیزی ج۱ ص۱۰۱ پر معاویہ وغیرہ کے متعلق لکھتے ہیں "پس ہر کہ اجتہاد ایشاں را نفی کند درست است زیرا کہ در حضور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایشاں را آں مرتبہ حاصل نبود۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم در ہیچ مسئلہ بر صحت اجتہاد حکم نفرمودہ اند تا اجتہاد ایشاں معتبر ومفتی بہ تواند شد" یعنی جو شخص ان کے اجتہاد کی نفی کرتا ہے ۔ وہ درست کرتا ہے کیونکہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں اجتہاد کا درجہ حاصل نہ تھا اور نہ ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی ان کے کسی اجتہاد کی تصدیق فرمائی تھی تاکہ ان کا اجتہاد معتبر اور مفتی بہ ہو سکے ۔

(۳) کتاب الروضۃ الندیۃ ص۴۳ پر لکھا ہے ۔"معاویہ ان جنگوں میں مجتہد نہ تھا ۔ بلکہ ظالم باغی تھا"۔

(۴) نواب صدیق حسن خان اپنی کتاب بغیۃ الرائد میں لکھتے ہیں "وانکہ گویند خطائے اجتہادی بود پسند خاطر انصاف پسنداں نیست" یعنی یہ جو کہا جاتا ہے کہ معاویہ کی خطا اجتہادی تھی یہ بات اہل انصاف کو پسند نہیں ہے" انہی چار معتبر شہادتوں پر اکتفا کیا جاتا ہے ورنہ ؎

سفینہ چاہیئے اس بحر بے کراں کے لئے

مشاجرات صحابہ پر علماء اہلسنت کے بے لاگ تبصرے

ان حقائق کی روشنی میں ثابت ہو گیا کہ معاویہ نے جناب امیر کے ساتھ جو جنگ وجدال کیا وہ ہوس اقتدار وجذبہ ملک گیری کے تحت کیا اور جان بوجھ کر خدا ورسول کے احکام کی خلاف ورزی کی ہے اسے کسی طرح بھی خطائے اجتہادی کا نام نہیں دیا جا سکتا ۔ کیونکہ اولاً تو معاویہ مجتہد ہی نہیں اور ثانیاً ۔ بنا بر تسلیم اجتہاد یہاں اجتہاد کا کوئی محل نہیں ہے ۔ کیونکہ جناب امیرؑ کی خلافت بالنص ثابت ہے نیز صحیح فرمان رسولؐ کی روشنی میں علیؑ سے جنگ کرنا خود رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کرنے کے مترادف ہے (ترمذی ، مشکوٰۃ ، مسند احمد وغیرہ) یہی وجہ ہے ۔ اکثر منصف مزاج علماء اہلسنت اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ یہ جنگیں نفسانیت اور حب جاہ وطلب ریاست کے فاسد جذبہ سے خالی نہیں

چنانچہ (۱) علامہ تفتازانی اپنی مشہور تصنیف شرح مقاصد ج ۲ ص۳۰۶ طبع اسلامبول پہ لکھتے ہیں۔ " اما ما وقع بین الصحابۃ من المحاربات والمشاجرات علی الوجہ المسطور فی کتب التواریخ والمذکور علی السنۃ الثقاۃ یدل بظاھرہ علی ان بعضھم قد حاد عن طریق الحق وبلغ حد الظلم والفسق یعنی صحابہ رسول کے درمیان جو جنگ وجدال اور قتل وقتال واقع ہوئے جیسا کہ کتب تواریخ میں مسطور اور ثقہ لوگوں کی زبانوں پہ مذکور ہیں وہ بظاہر اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ان میں سے بعض جادۂ حق سے ہٹ گئے اور ظلم وجور وفسق وفجور کی حد تک پہنچ گئے .....

(۲) علامہ شوکانی اپنی کتاب وبل الغمام میں تحریر فرماتے ہیں (علی ما نقل عنہ فی اکلیل الکرامہ سنورب صدیق حسن خان ص۱۳۱) " لا شک ولا شبھۃ ان الحق بید علی فی جمیع مواطنہ اما طلحۃ والزبیر ومن معھم فلانھم کانوا بایعوہ فنکثوا بیعتہ بغیاً علیہ فوجب علیہ قتالھم واما قتالہ للخوارج فلا ریب فی ذلک واما اھل الصفین فبغیھم ظاھر ولو لم یکن فی ذلک الا قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لعمار تقتلک الفئۃ الباغیۃ لکان ذالک مفیداً للمطلوب ثم لیس معاویۃ من یصلح لمعارضتہ ولکنہ اراد طلب الریاسۃ والدنیا بین اقوام اغتام لا یعرفون معروفاً ولا ینکرون منکراً " فخادعھم بانہ طالب بدم عثمان فنفق ذلک علیھم وبذلوا بین یدیہ دمائھم واموالھم ونصحوا لہ الخ۔ یعنی بلا شک وشبہ تمام لڑائیوں میں حق علیؑ کے ساتھ ہے۔ اس لئے کہ (جنگ جمل میں) طلحہ وزبیر اور ان کے ساتھیوں نے پہلے حضرت علیؑ کی بیعت کی تھی پھر اسے توڑ ڈالا۔ اس لئے حضرت علیؑ پر ان کے ساتھ لڑنا واجب تھا جہاں تک (نہروان کے) خوارج کا تعلق ہے۔ ان کے ساتھ جنگ کے جواز میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے۔ باقی رہے اہل صفین (معاویہ وغیرہ) تو ان کی بغاوت بھی ظاہر ہے۔ اگر اس سلسلہ میں پیغمبر اسلامؐ کا صرف یہی ایک ارشاد موجود ہوتا جو حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمارؓ سے فرمایا تھا کہ تجھے باغی گروہ قتل کرے گا تو مدعا کے اثبات کے لئے کافی تھا پھر یہ بھی تو ملحوظ رکھنا چاہیے کہ معاویہ۔ علیؑ کی مخالفت کرنے کی اہلیت بھی کب رکھتا تھا؟ لیکن اس نے سرداری اور دنیاداری طلب کرنے کے ارادہ سے ایسے جاہل لوگوں کو آلۂ کار بنایا جو بالکل بے وقوف تھے اور معروف ومنکر کو نہیں پہچانتے تھے۔ معاویہ نے ان لوگوں کو دھوکہ دیا کہ وہ عثمان کا قصاص لینا چاہتا ہے۔ اس کی یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی چنانچہ ان لوگوں نے معاویہ کے لئے

ۓ ذہبی نے سیر النبلاء میں بذیل ترجمہ عمار اس حدیث کو متواتر قرار دیا ہے (منہ عفی عنہ)

جان دیں گے [illegible] لیکن [illegible] کی مصاحبت [illegible] کرتے رہے"

(۳) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ العزیز [illegible] سنت پر فرماتے ہیں [illegible] الہم و عمدہ ترینہا

این است کہ حرکات جنگ و جدال [illegible] جناب مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ ظاہر شد جمہور ائمہ و محققین اہل

حدیث بعد تتبع روایات صحیحہ دریافتہ اند کہ این حرکات خالی از شائبہ نفسانی نبود و خالی از تہمت تعصب

اموریہ و قرابت کہ جناب ذی النورین داشت نبودہ است پس نہایت کار ش امید است کہ مرتکب کبیرہ

و باغی باشد و [illegible] لعن [illegible] الا و کبیرہ [illegible] ما اور انسبت بفسق و لعن قرار نمی دہیم" اور نقل کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ سے

حرکات جنگ و جدال جو حضرت مرتضیٰ علی کے ساتھ ہوئیں وہ صرف خطائے اجتہادی کی بنا پر نہیں بلکہ محققین

اہل حدیث نے روایات صحیحہ کے تتبع و تلاش کے بعد جو کچھ دریافت کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ حرکات شائبہ

نفسانی سے خالی نہ تھے اور اس تہمت سے خالی نہ تھے کہ جناب ذی النورین (عثمانؓ) کے معاملہ میں بہ تعصب اموریہ

و قرابت جیسی تھی وہ [illegible] کی وجہ سے یہ حرکات معاویہ سے وقوع پذیر ہوئے (معاویہ [illegible] زیادہ سے

زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ [illegible] اور بغاوت کا مرتکب قرار دیا جائے اور اس کو لعنت کا مستحق

نہیں ہے" شاہ صاحب موصوف نے ایسا ہی افادہ اپنی کتاب تحفہ اثنا عشریہ مترجم اردو صفحہ ۲۸۱ پر فرمایا

ہے۔ فراجع۔

(۴) نواب صدیق حسن خان اپنی کتاب بغیۃ الرائد میں (علی نقل عنہ فی فلک النجاۃ) تحریر فرماتے ہیں

"و آنچہ از مخالفات و محاربات واقع شد از طرف معاویہ شد جنگ او خالی از حمیت و نفسانیت نیست

و اینکہ گویند خطائے اجتہادی بود پسند خاطر انصاف پسندان نیست" یعنی حضرت علیؓ کے ساتھ معاویہ

نے جو لڑائیاں لڑی ہیں وہ تعصب اور نفسانیت کے جذبہ سے خالی نہ تھیں اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ یہ

خطائے اجتہادی تھی یہ بات اہل انصاف کو پسند نہیں ہے۔"

(۵) شرح مواقف جز ثامن ص ۳۷۴ طبع اول مطبع السعادۃ مصر (جو کہ اہلسنت کے عقائد کی

مشہور و مستند کتاب ہے) میں لکھا ہے "والذی علیہ الجمھور من الامۃ ھو ان المخطئ

قتلۃ عثمان و محاربوا علی لانھما اماما فیحرم القتل والمخالفۃ قطعا الا ان بعضھم کالقاضی

ابی بکر ذھب الی ان ھذہ الخطیئۃ لا تبلغ الی حد التفسیق و منھم من ذھب الی التفسیق کالشیعۃ

و کثیر من اصحابنا" جمہور امت جس مسلک پر ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عثمان کے قاتل اور حضرت علیؓ سے جنگ

کرنے والے خطا کار تھے۔ کیونکہ یہ دونوں امام وقت تھے لہٰذا ان کا قتل اور ان کی مخالفت قطعاً حرام

تھی۔ البتہ بعض علماء امت جیسے قاضی ابوبکر باقلانی کے نزدیک یہ خطا فسق و فجور کی حد تک نہیں پہنچی اور

بعض کے نزدیک علیؑ سے جنگ کرنے والوں کی خلاف فسق کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ جیسے تیمیہ وغیرہ
علماء اہلسنت کی کثیر تعداد"۔ ان حقائق کی روشنی میں روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہوگیا کہ معاویہ نے حضرت
علیؑ کے خلاف جو جنگیں لڑیں ہیں وہ تعصب و عناد اور نفسانیت و انانیت کے فاسد جذبہ کے تحت اور
طلب ریاست، حصول اقتدار، حب جاہ اور تحصیل دنیا کی خاطر تھیں اور شیعہ تو بجائے خود اہلسنت کی اکثریت
کے نزدیک معاویہ کی یہ حرکات فسق و فجور کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ فساق و فجار پر قرآن و حدیث
کی رو سے لعنت کرنا جائز ہے۔ کما لا یخفی علی اولی الافہام۔

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے
جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

ازالہ اشتباہ اس سلسلہ میں مؤلف آفتاب نے نہج البلاغہ سے جناب امیرؑ کے جس مکتوب کا حوالہ
دیا ہے اس مکتوب کا اصل مفہوم سمجھنے میں مؤلف نے اشتباہ کیا ہے۔ اس میں جناب
امیر ایمان و ایقان کے معاملہ میں اپنے اور معاویہ کے درمیان مساوات ثابت نہیں کرنا چاہتے۔ بلکہ معاویہ کی
اس گہری سازش کو بے نقاب کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے خلاف برسر پیکار ہے اور اسے اسلامی جہاد کا رنگ
دے رہا ہے حالانکہ وہ یہ جنگ خدا و رسول کے لئے نہیں لڑ رہا ہے۔ بلکہ اس نے خون عثمان کا بدلہ لینے کا
ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ جو سراسر اس کی دھوکہ دہی و فریب کاری ہے ورنہ وہ خود بھی اچھی طرح جانتا ہے
کہ ہم اس سے بری الذمہ ہیں" یہ ہے اس خط کا صحیح مفہوم۔ اگر اس مکتوب کا وہ مطلب لیا جائے جو مؤلف
نے لیا ہے تو وہ خود جناب سرکار ولایت کے ان متعدد دوسرے مکتوبات کے مضمون کے خلاف ہوگا۔
جو آنجناب نے وقتاً فوقتاً معاویہ کو لکھے ہیں جس میں معاویہ کو شیطانی گروہ کا لیڈر و منافق بلکہ خارج از اسلام تحریر فرمایا
ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایک راست باز آدمی کے قول میں اختلاف نہیں ہوتا ان خطوط میں سے بعض یہاں بطور
نمونہ درج کیے جاتے ہیں۔

معاویہ حضرت علی کے مکتوبات کی روشنی میں آنجناب نہج البلاغہ ج ۲ ص ۱۹ طبع مصر میں
معاویہ کے ایک خط کا جواب دیتے ہوئے
تحریر فرماتے ہیں "وا ما قولک انا بنو عبد مناف" فکذلک نحن . ولکن لیس امیۃ کہاشم ولا حرب
کعبد المطلب ولا ابوسفیان کابی طالب ولا المہاجر کالطلیق ولا الصریح کاللصیق ولا المحق
کالمبطل ولا المؤمن کالمدغل۔ اے معاویہ تیرا یہ کہنا کہ ہم سب اولاد عبد مناف ہیں" درست ہے۔
لیکن امیہ ہاشم کے برابر نہیں اور نہ حرب عبد المطلب کی مانند ہے نہ ابوسفیان ابوطالب کی مثل ہے اور نہ

مہاجر (خود جناب امیر) آزاد کردہ (معاویہ) جیسا ہے اور نہ صحیح النسب اور غیر صحیح المنسب برابر ہو سکتے[1] ہیں اور نہ ہی اہل حق و اہل باطل مساوی ہو سکتے ہیں اور نہ مومن اور منافق ایک جیسے ہو سکتے ہیں" (پھر ہم اور تو کس طرح برابر ہو سکتے ہیں؟) ایک اور مکتوب گرامی میں معاویہ کو خطاب کر کے فرماتے ہیں وانی یکون ذلک کذلک ومنا النبی ومنکم المکذب ومنا اسد اللہ ومنکم اسد الاحلاف ومنا سید اشباب اھل الجنۃ ومنکم صبیۃ النار ومنا خیر نساء العالمین ومنکم حمالۃ الحطب (نہج البلاغہ ج ۳ ص۳۱) بھلا تم اور ہم کس طرح برابر ہو سکتے ہیں؟ جبکہ صورتحال یہ ہے کہ نبی ہم سے ہے اور جھٹلانے والا (ابوجہل) تم سے۔ اسد اللہ (حمزہؑ) ہم سے ہے اور اسد الاحلاف (پیغمبرؐ کے خلاف لڑنے پر لوگوں سے قسم لینے والا ابوسفیان) تم سے۔ جوانانِ جنت کے سردار ہم سے ہیں اور جہنم کی اولاد (اولادِ مروان) تم سے۔ تمام عالمین کی عورتوں کی سردار (فاطمہ زہراؑ) ہم سے ہے اور لکڑیاں اٹھانے والی (ام جمیل زوجۂ ابولہب اور معاویہ کی پھوپھی) تم سے۔

ایک مکتوب میں لکھتے ہیں (وانی علی المنہاج الذی ترکتموہ طائعین ودخلتم فیہ مکرھین) مطلب یہ ہے کہ دخلت فی الاسلام کرھا وخرجت منہ طوعا۔ اے معاویہ! تو اسلام میں داخل تو مجبوری کے ساتھ ہوا تھا (بروزِ فتح مکہ) لیکن اس سے نکلا اپنی خوشی سے ہے (نکلنے میں کوئی مجبوری نہ تھی) نہج البلاغہ ج ۳ ص۱۳۱) کنز العمال ج ۶ ص۸۹ میں ہے سمعت علیاً یقول وحزبنا حزب اللہ والفئۃ الباغیۃ حزب الشیطان ومن سوی بیننا وبین عدونا فلیس منا۔ راوی کا بیان ہے میں نے حضرت علیؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ فرمایا ہے کہ ہمارا گروہ خدا کا گروہ ہے اور باغی گروہ (معاویہ جیل) شیطان کا گروہ ہے جو شخص ہمیں ہمارے دشمن کو برابر سمجھتا ہے۔ وہ ہم سے نہیں ہے" ان حقائق کی موجودگی میں مؤلف آفتاب کا یہ قول کس طرح درست ہو سکتا ہے کہ "جناب امیر اسلامی عقائد میں امیر معاویہ کو اپنے جیسا مسلمان سمجھتے ہیں"؟ اب اہل انصاف بتائیں ہم جناب مولوی کرم الدین کی بات مانیں یا جناب امیر علیہ السلام کے فرمان واجب الاذعان پر ایمان لے آئیں؟ ؏

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا؟

معاویہ کے شخصی و نجی حالات

اب تک اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے اگرچہ اس میں مضمون کتاب کا مکمل جواب آگیا ہے۔ مگر ہم چاہتے ہیں کہ یہاں معاویہ

---

[1] اس فقرہ میں معاویہ کے نسب پر جو تعریض ہے۔ وہ کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے (منہ عفی عنہ)

کے متعلق کچھ اور حقائق بھی بیان کر دیے جائیں تاکہ معاویہ کے حقیقی خدوخال اس طرح بے نقاب اور واضح و آشکار ہو جائیں کہ طالبانِ حق کو حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے میں کوئی دقت و دشواری نہ ہو۔

فضیلت معاویہ میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں

اگرچہ ہوا خواہانِ معاویہ بڑھ چڑھ کر اس کے فضائل و مناقب بیان کیا کرتے ہیں۔ مؤلف آفتاب نے بھی کہا ہے کہ "آپ کی شان میں بہت سی احادیث وارد ہیں" مگر نقادانِ فن حدیث و حافظانِ اخبار کا بیان ہے کہ فضائل معاویہ کے بارے میں ایک بھی صحیح السند حدیث موجود نہیں ہے چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی اپنی کتاب اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ ج ۱ ص ۲۱۵ طبع مصر ص ۲۲۱ میں فضائل معاویہ میں چند احادیث درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں "کلھا موضوعۃ لا اصل لھا" "یہ سب کی سب وضعی حدیثیں ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے"

(۲) اسی طرح خاتمۃ الحفاظ محمد بن علی الشوکانی نے اپنی کتاب الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ میں لکھا ہے "اتفق الحفاظ علی انہ لم یصح فی فضل معاویۃ حدیث" "تمام حافظان حدیث کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معاویہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح وارد نہیں ہے (بحوالہ النصائح الکافیہ ص ۹۳)

(۳) اسی طرح علامہ ابن عراق اپنی کتاب تنزیہ الشریعہ عن الاحادیث الموضوعہ طبع مصر ج ۲ ص ۸ میں لکھتے ہیں "لا یصح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی فضل معاویہ بن ابی سفیان شیئ" "معاویہ کی فضیلت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں ہے"

حدیث لا اشبع اللہ بطنہ کا شان ورود

امام اہلسنت نسائی (صاحب سنن نسائی) سے فضائل معاویہ بیان کرنے کی استدعا کی گئی انہوں نے کہا "ما اعرف لہ فضیلۃ الا لا اشبع اللہ بطنہ" "میں ان کی کوئی فضیلت نہیں جانتا سوائے لا اشبع اللہ (خدا اس کا پیٹ نہ بھرے)" کے (استیعاب ابن عبدالبر ج ۳ ص ۴۰۲ وغیرہ)

جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کام کے سلسلہ میں معاویہ کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا۔ اس نے واپس جا کر عرض کیا کہ وہ کھانا کھا رہا ہے۔ دوبارہ بھیجا اس نے جا کر پھر یہی کہا۔ اس پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لا اشبع اللہ بطنہ، اس بددعا کا اثر کیا ہوا علامہ وحید الزمان کی زبانی سنیئے لکھتے ہیں "اس کے دسترخوان پر سو طرح کے کھانے رکھے جاتے تھے اور وہ کھاتے کھاتے آخر یہی کہتے پیٹ تو نہیں بھرا لیکن منہ تھک گیا ہے یہ اثر تھا اس بددعا کا جو آنحضرتؐ نے ان کو دی تھی۔ لا اشبع اللہ بطنہ۔ اللہ اس کا پیٹ نہ بھرے" (انوار اللغتہ پ ۱ ص ۹۸) (علامہ وحید الزمان)

اللّٰھمّ اجعلہ ھادیاً کی حقیقت

جس حدیث کو اس مضمون میں بڑے طمطراق کے ساتھ پیش کیا گیا ہے یعنی اللّٰھم اجعلہ ھادیاً مھدیاً۔ ترمذی نے اسے نقل کرنے کے بعد "غریب" کہا ہے اس لئے یہ ضعیف السند ہونے کی وجہ سے لائق اعتماد نہیں ہے۔ علامہ وحید الزمان انوار اللغۃ پ ۲۷ صفحہ ۲ پر اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں "میرا تو اعتقاد یہ ہے کہ اللّٰھم اجعلہ ھادیاً مھدیاً کی حدیث (معاویہ کے حق میں) صحیح نہیں ہے جیسے امام احمد اور امام نسائی نے فرمایا کہ معاویہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے اور اس کی عدم صحت کے قرائن یہ ہیں کہ معاویہ نے ایسے ایسے خلاف شرع کام کئے ہیں جو عین ضلالت ہیں نہ ہدایت مثلاً زیاد کے نسب کا الحاق ابوسفیان سے، حجر بن عدی کا قتل، یزید کے لئے بالجبر اور بہ مکر و فریب بیعت کرانا، نقض اس معاہدہ کا جو امام حسن سے کیا تھا وغیرہ وغیرہ"۔ ولا ینبئک مثل خبیر۔

معاویہ کے کاتب وحی ہونے کے استدلال کا جواب

اسی طرح پرستاران معاویہ اس کے کاتب وحی ہونے سے بھی اسکی فضیلت ثابت کرنے کی ناکام کوشش کیا کرتے ہیں۔ سو جواباً واضح ہو کہ یہ مزعومہ فضیلت بھی درحقیقت کوئی فضیلت نہیں ہے کیونکہ اولاً تو اس میں اختلاف ہے کہ وہ کاتب وحی تھا یا کاتب خطوط جیسا کہ خود اس مضمون میں اس اختلاف کا اقرار کیا گیا ہے۔ لہٰذا بموجب اذا قام الاحتمال بطل الاستدلال۔ یہ استدلال درجۂ اعتبار سے ساقط ہے۔

ثانیاً۔ بابہ تسلیم اینکہ وہ کاتب وحی تھا۔ چونکہ وہ حرف شناس تھا اور پیغمبر نے کچھ دن بعض آیات کی اس سے املاء کرا دی ہو تو اس میں کونسی فضیلت ہے؟ کیا قرآن و حدیث میں کوئی ایسی تصریح موجود ہے کہ جو کاتب قرآن ہوگا وہ مومن کامل ہوگا، یا قرآن کی کتابت وہی شخص کرے جو پکا مسلمان ہو؟ کیا عبداللہ ابن خطل پہلے کاتب قرآن نہیں تھا جو بعد میں مرتد ہو گیا؟ (اللئالی المصنوعۃ ج ۱ صفحہ ۲۱۶ طبع مصر) باقی بعض روایات جو مضمون نگار نے بیان الامراء ترجمہ تاریخ الخلفاء کے حوالہ سے نقل کی ہیں۔ وہ سب ناقابل اعتماد ہیں خود صاحب تاریخ الخلفاء نے ابتداء حالات معاویہ میں تصریح کر دی ہے "قد ورد فی فضلہ احادیث قل ماتثبت" (صفحہ ۱۳۲) یعنی معاویہ کی فضیلت میں کچھ احادیث وارد ہوئی ہیں جو بہت ہی کم ثابت ہیں"۔

ایک مضحکہ خیز استدلال

معاویہ زندگی بھر خاندان نبوت سے برسرپیکار رہا۔ ان کو مختلف اذیتیں پہنچاتا رہا قتل کراتا رہا، ان کی شمع حیات گل کرنے کی مقدور بھر کوشش کرتا رہا۔ اور ان کے حیداروں کے خون ناحق سے ہولی کھیلتا رہا۔ مگر اس کے ہواخواہ کہتے ہیں کہ "اس کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ موئے مبارک اور کچھ ناخن اقدس تھے جن کے

متعلق اس نے وصیت کی تھی کہ مرنے کے وقت اس کے ناک اور منہ میں رکھ دینا" ایسا بودہ استدلال کرنے والوں کو اپنی عقل وخرد کے ناخن لینے چاہئیں! اگر اس کی نگاہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتنی ہی عظمت ہوتی تو ان کے مقدس خاندان کے ساتھ بالعموم اور رجال مصطفےٰ (علی المرتضےٰ) کے ساتھ بالخصوص وہی سلوک کرتا جو اس نے ــــ کیا ہے؟ مالکم کیف تحکمون؟

مذمتِ معاویہ میں چند احادیث واقوال

فضائل کی بجائے اس کے رذائل میں چند احادیث واقوال مل جاتے ہیں۔ مثلاً تاریخ طبری جلد ۱۱ ص۳۵۷ میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یطلع من ھٰذا الفج رجل من امتی یحشر علی غیر ملتی فطلع معاویۃ۔ "اس گھاٹی سے میری امت کا ایک ایسا شخص نمودار ہوگا جو میرے دین پہ محشور نہ ہوگا۔ چنانچہ معاویہ برآمد ہوا"۔

(۲) طبری کی اس جلد اور اسی صفحہ پر نیز کتاب صفین ص۲۴۳ پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے فرمایا ان معاویۃ فی تابوت من النار اسفل درک منھا ینادی یاحنان یامنان الان وقد عصیت قبل وکنت من المفسدین۔ معاویہ جہنم کے نچلے طبقہ میں آگ کے ایک تابوت میں ہوگا۔ باآواز بلند پکارے گا۔ اے خدائے مہربان! مجھے معاف کر دے۔ آواز آئے گی۔ اب معافی مانگتا ہے؟ حالانکہ اس سے پہلے تو نافرمانی کرتا رہا اور تو مفسدین میں سے تھا"۔

(۳) تاریخ خطیب بغدادی ج ۲ ص۱۸۱ کنوز الدقائق ص۱ تہذیب التہذیب ج ۲ ص۴۲۸ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث مذکور ہے۔ فرمایا اذا رأیتم معاویۃ علی منبری فاقتلوہ "جب معاویہ کو میرے منبر پہ دیکھو تو اسے قتل کر دینا"

تنبیہ ہم نے کتب اہلسنت والجماعت سے مذمت معاویہ میں یہ چند احادیث پیش کر دی ہیں۔ اب اگر کوئی معاویہ نجیل یہ کہے کہ یہ حدیثیں دشمنانِ معاویہ کی گھڑی ہوئی ہیں تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ پھر فضیلت معاویہ حدیثیں بھی ہوا خواہانِ معاویہ کی گھڑی ہوئی ہیں۔ ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ ج ۲ ص۱۰۴ میں لکھا ہے "اما معاویۃ فکان فاسقاً مشھوراً بقلۃ الدین والانحراف عن الاسلام" "معاویہ فاسق و فاجر تھا اور دین کی کمی بلکہ دین اسلام سے انحراف وروگردانی کرنے میں مشہور تھا"۔

صلح حسنیؑ کی حقیقت

مضمون نگار نے صلح حسنی سے بھی معاویہ کے دیندار ہونے پہ استدلال کیا ہے کہ اگر وہ مستحق لعن ہوتا تو پھر اس کے ساتھ صلح جائز نہ ہوتی"۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ صلح صرف اس آدمی یا جماعت سے ہوتی چاہیے جو مستحق رحمت وصلوات ہو بنابریں مضمون

نگار کفارِ مکہ کے ساتھ پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صلح کے بارے میں کیا فتویٰ صادر فرمائیں گے جو صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے؟ اگر کوئی یہ کہے کہ اس صلح سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ کفار نالائق مستحق لعنت و پھٹکار ہوتے تو رسول کردگار ان سے ہرگز صلح نہ کرتے؟ تو جو جواب مضمون نگار صاحب اس استدلال کا دیں گے وہی جواب ہم خود ان کے استدلال کا پیش کریں گے! حقیقت یہ ہے کہ جس طرح جناب پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض مجبوریوں کے تحت کفار سے صلح کی تھی بالکل اسی طرح ان کے نواسے نے بھی حفاظت اسلام اور امت کی صلاح و بہبود کی خاطر مجبوراً معاویہ سے صلح کی۔ یہاں پوری تفاصیل بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے اس لئے بنابر اختصار اس سلسلہ میں برادران اسلامی کے ایک منصف مزاج عالم حضرت علامہ وحید الزمان کے حقیقت افروز بیان نقل کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے وہ اپنی کتاب انوار اللغۃ پ۵ ص۱ پر لکھتے ہیں "ہمارے بڑے شہزادے امام حسن علیہ السلام

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر تھے۔ نہایت دانشمند اور انجام بین اور وقت اور موقع محل دیکھ کر کام کرنے والے۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں کافروں سے دب کر مصلحۃً صلح کر لی تھی ویسے ہی حضرت امام نے بھی دیکھا کہ میری فوج والوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ ان کے دلوں میں خیانت بھری ہوئی ہے۔ اُدھر معاویہ جنگ پر تُلا ہوا ہے۔ اسلام تباہ ہوا چاہتا ہے تو ناچار آپ نے دفع الوقتی کر کے معاویہ سے صلح کر لی۔ اب جن لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ آپ نے بخوشی معاویہ کو خلافت دے دی اور معاویہ کی خلافت صحیح اور شرعی ہو گئی۔ انہوں نے حالات اور وقائع پر غور نہیں کیا۔ اصل یہ ہے کہ امامؑ اس وقت کے حالات سے اوپر تلے مجبور ہو گئے اور آپ نے ایک ضررِ عظیم سے بچنے کیلئے ضررِ خفیف کو گوارا کیا۔ پس درحقیقت یہ صلح امام کی طرف سے صحیح اور جائز تھی لیکن معاویہ کی طرف سے ناجائز اور محض ظلمی اور جبری تھی۔ جیسے صلح حدیبیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جائز اور صحیح تھی لیکن مشرکوں کی طرف سے ظلمی اور جبری تھی۔ اس نکتہ کو یاد رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ اس میں بڑے بڑے علماء کو دھوکہ ہو گیا ہے" انتہی کلامہ۔ بایں ہمہ چونکہ معاویہ نے بظاہر اسلامی لبادہ اوڑھا ہوا تھا اس لئے اس سے امام حسنؑ نے صلح کر لی۔ بر خلاف اپنے ناخلف بیٹے یزید کے جس نے اسلام کا جوا اپنی گردن سے بالکل اتار پھینکا تھا۔ اس لئے حضرت امام حسینؑ کے لئے اس سے جہاد کرنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ مضمون نگار نے معاویہ کے امام حسنؑ کو جس وظیفہ دینے کا تذکرہ کیا ہے وہ دراصل عطیہ نہ تھا

بلکہ شرائط صلح میں سے ایک شرط کے تحت امام کے لئے گذارہ الاؤنس تھا جو بوجہ حقیقی خلیفہ رسول ہونے کے ان کا حق تھا نہ کہ معاویہ کا احسان جو کہ دراصل غاصب تھا) لہذا اگر اصل حقدار کو اس کا حق مل جائے خواہ ظالم و غاصب کے ہاتھ سے ہو تو اس میں کوئی عقلی یا شرعی قباحت نہیں ہے امام حسن نے وظیفہ کی خاطر ظاہری اقتدار معاویہ کے حوالے نہیں کیا تھا ایسا خیال کرنا قاضی مظہر کی جہالت و ضلالت ہے۔ بلکہ اسلام کی بقا اور مسلمانوں کی فلاح کی خاطر ایسا کیا تھا جیسا کہ ہم اسکی سابقاً وضاحت کر چکے ہیں اور جہاں تک ظاہری ملکی اقتدار کا تعلق ہے تو وہ جب اصل نبی و رسول کی نبوت و رسالت کی شرط نہیں تو آپکے خلیفہ کی خلافت کی شرط کس طرح ہو سکتی ہے نبی نبی ہے خواہ مسند اقتدار پر ہو یا قید خانے میں ہو اسطرح خلیفہ و امام ہے۔ خواہ مسند رسول پر جلوہ افروز ہو اور خواہ یہودیوں کے باغ میں مزدوری کر رہا ہو اور خواہ خانہ نشین ہو"

چند مہلکات معاویہ کا بیان

اگرچہ یہ مضمون پہلے ہی غیر معمولی طور پر لمبا ہو گیا ہے مگر بڑے اختصار کے ساتھ دو چار اور متعلقہ باتوں کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ تاکہ ہواخواہان معاویہ کیلئے مکمل درس عبرت کا سامان مہیا ہو جائے۔ سو واضح ہو کہ معاویہ نے اپنی حیات مستعار میں وہ وہ حرکات ناشائستہ کئے ہیں اور وہ وہ کارہائے بد انجام دیئے ہیں کہ اگر ان میں سے صرف کسی ایک کا بھی ارتکاب کرتا تو اس کی ہلاکت ابدی کے لئے کافی تھا۔ چہ جائیکہ جب وہ سب جمع ہو گئے ہوں۔ ان میں سے بعض کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے

(۱) حضرت امیر پر سب و شتم کرانا

یہ بات تاریخ و حدیث پر معمولی نظر رکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں ہے کہ معاویہ نے حضرت علی اور اہلبیت نبوی پر سب و شتم کی باقاعدہ مہم جاری کی اور پھر یہ سنت سیئہ برابر بنی امیہ کے منحوس دور میں منبروں پر جاری رہی۔ یہاں تک عمر بن عبدالعزیز نے اسے بند کرایا۔ (۱) تذکرہ خواص الامۃ ص۲ پر لکھا ہے کہ منبروں پر سب و شتم کا قبیح سلسلہ برابر ایک ہزار مہینہ تک جاری رہا۔ صاحب تذکرہ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔ (ثم استفاض لعن علی علیہ السلام علی المنابر الف شھر و کان ذالک بامر معاویۃ)۔۔۔

(۲) علامہ جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء ص۱۶۶ پر لکھا ہے کان بنو امیہ یسبون علی بن ابی طالب علیہ السلام فی الخطبۃ۔ یعنی بنی امیہ خطبوں میں حضرت علیؑ کو گالیاں دیا کرتے تھے (۳) شبلی نعمانی اپنی مشہور سیرۃ النبی ج ۱ ص۲۹ تقطیع کلاں پر لکھتے ہیں "حدیثوں کی تدوین بنو امیہ کے زمانہ میں ہوئی جنہوں نے پورے ۹۰ برس تک سندھ سے ایشیائے کوچک اور اندلس تک مساجد جامع میں آل فاطمہ کی توہین کی اور

جو میں حضرت علی پر لعن کہلوایا۔ سیکڑوں ہزاروں حدیثیں امیر معاویہ وغیرہ کے فضائل میں بنوائیں۔ معاویہ اس امر شنیع میں اس قدر مبالغہ سے کام لیتا تھا کہ لوگوں کو پکڑ پکڑ جناب امیرؑ پر سب و شتم کرتا اور نہ کرنے پر اس کی وجہ دریافت کرتا تھا۔ (ملاحظہ ہو صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷۸ باب فضائل علیؑ) بنی امیہ کو اپنی اس قبیح حرکت پر اس قدر اصرار تھا کہ امام حسنؑ کو بوقت صلح یہ شرط عائد کرنا پڑی تھی کہ ان کے عظیم والد پر سب و شتم کا سلسلہ بند کیا جائے مگر یہ شرط منظور نہ ہوئی۔ تب امام مظلوم نے فرمایا کم از کم اتنا تو کیا جائے کہ میری موجودگی میں یہ حرکت نہ کی جائے چنانچہ اسے تسلیم کر لیا گیا۔ گو بعد میں اس پر بھی عمل نہیں ہوا۔ تاریخ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۰۳۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۲۲ وغیرہ آ۔ ھ

فلیبك علی الاسلام من كان باكیا

(۲) حضرت امیر سے جنگ و جدال کرنا

معاویہ نے حضرت امیر سے جنگ و جدال کرنے میں اپنی زندگی گذار دی۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ ان سے جنگ کرنا خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کرنے کے مترادف ہے۔ مضمون نگار نے برادران یوسف والے واقعہ سے تشبیہ دیکر اس جرم شنیع کی سنگینی کو ہلکا کرنے کی جو ناکام کوشش کی ہے جو بالکل قیاس بے اساس ہے۔ اوّلاً۔ تو وہاں جناب یوسف کے معافی دینے کا تذکرہ کلام مجید میں مذکور ہے اور یہاں اس معافی کا نام و نشان تک موجود نہیں ہے۔ ثانیاً۔ دونوں کی نوعیت مختلف ہے۔ وہاں ذاتی رنجش تھی۔ اور برادران یوسفؑ کی اذیت رسانی صرف جناب یوسف کی ذات تک محدود تھی۔ اس لئے وہ اپنا حق معاف کر سکتے تھے۔ مگر یہاں تو دین کا معاملہ تھا اور ہزاروں اہل ایمان نہ صرف یہ کہ معاویہ کے عام ظلم و ستم کا بلکہ قتل و غارتگری کا نشانہ بن چکے تھے۔ اس لئے جناب امیر معاف کر بھی کس طرح سکتے تھے؟ اگر معاملہ ان کی ذات تک محدود ہوتا تب بھی کوئی بات تھی۔ الغرض تھ

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی

(۳) جناب حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرانا

ویسے تو ہزاروں بے گناہوں کے خون ناحق کا مظلمہ معاویہ کی گردن پر ہے جو بالواسطہ یا بلا واسطہ اس کے ظلم و جور کا نشانہ بن کر راہی ملک بقا ہوئے۔ مگر جناب حجر بن عدی اور ان کے صالح ساتھیوں کے واقعہ قتل کو کچھ غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ جنہوں نے بڑی بے بسی اور اندوہناک کیفیت کے ساتھ بحالت اسیری معاویہ کے حکم سے جام شہادت نوش کیا۔ جناب حجر بن عدی حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شب زندہ دار اور روزہ دار عبادت گذار جلیل القدر صحابی تھے۔

(استیعاب ابن عبد البر، الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، اسد الغابۃ، المستدرک للحاکم وغیرہا) چونکہ جناب حجر اپنے غیر معمولی زہد و تقویٰ کی وجہ سے بڑے صاحب اثر بزرگ تھے۔ ان کی گرفتاری اور بے سفاکانہ قتل نے امت محمدیہ کے لوگوں کا دل ہلا دیا۔ چنانچہ جب جناب عائشہ کو جناب حجر کی گرفتاری کی اطلاع ملی تو فوراً عبدالرحمٰن بن حارث کو یہ پیغام دے کر معاویہ کے پاس شام دوڑایا کہ اللہ اللہ فی حجر و اصحابہ حجر اور ان کے ساتھیوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو" لیکن جب عائشہ کا قاصد پہنچا تو جناب حجر اپنے ساتھیوں سمیت جام شہادت نوش فرما چکے تھے (الاصابۃ ص۳۵۵ وغیرہ) جب عبداللہ بن عمر کو شہادت حجر کی اطلاع ملی تو شدت گریہ و بکا سے ان کی چیخیں نکل گئیں۔ (الاستیعاب، الاصابۃ، اسد الغابہ وغیرہا) ــــ قابل غور بات یہ ہے کہ اس قدر عابد و مرتاض شخص کے قتل کا سبب کیا تھا؟ اگرچہ پرستاران معاویہ نے تارڈ کا پہاڑ بنا کر پیش کیا ہے کہ انہوں نے بغاوت کی تھی اور مسلح ہو کر گورنر کوفہ کا مقابلہ کیا تھا، مگر یہ سب افسانے ہیں بات صرف اسقدر تھی کہ معاویہ کے گورنروں نے حضرت امیر کے خلاف علانیہ سب و شتم کا جو قبیح سلسلہ جاری کر رکھا تھا۔ جناب حجر اس سے کڑھتے تھے اور بعض اوقات وہ بھی جوابی طور پر ان کے ساتھ وہی سلوک کرتے۔ چنانچہ مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی تاریخ اسلام ج ۲ ص۱۲ پر لکھتے ہیں۔ "امیر معاویہ نے اپنے زمانہ میں برسر منبر حضرت علی پر سب و شتم کی مذموم رسم جاری کی تھی اور ان کے تمام عمال اس رسم کو ادا کرتے تھے۔ مغیرہ بن شعبہ بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے لیکن امیر معاویہ کی تقلید میں یہ بھی اس مذموم بدعت سے نہ بچ سکے۔ حجر بن عدی اور ان کی جماعت کو قدرۃً اس سے تکلیف پہنچتی تھی۔ اس کے جواب میں وہ بھی مغیرہ اور امیر معاویہ کو برا بھلا کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتے تھے۔ ــــ زیاد کے زمانے میں بھی یہ رسم جاری رہی اور اس کے ساتھ حجر کا جوابی طرز عمل بھی قائم رہا۔ ــــ حضرت حجر بن عدی بڑے رتبے کے صحابی تھے اس لئے ان کے قتل کا بہت برا اثر پڑا" ــــ بالآخر اسی زیاد بن ابیہ کی شاطرانہ چالوں کی بدولت وہ گرفتار ہوئے اور معاویہ کے حکم سے شہید ہوئے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را...

یہ ہے معاویہ کے حلم و بردباری کی حقیقت جس کا بڑا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے۔

(۹) زیاد بن ابیہ کا الحاق شریعت مقدسہ کا حکم ہے الولد للفراش وللعاهر الحجر (بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو اور زانی کو پتھر لگیں گے) مگر معاویہ نے اس حکم کو پامال کرتے ہوئے سیاسی اغراض کے تحت زیاد بن سمیہ کو (جو طائف کی لونڈی کے بطن سے پیدا ہوا تھا) یہ ظاہر کر کے کہ اس کے باپ ابوسفیان نے سمیہ سے زنا کیا تھا جس سے زیاد متولد ہوا۔ اپنا بھائی بنا لیا ــــ

(البدایۃ والنہایۃ۔ طبری۔ کامل تحفۂ اثنا عشریہ، الاخبار الطوال وغیرہا) ـــــــــ

(۵) گورنروں کے مظالم معاویہ کے گورنر جیسے زیاد بن ابیہ، مغیرہ بن شعبہ، بسر بن ارطاۃ وغیرہم جن کے مظالم کے واقعات پڑھو کر حجاج بن یوسف ثقفی کے مظالم بھی ماند پڑ جاتے ہیں۔ وہ بھی تمام معاویہ کی گردن کا ہار ہیں جن سے قیامت تک اس کی گلو خلاصی نہیں ہو سکتی۔

(۶) امام حسنؑ کو زہر خورانی معاویہ نے ہی بڑے لطائف الحیل سے امام حسن مجتبیٰؑ کو انکی زوجہ جعدہ بنت اشعث کے ذریعہ زہر دلوا کر شہید کرایا (مروج الذہب مسعودی طبع جدید ج ۲ صفحہ ۳۰۷، تذکرہ الخواص صفحہ ۱۲۱، النصائح الکافیہ صفحہ ۱۱) اور جب اسے شہادتِ امام کی اطلاع ملی تو فرحت و انبساط کا اظہار کیا (تاریخ ابو الفداء صفحہ ۱۸۳ طبع دہلی) الامامۃ والسیاسۃ ج ۲ صفحہ ۱۴۴، دراسات اللبیب صفحہ ۷۹ طبع لاہور وغیرہ) انا للہ و انا الیہ راجعون۔

(۷) یزید کی ولیعہدی یزید جیسے حرام کار، شرابخوار ملحد اور زندیق شخص کے لئے مسلمانوں سے جبر و اکراہ کے ساتھ بیعت لے کر اسکے لئے زمینِ حکومت ہموار کی۔ معاویہ کے ان ننگِ اسلام و انسانیت واقعات کی پوری تفصیل ہماری کتاب سعادۃ الدارین فی مقتل الحسینؑ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

معاویہ کے متعلق حسن بصری کی رائے آخر کلام میں معاویہ کے متعلق مشہور تابعی حسن بصری کی رائے درج کر کے اس بحث کا خاتمہ کیا جاتا ہے وہ کہا کرتے تھے کہ معاویہ میں چار خصلتیں ایسی تھیں کہ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی اس کے اندر ہوتی تو اس کی ابدی ہلاکت کے لئے کافی تھی۔ (۱) اس نے امت محمدیہ پہ تلوار کھینچی اور افاضل صحابہ کی موجودگی میں بلا مشورہ تختِ خلافت پر قابض ہو گیا (۲) اپنے شراب نوش بیٹے یزید کو اپنے بعد خلیفہ بنایا، جو ریشمی لباس پہنتا تھا اور سارنگی و طنبور بجاتا تھا۔ (۳) زیاد کو اپنا بھائی بنایا حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ لڑکا صاحبِ فراش کا ہے اور زانی کے لئے سنگ (۴) جناب حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کو شہید کرایا۔ جن کا خون اس کی گردن پر زبردست وبال ہے (تاریخ ابن عساکر ج ۲ صفحہ ۳۸۱، طبری ج ۶ صفحہ ۱۵۷، کامل ج ۳ صفحہ ۲۴۲، تاریخ ابو الفداء ج ۱ صفحہ ۱۹۴) وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

مانو نہ مانو جانِ جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جائیں گے

فاعتبروا یا اولی الابصار ـــــــــ

چالیسواں مسئلہ طینت

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ انسانوں کی جزا و سزا نیک و بد اعمال پر موقوف ہے فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ — لیس للانسان الا ما سعٰی — نیز قرآن کریم میں ہے ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم لیکن شیعوں کا عجیب و غریب عقیدہ ہے کہ ان کی پیدائش اس طینت (مٹی) سے ہے جس سے ائمہ کرام اور انبیاء پیدا ہوئے ہیں اس لیے وہ قطعی جنتی ہیں خواہ کیسے ہی بداعمال کیوں نہ ہوں اور کافروں اور سنیوں کی پیدائش دوزخ کی آگ سے ہے وہ یقیناً دوزخی ہیں خواہ کتنے ہی نیک عمل کیے ہوں۔ اصول کافی صفحہ ۲۵۸ میں باب طینۃ المومن والکافر میں اس کے متعلق بہت سی احادیث درج ہیں ہم ان کا صرف محصل بیان کرتے ہیں۔ علی بن حسین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے ابدان و قلوب علیین سے پیدا کیے اور مومنین یعنی شیعہ کے قلوب بھی اسی طینت سے پیدا کیے گئے ہیں اور کفار کے ابدان سجین سے پیدا کیے ہیں — (بعد ازاں مؤلف نے اسی مضمون کی بعض روایات اصول کافی سے نقل کی ہیں جن میں سے بعض میں درج ہے کہ خدا نے ان دونوں قسم کی طینوں کو باہم ملا دیا۔ لہٰذا بعض اہل ایمان میں جو کچھ خلقی یا دوسرے عیوب ہیں وہ طینت سجین کا ثمرہ اور مخالفین میں جو حسن خلق وغیرہ محاسن ہیں وہ طینت علیین کا نتیجہ ہے۔ اس پر مؤلف نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے) "تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جنت و دوزخ کی ہر دو طینتوں کو ملا دینے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ دھوکہ سے ایسا ہو گیا یا دانستہ ایسا کیا گیا۔ ایسا تو کوئی کاریگر بھی نہیں کر سکتا — (بعد ازاں جلاء العیون سے اس مضمون کی ایک روایت نقل کی ہے کہ پیغمبر اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب امیر سے فرمایا۔ ہم اور تم ایک طینت سے مخلوق ہوتے اور ہماری زیادتی طینت سے ہمارے شیعہ پیدا ہوئے۔ جب قیامت ہو گی لوگوں کو ان کی ماں کے نام کے ساتھ پکاریں گے مگر تمہارے شیعوں کو ان کے باپ کے نام سے طلب کریں گے اس لئے کہ وہ حلال زادہ ہیں گے بعد ازاں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے "جائے غور ہے کہ حسب اعتقاد شیعہ یہ تمام بھنگی، چوہڑے، مراثی، ڈوم، میراثی، قلندر جو اکثر شیعہ کہلاتے ہیں۔ بمنطوق احادیث مندرجہ اصول کافی چونکہ ان کی پیدائش طینت انبیاء کی زیادتی سے ہے اس لئے قطعی جنتی ہیں اور حسب روایت جلاء العیون یہی لوگ حلال زادہ ہیں اور تمام بزرگان اہلسنت . . . . معاذ اللہ دوزخی

اور غیر صحیح النسب ہیں (آفتاب ص۲۹۹)

الجواب جن روایات پہ یہ ایراد مبنی ہے وہ "اخبار طینت" کے نام سے مشہور ہیں اور چونکہ یہ بظاہر مذہب حق کے مسلّم عقیدہ کہ "انسان اپنے افعال ہیں فاعل مختار ہے" کے مخالف معلوم ہوتی ہیں۔ لہٰذا ان کے رد و قبول میں شیعہ علماء کے دو نظریے ہیں۔

احادیث طینت کے متعلق شیعی نقطۂ نظر

بعض علماء اعلام مثل شیخ مفید و سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے تو انہیں اخبار آحاد ہونے اور مسلمات سے متصادم ہونے کی بناء پر نا قابل اعتماد و استناد قرار دیا ہے۔ ہاں البتہ دوسرے حضرات نے ان کو قبول منظور کیا ہے مگر اس گروہ میں باہم اختلاف ہے بعض علماء نے یہ روش اختیار کی ہے کہ چونکہ یہ اخبار متشابہہ ہیں لہٰذا (آیات متشابہات کی طرح) ان پر اجمالاً ایمان رکھنا چاہیئے۔ لیکن ان کے حقیقی مطلب و مفہوم سے اپنے عجز و قصور کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں ائمہ اہلبیت کی طرف لوٹانے کا نظریہ قائم کیا ہے اور بعض نے انکو تسلیم کرکے ظاہری مفہوم پر وارد شدہ ایراد کا اس طرح جواب دیا ہے کہ یہ اخبار تشبیہہ و استعارہ پر مبنی ہیں۔ یعنی مومن ایمان کے قبول کرنے اور اچھے کام کرنے میں اس طرح نرم ہوتا ہے گویا اس کی طینت پاکیزہ ہے اور کافر کفر اور اعمال بد کا ارتکاب کرنے میں ایسا راغب ہوتا ہے کہ گویا اس کی طینت رجس و خبیث ہے ورنہ حقیقت میں اس طرح نہیں ہے اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ چونکہ خالق حکیم و علیم کو خلقت کائنات سے پہلے اپنے علم لدنی سے معلوم تھا کہ کون لوگ اپنے عزم و اختیار سے ایمان لاکر اعمال صالحہ بجالائیں گے اور کون لوگ اپنے ارادہ سے کفر اختیار کرکے اعمال بد کا ارتکاب کریں گے اس لئے اس نے مومن کو طینت علیین اور کافر کو سجیین سے پیدا کیا تاکہ اول الذکر باسانی ایمان لا سکے اور ثانی الذکر بسہولت کفر اختیار کر سکے اور پھر یہ اختلاف طینت ایمان و کفر یا عمل صالح اور عمل بد اختیار کرنے کی علت تامہ بھی نہیں ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ اس سے اقتضاء اور طبعی میلان و رجحان ظاہر و عیاں ہوتا ہے نہ کہ جبر و اکراہ۔ اور بعض حضرات نے اس ایراد کا حل یہ پیش کیا ہے کہ جب عالم ارواح میں خدا نے روحوں کا امتحان لیا تھا (جسے عہد الست اور عالم ذر بھی کہا جاتا ہے) تو جو روحیں وہاں کامیاب یا ناکام ہوئیں اس عالم دنیا میں ان کو ان کی اسی رفتار و گفتار کے مطابق مادی قالب دیا گیا اور یہ عین حکمت و صواب ہے یہاں اس موضوع پر اسی قدر کافی ہے۔ مزید تفصیل کے شائقین حضرات ہماری کتاب "احسن الفوائد فی شرح العقائد" کی طرف رجوع فرمائیں

ان حالات کی روشنی میں اہل انصاف بتائیں کہ جن اخبار کی یہ حالت اور کیفیت ہو کہ خود شیعہ علماء کبار کے درمیان ان کے رد و قبول میں اختلاف ہو اور جو قبول کریں وہ بھی ان کو متشابہہ قرار دیں۔ کیا ان کے ظاہری مفہوم کو شیعہ کا عقیدہ ظاہر کرکے ان پہ اعتراض کرنا کہاں تک درست ہے؟ سچ ہے

والذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ محکمات کو چھوڑ کر متشابہات کی پیروی کرنا۔ کج طبعی کی غمازی کرتا ہے۔

الزامی جواب اگر اسی قسم کی روایات کی بنا پر کسی مذہب پر اعتراض کرنا ہو تو پھر شیعہ حضرات بھی بڑی آسانی سے جواباً کہہ سکتے ہیں کہ سنن ابن ماجہ وغیرہ صحاح ستہ میں اس مضمون کی بکثرت روایات موجود ہیں کہ خدا فرماتا ہے۔ انا خلقت الخلق وخلقت الخیر والشر فطوبیٰ لمن قدرت علی یدیہ الخیر۔ یعنی میں نے مخلوق کو خلق کیا ہے اور میں نے ہی نیکی و بدی کو پیدا کیا۔ بشارت ہے اس بندے کے لئے جس کے ہاتھوں پر میں نیکی کو جاری کر دوں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بندے جو کچھ اچھائی یا برائی کرتے ہیں درحقیقت سب کچھ خدا کراتا ہے۔ پھر آیات مبارکہ من یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ ___ اور ___ لیس للانسان الا ما سعیٰ اور ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم وغیرہ آیات کہاں جائیں گی جب انسان مجبور متصور ہوگا ؟ ___ فما ھو جوابکم فھو جوابنا۔

لوگوں کا ماؤں کے نام کے ساتھ اٹھایا جانا باقی بحار الانوار کی جس روایت پر مؤلف نے اعتراض کیا ہے وہ اعتراض خود ان پر وارد ہوتا ہے کیونکہ کتب اہلسنت میں یہ لکھا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو ان کی ماؤں کے نام کے ساتھ پکارا جائے گا (تفسیر در منثور بذیل آیت یوم ندعوا کل اناس بامامھم)

علیؑ کی دوستی ولادت کے پاکیزہ ہونے کی علامت ہے اور بعض کتب فریقین میں وارد ہے کہ پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یا علی! تجھ سے دوستی وہی رکھے گا جس کی ولادت پاکیزہ ہوگی اور جو تجھ سے دشمنی رکھے گا۔ اس کی ولادت میں خرابی ہوگی (کنز العمال وغیرہ) نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کا ارشاد ہے یا علی! جو تجھے نہیں پہچانتا (بلکہ دشمنی رکھتا ہے وہ تین میں سے ایک ہے (۱) یا ولد الزنا ہے (۲) یا ولد الحیض ہے (۳) یا منافق ہے (مودۃ القربیٰ ہمدانی ص ۲۱)

ایضاح مخفی نہ رہے کہ حدیث میں شیعہ دشمنی کا کوئی تذکرہ نہیں۔ بلکہ علیؑ کے دوست اور دشمن کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ نہ معلوم مؤلف کو کیا مرض ہے۔ کہ جہاں بھی دشمنان علیؑ کا ذکر ہو وہ اس سے مراد سنّی ہی لیتے ہیں اگر بدقسمتی سے وہ عداوت علیؑ کے مرض میں مبتلا ہیں تو انہیں تمام امت کو اپنے اوپر قیاس نہیں کرنا چاہیئے جنکی اکثریت محبت علیؑ کا دم بھرتی ہے۔ اور دشمن سے بھی وہ دشمن علی مراد ہے مرتے دم تک دشمن رہے۔ لہٰذا جو شخص مرنے سے پہلے کن

وقت بھی عداوتِ علیؑ سے توبہ کرے وہ جبداً ماں علیؑ کے مقدس گروہ میں شامل ہو جائے گا اور اس تہدید سے ایم جائیگا۔ اس تشریح سے آفتاب ہدایت کے محشی کا اعتراض بھی ختم ہوگیا۔ فتدبر۔

مؤلف کے بیجا طعن کا جواب

باقی رہا مؤلف کا یہ کہنا "بھنگی چرسی، ڈوم، کنجر۔۔ جو شیعہ کہلاتے سب جنتی ہوں گے ——— تو جواباً عرض ہے کہ صرف شیعہ کہلانے سے کوئی شخص شیعہ بن نہیں جاتا۔ اگر صرف کہلانا ہی معیار ہے تو پھر اہلسنت والجماعت کی صفوں میں بھی کتنی کنجر، کلال، ڈوم، ڈھاری، طبلچی، شرابی، کبابی اور رباب مل جائیں گے کیا ہمارے کرم فرما مولوی کرم دین صاحب ان کو صحیح اہلسنت تسلیم کرنے کیلئے تیار ہیں؟ ہچہ آنچہ برائے خود نمی پسندی برائے دگراں مپسند

حقیقت یہ ہے کہ جس مذہب کے خود پیشوا، گنہگار، خطا کار اور قصاب دجولا ہے وغیرہ کمین ذات سے تعلق رکھتے ہوں۔ اس مذہب میں تو شاید ایسے لوگوں کی گنجائش نکل سکے۔ مگر جس پاکیزہ مذہب کے پیشوا فخر بنی نوع انسان سادات کرام اور مطہر و معصوم عن الخطاء والعصیان ہوں اس مقدس مذہب میں ایسے لوگوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ شیعۃ الرجل اتباعہ یعنی کسی کا شیعہ وہ ہوتا جو اس کے نقش قدم پر چلے۔ لہٰذا جسے علیؑ کا شیعہ بنتا ہے۔ اسے علیؑ کے قول و کردار پر عمل بھی کرنا پڑے گا شیعہ کہلانا اور ہے اور شیعہ ہونا اور۔ یا سعد الا بل!

پینتالیسواں مسئلہ رجعت

شیعہ کا ایک عجیب و غریب اعتقاد ہے کہ جب امام مہدی کا ظہور ہوگا اور اسلام کی تلوار ان کے ہاتھ میں ہوگی وہ پہلا یہ کام کریں گے کہ مدینہ منورہ جاکر دریافت کریں گے ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے تابعین اور حضرت عائشہؓ و حفصہؓ کہاں کہاں مدفون ہیں۔ جب لوگ ان کی قبروں کا نشان دیں گے تو وہ ان سب کو کھینچ کر زندہ کرلیں گے اور حضرت علیؑ و حسنینؑ اور ان کی ذریت اور شیعوں کو بھی زندہ کریں گے اور ان سے ردبرو اصحاب ھمانہ واج رسول اور ان کے اتباع کو طرح طرح کی اذیت پہنچا کر ——— مار ڈالیں گے اور ان کی لاشوں کو درختوں سے لٹکا دیں گے ——— ہم پوچھتے ہیں کہ جب حضرت علی المرتضٰی باوجود اسد اللہ الغالب ہونے کے ان حضرات پر غالب نہ ہو سکے اور اپنی تمام عمر ان سے ڈر کر تقیہ میں گزار دی۔ ان کی گردن میں رسا ڈال کر کھینچا گیا ——— اور ان کی زندگی میں ہی نہیں۔ بلکہ ان کی وفات کے بعد بھی ان کے دل پر ایسا رعب طاری رہا کہ ان کے خلاف کوئی عمل کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ نہ ورثاء فاطمہ پر رد فدک کر سکے ——— تو اب ان کے پوتے امام مہدی جنہوں

نے اپنی تمام عمر ستی ملوک و سلاطین سے ڈر کر غار سرمن رأی میں محبوس رہ کر گذار دی ـــــ اب ان میں ایسی جرأت کہاں سے آجائے گی کہ ان بہادران اسلام خلفائے ثلاثہ کو یوں اذیتیں پہنچا کر علی و حسنین اور ان کے شیعوں کا دل ٹھنڈا کریں گے۔ ان ھذا الا بھتان عظیم (آفتاب صفحہ ۳۰)

الجواب مسئلہ رجعت میں تین باتیں قابل غور ہیں۔ اوّل یہ کہ رجعت کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ دوم یہ کہ آیا رجعت عقلاً ممکن اور شرعاً واقع ہے؟ سوم۔ یہ کہ رجعت کے بعد کیا ہوگا؟ چونکہ مؤلف نے ان تمام مباحث کو باہم گڈمڈ کر دیا ہے۔ ہم ان ہرسہ امور کی بقدر ضرورت الگ الگ وضاحت کرتے ہیں۔ جس کے بعد مؤلف کا اعتراض خود بخود رفع ہو جائے گا۔

رجعت کا صحیح مفہوم

سو مخفی نہ رہے کہ عقیدۂ رجعت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جب حضرت امام مہدی کا ظہور پُرنور ہوگا تو جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی المرتضیٰ بعض دوسرے انبیاء تمام یا بعض ائمہ ہدیٰ، کامل مومنین باصفا اور بعض پکے کفار منافقین نابکار بھی دوبارہ اس دار دنیا میں بحکم پروردگار بھیجے جائیں گے۔

رجعت کا اثبات قرآن کی روشنی میں

باقی رہا یہ امر کہ آیا ایسا ہونا ممکن ہے؟ تو ظاہر ہے کہ ہر وہ مسلمان جو خدا کو علی کل شیء قدیر مانتا ہے وہ اس بات کے امکان میں ہرگز شبہ اور کلام نہیں کر سکتا۔ بھلا جو خدا کے قدیر بروز قیامت ساری کائنات کو زندہ کر کے میدان حشر میں لانے پر قادر ہے کیا وہ کسی خاص مصلحت کے تحت قیامت سے پہلے اپنے کچھ ـــــ بندوں کو دوبارہ دنیا میں بھیجنے پر قادر نہیں ہے؟ ہے اور یقیناً ہے ـــــ بہرحال اس کے امکان میں تو کوئی کلام نہیں۔ جو کچھ بحث ہے وہ اس کے وقوع میں ہے کہ کبھی پہلے ایسا واقعہ رونما ہوا ہے یا آئندہ ایسا ہونے کی کوئی امید ہے؟ سو بابصیرت حضرات پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ قرآن و حدیث میں ایسے کئی واقعات ملتے ہیں کہ آدمی مرنے کے بعد قیامت سے پہلے دوبارہ زندہ ہو کر اس دنیا میں واپس آئے ہیں۔ مثلاً (۱) وہ ہزاروں لوگ جو طاعون سے فرار ہو کر جا رہے تھے کہ خدا نے ان کو موت دے دی ـــــ اور پھر زندہ کیا۔ جس کی تفصیل اس آیت مبارکہ میں موجود ہے الم تر الی الذین خرجوا من دیارھم وھم الوف حذر الموت فقال لھم اللہ موتوا ثم احیاھم (پ س ع) کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل پڑے۔ خدا نے انہیں حکم دیا کہ مر جاؤ۔ بس جب وہ مر چکے تو پھر انہیں زندہ کیا۔

(۲) جناب عزیر نبی کا واقعہ ہے جنہیں سو سال تک موت کا ذائقہ چکھانے کے بعد خالق حکیم نے دوبارہ زندہ کیا۔ خدا نے ان کا واقعہ قرآن مجید میں بایں الفاظ بیان فرمایا ہے "او کالذی مر علی قریۃ وھی خاویۃ علی عروشھا قال انی یحی ھذہ اللہ بعد موتھا فاماتہ اللہ مائۃ عام ثم بعثہ قال کم لبثت قال لبثت یوما او بعض یوم قال بل لبثت مائۃ عام۔ (پ س ع) اس شخص کا واقعہ یاد کرو جو ایک بستی کے پاس سے اس وقت گذرا جبکہ وہ اپنی چھتوں کے بل اوندھی پڑی ہوئی تھی۔ اس شخص نے (از راہ تعجب) کہا۔ اس کے نیست و نابود ہو جانے کے بعد کیونکر خدا اسے دوبارہ زندہ کرے گا؟ اس پر خدا نے وہیں اس شخص کو سو برس کے لئے موت دے دی پھر اسے زندہ کر کے فرمایا تم یہاں کتنی دیر ٹھہرے ہو؟ اس نے کہا ایک روز یا اس سے بھی کچھ کم! خدا نے فرمایا بلکہ تم یہاں سو سال تک پڑے رہے ہو!

(۳) وہ ستر آدمی جن کو حضرت موسیٰ میقات پروردگار کے لئے منتخب کر کے کوہ طور پہ ہمراہ لے گئے تھے اور تجلی پروردگار کے بعد سب موت کے گھاٹ اتر گئے۔ جناب موسیٰ کی استدعا پہ خدا نے دوبارہ ان کو زندہ کیا۔ چنانچہ خداوند عالم اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ ثم بعثناکم من بعد موتکم لعلکم تشکرون: ہم نے تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا تاکہ تم میرا شکر ادا کرو۔

(۴) وہ تمام لوگ جو مقام اعجاز میں جناب عیسیٰ کے ہاتھ پہ باذن اللہ زندہ ہوئے وہ بھی دوبارہ دار دنیا میں آئے ظاہر ہے کہ یہ دوبارہ زندہ ہونے والے تمام افراد جن کا ہم نے اوپر تذکرہ کیا ہے۔۔۔ مدتہائے دراز تک دنیا میں زندہ رہے۔ کھاتے پیتے اور نکاح کرتے رہے اور بالآخر اپنی طبعی موت کا ذائقہ چکھ کر دار فانی سے دار جاودانی کی طرف منتقل ہوئے۔

رجعت کا اثبات حدیث کی روشنی میں

توجب سابقہ امتوں میں ایسا ہوتا رہا ہے تو اگر اس امت میں بھی ایسا ہو تو جائے ایراد کیا ہے؟ اس بات کی اس وقت اور بھی اہمیت بڑھ جاتی جب جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد دیکھا جاتا ہے جو فریقین کی کتابوں میں موجود ہے فرمایا یکون فی ھذہ الامۃ ما کان فی الامم السابقۃ حذو النعل بالنعل والقذۃ بالقذۃ۔ یعنی جو واقعات اگلی امتوں میں ہو چکے ہیں وہ بعینہ میری امت میں بھی اسی طرح واقع ہوں گے جس طرح ایک کفش دوسرے کفش اور ایک تیر دوسرے تیر کے برابر ہوتا ہے"

(تفسیر در منثور ج ۵ ص ۴۲ نہایہ ابن اثیر ج ۱ ص ۲۲۳، ترمذی ج ۲ ص ۸۹ بخاری مع فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۵۶ طبع مصر وغیرہا) فلسفہ کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ "ادل دلیل علی امکان الشیٔ وقوع الشیٔ" یعنی کسی چیز کے ممکن ہونے کی سب سے بڑی دلیل اس کا وقوع پذیر ہوتا ہے" تو جب پہلے ایسا ہو چکا ہے تو یہ اس کے ممکن ہونے

کی۔ اور پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذکورہ بالا فرمانا اسکے اس امت میں واقع ہونے کی محکم دلیل ہے۔

زمانۂ رجعت میں کیا ہوگا؟

باقی رہی آخری بات کی تحقیق کہ زمانہ رجعت میں کیا ہوگا؟ تو اگرچہ اس کی تمام تفاصیل کے متعلق تو یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ دو چیزیں بالیقین ثابت ہیں۔

(۱) دینِ اسلام کا تمام ادیانِ عالم پر غلبہ چنانچہ خدا فرماتا ہے۔ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون (پ ۱۰ س توبہ ع ۱۱) خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کے دین کو دوسرے ادیان پر غلبہ دے اگرچہ مشرک اس بات کو ناپسند ہی کریں"۔ ظاہر ہے کہ یہ غلبہ تاحال حاصل نہیں ہو سکا۔ اُدھر قرآن کی صداقت لاکلام ہے اس لئے مفسرینِ اسلام نے لکھا ہے کہ "ذالک عند نزول عیسیٰؑ وخروج المہدیؑ فلا یبقیٰ اھل دینٍ الّا دخلوا فی الاسلام۔ یعنی اسلام کا یہ غلبہ حضرت عیسےٰؑ کے نزول اور حضرت مہدیؑ کے ظہور کے وقت ہوگا۔ اس وقت تمام ادیانِ عالم کے لوگ دینِ اسلام میں داخل ہو جائیں گے" (تفسیر فتح البیان و ابن کثیر وغیرہ)

(۲) بعض وہ مظلوم انبیاء، و ائمہ ہدیٰ جو بحالت مظلومیت دنیا سے اٹھ گئے اور ان کا تاحال انتقام نہیں لیا گیا۔ ان کے ظالموں اور قاتلوں سے انتقام لیا جائے گا۔ اور اخروی عذاب سے پہلے ان کو ان کے ظلم وستم کا ذائقہ چکھایا جائے گا۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔ ولنذیقنھم من العذاب الادنیٰ دون العذاب الاکبر۔ کہ ہم ان لوگوں کو بڑے عذاب سے پہلے چھوٹے عذاب کا مزہ چکھائیں گے"۔ (پ س ع) ۔ اسی بیان سے فلسفہ رجعت واضح وعیاں ہو جاتا ہے۔

مؤلف کے بے جا طنز و تشنیع کا جواب

جس بات کا تذکرہ مؤلف نے کیا ہے۔ اگرچہ اخبار صحاح میں موجود نہیں ہے۔ اس لئے اس کے متعلق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ مگر جس استبعاد کی بنا پر مؤلف نے اس کے وقوع کا انکار کیا ہے وہ بہت ہی کمزور ہے "الامور مرھونۃ باوقاتھا" ہر بات کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ جس طرح آدمؑ سے لے کر خاتمؐ تک ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروںؑ کے دور میں اسلام کو باقی باطل ادیان پر کلی غلبہ حاصل نہیں ہو سکا اور وہ صرف جناب امام مہدیؑ کے دور میں ہوگا۔ اسی طرح اگر اس کام کی تکمیل جس کو جناب امیرؑ بوجوہ انجام نہیں دے سکے بموجب "آنچہ پدر نتواند پسر تمام کند" جناب مہدی ہادیؑ کے دور میں ہو تو اس میں

جان و مال کی قربانیاں دیں اور اس کے سچے خیر خواہ بن کر اس کی مطلب بر آری کرتے رہے "۔

(۳) شاہ عبدالعزیز دہلوی فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص۲۰۲ پر فرماتے ہیں۔ " علماء ماوراء النہر و مفسرین و فقہاء این ہمہ حرکات و جنگ و جدال او را کہ با جناب مرتضیٰ علی نمود حمل بر خطائے اجتہادی دارند و محققین اہل حدیث بعد تتبع روایات صحیحہ دریافتہ اند کہ این حرکات خالی از شائبہ نفسانی نبود و خالی از تہمت تعصب امویہ و قرشیہ کہ بجناب ذی النورین داشت نبود و است پس نہایت کارش امید است کہ مرتکب کبیرہ و باغی باشد والفاسق لیس باہل اللعن" یعنی علماء ماوراء النہر مفسرین اور فقہا کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ سے حرکات جنگ و جدال جو حضرت مرتضیٰ علیؓ کے ساتھ ہوئیں وہ صرف خطائے اجتہادی کی بنا پر تھیں مگر محققین اہل حدیث نے روایاتِ صحیحہ کے تتبع و تلاش کے بعد جو کچھ دریافت کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ حرکات شائبہ نفسانی سے خالی نہ تھے اور اس تہمت سے خالی نہ تھے کہ جناب ذی النورین (عثمانؓ) کے معاملہ میں جو تعصب امویہ و قرشیہ میں تھا۔ اس کی وجہ سے یہ حرکات معاویہ سے وقوع میں آئے (معاویہ کے حق میں) زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ اسے گناہ کبیرہ اور بغاوت کا مرتکب قرار دیا جائے اور فاسق لعنت کا مستحق نہیں ہے " شاہ صاحب موصوف نے ایسا ہی افادہ اپنی کتاب تحفۂ اثنا عشریہ مترجم اردو ص۲۸۵ پر فرمایا ہے۔ فراجع۔

(۴) نواب صدیق حسن خان اپنی کتاب بغیۃ الرائد میں (علی نقل عنہ فی فلک النجاۃ) تحریر فرماتے ہیں " در ہرچہ از مخالفات و محاربات واقع شد از طرف معاویہ شد جنگ او خالی از حمیّت و نفسانیت نیست و اینکہ گویند خطائے اجتہادی بود پسند خاطر انصاف پسندان نیست " یعنی حضرت علیؓ کے ساتھ معاویہ نے جو لڑائیاں لڑی ہیں وہ تعصب اور نفسانیت کے جذبہ سے خالی نہ تھیں اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ یہ خطائے اجتہادی تھی۔ یہ بات اہل انصاف کو پسند نہیں ہے "۔

(۵) شرح مواقف جزء ثامن ص۳۷۴ طبع اوّل مطبع السعادۃ مصر (جو کہ اہلسنت کے عقائد کی مشہور و مستند کتاب ہے) میں لکھا ہے " والذی علیہ الجمہور من الامۃ ھو ان المخطئ قتلۃ عثمان و محاربوا علیؓ لانھما امامان فیحرم القتل والمخالفۃ قطعا الا ان بعضھم کالقاضی ابی بکر ذھب الی ان ھذہ التخطیۃ لا تبلغ الی حد التفسیق و منھم من ذھب الی التفسیق کالشیعۃ و کثیر من اصحابنا " جمہور امت جس مسلک پر ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے قاتل اور حضرت علیؓ سے جنگ کرنے والے خطاکار تھے۔ کیونکہ یہ دونوں امام وقت تھے لہٰذا ان کا قتل اور ان کی مخالفت قطعاً حرام تھی۔ البتہ بعض علماء امت جیسے قاضی ابوبکر باقلانی کے نزدیک یہ خطا فسق و فجور کی حد تک نہیں پہنچتی اور

پھر اپنی ریش مبارک مٹھی میں پکڑ لی ——— پھر خطبہ شروع کیا۔ کیا حال ہے اس گروہ کا جو رسول اللہ کے بھائیوں، آپ کے دو وزیروں، آپ کے دو یاروں، قریش کے دو سرداروں مسلمانوں کے دو باپوں کا اہانت سے ذکر کرتے ہیں۔ میں ان کی اس جرأت سے بیزار ہوں ——— رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے دو اصحاب تھے، جو جد و جہد ——— سے احکام الٰہی کی تبلیغ کرتے تھے، امر و نہی کرتے ——— اسی کتاب میں دوسری جگہ یوں لکھا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا (بحذف عربی) "خدا اس کو لعنت کرے جو ان کی نسبت سوائے خیر و خوبی کے کہتا ہے اور اس کا ثمرہ دیکھ لے گا۔ پھر آپ نے ابن سبا کی طرف حکم بھیج کر ۔ اُن کی طرف بھیج دیا اور حکم نافذ فرمایا کہ کسی ایک بستی میں اقامت نہ کرنے پائے۔" ان روایات سے ثابت ہوا کہ بغض و عداوت اصحاب کا بیج اس یہودی عبداللہ بن سبا کا بویا ہوا ہے۔ اس نے اپنے ہمخیال آدمی پیدا کر لئے تھے اور ان کو کہتا تھا کہ امیر علیہ السلام کا حقیقتاً مذہب یہی ہے۔ بظاہر تقیہ کر کے ان کی مدح سرائی کرتے ہیں۔ چنانچہ اس امر کی شکایت امیر علیہ الرضوان تک پہنچی۔ تو آپ لاحول پڑھنے لگے اور مسجد میں عام مجمع کے سامنے خطبہ پڑھ کر فضائل شیخین کا اعتراف فرمایا کہ رسول کے بھائی راست باز یاران غار ——— (تا آخر روایت مجولہ مذکورہ ناقل) کیا شیعہ صاحبان جناب امیر علیہ السلام کے فیصلہ پہ صاد کریں گے؟ ——— دوسری روایت سے بھی ثابت ہوا کہ آپ نے اس نابکار ابن سبا کو اس جرم پہ کہ وہ لوگوں کو شیخین کی بدگوئی کی تعلیم دیتا تھا ملک بدر فرمادیا ——— ایک اور روایت کتب شیعہ سے لکھی جاتی ہے جس سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ اس مذہب کا بانی درحقیقت وہی ابن سبا ہے۔ چنانچہ ایک شیعہ مجتہد استرآبادی منہج المقال میں لکھتا ہے فانظروا الی عبارۃ الکشی (بحذف عربی) بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔ اسلام لایا اور علیؓ کا محب بنا۔ وہ اپنے زمانہ یہودیت میں یوشع وصی موسے کی نسبت غلو کرتا تھا پھر اسلام کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فوت ہو جانے پہ علیؓ کے بارہ میں ایسا خیال رکھتا تھا اور پہلا شخص ہے۔ جس نے فرضیت امامت علی کا اعلان کیا اور ان کے اعداء سے تبرا کیا۔ علیؓ کے مخالفین کو برا کہتا اور ان کو کافر قرار دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ مخالفین شیعہ کہتے ہیں کہ تشیع اور رفض کی اصل یہودیت پر ہے۔" (رجال کشی صـ۷) اس روایت نے ——— سارا بھانڈا ہی پھوڑ

دیا کہ عبداللہ بن سبا ایک غالی شیعہ تھا، یہودیت کے وقت ـــــ (چند سطر تک مذکورہ بالا روایت کے الفاظ دہراتے گئے ہیں ناقل) ـــــ حضرات شیعہ کو جب کہا جاتا ہے کہ مذہب پاک شیعہ کا موجد عبداللہ بن سبا یہودی ہے تو وہ سخت گھبرا کر برا بھلا کہنے لگتے ہیں۔ ان حضرات کو بات بالا پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیئے۔ بہر حال بقول شخصے بگر ساتھ انکار کے پردہ میں کچھ اقرار بھی ہے۔ شیعہ حضرات لاکھ چھپائیں حق بر زبان جاری ـــــ بے شک عبداللہ بن سبا یہودی نے موالات علیؓ کے لباس میں حضرات شیخین سے بغض و عناد کی خفیہ و علانیہ تعلیم دی۔ جلا وطنی کی سزا بھی پائی ـــــ پہلے تقیہ کی صورت میں مریدان ابن سبا سبّ صحابہ کرتے رہے اب علانیہ ہونے لگی اعاذنا اللہ منہ ـــــ (آفتاب صـ۳۰۲)

الجواب مؤلف آفتاب نے یہاں بھی کوئی نئی تحقیقی بات نہیں کہی بلکہ حسب العادت اپنے قدیمی بزرگوں کا آموختہ دہرا دیا ہے۔ قدیم الایام سے دشمنان شیعہ و شیعیت یہ کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالا کرتے ہیں کہ "مذہب شیعہ عبداللہ بن سبا یہودی کی ایجاد ہے" حالانکہ یہ سراسر کذب و افتراء ہے وانما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون۔ ذیل میں ہم بڑے اختصار کے ساتھ اس بے بنیاد پروپیگنڈہ پر کچھ تبصرہ کرتے ہیں۔ لیحق اللہ الحق بکلماتہ۔

بعض علماء کے نزدیک ابن سبا کا وجود فرضی ہے

اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ بعض اہل تحقیق کی رائے تو یہ ہے کہ عبداللہ بن سبا ایک فرضی شخصیت اور مجنوں عامری و ابو ہلال کی طرح داستان سراؤں کا خیالی ہیرو ہے اس کا خارج میں کوئی وجود نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں سنی، شیعہ اور انگریز محقق شامل ہیں۔ مثلاً ڈاکٹر طہٰ حسین مصری (سنی) مورخ جارج جرداق لبنانی (عیسائی) استاد عبداللہ السبتی کاظمین، علامہ سید محمد حسین طباطبائی قمی، فاضل مرتضیٰ عسکری عراقی (شیعہ) ڈاکٹر علی الوردی پروفیسر بغداد یونیورسٹی (سنی) مولانا سید محمد باقر کچھوی، مولانا سید منظور حسین بخاری انجالوی (شیعہ) ان حضرات میں سے بعض نے اپنی کتابوں کے ضمن میں اور بعض نے مستقل کتب تالیف کرکے روایت و درایت کے اصول کے تحت یہ ثابت کیا ہے کہ ابن سبا کا وجود افسانہ سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ جسے صرف شیعوں کو بدنام کرنے اور عثمان وغیرہ کے افعال زشت پر پردہ ڈالنے کے لئے گھڑا گیا۔ ہم بوجہ اختصار صرف ڈاکٹر طہٰ حسین مصری کی عبارت کے ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ فاضل موصوف اپنی کتاب الفتنة

الکبریٰ ج ۱ ص۱۳۲ طبع مصر پر قسطراز ہیں "ابن سبا بالکل فرضی اور من گھڑت چیز ہے اور جب فرقہ شیعہ اور دیگر اسلامی فرقوں میں جھگڑے چل رہے تھے تو اس وقت اسے جنم دیا گیا۔ شیعوں کے دشمنوں کا مقصد یہ تھا کہ شیعوں کے اصول مذہب میں یہودی عنصر شامل کر دیا جائے۔ اموریوں اور عباسیوں کے دور حکومت میں شیعوں کے دشمنوں نے عبداللہ بن سبا کے معاملے میں بہت مبالغہ آمیزی سے کام لیا۔ اس کے حالات بہت بڑھا چڑھا کر بیان کئے۔ اس سے ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ حضرت عثمان اور ان کے عمالِ حکومت کی طرف جن خرابیوں کی نسبت دی جاتی ہے اور وہ ناپسندیدہ امور جو ان کے متعلق مشہور ہیں کہ سن کر لوگ شک و شبہ میں پڑ جائیں۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ علیؑ اور ان کے شیعہ لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل و خوار ہوں۔ نہ معلوم شیعوں کے مخالفین نے شیعوں پر کتنے غلط الزامات لگائے اور نہ جانے شیعوں نے کتنی غلط باتیں اپنے دشمنوں کی طرف عثمان وغیرہ کے معاملہ میں منسوب کیں"۔ طبری کے بعد والے قریباً تمام مورخین نے ابن سبا کے قصہ کو طبری سے لیا ہے جیسا کہ تاریخ ابوالفداء، کامل، البدایۃ والنہایۃ وغیرہ تواریخ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے اور طبری نے اسے سیف بن عمر کی زبانی نقل کیا ہے اور یہ سیف بن عمر علمائے رجال کے نزدیک "ضعیف الحدیث لیس بشیء" ہے۔ "متروک یضع الحدیث" "عامۃ حدیثہ منکر متہم بالوضع والزندقۃ) میزان الاعتدال ذہبی ج ۱ ص۴۳۸۔ تہذیب التہذیب ج ۴ ص۲۹۵ وغیرہا۔ بہرحال جس شخص کا وجود ہی متنازعہ فیہ ہو اس کو کسی مذہب کا بانی کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے؟

عبداللہ بن سبا اور کتب رجالِ شیعہ

دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ قاعدہ و قانون فطرت یہ ہے کہ ہمیشہ تمام اہل مذاہب اپنے مذہب کے بانیوں اور مقتداؤں کا تذکرہ بڑے شاندار الفاظ اور تجلیل و تعظیم کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ مگر اس کے برعکس شیعہ کی تمام موجودہ کتب اس بات پر شاہد ہیں کہ ابن سبا غالی اور ملعون تھا اور تمام شیعہ علماء نے اس پر لعنت کی صراحت کی ہے اور اس کے خیالات سے بیزاری اختیار کی ہے۔ ہلکی سے ہلکی عبارت جو شیعہ علماء رجال نے اس کے بارے میں تحریر کی ہے وہ یہ ہے کہ "ان عبد اللہ بن سبا العن من ان یذکر" عبداللہ بن سبا ایسا ملعون ہے کہ اس کا ذکر کرنا بھی مناسب نہیں" (اصل شیعہ ص۵۵) حضرت علامہ حلی نے اپنے رجال میں حسب ذیل الفاظ میں ابن سبا کا تذکرہ کیا ہے۔ "عبداللہ بن سبا غالی ملعون ہے امیر المومنینؑ نے اسے آگ میں جلا دیا تھا اور اس کا یہ عقیدہ تھا کہ علیؑ خدا ہے اور وہ خود نبی ہے۔ خدا اس پر لعنت کرے" (تاریخ الشیعہ ڈاکٹر حسین علی ص۹) انہی الفاظ کے ساتھ فاضل اردبیلی نے جامع الرواۃ ج ۱ ص۴۸۵ اور فاضل قمی نے تحفۃ الاحباب ص۱۸۴ میں اس کا تذکرہ کیا ہے اور اسی مضمون کی دو روایتیں رجال کشی

یں موجود ہیں۔ فراجع ــــ ان حقائق سے معلوم ہوا کہ بنا بر تسلیم وجود (کما ہو الحق) وہ شیعی عقائد کا حامل نہ تھا بلکہ غالی تھا۔ غلو اور تشیع باہم ضدیں ہیں۔ جن کا ایک شخص یں اور ایک ہی وقت یں اجتماع ناممکن ہے۔ بھلا جو شخص حضرت علی کو خدا یا خدا کا اوتار اور خدائی صفات کا حامل سمجھتا ہے وہ اسے رسول کی مسند کا وارث اور امام کیسے سمجھ سکتا ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ اگر جناب امیرؑ نے اسے جلایا ہے یا بروایتے شہر بدر کیا ہے تو اس کے غلو کی وجہ سے ایسا کیا ہے نہ کہ شیخین کو بُرا کہنے کی وجہ سے۔!!

رجال کشی کی عبارت کی وضاحت

باقی رہی فاضل کشی کی وہ عبارت جسے مؤلف نے فاضل استرآبادی کی نہج المقال کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ اس عبارت کا آغاز " ذکر بعض اہل العلم " (بعض اہل نے بیان کیا ہے) کے عنوان سے کیا گیا ہے جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس عبارت یں فاضل موصوف نے اپنا نظریہ بیان نہیں کیا اور نہ ہی دوسرے شیعہ علماء کا عندیہ پیش کیا ہے بلکہ ان کا مطلب صرف یہ ہے کہ مخالفوں کے وہ بعض اہل علم جنہیں شیعیت کے اصول و فروع سے کما حقہ واقفیت نہیں ہے وہ عبداللہ بن سبا کے بارے یں یہ خیال رکھتے ہیں اور اسی لئے مخالفین کے نزدیک اصل شیعیت یہودیت سے ماخوذ ہے۔"

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

اطواق الحمایة کی روایت کا جواب

باقی رہی " اطواق الحمایة " (جسے مؤلف نے شیعہ کی مستند کتاب قرار دیا ہے) کی روایت جس یں شیخین کے بڑے بڑے فضائل درج ہیں اور جس پر مؤلف نے بھی بڑے شد و مد کے ساتھ حاشیہ آرائی فرمائی ہے۔ مگر افسوس یہ تمام کاروائی بناء الفاسد علی الفاسد کی مصداق ہے۔ اوّلاً تو اطواق ہماری کوئی مستند کتاب نہیں بلکہ ایک عام سی کتاب ہے ثانیاً جس روایت کا سہارا لیا ہے یہ اہلسنت کی ہے جسے مؤلف نے اہلسنت کے استدلال یں نقل کر کے پھر آگے اس کا جواب لکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے اصل کتاب دیکھی نہیں ہے (جب ہی تو منقولہ ذمہ دار ہے) ورنہ شاید اس قدر دھاندلی روا نہ رکھتے! شیخین کے بارے یں حضرت امیرالمومنینؑ اور دیگر ائمہ طاہرینؑ کا صحیح نظریہ وہی ہے جسے ہم اس سے قبل مناسب مقام پر بڑی تفصیل کے ساتھ کتب فریقین کے حوالہ جات سے پیش کر چکے ہیں۔ وہاں رجوع کیا جائے۔

مذہب شیعہ کے اصل بانی خود بانی اسلامؐ ہیں

اگر ذوق سلیم سے تاریخ شیعیت کے آغاز کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ کوئی نیا مذہب نہیں بلکہ جہاں سے اسلام شروع ہوتا ہے وہیں سے باغبانِ شریعت یعنی سرکار ختمی مرتبتؐ نے اسلام

کے ساتھ ساتھ اپنے مقدس ہاتھوں سے یہ پودا لگایا، آبیاری کی اور خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی اس کی نگہداشت فرماتے رہے۔ یہ پودا بڑھ کر ہرا بھرا درخت ہوا۔ اور رسول اسلام کی زندگی میں پھولنے لگا، مگر پھیلنے نہ پایا تھا کہ چراغ نبوت گل ہوگیا۔۔۔۔۔ اس دعویٰ میں شیعہ منفرد نہیں بلکہ جمہور اسلام کے سادات اور محدثین اور علماء اسلام بھی شریک نظر آتے ہیں۔ احمد بن حنبل، سیوطی، ابن حجر، زمخشری، نسائی، اور ابن اثیر وغیرہ فحول علماء کرام نے ابن عباس، حضرت علی علیہ السلام وغیرہما سے یہ روایت کی ہے کہ جناب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔۔۔۔ حضرت امیر سے فرمایا کرتے تھے "انت وشیعتک ھم الفائزون یوم القیامۃ (اے علی! تم اور تمہارے شیعہ ہی قیامت کے دن رستگار ہوں گے) ان علماء کے علاوہ اہلحدیث نے بھی اس حدیث کو مختلف طرق سے بیان کیا ہے۔ تاریخ وحدیث کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اسی حدیث پر عمل کرتے ہوئے عہد نبوی میں صحابہ کرام کا ایک گروہ جناب امیر کے ساتھ وابستہ ہوجاتا ہے۔ پھر یہی نہیں بلکہ اس جماعت کا ہر فرد حضرت امیر علیہ السلام کو اپنا روحانی پیشوا، تعلیم رسول کا حقیقی مبلغ نیز احکام واسرار نبوت کا واقعی شارح اور مفسر تسلیم کرتا ہے اور شیعہ کے نام سے شہرت پاتا ہے۔ صحابہ کی ایک جماعت تو پہلے ہی سے نفس رسول کے ساتھ تھی مگر پیغمبر اسلام کے بعد سیاسی مناقشات کے دور میں اور بھی بہت سے صحابہ کرام نے آپ کی معیت اختیار کر لی۔ سلمانؓ، عمارؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ، خزیمہؓ ذوالشہادتین، اور ابوایوبؓ انصاری ایسے اسی سربرآوردہ اور بعد میں خصال شیخ صدوقؒ کی روایت کے مطابق بارہ ہزار صحابی، بدری اور عقبی مہاجرین وانصار ایسے تھے جو حضرت ابوترابؑ کی حمایت میں شامل ہوگئے اور ان میں سے اکثر نے جنگ جمل اور حرب صفین میں اپنی اپنی جانیں نثار کیں۔ (ماخوذ از اصل واصول شیعہ ۔۔۔۔ بحوالہ کتاب عبداللہ بن سبا از فاضل رجالوی) فقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلنا ہ ھباءً منثورا۔

شیعہ کے مختلف فرقے

چونکہ بانی مذہب شیعہ عبداللہ بن سبا کی اصل غرض تخریب اسلام اور مسلمانوں میں نااتفاقی پیدا کرنی تھی۔ اس نے اپنے زمانہ جلاوطنی میں مختلف بلاد میں مختلف قسم کی تعلیم دی۔ بعض کو یہ کہا کہ علی خدا ہیں، انسان کی شکل میں دنیا میں آئے۔ بعض کو کہا کہ وہ نبی ہیں۔۔۔۔ بعض کو کہا کہ وصی نبی ہیں ۔۔۔۔ اس تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیعوں کے بے تعداد فرقے پیدا ہوگئے۔ ان کی تفصیل تحفہ اثنا عشریہ و دیگر کتب مبسوطہ میں موجود ہے۔۔۔۔ کتب شیعہ میں تصریح ہے کہ ایسے بھی شیعہ ہیں کہ جو جناب امیر علیہ السلام کی الوہیت کے قائل ہیں ۔۔۔۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ان کو زیادہ فضیلت دیتے ہیں۔ حق الیقین اسدو صفحہ ۲۷ میں ہے کہ ان بزرگوں کے غرائب احوال ومحاسن

صفات ..... اور تمام معجزوں کے سبب ــــ غالیوں میں سے بعضوں کو ان کی پیغمبری کا اور بعضوں کو ان کی خدائی کا اعتقاد ہے ــــ اسی کتاب کے صلا میں ہے بعض غالیوں کا اعتقاد ہے کہ حق تعالےٰ نے ائمہ ہدیٰ کو پیدا کر کے خلقت عالم ان بزرگواروں پر چھوڑ دیا ہے ــــ صلا ۱۹ میں لکھا ہے بعض غالیان شیعہ کہتے ہیں کہ حق تعالےٰ نے حضرت رسولؐ اور ائمہ ہدیٰ میں حلول کیا ہے یا ان کے ساتھ متحد ہوا ہے یا ان کی صورت میں ظاہر ہوا ہے ــــ صلا میں ہے بعض غالیوں کا یہ قول ہے کہ حضرت امیرؑ حضرت رسولؐ سے افضل ہیں ــــ حق الیقین کی ان روایات سے ثابت ہوا کہ شیعہ میں ایسا فرقہ بھی موجود ہے جو جناب امیرؑ کو پیغمبر بلکہ خدا مانتے ہیں۔ ایک فرقہ کا اعتقاد ہے کہ امیر علیہ السلام بلکہ تمام اہلبیتؑ مخلوق خدا کے جملہ امور کے کفیل ہیں رزق دینا، نفع و نقصان پہنچانا موت و حیات سب ان کے اختیار میں ہے خدا نے صرف ان کو پیدا کیا ہے پھر معطل ہو گیا ہے ــــ حق الیقین میں تصریح ہے کہ یہ سب شیعیان علی ہیں ــــ بقول شخصے

؎ اے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست۔ یہ ساری مہربانی یہودی ــــ (ابن سبا) کی ہے جس نے اس نرالے مذہب کی ایجاد کر کے اپنی تاثیر تعلیم ــــ میں یہ سپرٹ پیدا کی اور سچ پوچھو تو بعض نہیں بلکہ تمام شیعہ جناب امیرؑ اور ائمہ اہلبیت کو اگر خدا نہیں تو شریک خدا ضرور مانتے ہیں ــــ ائمہ ہدیٰ علم ماکان و مایکون رکھتے ہیں، مرنا جینا ان کے اختیار میں ہے ــــ حق الیقین صلا ۲۲ میں جناب امیرؑ کا قول درج ہے کہ بادل و برق و رعد، نور ظلمت ہوا و پہاڑ و دریا، سورج و چاند سب کچھ میرے تابع حکم ہیں۔ اب بتائیے خدا کی کون سی صفت باقی رہ جاتی ہے ــــ ہمارے ملک کے شیعہ کے اعتقادات غالی شیعوں سے بڑھے ہوئے ہیں اور اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے یا اللہ کے ــــ بجائے یا علی کا مدد پکارتے ہیں اسلام علیکم کی بجائے ــــ جو سلام بنالیا ہے یا علی مدد۔ اس سے ان کے عقیدہ ــــ کی پوری تصدیق ہوتی ہے ــــ اشعار ذیل ان کے اندرونی خیالات کی ترجمانی کرتے ہیں

؎ غلط الامین فجاز ھاعن حیدر (جبریل امین نے غلطی کر کے نبوت علی کو نہ دی)

؎ جبرئیل کہ آمد ز بر خالق بے چوں ..... در پیش محمد شد و مقصود علی بود

(جبرئیل جو درگاہ الٰہی سے آیا اور محمدؐ کے پاس چلا گیا دراصل مقصود تو علیؓ تھے) چونکہ شیعہ کے تمام فرقے اسی یونیورسٹی کے درس یافتہ ہیں جو عبداللہ بن سبا نے قائم کی اس لئے معتقد

میں ان کا متحد ہونا قدرتی اور لازمی بات ہے ۔۔۔ (آفتاب ص۳۰)

الجواب: یہ بیان باطل الثیام بچند وجہ غلط اور مردود ہے۔ اوّل اس میں افتراق شیعہ کا بانی عبداللہ بن سبا کو قرار دیا گیا ہے حالانکہ ابھی اوپر سطور بالا میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ اولاً تو عبداللہ مذکور کے وجود میں ہی اختلاف ہے اور ثانیاً بنا بر ثبوت اس کا بانی مذہب شیعہ ہونا بالکل بے بنیاد اتہام ہے

دوّم۔ دعویٰ یہ کیا گیا ہے کہ "ابن سبا کی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ شیعوں کے مختلف فرقے پیدا ہو گئے" مگر ثبوت میں حق الیقین ص۲۷ کا جو حوالہ دیا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ لوگ ائمہ اہلبیتؑ کے محاسن، کمالات اور معجزات دیکھ کر گمراہ ہوئے" عقل و خرد سے یہ بیگانگی شیعیت کی اندھی مخالفت کا نتیجہ ہے۔

سوّم۔ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا متفق بین الفریقین ارشاد ہے۔ ستفترق امتی علی ثلاث وسبعین فرقة کلھا فی النار الا واحدة۔ کہ میری امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے۔ اور سوائے ایک فرقے کے باقی سب جہنم میں جائیں گے"۔ شیعہ کے زیادہ سے زیادہ ۲۲ فرقے شمار کئے جاتے ہیں۔ بقول مؤلف شیعوں کا یہ افتراق تو عبداللہ بن سبا کی وجہ سے ہوا مگر اہلسنت کے اپنے ۴۹ فرقے کس نے بنائے؟ اگر لگے ہاتھوں یہ کہہ دیتے کہ اسلام کے پورے تہتر فرقے عبد بن سبا کی پیداوار ہیں تو کچھ بات بھی ہوتی۔

چہارم۔ حق الیقین کے حوالہ سے جس قدر بعض عقائد فاسدہ نقل کیے گئے ہیں۔ وہ سب غالیوں کے ہیں اور حق الیقین میں جابجا تصریح موجود ہے کہ بعض غالیوں کا یہ عقیدہ ہے۔ پھر غالیوں کے فاسد عقائد کو شیعوں کے سر منڈھنا دھاندلی نہیں تو اور کیا ہے؟ غالی وہ ہے جو حضرت علی کو خدا کہے یا خدائی صفات کا حامل ٹھہرائے اور شیعہ وہ ہے جو ان کو خاص بندۂ خدا اور رسول کا پہلا جانشین سمجھے۔ آیا یہ دونوں باتیں بیک وقت جمع ہو سکتی ہیں؟ بایں ہمہ "چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد"۔ لکھتے ہیں حق الیقین میں تصریح موجود ہے کہ یہ سب شیعیان علی ہیں" حالانکہ غالی باتفاق مذہب شیعہ کافر اور مفوضہ (جو کہتے ہیں خدا نے صرف محمد و علی کو پیدا کر کے پھر نظام عالم چلانے اور اشیاء پیدا فرمانے کے کام ان کے حوالہ کر دیئے تھے) مشرک ہیں۔ شیعہ کتب عقائد و حدیث میں اس امر کی تصریحات موجود ہیں بہرکیف غالیوں کو شیعوں میں شمار کرنا شرمناک جسارت و حرکت ہے۔ اسی حق الیقین میں جابجا ان لوگوں کے کفر کی صراحت موجود ہے۔

پنجم۔ شیعیان حیدر کرار پر یہ سراسر اتہام ہے کہ وہ خدا کے اتحاد یا حلول کے قائل ہیں۔ (العیاذ باللہ) ہمارا تمام سرمایۂ علم کلام اس بات کی تردید کا شاہد عادل ہے۔ عقائد کی ہر چھوٹی بڑی کتاب میں یہ ملے گا کہ خدا کی صفات سلبیہ میں ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا اور نہ کسی شے سے متحد ہوتا ہے (ان

اس عقیدۂ فاسدہ کے قائل یا بعض غلاۃ ہیں یا پھر اہلسنت کے صوفیائے کرام جن کا مایۂ ناز مسئلہ ہی وحدت الوجود ہے۔ چنانچہ محی الدین ابن عربی فتوحات کے مقدمہ میں لکھتا ہے "سبحان الذی خلق الاشیاء وھو عینھا" اور عارف رومی صاحب لکھتے ہیں۔

ہر لحظہ بشکلے بت عیار برآمد — دل برد و نہاں شد
ہر دم بلباس دیگر آں یار برآمد — گہ پیر و جواں شد
گہ نوح شد و کرد جہاں را بدعا غرق — خود رفت بکشتی
گہ گشت خلیل و بدل نار برآمد — آتش گل از آں شد

اور شیخ شبستری گلشن راز میں یوں گوہر افشانی فرماتے ہیں

؎ مسلمان گر بدانستے کہ بت چیست — بدانستے کہ دیں در بت پرستی است

اسی طرح شاہ نعمت اللہ اپنے دیوان میں یوں عرفان باقی فرماتے ہیں۔

؎ تو متی من تو ام دوئی بگذار — ایں ہمہ تند ما ہویت او ست

ایک اور جگہ فرماتے ہیں

؎ وجود ایں داں نقش خیالست — حقیقت جز وجود کبریا نیست
اگر گوئی ہمہ حق است حق است — دگر خلقش ہمہ خوانی خطا نیست

—— کتاب مذاہب اسلام صفحہ ۱۴۲ پر فرقہ مشبہ کے بارے میں لکھا ہے "یہ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ جسم ہے طول عرض و عمق اور گوشت و خون رکھتا ہے —— اور کہتے ہیں کہ عرش اللہ کے چاروں طرف سے چار چار انگل زیادہ بڑھا ہوا ہے ان کے نزدیک سوائے بنی امیہ کے اور کوئی امام نہیں۔ اللہ کے دوستان صادق دنیا و آخرت میں اس سے گلے ملتے ہیں اور ان کو یہ مرتبہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ انسان بہت سے ریاضات کر کے حد اخلاص واتی تک پہنچ جاتا ہے" فرمائیے یہ بد عقیدہ فرقہ سنیوں کا ہے یا شیعوں کا؟ بنی امیہ کو یعنی امام مانتے ہیں یا شیعہ؟

—— سبحان اللہ عما یقول المشرکون علواً کبیراً —— یہ الزام بھی بالکل بے جا ہے کہ تمام شیعہ ائمہ اہلبیت کو شریک خدا مانتے ہیں" اور ثبوت میں علم ما کان و ما یکون وغیرہ امور کو پیش کیا ہے۔ ہم اس کا الزامی اور حلی جواب قبل ازیں جہاں مؤلف نے ان مسائل کا مستقلاً تذکرہ کیا ہے۔ پیش کر چکے ہیں وہاں رجوع کیا جائے —— اس سلسلہ میں حق الیقین اردو ص ۳۴۶ سے جن فقروں پر اعتراض کیا ہے یہ ان کی ناسمجھی کا نتیجہ ہے ورنہ اصل کتاب میں تصریح موجود ہے کہ من انکر خدا هست من گردانیده است ایدها...

"... یعنی میں وہ ہوں جس کے لئے خدا نے ابر و رعد ..... کو مسخر کیا ہے"

اس میں تو خدا کی قدرتِ کاملہ کا اظہار ہے یہ شرک کہاں ہے؟ (فارسی صٓ ۳۸۹ طبع ایران) علاوہ بریں خطبے کے یہ جملے ہیں وہ مستند نہیں ہے[1] ۔۔۔

یا علیؑ مدد کہنے کا جواز

مؤلف نے یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ شیعہ اٹھتے بیٹھتے ...... یا علی کا ورد کرتے ہیں۔ تو ان کے اضافہ معلومات کی خاطر عرض ہے کہ شیعہ حضرت علیؑ کو خدا یا شریکِ خدا یا نبی و رسول سمجھ کر ان کے نام کا ورد نہیں کرتے، بلکہ بموجب ارشادِ پیغمبر ذکر علی عبادۃ (علی کا ذکر عبادت ہے) (ارجح المطالب صٓ ۹۷ بحوالہ کنز العمال و دیلمی وغیرہ) عبادت خدا سمجھ کر کرتے ہیں اور اللہ کا ولی اور نبی کا وصی سمجھ کر کرتے ہیں مرزا غالب نے کیا خوب کہا ہے!

؎ غالب ندیمِ دوست سے آتی ہے بوئے دوست
مشغولِ حق ہوں بندگیٔ بوتراب میں

نیز شیعیانِ علیؑ پر یہ سراسر اتہام اور غلط الزام ہے کہ انہوں نے اسلامی سلام (السلام علیکم) کی بجائے کوئی نیا سلام ایجاد کر لیا ہے (یعنی یا علی مدد) حاشا و کلا ۔ کوئی بھی باخبر شیعہ اسے اسلامی سلام کی جگہ سلام نہیں سمجھتا، بلکہ صرف بعض حضرات اسلامی سلام کے بعد بطورِ وسیلہ (اپنے اور خدا کے درمیان حضرت امیر کو وسیلہ سمجھ کر) "یا علی مدد" کہہ لیتے ہیں۔ تاکہ مومن و منافق کی پہچان ہو جائے فرمائیے اس میں غلو یا شرک کی کونسی بات ہے؟ وسیلہ اختیار کرنے کا خود خدا نے حکم دیا ہے یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ۔ سفارش کرنا وسیلہ کا کام ہے اور کام کرنا خدا کا کام ۔۔۔ فرمائیے یہ شرک ہے یا عین توحید؟ اور اگر لفظ "یا" کے استعمال پر اعتراض ہے تو نحو کی تمام کتابوں میں لکھا ہے کہ لفظ "یا" قریب و بعید ہر دو کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

۔۔۔ غلط الامین الخ ..... میں جس نظریۂ فاسدہ کا اظہار کیا گیا ہے، شیعیانِ علیؑ اس سے بیزار ہیں یہ کسی غالی خبیث کا نظریہ ہے نہ شیعیانِ حیدرِ کرار کا۔ دوسرا شعر دیوان منسوب بہ شاہ شمس تبریز نولکشور لکھنؤ میں موجود ہے کہتے ہیں مولوی رومی نے یہ اشعار کہہ کر اپنے مرشد کی طرف منسوب کر دیئے ہیں (حقیقۃ العرفان۔ از علامہ برقعی) بہر حال اولاً تو یہ شعر ہمارے خلاف حجت و سند نہیں۔ ثانیاً۔ اسکی صحیح تاویل ممکن ہے۔ کہ غدیرِ خم کے موقع پر اگرچہ بظاہر جبرئیل امین جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے تھے۔ مگر اصل میں جناب امیرؑ کی ولایت و وصایت کا اعلان کرانا مقصود تھا۔

؎ ہزار نکتہ باریک تر ز مو اینجا است
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

---

[1] ان مسائل کی تفصیلات و تحقیقات دیکھنے کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب اصول الشریعہ کی طرف رجوع فرمائیں۔ (منہ عفی عنہ)

شیعہ کا ادعائے قدامت

شیعہ کہتے ہیں ہمارا وجود قدیم سے ہے۔ تمام پیغمبر شیعہ تھے۔ آدم۔ نوح۔ ابراہیم۔ موسیٰ سب شیعہ تھے۔ رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم بھی شیعہ تھے۔ مگر بریں فہم و دانش بہ باید گریست۔ ان کو اتنی سمجھ بھی نہیں کہ شیعہ خارجی کا وجود تو اس وقت سے ہے جب بقول ان کے غصب خلافت ہوا جو لوگ تین یاروں کو نہیں مانتے ــــ وہ شیعہ و رافضی کہلاتے ہیں پھر پہلے پیغمبروں نوح ..... کا شیعہ ہونا چہ معنی دارد حضرت رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم اگر شیعہ ہوتے تو تین یاروں کو ان کے دربار میں جگہ ہی کاہے کو ملتی۔ محمد رسول کے شام و سحر کے رفیق ــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بیٹیاں نہ دیتے ــــ ان حضرت علی بھی شیعہ نہ تھے۔ ورنہ ان کے مشیر کار ہرا مر میں ــــ مددگاران کے پیچھے نمازیں نہ پڑھتے غنائم سے حصہ نہ لیتے ــــ ہر چند تلاش کرو۔ شیعیت کا سراغ چلتا ہے تو اس ابن سبا سے جس کو حضرت امیر نے دھتکار کر مدینہ رسول سے نکال دیا تھا ــــ (آفتاب ص ۱۷۴)

الجواب

شیعیان حیدر کرار کا یہ دعویٰ بالکل بجا اور مبنی بر حقیقت ہے یہ تو سب مانتے ہیں کہ اسلام کے دو ہی عظیم الشان فرقے ہیں۔ (۱) شیعہ اور (۲) اہلسنت والجماعت۔ شیعہ کے معنی ہیں گروہ، جماعت، اور پیروکار۔ اس لفظ کے اندر جو کچھ حسن یا قبح ہے وہ اضافی ہے یعنی اگر کسی اچھے شخص کا پیروکار ہوا تو اچھا متصور ہوگا۔ اور اگر کسی برے کی پیروی کرے گا تو برا سمجھا جائے گا۔ جیسا کہ لفظ "سنت" کی بھی یہی کیفیت ہے۔ اس کے معنی ہیں دستور، طریقہ۔ کسی اچھی ذات کا طریقہ ہے تو یہ سنت اچھی ورنہ بری بھی جانے گی۔ شیعوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ہر دو معنی کے اعتبار سے لفظ شیعہ قدیم الایام سے موجود ہے۔ جیسا کہ آیت مبارکہ "وان من شیعتہ لا براھیم" اور "فاستغاثہ الذی من شیعتہ علی الذی من عدوہ" سے واضح ہے۔ اس کے برخلاف اہلسنت والجماعت کا قرآن میں کہیں نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ شیعہ کا وجود غصب خلافت کے وقت سے ہے۔ کیونکہ ہم "عبداللہ بن سبا" کے عنوان کے تحت یہ ثابت کر آئے ہیں کہ باغبان شریعت جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کے ساتھ ہی اپنے مقدس ہاتھوں سے یہ پودا لگایا تھا اور بار بار فرمایا تھا یا علی انت و شیعتک ھم الفائزون یوم القیامۃ۔ علی و شیعتہ ھم الفائزون یوم القیامۃ، ھذا و شیعتہ ھم الفائزون یوم القیامۃ۔ یا ابا الحسن انت و شیعتک فی الجنۃ، علی و شیعتہ السابقون الی الجنۃ ــــ یا علی

تأتی انت و شیعتک یوم القیامۃ راضین ویأتی عدوک غضابًا مقمحین (باختلاف الفاظ، صواعق محرقہ، تذکرہ خواص الامۃ، حلیۃ الاولیاء، نور الابصار، فرائد السمطین، ینابیع المودہ، فردوس الاخبار، مودۃ القربیٰ، کنوز الحقائق، فصول مہمہ، مناقب خوارزمی وغیرہا) یہی وجہ تھی کہ یہ احادیث دیکھ کر بڑے بڑے اکابر اہلسنت کے منہ سے بھی رال ٹپک پڑی۔ چنانچہ صاحب صواعق محرقہ اس مضمون کی چند روایات درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں وشیعتہ ھم اھل السنۃ "یعنی حضرت امیر کے شیعہ اہلسنت ہیں"۔ —— اور شاہ عبد العزیز محدث دہلوی تحفہ اثنا عشریہ ص۱ طبع نولکشور پر لکھتے ہیں۔ باید —— دانست کہ شیعہ اولی کہ فرقہ سنیہ و تفضیلیہ اند در زمان سابق بہ شیعہ ملقب بودند "یعنی اسلام کے پہلے فرقہ کا نام شیعہ ہے اور اہلسنت کا سابقہ نام بھی شیعہ ہی ہے"۔

علامہ وحید الزمان نے انوار اللغۃ پ۲۳ ص۱۴۳ پر بذیل حدیث انت و شیعتک راضین مرضیین لکھتے ہیں "اس حدیث سے یہ بھی نکلتا ہے کہ شیعۂ علی ایک قدیم فرقہ ہے جس کا ذکر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا"۔ الحمد للہ کہ ان حقائق کی روشنی میں شیعوں کا ادعائے قدامت روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہوگیا اور مؤلف کے بیان کا غلط ہونا بھی واضح وعیاں ہوگیا۔ نیز مؤلف نے رسولؐ و ثلاثہ اور نبیؐ و ثلاثہ کے اتحاد و اتفاق کے متعلق جن باتوں کا تذکرہ کیا ہے ہم ایک نہیں کئی بار اسی کتاب میں (خصوصًا فضائل ثلاثہ کے جواب میں) ان کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر چکے ہیں اور ان کا تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ بودہ و کمزور ہونا واضح و آشکار کر چکے ہیں فلا نطیل الکلام بالتکرار —— من شاء فلیؤمن و من شاء فلیکفر ——

لفظ شیعہ کی مذمت قرآن میں

اب ہم قرآن پاک کی طرف رجوع کرتے ہیں —— شیعہ بڑا ناز کرتے ہیں کہ ہمارا نام قرآن مجید میں ہے —— یہ معلوم نہیں کہ قرآن میں جہاں کہیں لفظ شیعہ لکھا ہے۔ اس سے مراد کفار اشرار ہیں اور بس —— یہ منحوس نام قرآن پاک میں نیکوں کی بجائے بدوں کے حق میں استعمال ہوا ہے۔

(۱) ان فرعون علا فی الارض وجعل اھلھا شیعًا۔ (پ۲۰ پاؤ۱) یعنی فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اہل ملک کو شیعہ بنا دیا۔ (۲) ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعًا لست منھم فی شیء (پ۸ پاؤ۲) یعنی جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور شیعہ ہوگئے۔ اے میرے حبیب! تیرا ان سے کوئی تعلق نہیں"۔

شیعہ ـــــ کی ص۳۷۹ عمدۃ البیان میں اس کا خلاصہ یوں لکھا ہے کہ اس جگہ شیعہ کا لفظ یہود اور نصاریٰ وغیرہ پر استعمال ہوا ہے

(۳) قل ھو قادر علی ان یبعث علیکم عذابا من فوقکم او من تحت ارجلکم او یلبسکم شیعا (پ پاؤ ۳۰) یعنی اللہ اس بات پر قادر ہے کہ بھیجے عذاب تم پر اوپر سے اور تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا تم کو شیعہ شیعہ بنا کر آپس میں لڑا دے ـــــ عمدۃ البیان ج ا ص۳۵۳ میں ہے کہ یہاں شیعہ کا لفظ شریروں فتنہ بازوں ـــــ پر استعمال ہوا ہے۔

(۴) ولا تکونوا من المشرکین الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا (پ۲۱ پاؤ ا) یعنی اے لوگو! نہ ہو تم ان شیعوں سے کہ جنہوں نے فرقہ فرقہ ہو کر اپنے دین کو برباد کر دیا۔ عمدۃ البیان ج ۲ ص۱۳۰ میں لکھا ہے کہ یہاں شیعہ مشرکوں، بت پرستوں ـــــ کو کہا گیا ہے۔

(۵) ولقد ارسلنا من قبلک فی شیع الاولین وما یاتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزؤن (پ۱۴ پاؤ ا) یعنی ہم بھیج چکے ہیں اے رسول تجھ سے پہلے اگلے شیعوں میں۔ نہیں آیا ان کے پاس کوئی رسول مگر کرتے رہے ان سے ٹھٹھے۔ عمدۃ البیان ج ۲ ص۷۶۱ میں ہے۔ اس آیت میں شیعہ ان لوگوں کو کہا گیا ہے جو خدا کے پیغمبروں کو ٹھٹھہ مخول کرنے والے کافر تھے۔

(۶) کما فعل باشیاعھم انھم فی شک مریب یعنی ایسا کیا گیا اگلے شیعوں کے ساتھ وہ شک و بدگمانی میں پڑے ہوئے تھے۔ عمدۃ البیان ج ۲ ص۹۳ میں ہے کہ یہاں شیعہ کافروں کو کہا گیا۔ جو خانہ کعبہ کو گرانے آئے تھے۔

(۷) ولقد اھلکنا اشیاعکم (پ۲۷ پاؤ ۲) یعنی ہم نے ہلاک کیا ہے اگلے شیعوں کو اشیاع۔ جمع شیعہ کی ہے۔ عمدۃ البیان ج ۲ ص۳۳ میں ہے۔ یہاں شیعہ اگلے کافروں کو کہا گیا ہے۔

(۸) فوربک لنحشرنھم والشیاطین ثم لنحضرنھم حول جھنم جثیا (پ۱۶ پاؤ ۷) یعنی قسم ہے تیرے رب کی کہ قیامت کو حشر ضرور کریں گے ان کو شیطانوں کے ساتھ پھر حاضر کریں گے ان کو گرداگرد دوزخ کے جب وہ زانوؤں کے بل چل کر آئیں گے۔ ثم لننزعن من کل شیعۃ ایھم اشد علی الرحمن عتیا پھر ہم نکال لیں گے، دوزخ

میں ڈالنے کو پہلے ان شیعوں سے جو ہوگا۔ ان سے سخت خدا سے سرکش ـــ مجدۃ البیان ج ۲ صفحہ ۶۱۶ میں ہے فرمایا اللہ عزوجل نے کہ ان شیعوں میں سے جو بڑا سرکش ہوگا پہلے ہم اس کو دوزخ میں ڈالیں گے" ان تمام آیات میں لفظ شیعہ کا اطلاق کفار، مشرکین، فتنہ باز، فسادیوں، یہود و نصاریٰ، سرکش شیطان صفت گروہ پر ہوا ہے پھر شیعہ خود ہی غور کریں کہ کیا وہ اس لفظ کا مصداق بننا چاہتے ہیں؟ ـــ ہاں ان دو آیات میں لفظ شیعہ کا اطلاق بظاہر اچھے معنی میں نظر آتا ہے۔

(۱) ھذا من شیعتہ وھذا من عدوہ (پ ۲۰ پارہ) یہ اس گروہ سے ہے اور یہ اس کے دشمنوں سے ہے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ یہاں شیعہ کا معنی دوست و رفیق ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کے رفقاء کو بھی شیعہ کہا جاتا تھا۔ مگر یہ محض شیعہ کی نافہمی ہے ـــ ہے وہ پہلا شخص گو حضرت موسیٰ کے قبیلہ ـــ سے تھا مگر منافق و مشرک تھا ـــ بلکہ مفسرین کہتے ہیں کہ اسی کا نام سامری تھا ـــ یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے پہلے دن اسی کو مجرموں میں شمار کیا۔ پھر دوسرے دن تو ـــ صاف صاف فرما دیا۔ انک لغوی مبین (یعنی تو ایک بدخواہ بظاہر گمراہ ہے) پھر یہاں بھی لفظ شیعہ کا اطلاق اچھے شخص پر نہیں ہوا۔ بلکہ برے پر ہوا ہے ـــ جس کی وجہ سے آپ کو شہر چھوڑ کر مدین کی طرف بھاگ جانا پڑا۔

(۲) وان من شیعتہ لابراھیم اذجاء ربہ بقلب سلیم اذقال لابیہ و قومہ ماذا تعبدون (یعنی اس کے گروہ میں سے تھا ابراہیم۔ جبکہ آیا رب اپنے کی طرف سے سلامت دل لے کر) شیعہ کہتے ہیں یہاں شیعہ کا لفظ ابراہیم پیغمبر پر اطلاق ہوا ہے اور ابراہیم شیعہ تھے۔ لیکن یہ بھی ان کی خوش فہمی ـــ کا نتیجہ ہے۔ معنی آیت کا یہ ہے کہ ابراہیم کا تولد قوم شیعہ (کفار) میں ہوا جس سے نکل کر آپ اپنے رب کی طرف صاف دل ہو کر آ گئے

اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ خود شیعہ تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ قوم شیعہ یعنی اس قوم سے نکل کر آپ ہدایت یافتہ ہو کر اپنے رب کے پاس آ گئے جو نوح کے مخالف گمراہ قوم چلی آتی تھی۔ (آفتاب صفحہ ۹۰۳)

الجواب پہلے مناظرین اہلسنت میں کچھ شرم و حیا ہوتی تھی اور وہ استدلال میں اس خیال کو پیش نظر رکھتے تھے کہ اس قسم کی دستاویز کو روا نہیں رکھتے تھے کہ اہل علم و فضل میں انکی رسوائی ہو جائے گی مگر دینی و علمی لحاظ سے چونکہ روبہ تنزل ہے۔ اس لئے جب رفتہ رفتہ نوبت مولوی کرم الدین صاحب تک پہنچی تو یا تو شرم و حیا کے

بدل چکے تھے۔ یا پھر انہوں نے حیا کا لبادہ اس طرح اتار کر دور پھینک دیا ہے۔ جس طرح بالکل بوسیدہ کپڑا اتار کر پھینک دیا جاتا ہے یا پھر ہمیشہ سے ان سے شرم و حیا اسطرح غائب تھی جس طرح گدھے کے سر سے سینگ۔ سچ ہے اذا لم تستح فاصنع ما شئت یعنی: بے حیا باش وہر چہ خواہی کن۔ انہوں نے سطور بالا میں اسقدر اندھیر گردی اور دھاندلی سے کام لیا ہے کہ انکی کارستانی دیکھ کر جبین قلم عرق انفعال سے تر ہو جاتی ہے اور جواب دیتے ہوئے قلم لرزتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ انکے دل میں خوف خدا اور خوف حشر و نشر کا سوتا بالکل خشک ہو گیا ہے اور دیدہ سے شرم و حیا کا آخری قطرہ بھی ڈھلک گیا ہے۔ ورنہ اس دیدہ دلیری کے ساتھ تفسیر بالرائے کرنے کی جرأت نہ کرتے۔ سچ ہے انها لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور۔ اس اجمال کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ عام شرعی الفاظ کی طرح لفظ "شیعہ" کے ایک ہیں لغوی معنی (آخر جب عربی زبان کا لفظ ہے تو اس زبان میں اس کے کوئی معنی بھی ہوں گے) اور وہ یہ ہیں (۱) گروہ (۲) متبع و مطیع (۳) ناصر و مددگار (۴) صاحب و ساتھی (ملاحظہ ہو قاموس ج ۳ ص ۴۷ طبع مصر المنجد ص ۴۱۲ وغیرہ) اور دوسرے ہیں عرفی و شرعی معنی اور وہ یہ ہیں "وہ گروہ جو جناب امیر علیہ السلام کی نصی خلافت بلافصل کا قائل ہے۔ ان سے محبت رکھتا ہے اور دین و دنیا میں ان کو اپنا پیشوا اور راہنما سمجھتا ہے۔" چنانچہ مقدمہ ابن خلدون ص ۱۹۶ طبع مصر پر مرقوم ہے اعلم ان الشیعة لغةً هم الصحب والاتباع و یطلق فی عرف الفقهاء والمتکلمین من الخلف والسلف علی اتباع علی و بنیه رضی الله عنهم۔ یعنی جاننا چاہیئے کہ لفظ شیعہ کے لغت میں معنی ہیں۔ اصحاب و اتباع۔ مگر متقدم و متاخر فقہاء و متکلمین کے عرف میں اس لفظ کا اطلاق حضرت علیؑ اور ان کی اولاد کے پیرؤوں پر ہوتا ہے" اسی طرح فاضل شہرستانی نے اپنی کتاب الملل والنحل ج ۱ ص ۱۴۶ طبع ایران پر بذیل عنوان "الشیعہ" لکھا ہے هم الذین شایعوا علیاً علیه السلام بالخصوص وقالوا بامامته وخلافته نصّاً و وصیةً اما جلیاً و اما خفیاً یعنی شیعہ وہ ہیں۔ جو حضرت علی کی متابعت کرتے ہیں اور انکی خلافت منصوصہ کے قائل ہیں۔ قاموس اور المنجد وغیرہ میں بھی اس کے مذکورہ بالا لغوی معنی بیان کرنے کے بعد یہ تصریح موجود ہے کہ وقد غلب هذا الاسم علی کل من یتولّی علیاً واهل بیته حتی صار لهم اسماً خاصاً" یعنی اب یہ نام اس گروہ پر بولا جاتا ہے۔ جو حضرت علیؑ اور ان کے اہلبیتؑ سے محبت رکھتا ہے یہاں تک کہ یہ ان کا مخصوص نام ہو کر رہ گیا ہے۔

بہر حال جب اس لفظ کے لغوی معنی متبع اور گروہ کے ہیں تو اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اس لفظ کے اندر کوئی ذاتی حسن یا قبح موجود نہیں ہے اگر کوئی شخص اچھے بزرگوں کا متبع اور نیکوں کے گروہ میں شامل ہے تو یہ لفظ اچھے معنی دے گا جیسے "شیعۂ علی"۔ اور اگر بدوں کا تابع ہے اور بُروں کے گروہ میں داخل ہے تو یہ بُرے معنی دے گا۔ جیسے "شیعۂ معاویہ" اور یہ لفظ ان آٹھ عدد آیات میں وجنہیں مؤلف

نے مذمت شیعہ میں پیش کیا ہے) انہی لغوی معنوں کے اعتبار سے بڑے گروہ یا بڑوں کے اتباع میں استعمال ہوا ہے۔ اور مؤلف نے بڑی چابکدستی اور چالاکی سے ان آیات کے ترجمہ میں "شیعہ شیعہ" کی لفظ اصطلاحی معنوں میں لکھ کر یہ تاثر دینے کی ناکام کوشش کی ہے کہ گویا اصل لفظ شیعہ کے معنی ہی بُرے لوگ ہیں اور وہ ہمیشہ کفار و اشرار کے معنی میں ہی استعمال ہوتا ہے۔! ان ھذا الا اختلاق (ان آیات کے صحیح تراجم معلوم کرنے کے لئے ناظرین کرام۔ شاہ رفیع الدین صاحب، ڈپٹی نذیر احمد، مولانا اشرف علی تھانوی اور علامہ وحید الزمان وغیرہم کے تراجم قرآن مجید کی طرف رجوع فرماکر اصل حقیقت معلوم کر سکتے ہیں۔۔۔ ہم بنظر اختصار اسی اجمالی بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔۔۔۔ مؤلف نے آخر کلام میں دو آیات کے متعلق یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ "ان میں بظاہر لفظ شیعہ اچھے معنی میں استعمال ہوا ہے" پھر جو تاویل کا جال بچھایا ہے اسے دیکھ کر ڈاکٹر اقبال کی یہ رباعی بے ساختہ زبان پر جاری ہو جاتی ہے ؎

زما بر صوفی و ملا سلامے   کہ پیغام خدا گفتند ما را
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت   خدا و جبرئیل و مصطفےٰ را

شیعیت کا تعلق عمل سے زیادہ اعتقاد سے ہے۔ جس طرح غوایت (گمراہی) کا تعلق عقیدہ سے زیادہ عمل کے ساتھ ہے۔ بات یہ تھی کہ جب اسرائیلی و قبطی لڑ رہے تھے تو خداوند عالم فرماتا ہے ھذا من شیعتہ وھذا من عدوہ ایک حضرت موسےٰ کا شیعہ تھا یعنی ان کے دین پر تھا اور دوسرا ان کا دشمن تھا۔ یعنی کافر تھا۔ چنانچہ یہی معنی مفسرین اہلسنت نے کئے ہیں تفسیر بیضاوی ج ۴ ص ۱۲۵ طبع مصر میں لکھا ہے من شیعتہ ای شایعہ علی دینہ ایک ان کا شیعہ تھا یعنی ان کے دین پر تھا معالم التنزیل ج ۳ ص ۱۵۴ پ ۲۰ میں لکھا ہے ھذا مؤمن وھذا کافر یعنی ان لڑنے والوں میں ایک شیعہ یعنی مؤمن اور دوسرا کافر تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیعہ اہل ایمان اور انبیاء کے ہم مسلک کو کہا جاتا ہے۔۔۔ باقی رہا یہ کہ جناب موسےٰ نے اس شخص کو "غوی" کہا تو یہ اس کے جھگڑالو ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ بدعقیدہ ہونے کے سبب سے مطلب یہ کہ اس کی روش غلط تھی نہ کہ عقیدہ۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر ج ۶ ص ۴۲۰ تا ص ۴۲۳ پر اس واقعہ کو بالتفصیل لکھتے اور اس شیعہ موسےٰ کے ایمان و اسلام ثابت کرنے کے بعد اسی غوایت والے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ جناب موسےٰ نے اس شخص کے جھگڑالو ہونے کی وجہ سے اسے "غوی" کہا ہے کیونکہ جس شخص کے جھگڑے کی وجہ سے دفع ضرر مشکل ہو جائے۔ اس کا وہ فعل رشد کے خلاف ہوگا اور اس پر "غوایت" کا اطلاق ہو سکتا ہے"؎

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں   گفتہ آید در حدیث دیگراں

دوسری آیت جس میں حضرت ابراہیم کو جناب نوح کا شیعہ کہا گیا ہے۔ اس کی تفسیر بالرائے کرنے میں تو مؤلف نے ریکارڈ توڑ دیے ہیں۔ (دمن تسرالقرآن بوأیہ فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ فرمان رسول۔ تفسیر اتقان) ہم اس آیت مبارکہ کا ترجمہ و تفسیر اہلسنت کے مسلم الثبوت علماء کے تراجم و تفاسیر کی روشنی میں پیش کرتے ہیں۔ جس سے حضرت ابراہیم کا شیعۂ نوح ہونا اور مؤلف کے بیان کردہ معنیٰ کا تفسیر بالرائے ہونا روز روشن سے بھی زیادہ واضح و آشکار ہو جائے گا۔

مولانا نذیر احمد دہلوی لکھتے ہیں "اور نوح کے ہی طریق پر چلنے والوں میں سے ابراہیم بھی تھے" مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں اور نوح کے طریقہ والوں میں سے ابراہیم بھی تھے"۔——

تفسیر جلالین میں لکھا ہے ان من شیعتہ ای ممن تابعہ فی اصل الدین وان طال الزمان بینھما —— یعنی منجملہ جناب نوح کے تابعین کے جنہوں نے باوجود طول زمان کے اصل دین میں ان کی متابعت کی ایک جناب ابراہیم بھی ہیں۔ فتح الخبیر مع الفوز الکبیر مؤلفہ شاہ ولی اللہ دہلوی صـ۲۳ پر لکھا ہے وان من شیعتہ داھل دینہ —— ابراہیمؑ نوحؑ کے شیعہ تھے یعنی ان کے ہم دین تھے (کذافی التفسیر الکبیر ج ۵ صـ۳۸ وروح البیان ج ۷ صـ۴۷۸ ای ممن شایعہ فی اصول الدین ای من اھل ملتہ وعلی دینہ ومنہاجہ لا براھیم) اور تفسیر کبیر ج ۷ صـ۱۴۹ میں لکھا ہے وان من شیعتہ من معنی المشایعۃ یعنی وان ممن شایعہ علی دینہ وتقواہ حین جاء بقلب سلیم قال الاصولیون المراد انہ عاش ومات علی طہارۃ القلب عن کل دنس من المعاصی" یعنی شیعہ متابعت سے ہے مطلب یہ کہ جناب ابراہیمؑ ان لوگوں میں سے تھے جو دین و دیانت اور تقویٰ و طہارت میں جناب نوحؑ کے پیروکار تھے۔ جب قلب سلیم کے ساتھ آئے اس کے متعلق علماء اصول نے کہا ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ گناہوں کی ہر قسم کی کثافت سے پاک و صاف رہ کر زندہ رہے اور اسی حالت میں وفات پائی" اس سے واضح ہو گیا کہ حقیقی شیعہ ہوتا ہی وہ ہے۔ جو نبی کے دین پر ہو اور اس کا دل گناہوں کی آلودگیوں سے پاک و صاف ہو۔ معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم شیعہ تھے اور ہم مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ فاتبعوا ملۃ ابراھیم حنیفا (ملت ابراہیمی کی اتباع کرو) لہٰذا ہمیں اگر ملت ابراہیمی کی اتباع کرنا ہے تو پھر ہمیں بھی شیعہ بننا پڑے گا۔ جس مقدس لفظ کو مؤلف نے ازراہ ناصبیت "منحوس" قرار دیا ہے ہم نے قرآنی حقائق کی روشنی میں ثابت کر دیا ہے کہ اس کا اطلاق انبیاءؑ اور ان کے حقیقی متبعین پر ہوا ہے اور سابقہ عنوان (شیعہ اور عامہ کی قدامت) کے ذیل میں متعدد کتب اہلسنت کے حوالجات سے فضائل شیعہ میں وارد شدہ احادیث نبویہ پیش کی جا چکی ہیں۔ نیز اسی مقام پر بڑے بڑے علمائے اہلسنت

کے یہ اقوال بھی پیش کر دیئے گئے کہ "وہ شیعہ علی ہیں" یا یہ کہ سابقہ زبان میں ان کا لقب شیعہ تھا" اس سے بڑھ کر فضیلت شیعہ کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے؟ مگر اس کوڑھ مغزی کا کیا علاج جو ہنر کو عیب سمجھتی ہے

ہرگز نہ ہوسئے مغز سخن سے آگاہ
لاحول ولا قوۃ الا باللہ!

قرآن میں لفظ سنت کی تعریف

شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ سنیوں کا کہیں قرآن میں ذکر نہیں اس لئے ہم لفظ سنت کی قرآن میں تلاش کرتے ہیں (۱) سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبل الآیۃ (عمدۃ البیان ج ۳ ص ۶۲) میں ہے کہ سنت طریقہ اللہ کا ہے جو چلا آیا ہے اگلے پیغمبروں میں
(۲) یرید اللہ لیبین لکم ویھدیکم سنن الذین من قبلکم ویتوب علیکم (پ ۵ پاؤ ۱) عمدۃ البیان ج ۱ ص ۲۳۲ " ہدایت کرے اللہ تم کو طریقے ان لوگوں کے جو پہلے تم سے مثل ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ گذرے۔
(۳) سنۃ من ارسلنا قبلک من رسلنا ولا تجد لسنتنا تحویلاً "سنت طریقہ ان لوگوں کا ہے جو پہلے بھیجے ہم نے اور نہ پائے گا تو میری سنت و دستور میں تفاوت" عمدۃ البیان ج ۲ ص ۲۸۵ میں ہے "طریقہ رکھنا رسولوں کا کہ تحقیق بھیجا ہم نے ان کو تجھ سے پہلے پیغمبروں سے کہ جو کوئی پیغمبروں کو جھٹلا دے تو ہم ہلاک کر دیتے ہیں اس کو۔
(۴) سنۃ اللہ التی قد خلت من قبل ولن تجد لسنتنا تبدیلاً (پ ۲۶ پاؤ ۲) عمدۃ البیان ج ۳ ص ۲۷ میں ہے یعنی سنت طریقہ اللہ کا ہے اس میں کوئی تغیر کرنے والا نہیں ہے۔"
(۵) قد خلت سنۃ الاولین (پ ۱۴ پاؤ ۱) گذر چکا طریقہ پہلے لوگوں کا۔"
(۶) الا ان تاتیھم سنۃ الاولین (پ ۱۵ پاؤ ۲) عمدۃ البیان ج ۲ ص ۲۸۵ میں ہے یعنی پہنچا ان کو طریقہ خدا کا ہلاک کرنے والا اگلوں کو ـــــ
(۷) سنۃ اللہ التی قد خلت فی عبادہ وخسر ھنالک الکافرون عمدۃ البیان ج ۳ ص ۱۱۹ میں ہے سنت طریقہ خدا کا ہے جو اس کے اگلے بندوں میں چلا آیا ہے۔
(۸) قل للذین کفروا ان ینتھوا یغفر لھم ما قد سلف وان یعودوا فقد مضت

سنۃ الاولین۔ کفار کو کہہ دیجئے اگر وہ باز آجائیں ان کے پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے اگر انہوں نے پھر وہی گناہ کیا تو پہلوں کا طریقہ گذر چکا ہے (پ ۹ ع ۱۹)۔

(۹) فھل ینظرون الا سنۃ الاولین فلن تجد لسنۃ اللہ تبدیلاً (پ ۲۲) یعنی وہ نہیں دیکھیں گے مگر پہلوں کے طریقہ کو اور خدا کے طریقہ میں تبدیلی نہیں ہو سکتی"۔ ان تمام آیات قرآن میں لفظ سنت کو خدا یا رسول کی طرف اضافت ہے اور یہی سنی اور اہلسنت وہ لوگ ہیں جو سنت الرسول کے پیرو ہیں۔ یہی رسولی گروہ متبع السنت ہے۔ اسی کی تاکید رسول پاک اور ائمہ ہدیٰ کرتے رہے ــــ آفتاب ص ۳۱)

الجواب معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے کوئی "تخریج الآیات" سامنے رکھ لی ہے اور قرآن مجید میں جہاں جہاں لفظ "سنت" ملا ہے۔ ان آیات کی بھرتی کر دی ہے اور جوش تعصب میں یہ بھی سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ انہی آیات میں سے اکثر بجائے ان کے مفید مطلب ہونے کے الٹا ان کے لئے مضر رساں ہیں۔ خدایا کہ تعصب کا کہ جب اس کی پٹی آنکھوں پر بندھ جائے تو پھر روز روشن کی طرح واضح حقائق بھی نظر نہیں آتے

لفظ سنت کا عذاب وغیرہ برے معنوں پر اطلاق مثلاً آیت ط (پ ۲۲ ع ۵ میں موجود ہے) اس سے قبل منافقین کا ذکر ہے کہ اینما ثقفوا اخذوا وقتلوا تقتیلا۔ "جہاں ملا پکڑا اور مار کے ٹکڑے اڑا دیئے"۔ اس کے بعد بلا فاصلہ ہے سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبل۔ جو لوگ پہلے ہو گذرے ہیں ان میں (بھی) خدا کا یہی دستور رہا ہے" (ترجمہ نذیر احمد دہلوی) اس سے معلوم ہوا کہ یہاں سنۃ اللہ سے مراد پکڑنا اور مار کر ٹکڑے اڑانا ہے ــــ آیت نمبر ۳ کے ذیل میں عمدۃ البیان کا جو تائیدی بیان نقل کیا ہے وہ خود ان کے خلاف ہے "جو کوئی پیغمبروں کو جھٹلا دے ہم ہلاک کر دیتے ہیں اس کو"۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہاں "سنۃ اللہ" سے مکذبین کا ہلاک کرنا مقصود ہے۔ آیت ۳ سے پہلی آیت کا تتمہ یہ ہے ثم لا یجدون ولیاً ولا نصیراً "پھر ان کو نہ کوئی حامی ہی ملتا اور نہ کوئی مددگار" اس کے بعد ہے سنۃ اللہ التی قد خلت (الایۃ) اللہ کا دستور (ہے) جو پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے"۔ (ترجمہ نذیری) اس سے معلوم ہوا کہ یہاں سنت اللہ سے مراد ہے "کسی کی حمایت اور مدد نہ کرنا" ــــ اسی طرح آیت ۵ کا پہلا حصہ یوں ہے لا یؤمنون بہ وقد خلت سنۃ الاولین۔ "یہ قرآن پر ایمان لانے والے نہیں اور یہ رسم (کچھ انوکھی نہیں) اگلوں (ہی) سے ہوتی چلی آئی ہے"۔ (ترجمہ نذیری) اس سے معلوم ہوا کہ یہاں "سنۃ الاولین" سے مراد ہے "حق کے ظاہر ہو جانے کے باوجود اس پر ایمان نہ لانا اور اس کے انکار پر اصرار کرنا" موضح القرآن میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے "یعنی

یہ نئی راہ ہے اگلوں کی یعنی مکہ کے لوگوں کا نبی کو ساحر اور قرآن کو شعر اور قصہ کہنا یہ رسم اگلی قوموں کی ہے۔
اس سے معلوم ہوا کہ یہاں "سنّت الاولین" سے مراد "نبیوں کو جادوگر اور آسمانی کتابوں کو قصہ کہانی کہنا ہے"
آیت ۵۵ کا ابتدائی حصّہ یوں ہے "وما منع الناس ان یؤمنوا اذ جاءھم الھدیٰ ویستغفروا ربھم الا ان تاتیھم سنۃ الاولین ــــ اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آچکی تو (اب) ایمان لانے اور اپنے پروردگار سے مغفرت مانگنے سے ان کو اس کے سوا اور کون امر مانع ہو سکتا ہے۔ کہ اگلے لوگوں کا (سا) ماجرا ان کو بھی پیش آئے" اس سے واضح ہوا کہ یہاں "سنۃ الاولین" سے مراد سابقہ اقوام والا عذاب ہے۔ تذکرۃ البیان والے بیان سے بھی یہی چیز ظاہر ہے۔ مگر مؤلف کو جوشِ تعصب میں تائید و تردید کے درمیان تمیز نہیں رہی۔

آیت ۸۵ کا پہلا حصّہ اس طرح ہے "فلم یک ینفعھم ایمانھم لما راوا بأسنا سنۃ اللّٰہ التی قد خلت، الخ" مگر جب انہوں نے ہمارے عذاب کو (آتے) دیکھ لیا تو (اس وقت انکا) ایمان لانا ان کو کچھ بھی سود مند نہ ہوا (یہ) دستور الٰہی ہے) جو (سدا سے) اس کے بندوں میں جاری رہا ہے (ترجمہ نذیری) اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ یہاں "سنت اللّٰہ" سے مراد یہ ہے کہ معائنہ عذاب کے وقت ایمان لانا سود مند نہیں ہوتا ــــ اور ایسے لوگوں کو خدائے قہار کے قہر و غضب سے کوئی طاقت نہیں بچا سکتی۔

آیت ۷۶ میں بھی سنۃ الاولین سے مراد ہلاکت و بربادی ہے "اگر پھر شرارت کریں گے تو اگلے لوگوں کی روش پڑ چکی ہے (وہی انجام ان کا بھی ہونا ہے") ترجمہ نذیری) اسی طرح آیت ۴۳ میں بھی سنۃ الاولین سے مراد خدا کا وہ برتاؤ ہے جو وہ کفار سے کرتا رہا ہے۔ یعنی ان کو بذریعہ عذاب نیست و نابود کرنا۔ مولانا نذیر احمد اس آیت کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں "یہ (لوگ) اسی برتاؤ کے منتظر ہیں جو اگلے لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے" ان حقائق کی روشنی میں انصاف پسند ناظرین کرام فرمائیں کہ ان آیات میں سے اکثر آیات میں سنّت کی لفظ بُرے معنوں میں استعمال ہوئی ہے یا نہ؟

حقیقت حال کا انکشاف

حقیقت الامر یہ ہے کہ سنت کے معنی ہیں۔ سیرت، طریقہ، طبیعت اور شریعت (المنجد ص۳۵۳) یعنی لفظ شیعہ کی طرح اس لفظ کے اندر بھی کوئی ذاتی جلالت یا رذالت نہیں ہے۔ بلکہ یہ لفظ جو کچھ حسن یا قبح حاصل کرتا ہے وہ اپنی نسبت واضافت سے کرتا ہے یعنی اچھوں کی سنت ممدوح اور بروں کی سنت مقدوح سمجھی جائے گی (اسی لئے احادیث میں سنۃ حسنۃ اور سنۃ سیئۃ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں (من سن سنۃً حسنۃً ــــ ومن سن سنۃً سیئۃً)

اہل سُنّت نہیں بلکہ اہل سُنّہ

اور اگر بفرض محال یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ لفظ "سنّت" (سین کے

پیش اور نون کی شد کے ساتھ ہر جگہ اچھے معنوں میں استعمال ہوا ہے (حالانکہ ہرگز ایسا نہیں ہے) تب بھی مولوی کرم الدین صاحب یا ان کے ہم مذہبوں کو اس سے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ وہ اہل سنّت نہیں بلکہ "اہل سَنَۃ" (سین کی زیر اور بغیر شد کے ساتھ بمعنی سال) یعنی ایک خاص سال والے لوگ ہیں۔ اور اس سال سے مراد ہے صلح حسنؑ کے بعد معاویہ کے تحت حکومت پر متمکن ہونے والا سال چنانچہ فتح الباری شرح بخاری ج ۴ صفحہ ۵۵ و استیعاب برحاشیہ اصابہ ج ا صفحہ ۲۷۲ وغیرہ میں ہے "دخل معاویۃ الکوفۃ و بایعہ الناس فسمی سنۃ الجماعۃ لاجتماع الناس و انقطاع الحرب" یعنی اس کے بعد معاویہ کوفہ میں داخل ہوا اور لوگوں نے اس کی بیعت کی اور اس سال کا نام "سَنَۃُ الجماعۃ" رکھا گیا کیونکہ اس سال جنگ ختم ہوئی اور سب لوگ حکومت معاویہ پر جمع ہو گئے۔ حیوٰۃ الحیوان ج ا صفحہ ۵۲ تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۲ نہج الوصول صفحہ ۱۶ میں بھی اس سال کا نام "عام الجماعت" لکھا گیا ہے اس طرح معاویہ والے "اہل سنۃ الجماعۃ" اور جماعت کے سال والے لوگ کہلائے پھر مرور ایام سے یہ لفظ بدلتے بدلتے اہل السُنّۃ والجماعت بن گیا۔ یہ ہے موجودہ اہلسنت والجماعت کے مذہب کی اصل حقیقت جو ہم نے بلا کم و کاست انہی کی کتابوں سے پیش کر دی ہے؟ ان حقائق سے معلوم ہوا کہ یہ مذہب معاویہ بن ابوسفیان کا خودکاشتہ پودا ہے۔ بانیٔ اسلام کا اس کی تاسیس و تشکیل میں کوئی دخل نہیں ہے۔ انہی حقائق کی بنا پر شاہ عبد العزیز دہلوی نے تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۸۱ پر مجبوراً یہ تسلیم کیا ہے کہ زمانہ سابق میں ان کا لقب "شیعہ" تھا لبعد میں ان کے بزرگوں نے اپنا نام "اہل سنّت و جماعت" تجویز کیا"۔ اب ہم مولف کا یہ شعر جو انہوں نے ایک جگہ ہمارے حق میں استعمال کیا ہے) ان کی خدمت میں لوٹاتے ہیں اور امید ہے کہ "ھٰذہٖ بضاعتنا ردت الینا" کہہ کر اسے قبول کر لیں گے ؎

لامذہبوں میں شرم کا کچھ بھی اثر نہیں
ہے اعتراض اوروں پہ اپنی خبر نہیں

اتباعِ سُنّت کی تاکید

جلاء العیون اردو جلد ۱ صفحہ ۲۴ میں شیخ مفیدؒ و شیخ طوسی نے روایت کی ہے کہ جب حضرت رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع سے مراجعت فرمائی ـــــ اور وصیت فرماتے تھے کہ میرے طریقۂ سنت سے دست بردار نہ ہونا"۔ کتاب مذکور ج ا صفحہ ۳۵ میں جناب کی آخری وصیت کے الفاظ یہ ہیں "میری وصیت تم سے یہ ہے کہ شرک بخداوند بزرگوار نہ لانا ـــ اور سنت و طریقہ حضرت رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو ضائع ذکرنا۔ کذا فی نہج البلاغہ صفحہ ۱۴۸) کتاب مذکور

ص۱۴۲ میں ہے "امام وہ ہے جو سنت نبوی کا عامل ہو۔ وہ امام قرآن و سنت پیغمبر کو
زندہ کرے گا فروع کافی میں ہے ~~من رغب عن~~ سنتی فلیس منی جو شخص میری سنت سے روگردان
ہوا وہ مجھ سے نہیں" دیکھیے رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم، اور جناب امیر علیہ جو وصیت
بوقت وفات فرماتے وہ اتباع سنت رسول ہے ـــــ پھر جو لوگ لفظ سنت پر تمسخر کرتے
ہیں وہ رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی المرتضے کے اقوال کو جھٹلاتے ہیں بیشک
بقول رسول و ائمہ اہلبیت" بشہادت کتب شیعہ وہی فرقہ ناجی ہے جو اہلسنت کہلاتا ہے
(آفتاب ص۳۱۲)

الجواب

الحمد للہ کہ اب مخالف نے بھی یہ تسلیم کر لیا ہے کہ تبلیغی لٹریچر قرآن کے ساتھ ساتھ اتباع سنت کی تاکید سے لبریز نظر آتا ہے اور یہ بجائے خود بھی ایک کھلی ہوئی حقیقت کہ مذہب شیعہ خیر البریہ کی بنیاد ہی قرآن اور سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے فرمان پر ہے اس لئے وہ ان دونوں گرانقدر چیزوں کو اپنے لئے حرز جان جانتا ہے اور کسی بات میں ان سے سر مو انحراف و روگردانی کرنے کو روا نہیں سمجھتا اور منکرین حدیث خیر الانام کو منکرین قرآن کی طرح دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہے۔ لہٰذا ان کے متعلق یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ پیغمبر اسلام کی سنت کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ مگر اس تمام کدوکاوش سے مؤلف کو کیا فائدہ؟ کیونکہ ہم ابھی اوپر سابقہ عنوان کے تحت ثابت کر آئے ہیں کہ یہ لوگ فی الحقیقت اہل سنۃ الجماعت" (جماعت کے سال والے) ہیں نہ کہ اہل السنۃ والجماعت۔ جس طرح ہم نے شیعیان علی کا نام اور ان کے فضائل اور ان کا ناجی ہونا احادیث صحیحہ کی روشنی میں ثابت کیا ہے۔ اگر اہلسنت اور ان کے مناظرین میں کچھ بھی جرأت و ہمت ہے تو اسی طرح یہ بھی اصول مناظرہ کے مطابق ہماری احادیث مرفوعہ صحیحہ میں اپنا پورا نام (اہل سنت والجماعت) دکھائیں اور پھر اس کا ناجی ہونا بھی ثابت کریں۔ اپنی کتابوں سے اور وہ بھی ضعیف روایتوں سے کام نہیں چلے گا۔ اگر وہ ایسا کر دکھائیں تو ہم ان کو منہ مانگا انعام دینے کے لئے تیار ہیں اور اگر ایسا نہ کر سکیں (اور ہرگز نہیں کر سکتے) تو پھر ہم انہیں مخلصانہ مشورہ دینگے کہ ضد چھوڑ کر اور تقلید آباؤ اجداد کا رشتہ توڑ کر کشتی نجات اہل بیت نبوت پر سوار ہو جائیں کیونکہ من رکبھا نجی و من تخلف عنہا ہلک و غرق یعنی جو اس کشتی نجات پر سوار ہو جائے گا اس کا بیڑا پار ہو جائے گا اور جو اس سے منہ موڑیگا وہ گمراہ اور غرق و تباہ ہو جائے گا۔ وما علینا الا البلاغ۔

ے مانو نہ مانو جان جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جائیں گے

شیعوں کی احادیث اس سے پہلے ہم کافی بحث کر آئے ہیں کہ شیعوں کا اس قرآن پہ ایمان نہیں ہے اور جس قرآن جمع کردہ علیؓ پر ایمان ہے وہ ابھی غار سے باہر نہیں نکلا ــــ اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ حدیث کا سرمایہ شیعہ کے ہاں کہاں تک پایا جاتا ہے؟ ہم دلائل سے بیان کریں گے کہ حدیث صحیح کی طرف سے بھی ان بیچاروں کو صاف جواب ملتا ہے۔ اول اس لئے کہ رواۃ حدیث ایسے ملے کہ ان کے سرغنوں پہ ائمہ اہلبیت کو اعتبار نہ تھا۔ انہوں نے ائمہ ہدیٰ کو سخت سست کہا ــــ وہ خود ائمہ ہدیٰ پر جھوٹ باندھتے تھے ــــ (آفتاب ص ۳۱۲)

الجواب جہاں مؤلف نے بزعم خویش یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ شیعان علی کا موجودہ قرآن پہ ایمان نہیں ہے۔ بفضلہ تعالیٰ ہم اس مقام پر ناقابل رد دلائل سے ان کا اسی قرآن پر ایمان ثابت کر آئے ہیں۔ مؤلف بار بار اس بات پر طنز کرتے ہیں کہ شیعوں کا قرآن غار میں ہے ہم کہتے ہیں کہ بقول ان کے غار والے قرآن کے برآمد ہونے کی تو پھر بھی امید ہو سکتی ہے۔ مگر سنیوں کے اصلی قرآن کے دستیاب ہونے کی تو قطعاً کوئی امید نہیں ہے

اہلسنت کا اصلی قرآن خدا کے پاس ہے کیونکہ امام اہلسنت ابوالحسن اشعری کے نزدیک حقیقی قرآن تو ابھی خدا کے پاس محفوظ ہے۔ نہ اب تک اس سے جدا ہوا ہے اور نہ آئندہ کبھی جدا ہوگا" اور یہ جو لوگوں کے پاس موجود ہے یہ مجازی قرآن ہے۔ ان کے عین الفاظ یہ ہیں ان القرآن المعجز انما هو الذی لم یفارق اللہ عزو جل قط ــــ وان القرآن لیس عندنا الا علی هذا المجاز وان الذی تری فی المصاحف ونسمع من القرآن ونقرأ فی الصلوٰة ونحفظ فی الصدور لیس هو القرآن ــــ بل هو شیئی آخر وان کلام اللہ لم یفارق ذات اللہ عزوجل" (الفصل ج ۴ ص ۲۰۷/۲۱۱ طبع مصر) یعنی قرآن جو معجزہ ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے کبھی اس سے جدا نہیں ہوا۔ اور یہ قرآن جو ہم مصاحف میں دیکھتے، کانوں سے سنتے، نماز میں پڑھتے اور سینوں میں حفظ کرتے ہیں یہ اصلی نہیں بلکہ مجازی قرآن ہے" ہم بڑے قلبی دکھ درد کے ساتھ مؤلف کے لفظوں میں کہتے ہیں کہ "لاکھوں سنی اس قرآن کے انتظار میں مر گئے اور کروڑوں اور مریں گے لیکن اس قرآن موہوم کا ملنا محال ہے"۔

بدنہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے
ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

اور جہاں تک روایات کا تعلق ہے۔ خدا کا لاکھ شکر ہے کہ لاکھوں احادیث صحیحہ نبویہ کا ذخیرہ بطریق ائمہ اہلبیت شیعوں کے پاس موجود ہے اور جیسے ان کے رواۃ احادیث ثقہ اور صادق القول ہیں۔ ان کی اس آسمان نیلی گوں کے نیچے اور فرش زمین پیکھا اوپر کوئی مثال نہیں ملتی ——
آگے چل کر مؤلف جہاں روایات اور رواۃ پر تنقید کریں گے تو ہم حلی و الزامی جوابات سے ان کی ایسی تواضع کریں گے کہ اس میں دوسرے معترضین کے لئے بھی سامان عبرت موجود ہوگا انتہٰی۔

راویان حدیث

احادیث شیعہ کا بہت بڑا راوی زرارہ بن اعین ہے — اور منجملہ مبشر بالجنۃ ہے رجال کشی ص۱۱۳) اس کی نسبت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں زرارۃ شر من الیھود والنصاری (رجال کشی ص۱۱۱)۔
یہی زرارۃ صاحب ہیں جنہوں نے امام محمد باقرؓ کو بدعا ہے علم کہا۔ جیسا کہ اصول کافی ص۵۵ میں ہے کہ زرارۃ کو امام ممدوح سے ایک مسئلہ میں تکرار ہوگئی —— کہنے لگا۔ شیخ لا علم لہ بالخصومۃ ص۵۹۰ دوسرا راوی ابوبشیر ہے جس نے امام جعفر صادقؒ کو طامع بتایا جس پر کتے نے اس کے منہ میں پیشاب کر دیا۔ امام موسٰے کاظم کو ناقص کہا —— (تنقیح ص۱۶۸ ایک اور راوی مختار بن ابی عبیدہ ہیں جس کی نسبت امام جعفر صادق نے فرمایا کان المختار یکذب علی علی بن الحسینؓ مختار امام زین العابدینؒ پر جھوٹ باندھا کرتا تھا) —— ایک اور راوی حکم بن عدی ہے۔ امام صادقؒ نے اس کی ایک روایت (باقری سن کر) تین بار قسم کھا کر فرمایا (بحذف عربی) میرے باپ نے ہرگز نہیں فرمایا۔ حکم بن عیینہ نے میرے والد پر جھوٹ باندھا ہے" امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں (بحذف عربی) یعنی امام حسنؓ کے لئے ایک کذاب تھا جو ان پر جھوٹ باندھا کرتا تھا ایسا ہی ایک کذاب تھا امام حسینؓ پر جھوٹ باندھتا تھا۔ مختار امام زین العابدینؒ پر جھوٹ باندھا کرتا تھا اور مغیرہ بن سعید میرے والد محترم —— پر جھوٹ باندھنے والے تھے (ص۱۵۰ رجال کشی) —— جب ایک ایک امام کے لئے ایک شخص ایسا مقرر تھا جس کی ڈیوٹی امام والا مقام کی طرف جھوٹی حدیث وضع کرکے لوگوں میں مشتہر کرنے کی تھی —— تو پھر احادیث شیعہ کا کیا اعتبار رہا اور سنیئے —— امام ابوالحسن رضا علیہ السلام کذابین کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کان بنان (بحذف عربی) یعنی بنان امام زین العابدین پر جھوٹ باندھا

کرتا تھا۔ خدا اسے لوہے کا عذاب چکھائے۔ مغیرہ بن سعید امام باقرؓ پر، محمد بن بشیر موسیٰ رضا پر، ابوالخطاب امام صادق پر جھوٹ باندھا کرتے تھے خدا ان کو گرم لوہے کا عذاب چکھائے اور مجھ پر محمد بن فرات جھوٹ باندھا کرتا ہے۔ (رجال کشی ص۱۹۵) دیکھئے ـــــ امام رضاؑ نے اپنے زمانہ تک کے کذابوں تک کی تشریح کر دی ـــــ پھر بقول شخصے ع۔ ایں خانہ تمام آفتاب است۔

جب تمام رواۃ کی حالت یہ ہو کہ انہوں نے ائمہ کرام پر جھوٹ باندھے ـــــ تو پھر احادیث شیعہ کا کیا اعتبار کیا جا سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ ایسی ایسی احادیث کتب شیعہ ـــــ میں بھری ہیں جو کبھی عقل باور نہیں کر سکتی ـــــ اب ناظرین خود ہی خیال فرمائیں کہ قرآن تو پہلے ہی سے گم تھا۔ حدیث کا بھی اعتبار جاتا رہا تو مذہب شیعہ کی تمام بنیاد ہی متزلزل ہو جاتی ہے ـــــ چونکہ مذہب شیعہ میں تنقید رجال کا کوئی سامان نہیں نہ اسناد کا اوپر تک پہنچنا ضروری ہے ـــــ اس لئے یہ طوفان بے تمیزی برپا ہو گیا۔ تقیہ (جھوٹ) جزو ایمان سمجھا گیا۔ متعہ کی فضیلت کی حدیثیں بنائی گئیں۔ تعزیہ داری کو باعث نجات تصور کیا گیا۔ (قس علی ہذا) (آفتاب ص۳۱۴)

الجواب | **مذہب شیعہ کے مثالی راوی** | مذہب شیعہ خیر البریہ کا یہ طغرائے امتیاز ہے کہ اسے رسول اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کے بارہ ایسے راوی ملے ہیں جو سب کے سب درجۂ عصمت کبریٰ پر فائز ہیں یعنی دوازدہ امام علیہم السلام جبکہ دوسرے اسلامی مذاہب میں ایک راوی بھی معصوم نہیں ہے اسی بناء پر کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

اذا شئت ان ترضی لنفسک مذھباً ینجیک یوم الحشر من لھب النار
فدع عنک قول الشافعی ومالک واحمد والمنقول عن کعب بن احبار
ووال اناساً قولھم وحدیثھم روی جدنا عن جبریل عن الباری

بعد ازاں ان ائمہ طاہرینؑ کو ایسے صادق و ثقہ راوی ملے جن کی نظیر صفحۂ عالم پر ڈھونڈے سے نہیں مل سکتی اپنے بیگانے ان کی ثقاہت کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔

شیعہ راویوں کی صداقت کی کہانی علمائے اہلسنت کی زبانی

بہ نظر اختصار چار مثالیں پیش کی جاتی ہیں (۱) جناب ابان بن تغلبؒ کے متعلق ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے

صلب ولکنه صدوق وصدقه لنا وبدعته له یعنی ابان سخت پکا شیعہ ہے۔ لیکن بہت بڑا راست گو ہے۔ لہٰذا اس کی صداقت ہمارے لئے اور اس کی بدعت (اعتقادی) اس کے لئے۔ (۲) جعفر بن زیاد الاحمر الکوفی کے متعلق علامہ عسقلانی نے تقریب ص۶۸ میں لکھا ہے "صدوق یتشیع" بہت سچا ہے مگر ہے شیعہ۔ (۳) حسین بن حسن الاشقر الفزاری الکوفی کے متعلق تقریب ص۷۵ پر لکھا ہے "صدوق ویغلو فی التشیع" بہت راست باز ہے مگر غالی شیعہ ہے" (۴) ثعلبہ بن یزید کوفی کے بارے میں تقریب ص۶۳ میں لکھا ہے "صدوق شیعی" ہے تو شیعہ مگر بہت ہی سچا ہے" (۵) عبدالرزاق محدث کے بارے میں، شبلی نعمانی دیباچہ سیرۃ النبی ص۲۴ میں لکھتے ہیں "ثقات محدثین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ مزاج میں کسی قدر تشیع تھا۔ ابن معین کہتے ہیں کہ اگر عبدالرزاق مرتد بھی ہو جائے تب بھی ہم ان سے روایت حدیث ترک نہیں کر سکتے" اگر تفصیل میں جائیں تو دفتر تیار ہو جائے ہم نے بطور نمونہ مشتے از خروارے یہ چند مثالیں پیش کر دی ہیں۔ اب تو یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ بحمدہ تعالیٰ شیعوں کا قرآن پر بھی ایمان ہے (جیسے کئی بار ثابت کیا جا چکا ہے) اور احادیث صحیحہ کا بھی بہت بڑا ذخیرہ ان کے پاس موجود ہے۔ صرف ہماری کتاب کافی کی احادیث اہلسنت کی صحاح ستہ کی احادیث سے زائد ہیں۔[۱] اور ان کے راوی صداقت و ثقاہت میں اپنی مثال آپ ہیں حتیٰ کہ مخالف بھی ان کی صداقت کا لوہا مانتے ہیں۔ رع والفضل ما شهدت به الاعداء اور

بعض کذابین کا بدانجام

ہاں البتہ بعض کالی بھیڑیں ہر مذہب و ملت میں ہوا کرتی ہیں۔ جنکی ہمارے معصوم اماموں نے نشاندہی فرمادی ہے، جس کی وجہ سے شیعیان علی نے ان کذابین سے ہرگز کوئی روایت قبول نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ امام جعفر صادق اور امام رضا علیہ السلام نے جن دروغگو راویوں کی نشاندہی کی ہے ان کی کوئی روایت کتب شیعہ میں موجود نہیں ہے اور اگر بالفرض کسی روایت میں ان میں سے کسی راوی کا نام نظر آجائے تو وہ اسے مسترد کر دیتے ہیں نیز وہ سب کے سب اخروی عذاب سے پہلے آئمہ ہدیٰ کی بددعا کے نتیجہ میں لوہے کا عذاب چکھ کر قتل ہو کر واصل جہنم ہو چکے ہیں۔ مؤلف نے امام کے ارشاد فاذاقه الله حر الحديد" کے جملہ فعلیہ خبریہ کو جملہ انشائیہ دعائیہ سمجھ کر یہ غلط ترجمہ کیا ہے کہ "خدا اسے لوہے کا عذاب چکھائے" حالانکہ امام خبر دے رہے ہیں کہ خدا نے اسے لوہے کا عذاب چکھایا۔ یعنی وہ قتل ہو گیا اور آخری راوی محمد بن فرات جو امام رضاؑ پر جھوٹ باندھتا تھا۔ اس کے متعلق بھی رجال کشی (ص۳۱۹) میں ہے کہ اسے ابراہیم بن شکلہ نے قتل کر دیا تھا۔ ریک خس کم جہاں پاک!

---

[۱] اصول فروع کافی کی احادیث کی مجموعی تعداد سولہ ہزار ایک سو ننانوے ہے (منہ عفی عنہ)

لا تسبوا المختار فانہ قد قتل قتلتنا وطلب بثارنا وزوج اراملنا وقسم فینا المال علی العسرۃ" مختار پر سب و شتم نہ کرو کیونکہ اس نے ہمارے قاتلوں کو قتل کیا ہے ہمارا انتقام لیا ہے۔ ہماری رانڈوں کی شادیاں کرائی ہیں اور تنگی کے وقت ہم میں مال تقسیم کیا ہے" کیا مؤلف کو مدح والی یہ روایات نظر نہیں آئیں؟ اچھی چیز کو چھوڑ کر گندگی پر گرنا مگس کا یا مگس فطرت لوگوں کا کام ہے شرفاء کا یہ شیوہ تھا نہیں ہے۔ ثالثاً مختار کی مذمت میں اموی حکومت کا خاص حصہ ہے۔ تفصیل کے لئے ہماری کتاب سعادۃ الدارین کی طرف رجوع کیا جائے۔ بظاہر یہ حال اسی کارخانہ کا معلوم ہوتا ہے۔

ابو بصیر پر جرح کا جواب مؤلف نے ابو بشیر راوی پر جرح کی ہے۔ سو واضح ہو کہ ابو بشیر نامی جاندار کوئی راوی نہیں ہے۔ غالباً یہ کتابت کی غلطی ہے وہ کہنا ابو بصیر چاہتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ابو بصیر چند افراد کی کنیت ہے۔ جنکی تعداد ..... پانچ تک ملتی ہے۔ ان میں سے بعض قوی ہیں اور بعض ضعیف۔ تفصیل کے لئے کتاب سماء المقال فی تحقیق علم الرجال ج ۱ ص۹۷ تا ص۱۳۲ ملاحظہ فرمائیں۔ لہذا ایسے مشترک راوی کی اجمالی مذمت سے اصل مقصد پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ علاوہ بریں واضح ہے کہ اگر کسی غیر معصوم شخص سے کبھی کبھار کوئی عملی غلطی سرزد ہو جائے تو اس سے اس کی صداقت و ثقاہت مجروح نہیں ہوتی۔

حکم بن عتیبہ پر جرح کا جواب مؤلف نے شیعہ راویوں پر جرح کرتے ہوئے حکم بن عتیبہ کا بھی نام لیا ہے۔ مؤلف نے حکم کو شیعہ راوی کہہ کر اپنی علمیت اور دیانت کا بھانڈا چوراہے پر پھوڑا ہے۔ کیونکہ بالاتفاق حکم مذکور سنی المذہب ہے۔ موصوف نے رجال کشی کے جس صفحہ (ص۱۳۴) کے حوالہ سے اس پر جرح کی ہے۔ اسی صفحہ پر یہ وضاحت موجود ہے کہ "کان من فقہاء العامۃ" یعنی حکم بن عتیبہ اہلسنت کے فقہاء میں سے تھا۔ بایں ہمہ اسے شیعہ راوی ظاہر کر کے اس پر تنقید کرنا مولوی کرم الدین صاحب جیسے لوگوں کو ہی زیب دیتا ہے جنہوں نے دین و دیانت اور شرم و حیا کو تین بائن طلاقیں دے رکھی ہوں۔

احادیث اہلسنت کی اجمالی کیفیت اور اسی بیان حقیقت ترجمان سے مؤلف کے اس سب جا طعن کا جواب بھی واضح ہو جاتا ہے کہ "ایسی ایسی احادیث کتب شیعہ میں بھری ہیں جو کبھی عقل باور نہیں کر سکتی" مؤلف کے ترکش میں اس قسم کے جتنے تیر تھے وہ سب چھوڑ چکے ہیں اور سابقہ مباحث میں ہم بفضلہ تعالیٰ ان احادیث پر تبصرہ کر کے ان کا موافق عقل و شرع ہونا واضح کر چکے ہیں۔ خدا کے فضل و کرم سے ہماری احادیث عقل سلیم اور شرع قدیم کے عین مطابق ہیں یہاں

...نجفی (۲۴) تنقیح الرجال مامقانی (۲۶،۲۵) تحفۃ الاحباب ،فوائد رضویہ شیخ عباس قمی (۲۷) طبقات شیعہ آقائے بزرگ طہرانی (۲۸) قاموس الرجال قمی (۲۹) رجال آقائے خوئی النجفی الی غیر ذلک من الکتب الممتعۃ الکثیرۃ التی یضیق عن ذکرھا نطاق البیان۔

بعض کتب درایۃ الحدیث کے نام

اسی طرح فن درایۃ الحدیث میں بھی شیعوں کے علمی کارنامے سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں

اس فن میں سب سے پہلے حاکم نیشاپوری نے کتاب معرفۃ علوم الحدیث لکھی ہے (اور حاکم کو شاہ عبدالعزیز نے بستان المحدثین صفحہ ۱۱۴ پر اور نواب صدیق حسن خان نے منہج الوصول صفحہ ۱۲۵ پر شیعہ قرار دیا ہے) (۲) پھر سید جمال الدین احمد بن موسیٰ علی نے اس موضوع پر کتاب لکھی (۳) پھر جناب شہید ثانی نے البدایہ فی علم الدرایہ تصنیف فرمائی (۴) شیخ حسین بن عبدالصمد الحارثی نے رسالہ وصول الاخیار الی اصول الاخبار لکھا (۵) پھر ان کے فرزند جناب شیخ بہاؤالدین عاملی نے وجیزہ تحریر فرمایا (۶) شیخ ملا علی طہرانی نے توضیح المقال تالیف کی (۷) سید حسن صدر کاظمی نے شرح وجیزہ تحریر فرمائی (۸) حضرت شیخ عبداللہ مامقانی نے مقیاس الدرایہ لکھی (۹) شیخ ابن ابراصفہانی نے ہدیۃ المحدثین پیش فرمائی (۱۰) اور پھر فاضل قمی نے درایۃ الحدیث ضبط تحریر میں لائی اور اس طرح علماء شیعہ نے اس فن کو معراج کمال تک پہنچا دیا۔ شکر اللہ مساعیھم الجمیلۃ وجزاھم عن حمایۃ الحق ونصرۃ الدین خیر الجزاء فانہ لا یضیع اجر المحسنین باین ہمہ یہ کہنا کہ مذہب شیعہ میں تنقید رجال کا کوئی سامان نہیں الخ ..." کس قدر دروغ بے فروغ ہے لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔

اہلسنت کے بعض روایان اخبار کا بیان

اگرچہ یہ بحث پہلے ہی بہت طویل ہو گئی ہے مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جواب آں غزل کے طور پر اہلسنت کے بعض رویان اخبار کے حالات وکوائف سے ناظرین کرام کو روشناس کرا دیا جائے۔

نمبر ۱ ابوہریرہ

اہلسنت کا سب سے بڑا راوی جس سے قریباً ان کی دو ثلث روایات مروی ہیں وہ ابوہریرہ ہے اسکی حالت یہ تھی کہ (۱) معاویہ کی طرف سے حاکم مدینہ تھا (مرآۃ الجنان یافعی) (۲) روٹی معاویہ کے دستر خوان پر کھاتا اور نماز حضرت علی کے پیچھے پڑھتا اور جنگ صفین کے وقت بلند ٹیلے پر چڑھ کر تماشا دیکھتا تھا (سیرۃ حلبیہ) (۳) جناب عمر نے جھوٹی حدیثیں بیان کرنے پر ان کو درے لگائے (شرح ابن ابی الحدید) (۴) جناب امیرؑ کا ارشاد ہے رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب سے زیادہ جھوٹ باندھنے والا ابوہریرہ ہے (ایضاً) (۵) میزان الاعتدال صفحہ ۲۳۱ پر لکھا ہے کہ علامہ عثمان مقسم میری نے ابوہریرہ کو کاذب لکھا ہے۔ ان کے تفصیلی حالات دیکھنے کے شائقین کتاب ابوہریرہ اور شیخ المضیرہ کی طرف رجوع کریں)

۲

سمرہ بن جندب دوسرا راوی سمرہ بن جندب ہے جسے معاویہ کا گورنر تھا اپنے چند سالہ دورِ حکومت میں آٹھ ہزار مسلمان تہ تیغ کئے (ناسخ التواریخ کا نیہ صفحہ ۵۲ بحوالہ طبری) کان من شیعۃ معاویۃ یعنی سمرہ معاویہ کے پیروکاروں میں سے تھا (اصابہ ج ۲ صفحہ ۱۴۸) علامہ وحید الزمان نے المشرب الوردی صفحہ ۱۸۳ پر لکھا ہے "فی نفسی من سمرۃ شیئ لا اعتقد علی روایتہ" میرا دل سمرہ کی جانب سے صاف نہیں ہے اس لئے میں اس کی روایت پر اعتماد نہیں کرتا۔

۳

مروان بن حکم ایک راوی مروان بن حکم ہے جو دشمن خدا، دشمن رسول اور دشمن آل رسول ہے جیسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ھذا الوزغ بن الوزغ الملعون بن الملعون" (چھپکلی پسر چھپکلی اور ملعون پسر ملعون) فرمایا (صواعق محرقہ صفحہ ۱۰۸) اس مردود از لی اور اس کے منحوس خاندان نے اہلبیت نبوت پر مظالم کے جو کوہائے گراں گرائے وہ عیاں راچہ بیان کے مصداق ہیں تکاد السموت یتفطرن منہ۔

۴

عکرمہ اہلسنت کا ایک راوی عکرمہ ابن عباس کا غلام بھی ہے جس کی روایات صحاح ستہ میں موجود ہیں بہ اتفاق تمام ارباب سیر و تواریخ خارجی تھا اور کذاب و مفتری (ملاحظہ ہو معجم الادباء ج ۵ صفحہ ۸۲ وفیات الاعیان ج ۱ صفحہ ۳۲۰)

۵

ابراہیم بن محمد اسلمی ایک راوی ابراہیم بن محمد اسلمی ہے جس سے ابن ماجہ روایت لیتا ہے مگر ائمہ رجال نے اسے کذاب قرار دیا ہے۔ امام مالک اسے غیر ثقہ یحیی بن معین اسے کذاب اور احمد بن حنبل اسے متروک الحدیث قرار دیتے ہیں (تفصیل کے لئے تہذیب التہذیب بذیل ترجمہ موصوف ملاحظہ ہو)

۶

احمد بن محمد صاحب مغازی ابو داؤد کے رواۃ میں سے ایک راوی احمد بن محمد ہے جسے علامہ ذہبی نے یحیی بن معین کے حوالہ سے میزان الاعتدال میں کذاب کہا ہے۔

۷

اسماعیل بن ابی اویس اہلسنت کا ایک راوی جس کی روایات بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں موجود ہیں اسماعیل بن ابی اویس ہے۔ اسے یحیی بن معین سارق الحدیث، دولابی ضعیف اور مروزی کذاب قرار دیتے ہیں۔ تفصیل میزان الاعتدال میں موجود ہے۔

۸

مقاتل بن سلیمان اہلسنت کے ایک اور اہم راوی کا نام مقاتل بن سلیمان ہے۔ ارباب رجال سے

اسے کذاب، دجال اور مجسّم فرقہ سے شمار کیا ہے (تفصیل کے لئے تقریب ابن حجر عسقلانی دیکھی جا سکتی ہے)

۹
یعقوب بن ولید اہلسنت کا ایک راوی یعقوب بن الولید ہے جس کی روایات ترمذی اور ابن ماجہ میں موجود ہیں۔ مگر اہل فن اسے بڑے کذابین اور وضاعین حدیث سے شمار کرتے ہیں (تفصیل کے لئے میزان الاعتدال ذہبی ملاحظہ ہو)

۱۰
عمران بن حطان اہلسنت کے راویوں میں سے ایک عمران بن حطان خارجی بھی ہے جس سے بخاری روایت کرتے ہیں یہ وہ خبیث ہے جس نے حضرت امیرؑ کے قاتل کی تعریف میں اشعار کہے ہیں (الواجز الملغتہ) ہم بطور نمونہ مشتے از خروارے انہی چند راویان اہلسنت کے اجمالی کوائف بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں ورنہ ؎

سفینہ چاہیئے اس بحر بے کراں کے لئے

تفصیل کے لئے کتاب تنقید الرجال بخاری۔ اور استقصام الافحام وغیرہ کتب مبسوطہ دیکھی جا سکتی ہیں

نتیجہ بحث اب ناظرین بالانصاف فرمائیں کہ جس مذہب کا قرآن تاحال خدا کے پاس ہو اور راویان حدیث، کذاب، وضاع، ملعون، قاتل، سارق اور متروک الحدیث ہوں۔ ؏ آں مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم! ایسے باکمال راویوں کی روایات سے اگر "ستیارتھ پرکاش" "سفوات المسلمین" اور "رنگیلا رسول" جیسی ننگ انسانیت اور حیا سوز کتابیں مرتب نہیں ہوں گی تو اور کیا ہوگا۔ شرم۔ شرم۔ دوسروں پر زبان اعتراض دراز کرنے سے پہلے اپنے کارخانہ کے مال پر بھی ایک نگاہ ڈال لینی چاہیئے تاکہ بعد میں یہ نہ کہنا پڑے کہ ؏

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

روایت حدیث شیعہ کے ہاں روایت حدیث کا بھی عجیب طریق ہے الفاظ حدیث میں کمی بیشی کر لینے کا اختیار ہے۔ جس حدیث کو باپ سے سنا بیٹے سے (وبالعکس) ــــ روایت ہو سکتی ہے۔ یہ بھی اختیار ہے کہ حدیث کے الفاظ یاد نہ ہوں تو اول و آخر درمیان کے کچھ الفاظ لکھ کر حدیث کی روایت کی جائے ــــ یہ جملہ امور حدیث ذیل سے ثابت ہیں۔

(۱) (بحذف عربی) محمد بن مسلم نے کہا میں نے امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا کہ جو حدیث میں نے آپ سے سنی ہو کیا مجھے اس میں کمی بیشی کرنے کا اختیار ہے؟ آپ نے فرمایا

معلوم طرح روایت کرنا یکساں ہے۔ مگر میرے والد سے روایت کرنا بہتر ہے (اصول کافی ص۲۹)

(۳) ٥ (بحذف عربی) عبداللہ نے امام جعفرؑ سے کہا۔ میرے پاس لوگ حدیث سننے آتے ہیں اور میں بیان حدیث پر قادر نہیں ہو سکتا۔ آپ نے کہا اوّل وآخر اور درمیان سے حدیث بیان کر دیا کرو (اصول کافی ص۲۹)

(۴) (بحذف عربی) "احمد بن عمر حلال نے امام رضاؑ سے پوچھا۔ ایک شخص نے میرے احباب سے کوئی کتاب دی ہو اور یہ نہ کہا ہو کہ مجھ سے روایت کرو۔ کیا مجھے اس سے روایت کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ آپ نے کہا اگر تجھے معلوم ہے کہ کتاب اسی کی ہے تو اس کا روایت کرنا جائز ہے (اصول کافی ص۲۹) اب دیکھیے۔ اسنادِ حدیث میں اس قدر بے پرواہی کرنا روا ہو۔ تو حدیث کا کیا اعتبار؟ اصول کافی ص۳۶ پر رواۃ حدیث چار قسم کے بیان کیے گئے ہیں۔ اوّل منافق دوم مخطی ـــــ سوم مصیب (لیکن منسوخ حدیث بیان کرتا ہے) چہارم مصیب (جو حدیث غیر منسوخ بیان کرتا ہے) ـــــ پھر جب منافق اور مخطی اشخاص سے بھی روایت حدیث جائز ہے تو حدیث کس طرح معتبر سمجھی جائے گی؟ علاوہ ازیں چونکہ شیعہ مذہب میں تقیہ جائز بلکہ باعثِ ثواب ہے تو یہ پتہ لگنا مشکل ہے کہ راوی نے حدیث کو صدق دل سے ـــــ بیان کیا ہے یا کسی خوف اور مصلحت سے تقیۃً جھوٹ لکھ دیا ہے (آفتاب ص۲۱۶)

الجواب اس بندہ خدا پر ہمیشہ کو تعجب ہوتا ہے جو نہ اپنے مذہب کے حقائق سے واقف ہے اور نہ مذہب شیعہ کے معارف و دقائق سے اور کتاب لکھنے بیٹھ گیا ہے اور لایعنی اعتراضات کرکے اہل علم و دانش میں اپنی فضیحت و رسوائی سے بھی نہیں ڈرتا۔ ہاں البتہ فریب کاری و ابلہ فریبی اور عیاری میں ید طولیٰ رکھتا ہے سچ ہے کہ اذا لم تستح فاصنع ما شئت ـــــ اس عنوان کے ذیل میں موصوف نے مذہب شیعہ پر جو ایرادات کئے ہیں وہی خود اس کے مذہب پر وارد ہوتے ہیں ـــ اور فی الحقیقت ان میں کوئی بات بھی قابل اعتراض نہیں ہے۔ جیساکہ فنِ درایۃ الحدیث کے طالب علموں پر یہ بات مخفی نہیں ہے اسے کاش! ہم پر زبان اعتراض دراز کرنے سے پہلے مؤلف اس فن کی کوئی کتاب دیکھ لی ہوتی۔ (اور نہیں تو کم از کم شرح نخبۃ الفکر ہی پڑھ لی ہوتی جو مولوی فاضل کے کورس میں داخل ہے) مگر آہ کہ اسے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

حدیث کے نقل بالمعنیٰ کا جواز اس سلسلہ میں مؤلف نے جو پہلا اعتراض کیا ہے اسے اصطلاح میں "روایت بالمعنیٰ" کہا جاتا ہے جو اکثر علماء اہلسنت کے نزدیک

جائز ہے یہ پوری بحث شبلی نعمانی کے لفظوں میں سنیئے وہ اپنی کتاب سیرۃ النبی ج ۱ صے ۵۶ پر رقمطراز ہیں" ایک بڑا مرحلہ روایت بالمعنیٰ کا ہے یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یا صحابہ نے جو الفاظ فرمائے تھے بعینہ وہی ادا کرنے چاہیں یا ان کا مطلب ادا کر دینا کافی ہے؟ محدثین اس باب میں مختلف الرائے ہیں اور اکثروں نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر راوی اپنے الفاظ میں اس طرح مطلب ادا کرتا ہے کہ اصل حقیقت میں فرق نہیں پیدا ہوتا تو الفاظ کی پابندی ضروری نہیں ——— عام حالت یہی تھی کہ راوی حدیث کے مطلب کو اپنے الفاظ میں بیان کرتے تھے۔ صحیح ترمذی کتاب العلل میں سفیان بن عیینہ کا قول نقل ہے۔ ان قلت لکم انی احدثکم کما سمعت فلا تصدقونی انما ھو المعنیٰ۔ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ میں جو سنتا ہوں بعینہ وہی ادا کر دیتا ہوں تو تم میری بات نہ مانو۔ میں صرف مطلب ادا کرتا ہوں" (انتھیٰ کلامہ) اسی چیز کی امام نے محمد بن مسلم جیسے بابصیرت راوی کو اجازت دی ہے۔ بتلایئے اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟؟

روایت ۲ کا صحیح مفہوم | حدیث ۲ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب بھی واضح ہے چونکہ سب آل محمد علیہم السلام کے روایات وتعلیمات کا سرچشمہ ایک ہے اور وہ ہے قرآن وسرکار رسالت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان۔ ان سب کا قول وفعل ایک ہے نہ ان کے کردار میں اختلاف اور نہ گفتار میں افتراق اور ان کی یہ وہ عظیم فضیلت ہے جس کا علماء اہلسنت نے بھی اعتراف کیا ہے۔ کہ" قول واحد منھم قول باقیھم" یعنی ائمہ اہلبیت میں سے جو ایک کا قول ہوتا ہے وہ سب کا ہوتا ہے (دراسات اللبیب، لواقح الانوار شعرانی) اس لئے والد کی حدیث ولد کے نام سے اور ولد کی والد کے نام سے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہاں والد کے احترام کے خیال سے اگر بیٹے کی بیان کردہ حدیث بھی والد کے نام سے روایت کر دی جائے تو انسب ہے۔ فرمایئے یہ بات شریعت کے کس ضابطہ سے متصادم ہے؟ یا سعد الابل!

حدیث ۳ کا صحیح مطلب | حدیث نمبر ۳ میں وہ مطلب بیان کیا گیا ہے۔ جس کا تعلق بیان حدیث کے آداب سے ہے کہ ایک آدمی کے پاس دفتر حدیث موجود ہے شائقین سماعت موجود ہیں۔ مگر وہ بیان کرتے کرتے تھک گیا ہے تو اسے چاہیئے کہ اس دفتر کے اول، وسط اور آخر سے ایک ایک حدیث بیان کرکے اپنے سلسلۂ کلام کو ختم کر دے۔ اس طرح اس گلشن حدیث کی اجمالی سیر بھی ہو جائے گی اور محدث کو اکتاہٹ دتھکاوٹ بھی محسوس نہ ہوگی۔ فرمایئے اس میں کیا چیز قابل ایراد ہے؟ جبکہ اہلسنت کی کتب درایۃ الحدیث میں بھی بالکل ایسا ہی مرقوم ہے۔ فراجع۔

حدیث ۴ کے حقیقی معنی

حدیث ۴ میں جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ اسے علم درایۃ الحدیث کی اصطلاح میں "مناولہ" کہا جاتا ہے کہ ایک شخص فرداً فرداً روایات بیان کرنے کی بجائے اپنا ایک مجموعۂ احادیث دوسرے شخص کو دے دیتا ہے۔ اب اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ دیتے وقت صراحت کر دے کہ تم ان کو میرے نام سے روایت کر سکتے ہو۔ دوسری یہ کہ وہ مجموعہ حوالے کرتے وقت کچھ نہ کہے ــــــ! تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا وہ (دوسرا شخص) اس (پہلے شخص) کا حوالہ دے کر وہ احادیث بیان کر سکتا ہے یا نہ؟ پہلی صورت کے جواز میں تو کوئی کلام ہی نہیں اور دوسری صورت میں اکثر کا فتویٰ یہی ہے کہ یہ جائز ہے جبکہ یقین ہو کہ وہ مجموعہ حدیث اسی کا ہے اسی مطلب کو امام علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے۔ تفصیل کے لئے شرح نخبۃ الفکر وغیرہ کتب دیکھی جا سکتی ہیں۔ بتائیے اس مطلب پر اعتراض کر کے مؤلف نے اس فن سے اپنی ناواقفیت کے اظہار اور جہالت کے اقرار کے سوا اور کیا حاصل کیا ہے؟ سچ ہے ــــ

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد

میلش اندر طعنۂ پاکاں زند!

حدیث نمبر ۵ کا اصل مقصد

حدیث ۵ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ عقل و شرع کے عین مطابق ہے۔ راوی جس قدر ثقہ و صادق کیوں نہ ہو۔ اس سے غلطی کے صدور کے امکان کی نفی نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے بیان کنندہ کو چاہیئے کہ جب کوئی واقعہ نقل کرے۔ تو منقول عنہ کا نام ضرور لے۔ اس طرح یہ بری الذمہ ہو جائے گا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر ایرے غیرے نتھو خیرے سے سن کر بیان کر دے! جن جناب کا یہ قول ہے۔ انہی کا ارشاد ہے لا تحدّث الا عن ثقۃ فتکون کذاباً۔ جب بھی کچھ بیان کرو تو قابل وثوق آدمی سے کرو ورنہ کذاب قرار پاؤ گے نہج البلاغہ وکفی بالمرء کذبا ان یحدّث بکل ما سمع ــــــ اس میں کونسی بات قابل اعتراض ہے؟

اصول کافی والی روایت کا پس منظر

مؤلف نے اصول کافی ص۳۶ سے رواۃ حدیث کے چار اقسام والی جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے اگر ان میں سے حیاء و شرم کا کچھ بھی رمق ہوتا تو اس حدیث کا نام بھی زبان پر نہ لاتے مگر جب دل خوف خدا اور آنکھ شرم وحیا سے عاری ہو تو پھر آدمی آزاد ہوتا ہے جو چاہے کہے اور لکھے۔ اس حدیث کا لب لباب یہ ہے (جو بالتفصیل کتاب سلیم بن قیس، توحید شیخ صدوق اور اصول کافی میں موجود ہے) جناب سلمان محمد بن ...نے حضرت امیر کی خدمت میں عرض کیا۔ ہم لوگوں سے تفسیر قرآن ص

اور حدیثیں کچھ اور طرح سنتے ہیں اور آپ سے کچھ اور طرح۔ اس اختلاف کی وجہ کیا ہے؟ اس وقت بیان فرمایا۔ لوگوں کے پاس کچھ حق ہے۔۔۔۔ اور کچھ باطل ہے۔ کچھ ناسخ ہے اور کچھ منسوخ اور اس کی وجہ یہ سب ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرنے والے چار قسم کے لوگ تھے (۱) منافق (۲) مسلمان۔ کمزور ذہن (جو بھول جاتا ہے) (۳) مسلمان جاہل (جسے منسوخ کا علم نہیں) اور (۴) مسلمان عالم جسے سب حقائق کا علم ہے۔ لوگوں کے پاس آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث ان چار قسم کے لوگوں سے پہنچی ہیں۔ جس کی وجہ سے اختلاف رونما ہو گیا (پھر آنجناب نے اپنی ذات کو آخری چوتھی قسم میں سے شمار فرمایا ہے) اس روایت میں یہ کہاں لکھا ہے کہ منافق وغیرہ سے روایت حدیث جائز ہے؟ تاکہ ایراد وارد ہو بلکہ اس حدیث کو اگر اس پس منظر میں دیکھا جائے تو اس سے تو مؤلف کے صحابہ کرام کی اکثریت کا دین و دیانت و علم و فضل اور عقل و خرد سے تہی دامن ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مبارک باشد ؎

سنتے فروعت محکم آمد سنتے اصول
شرم بادا از خدا و از رسول

مؤلف نے آخر کلام میں تقیہ کی وجہ سے بھی احادیث شیعہ کو مشکوک بنانے کی ناکام کوشش کی ہے تو اس کے متعلق صرف اس قدر گذارش ہے کہ جب مذہب اہلسنت میں عند الضرورت جھوٹ بولنا واجب ہے (شرح مسلم نووی ج ۲ ص ۲۶۶) تو اب اس بات کا پتہ لگانا مشکل ہے کہ راوی نے سچے دل سے صحیح سمجھ کر بیان کیا ہے یا کسی خوف اور مصلحت سے ضرورۃً جھوٹ کہہ دیا ہے۔ مزید برآں جب اہلسنت کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احادیث و ارشادات دو قسم کے ہوتے تھے۔ ایک وہ جو بحیثیت نبی ہے کے فرماتے تھے (جن میں کسی قسم کی غلطی کا کوئی امکان نہیں ہوتا تھا) دوسرے وہ جو بحیثیت بشر و انسان کے کہتے تھے (جن میں ہر قسم کی غلطی اور سہو و نسیان کا امکان ہوتا تھا) تو اب جبکہ دونوں قسم کی احادیث باہم مخلوط (گڈمڈ) ہو گئی ہیں تو کس طرح یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ کونسی حدیث بحیثیت رسول ارشاد فرمائی ہے اور کونسی بحیثیت بشر؟ اس عقیدہ کی بنا پر کیا اہلسنت کا پورا دفتر حدیث مشکوک اور درجۂ اعتبار سے ساقط نہیں ہو جائیگا؟

؎ مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے
آئینہ دیکھیئے گا ذرا دیکھ بھال کے

— ۞ —

نہیں ہے جس حدیث کا موصوف نے یہاں اشارۃً حوالہ دیا ہے ہم نے اسکی اپنے مقام پر پوری تشریح کر کے اسکے زعم فاسد کا فساد آشکار کر دیا ہے۔ بہرحال اب جبکہ موصوف نے آخر کتاب میں بعض اختلافی مسائل کو چھیڑا ہے تو ہم بھی جواب میں حسب دستور کتب فریقین سے عقلی اور الزامی جوابات پیش کر کے واضح و آشکار کریں گے کہ صحیح اسلام روشن و درخشاں رہا ہے جس پر شیعیان حیدر کرار کار بند ہیں باقی عمر

جو کچھ بھی ہے وہ بندش وہم و خیال ہے

پہلا مسئلہ (نماز دست بستہ)

شیعہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہاتھ باندھ کر پڑھنے سے نماز ہوتی ہی نہیں اسلئے

اس مسئلہ پر عقلی و نقلی بحث کر کے قرآن و حدیث اور کتب شیعہ سے استدلال کر کے روشنی ڈالی جاتی ہے۔

عقلی دلیل

نماز عجز و نیاز کا نام ہے اس میں جلسہ، قعدہ، قیام اور رکوع و سجود وغیرہ جملہ حرکات و سکنات اظہار انکسار کے لئے کئے جاتے ہیں قد افلح المؤمنون الذین ھم فی صلوتھم خاشعون ——— دوسری جگہ ہے قوموا للہ قانتین۔ خدا کے حضور ادب و انکسار سے کھڑے ہو غرض نماز کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے معبود کے سامنے مؤدبانہ کھڑا ہو کر ذات کبریائی کی عظمت ——— کا اعتراف کرتے ہوئے زبان سے، جوارح سے اپنی عاجزی ——— کا اظہار کرے ——— ہر ذی عقل سمجھ سکتا ہے کہ طریق عجز و نیاز یہی ہے کہ دست بستہ کھڑے ہو کر اپنے رب العباد کے سامنے عرض و معروض کیا جائے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کرتے ہیں۔ ہر ایک شاہی دربار کا یہی آئین ہے ——— کوئی چھوٹا بڑے ——— کو خط لکھنا شروع کرے تو یوں لکھتا ہے کہ دست بستہ سلام کے بعد یوں عرض ہے ——— پھر جب اعلیٰ سرکار کے دربار میں ——— کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگیں تو عرفاً و اخلاقاً و شرعاً طریق ادب یہی ہے کہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوں یہ کوئی طریق ادب نہیں کہ ہاتھ کھولے ہوئے اکڑ کر کھڑے ہو جائیں ——— ہاتھ کھولے اکڑ کر سلیوٹ کرنا نصاریٰ کا آئین ہے ———

نقلی دلائل

پہلی دلیل:۔ قرآن میں ہے فصل لربک وانحر (خدا کی نماز ہاتھ باندھ کر پڑھ) نحر کے معنی کتب لغت میں ہاتھ باندھنے کے لکھے ہیں چنانچہ کتاب قاموس ج ۲ صفحہ ۳۴۲ ——— میں ہے نحر الرجل فی الصلوۃ انتصب ونحر

مطلق، حکم مشروط، وغیرہا۔ سائل کا کام ہے سوال کرنا۔ اب دانشمند مجیب کا کام یہ ہے کہ وہ حالات وظروف کا مکمل جائزہ لینے کے بعد جو جواب مناسب سمجھے وہ دے۔ ائمہ اہلبیتؑ جن ناسازگار حالات میں گھر کر شریعت مقدسہ کی شمع کو فروزاں کئے ہوئے تھے اور جن نامساعد حالات کا سامنا کر کے دین مبین کی نشر واشاعت کر رہے تھے۔ اس کا صحیح اندازہ یا وہ لوگ لگا سکتے ہیں جو اس دور میں موجود تھے۔ یا پھر کچھ اندازہ وہ لگا سکتے ہیں۔ جنہوں نے تعصب وعناد کی پٹی آنکھوں سے ہٹا کر اس دور کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے۔ مگر

دیدۂ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے؟

اموی وعباسی منحوس دور حکومت

بنی امیہ وبنی عباسیہ کا دور تاریخ اسلام کا وہ تاریک ترین دور تھا جس میں ائمہ اہلبیتؑ کے نام پر نام رکھنا گردن زدنی جرم تھا (ابن خلکان)، ان کے فضائل بیان کرنے سے زبانیں گدی سے کھنچوائی جاتی تھیں (تاریخ طبری) ان کے قبور مقدسہ کی زیارت کرنے پر پاؤں قلم کئے جاتے ہیں (تاریخ الخلفاء) اور آل رسولؐ سے مسائل دریافت کرنے پر تعزیریں لگتی تھیں (خزینۃ الجواہر)، ان حقائق کو مولوی کرم الدین جیسے لوگ کیا سمجھ سکتے ہیں۔ جن کا کام صرف پاکباز اور مقدس ہستیوں پر ایراد واعتراض کرنا ہے دیکھو سچ ہے کہ

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد

میلش اندر طعنۂ پاکاں زند

ائمہ اہلبیتؑ کی حکیمانہ روش ورفتار

بہر حال ان حالات کی روشنی میں اپنی اور اپنے نام لیواؤں کی جان کی حفاظت کرنا اور پھر اپنے جدِ نامدارؐ کی شریعت کی حفاظت اور اسکی نشر واشاعت کرنا ائمہ اہلبیت کا ہی کام تھا۔ اس لئے وہ حکمائے اسلام حالات کی نبضوں پر ہاتھ رکھ کر ہر شخص کو مناسب حال جواب دیتے تھے یعنی کسی کو حکم ظاہری بتاتے اور کسی کو واقعی، کسی کو عمومی تو کسی کو خصوصی و، و، وہ احکام اگرچہ بادی النظر میں بظاہر باہم متخالف و متعارض معلوم ہوتے تھے مگر فی الحقیقت ان میں کوئی اختلاف نہ ہوتا تھا۔ جیسے دو سائلوں کو اس سوال "کیا لحم خنزیر کھانا جائز ہے؟" کے دو مختلف جواب دیئے جائیں۔ ایک سے کہا جائے حرام ہے (یعنی عند الاختیار) اور دوسرے سے کہا جائے حلال ہے (یعنی عند الاضطرار) اس طرح حکم شرعی بھی بیان ہو جاتا تھا اور شیعوں کے اس ظاہری اختلاف سے حکومت یہ سمجھتی تھی کہ یہ شتر بے مہار کی طرح باہم اختلاف کر رہے ہیں۔ ان کا کوئی مرکز نہیں ہے۔ لہٰذا ائمہ اہلبیتؑ کی اس حکیمانہ روش ورفتار کی جس قدر مدح وستائش

کی جائے کم ہے! یہ کہنا بھی غلط ہے کہ تعارض کے وقت تساقط ہو جاتا ہے۔ بلکہ تعارض کے وقت کیا کرنا چاہیئے؟ اس کا جواب آنے والی اس حدیث میں موجود ہے۔ جسے مؤلف نے درج ذیل عنوان کے تحت نقل کیا ہے فانتظروا انی معکم من المنتظرین! مگر اس کا کیا علاج کہ ؎

چشم بد اندیش کہ بر کندہ باد
عیب نماید ہنرش در نظر!

اہلسنت سے عداوت ایک اور بات بھی از بس عجیب ہے جو بذمہ اہلبیت افترار کیا گیا کہ ان کا فتویٰ ہے کہ اہلسنت کا قول کیسا ہی کتاب اللہ و سنت الرسول کے مطابق ہو اسکی مخالفت کرنا چاہیئے جیسا کہ اصول کافی صد ۳۹ میں ہے ــــــ (بحذف عربی) راوی نے امام جعفر علیہ السلام سے کہا کہ اگر دو حدیثیں آپ سے مشہور ہیں اور ان کے راوی بھی ثقہ ہیں۔ تو کس کو لیا جائے؟ کہا جس کا حکم کتاب اللہ و سنت الرسول کے مطابق ہو اور عامہ (اہلسنت) کے مخالف ہو۔ اس کو لیا جائے ــــــ راوی نے کہا اگر دونوں حدیثیں کتاب و سنت سے ماخوذ ہوں اور اور ایک اہلسنت کے مطابق ہو اور دوسری مخالف ہم کس کو لیں۔ کہا جو اہلسنت کے مخالف ہو اس کو لینا بھلائی ہے میں نے کہا۔ اگر دونوں حدیثیں اہلسنت کے قول کے مطابق ہوں کہا پھر یہ دیکھا جائے گا ان میں سے جس کی طرف ان کے حکام اور قاضیوں کا میلان ہے اس کو چھوڑ دیا جائے اور دوسری پر عمل کیا جائے۔" جائے غور ہے کہ اہلبیت کو اہلسنت سے اس قدر دشمنی تھی کہ اگر ان کا قول مطابق کتاب اللہ و سنت الرسول ــــ بھی ہو تو پھر بھی حتی الامکان اس کی مخالفت ہی کرنا چاہیئے حاشا و کلا ــــــ انظر الی ما قال و لا تنظر الی من قال ایک مسلم مقولہ ہے یہ سب کچھ سبائی کمیٹی کی گھڑت ہے ــــــ (آفتاب صد ۳۱۸)

الجواب متنبی نے بالکل بجا کہا ہے۔ کہ ؎

وکم من عائب قولاً صحیحاً
وآفتہ من الفہم السقیم

اس حدیث کے حقیقی مطلب کی وضاحت مؤلف امام کے کلام کا جو کہ امام الکلام ہے مطلب سمجھتے نہیں اپنی ناسمجھی کی بنا پر فوراً اعتراض اور جڑ دیتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اس حدیث میں نہ تو اہلسنت کی مخالفت کا اقرار ہے اور نہ بیجا تعصب

اظہار۔ بلکہ امام علیہ السلام جن مشکلات و مصائب میں گھرے ہوئے تھے اور ان حالات میں جس طرح مختلف الفاظ و عبارات میں لپیٹ لپیٹ کر شرعی احکام بیان کرتے تھے (جس کی کچھ تفصیل سابقہ عنوان کے تحت بیان کی جا چکی ہے) ان کوائف میں اصل حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کا یہ بھی ایک ذریعہ ہے اور اسے صرف اتنی حیثیت حاصل ہے کہ بظاہر دو متعارض حدیثوں میں سے جو مسلک اہلسنت کے موافق ہے اسے نظر انداز کر دیا جائے کیونکہ یہ موافقت عامہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ روایت مقام تقیہ میں وارد ہوئی ہے اور اس پر عمل درآمد کیا جائے جو ان کے مخالف ہے کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ حکم واقعی کا بیان ہے اس حدیث میں یہ کہیں بھی مذکور نہیں کہ "اگر کوئی حدیث اہلسنت کے مطابق ہو تو اسے صرف اس موافقت کی وجہ سے چھوڑ دیا جائے۔ اگرچہ قرآن و سنت کے مطابق بھی ہو" ان ھذا الا بھتان عظیم۔

چوں نشنوی سخنِ اہل دل مگو کہ خطا است
سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجا است

اہل حق سے اہلسنت کی اندھی عداوت کی مثالیں

ضد اور اہل حق سے عناد یہ ہے کہ باوجود اہل سنت کہلانے کے اور ایک چیز کو سنت رسول تسلیم کرنے کے اسے محض اس لئے چھوڑ دیا جائے کہ اس پر شیعہ عمل کرتے ہیں لہٰذا اس پر عمل کرنے سے شیعوں سے مشابہت لازم آتی ہے۔

(۱) جناب شیخ عبد القادر گیلانی غنیۃ الطالبین ص۵۰ میں لکھتے ہیں کہ التختم بالیمین مسنون یعنی داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہننا سنت رسول ہے" پھر اپنے مریدوں کو حکم دیتے ہیں کہ ولکن تختموا بالیسار فان التختم فی الیمین شعار للمبتدعۃ الرافضۃ" تم بائیں ہاتھ میں پہنا کرو کیونکہ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا بدعتی رافضیوں کا طریقہ بن چکا ہے۔

(۲) ملا علی القاری شرح فقہ اکبر (ص۱۶۰ ج ۱) میں یہ ثابت کرنے کے بعد کہ حضرت علی کے نام کے ساتھ" علیہ السلام" کہنے میں کوئی لغوی و شرعی ستم نہیں ہے مگر پھر بھی کہنا نہیں چاہیئے کیونکہ ان قول علی علیہ السلام من شعار اھل البدعۃ" یعنی علی علیہ السلام کہنا بدعتی لوگوں (شیعوں) کی خصوصی علامت ہے۔

(۳) شیخ مناوی نے شرح شمائل ترمذی ج ۱ ص۱۶۶ میں تسلیم کیا ہے کہ عمامہ کی تحت الحنک رکھنا سنت نبوی ہے مگر آخر میں لکھا ہے وصار الیوم شعار الفقہاء الامامیۃ فینبغی تجنبہ یعنی چونکہ اب یہ شیعہ فقہاء کی علامت بن چکی ہے اس لئے اس سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

(۴) فاضل مقریزی نے خطط الاثار ج ۲ صفحہ ۳۸ طبع مصر میں تسلیم کیا ہے کہ مصر میں شاہانِ علویین چونکہ یوم عاشورہ کو یوم حزن وملال قرار دیتے تھے ان کے بعد جب بنی ایوب کی حکومت قائم ہوئی تو انہوں نے ان کی ضد میں اسے یوم مسرت وشادمانی قرار دیا۔ یہاں حقیقت اور ان کے ایجاد مذہب کو یہ مسئلہ مقولہ کیوں بھول جاتا ہے کہ انظر الی ما قال ولا تنظر الی من قال" اور کیوں اہل حق کی مجالس ومحافل میں شرکت کرنے اور ان کی باتیں سننے سے نکاح ٹوٹنے لگتے ہیں اور کیوں اہل حق کی ضد میں سنتِ رسول کو خیرباد کہدیا جاتا جاتا ہے ؟

اندکے غم دل باتو گفتم وبدل ترسیدم
کہ آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

تعزیہ ومرثیہ خوانی

واضح ہو کہ اسلام میں بدعات محرم کی ایجاد شیعہ سے ہے جو سنتِ یزید تازہ کرنے کے لئے سال بسال ماہِ محرم میں کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ شیعیان حسینؓ کے لئے نجات اخروی کے لئے کافی ہے سال بھر میں ایک دفعہ غم حسین میں سینہ کوبی کر لیں۔ ماتمی لوگ بغیر کسی پرسش کے سیدھے جنت میں چلے جائیں گے ۔۔۔۔ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے ۔۔۔۔ نماز، روزہ ۔۔۔۔ وغیرہ فرائض بھی ادا کئے ہیں یا نہیں؟ شیعوں کا یہ مسئلہ عیسائیوں کے مسئلہ صلیب سے کم نہیں ۔۔۔۔ ہم نے قرآن وحدیث اور دینی کتب کو چھان مارا ہے ہمیں اس مسئلہ کا کہیں کھوج نہیں مل سکا شیعوں کی اپنی کتابیں بھی اس مسئلہ کی سخت مخالف ہیں ۔۔۔۔ ہم شیعہ بھائیوں سے پوچھتے ہیں کہ تعزیہ مرثیہ خوانی کا شروع کس پیغمبر یا امام سے ہوا؟ ۔۔۔۔ ماننا پڑے گا سب کچھ بدعات محرمہ سے ہے اور بس ۔۔۔۔ جناب امیر علیہ السلام نہایت بے دردی سے ۔۔۔۔ شہید ہوئے حسنینؓ نے ان کے غم میں مجالس ماتم نہیں کیں پھر حضرت امام حسنؓ بھی زہر خورانی سے شہید کئے گئے حضرت حسینؓ نے ۔۔۔۔ غم میں کبھی ماتم نہیں کیا۔ حضرت زین العابدینؓ نے ۔۔۔۔ واقعۂ کربلا ۔۔۔۔ دیکھا تھا انہوں نے بھی ماتم نہیں کیا ۔۔۔۔ ایسا ہی دیگر ائمہ عظام نے بھی کبھی تعزیے نہیں نکالے ۔۔۔۔ اسلام میں پہلا سانحہ عظیم وفات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہوا۔ مگر اہلبیتؓ یا صحابہ نے کبھی نوحہ، بکا، مرثیہ خوانی اور سینہ کوبی کی رسم ہونے نہ دی اللہ تعالے نے جا بجا قرآن کریم میں مومنین کو صبر کی ترغیب دی ہے ۔۔۔۔ وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ ۔۔۔۔ اے رسول! ان

صبر کرنے والوں کو بشارت دیجیے کہ جب انہیں کوئی دکھ درد پہنچتا ہے کہتے ہیں ہم خدا کے لئے ہیں اور ہماری بازگشت اسی کی طرف ہے"۔ مسلمانوں کو ارشاد ہے یا ایھا الذین آمنوا استعینوا بالصبر والصلوۃ .... صبر اور نماز کے وسیلہ سے مدد مانگو پھر معلوم نہیں قرآن کے کس پارہ میں یہ آیت لکھی کہ کوئی واقعہ ہائلہ پیش آئے۔ سوانگ بنا کر خوب جزع فزع کرو۔ کپڑے پھاڑو۔۔۔ شاید اس قرآن میں یہ حکم ہو جو ستر ہزار آیت کا ہے۔

۔۔۔ اصول کافی صفحہ ۱۹ میں یہ حدیث ہے (بحذف عربی)" امام صادق نے فرمایا صبر ایمان کے بجائے سر ہے جب سر کٹ جائے تو بدن بے کار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب صبر چھوڑ دیا جائے تو ایمان جاتا رہتا ہے"۔ پھر جو لوگ برخلاف اس حدیث کے جزع فزع کرتے روتے پیٹتے ۔۔۔ ہیں بشہادت امام ۔۔۔ وہ بالکل بے ایمان ہیں۔ ائمہ نے جزع سے یہاں تک منع فرمایا کہ ۔۔۔ رانوں پہ ہاتھ مارنا بھی موجب حبط اعمال قرار دیا جیسا کہ فروع کافی ج ا صفحہ ۱۲۶ میں درج ہے عن ابی عبد اللہ قال رسول اللہ ضرب المسلم یدہ علی فخذہ احباط لاجرہ" اب برخلاف اس کے جو لوگ منہ پہ طمانچے رسید کرنا موجب ثواب سمجھتے ہیں وہ امام صادق کے قول کی تکذیب کرتے ہیں۔ اس بارہ میں قول فیصل جناب امیر علیہ السلام کا قول ہے جو نہج البلاغہ صفحہ ۱۹۲/۲۲۸ مطبوعہ طہران میں مندرج ہے (بحذف عربی)

"امیر علیہ السلام نے رسول پاک کے غسل اور تجہیز کے وقت فرمایا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ کی وفات سے وہ امور منقطع ہوئے ہیں جو کسی اور کی وفات سے نہ ہو سکتے تھے۔ وہ امور نبوت اور آسمانی وحی ہیں۔ آپ ایسے خاص ہوئے کہ ماسوا کے سے قطع کر دیا۔ اور آپ کا فیض ایسا عام ہوا کہ تمام لوگ اس سے یکساں مستفیض ہوئے۔ اگر آپ نے ہمیں صبر کرنے کا حکم اور جزع فزع سے منع نہ کر دیا ہوتا تو آج ہم آپ کی وفات پر اتنا روتے کہ رطوبت بدن خشک ہو جاتی۔ دیکھئے جناب امیر علیہ السلام کا ایسے دردناک موقعہ وفات رسول پر جزع فزع چھوڑ کر صبر سے کام لینا۔۔۔ اس امر کی فیصلہ کن دلیل ہے کہ بعد الرسول اور کسی شخص ۔۔۔ پر جزع فزع کرنا ۔۔۔ ہرگز جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وفات رسول سے بڑھ کر کوئی سخت صدمہ مسلمان کے لئے ۔۔۔ ہو نہیں سکتا ۔۔۔ پھر ایسے دردناک وقت میں جزع فزع اور سینہ کوبی تو کیا آنسو بہانے کو بھی خلاف صبر تصور کر کے صبر و تحمل سے کام لیا گیا تو پھر کس طرح کسی اور شخص کی وفات یا شہادت پر اس کے

خلاف سرد ناپیٹنا اور سینہ کوبی کرنا روا ہوسکتا ہے جناب امیرؑ اور حضرت امام جعفر صادقؑ کے فیصلہ جات ہیں جن پر شیعہ مذہب کا دارومدار ہے۔ اس لئے شیعہ کو سر تسلیم خم کرنے کے بغیر ہرگز چارہ نہیں۔ ؎

گل و گلچیں کا گلہ بلبل خوش لہجہ نہ کر
تو گرفتار ہوئی اپنی صدا کے باعث

(آفتاب صفحہ ۳۲)

الجواب

اس بیان نافرجام میں عزاداری فرزند خیر الانامؐ کی جس ناصبیانہ انداز میں مخالفت کی گئی ہے وہ ارباب ایمان پر واضح و عیاں ہے۔ اگر بالفرض بقول مؤلف کے یہ بدعت ہے تو دوسرے اسلامی ممالک کی طرح اس ملک میں بھی بدعات تو اور بھی بہت ہیں۔ ان کے خلاف کیوں صدائے احتجاج بلند نہیں کی جاتی؟ جب بھی یہ "انکر الاصوات" بلند ہوتی ہے تو صرف عزاداری سیدالشہداءؑ کے خلاف اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ؎

کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

عزاداری سیدالشہداءؑ کے بعض فوائد کا بیان

یہ لوگ جانتے ہیں کہ شیعہ مذہب کی دن دونی اور رات چوگنی ترقی کا راز اسی عزاداری سیدالشہداءؑ کے اندر پنہاں ہے کہ ہر سال سینکڑوں غیر شیعہ افراد مذہب حق اختیار کرتے ہیں اور شیعوں کا کوئی طفل نادان بھی اس مذہب کو ترک نہیں کرتا۔ (اس حقیقت کا اعتراف غیر مسلمان مفکر ڈاکٹر جوزف فرانسیسی نے بھی اپنے رسالہ "الاسلام والمسلمون" کے اندر کیا ہے) بلکہ حقیقت حال اس سے بھی بالاتر ہے یعنی اسلام کی بقا اور شریعت اسلامیہ کی نشو و نما سب سرکار امام حسینؑ کی شہادت اور ان کی عزاداری کی مرہون منت ہے جیسا کہ مشہور مؤرخ میسور ماربین آلمانی (جرمنی) نے اپنے رسالہ "السیاسۃ الاسلامیۃ" کے اندر اس کا اقرار کیا ہے۔ سچ ہے ؎ حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسینؑ۔ اگر شیعیان علیؑ ہر سال مراسم عزا کو علانیہ ادا نہ کرتے۔ تو نہ معلوم اب تک کس قدر میرزا حیرت دہلوی آنجہانی پیدا ہو چکے ہوتے جو قسمیں کھا کھا کے کہتے کہ شہادت حسینؑ کا کوئی واقعہ عمل میں آیا ہی نہیں۔ یہ سب فرضی افسانہ ہے۔ یہ کس طرح باور ہو سکتا ہے کہ رسولؐ کے کلمہ گو ان کے فرزند دلبند کو بے دردی سے شہید کر کے ان کی مخدرات کو دیار و امصار میں تشہیر کریں یہ سچ ہے کہ ؎

یکہ حسین نیست گو گرد و شہید
ورنہ بسیار اند در عالم یزید

عزاداری کی مخالفت کرنے والوں کا انجام

مؤلف آفتاب سے پہلے ہزاروں دشمنانِ حسینؑ و حسینیت عزاداری کی حرمت کا فتویٰ دیتے رہے اور ویلعوم علی الواعظ وغیرہ ذکر مقتل الحسن والحسین ، صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۳ طبع مصر قدیم) کا داغ ان سینہ رہے مگر نتیجہ کیا نکلا؟ تاریخ اسلام کے اوراق گواہ ہیں کہ مراسم عزا کو ختم کرنے والے خود حرف غلط کی طرح صفحہ ہستی سے مٹ گئے مگر عزاداری تاحال پہلے سے بھی زیادہ شان و شوکت کیساتھ منائی جارہی ہے اور قیامت تک اسی آب و تاب سے منائی جاتی رہے گی (انشاء اللہ)

؎ خدا شاہد مٹ نہ سکا نام تیرا اے مولاؑ

مٹ گئے آپ ہی تجھ کو مٹانے والے

ایسا کیوں ہوا؟ صرف اس لئے کہ وہ اس شمع کو گل کرنا چاہتے تھے۔ جسے خدا نے ہمیشہ فروزاں رکھنے کا حتمی فیصلہ کیا ہوا ہے۔

؎ چراغے راکہ ایزد بر فروزد
اگر کس پف کند ریشش بسوزد

واللہ متم نورہ ولو کرہ المشرکون۔ یہ بات ناقابل فہم ہے کہ ہم روتے ہیں تو اپنی آنکھوں سے اسیا کیا کرتے ہیں تو اپنے ہاتھوں سے پیسہ صرف کرتے ہیں تو اپنی جیبوں سے پھر معلوم نہیں ان فتوی فروشوں کو کیا تکلیف ہوتی ہے؟ کہ گلے پھاڑ پھاڑ کر اسکی مخالفت کرتے ہیں۔ ولنعم ما قیل

؎ نمی دانم ز منع گریہ تفعے چیست ناصح را

دلی از من دیدہ از من گریباں از من

اگر اس سے کسی کے بزرگوں کے ظلم و ستم کا پردہ چاک ہوتا ہے تو ہوتا رہے اگر کوئی ظالم بے نقاب ہوتا ہے تو ہوتا رہے ؎

روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں؟

لایحب اللہ الجہر بالسوء من القول الا من ظلم۔

تلقین صبر کرنے والوں سے ایک سوال

ہمیں قرآن کریم کی آیات اور پیغمبر و آل پیغمبر کی روایات پڑھ کر صبر کی تلقین کی جاتی ہے، صبر کے فضائل سنائے جاتے ہیں۔ مگر ہم ان حضرات سے صرف یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ انہوں نے کبھی صبر کے معنی و مفہوم پر بھی غور کیا ہے؟ کہ اسکے معنی کیا ہیں؟ اور کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ آیا رونا بے صبری ہے؟ یقین جانیئے

کہ اگر صبر کے مفہوم پہ غور کریں کہ اسے سمجھنے کی کوشش کی جاتی تو رونے کے خلاف کبھی سنانِ قلم و زبان حرکت میں نہ آتے!

صبر کے معنی کی تحقیق

صبر کے معنی ہیں "کف النفس عما لا ینبغی" یعنی ناشائستہ بات اور بے جا اعتراض سے نفس کو روکنا" اسی بنا پر جناب خضر نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا انک لن تستطیع معی صبرا کہ تم صبر نہیں کر سکو گے! کیا مطلب؟ تم روؤ گے؟ نہیں! بلکہ مطلب یہ کہ تم بے جا اعتراض کرو گے؟ چنانچہ بعد میں ایسا ہی ہوا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کسی مرنے والے کے غم والم میں اشکِ غم بہانا بالخصوص جبکہ وہ کشتۂ جور و جفا ہو، ناشائستہ حرکت ہے؟ اور ایسا کرنے سے آیا خدا پر کوئی اعتراض عائد ہوتا ہے؟ حاشا و کلا!

غم کے وقت رونا فطری تقاضا ہے

مصیبت کے وقت رونا اور آنسو بہانا ایک فطری تقاضا ہے یہی وجہ ہے کہ جو شخص شدتِ غم کے وقت نہ روئے اس کے دل یا دماغ کے فیل ہونے کا اندیشہ دامنگیر ہو جاتا ہے اور بڑے بڑے لطائف الحیل سے ایسے شخص کو رلانے کی کوشش کی جاتی ہے اور جب خوب دل کھول کر رو لیتا ہے تو اس کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے اور طبیعت سنبھل جاتی ہے بنا بریں اگر رونا اسلام میں ممنوع ہے تو پھر (العیاذ باللہ) دینِ اسلام دینِ فطرت نہیں رہے! اور اگر اسلام دینِ فطرت ہے اور یقیناً ہے، تو وہ ہرگز رونے کی مخالفت نہیں کر سکتا! فطرة اللہ التی فطر الناس علیها لا تبدیل لکلمات اللہ۔

رونا بے صبری نہیں بلکہ رحمت ہے

یہ رونا تو رقتِ قلب کی علامت ہے جو رحمتِ خداوندی ہے جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ جب جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے فرزند ابراہیم کی وفات کے وقت زار و قطار رو رہے تھے تو عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا انت وابکاء یا رسول اللہ؟ یا رسول اللہ! آپ روتے ہیں؟ فرمایا: یا ابن عوف انها رحمة اے پسر عوف! یہ تو رحمت خداوندی ہے پھر فرمایا ان العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول الا ما یرضی ربنا وانا بفراقک یا ابراهیم لمحزونون۔ آنکھ اشکبار ہے۔ دل غمناک ہے لیکن زبان سے وہی بات کہیں گے جو ہمارے رب کو راضی کرے۔ اے ابراہیم! ہم تیرے فراق میں اندوہناک ہیں" اس سے معلوم ہوا کہ رونا بے صبری نہیں بلکہ رحمتِ ایزدی ہے۔ ہاں بے صبری یہ ہے کہ زبان سے کچھ ایسے کلمات ادا کئے جائیں جن سے خدا اور اس کی قضا و رضا پر اعتراض ہوتا ہو۔

گریہ سنتِ انبیاء ہے

اسلامی آیات و روایات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصائب و نوائب

کے وقت گریہ وبکا کرنا انبیاء و مرسلینؑ کا طریقہ ہے ـــــ بطور نمونہ ذیل میں چند واقعات پیش کئے جاتے ہیں

(۱) تاریخ طبری ج ۱ صہ۷ کامل ابن الاثیر ج ۱ صہ۲ پر لکھا ہے کہ جب قابیل نے حضرت ہابیل کو قتل کیا۔ تو حضرت آدمؑ روئے اور یہ مرثیہ کہا

تغیرت البلاد ومن علیها　　فلون الارض مغبر قبیح

تغیر کل ذی طعم ولون　　وقل بشاشة الوجه الملیح

(۲) حضرت یعقوبؑ فراق یوسف میں اس قدر روئے کہ بینائی جاتی رہی (وابیضت عیناه من الحزن فهو کظیم) (پ۱۳ س یوسف ع ۴) مؤلف نے یہاں بھی اپنے روایتی عقل وعلم کے گل کھلاتے ہوئے لکھا ہے کہ "حزن کی وجہ سے بصارت زائل ہوئی تھی نہ رونے سے" اس اللہ کے بندے کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ ایک تو حزن وملال اور گریہ وبکا لازم وملزوم ہیں۔ دوسرے تفاسیر اہلسنت میں بڑی صراحت موجود ہے کہ اسی برس تک جنابؑ یعقوبؑ کی آنکھ خشک نہیں ہوئی تھی اسی سال تک برابر دل میں حزن اور آنکھ میں آنسو تھے۔ حتی کہ روتے روتے بصارت زائل ہوگئی۔ چنانچہ تفسیر ابن جریر ج　ص　میں حسن بصری سے منقول ہے کہا "کان منذ خرج یوسف من عند یعقوب الی یوم رجع ثمانون سنة لم یفارق الحزن قلبه یبکی حتی ذهب بصره" اور تفسیر کشاف ج　ص　وتفسیر نیشاپوری ج　ص　میں ہے "ما جفت عینا یعقوب من وقت فراق یوسف الی حین فراقه ثمانین عاما" (مطلب وہی ہے جو اوپر مذکور ہے) ـــــ کہا جاتا ہے کہ خدا نے ان کو "کظیم" (ضبط کرنے والا) کہا ہے! اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بلند آواز سے رونا ممنوع نہیں ہے! یہ خیال غلط ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگوں سے خدا کا شکوہ وشکایت نہیں کرتے تھے اپنے رنج وملال کا تذکرہ اپنے رب ذوالجلال سے کرتے تھے جیسا کہ خدا نے ان کا قول نقل کیا ہے انما اشکو حزنی وبثی الی اللہ۔ ورنہ ان کا بلند آواز سے "وا اسفا علی یوسف" کہہ کر ندبہ کرنا قرآن سے ثابت ہے۔ فتدبر۔

(۳) سیرت حلبیہ ج ۲ صہ۲۶ طبع مصر میں جناب ابن مسعود سے روایت ہے وہ کہتے ہیں ما رأینا رسول اللہ باکیا اشد من بکائه علی حمزة وضعه فی القبلة ثم وقف علی جنازته وانتحب حتی نشق ای شهق حتی بلغ الغشی یقول یا عم رسول اللہ! واسد اللہ واسد رسول اللہ یا حمزة یا فاعل الخیرات یا حمزة یا کاشف الکربات یا ذاب یا مانع عن وجه رسول اللہ یعنی جس قدر جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ حضرت حمزہ پر روئے اتنا ہم نے کبھی آنحضرت صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا (گو پہلے بھی روتے رہتے تھے) آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے جنازہ کو بجانب قبلہ رکھ دیا اور پھر رونا شروع کیا۔ کثرت گریہ سے چیخیں نکل گئیں یہاں تک کہ روتے روتے غش تک نوبت پہنچ گئی پھر کہنا شروع کیا اے رسول کے چچا! اے خدا اور اس کے رسول کے شیر ۔۔۔۔۔ اسی طرح جب ایک ہی سال میں جناب خدیجۃ الکبریٰ رضؓ اور حضرت ابوطالب رضؓ کا انتقال پُر ملال ہوا تو جناب رسولِ خدا نے ان پر اس قدر گریہ و بکا اور رنج و ملال کا اظہار کیا کہ اس سال کا نام ہی "عام الحزن" رکھ دیا (تاریخ طبری وغیرہ)

شہید پر گریہ و ماتم

کہا جاتا ہے کہ شہید بنصِ قرآن زندہ ہوتے ہیں پھر زندہ پر گریہ و بکا اور ماتم کرنا چہ معنی دارد؟ اس ایراد کا پہلا حلی و تحقیقی جواب تو یہ ہے کہ

؎ توہین و مصائب پہ بہا دیتے ہیں آنسو
ہم زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

ہاں البتہ یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ قاتل کبھی مقتول کا ماتم نہیں کرتے۔ اور الزامی جواب یہ ہے کہ کیا حضرت یوسف زندہ نہ تھے؟ پھر جناب یعقوب ان کے غم میں اسی برس کیوں روتے؟ اور جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حمزہ سید الشہداء پر کیوں اس قدر گریہ و بکا فرمایا کہ غش تک نوبت پہنچ گئی؟ ـــــ بلکہ صرف خود ہی گریہ و بکا کرنے پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ انصار کی مستورات کو جمع کرا کے جناب حمزہ پر گریہ و بکا کرایا۔ چنانچہ تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۷ مسند امام احمد بن حنبل ج ۲ ص ۴۰، استیعاب ابن عبدالبر، العقد الفرید، سیرت حلبیہ، مدارج النبوۃ وغیرہ کتب میں مرقوم ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگِ احد سے واپس مدینہ پہنچے اور انصار کے گھروں کے پاس سے گذرے اور سنا کہ انصار کی عورتیں اپنے مقتولین پر گریہ و بکا اور نوحہ و فغاں کر رہی ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روتے ہوئے فرمایا ولکن حمزۃ لا بواکی لہ کیا میرے چچا حمزہ پر رونے والی کوئی نہیں ہے؟ یہ سن کر انصار نے اپنی مستورات کو حکم دیا کہ پہلے حمزہ کے گھر جا کر گریہ و نوحہ کریں۔ چنانچہ جب مسجد سے واپس یہاں کی آواز آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گوش گذار ہوئی تو دعا دیتے ہوئے فرمایا رضی اللہ عنکن وعن اولادکن خدا تم سے اور تمہاری اولاد سے راضی ہو۔ پھر حکم دیا کہ اپنے گھروں کو لوٹ جائیں۔ اس واقعہ کے بعد اہل مدینہ کا یہ دستور ہو گیا تھا کہ جب بھی کسی مرنے والے پر گریہ و نوحہ کرتے تو اس کی ابتداء جناب حمزہ پر رونے سے کی جاتی۔ (واللفظ للسیرۃ الحلبیۃ)

ان حقائق سے واضح و آشکار ہو گیا کہ شہید پر گریہ و بکا اور نوحہ و ماتم کرنا جائز ہے: وہو المقصود ـــــ

اس امر کی تائید مزید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ شرح نہج البلاغہ (حدیدی) ج ۳ ص ۳۹۶ طبع مصر میں لکھا ہے کہ جناب سیدہؑ کا یہ معمول تھا کہ ہر دوسرے تیسرے روز شہداء احد پر جا کر گریہ و بکا فرماتی تھیں۔ باایں ہمہ جن لوگوں کو اس بات پر اصرار ہے کہ چونکہ شہید زندہ ہوتے ہیں اس لئے زندہ پر گریہ و ماتم جائز نہیں ہے۔ تو ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کیا زندہ کی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے؟ کیا زندہ کو دفن کرنا جائز ہے؟ کیا زندہ کی میراث تقسیم کرنا جائز ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں تو پھر ہم پوچھتے ہیں کہ جب شہید زندہ ہوتے ہیں تو تم انکی جنازہ کیوں پڑھتے ہو؟ انہیں دفن کیوں کرتے ہو؟ اور انکی میراث کیوں تقسیم کرتے ہو اور ان کی بیوگان عقد کیوں کرتے ہو؟ فما ھو جوابکم فھو جوابنا؟ اور اگر وہاں یہ کہتے ہیں کہ وہ زندہ تو ہیں مگر ہمیں ان کی زندگی کا شعور نہیں (جیسا کہ ارشاد قدرت ہے ولکن لا تشعرون۔ تو ہم بھی عرض کریں گے کہ ہم ان زندہ جاوید کا ماتم کرتے ہیں جنکی زندگی کا ہمیں شعور نہیں۔ وان کی زندگی ہماری ظاہری مادی زندگی کی طرح نہیں ہے۔ وھوا وضح من ان یخفیٰ۔

مرثیہ و نوحہ کا جواز

مرثیہ اور نوحہ کیا ہے؟ نظم میں مرنے والے کے محاسن و محامد بیان کر کے گریہ و بکا کرنا۔ گریہ و بکا کا جواز پہلے ثابت کر دیا گیا ہے اور کلام خواہ نثر ہو اور خواہ نظم۔ اگر اس میں غلط بیانی سے کام نہ لیا جائے تو اس کے جواز میں کیا کلام ہو سکتا ہے؟ ہر چیز میں اصل جواز ہے۔ جب تک اسکی حرمت کی کوئی قطعی دلیل موجود نہ ہو۔ منصف مزاج علماء اہلسنت نے بھی اس بات کا اقرار کیا ہے۔ چنانچہ علامہ وحید الزمان تیسیر الباری اردو ترجمہ صحیح بخاری پ ۵ ص ۴۳ پر لکھتے ہیں "اور اصل یہ ہے کہ فی نفسہ مرثیہ کہنا کچھ ممنوع نہیں ہے ---- نفس مرثیہ کی تالیف صحابہ سے ماثور ہے۔ حضرت فاطمہ فرماتی ہیں ؎

ماذا علی من شم تربۃ احمدؐ ؛ ان لا یشم مدی الزمان غوالیا

صبت علیّ مصائب لو انہا ؛ صبت علی الایام صرن لیالیا

(کذافی روضۃ الاحباب ج ۱ ص ۴۱)

(۲) تاریخ طبری ج ۴ ص ۴۹ (حوادث ۱۳ھ) میں روایت کی گئی ہے کہ "لما توفی ابو بکر اقامت علیہ عائشۃ النوح" یعنی جب جناب ابوبکر کی وفات ہوئی تو حضرت عائشہ نے ان پر نوحہ گر عورتوں سے نوحہ کرایا۔ بنابریں نوحہ گری کی حرمت کا فتوےٰ دینے والوں کو پہلے جناب عائشہ پر فتوےٰ لگانا چاہیے مگر یہ سوچ لیں کہ ان کو یہ سودا مہنگا پڑے گا۔

(۳) صحابہ کرام کے مراثی سے کتب سیر و تواریخ لبریز نظر آتی ہیں۔ سیرت ابن ہشام میں شہداء احد پر بالعموم اور جناب حمزہ پر بالخصوص جناب صفیہ بنت عبدالمطلب، کعب بن مالک انصاری

حسان بن ثابت کے مراثی موجود ہیں اسی طرح اور شہداء کے مراثی بھی انہی کتب میں مذکور ہیں۔ اگر شیعہ علی حضرت امام حسینؑ کے مرثیے پڑھتے ہیں تو اس میں کیا قباحت ہے؟ حضرت آدمؑ کا مرثیہ قبل ازیں نقل کیا جا چکا ہے۔ وفات پیغمبرؐ پر صحابہ کرام کے جگر گداز مراثی کتب سیر و تواریخ میں موجود ہیں جن میں ابوبکر و عمر کے مراثی بھی شامل ہیں۔ عقد فرید، استیعاب، سیرت ابن ہشام اور روضۃ الاحباب وغیرہ کتب ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

ماتم و سینہ کوبی کا جواز

مؤلف نے دوسرے مناظرین اہلسنت کی طرح زیادہ زور بیان ماتم و سینہ کوبی کے خلاف صرف کیا ہے تو اس کے متعلق پہلی قابل توجہ چیز تو یہ ہے کہ ہر چیز میں اصل جواز و اباحت ہے۔ چنانچہ درمختار ج ۵ ص۳۶۲ طبع مصر میں لکھا ہے "لیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ تعالیٰ باثبات الحرمۃ او الکراھۃ الذین لا بد لھما من دلیل" یعنی یہ بات احتیاط کے خلاف ہے کہ بلا دلیل خدا پر افترا پردازی کرتے ہوئے کسی چیز کو حرام یا مکروہ قرار دیا جائے۔ اسی طرح تفسیر خازن ج ۲ ص۱۸۶ طبع مصر بذیل آیت کلوا واشربوا ولا تسرفوا لکھا ہے "وفی الآیۃ دلیل علی ان جمیع المطعومات والمشروبات حلال الا ما خصہ الشرع بدلیل فی التحریم لان الاصل فی جمیع الاشیاء الاباحۃ الا ما حظرہ الشارع وثبت تحریمہ بدلیل منفصل"۔ یعنی اس آیت میں اس امر پر دلیل ہے کہ تمام کھانے پینے کی چیزیں حلال ہیں سوائے اس کے جسے شریعت حرام قرار دے کیونکہ ہر چیز میں اصل اباحت و جواز ہے جب تک شریعت اسے حرام قرار نہ دے اور مستقل دلیل سے اسکی حرمت ثابت نہ ہو۔ لہٰذا جب تک کسی چیز کی حرمت پر کوئی شرعی دلیل قائم نہ ہو اس وقت تک اس فعل کو مباح سمجھا جائے گا۔ بنابریں ماتم کو مباح تصور کیا جائے گا کیونکہ اسکی حرمت پر کوئی شرعی دلیل قائم نہیں ہے!

جزع فزع والے ایراد کا جواب

اگر یہ کہا جائے کہ جو حدیثیں جزع فزع کے ناجائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ وہی سینہ کوبی کی حرمت کی دلیل بھی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان روایات میں عموم پایا جاتا ہے اور علم اصول فقہ میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ "ما من عام الا وقد خص" ہر عموم قابل تخصیص ہوتا ہے بلکہ یہ عموم تخصیص خوردہ ہے۔ لہٰذا یہاں بھی ان عمومی روایات کی۔ قطع نظر ان کی سند سے کہ ان میں ایک بھی صحیح السند نہیں ہے، دوسرے مخصص روایات موجود ہیں چنانچہ وسائل الشیعہ، الفصول المہمہ فی اصول الائمہ، امالی شیخ طوسی اور کامل الزیارۃ ابن قولویہ میں حضرت امام محمد باقرؑ و حضرت امام جعفر صادقؑ سے (جن سے جزع فزع کی ممانعت کی روایات شیعی کتب میں مروی ہیں) منقول ہے کہ "کل الجزع والفزع قبیح الا علی الحسین" یعنی ہر جزع فزع قبیح ہے۔ سوائے حسین مظلوم

کے غم کے بنا بریں معلوم کربلا پہ جو شعر نظر پڑ کتا اس عموم سے مستثنیٰ متصور ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۹۷ کامل ج ۲ ص ۱۲۳ مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۲۷۴ اور سیرت ابن ہشام ص ۳۱۷ ج ۲ طبع مصر قدیم سیرۃ حلبیہ ج ۳ ص ۳۹۲ طبع مصر قدیم وغیرہ میں جناب عائشہ کا یہ فعل مروی ہے کہ وہ بیان کرتی ہیں کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی تو ان کا سر میری گود میں تھا فلما توفی وضعت راسہ علی وسادۃ وقمت مع النساء التدم صدری واضرب وجھی جب ان کی روح مقدس قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی تو میں نے ان کا سر اٹھا کر تکیہ پر رکھ دیا اور عورتوں کے ساتھ کھڑی ہوکر منہ اور سینہ پر پیٹنے لگی"۔ اب تو ثابت ہوگیا کہ سینہ کوبی اور منہ کوبی صحابیات اور ازواج النبیؐ کا فعل ہے۔ اب کم از کم کسی اہلسنت کو تو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے ــــ اب فتویٰ بازوں کو پہلے یہ سوچ لینا چاہئے کہ ع

اس میں کچھ پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں

ایک اعتراض کا جواب

اگر اس مقام پہ یہ کہا جائے کہ جب حضرات شیعہ ان ازواج النبیؐ کے فعل کو سند نہیں سمجھتے تو پھر وہ کیونکر اس فعل کو حجت جانتے ہیں تو جواب میں یہ کہا جائے گا کہ اگر شیعہ ان کے فعل کو سند نہیں سمجھتے تو اہلسنت تو سمجھتے ہیں۔ لہٰذا ان کی تسلی کیلئے ان کا فعل کافی ہے اور شیعیان حیدر کرار کے لئے شہادت امام کے بعد تاراجی خیام کے وقت علی و بتول کی لاڈلیوں کا ماتم کرنا سند و ثبوت کیلئے کافی ہے جیسا کہ عاشر بحار الانوار معہ ساکبہ اور نفس المہموم وغیرہ کتب مقاتل میں مذکور ہے۔

وفات پیغمبر خدا اور صحابہ کبار کی حالت زار

یہ کہنا بھی بے خبری کی دلیل ہے کہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات حسرت آیات کا صحابہ کرام پہ کوئی اثر نہیں ہوا۔ کتب تاریخ شاہد ہیں کہ اس حادثہ عظمیٰ پر صحابہ نڈھال ہو گئے تھے اور روتے روتے بے حال اور بعض تو صدمہ نابینا ہوگئے (مدارج النبوۃ ص ۸۹۹، ماثبت بالسنہ ص ۱۱۹) بعض صحابیات شدت صدمہ سے جاں بحق ہوگئیں (مدارج النبوۃ ص ۱۱۳) بعض عقل و خرد سے ہاتھ دھو بیٹھے (الملل والنحل) اور جناب بلال کی حالت تو یہ تھی کہ ابھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال بھی نہیں ہوا تھا کہ آپ کی حالت کو غیر دیکھ کر یوں برآمد ہوتے کہ "واقت برسرِ زنان و فریاد کناں (سر پیٹتے اور فریاد کرتے جاتے تھے مدارج ج ۲ ص ۴۶۰) مؤلف نے اس موقعہ پہ جناب امیرؑ کا جو کلام پیش کیا ہے اسے گریہ کے خلاف دلیل قرار دینا عقل و خرد کا جنازہ نکالنے کے مترادف ہے۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ یارسول اللہ! اگر آپ نے صبر کرنے یعنی ناشائستہ کام کرنے کی ممانعت نہ کی ہوتی تو ہم وہ کام کرتے کہ ہمیں کی طرف

بھی خشک ہو جاتی ہے مگر بوجہ ممانعت ہم کوئی ایسا اقدام نہیں کرتے۔ اسے بھلا رونے کے ناجائز ہونے سے کیا تعلق
معترض کی معتبر کتاب روضۃ الاحباب ج ۱ ص ۲۹۸ میں وفات پیغمبرؐ کے موقع پہ جناب امیرؑ کی زبانی جو کچھ نقل کیا ہے
اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ جزع فزع کا جواز واضح و آشکار ہوتا ہے۔ لکھا ہے "و ثبوت پیوستہ
کہ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ بر سر قبر رسول بایستاد و دیگر بست بابی انت وامی
ان الجزع قبیح الا علیک وان الصبر جمیل الا منک"

شبیہ ذوالجناح و تعزیہ کا جواز

مراسم عزاداری سید الشہداءؑ میں سے ایک اہم رسم شبیہ روضۂ سید الشہداءؑ بھی ہے جو واقعۂ ہائلہ کی یاد تازہ کرنے کے لئے بنائی جاتی ہے
جس کا جواز ثابت کرنے کے لئے صرف یہی بات کافی ہے کہ اس کے ناجائز ہونے پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے
اور ابھی اوپر واضح کیا جا چکا ہے کہ جب تک کسی چیز کی حرمت پہ کوئی محکم دلیل قائم نہ ہو۔ اس وقت تک
اسے جائز سمجھا جاتا ہے اس کے خلاف من مثل مثالاً او جدد قبراً الخ والی حدیث سے استدلال نہیں
کیا جا سکتا کیونکہ اس مثال سے بلا اختلاف جاندار شئی کی مثال بنانا مقصود ہے اور ظاہر ہے کہ تعزیہ بیجان
چیز (قبر اطہر) کی شبیہ ہے اور نہ ہی اسے اس شبیہ پر منطبق کیا جا سکتا ہے جسے عرف عام میں شبیہ ذوالجناح
کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ جاندار کی جاندار شبیہ ہے نہ بے جان کی یعنی سرکار سید الشہداء کے راہوار کی شبیہ
ہے اور بے جان چیزوں کی تصویر کشی کے جواز پر سب مذاہب اسلامیہ کا اتفاق ہے۔ خواہ مجسم ہو اور خواہ غیر
مجسم۔ اور قرآن میں ان کے جواز پر نص صریح موجود ہے۔ چنانچہ حضرت سلیمانؑ کے تذکرہ میں مذکور ہے۔ یعملون
له مایشاء من محاریب وتماثیل وجفان کالجواب وقدور راسیات (پ ۲۲ س سباع ۷) وہ جنات
ان کے لئے وہ وہ چیزیں بناتے تھے جو ان کو بنوانا منظور ہوتا۔ بڑی بڑی عمارتیں اور مورتیں اور لگن ایسے جیسے
حوض اور بڑی بڑی دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہیں" (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی) اگر یہ شرک ہے تو کیا یہ شرک
ایک نبی کے زمانہ میں جائز تھا؟ حاشا و کلا۔ اور نہ ہی اس شبیہ کو "بت" کا نام دیا جا سکتا ہے (جیسا کہ بعض نواصب
کیا کرتے ہیں) کیونکہ بت اس تصویر مجسم کو کہا جاتا ہے جس کو معبود سمجھ کر اس کی پرستش کی جائے۔ حالانکہ
تعزیہ کو کوئی نہ معبود سمجھتا ہے نہ قاضی الحاجات بلکہ ہر باخبر آدمی اسے سرکار سید الشہداءؑ کی قبر کی شبیہ ہی سمجھتا ہے
اور اسے کربلا کے ہیرو کی عظیم قربانی کی یاد تازہ کر کے مقصد بکا و ابکا بنایا جاتا ہے و بس لہٰذا اس کا جواز بلا کلام
ہے اور ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ کما لا یخفیٰ علیٰ اولی الافہام

ائمہ اطہار کا گریہ و بکا اور اقامہ مجالس عزا

کتب سیر و تواریخ پر نظر رکھنے والے حضرات پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ شہادت شہید کربلا

کے بعد امام زین العابدینؑ سے لے کر امام حسن عسکریؑ تک برابر تمام ائمہ اہلبیت اپنے چلن حیات میں اس واقعۂ ہائلہ کو یاد کر کے رویا اور رلایا کرتے تھے اور رونے و رلانے کے ثواب بے حساب بھی بیان فرماتے رہتے تھے اور ان کے ہاں باقاعدہ مجالس عزا کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ ان میں شعرائے کرام غم و الم میں ڈوبے ہوئے مرثیے پڑھ کر خود روتے اور حاضرین کو رلاتے تھے۔ جیسا کہ کتاب ارشاد شیخ مفیدؒ، مناقب شہر ابن آشوب، بحار الانوار، کامل الزیارۃ، امالی شیخ صدوق، رجال کشی، ثواب الاعمال اور عیون اخبار الرضا وغیرہ کتب معتبرہ میں یہ تمام حقائق پوری تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ فراجع۔

ایک شبہ کا ازالہ

ایک حدیث بیان کی جاتی ہے کہ رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے۔" اسکا جواب یہ ہے کہ یہ روایت بوجہ مخالف قرآن ہونے کے ناقابل اعتبار ہے۔ قرآن مجید میں ہے لا تزر وازرۃ وزر اخری۔ "کوئی کسی کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا" اگر بالفرض رونا ناجائز ہوتا تو سزا رونے والے کو ملنی چاہیئے تھی یہ کیا اندھیر گردی ہے کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔ فاضل شبلی نعمانی سیرت النبی ج ۱ ص ۵۳ طبع اول میں لکھتے ہیں "حضرت عائشہ کے سامنے جب یہ حدیث بیان کی گئی کہ لوگوں کے نوحہ کرنے سے مردہ پر عذاب ہوتا ہے تو انہوں نے اس بنا پر انکار کیا کہ یہ قرآن کی اس آیت کے خلاف ہے ولا تزر وازرۃ وزر اخری اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا" یہ مؤلف آفتاب کا سراسر افتراء ہے کہ شیعہ نجات کے لئے صرف ماتم وغیرہ مراسم عزا کو کافی سمجھتے ہیں جسقدر واجبات کی بجا آوری اور محرمات سے اجتناب کی تاکید مذہب اہلبیت میں وارد ہے اتنی کسی مذہب میں نہیں ہے واجبات کی بجا آوری اور محرمات سے اجتناب کیئے بغیر ولایت آل محمد علیہم السلام کی دولت مل ہی نہیں سکتی (اصول کافی) لہٰذا ہماری یہ سب گریہ و زاری اور تمام عزاداری صرف مقصد شہادت حسینؑ کو زندہ رکھنے کے لئے۔ اور وہ مقصد احیاء شریعت ہے ۔

افعال یزیدی مٹ جائیں مظلوم سے پیدا الفت ہو

اس واسطے تیرے درد بھرے احوال سنائے جاتے ہیں

رسول پاک کی وصیت دربارۂ ممانعت جزع و فزع

اس بارہ میں ناطق فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت ہے جو بوقت وفات حضرت فاطمہؑ کو فرمائی ـــ جلاء العیون ص ۶۶ اردو ج ۱ میں لکھا ہے "اے فاطمہ بوفات ہو کر پیغمبر کے لئے گریبان چاک نہ کرنا چاہیئے اور بال نہ نوچنے چاہئیں اور واویلا نہ کرنا چاہیئے

لیکن وہ کہنا جو تیرے باپ نے — کہا آنکھیں روتی ہیں اور دل درد میں آتا ہے اور میں نہیں کہتا کہ موجب غضب پروردگار ہو — (بعد ازاں اسی کتاب کے صـ۹۷ سے اور حاشیہ پر فروع کافی ج ۲ صـ۲۱۴ سے اسی مضمون کی ایک اور روایت نقل کی ہے جس میں اتنا اور اضافہ ہے کہ اور نوحہ کرنے والوں کو نہ بلانا) اس سے زیادہ صریح ممانعت ماتم کے متعلق کیا ہو سکتی ہے؟ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اپنی پیاری بیٹی جناب سیدہؓ کو وصیت فرماتے ہیں کہ میری وفات کا تم کو صدمہ عظیم ہوگا۔ لیکن جہال کی طرح جزع فزع مت کرنا نہ سر پیٹنا، نہ گریبان چاک کرنا — اگر یہ امور باعث ثواب ہوتے حضور علیہ السلام بجائے ممانعت کے جناب سیدہؓ کو اذنِ عام دیتے کہ اپنے والد سردار دو عالم کا ماتم خوب زور شور سے کرنا — جب آپ نے ان امور سے سخت ممانعت فرما دی تو معلوم ہوا کہ یہ جملہ حرکات ممنوع داخلِ معصیت ہیں — میت کو بھی اذیت ہوتی ہے جلاء العیون صـ۶۲ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری وصیت اہلبیت و اصحاب کو فرمائی اس میں یہ الفاظ بھی تھے "پس تم لوگ فوج فوج اس گھر میں آنا اور مجھ پہ صلوات بھیجنا اور سلام اور مجھ کو نالہ و فریاد و گریہ و زاری سے آزار نہ دینا" —

امام جعفر صادقؒ کا فتویٰ کفر

— ماتمیوں کیلئے فتویٰ کفر صادر فرمایا ہے چنانچہ فروع کافی ج ۱ صـ۱۲۱ میں ہے (بحذف عربی ترجمہ)

امام صادقؒ نے فرمایا صبر و مصیبت مومن کے پیش آتے ہیں اسے مصیبت آتی ہے اور وہ صبر کرتا ہے اور گھبراہٹ اور مصیبت کافر کے پیش آتی ہے — اور جزع فزع کرنے لگتا ہے — دوسرے لفظوں میں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو مصیبت پر صبر کرے وہ مومن اور جو جزع فزع کرے وہ کافر

جزع کی تعریف

— دوسری حدیث میں ہے عن جابر (بحذف عربی) جابر کہتا ہے میں نے حضرت صادقؒ سے پوچھا جزع کیا ہے؟ فرمایا انتہائی جزع ویل و عویل پکار پکار کرنا اور منہ پر طمانچے مارنا سینہ زنی کرنا۔ بال نوچنا اور جس نے نوحہ (ماتم) کیا۔ اس نے صبر چھوڑ دیا اور غیر شرع کام کیا" (فروع کافی ج ۱ صـ۱۲۱) یہ بات الم نشرح ہے کہ ماتمی لوگ یہ جملہ حرکات ویل و عویل کیا کرتے، منہ پیٹتے، سینہ کوٹتے ہیں۔ اس لئے حسب فتویٰ امامؑ — یہ کافر ہیں — کیا ماتمی لوگ ان صریح احادیث

ائمہ اہلبیتؑ کو بغور پڑھ کر اس فعل شنیع سے باز آئیں گے؟ ___ جناب امام حسینؑ نے بھی اپنے عمل سے بتا دیا ہے کہ خواہ کیسی ہی مصیبت پیش آئے صبر کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے چنانچہ فروع کافی ج ۱ ص ۱۱۹ میں ہے (بحذف عربی) ___ (ترجمہ) جب جناب امیرؑ کی شہادت کا واقعہ ہوا حضرت امام حسنؑ نے اپنے بھائی حسینؑ کو آپ کی وفات کی اطلاع بھیجی جب امام حسینؑ نے خط پڑھا۔ فرمانے لگے۔ کیسی بڑی مصیبت پیش آئی ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص کو کوئی مصیبت پیش آئے وہ میرے واقعہ ہائلہ مصیبت کو یاد کرے کیونکہ وفات رسول سے بڑھ کر مسلمانوں کے لئے کوئی بڑی مصیبت نہ ہوگی اور حضور علیہ السلام نے سچ فرمایا ہے" یعنی حضرت امام حسینؑ علیہ السلام نے اس خبر وحشت اثر کو سن کر ذرہ بھر جزع فزع نہ کی بلکہ صبر و شکیب سے کام لیا۔

امام حسینؑ کی آخری وصیت

شیعہ کی معتبر کتاب امارۃ المصائب ص ۲۹۷ میں ہے کہ جناب سید الشہداء امام حسینؑ نے کربلا میں اپنی ہمشیر حضرت زینب علیہا السلام کو فرمایا اے بہن! جو میرا حق تم پر ہے اس کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ میری مصیبت مفارقت پر صبر کرو۔ پس جب میں مارا جاؤں تو خبردار منہ نہ پیٹنا اور بال اپنے نہ نوچنا اور گریبان چاک نہ کرنا تم فاطمہ زہراؑ کی بیٹی ہو۔ جیسا انہوں نے پیغمبر خدا کی مصیبت میں صبر فرمایا تھا۔ اسی طرح تم بھی میری مصیبت میں صبر کرنا..... اس سے زیادہ واضح دلیل اس امر کی کہ شہدائے کربلا کی مصیبت میں پیٹنا سینہ کوبی کرنا ناجائز ہے اور کیا ہو سکتی ہے؟

فی زمانہ جو رواج ہو گیا ہے کہ مجلس ماتم جوان مرد اور جوان عورتیں زرق برق پوشاکیں پہنے آنکھوں میں کاجل لگائے بالوں کو معطر تیل لگا کر کنگھی پٹی کئے ایک دوسرے کی دید بازی کیلئے جمع ہو جاتے ہیں اور راگ ممنوعہ میں سر اور تال سے مرثیہ خوانی ہوتی اور سینہ زنی کی جاتی ہے اور تعزیہ پر نذر و نیاز چڑھائے جاتے ہیں سجدے ہوتے ہیں عرضیاں گذاری جاتی ہیں یہ سب شرک و بدعت ہے ___ شیعہ کی ایک نہایت معتبر تفسیر عمدۃ البیان ص ۳۲۸ میں بذیل آیت ولنبلونکم الایۃ یوں لکھا ہے یہ آیت حقیقت میں امام حسینؑ کے حق میں نازل ہوئی ہے اس واسطے کہ جو کچھ آیت میں ہے وہ ان کے حال پر صادق آتا ہے بعد دوسرے شخص کو ہم ایسا نہیں کہتے اور یہ معرکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بڑا معرکہ ہے۔ رونا رلانا ان کی مصیبت

پر ثواب عظیم رکھتا ہے۔ لیکن اکثر آدمی محرم میں بدعت کرکے ثواب کو ضائع کرتے ہیں۔ باجے بجاتے اور بجواتے ہیں اور مرثیوں میں جھوٹی حدیثیں اپنی طرف سے ایجاد کرکے داخل کرتے ہیں اور غلو اور تنقیص کی روایتوں کو مجلسوں میں بیان کرکے لوگوں کے ایمانوں کو فاسد کرتے ہیں اور جو راگ کہ شرع میں ممنوع ہیں اس میں مرثیوں کو پڑھتے ہیں اور عورتیں بلند آواز سے مرثیوں کو پڑھتی ہیں اور نامحرم ان کی آواز کو سنتے ہیں ان امور میں مومنین کو اجتناب لازم ہے اور تعزیوں پر محتاج آدمی تو اپنی احتیاج کی عرضیاں باندھتے ہیں اور یا کاغذ کی سیڑھی کتر کر باندھتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ اگر میری آسودگی اور فراغت ہوتی تو میں چاندی کی سیڑھی گھڑوا کر تعزیہ پر چڑھاؤں گا اور بے اولاد آدمی کاغذ کا لڑکا کاٹ کر تعزیہ پر باندھتے ہیں اس ارادہ سے کہ اگر ہمارے بیٹا پیدا ہو تو ہم چاندی کا لڑکا گھڑوا کر تعزیہ پر چڑھائیں گے۔ اوّل تو یہ تصویر انسانی ہے اور تصویر کے بنانے سے اجتناب لازم ہے اور سوا اس کے حاجت کا طلب کرنا پروردگار سے چاہئے کہ وہ قاضی الحاجات ہے نہ غیر اس کا ہاں حضرات ائمہ معصومین علیہم السلام سے شفاعت کا چاہنا کہ خدا تعالیٰ ہماری شفاعت (حاجت) کو بر لائے اور ان کے واسطے سے دعا مانگنا موجب قضائے حاجت اور موجب حصول مقصد ہے۔ جیسے کہ حدیث میں وارد ہے اور بعض جہلا تعزیہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ یہ طریقہ کفار و مشرکین کا ہے اس سے پرہیز کرنا واجب ہے اور تعزیہ و علَم پر زیارت کا پڑھنا نہ چاہیئے۔ البتہ اگر کربلا معلے کی طرف منہ کرکے حضرت امام حسینؑ کے روضہ کی نسبت سے زیارت پڑھے تو مضائقہ نہیں۔"

یہ ماتم بھی عجیب ہے کہ ڈھول بجا کر گتکہ بازی کی جاتی ہے تعزیہ کے ساتھ شاہدانِ بازاری کا اجتماع ہوتا ہے جو سر و پا برہنہ تعزیہ کے آگے سلامی کرتی جاتی ہیں دیدہ باز لوگ اس دلفریب منظر کو غنیمت سمجھ کر حظ اٹھاتے ہیں (آفتاب ص۳۲۵)

الجواب بفضلہ تعالیٰ ہم سطور بالا میں عقلی و نقلی دلائل سے مراسم عزاداری سرکار سید الشہداء کا جواز بطریق احسن ثابت کرچکے ہیں ان حقائق پر طائرانہ نگاہ ڈال لینے کے بعد مؤلف کے پیش کردہ تمام وساوس و توہمات کا قلع قمع ہوجاتا ہے اور تار و پود بکھر جاتا ہے اس لئے کسی مزید خامہ فرسائی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

جب سابقہ اوراق میں اسی شریعت مقدسہ کے قواعد و قوانین کی رو سے، جو سرکار خاتم الانبیاء لائے تھے۔ نہ صرف گریہ و بکا، بلکہ مرثیہ خوانی اور سینہ کوبی کا جواز بھی کتب فریقین کے ناقابل رد دلائل سے پیش کر دیا گیا تو بعد ازاں اگر کسی روایت میں جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم یا دوسرے بعض ائمہ ہدیٰ کا اپنے پسماندگان کو بظاہر ان امور کی

ممانعت فرمانا ثابت ہو جائے تو قابل غور و تدبر بات یہ ہو گی کہ اس ممانعت کا مطلب کیا ہے؟ آیا ان امور کے ناجائز اور داخل معصیت ہونے کی وجہ سے ایسا فرمایا ہے؟ یا اس ممانعت سے صرف اعزاء و احباب کو تسکین و تسلی دینا مقصود ہے؟

پیغمبر اسلامؐ اور امام حسینؑ کی وصیت کا مطلب؟ جہاں تک ہم نے غور و فکر کیا ہے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ ممانعت صرف تسکین و تسلی کی خاطر فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ جلاء العیون کی اسی پیش کردہ روایت سے پہلی روایت میں مذکور ہے کہ جب جناب سیدہؑ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئیں تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ضعف و نقاہت کو دیکھ کر آپ کی یہ کیفیت ہوئی کہ "گریہ در گلویش گرہ شد و آبِ دیدہ اش بلا و مبارکش فرو ریخت" یعنی گریہ ان کے گلوگیر ہو گیا اور آنسو رخسار مبارک پر بہنے لگے"۔ ظاہر ہے کہ وفات پیغمبر سے اس حالت میں اضافہ ہی ہوتا اہل عقل سمجھ سکتے ہیں کہ جب خاندانِ رسول کی بزرگ خاتون کی یہ حالت ہوتی تو پھر اطفال خورد سال کا کیا حال ہوتا؟ جناب زینب و ام کلثوم، اور شہزادگان کونین امام حسنؑ و حسینؑ کی کیا کیفیت ہوتی؟ یہ سب کچھ سوچ کر رحمۃ للعالمین جیسے شفیق پدر عالی قدر نے جناب سیدہؑ کی تسلی و تسکین کے لئے وہ جملے ارشاد فرمائے جو مؤلف نے پیش کئے ہیں بعینہٖ یہی پس منظر اس وصیت کا ہے جو امام حسینؑ نے اپنی بہن ام المصائب جناب زینب عالیہ کو فرمائی تھی چنانچہ امام زین العابدینؑ سے روایت ہے۔ فرمایا کہ جب شب عاشوراء میرے والد ماجد (امام حسینؑ) نے اپنے خیمہ میں یہ اشعار پڑھے

يا دهر اف لك من خليل
كم لك بالاشراق والاصيل

اور میری پھوپھی زینب عالیہ نے سنے تو اس وقت ان کو تاب ضبط نہ رہی سیدھی بھائی کے خیمہ میں پہنچیں اور بے تابانہ انداز میں عرض کیا يا اخي هذا كلام من ايقن بالموت؟ بھائی جان! ایسا کلام تو وہ شخص کرتا ہے جسے اپنی موت کا یقین ہو جائے؟ امام نے فرمایا نعم یا اختاہ! ہاں بہن حقیقت یہی ہے! یہ سن کر شریکۃ الحسین نے کہا یا ویلتاہ! اتغتصب نفسك اغتصابا فذلك اقرح لقلبي واشد على نفسي! ہائے افسوس! کیا آپ مجھ سے چھین لئے جائیں گے؟ یہ بات تو اور بھی میرے دل کو زیادہ مجروح کرنے والی ہے اور مجھ پر سخت گراں ہے ـــ یہ کہا اور پھر تاب ضبط نہ رہی ہاتھوں سے منہ پیٹ لیا اور گریباں چاک کر دیا۔ بعد ازاں غش کھا کر گر گئیں۔ امام نے اٹھ کر ان کو افاقہ میں لانے کی کوشش کی جب قدرے افاقہ ہوا تو وہ وصیت ارشاد فرمائی جو مؤلف نے نقل کی ہے ملاحظہ ہو ارشاد ص۲۵۲۔ عاشر بحار ص۱۹۲ نفس المہموم ص۱۲۲۔ سعادۃ الدارین

صہ ۲/۲ وغیرہ) امام علیہ السلام نے دیکھا کہ جس شخصیت نے میرے بعد قافلہ سالار بننا ہے۔ جب اسکی حالت یہ ہے کہ میری موجودگی میں صرف شہادت کی خبر سن کر غش کھا رہی ہیں تو شہادت کے واقعۂ ہائلہ کے بعد ان کی کیا حالت ہوگی؟ اور اگر ان کی یہ کیفیت ہوئی تو خورد سال یتیم بچوں اور بچیوں کا کیا حال ہوگا؟ ——— اہل دل کے لئے اس بات کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں ہے مشاہدہ بھی شاہد ہے کہ ایسے موقع پر ہمیشہ بزرگ لوگ اپنے پسماندگان کو ایسے ہی تسلی آمیز کلمات کہا کرتے ہیں جن سے ان کا مقصد صرف ان پسماندگان کی تسکین و تسلی ہوتی ہے اور پسماندگان کے بوجھ کو ہلکا کرنا و بس۔

اور جہاں تک امام جعفر صادقؑ کے فتوائے کفر اور جزع کی تعریف "بال نوچنے اور سینہ کوبی کرنے" کا تعلق ہے یہ مؤلف کے موقف پر بدو وجہ دلالت کرنے سے قاصر ہے۔ اولاً۔ امام نے ماتم کرنے والے کو کافر نہیں فرمایا بلکہ اپنے اس فرمان میں مؤمن و کافر کی حالت کا نقشہ کھینچا ہے کہ بلاد مصیبت کے نزول کے وقت مومن صابر اور کافر جازع ہوتا ہے ——— اور ہم سابقہ اوراق میں (جہاں صبر کے معنی بیان کئے ہیں) بیان کر چکے کہ گریہ و بکا جزع اور بے صبری میں داخل نہیں ہے ——— ثانیاً محولہ بالا مقام پر یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ جن ائمہ اطہار نے جزع فزع کی مذمت و ممانعت فرمائی ہے انہی نے حضرت امام حسینؑ کے غم میں اسے جائز قرار دیا ہے (وسائل الشیعہ، کامل الزیارۃ، فصول مہمہ وغیرہا) لہٰذا مظلوم کربلا کے غم میں ان امور کا مظاہرہ ان کے ارشاد کے خلاف نہیں بلکہ ان کی عین مراد ہے۔ فروع کافی سے امام حسینؑ کے متعلق مؤلف نے جو روایت نقل کی ہے وہ قانونِ روایت و درایت کی رو سے ناقابل استدلال ہے۔ قانونِ روایت سے اس طرح کہ وہ ضعیف السند ہے جیسا کہ حضرت علامہ مجلسیؒ نے مرآۃ العقول ج ۳ صہ ۹۰ پر تصریح فرمائی ہے اور قانونِ درایت سے اس طرح کہ اس میں مذکور ہے کہ امام حسنؑ نے جناب امیرؑ کی شہادت کی مدائن میں امام حسینؑ کو اطلاع دی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام کی شہادت کے وقت امام حسینؑ کوفہ میں موجود نہ تھے۔ حالانکہ تمام کتب سیر و تواریخ میں اس وقت آپ کے کوفہ میں موجود ہونے کی صراحت موجود ہے اور یہ کہ دونوں شہزادوں نے اپنے عظیم والد کے سانحۂ شہادت پر اس قدر گریہ و بکا فرمایا کہ ان کی گریہ و زاری سے ساکنان آسمان میں بھی گریہ و زاری و بے قراری پیدا ہوگئی (اس سلسلہ میں جلاء العیون، منتہی الآمال، بحار الانوار وغیرہ کتب دیکھی جا سکتی ہیں)

ڈھول وشہنا وغیرہ آلات لہو کا عزاداری میں استعمال جائز نہیں ہے

باتی ریا ڈھول شہنا باجا اور ستار

وغیرہ کا عزاداری میں استعمال کرنا تو بیشک یہ شریعت مقدسہ کی رو سے حرام اور ناجائز ہیں ہیں ہم ان کے ارتکاب کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتے۔ اگر کسی جگہ ان ناجائز امور کا ارتکاب ہوتا ہے۔ تو وہ ان لوگوں کا انفرادی فعل

اسکی وجہ سے تمام مذہب کو بدنام نہیں کیا جاسکتا ہے ۔ اصلاح احوال کے سلسلہ میں ہم صاحب تفسیر عمدۃ البیان مولانا سید عمار علی مرحوم کے بیان واجب الاذعان کی حرف بحرف تائید مزید کرتے ہوئے اپنے ابناء مذہب سے دردمندانہ اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنے مراسم عزاداری کو غلط اور ناجائز امور سے ملوث نہ ہونے دیں تاکہ انہیں اغیار کے طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بننا پڑے اور مقصد شہادت بھی پائمال نہ ہو وھو حفظ قواعد الشرع المقدس والحق احق ان یتبع ۔

جہاں تک ہمارے ناقص معلومات کا تعلق ہے ۔ بڑے سے بڑے گنہگار مرد اور عورتیں مجالس عزا میں اپنے گناہوں کی بخشش اور کوتاہیوں سے درگذر کرانے کی خاطر شرکت کرتے ہیں لہٰذا اس میں وہ تصویر تلاش کرنا جس میں مؤلف نے رنگ بھرا ہے آگ میں پانی یا پانی میں آگ تلاش کرنے کے مترادف ہے ممکن ہے مؤلف نے کبھی اس رنگ میں اپنے ابناء مذہب کو کسی عرس یا محفل میلاد میں شرکت کرتے دیکھا ہو اور پھر اپنے آئینہ میں صد سروں کو دیکھنے کی کوشش کی ہو تو ان کا قیاس بے اساس ہے ۔ اور اگر بالفرض کبھی کسی بدبخت نے اس بات کا مظاہرہ کیا بھی ہو تو اس کی اصلاح کرنا چاہیئے مگر اس کا مطلب تو نہیں کہ عزاداری ہی ختم کر دی جائے فرض کرو اگر کسی باغ میں خود رو پودا اگ آئے تو اس کا قلع قمع کرنا چاہیئے یا اسکی وجہ سے باغ ہی اکھاڑ پھینکنا چاہیئے؟ اور کیا ایسے ایمان سوز یا بقول مؤلف "دلفریب نظارے" نہیں صرف مجالسِ عزا میں ہی نظر آتے ہیں ۔ یا کبھی اپنے مجالسِ مواعظ اور محافل سماع اور اپنے ولیوں کے مزاروں پر منائے جانے والے عرسوں میں بھی اس دلفریب اور ایمان شکن نظارہ سے لطف اندوز ہوئے ہیں؟ غالباً مولوی صاحب نے اپنی انہی محافل سماع پر ہماری مجالس عزا کا قیاس کیا ہے جو قیاس مع الفارق ہے ۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک ۔

سماعِ وعظ کجا نغمۂ رباب کجا ۔ ببیں تفاوتِ راہ کجا است تا بکجا؟

مفتی صاحب ان عرسوں کی بندش کا فتوے کیوں نہیں دیتے ؟ ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

سچ ہے ع

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد
عیب نماید ہنرش در نظر

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ۔

مرشدوں کی تربتوں پر ناچنا گانا روا — مطربوں کے شوق میں اجمیر کو جانا روا
جا کے کلیر عرس پر رقص فرمانا روا — تھاپ پہ طبلے کی فوراً حال کا آنا روا

سخت بدعت ہے نہ جاؤ ماتم شبیرؑ میں ـــــ پر یہ فتوے نے ہو گیا ہے عہد عالمگیر میں

قاتلان حسین شیعہ تھے شیعہ کی کتابوں میں بالتصریح لکھا ہے کہ حضرت امام حسین کو اہل کوفہ نے جو شیعیان علی کا مولد و مسکن تھا لاتعداد تاکیدی خطوط لکھ کر بلوایا ـــ آپ نے پہلے ـــ حضرت مسلم کو روانہ کیا انکو شہید کیا گیا پھر امام ـــ پہنچے آپ کو بھی انہی شیعوں نے ـــــ شہید کیا۔

شیعیان کوفہ کی خط و کتابت شیعہ کی مستند کتاب اخبار ماتم مطبوعہ رام پور ص۲۵۸ میں لکھا ہے یبلغ اھل الکوفۃ (بحذف عربی عبارت)

امیر معاویہ کی خبر وفات اہل کوفہ کو پہنچی اور امام حسینؑ کی ہجرت مکہ کا حال معلوم ہوا تو تمام شیعہ نے مجتمع ہو کر بالاتفاق آپ کی طرف خط لکھا ـــــ یہ دونوں قاصد دوڑتے ہوئے مکہ معظمہ میں ۱۰ رمضان کو امام ـــ کی خدمت میں پہنچے۔ یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہا ـــ بالآخران کی تعداد بارہ ہزار تک پہنچ گئی ـــ اور شعبی نے روایت کی ہے کہ ـــ یعنی چالیس ہزار کوفہ کے شیعیان نے امام صاحب کی بیعت اس بات پر کی ـــ آخر الامر امام صاحب نے مجبور ہو کر ان کی آرزو کے مطابق خط روانہ کیا شیعہ کی معتبر کتاب خلاصۃ المصائب ص۴۲ میں لکھا ہے کہ جب امام حسینؑ ظلم اعداء سے تنگ آکر مرقد مطہر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدا ہوئے تیسری تاریخ شعبان کو مکہ معظمہ میں کوفیان پر دغا نے نامے علی الاتصال حضرت کی خدمت میں بھیجے۔ بعض ناموں کا مضمون یہ تھا لیس علینا امام ـــــ یعنی اے حضرت ہم امام ـــ نہیں رکھتے جلدی تشریف لائیے شاید خدا حق کو ہمارے ہاتھ جاری کر دے۔ شیث بن ربعی وغیرہ شیعہ نے بایں طور خط ـــــ روانہ کیا امابعد ـــــ صحرا و بیابان سبز و خرمی میں ہیں اور درخت میوہ جات بار ور ہیں ـــــ نیز کتاب مذکور ص۵۶ میں ہے کہ جب امام کو راستہ میں خبر شہادت امام کی ہوئی تو ـــــ فرمایا خذلتنا شیعتنا ـــــ اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ آپ کو ذلیل و خوار کرنے والے شیعہ ہی لوگ تھے امام نے بعد نماز جو خطبہ پڑھا اس میں یہ الفاظ تھے۔ یا ایھا الناس انی لم آتکم حتی اتتنی کتبکم ـــــ اے اہل کوفہ! میں نہیں آیا۔ مگر جب تمہارے بہت نامے میری طلب کو پہنچے ـــ اگر تم میرے آنے کو ناپسند کرتے ہو تو میں جہاں سے آیا ہوں وہاں پھر جاؤں۔

شیعہ کا ایک خط شیعہ کی مستند کتاب جلاء العیون ص۳۴۴ میں ایک خط شیعیان کوفہ کا

ہدیں مضمون مسطور ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ یہ نامہ سلیمان بن صرد و مسیب بن نجبہ حبیب بن مظاہر اور جمیع شیعیان و مومنین و مسلمین اہل کوفہ کی جانب سے بخدمت امام حسین بن علی بن ابی طالب علیہم السلام ۔ آپ پر سلام ہو ـــــ اور ہم خدا کا شکر کرتے ہیں کہ اس نے آپ کے دشمن جبار و معاند کو جو بغیر رضامندی امت ان پر حاکم ہوا تھا ۔ ہلاک کیا ـــــ اور واضح ہو کہ اس وقت ہمارا کوئی امام پیشوا نہیں ہے پس آپ ہماری طرف توجہ کیجیے ـــــ ہم سب آپ کے مطیع ہیں ـــــ

دوسرا خط بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ یہ عریضہ شیعوں اور فدویوں ـــــ کی طرف سے بخدمت امام حسین بن علی بن ابی طالب ہے اما بعد بہت جلد اپنے دوستوں ہوا خواہوں کے پاس تشریف لائیے کہ جمیع مردمانِ ولایت منتظر قدوم میمنت لزوم ہیں ۔

امام حسین کا جواب بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ یہ خط حسین بن علیؓ کا مومنوں مسلمانوں سے شیعیان کی طرف سے اما بعد قاصدوں اور بے شمار خطوط آنے کے بعد جو تم نے خط ہانی اور سعید کے ہاتھ بھیجا ۔ مجھے پہنچا ـــــ تم نے خطوط میں لکھا ہے کہ ہمارا کوئی امام نہیں ۔ آپ بہت جلد تشریف لائیے ـــــ واضح ہو میں بالفعل تمہارے پاس اپنے برادر پسر عم محل اعتماد مسلم بن عقیل کو بھیجتا ہوں ۔ اگر مسلم مجھے لکھیں کہ جو تم نے مجھے خطوط میں لکھا ہے بمشورہ عقلاء و اشراف و بزرگانِ قوم لکھا ہے اسی وقت میں انشاء اللہ بہت جلدی تمہارے پاس چلا آؤں گا ـــــ (جلاء العیون ص۴۳) اس تمام خط و کتابت کے پڑھنے سے واضح ہوتا ہے کہ شیعیان کوفہ نے کس منت سماجت سے ـــــ خطوط لکھ کر امام علیہ السلام کو بلوایا اور آخر انہی بلا صفا لے مخلص شیعوں نے آپ کو تیغ جفا سے شہید کیا کہ جلاء العیون ج ا ص ۲۷۹ میں تصریح ہے ۔ اسی کتاب کے ص ۴۶۹ میں لکھا ہے کہ امام نے شیعیان کوفہ کو میدان کربلا میں کہا کہ تم نے مجھے طلب کیا اور اظہارِ محبت کے دم بھرے اور اب میری جان کو قتل کرنا چاہتے ہو ـــــ (آفتاب ص۳۲۸)

الجواب قدیم الایام سے اس موضوع پر سنی و شیعہ کی طرف سے ایک دوسرے کے خلاف بہت کچھ کہا اور لکھا جا چکا ہے ۔ ہر فریق خواہ دوسرے کو چڑانے کے لئے قاتلان امام کو شیعہ یا سنی کہا کرتا ہے ۔ ورنہ خدا لگی بات تو یہ ہے کہ نبی و امام کے قاتلوں کے متعلق اس بحث کی ہرگز گنجائش ہی نہیں ہے کہ ان کا اسلام کے کس فرقے سے تعلق تھا ؟ کیونکہ وہ ملحد و زندیق کہ بے دینی ان کا دین اور طلب دنیا ان کا آئین ہو ان کے دین کی بحث

چہ معنی دارد ؟ اس سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ اس گفتگو کی گنجائش ہے کہ ان کے اس کافرانہ اقدام یعنی قتل امام سے قبل بظاہر ان نام نہاد مسلمانوں کا اسلام کے کس فرقے کے ساتھ تعلق تھا ؟ چنانچہ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ بالخصوص رسالہ شریفہ "قاتلانِ حسینؑ کا مذہب" قابل دید ہے۔ ہم نے اس رسالہ شریفہ اور دیگر کتب معتبرہ کی روشنی میں اس موضوع پر اپنی کتاب سعادۃ الدارین میں بڑی تفصیل کے ساتھ تبصرہ کر دیا ہے۔ اب وہیں سے لیکر چند حقائق یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ جن کے دیکھنے کے بعد یہ حقیقت ـــــ الم نشرح ہو جاتی ہے کہ ان کا تعلق اسلام کے سوادِ اعظم کے ساتھ تھا۔ اصل مقصد میں وارد ہونے سے پیشتر یہاں دو تنقیحیں قائم کرنا ضروری ہیں۔

دو ضروری تنقیحیں

(۱) امام حسین کے قتل کی بنیاد کیا تھی ؟ (۲) اس بنیاد کی جگہ کس فرقہ کے اصول میں نکالی جا سکتی ہے ؟ (اوّل) تنقیح اوّل کے متعلق یہ بات ناقابل انکار حد تک ثابت ہے کہ شہادت امام کی بنیاد معاویہ کے بعد یزید کا ادعائے خلافت اور اسی کا امام سے اپنی بیعت لینے پر اصرار اور امام کا انکار ہے۔

(دوم) اور دوسری تنقیح کے متعلق اس بات میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ یزید کی خلافت صرف اور صرف مذہب اہلسنت کی وجہ سے ہی درست ہو سکتی ہے۔ ورنہ شیعوں کے مذہبی اصول میں یزید کیا اس سے بڑے چڑے افراد کی خلافت کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ کیونکہ شیعہ اس سلسلۂ خلافت کے سرے سے قائل ہی نہیں جس کی چھٹی کڑی یزید لعین ہے بلکہ یہ شرف ہمارے مولوی کرم الدین صاحب کے مذہب کو ہے کہ اس کے خلفاء کی تعداد اس وقت تک مکمل ہو سکتی ہی نہیں جب تک چھٹے نمبر پر یزید کا نام نہ لیا جائے (ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۰۵ طبع جدید مصر ـــــ شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۷۸ طبع لاہور۔ شرح عقائد صفحہ ۱۱۱ طبع لکھنؤ۔ سیرۃ النبی ج ۳ صفحہ ۴۸۲ وغیرہ)

قاتلانِ حسینؑ کے مذہب پر تاریخی شواہد

اگرچہ مذکورہ بالا دو تنقیحات سے ہی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قاتلانِ امام عالیمقام بظاہر سنی المذہب تھے مگر ذیل میں ہم ان کے تسنن پر چند مزید تاریخی شواہد پیش کرتے ہیں۔

پہلا شاہد جب جناب مسلم کوفہ میں تشریف لائے اور لوگوں نے ان کے ہاتھ پر امام کے لئے بیعت شروع کی اور نعمان بن بشیر (گورنر کوفہ) نے کوئی مزاحمت نہ کی تو یزید کے پاس نعمان کی نرم پالیسی کی شکایت میں ایک خط پہنچا ہے اور یزید اس سے متاثر ہو کر ابن زیاد کو خط لکھتا ہے (جو اس وقت بصرہ کا گورنر تھا) اس کی یہ عبارت قابل دید ہے "اما بعد فانہ کتب الی شیعتی من اهل الکوفۃ یخبرونی ان ابن عقیل بالکوفۃ یجمع الجموع" میرے پاس میرے شیعوں نے جو کوفہ کے رہنے والے ہیں لکھا ہے کہ ابن عقیل کوفہ میں فوجیں جمع کر رہا ہے " ان خط لکھنے والوں میں یہ تین نام نمایاں نظر آتے ہیں (۱) عمر بن سعد (۲) عمارہ بن عقبہ (۳) عبداللہ بن مسلم بن سعد (تاریخ طبری

ج ۶ صفحہ ۱۹۱) یہ وہی عمر بن سعد ہے جسے فوج یزید کا سپہ سالار بنا کر امام حسینؑ کو شہید کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا — اور جس نے سب سے پہلا تیر لشکر امام کی طرف رہا کیا تھا (طبری ج ۶ صفحہ [illegible])

دوسرا شاہد فرزند رسول کربلا پہنچے، دشمن نے محاصرہ کر لیا۔ تجا ابن عمرم کو ابن زیاد کا قاصد عمر بن سعد کے نام خط لاتا ہے اما بعد فحل بینہ لحسین واصحابہ وبین الماء ولا یذوقوا منہ قطرۃ کما صنع بالتقی الزکی المظلوم امیر المومنین عثمان بن عفان۔ اما حسین اور ان کے اصحاب پر پانی بند کر دو تاکہ وہ ایک قطرہ بھی نہ چکھ سکیں جس طرح تقی زکی مظلوم امیر المومنین عثمانؓ کے ساتھ کیا گیا تھا (تاریخ طبری ج ۶ صفحہ ۲۳۴) قاتلان امام کو شیعہ کہنے والے بتظر غائر اس عبارت کو پڑھیں اور بتائیں حضرت عثمان کا مرثیہ خوان اور ان کو تقی و زکی اور امیر مومناں کہنے والا کون ہو سکتا ہے؟

تیسرا شاہد عزرہ بن قیس احمسی (جو فوج مخالف میں تھا) جناب زہیر بن قین (صحابی امامؑ) سے کہتا ہے یا زہیر! ما کنت عندنا من شیعۃ اھل ھذا البیت انما کنت عثمانیا زہیر! تم اس خاندان کے شیعوں میں سے نہ تھے بلکہ عثمانی مذہب تھے! جناب زہیر نے کہا۔ افلا تستدل بموقفی ھذا فی منھم کیا تم میرے یہاں ہونے سے نہیں سمجھے کہ میں شیعان اہلبیتؑ سے ہوں؟ (تاریخ طبری ج ۶ صفحہ ۲۳۵) یہ مکالمہ اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ اس وقت جو لوگ امام کے ہمراہ تھے وہ شیعہ جماعت سے تھے اور جو ان کے مدمقابل تھے وہ عثمانی تھے۔

چوتھا شاہد اصحاب امام میں سے ایک بزرگ نافع بن ہلال جملی یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان کارزار میں نکلتے ہیں وہ انا الجملی انا علی دین علیؑ۔ میں قبیلہ جمل سے ہوں اور علیؑ کے دین پر ہوں ان کے مقابلہ میں ایک شخص مزاحم بن حریث نکلتا ہے اور کہتا ہے انا علی دین عثمان میں عثمانؓ کے دین پر ہوں جناب نافع یہ کہتے ہوئے کہ انت علی دین الشیطان اس پر حملہ آور ہوتے ہیں اور اسے قتل کر ڈالتے ہیں (طبری ج ۶ صفحہ ۲۴۹) اس سے بڑھ کر فریقین کے مذہب کی اور کس طرح صراحت و وضاحت ہو سکتی ہے اب تو تاریخ نے کوئی ابہام باقی نہیں رکھا۔

پانچواں شاہد شہادت امام، اہل حرم کی اسیری اور ان کی دربار کوفہ میں رسیدگی کے بعد ابن زیاد نے جو تقریر کی اس کا ابتدائی حصہ یہ ہے الحمد للہ الذی اظھر الحق واھلہ ونصر امیر المومنین یزید بن معاویہ وحزبہ وقتل الحسین بن علیؑ وشیعتہ (اس خدا کا شکر ہے جس نے حق و اہل حق کو فتح دی اور خلیفہ وقت یزید بن معاویہ اور ان کے گروہ کی نصرت کی اور حسین بن علی کو ان کے شیعوں سمیت قتل کیا (طبری ج ۶ صفحہ ۲۶۳) اس سے بڑھ کر اس بات کا ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ امام حسینؑ

کے ہمراہ شہید ہونے والے شیعہ تھے اور قتل کرنے والے وہ تھے جن کے مذہب میں یزید حق کا علمبردار اور خلیفۂ وقت تھا!

دو غلط فہمیوں کا ازالہ

بہت سے جو لوگ قاتلانِ امام کو شیعہ کہتے ہیں وہ اپنی تائید میں دو چیزوں کو بڑے شد و مد کے ساتھ پیش کیا کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ قاتلانِ امام کوفی تھے اور کوفہ شیعیانِ علی کا مرکز تھا (۲)، دوسرا اہل کوفہ کے خطوط جو انہوں نے طلب امام میں والہانہ انداز میں لکھے تھے۔ اس لئے یہاں ان دونوں باتوں پر تبصرہ کرنا ضروری ہے۔

اہل کوفہ کے تشیع پر تبصرہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ جناب امیر علیہ السلام نے کوفہ کو دارالخلافت قرار دیا اور شیعیانِ علی کا ——— مرکز سمجھا جاتا تھا۔ مگر یہاں دو باتوں کا لحاظ ضروری ہے۔ ایک یہ کہ اس دور میں بالعموم جو لوگ شیعیان علی کہلاتے تھے وہ صرف اس معنی کے اعتبار سے شیعہ تھے کہ معاویہ کے مقابلہ میں حضرت علی کے ساتھ تھے۔ ورنہ حقیقی معنوں میں وہ شیعہ نہ تھے بلکہ جناب امیر کو چوتھا خلیفہ تسلیم کرتے تھے (نہ خلیفۂ بلافصل) ایسے لوگوں کی تعداد بہت ہی قلیل تھی جو صحیح معنوں میں شیعہ علی تھے ——— وقلیل من عبادی الشکور)

حضرت امیر کے بعد شیعیانِ کوفہ کی حالت

دوسرے۔ شیعیان کوفہ جیسے کچھ بھی تھے۔ معاویہ کو قرآن سے ازلی بغض تھا کہ انہوں نے اس کے مقابلہ میں حضرت علی کا ساتھ دیا تھا۔ چنانچہ جب معاویہ کو اسلامی ممالک پر تسلط ہوا اور اس نے نامعلوم باپ کے بیٹے زیاد کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تو اہل کوفہ پر مظالم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور سرزمین عراق ان پر تنگ ہوگئی۔ مدائنی نے کتاب الاحداث میں اس زمانہ کی یوں مرقع کشی کی ہے۔ کان اشد الناس بلاءً حینئذٍ اھل الکوفۃ الخ (ترجمہ) یعنی معاویہ کے دورِ حکومت میں سب سے زیادہ مصیبت میں اہل کوفہ تھے۔ اس لئے کہ وہاں شیعیانِ علی کثیر تعداد میں موجود تھے۔ وہاں کا حاکم بھی زیاد بن سمیہ مقرر کیا گیا۔ اس نے پوری جستجو سے شیعوں کو تلاش کر کے گرفتار کیا اور وہ ان کو پہچانتا بھی خوب تھا کیونکہ حضرت علی کے زمانہ میں وہ انہی لوگوں کے ساتھ تھا۔ اس نے ان کو جہاں پایا، قتل کیا۔ ہاتھ پاؤں قطع کئے آنکھوں میں سلائیاں پھروائیں، درختوں پر سولیاں دلوائیں اور عراق سے جلاوطن کیا۔ یہاں تک کہ کوئی مشہور شخص ان میں سے باقی نہ رہا۔ (بحوالہ نصائح کافیہ صفحہ) اور یہ صورتحال دو ایک ماہ دو ایک سال نہیں بلکہ پورے بیس سال تک قائم رہی۔ شیعیت اب صرف ایک مخصوص با معرفت جماعت میں مخفی حیثیت سے پرورش پا رہی تھی اور وہ جماعت کوفہ میں گمنامی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ بڑے بڑے رؤسائے عشائر، شیوخ قبائل اور با اثر لوگ سب حکومت وقت کے ساختہ پرداختہ اور اس کے حلقہ بگوش و عقیدت

کیش تھے ان حالات میں بھلا کوئی عقل سلیم رکھنے والا شخص ایک لمحہ کے لئے بھی یہ باور کر سکتا ہے کہ تیس ہزار کا لشکر جرار شیعیان کوفہ سے تیار کیا گیا تھا؟ حاشا وکلا۔!

دعوتی خطوط لکھنے والوں کی حقیقت

ان حالات میں یہ خیال کرنا کہ یہ خطوط لکھنے والے اور حضرت مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر امام کے لئے بیعت کرنے والے سب شیعہ تھے۔ تاریخی حقائق کا منہ چڑانا ہے۔ عام خلقت بقول شخصے بھیڑیا دھسان ہوتی ہے "جدھر ایک چلا ادھر سب" خلاہر کسے کہ زند خطبہ بنامش خوانند ہوا کے رخ پر اڑنے والی اور زمانہ کے غیر معمولی حوادث سے سرعت کے ساتھ رنگ بدلنے والی ہوتی ہے۔ یزید لعین کی خلافت سے بسبب اس کی سیاہ کاریوں کے بیزاری ایک طرف حسین بن علیؑ کی ہردلعزیزی دوسری جانب اور کل جدید لذیذ کے طبعی قانون کے مطابق ہر تازہ تحریک میں جو لذت و جذب ہوتا ہے وہ تیسری جانب ان سب باتوں کا نتیجہ تھا کہ کئی ہزار خطوط امام کو روانہ کئے گئے اور جب امام کے نمائندہ جناب مسلم کوفہ تشریف لائے تو کئی ہزار لوگوں نے بیعت کی لیکن کیا یہ سب شیعہ تھے؟ کیا کوفہ میں زیاد و آل زیاد لعنہ اللہ کی بیس ۲۰ برس سال حکومت کے بعد جس میں کھنچی ہوئی تلواریں اور جلادوں کے ہاتھ برابر اپنی سفاکی میں مشغول رہے اور دست و پا اور سر و زبان کی قطع و برید کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ کیا ان حالات میں کوفہ میں اٹھارہ بیس ہزار کی تعداد میں شیعہ ہو سکتے تھے؟ ہرگز نہیں! ایک آدمی کے اپنے تئیں شیعہ ظاہر کرنے سے وہ حقیقی شیعہ بن نہیں جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام کو بھی ان تمام پر اعتماد نہ تھا جب ہی تو جناب مسلم کو حالات کی جانچ پڑتال کے لئے روانہ کیا۔

طریقہ البتہ ان تمام دعوتی خطوط لکھنے والوں کی تحریر سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام کا مذہب شیعہ تھا اور معاویہ وغیرہ کے متعلق امامؑ کا نظریہ وہی تھا جو موجودہ شیعیان علیؑ کا ہے۔ کیونکہ جس شخص نے بھی خط لکھا ہے اس نے اپنے آپ کو شیعہ اور معاویہ کی مذمت کرنے والا ظاہر کیا ہے۔ کما لا یخفی۔ بہرحال رائے عامہ سطحی اور عارضی حالات سے ہموار ہوتی ہے۔ اس میں کوئی وزن اور ثبات نہیں ہوتا اسی کا نتیجہ تھا جو بعد میں ظاہر ہوا۔

فکریہ یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ان خطوط لکھنے والوں میں جو بعض لوگ واقعی شیعہ تھے ان میں سے کسی ایک شخص کی موجودگی بھی واقعہ کربلا میں امام کے مقابلہ میں ثابت نہیں ہے۔ بلکہ ان میں سے بعض (جیسے جناب حبیب بن مظاہرؓ سعید بن عبداللہؓ عبدالرحمن بن عبداللہؓ وامثالہم) امام کے ہمرکاب ہو کر شہید ہوئے اور دوسرے بعض موانع و عوائق کی وجہ سے (جن کی تفصیل ہم سعادۃ الدارین ص ۱۸۹-۱۹۰ میں بیان کر دی ہے) نصرت امام کا فریضہ انجام نہ دے سکے۔ اور بعد میں انتقام امام کے جذبہ سے سرشار ہو کر

تھے ۔۔۔ اور "توابین" کہلاتے ۔ بہرکیف ان خطوط میں یا کلام امام میں جہاں جہاں لفظ شیعہ موجود ہے اس سے مراد وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کیا تھا ۔ جو واقعی وحقیقی شیعہ ۔ وہ تو امام کے ہمرکاب تھے اور جام شہادت نوش کیا ۔ یا پھر گھروں کی چار دیواری میں محصور اور بعض اعتذار سے مجبور تھے

چہ خوش رسمے بنا کردند بخاک وخون غلطیدن
خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

یا لیتنا کنا معہم فنفوز فوزاً عظیماً ۔

ماتم حسین کی ابتدار

کتب شیعہ میں اس امر کی بھی تصریح ہے کہ امام مظلوم کو شہید کر دینے کے بعد ماتم حسین کرنے والے بھی وہی آپ کے قاتل غداران کوفہ تھے ۔ چنانچہ شیعہ کی معتبر کتاب اخبار ماتم صلا میں ہے "جب امام شہید ہو گئے تو اہل کوفہ وغیرہ نے اس قدر ماتم کیا کہ کسی کو ضبط کرنے کی تاب نہ رہی ۔۔۔ امام زین العابدین نے باریک آواز سے فرمایا اب تم لوگ روتے اور چلاتے ہو جارے لئے یہ تو بتاؤ کہ ہمیں ذبح کس نے کیا ۔۔۔ اسی کتاب کے ۸۱۸ میں ہے کہ حضرت ام کلثوم نے اہل کوفہ کو مخاطب کرکے فرمایا ۔ چپ رہو اے کوفیو! تمہارے مردوں نے ہمیں قتل کیا اور تمہاری عورتیں ہم پر روتی ہیں ۔ عجب ہے ۔ بروز قیامت ہمارے اور تمہارے درمیان خدا خود فیصلہ کرے گا ۔ اخبار ماتم ص۱۲۲ میں ہے کہ حضرت امام زین العابدین نے فرمایا ۔ یعنی اے گروہ مردمان قسم ہے پروردگار کی تم کو ۔ سچ کہو ۔ جو میں کہتا ہوں کہ تم نے کس قدر خط میرے والد کے نام تحریر کیے تھے ۔ پھر تم نے میرے والد کا ساتھ چھوڑ دیا اور ظلم وستم پر کمر باندھ لی ۔۔۔

حضرت زینب کا خطبہ

اخبار ماتم ص۔۔۔ میں ہے کہ حضرت زینب نے اہل کوفہ کا رونا پیٹنا دیکھا تو آپ نے ایک خطبہ پڑھا مائی صاحبہ نے فرمایا بعد حمد وصلوۃ کے ۔ اے اہل کوفہ ۔ اب تم روتے اور رقت کرتے ہو ۔ اللہ کی قسم بہت سے پھر تم بہت روؤ اور تھوڑا ہنسو ۔۔۔ کسی پنجابی شاعر نے مائی صاحبہ کے خطبہ کا ترجمہ پنجابی شعروں میں حسب ذیل کیا ہے ۔۔

جس دن قائم کیتا کوفیاں ہے ایمانس ۔۔۔ خاطر کارن اہل البیتاں کھولیاں خوب زباناں

پہلا ماتمی یزید ہے

اخبار ماتم میں لکھا ہے کہ سب سے اول ماتم یزید پلید کے گھر ہوا اس لئے گویا ماتم یزید کی سنت ہے ۔ چنانچہ اخبار ماتم ص۲۹۶

میں ہے (بحذف عربی) ـــ ترجمہ: جب اہلبیت یزید کے سامنے لائے گئے، بڑی نرمی اور مہربانی سے پیش آیا اور اہلبیت کے لیے حکم کیا کہ میرے گھر میں داخل کیے جائیں۔ جب مستورات یزید کے گھر داخل ہوئیں تو ابوسفیان کی تمام عورتیں چیخنے لگیں۔ امام حسین پر نوحہ شروع کر دیا ہندہ زوجہ یزید پردہ پھاڑ کر برہنہ بدن باہر نکل پڑی اور کہنے لگی۔ اے یزید! جگر گوشہ فاطمہ ـــ کا سر نیزہ پر تانا ہوا میرے گھر کے دروازہ پر ہے ـــ یزید کود کر گیا۔ اس کو کپڑوں سے ڈھانکا اور کہا تم اس پر ماتم کرو۔ کپڑے اور زیور ـــ اتار ـــ پھینکو اور تین دن تک صف ماتم بچھائے رکھو۔ اس پہ اہل کوفہ ماتم کرنے اور رونے پیٹنے لگے۔ تو حضرت زینب نے کہا: یہ شور و فغاں کیسا ہے؟ تا اوپر جو مذکور ہے ـــ قاتل! شیعہ غور کریں کہ وہ ماتم کرنے میں کس کی اتباع کرتے ہیں اور پہلا ماتمی کون شخص ہے اور کس کے گھر سے پہلے یہ رسم شروع ہوا؟

ایک شخص نے کیا عبرت آموز مضمون اس کے متعلق نظم میں بیان کیا ہے۔

پہلے اوّل کون تھا اور ظلم کمایا کس نے / ابن حیدر کو تھا کوفہ میں بلایا کس نے؟
کس نے خط بھیجے ذرا دیکھو کتابیں اپنی / سچ کہو جھوٹ نہ کہنا کہ رلایا کس نے؟
آلِ سرور کے دلارے پہ چلا کر خنجر / دشت پر کرب و بلا میں تھا لٹایا کس نے؟
وہ حسینؑ ابن علیؓ لخت جگر پاک نبیؐ / نور زہرا کی شعاعوں کو بجھایا کس نے؟
تھا جو گلزار [illegible] کا وہ تازہ پودا / آتش جور و جفا سے تھا لٹایا کس نے؟
قصرِ اسلام کو جو بلد یوسفؑ ثانی کو وہاں / قتل کر رتبہ اسلام گھٹایا کس نے؟
قتلِ احمد تھا وہ لاریب جو تھا قتل حسینؑ / سچ کہو خون پیغمبر کا بہایا کس نے؟
کس نے تشنوں پہ کیا بند تھا پانی پینا / بہتی ندیوں سے پھر مار ہٹایا کس نے؟
خانۂ زہرا کے جلانے کی ہے تہمت کن پر / خیمہ کو کرب و بلا میں تھا جلایا کس نے؟
حضرت فاطمہ زہرا کے جگر کی دولت / دشت پُرخار میں بل لوٹ، لٹایا کس نے؟
ایک کو ایک سے دو سونہ تھا جستہ شدہ کر / حیف اس عہد محبت کو بھلایا کس نے؟
اہلِ تطہیر جو تھیں پردہ نشینانِ امام / در بدر خاک بسر ان کو پھرایا کس نے؟
گھر میں بیٹھے تھے بہ آرام جو مردان خدا / لکھ کے خط مکہ سے ان کو بلایا کس نے؟
پرِ جبریل کے سایہ میں جو رہتے تھے سدا / خاک اور دھوپ میں تھا ان کو گرایا کس نے؟
ہو گیا تیروں سے چھلنی تھا وہ جسم اطہر / دوش نورانی پہ تھا گھوڑا دوڑایا کس نے؟

بوسہ گاہِ پاک محمد تھے جو انورِ شفتین | سپے یہ پے لکڑی کو تھا ان پہ چلایا کس نے؟

دوشِ سرورؐ پہ سواری تھے جو کرتے رہتے
نیچے پاؤں کے گرا ان کو روندا یا کس نے؟

دیگر ؎

یہ تھا شیعیانِ علی کا سب جور و جفا
معتبران کی کتابوں میں جو نہ ہے لکھا ہوا (آفتاب ص۳۳۲)

الجواب

سابقہ اوراق میں کتب فریقین کے معتبر حوالہ جات سے یہ امر ثابت کیا جا چکا ہے کہ گریہ وبکا سنتِ انبیاء و اولیاءؑ ہے اور ماتم شریعت مقدسہ محمدیہ کے قواعد کی رو سے مباح اور جائز ہے۔ بعد ازیں اس بحث کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ مظلوم کربلا پر سب سے پہلے ماتم کس نے کیا؟ کیونکہ یہ حقیقت محتاج بیان نہیں کہ جائز کام جائز ہے اگرچہ اس کے کرنے والا کوئی انتہائی گھٹیا اور بدکار آدمی ہو اور ناجائز کام ناجائز ہے۔ اگرچہ اس کا مرتکب بہت ہی بلند اور نیکوکار ہو۔ مخالفت حق نے مؤلف کے حواس کو ان کے خیالات کی طرح کچھ اس طرح پراگندہ و پریشان کر دیا ہے کہ ایک صفحہ پر کچھ لکھتے ہیں اور دوسرے صفحہ پر کچھ اور؟

مثلاً وہ عنوان "ماتم حسین کی ابتداء" کے ذیل میں ص۳۲۹ پر لکھتے ہیں کہ "ماتم کی ابتدا کرنے والے غدارانِ کوفہ تھے" اور ص۳۳۰ پر یہ ثابت کر رہے ہیں کہ "پہلا ماتمی یزید ہے" اور پھر ص۳۳۱ پر جو روایت اخبار ماتم سے نقل کی ہے اس میں یزید کے گھر ماتم کراتے کراتے ہوئے۔ اچانک کوفہ میں ماتم شروع کرا دیتے ہیں۔ الغرض مؤلف کی بدحواسی کا یہ عالم ہے کہ گویا زبانِ حال سے پکار رہے ہیں ؎

کبھی جھکتا ہوں مینا پر کبھی گرتا ہوں ساغر پر
مری بے ہوشیوں سے ہوش ساقی کے بکھرتے ہیں

سچ ہے: دروغگو را حافظہ نباشد!

اخبار ماتم پر تبصرہ

لطف بالائے لطف یہ ہے کہ مؤلف نے اس بحث میں جس کتاب پر اپنے بودے استدلال کی دیوار کھڑی کی ہے اور بار بار اسے "شیعہ کی معتبر کتاب" کہہ کر پیش کیا ہے یعنی اخبار ماتم، یہ وہ کتاب ہے جس کے ٹائٹل پر اس کے مؤلف کا نام ہی مذکور نہیں ہے۔ کیا مؤلف کی اصطلاح میں اسی کتاب کو معتبر و مستند کتاب کہا جاتا ہے جس کے مؤلف کا نام ہی نہ معلوم ہو کہ کون ہے؟ مگر شرم تم کو مگر نہیں آتی؟

مظلوم کربلاؑ پر سب سے پہلے دختران علیؑ نے ماتم کیا

اگر یہ معلوم کرنا ہے کہ مظلوم کربلا پر سب سے پہلے ماتم کس نے کیا تو آئیے! ہم آپ کو بتلاتے ہیں۔ یہ بات تاریخی شواہد سے ثابت ہے کہ مظلوم کربلا کی شہادتِ عظمیٰ پر سب سے پہلے علی و بتول کی لاڈلیوں اور یثرب کی شہزادیوں نے ماتم کیا ــــــ خرجن من الخیام لا طمات الوجوہ ناشرات الشعور۔ شہادت امام کی آواز سن کر مخدراتِ عصمت و طہارت اس طرح خیام سے باہر نکلیں کہ منہوں پر طمانچے مار رہی تھیں اور سروں کے بال کھلے ہوئے تھے (ملاحظہ ہو بحار الانوار ج ۲۲ ص ششم ناسخ التواریخ قمقام ذخار، ذخیرۃ الدارین وغیرہ) ــــــ اس سے ثابت ہو گیا کہ مظلوم کربلاؑ کا ماتم کرنا علیؑ و بتولؑ اور خود مظلوم نینوا کی شہزادیوں کی سنت ہے اور ماتم کرنے والے ان کی اتباع میں ماتم کرتے ہیں۔ اگر کوفہ و شام میں بھی ماتم ہوا ہے تو وہ اس کے بعد مخدرات کی تقلید و تاسی میں ہوا ہے بلکہ خود انہی نے کیا ہے مکان جس کا ہو اس سے کیا غرض ؟ شیعیان حیدر کرار کو یزید عنید اور اس کے کردار سے کیا واسطہ ؟ یزیدؔ اگر جائز بلکہ واجب الاتباع خلیفہ ہے تو مذہب اہلسنت میں کل اس شقی ازلی نے امام اور ان کے خاندان کو ختم کرنے کی کوشش کی تھی (مگر ناکام رہا) اور آج اسکے اتباع میں ذکر شہادت امام اور انکے مراسم عزا کو ختم کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے ہیں۔ مگر وہ یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ ان کے پھونکوں سے یہ چراغ ہدایت کبھی گل نہیں ہو سکے گا ؎

سبط نبی کا نقش مٹایا نہ جائے گا
یہ پرچم بلند جھکایا نہ جائے گا
نورِ نگاہ بنت پیمبر کا مرتبہ
کوئی بھی ہو کسی سے گھٹایا نہ جائے گا
جن ظالموں نے ظلم کیا اہلبیتؑ پر
قہر خدا سے ان کو بچایا نہ جائے گا
دلدادگانِ خنجر کوفہ سے حشر میں
ابن علیؑ کا خون چھپایا نہ جائے گا
واجب ہوئی ہے ہم پہ عزاداری حسینؑ
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا
زہراؑ کے خانوادۂ عظمت کو لوٹ کر
کوفہ کی آبرو کو بڑھایا نہ جائے گا

اس کربلا میں اب کسی ابن زیاد سے
عباس کے علم کو گرایا نہ جائے گا
مجھ کو خبر ملی ہے شہ مشرقین سے
فدن کو آفتاب بنایا نہ جائے گا
سن لیں میری طرف سے یزیدان عصر نو
نام حسین ان سے مٹایا نہ جائے گا (شورش کاشمیری مرحوم)

پنجابی نظم کا جواب پنجابی میں درج کر کے ہم علمی کتاب کو بٹہ نہیں لگانا چاہتے۔ البتہ اردو نظم کا جواب حسب دستور اسی ردیف قافیہ میں مولوی صاحب اور ان کے ہم مشربوں کی ضیافت طبع کیلئے حاضر ہے

گر قبول افتد زہے عز و شرف

آل محمدؐ پہ ظلم ...... کس نے؟

بے ادب کون تھا اور ظلم گرایا کس نے؟ — قلب اسلام پہ خنجر کو چلایا کس نے؟
تو ہی کہہ دے کہ اسلام کے منبر پہ — جگر خوارہ کے پوتے کو بٹھایا کس نے؟
نخل اسلام کی شاخوں کو کس نے کاٹا — تیشۂ الحاد سے قصر دیں گرایا کس نے؟
بیت زہراؑ کے جلانے کی دی دھمکی کس نے — تاریخ سے پوچھو کر مصاحف کو جلایا کس نے؟
مصداق یوحی پہ لگائی کس نے تہمت — سرور پہ ہذیان کا بہتان لگایا کس نے؟
کس نے محروم کیا زہراؑ کو وراثت سے — آیات الٰہی کو تعادل سے جھٹلایا کس نے؟
لاریب تھا حقدار خلافت تو حسینؑ — فاسق کے لئے رستہ ہموار بنایا کس نے؟
کہتے ہیں سقیفہ میں ہوا قتل حسینؑ — یہ بات صحیح ہے تو خون بہایا کس نے؟
سبط اکبر کو کیا زہر سے کس نے شہید — اور ان کے جنازے پہ تیر چلایا کس نے؟
وہ حسین ابن علیؑ لخت دل بنت نبیؐ — نور زہراؑ کی شعاعوں کو بجھایا کس نے؟
کس نے کربل میں خیموں کی طنابیں کاٹیں — اور عابد بیمار کو طوق پہنایا کس نے؟
اہل تطہیر جو تھیں پردہ نشینان امام — دربار شرابی میں انہیں بلوایا کس نے؟
منظور یہ سب لوگ نہ مشرک تھے نہ کافر — تھے سرور کونین کی امت کے اکابر

(سید منظور بخاری مرحوم)

ایک اور دلیل ماتم کے ناجائز ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم پارہ (۲) میں ہے ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات یعنی جو لوگ خدا کی راہ میں شہید ہوں ان کو مردے مت کہو، نیز پارہ ۴ میں ہے ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا ---- پھر سید الشہداء کو مردہ قرار دے کر ان کا ماتم کرنا قرآن پاک کی تکذیب کرنا ہے۔ تعزیہ کے عدم جواز پہ ایک اور دلیل یہ ہے کہ کتاب من لا یحضرہ الفقیہ ص۳۰ میں ہے من جدد قبراً او مثل مثالاً فقد خرج من الاسلام یعنی جس شخص نے کسی قبر کی تجدید کی یا اس کی مثال بنائے وہ اسلام سے خارج ہو گیا، جب بحکم حدیث قبر کی تجدید اور اس کی مثال بنانا بھی کفر ہے تو پھر تعزیہ بنانا بطریق اولیٰ موجب ضلالت ہوا۔ (آفتاب ص۲۳)

الجواب قبل ازیں ماتم و تعزیہ کے خلاف کافی زہر اگل چکا ہے اسکے بعد کئی غیر متعلق باتیں لکھ چکنے کے بعد مؤلف کو اب پھر ماتم کے عدم جواز پر دو دلیلیں یاد آئی ہیں مگر ہم پیش بندی کے طور پر ان دونوں دلیلوں کا مکمل جواب قبل ازیں مقام مذکورہ پیش کر چکے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جہاں تک حیات شہداء کا تعلق ہے۔ اس پر ہمارا ایمان ہے بلکہ کافر ہے جو قائل ہے ممات شہداء کا۔ مگر ہم ان کی زندگی جاوید پر ماتم نہیں کرتے بلکہ ان کے مصائب و شدائد پر ماتم کرتے ہیں۔

ہے تو ہیں مصائب پہ بہا لیتے ہیں آنسو
ہم زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

اور جہاں تک من لا یحضرہ الفقیہ والی حدیث کا تعلق ہے ہم مذکورہ بالا مقام پر ثابت کر آئے ہیں کہ (مثل مثالاً) سے ذی روح (جاندار) چیز کی تصویر کشی مراد ہے جو بالاتفاق حرام ہے۔ مؤلف نے "یا اس (قبر) کی مثال بنائے" کس جملہ کا ترجمہ کیا ہے؟ "مثل مثالاً" کا ترجمہ "یا قبر کی مثال بنائے" مؤلف کی ذاتی اپج ہے ورنہ حدیث میں قبر کی شکل بنانے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ آفریں باد بریں عقل و بریں دانش تو۔ بلکہ قبر کی مثال بنانا بالاتفاق جائز ہے۔ چنانچہ روایت میں وارد ہے کہ ایک شخص نے خدمت رسولؐ میں عرض کیا کہ میں نے باب جنت اور حور العین کی پیشانی چومنے کی قسم کھائی ہے اب کیا کروں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ماں باپ کے قدم اور ماں کی پیشانی چوم لو۔ سائل نے

عرض کیا وہ تو وفات پا چکے ہیں! فرمایا ان کی قبروں کو چوم لو۔ عرض کیا قبریں معلوم نہیں ہیں؟ فرمایا ان کی قبروں کی مثال بنا کر اسے چوم لو۔ منت پوری ہو جائے گی (فتاویٰ عالمگیری وخزانۃ الروایات) لہٰذا اس سے آیت و روایت سے اگر ماتم اور تعزیہ کا جواز ثابت نہیں ہوتا تو ان کی حرمت بھی کسی طرح ثابت نہیں ہوتی۔ افسوس ہے

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی

کم علم مولویوں کی روش پر علامہ وحید الزمان کا تبصرہ

یہ کم علم مولویوں کا غلو فی الدین ہے جو بات بات پر کفر کا فتویٰ لگاتے اور ہر جائز بات کو حرام بناتے ہیں۔ علامہ وحید الزمان ایسے ہی مولویوں سے شکوہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "جس نے کسی بزرگ کی قبر پر بوسہ دے دیا بس اس کو قبر پرست اور اسلام سے خارج کر دیا جس نے مولود شریف کی مجلس کی اس کو بدعتی قرار دے کر اس سے سلام کلام ترک کیا۔ حالانکہ گانے بجانے کے جواز و عدم جواز میں سلف سے اختلاف چلا آتا ہے اور قبر کے بوسہ کی اباحت امام احمد سے منقول ہے اور مجلس میلاد کو جائز کہنے والے بڑے بڑے حفاظ حدیث جیسے ابن حجر اور سیوطی اور ابو شامہ اور نووی وغیرہ۔ جاہل سنی مرثیہ خوانی اور تعزیہ اور علم داری کو شرک بتلا رہے ہیں۔ مصرع: این چہ شوریست کہ در دور قمر می بینم" (انوار اللغۃ پ ۱۹ ص ۶۱ طبع بنگلور) مولوی صاحبان تلخ نوائیاں بہت ہو چکی ہیں۔ اب مہر و محبت کی شیرینی کی ضرورت ہے۔ معمولی مسائل کو مدار کفر بنا کر مسلمانوں کو کافر نہ بناؤ۔ بلکہ ہو سکتا ہے تو کافروں کو مسلمان بناؤ اور متحد ہو کر اسلام پر ہونے والے یلغار کفر و الحاد کا مقابلہ کرو۔

حدیث من مثل مثالاً کا صحیح مفہوم

علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں "من مثل مثالاً خرج من الاسلام جو شخص جاندار کی صورت بنائے وہ اسلام سے نکل گیا۔ مجسم جاندار کی صورت بنانا تو بالاتفاق حرام ہے اسکو توڑ ڈالنا شیوہ اسلام ہے لیکن نقشی تصویریں یا فوٹو گراف کی تصویریں اختلاف ہے غیر جاندار کی تو بالاتفاق درست ہے اور جاندار کی بعضوں نے جائز رکھی بعضوں نے مکروہ۔ بعضوں نے حرام اور احتراز کرنا اس سے بہتر ہے" (لغات الحدیث ج ۵ کتاب المیم ص ۱۶ طبع کراچی) اس بیان سے ہمارے مدعا کی حرف بحرف تائید ہوتی ہے۔ اور تعزیہ و ذوالجناح کا جواز بے غبار ہو جاتا ہے کیونکہ تعزیہ بے جان کی تصویر ہے جو بالاتفاق جائز ہے اور ذوالجناح جاندار کی شبیہ ہے جس کا جواز لا کلام ہے؟

شیعہ کا استدلال جب قرآن و حدیث اور کتب شیعہ پیٹنے اور سینہ کوبی کو حرام قرار دیتے ہیں اور شیعہ کو اس کے جواز کی کوئی دلیل نہیں ملتی تو ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ وہ عجیب مضحکہ خیز دلائل پیش کرنے پر مجبور ہوتے ہیں ایک یہ کہ حضرت ابراہیم کی بیوی کو جب بشارت فرزند دی گئی تو فصکت وجہہا (اس نے منہ پر ہاتھ رسید کیا) ــــ کوئی ان عقل کے اندھوں سے پوچھے کہ فرزند پیدا ہونے کی بشارت پر لوگ خوشی کرتے ہیں یا ماتم ــــ سب لوگ جانتے ہیں کہ عورتوں کا قاعدہ ہے کہ جب وہ بات کرنے لگتی ہیں منہ پر ہاتھ رکھ لیتی ہیں۔ اسی طریق کے مطابق بیوی صاحبہ نے منہ پر ہاتھ رکھا ــــ

دوسری دلیل شیعہ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ یعقوب فراق یوسف میں بہت روتے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وابیضت عیناہ من الحزن فھو کظیم (یعقوب علیہ السلام کی دونوں آنکھیں غم سے سفید ہوگئیں اور ان کو بہت رنج تھا) معلوم نہیں اس آیت میں رونے پیٹنے کا کس لفظ سے استدلال کیا جاتا ہے ــــ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت یعقوب کو یوسف کے فراق کا اس قدر رنج و غم تھا کہ ان کا دماغ کمزور ہو کر بصارت جاتی رہی تھی اگر شیعہ کا خیال صحیح ہوتو "من الحزن" کی جگہ "من البکاء والصراخ" ہونا چاہئے تھا ــــ اگر رونا پیٹنا بصارت کے زوال کا باعث ہوتا تو آج دنیا کے کل ماتمی شیعہ ــــ تمام اندھے نظر آتے حالانکہ ہم نے کوئی ماتمی ماتم کی وجہ سے اندھا نہیں دیکھا ــــ ان کا یہ گریہ و بکا ان کی سینہ کوبی ــــ صرف چاول پلاؤ اڑانے کی خاطر ہے وبس حقیقت یہ ہے کہ کارنامۂ یزید کو اس شان و شوکت سے ہمیشہ تازہ کیا جاتا ہے کہ روح یزید کو اس سے کمال خوشی ہوتی ہوگی اور یوں تو ذاکروں، مرثیہ خوانوں پہ یزید علیہ ما علیہ کا احسان عظیم ہے ــــ اگر یزید یہ کرتوت نہ کرتا تو ان جگر گداؤں کو کون پوچھتا ماہ محرم ان لوگوں کے لئے گویا ماہ عید ہوتا ہے۔ پہلے سے تیاریاں شروع کر دیتے ہیں ــــ اُدھر ماہ محرم نمودار ہوا ادھر ان پر چاندی برسنے لگی۔ جا بجا ان کی آؤ بھگت ہونے لگی۔ روٹیاں مفت کی ملتی ہیں اور روپیہ پیسے الگ۔ ان کو تو یزید کے نام کی مالا جپنی چاہیئے اور اس کے نام کا سجدہ کرنا چاہیئے بہر صورت کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ ماتم کی ایجاد کس پیغمبر یا کس امام کی ایجاد ہے ــــ جب ایسا نہیں تو اسے شیطانی ایجاد سمجھنا چاہیئے۔ (آفتاب ص۳۳۵)

الجواب مظلوم کربلا کے غم میں رونا پیٹنا نہ قرآن کی رو سے حرام ہے اور نہ حدیث کی رو سے ناجائز البتہ مؤلف نے

بھی آیات مصابیہ سے اس کے عدم جواز کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے ہم نے ان کے مغالطہ خیز
کا تارپود فضائے آسمانی میں بکھیر کر اس کا جواز واضح طور پر ثابت کر دکھایا ہے۔ شیعہ خیر البریہ ایسے بے مایہ نہیں کہ وہ
مذہبی مراسم و شعائر کے سلسلہ میں مغالطہ خیز دلائل کا سہارا لیں بلکہ بفضلہ تعالیٰ ان کے دلائل و براہین اس
قدر مضبوط اور محکم ہوتے ہیں کہ تمام ارباب باطل اپنی متحدہ کاوشوں سے بھی ان کا ابطال نہیں کر سکتے۔ یہاں
مؤلف نے جس بات کو شیعہ کا پہلا استدلال ظاہر کیا ہے یعنی زوجۂ ابراہیمؑ کا فعل حالانکہ علمائے شیعہ متقدمین و متا
اثبات ماتم میں کبھی اس آیت کا سہارا نہیں لیا لہٰذا ہم ذمہ دار نہیں ہیں۔ علاوہ بریں یہ بھی واضح
کہ اگر شیعہ کا اس آیت کے ساتھ استدلال درست نہیں تو مؤلف کا بیان کردہ ترجمہ "منہ پہ ہاتھ رکھنا" بھی
نہیں ہے "صکت وجہہا" کا ترجمہ منہ پہ ہاتھ رکھنا کرنا مولوی کرم الدین کی علمی تہی دامنی کا غماز ہے۔ صک
پیٹنا، کوٹنا و پیٹنا ہیں۔ جس طرح "وضع" کے معنی رکھنا ہیں۔ اگر یہ مفہوم ہوتا جو مؤلف نے بیان کیا ہے تو
صکت وجہہا کے بجائے "وضعت یدہا علی وجہہا" ہوتا۔ عوام کی تسلی کے لئے ذیل میں شاہ رفیع الدین محدث
اور مولانا نذیر احمد دہلوی کے تراجم پیش کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ شاہ رفیع الدین صاحب اپنے ترجمہ میں لکھتے
"پس ہاتھ مارا منہ اپنے پر" اور ڈپٹی نذیر احمد صاحب اپنے ترجمہ قرآن میں رقمطراز ہیں "اور اپنا منہ پیٹ لیا" اس
سے حقیقت واضح ہوگئی کہ جناب سارہ نے یہ غیر متوقع بات سن کر منہ پیٹا تھا۔ منہ پر ہاتھ نہیں رکھا تھا۔

زوجۂ خلیل تولد فرزند کی بشارت پہ شکل سے خوش ہوتی ہوں۔ مگر جب بشارت ایسے ہنگام شیب
میں دی گئی کہ بظاہر عالم اسباب اس وقت اولاد ہونے کی کوئی امید نہ تھی۔ اس لئے یہ خوشخبری سنتے ہی منہ پر ہاتھ
مار کر کہا۔ ہیں؟ میرے ہاں کس طرح فرزند پیدا ہوگا؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بات بالکل خلاف توقع
(جیسے شہادت امام مظلومؑ) تو اس کے وقت اظہار تعجب ہی سہی۔ منہ پہ ہاتھ مارنا بدعت نہیں بلکہ معصوم
کی والدہ اور معصوم نبی کی زوجۂ محترمہ کی سنت ہے جو معصوم فرشتہ کے روبرو بجا لائیں مگر اس نے روکا ٹوکا
خود اس قدر عظمت و جلالت کی مالک تھیں کہ انکی تقلید میں خالق نے آج تک حجاج پر صفا و مروہ کا
درمیان سعی کرنا واجب قرار دے دی ہے۔

——— ہاں البتہ مؤلف نے جس چیز کو شیعوں کی دوسری دلیل قرار دیا ہے وہ ایسی مضبوط ہے کہ تمام اہل سنت
بھی قیامت تک اس کو رد نہیں کر سکتے۔ ہم سابقہ اوراق میں معتبر تفاسیر اہلسنت کی روشنی میں ثابت کر آئے ہیں
کہ فراق یوسف میں رو رو کر حضرت یعقوب کی بصارت زائل ہو گئی تھی۔ حزن و بکا لازم و ملزوم ہیں۔
دونوں میں علیحدگی کا تصور کرنا ہی حماقت کی دلیل ہے اور نبی کے دامن پر گریہ زدہ ہونے کا الزام کوئی نیا نہیں
مولوی صاحب کو اپنے بعض بزرگوں (عمر) سے ورثہ میں ملا ہے تلاش کیجئے شنشنۃ اعرفہا من اخزم

(حضرت) یوسف زندہ و موجود تھے۔ مگر پھر بھی ایک نبی ان کے فراق میں اسی برس تک یوں بلند آواز سے رویا (دامنِ
ی یوسف) کہ قوت بصارت جاتی رہی۔ مگر خداوند کریم پھر بھی ان کو صابر کہہ رہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ
رونا دھونا کرنا بے صبری نہیں ہے بلکہ بے صبری یہ ہے کہ خدا کی قضا و قدر پر زبان اعتراض دراز کی جائے۔ شیعہ
سال بھر بالعموم اور ماہ محرم الحرام میں بالخصوص جس شان و شوکت کے ساتھ مظلوم کربلا کی عزاداری قائم کرتے
اس سے یزید پلید کی نجس روح خوش ہونے سے تو رہی بلکہ قعر جہنم میں بھی اس کی بے قراری اور شدت
گریہ و زاری میں اضافہ ہو جاتا ہوگا۔ البتہ اگر خوش ہوں گی تو سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی ارواح مقدسہ
ہوں گی جن کے وہ شاندار کارنامے بیان کئے جاتے ہیں جن کی بدولت آج اسلام و ایمان کا نام و نشان باقی ہے۔
البتہ اگر یزید کی خبیث روح کو کچھ تسکین ہوتی ہو گی تو اپنی روحانی ذریت کے کارناموں سے جو آج
تحریر و تقریر کے ذریعہ حسین کا نام و کام مٹانے اور یزیدی مشن کو زندہ رکھنے کے لئے دن و رات سے شب
روز برابر مصروف کار ہیں۔ سچ ہے

یک حسین نیست کہ گردد شہید
ورنہ بسیار اند در عالم یزید

ــــ شیعہ مذہب میں غیر خدا کو کسی قسم کا سجدہ کرنا روا نہیں ہے ورنہ وہ عالم انسانیت کے محسن اعظم حسین
علیہ السلام کی بارگاہ معلیٰ میں ہزاروں سجدہ ہائے نیاز پیش کرتے۔ جن کی عظیم قربانی اور عدیم المثال قربانی
کی بدولت نہ صرف یہ کہ سجدہ کو بقا نصیب ہوئی بلکہ اسلام و ایمان موجود ہے۔ بلکہ آج کرۂ ارضی پر انسانیت کی بقا و دوام
بھی انہی کا مرہون منت ہے۔

انسانیت کے نام پر کیا کر گئے حسینؑ
ہر دور کے بلند خیالوں سے پوچھ لو

لہٰذا اگر شیعہ سجدہ نہیں کر سکتے تو کم از کم تو شیرینی یا نیاز تو اسی محسن اعظم کے نام کی ہی دیں گے۔ جن
سے ان کا دین و دنیا وابستہ ہے۔ نیز وہ مجالس عزا کو نجات دارین کا ذریعہ سمجھ کر ــــ منعقد کرتے ہیں۔ بھلا شیعیان
یزید اور اس کے اعوان و انصار سے کیا سروکار؟ اگر شیعیان حیدر کرار اپنے ائمہ اطہار کی بیعت و محبت
میں ان کے نام لیواؤں کی خدمت و تواضع اور آؤ بھگت کرتے ہیں تو مولوی کرم الدین اور ان کے ہمنواؤں کو کیوں
تکلیف ہوتی ہے؟ البتہ مولوی کرم الدین اور ان کے ہم نوا و ہم پیالہ مولوی صاحبان کو یزید کے نام پر نہ صرف
شیرینی تقسیم کرنی چاہئے بلکہ اس کے لئے سجدہ بھی کرنا چاہیے (کیونکہ مؤلف کے مذہب میں غیر خدا کو تعظیمی
سجدہ کرنا جائز ہے ــــ جیسا کہ بریلوی اہلسنت کی کتب اس پر شاہد ہیں) کہ آج ان کے طوطے مانند سے رہ

اندیشے پڑ گئے یا روپیہ پیسے کا جو بھی انتظام ہے وہ سب حق واہل اللہ بالخصوص غمخواری سید الشہداء کی مخالفت کی وجہ سے ہے۔ ادھر ماہ محرم نمودار ہوا اُدھر ان کی سعادتی اولاد کے مستان قلم و زبان تیز ہو گئے اور تقریر و تحریر کے ذریعہ عزاداری کی مخالفت میں طوفان بد تمیزی کھڑا کر دیا اور پھر سادہ لوح مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر روٹیاں مفت کی توڑیں اور روپیہ پیسے الگ کمائے اور جا بجا فتنے اور دنگا فساد اس کے علاوہ جاری فی سبیل اللہ فساد ــــــ

زحمت بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے

آئینہ دیکھئے گا ذرا دیکھ بھال کر

ہم نے سابقہ اوراق میں ثابت کر دیا ہے کہ گریہ و بکا سنت انبیاء و اولیاء ہے اور ماتم کرنا قواعد شرعیہ کی رو سے مباح ہے اسے شیطانی ایجاد قرار دینا انہی لوگوں کو زیب دیتا ہے جو شیطانی قیاس کرنے کے عادی ہیں نیز ہم قبل ازیں تاریخ طبری، کامل، مسند احمد اور سیرت ابن ہشام کے حوالہ جات سے وفات النبیؐ پر حضرت عائشہ و دیگر ازواج و صحابیات النبی کا ماتم کرنا ثابت کر آئے ہیں۔ کیا دعا؟ مولوی کرم الدین صاحب یہی فتویٰ صادر فرمائیں گے کہ رسول اسلام کے گھر میں ازواج النبیؐ نے شیطانی ایجاد پر عمل کیا تھا اور صحابہ دیکھ رہے تھے؟

ـــ گل چیں کا گلہ بلبل خوش لہجہ نہ کر

تو گرفتار ہوئی اپنی صدا کے باعث

شہدائے کربلا کے اسمائے گرامی

یہاں مؤلف آفتاب ہدایت نے النجم لکھنؤ کے کربلا نمبر ۱۳۵۶ھ سے ایک سو چھ ۱۰۶ شہدائے کربلا کے اسمائے گرامی کی ایک فہرست دی ہے۔ صرف اس مقصد کے پیش نظر کہ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ حضرت علیؑ کے دوسرے صاحبزادگان مسمی بہ ابوبکر، عثمان اور حضرت حسنؑ کے صاحبزادہ عمر نے بھی جام شہادت نوش فرمایا حالانکہ مدعیان محبت اہلبیت نے اپنی مجلسوں میں کبھی ان کا نام تک نہیں لیا ــــ اصحاب ثلاثہ کے مبارک ناموں پر اولاد کے نام رکھنے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ و حضرات حسنینؑ کو اصحاب ثلاثہ سے نہایت درجہ کی محبت و عقیدت تھی۔

ـــــ آفتاب ص ۵۳۵)

الجواب

مؤلف کا اس فہرست کے درج کرنے سے جو مقصد وابستہ تھا اس کے واضح کر دینے کے بعد ہم بنظر اختصار اس فہرست کو درج نہیں کیا۔ شہدائے کربلا کے تفصیلی حالات مع ہجو کرنے والے شہ

دیکھنے کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب سعادۃ الدارین کی طرف رجوع فرمائیں۔ ہمارے علماء مؤرخین نے کبھی حقائق پس پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔ جہاں کتب تواریخ و مقاتل میں جناب سید الشہداء کے حالات مسطور ہیں وہیں دوسرے تمام نام پیدہ شہداء کربلا کے حالات بھی مذکور ہیں (اس سلسلہ میں تمام شیعی کتب مقاتل دیکھے جا سکتے ہیں) باقی رہا مجالس و محافل میں بیان، تو ظاہر ہے کہ جس قدر جس شہید کا واقعہ شہادت زیادہ رقت خیز ہوگا اسی قدر اس کے بیان پر زور بھی زیادہ دیا جائے گا۔

اس میں نام سے زیادہ کام کا دخل ہے ـــــ اور جہاں تک ناموں کے اس اشتراک سے حضرت علی و ثلاثہ کے باہمی میل و محبت کے اثبات والے مضحکہ خیز استدلال کا تعلق ہے ہم قبل ازیں بڑی تفصیل کے ساتھ اس استدلال کی رکاکت و کمزوری ظاہر کر چکے ہیں۔ وہاں رجوع کیا جائے اس مقام کے دیکھنے سے واضح ہوگا کہ حضرت علی اور ان کے شیعوں کو جو کچھ اختلاف ہے وہ ان اصحاب کے میمان سے ہے نہ کہ اسماء سے علاوہ بریں جب ان اصحاب کے اچھے میمان بھی موجود تھے تو یہ کیوں نہ کہا جائے کہ ان سے ناموں کے سامنے رکھ کر یہ نام رکھے گئے ہیں ~~ان مخدہ فذکرہ~~ لحسن مثاذ ذکرہ۔

بعض اختلافی مسائل

اب ہم اختلافی مسائل پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں جو ہمارے اور شیعہ کے مابین متنازعہ فیہا ہیں اور شیعہ کی کتابوں سے ہی ان کے خلاف استدلال کریں گے۔ چونکہ شیعہ کو ہر ایک امر میں اہلسنت والجماعت کی مخالفت کا حکم ہے چنانچہ پہلے یہ حدیث نقل ہو چکی ہے کہ اگر اہلسنت کا قول مطابق کتاب اللہ بھی ہو تو بھی حتی الوسع ان کی مخالفت کرنا چاہیئے۔ اس لئے معاملات میں (عبا)دات میں ہر ایک بات میں شیعہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد دنیا سے الگ ہی بنانا چاہتے ہیں۔ ہم ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے ہیں تو وہ کھول کر، ہم چار تکبیر جنازہ پڑھتے ہیں تو وہ پانچ، ہم وضو میں پاؤں کو دھوتے ہیں اور وہ مسح کرتے ہیں، ہم سلام مسنون، السلام علیکم کہتے ہیں وہ بجائے اس کے یا علی مدد پکارتے ہیں۔ ہم لبوں کے بال کٹاتے اور داڑھی بقدر قبضہ رکھتے ہیں وہ مونچھیں بڑھاتے اور داڑھی چٹ کرا دیتے ہیں۔ ہم مساجد میں نماز پڑھنے کیلئے جاتے ہیں وہ دائرہ میں بیٹھ کر بھنگ رگڑتے اور حقہ گڑگڑاتے ہیں اور مساجد کے مقابلہ میں امام بارگاہ بناتے ہیں (ملخصاً آفتاب ص ۲۳۳)

الجواب سچ ہے اذا لم تستحی فاصنع ما شئت یعنی بے حیا باش و ہرچہ خواہی کن۔ مؤلف اکثر مقامات پر ایسی روش اختیار کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کسی مبدأ و معاد پر کوئی اعتقاد نہیں

ہے۔ اگر ان کے اندر زندہ ضمیر ہوتا تو ایسی بے جا تحریر پہ منہ و زبان کی ملامت کرتا۔ مگر آہ۔ فانہا لا تعمی الابصار
ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور۔ (مؤلف کی ایسی ہی تحریریں دیکھنے کے بعد ان بعض پنجابی مقولوں کی تصدیق
ہوتی ہے جو ان کے متعلق مشہور ہیں۔ مگر چونکہ ان سے فاقی جہالت کی بو آتی ہے اس لئے ہم انہیں درج کر کے اپنے دامن
کو اس سے ملوث نہیں کرنا چاہتے۔ اکبر نے کیا خوب کہا ہے "مذکر دیکھے ہیں اور مونث کے لئے "شی" ہے۔ مگر
حضرت ـــــ تے ہی نہ ہیئوں میں نہ شیئوں میں۔ بلکہ یہ مثال صرف رد و پہ و بیٹھ" میں مل جاتا ہے) خیر کر دم اشارہ
و مکرر نمی کنم۔ شیعہ خیر البریہ کا طغرائے امتیاز ہے کہ ان کے مذہب میں رائے و قیاس حرام ہے۔ وہ ہر ہر
دینی اور دنیوی معاملہ میں خدا اور رسول کے حکم کی اتباع کو واجب و لازم اور اس سے سرمو انحراف
کرنے کو ناجائز و حرام سمجھتے ہیں۔ وہ اگر ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے یا وضو میں پاؤں کا مسح کرتے یا نماز جنازہ پانچ
تکبیر پڑھتے ہیں تو کسی کی ضد میں ہرگز ایسا نہیں کرتے (سبحان اللہ ہذا بہتان عظیم) بلکہ صرف اور صرف اسے
ہی حکم خدا و رسول سمجھ کر ایسا کرتے ہیں۔ اگر انہیں مخالفت برائے مخالفت کرنا ہی مقصود ہوتی تو وہ سرے سے
نماز نہ پڑھتے۔ اور جنازہ میں پانچ کی بجائے تین یا چھ تکبیریں پڑھ کر اور پاؤں کے مسح کی بجائے سر کے مسح میں
بھی۔ نیز روزہ و حج وغیرہ عبادات میں بھی کی جا سکتی تھی۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے جیسا کہ عنقریب کتب فریقین
سے ثابت کیا جائے گا کہ خدا اور رسول کا حکم وہی ہے جس پر شیعہ کاربند ہیں۔ ہاں اصل بات یہ ہے کہ مؤلف
نے اپنے آئینہ میں دوسروں کو دیکھنے کی ناپاک جسارت کی ہے کیونکہ اہل حق کی ضد میں حق کی مخالفت کرنا مؤلف
اور ان کے ہم مذہبوں کا شیوہ و شعار ہے۔ جیسا کہ قبل ازیں کسی مقام پر متعدد مثالیں دے کر ثابت کیا جا چکا ہے
کہ وہ اہل حق کی ضد میں حق کے خلاف عمل کرتے ہیں۔ جیسے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا، حضرت امیرؑ کے نام کے ساتھ
"علیہ السلام" نہ کہنا اور روز عاشورہ کو روز مسرت قرار دینا وغیرہ وغیرہ) یا پھر حق کی مخالفت یہ ہے کہ بلا وجہ یہ جانتے
ہوئے کہ نماز تراویح پڑھنا، چار تکبیر نماز جنازہ مقرر کرنا اور نماز صبح کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کہنا بدعت
عمر ہے مگر اہلسنت کہلانے والے سنت کو چھوڑ کر بدعت پر عمل پیرا ہیں۔ کیوں؟ محض اہل حق (شیعہ) کی ضد میں
باقی رہا سلام اور ڈاڑھی وغیرہ کا مسئلہ تو شیعوں کا اسلامی سلام وہی ہے جو دوسرے مسلمانوں کا ہے۔ اور ڈاڑھی رکھنا
معترض کے مذہب میں صرف سنت ہے مگر ہمارے مذہب میں رکھنا واجب ہے اور منڈوانا حرام ہے۔ اسی طرح
بھنگ وغیرہ کی حرمت ہمارے نزدیک ان سے زیادہ سخت ہے جیسا کہ عنقریب واضح ہوگا۔ اسی طرح مذہب
شیعہ میں مونچھیں بڑھانا سخت ـــــ مکروہ اور کٹوانا سنت ہے اگر کوئی شیعہ کہلا کر ان احکام کی خلاف ورزی کرتا
ہے تو یہ اس کا انفرادی فعل ہے اس کی وجہ سے سب اہل مذہب کو مطعون کرنا روا نہیں ہے۔ امام باڑہ کو مسجد
کا ہم مقابل قرار دینا بھی مولوی صاحب کی دقیقہ شناس طبیعت کا خاصہ ہے ورنہ اسے حقیقت سے کوئی تعلق

نہیں ہے جس حدیث کا موصوف نے یہاں اشارۃً حوالہ دیا ہے ہم نے اسکی اپنے مقام پر پوری تشریح کر کے اسکے زہر فساد کا فساد آشکار کر دیا ہے۔ بہرحال اب چونکہ موصوف نے آخر کتاب میں بعض اختلافی مسائل کو چھیڑا ہے تو ہم بھی جواب میں حسب دستور کتب فریقین سے علمی اور الزامی جوابات پیش کر کے واضح و آشکار کریں گے کہ یہی اسلامی روش و رفتار وہی ہے جس پر شیعیان حیدر کرار کاربند ہیں باقی جو کچھ بھی ہے وہ بندش وہم و خیال ہے

پہلا مسئلہ (نماز دست بستہ) شیعہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہاتھ باندھ کر پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی اسلئے

اس مسئلہ پر عقلی و نقلی بحث کر کے قرآن و حدیث اور کتب شیعہ سے استدلال کر کے روشنی ڈالی جاتی ہے۔

عقلی دلیل نماز عجز و نیاز کا نام ہے اس میں جلسہ قعدہ، قیام اور رکوع و سجود وغیرہ جملہ حرکات و سکنات اظہار انکسار کے لئے کئے جاتے ہیں قد افلح المؤمنون الذین ھم فی صلوتھم خاشعون ــــ دوسری جگہ ہے قوموا للّٰہ قانتین خدا کے حضور ادب و انکسار سے کھڑے ہو غرض نماز کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے معبود کے سامنے مؤدبانہ کھڑا ہو کر ذات کبریائی کی عظمت ــــ کا اعتراف کرتے ہوئے زبان سے بجوارح سے اپنی عاجزی ــــ کا اظہار کرے ــــ ہر ذی عقل سمجھ سکتا ہے کہ طریق عجز و نیاز یہی ہے کہ دست بستہ کھڑے ہو کر اپنے رب العباد کے سامنے عرض و معروض کیا جائے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کرتے ہیں ہر ایک شاہی دربار کا یہی آئین ہے ــــ کوئی چھوٹا بڑے ــــ کو خط لکھنا شروع کرے تو یوں لکھتا ہے کہ دست بستہ سلام کے بعد یوں عرض ہے ــــ پھر جب اعلیٰ سرکار ــــ کے دربار میں ــــ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگیں تو عرفاً و اخلاقاً و شرعاً طریق ادب یہی ہے کہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوں یہ کوئی طریق ادب نہیں کہ ہاتھ کھولے ہوئے اکڑ کر کھڑے ہو جائیں ــــ ہاتھ کھولے اکڑ کر سلیوٹ کرنا نصاریٰ کا آئین ہے ــــ

نقلی دلائل **پہلی دلیل** :- قرآن میں ہے فصل لربک وانحر (خدا کی نماز ہاتھ باندھ کر پڑھو) نحر کے معنی کتب لغت میں ہاتھ باندھنے کے ہیں سکے ہیں چنانچہ کتاب قاموس ج ۲ صـ۲۲ ــــ میں ہے نحر الرجل فی الصلوٰۃ انتصب و نهد

صدرہ و وضع یمینہ علی شمالہ (نماز میں نحر کا معنی یہ ہے کہ سینے تک بلند سینہ پر کر کے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر باندھ کر کھڑا ہو) ــــ آیت فصل میں چونکہ نماز پڑھنا قرینہ موجود ہے اس لئے یہاں نحر کا معنی یہی ہے ــــ امام فخر رازی نے تفسیر کبیر ج ۸ صـ۱۲ میں ــــ حضرت علی المرتضٰے کا قول یوں نقل کیا ہے والا شہر وضعہا علی النحر علی عادۃ الخاشع (وانحر کا اشہر و اظہر معنٰی یہی ہے کہ سینہ پر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھے جیسے خشوع و خضوع کا طریق ہے) ایسا ہی تفاسیر در منثور، معالم التنزیل ــــ اور کتب حدیث بخاری و ترمذی ــــ میں حضرت علی اور ابن عباس اور دیگر جلیل القدر صحابہ کرام کی روایات سے یہی معنٰی لکھا گیا ہے ــــ

دوسری دلیل جب حضرت موسٰے کوہ طور پر خدا کے حضور میں پیش ہوئے تو جوتیاں اتار کر نماز پڑھنے کا حکم ہوا اور طریق ادب بھی بتلایا گیا ــــ واضمم الیک جناحک من الرھب اس واقعہ کا قرآن کریم میں دو جگہ ذکر ہے سورۂ قصص میں اس واقعہ کا بیان ہوا ہے جہاں سلک یدک فی جیبک اسلک، گریبان میں ہاتھ ڈالنے ــــ کا بھی ذکر ہے اسی جگہ واضمم الیک الخ بھی مذکور ہے، چونکہ بعض آیات سے بعض کی تفسیر ہوتی ہے اس لئے اگرچہ اس جگہ اقم الصلوٰۃ مذکور نہیں لیکن معنًا گویا وہی حکم یہاں بھی موجود ہے ــــ ضم ایک چیز کو دوسری کے ساتھ جمع کرنے کو کہتے ہیں ــــ جناح کا معنی ہاتھ ہے ــــ رہب کا معنی عاجزی ہے، معنی آیت واضمم کا یہ ہے کہ اپنے جسم سے اپنا ہاتھ ضم کرے عاجزانہ شکل بنا کر ــــ سو چونکہ داہنا بائیں سے افضل ہے اسلئے بحکم الید العلیا خیر من الید السفلٰی ــــ داہنے کو اوپر اور بائیں کو نیچے رکھنا بھی ثابت ہو گیا۔

تیسری دلیل شیعہ کی معتبر کتاب فروع کافی ج ۱ صـ۱۹۸ میں ہے (بحذف عربی) ترجمہ " زرارہ سے روایت ہے کہا جب عورت نماز میں کھڑی ہو اپنے دونوں پاؤں ملا رکھے اور ان میں فاصلہ نہ ہو اور دونوں ہاتھ پستانوں کی جگہ پہ باندھ لے " دکذا فی علل الشرائع صـ۱۳۵ (تہذیب الاحکام ج ۲ صـ۱۶۱) پھر جب عورت کو ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کا صریح حکم کتب شیعہ میں موجود ہے تو مرد کیوں، کھول کر پڑھیں ــــ احکام قرآن مردوں اور عورتوں کے لئے یکساں ہیں ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین ــــ

چوتھی دلیل شیعہ کی کتابوں سے ثابت ہے کہ جناب امیر حضرت ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھتا

کرتے تھے جیسا کہ شیعہ کی معتبر کتاب لمعۃ البیضاء ص۴۰۵ میں تصریح موجود ہے تو اس وقت مشکل یہ ہے کہ جناب امیر نے ہاتھ کھول کر نماز پڑھی ہو جبکہ دیگر امور میں بقول شیعہ تقیہ سے اوقات بسر کرتے تھے۔ پھر شیعہ کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ شیعہ کی معتبر کتاب من لا یحضرہ الفقیہ میں لکھا ہے کہ شیعہ کو چاہیئے کہ اہلسنت کے پیچھے تقیہ کرکے نماز پڑھا کریں اس سے ان کو پچیس گنا زیادہ ثواب ملتا ہے۔

استدلال شیعہ شیعہ کہتے ہیں کہ قرآن میں لکھا ہے کہ والطیر صافات کل قد علم صلوتہ وتسبیحہ (پرندے صف باندھے عبادت خدا کرتے ہیں خدا ہر ایک کی نماز وتسبیح کو جانتا ہے) اور ظاہر ہے کہ پرندے ہاتھ کھول کر عبادت کرتے ہیں۔

جواب انسان اشرف المخلوقات ہو کر پرندوں کی اتباع کرنے یہ از بس عجیب بات ہے پرندے تو بازوؤں کو ہلاتے ہیں پھر شیعوں کو بھی بازو ہلانے چاہیئں۔ پرندے اڑتے ہوئے پتجال بھی کرتے ہیں۔ پرندے قبلہ کے پابند نہیں۔ یہ نہ کوئی دلیل ہے بلکہ مضحکۂ اطفال ہے۔

دوسری دلیل کہ صلوۃ الخوف میں مسلمانوں کو حکم ہے ولیاخذوا حذرھم واسلحتھم اور اپنے ہتھیاروں کو پکڑے رکھیں، یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ہاتھ کھولے ہوئے ہوں۔ جواب:- اول تو نماز خوف پر دوسری نماز کا قیاس نہیں ہو سکتا وہ بحالت مجبوری ہوتی ہے۔ دوم شیعہ کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ سپاہی ہاتھوں میں ہتھیار پکڑتے نہیں رکھتے بلکہ اکثر بندھے ہوئے ہوتے ہیں۔ تلوار کمر سے۔ تیر ترکش میں پڑے ہوئے۔ ایسی صورت میں ہاتھ باندھ کر نمازی نماز بھی پڑھ سکتے ہیں اور ولیاخذوا حذرھم ہتھیار پکڑنے کی تعمیل بھی ہو جاتی ہے شیعہ کو ایسا استدلال کرنے سے شرم آنی چاہیئے۔ شیعہ ایک یہ دلیل پیش کیا کرتے ہیں کہ امام مالک کے نزدیک ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کا حکم ہے۔

جواب:- یہ بھی شیعہ کا ایک دھوکہ ہے کیونکہ حقیقت میں یہ امام مالک مجتہد مذہب نہیں بلکہ ایک اور صاحب مالک بن عطیہ (شیعی) ہیں۔ ہمنامی کی وجہ سے اس مسئلہ کو امام مالک کی طرف منسوب کر بیٹھے ہیں۔ امام مالک کی مشہور کتاب موطا امام مالک مجتہد ہے اس میں "وضع الیدین احدا ھما علی الاخری" حدیث موجود ہے۔ امام موصوف

بھی نماز میں ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں علاوہ ازیں ہم امام ممدوح کے مقلد ہیں کہ قول امام ہم پر حجت ہو سکے یہ سب بودے دلائل ہیں شیعہ کو چیلنج دیا جاتا ہے کہ ہماری کتب صحاح و معتبر کتب فقہ حنفیہ اہلبیت حضرت علی امام حسن امام حسین کا مذہب ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا ثابت کریں بلکہ وہ اپنی کتابوں سے بھی ثابت نہیں کر سکتے ہم نے قرآن و حدیث و کتب شیعہ سے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کا ثبوت پیش کر دیا ہے کیا شیعہ حضرات سے کوئی صاحب انصاف ہے جو ضد چھوڑ کر راہ راست پر آجائے؟ (آفتاب ۳۴۴)

الجواب **اسلام کی موجودہ حالت زار کا بیان** ہائے اسلام تیری رام کہانی نہ اب سنی جا سکتی ہے اور نہ سنائی جا سکتی ہے تیرے اپنے نام نہاد تام لیواؤں نے اس طرح تیرا حلیہ بگاڑ کر تجھے پہچانا جا سکتا ہے نہ غیروں کو سمجھایا جا سکتا ہے ؎

عجب سوزیست اندر دل اگر گویم زبان سوزد
دگر خاموش بنشینم ترسم استخوان سوزد

ارکان اسلام میں سے ایک رکن اعظم نماز ہے خدائے رحمٰن نے قرآن میں کم و پیش سو مقامات پر اس کا تذکرہ فرمایا ہے اور اس کے پڑھنے کا حکم دیا ہے اور اس کے ترک کو کفر و شرک قرار دیا ہے۔

بعثت نبی کی غرض و غایت خدا نے اپنے احکام قرآن میں نازل فرمائے اور عملی تعلیم و تلقین کے لئے پیغمبر اسلام کو مبعوث فرمایا تاکہ مسلمان احکام قرآن میں پڑھتے جائیں اور ان کی عملی تصویر رسول اسلام کے عمل و کردار میں دیکھ کر اپنے عمل و کردار کو اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالتے جائیں۔ چنانچہ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سلسلہ میں فرماتے ہیں صلوا کما رأیتمونی اصلی یعنی نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو (تفسیر کبیر ج ۶ صـ۱۹ وج ۱ صـ۶۹ بخاری ج ۱ صـ $\frac{۲۱}{۱۴۹}$ تسہیل القاری پ ۳ صـ $\frac{۲۱۹}{۲۵}$ وغیرہ) مگر افسوس بجائے اس کے کہ مسلمان رسول دوجہان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع و اقتدار کر کے سعادت دارین حاصل کرتے انہوں نے اسلامی احکام کو اپنے ذاتی قیاسات و خیالات کی آماجگاہ بنا کر اسلام کو بازیچہ اطفال بنا دیا۔

نماز کے متعلق اسلامی اختلاف کا اجمالی نقشہ اسی نماز کو لیجئے جسے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پورے تیئیس (۲۳) سال تک ہر شب و روز میں پانچ مرتبہ سفر میں حضر میں خلوت میں جلوت میں اور ہزاروں کے مجمع عام میں پڑھتے رہے۔ مگر مسلمان آج تک اس بات کا فیصلہ بھی نہیں کر سکے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کس طرح نماز پڑھتے تھے؟ آیا ہاتھ کھول کر پڑھتے تھے یا باندھ کر ـــــ اور اگر باندھ کر پڑھتے تھے تو ہاتھ کہاں باندھتے تھے؟ (۱) اس سوال کے جوابات ملاحظہ فرمائیے! ہاتھ کھول کر پڑھتے تھے۔ (امام مالک)[1]

---

[1] مؤلف نے دیگر افادات عالیہ کی طرح یہ افادۂ جدیدہ بھی فرمایا ہے کہ وہ مالک جو کھلے ہاتھ نماز پڑھنے کے قائل ہیں وہ امام مالک مجتہد نہیں بلکہ مالک بن عطیہ کوفی ہیں جو شیعہ ہیں۔ ایسے تحقیقات کی خدا کی قسم لاجواب کی۔ حالانکہ مذاہب اسلامیہ پر طائرانہ نگاہ ڈالنے والے حضرات پر بھی یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ ان مالک سے مراد امام مالک بن انس مدنی ہیں۔ جو اہلسنت کے ائمہ اربعہ میں سے چوتھے امام ہیں۔ اور وہ نماز میں ارسال الیدین کے قائل ہیں اہلسنت کی تمام فقہی کتابوں میں ان کا یہ قول موجود ہے (۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی فتح المنان میں لکھتے ہیں "مذهب مالك ارسال اليد بن وهو عزيمة عنده والوضع رخصة" یعنی امام مالک کا مذہب نماز میں ارسال الیدین ہے یہ ان کے نزدیک عزیمت ہے۔ اور باندھنا رخصت" (۲) عینی شرح کنز الدقائق ص۳۵ طبع نولکشور میں ہے قال مالك العزيمة في الارسال والرخصة في الوضع والاخذلان النبی کان یفعل كذالك وكذا الصحابه حتى تنزل الدم من رؤس اصابعهم یعنی امام مالک کا قول یہ ہے کہ عزیمت ہاتھ کھولنے میں ہے ہاں باندھنے میں بھی رخصت ہے کیونکہ جناب رسولخدا اور ان کے اصحاب اسی طرح کھول کر نماز پڑھتے یہاں تک کہ ان کی انگلیوں کے سروں میں خون اتر آتا تھا۔ (۳) نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۱۷۳ میں لکھتے ہیں "عن مالك روايتان احداهما يضعهما تحت صدره والثانية يرسلهما - وهذه رواية جمهور اصحابه وهي الاشهر عندهم یعنی مالک سے دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ ہاتھ سینے کے نیچے باندھے۔ دوسری یہ کہ کھول کر پڑھے اور یہ روایت ان کے اصحاب کے نزدیک زیادہ مشہور ہے (۴) المیزان الکبریٰ للشعرانی ج ۱ ص ۱۳۰/۱۳۱ طبع مصر میں ہے قول مالك فى اشهر روايته انه يرسل يديه ارسالاً الخ یعنی مالک سے زیادہ مشہور روایت یہ ہے کہ ارسال الیدین کیا جائے۔ امید ہے کہ اس مطلب کے اثبات کے لئے یہ چار شہادتیں کافی ہوں گی اور اگر کسی کی اب بھی تسلی نہ ہوئی ہو تو وہ مالکیوں کے عمل کا مشاہدہ کر کے اطمینان قلب حاصل کر سکتا ہے سوڈان اور مصر میں کافی تعداد میں مالکی آباد ہیں۔ نیز امام مالک نے مؤطا میں ہاتھ باندھنے کے متعلق کوئی حدیث درج نہیں کی بلکہ صرف قول نقل کیا ہے کہ لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ دائیاں ہاتھ بائیں پر رکھیں" فراجع ـــــ (منہ عفی عنہ)

(۲) باندھ کر پڑھتے ہیں اور ناف کے نیچے باندھتے تھے (امام اعظم) (۳) باندھ کر پڑھتے تھے مگر ناف کے اوپر یعنی پیٹ پر (امام شافعی) (۴) باندھ کر پڑھتے تھے مگر سینہ کے اوپر (امام احمد) ایک غیر جانبدار شخص یہ اختلاف دیکھ کر کیا خیال کرے گا ؟ یہی نہ ! کہ اگر یہ سب اقوال درست ہیں تو حضرت محمد بن عبداللہ (صلے اللہ علیہ آلہ وسلم) نبی ورسول تھے یا بہروپیہ کی طرح سوانگ رچاتے رہتے تھے ؟ (معاذ اللہ) امام شعرانی نے بموجب " زاد فی الطنبور نغمۃ " یہ نظریہ اختیار کیا ہے کہ (۵) کامل اور عارف لوگ ہاتھ باندھ کر پڑھیں اور عوام الناس کھول کر (کبریت احمر ج ۱ ص ۵۷ میزان کبری ج ۱ ص ۳ طبع مصر) (۶) اور ابن منذر صاحب نے یہ افادہ فرمایا ہے کہ " لم یثبت من النبی فی ذالک شیئ فھو مخیر " یعنی اس سلسلہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ بھی ثابت نہیں ہے اس لئے نمازی کو اختیار ہے کہ خواہ کھول کر پڑھے اور خواہ باندھ کر " (نیل الاوطار ج ۲ ص ۲ طبع مصر) افسوس ہے

شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا۔

یہ اختلاف دامن اہلبیت کو چھوڑنے کا نتیجہ ہے

یہ اختلاف نتیجہ و ثمرہ ہے اس بات کا کہ مسلمانوں نے ان ذوات مقدسہ سے اسلامی احکام اور ربانی اسلام کے اخلاق و اطوار اور کردار کو حاصل نہ کیا جن کے گھروں میں قرآن اترا تھا اور سفر و حضر اور خلوت اور جلوت میں رسول اسلام کے دمساز و ہمراز تھے بلکہ ان سے رسول اسلام کا اسوۂ عمل معلوم کیا جن کی ولادتیں ہی وفات رسول کے قریباً ایک صدی یا اس سے بھی کچھ عرصہ بعد ہوئیں۔ (چنانچہ امام اعظم کی ولادت ۸۰ھ میں امام مالک کی ۹۳ یا ۹۵ میں، امام شافعی کی ۱۵۰ھ میں اور امام احمد کی ۱۶۴ھ میں ہوئی ہے۔)

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے

بہرحال اس سلسلہ میں قیاسات و خیالات کے گھوڑے دوڑانے کی بجائے اسوۂ نبوی کی اتباع و پیروی ضروری ہے اور اس کے لئے پہلے آپ کے طریقہ کار کا تعین لازم ہے سو جو کچھ کتب فریقین سے واضح و آشکار ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہاتھ کھول نماز پڑھتے تھے ہاتھ باندھنے کے متعلق شیعہ تو کیا کتب اہلسنت میں بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی مرفوع متصل اور صحیح حدیث موجود نہیں ہے اور نہ ہی اہلسنت کے اصول درایت کے مطابق کسی صحیح السند حدیث سے آپ کا ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا ثابت ہے قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین عمر سے کہنے یہ کیا ہے آزمائے جس کا جی چاہے۔ ذیل میں چند حوالجات پیش کئے

جاتے رہیں ۔

(۱) فتاوی شیخ عبدالحی لکھنوی ج ۱ ص ۱۸۹ طبع اوّل میں ہے عن معاذ ان رسول اللّٰہ کان اذا قام فی الصلوٰۃ رفع یدیہ قبال اذنیہ فاذا کبر ارسلھا رواہ الطبرانی یعنی جناب معاذ بیان فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے وقت ہاتھوں کو کانوں تک بلند کرتے اور پھر ان کو کھلا چھوڑ دیتے "

(۲) عینی شرح کنز الدقائق ص ۲۵ طبع نولکشور صادر پر حاشیہ ص ۲۶ یہ قول نقل کیا جاچکا ہے کہ "ان النبی علیہ السلام کان یفعل کذلک وکذا اصحابہ حتی ینزل الدم من رؤس اصابعھم کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے یہاں تک کہ ان کی انگلیوں کے سروں میں خون اتر آتا تھا۔

(۳) سنن ابوداؤد ص ۱۰۹ میں ابن عباس سے مروی ہے اگر تو پسند کرے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز دیکھے تو ابن زبیر کی اقتدا کر۔" اور نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۸۸ تسہیل القاری پ ۳ ص ۲۸۸ میں مذکور ہے کہ ابن زبیر ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے۔

(۴) عوارف المعارف للشیخ شہید سہروردی مطبوعہ برحاشیہ احیاء العلوم غزالی طبع مصر ج ۳ ص ۱۸۸ میں نماز میں ہاتھ کھولنے اور باندھنے کے فلسفہ پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے " کہ انسان کا اوپر والا حصہ انوار ربانیہ تجلیات الہیہ اور خیالات عالیہ کا مرکز ہے اور نچلا حصہ سفلی اور شیطانی جذبات و خیالات کا محور ہے حالت نماز میں دونوں قسم کے جذبات میں تصادم شروع ہو جاتا ہے اسلئے حکم ہے کہ نمازی ہاتھ باندھ لے تاکہ دونوں قسم کے جذبات اپنے اپنے مقام پر قائم رہیں ہاں جن بزرگوں کے جذبات عالیہ کا پلہ بھاری ہو ان کو ہاتھ باندھنے کی ضرورت نہیں ہے اسی لئے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے "

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے

جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے

وما ذا بعد الحق الا الضلال ۔

عترت رسول کا عمل بھی ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا ہے

منجملہ ان قطعی دلائل کے جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ بانی اسلام ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے ایک یہ ہے کہ عترت رسول کا عمل بھی اسی طریقہ پر تھا مولف سنی معلوم کس ترنگ میں آکر شیعیان علی کو یہ چیلنج دیا ہے کہ وہ کتب اہلسنت بلکہ اپنی کتابوں سے ہی ائمہ اہلبیت کا ہاتھ کھول

کر نماز پڑھنا ثابت کریں ثابت وہ چیز کی جاتی ہے جو ثابت شدہ اور بالکل واضح و آشکار نہ ہو مگر عترت رسول کا کھلے ہاتھ نماز پڑھنا تو چہ اینہا چہ رانا است کہ معلوم عوام است۔ کا مصداق ہے۔ تاہم بعض لوگوں کے ازالہ شکوک و اوہام کی خاطر فریقین کی کتب معتبرہ سے اسوۂ اہلبیتؑ کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے

(۱) علامہ وحید الزمان نے اپنی کتاب تسہیل القاری شرح بخاری پ ۳ ص ۳۹۹ پر نماز میں ہاتھ باندھنے کا عدم وجوب ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں " اگر واجب ہوتا تو اہلبیت کرام اس کو کیونکر ترک کرتے پس یہ ترک دلیل ہے۔ اس کے سنت ہونے کی (پھر لکھا) بالجملہ امام مالک اور امام محمد باقر اور ابراہیم نخعی اور عبداللہ بن زبیر اور حسن بصری اور لیث بن سعد اور اوزاعی وغیرہم سے ارسال منقول ہے تو معلوم ہوا کہ سلف امت میں اس مسئلہ میں خلاف تھا۔ الخ ....." (کذا فی العینی شرح البخاری ج ۳ ص ۱۵) جس دلیل سے علامہ صاحب نے ہاتھ باندھنے کا عدم وجوب ثابت کیا ہے۔ یعنی یہ کہ اگر واجب ہوتا تو اہلبیتؑ اس کو ترک نہ کرتے بعینہٖ اسی دلیل سے ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ فعل سنت بھی نہیں ہے ورنہ ائمہ اہلبیتؑ ہرگز سنت رسول سے روگردانی نہ کرتے؟

(۲) امام شوکانی نے نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۸۷ طبع مصر پر اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ عترت رسول ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کی قائل ہے اور جہاں تک شیعی کتب سے ثبوت کا تعلق ہے وہ تو عیاں را چہ بیان کا مصداق ہے۔

(۳) فروع کافی ج ۱ ص ۱۸۱ بروایت صحیح جناب حماد سے امام جعفر صادق علیہ السلام کا دو رکعت نماز بغرض تعلیم پڑھنا مروی ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ فقام ابو عبد اللہ مستقبل القبلۃ منتصباً فارسل یدیہ جمیعاً علی فخذیہ الخ یعنی امام قبلہ رو ہو کر سیدھے کھڑے ہو گئے اور دونوں ہاتھ کھول دیئے"

(۴) فروع کافی ج ۱ ص ۱۹۸ پر مذکور ہے امام محمد باقرؑ نماز کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں وارسل یدیک ولا تشبک اصابعک ولیکونا فخذیک قبالۃ رکبتیک" یعنی نماز پڑھتے وقت ہاتھوں کو چھوڑ دے اور ان کو زانوؤں کے بالمقابل رانوں پر رکھ اور انگلیاں ایک دوسرے کے اندر نہ پھنسا" (کذا فی تہذیب الاحکام ج ۱ ص ۱۵۵ وکذا فی دعائم الاسلام عن علی علیہ السلام)

(۵) جناب محمد بن مسلم حضرت امام محمد باقر یا امام جعفر صادقؑ سے دریافت کرتے ہیں" الرجل یضع یدہ الیمنی علی الیسریٰ" ایک آدمی نماز میں داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتا ہے یعنی یہ کیسا ہے؟ فرمایا ذالک التکفیر فلا تفعل۔ یہ تکفیر ہے ایسا مت کرو۔ فانما یصنع ذالک المجوس۔ یہ مجوسیوں کا طریقہ ہے (تہذیب الاحکام ج ۱ ص ۱۵۸ من لا یحضرہ الفقیہ ج ۱ ص ۹۱) لغت عرب میں تکفیر کے معنی سینہ پر ہاتھ رکھنے کے کئے گئے

ہیں (صراح منتہی الارب وغیرہ) ان فی ذالک لذکریٰ لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شہید

سب سے پہلے عمر نے نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم دیا

ائمہ اہلبیت کے اس فرمان "کہ ہاتھ مت باندھو کہ یہ مجوسیوں کا طریقہ ہے" سے ایک اہم سربستہ راز کا انکشاف بھی ہو جاتا ہے کہ یہ رسم بد بدقسمتی سے مسلمانوں میں مجوسیوں سے آئی ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ فتح قادسیہ کے موقع پر جب مجوسی جنگ ہار گئے اور جو قتل ہونے سے بچے انہیں قید کر کے دربار خلافت (ثانی) میں لایا گیا تو ان کی اس وقت یہ حالت تھی کہ ہاتھ سینے پر بندھے ہوئے تھے اور گردنیں جھکی ہوئی تھیں۔ عمر کو ان کی یہ ہیئت بہت پسند آئی اور حکم دیا کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ اسی حالت میں خدا کی بندگی کریں کہ اس سے عاجزی وانکساری ظاہر ہوتی ہے اس کے بعد ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کا رواج ہوا (الا دائل از علامہ ابو ہلال عسکری مغلی)

مؤلف کے بیان کردہ دلائل کے جوابات

مذکورہ بالا حقائق کے واضح و اجاگر ہو جانے کے بعد اب ہم ذیل میں بڑے اختصار کے ساتھ مؤلف کے بیان کردہ دلائل یا بالفاظ مناسب قیاسات کے جوابات پیش کرتے ہیں لیہلک من ھلک عن بینۃ ویحییٰ من حیّ عن بیّنۃ

دلیلِ عقلی کا جواب

شرعی احکام توفیقی وتعبدی ہیں۔ ان میں ذاتی خیالات اور شیطانی قیاسات کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اگر بقول مؤلف "ہاتھ کھولے اکڑ کر سلیوٹ کرنا نصاریٰ کا آئین ہے" تو ہاتھ باندھ کر مؤدب کھڑا ہونا بھی ہر شاہی دربار کا نہیں "بلکہ صرف مجوسیوں کا آئین ہے" تو اس لئے عقلاً بھی اسلامی طریق عبادت اس سے جدا ہونا چاہیئے۔ حدیث نبوی میں وارد ہے کہ پیشانی پر ہاتھ رکھ کر سلام کرنا نصاریٰ کا، جھک کر سلام کرنا مجوس کا طریقہ ہے اور تم ہو مسلمان ہو اس لئے تمہارا سلام ان سب سے جداگانہ ہے (کنز العمال) عجز وانکسار کا طریقہ کار وہی پسندیدہ کردگار ہو سکتا ہے جو اس کے حکم کے مطابق ہو۔ نہ وہ جو کہ خودساختہ ہو اگر ذاتی قیاس کو مدار احکام قرار دیا جائے تو کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ ہاتھوں کا باندھنا ہر ملک وملت میں مجرموں کی علامت ہے یعنی ہاتھ ہمیشہ مجرموں کے باندھے جاتے ہیں۔ نہ کہ بے قصوروں کے!

پہلی دلیل نقلی کا جواب

اس ساری دلیل کا دارومدار اس بات پر ہے کہ "نحر" کے معنی لغت عرب میں ہاتھ باندھنے کے ہیں حالانکہ یہ بات ثابت نہیں ہے۔ اسوقت لغت کی مشہور ومقبول لغت المنجد ص۸۰۹ طبع پانزدہم بیروت ہمارے پیش نظر ہے اس میں "نحر المصلی فی الصلوٰۃ" کے یہ معنے لکھے ہیں انتصب ونہد صدرہ یعنی سینہ تان کر سیدھا کھڑا ہو گیا اس میں دائیں ہاتھ کے بائیں

پر باندھنے کا وہ اضافہ نہ دار دہے جو قاموس میں مذکور ہے۔ صاحب قاموس چونکہ سنی مسلمان ہیں اس لئے انہوں نے اپنی کتب تفسیر میں کہیں "نحر" کے معنی ہاتھ باندھنے کے دیکھ لئے ہوں گے۔ اور لغت نویسی کے وقت اسکو لغت میں جگہ دے دی۔ مگر المنجد کا مؤلف چونکہ عیسائی ہے۔ اسے شیعہ وسنی کے نزاعی مسائل سے کوئی سروکار نہیں۔ اس لئے اس نے اس کے صرف وہی معنی بیان کئے ہیں جو لغت عرب میں ہیں۔ اس نے اس لفظ کو شیعہ یا سنی بنانے کی کوشش نہیں کی ان معنوں کی نسبت جو جناب امیر علیہ السلام کی طرف دی گئی ہے وہ بناء الفاسد علی الفاسد کی بدترین مثال ہے۔ وہ باب مدینۃ العلم النبوی جو خود ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے ہوں (جیسا کہ ابھی اوپر ثابت کیا جا چکا ہے) وہ اس لفظ کے وہ معنی بیان کریں (ہاتھ باندھنا) جو لغت عربی کی رو سے بھی درست نہ ہوں ؎ بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است۔ یہی وجہ ہے کہ علماء اہلسنت نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ آنجناب کی طرف اس معنی کی نسبت درست نہیں ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں سورۃ الکوثر کے ذیل میں لکھتے ہیں وقیل المراد بقولہ وانحر وضع الید الیمنی علی الیسری تحت النحر یروی ھذا عن علی ولا یصح۔ یعنی کہا گیا ہے کہ "نحر" کے معنی ہیں داہنے ہاتھ کا بائیں ہاتھ پر رکھنا یہ معنی حضرت علی کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں مگر یہ نسبت صحیح نہیں ہے (۲) مغنی علی دار قطنی طبع دہلی ص۱۱۱ ج۱ پر بھی ایسا ہی لکھا ہے کہ یہ نسبت صحیح نہیں ہے (۳) اسی روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فاضل نووی نے شرح مسلم ج۱ ص۱۳۵ میں لکھا ہے ضعیف متفق علی تضعیفہ وعبد الرحمن بن اسحاق الواسطی ضعیف بالاتفاق (۴) ایسا ہی افادہ علامہ وحید الزمان نے ترجمہ سنن ابی داؤد ص۱۱۱ میں فرمایا ہے اثبات مدعا کے لئے یہ چار معتبر شہادتیں کافی ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ نحر سے مراد بروز عید قربان قربانی کرنا ہے (یا بطور معنی مجازی رفع یدین) مؤلف کے فرزند نے اس مقام پر جو حاشیہ لکھا ہے کہ سورۂ کوثر مکی ہے اور قربانی کا وجوب مدینہ میں نازل ہوا یہ محض ان کا ذاتی خیال ہے حالانکہ تفسیر جلالین میں "نحر" کے معنی قربانی کرنا لکھے ہیں اور اس مفہوم کو عکرمہ، عطاء، قتادہ، سعید ابن جبیر اور مجاہد کا قول قرار دیا ہے کیا ان تابعین کو معلوم نہ تھا کہ قربانی کب واجب ہوئی ہے؟

؎ در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید؟

مالکم کیف تحکمون؟

دوسری دلیل کا جواب

مؤلف نے اس سلسلہ میں جو دوسری قرآنی دلیل پیش کی ہے اور اس کے پیش کرنے میں مختلف مقامات سے مختلف آیات کے جملے باہم جوڑے ہیں اس پر بے ساختہ کسی شاعر کا یہ شعر زبان پر جاری ہو جاتا ہے ؎

کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا ٭ بھان متی نے کنبہ جوڑا!

بھلا اس بندۂ خدا سے کوئی پوچھے۔ سورہ طٰہٰ کی آیت اقم الصلوٰۃ لذکری کا سورۂ قصص کی آیت واضمم الیک جناحک من الرهب سے کیا تعلق ہے؟ جب آپ خود یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس جگہ اقم الصلوٰۃ مذکور نہیں ہے تو پھر آپ کو یہ وحی کس نے کی ہے کہ "لیکن حکماً گویا ادھر ہی حکم یہاں موجود ہے"

سترِ خدا کہ عارفِ سالک بکس نگفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

تیسری دلیل یہ دلیل بچند وجہ علیل ہے اولاً۔ یہ حکم عورت کے لئے وجوبی نہیں بلکہ استحبابی ہے ثانیاً اس میں ہاتھ باندھنے کا ذکر نہیں بلکہ سینہ کے اوپر الگ الگ ہاتھ رکھنے کا حکم ہے تاکہ مقام ستر پوشیدہ رہے۔ ثالثاً عورت اور مرد کے احکام میں بہت سے فروق ہیں۔ منجملہ ان کے ایک فرق اسی حدیث میں مذکور ہے کہ مرد کو پاؤں کے درمیان چار انگشت سے لیکر ایک بالشت تک فاصلہ رکھنا مستحب ہے مگر عورت کے لئے پاؤں ملا کر رکھنا مستحب ہے۔ الی غیر ذالک من فروق کثیرۃ۔

چوتھی دلیل یہ دلیل بچند وجہ علیل ہے اولاً۔ اس لئے کہ جناب امیرؑ کا ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھنا ثابت ہی نہیں ہے جیسا کہ قبل ازیں اس موضوع پر مفصل بحث کرکے اس خیال کا ابطال کیا جا چکا ہے۔ ثانیاً بفرض تسلیم اگر کبھی صف میں پیچھے کھڑے ہوکر پڑھی بھی ہو (اقتدا کی نیت کرنے کا کوئی ثبوت پیدا نہیں ہوتا) تب بھی مؤلف کا پیدا کردہ اشکال وارد نہیں ہوتا کیونکہ ابوبکر خود ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے رہے ابھی اوپر ثابت کیا گیا ہے کہ سب سے پہلے عمر نے نمازمیں ہاتھ باندھے اور باندھنے کا حکم دیا۔ ہم اہلسنت کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ اپنی صحاح ستہ سے ابوبکر کا ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا ثابت کرکے منہ مانگا انعام حاصل کریں قل هاتوا برهانکم ان کنتم صادقین۔

مؤلف کے سوال و جواب پر تبصرہ مؤلف نے اس مقام پر شیعہ استدلال اور پھر اس کا جواب پیش کرکے کسی اچھی دیانت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ انسان یا تو دوسرے فریق کا استدلال پیش نہ کرے اور اگر کرے تو پھر دیانتداری کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا صحیح مدلل استدلال پیش کرکے جواب دے۔ مگر افسوس مؤلف ہر جگہ دوسرے فریق کے دلائل و براہین [redacted] صرف جاہلوں سے سنی سنائی باتوں کو شیعہ کا استدلال ظاہر کرکے پہلے اس پر سوقیانہ فقرے کستے ہیں اور پھر ان کا جواب دینے پر زور قلم صرف کرتے ہیں چنانچہ اس مقام پر انہوں نے شیعوں کے جو استدلال کئے ہیں وہ ہمارے اس دعویٰ کی منہ بولتی تصویر ہیں ورنہ ہمیں بتایا جائے کہ ہمارے کس ذمہ دار عالم نے ان آیات سے ہاتھ کھولنے پر استدلال کیا ہے؟ اور ثابت نہیں تو پھر ع

یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے؟

ہاتھ کھولنے کا جواز محتاج دلیل نہیں ہے

حقیقت یہ ہے کہ کھلے ہاتھ نماز پڑھنے کا جواز کسی دلیل کا محتاج نہیں ہے۔ پیدا ہوتے، اٹھتے، بیٹھتے، سوتے جاگتے۔ الغرض ہر حالت میں فطرۃً ہاتھ کھلے ہوئے ہوتے ہیں اور اسلام ہے دین فطرت فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا فلسفہ کا مسلّمہ قاعدہ ہے کہ "تحصیل حاصل محال ہے" کھڑے ہوئے آدمی کو کہنا کھڑے ہو جاؤ یا بیٹھے ہوئے کو کہنا کہ بیٹھ جاؤ۔ حماقت ہے اور اس کی تحصیل محال ہے۔ لہٰذا اگر خدا فرماتا کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھو (جبکہ ہاتھ پہلے ہی کھلے ہوئے تھے) تو یہ امر اس کی حکمت کے منافی ہوتا۔ البتہ اگر خدا کو (فطرت کے خلاف) ہاتھ بندھوانا مطلوب ہوتے تو باندھنے کا حکم دیتا۔ مگر جب اس نے کہیں ہاتھ باندھنے کا حکم نہیں دیا تو یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ وہ فطرت کے مطابق کھلے ہاتھ نماز پڑھوانا چاہتا ہے وھو المقصود وقد حصل بعون اللہ الودود۔

اہلسنت سے دو باتیں

احقاق حق اور ابطال باطل ہو چکا۔ اب اس سلسلہ میں ارباب انصاف کی خدمت میں صرف دو باتیں عرض کرتا ہوں اوّل یہ کہ شیعہ و سنی میں جو کچھ اختلاف ہے وہ ہاتھ کھول کر یا ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کے متعلق ہے! اب قابل غور بات یہ ہے کہ نماز کس چیز کا نام ہے؟ آیا صرف قیام کا؟ یا رکوع و سجود اور قعدہ و قعود بھی اس میں شامل ہیں اور اگر یہ سب امور حقیقتِ نماز میں داخل ہیں اور یقیناً داخل ہیں، تو پھر حضرات شیعہ تو تمام نماز ہاتھ کھول کر پڑھتے ہیں ...... لہٰذا اہلسنت کو بھی چاہیے کہ وہ بھی تمام نماز ہاتھ باندھ کر پڑھیں (اور پھر صرف دو رکعت پڑھ کر دیکھیں کہ کیا ہوتا ہے!) یا قیام کے علاوہ دوسرے ارکان کو نماز نہ کہیں؟ یہ کیا مذاق ہے کہ قیام میں تو ہاتھ باندھے جاتے ہیں مگر باقی سب حالتوں میں کھلے چھوڑ دیئے جاتے ہیں اس طرح یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ نماز کا قیام ہاتھ باندھ کر عمل میں لایا گیا مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نماز ہاتھ باندھ کر پڑھی گئی۔ دوم یہ کہ اہلسنت کے ائمہ اربعہ میں سے امام مالک ہاتھ کھول کر اور باقی ہاتھ باندھ کر پڑھتے اور پڑھاتے ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی ہاتھ باندھنے کو واجب نہیں قرار دیتا۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ اسے سنت قرار دیتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ہاتھ کھول کر نماز پڑھے تو ان کے نزدیک اس کی نماز باطل نہیں۔ جبکہ ائمہ اہلبیتؑ کے نزدیک نماز میں ہاتھ کھولنا واجب ہے۔ لہٰذا بلا عذر شرعی ہاتھ باندھ کر نماز پڑھے تو اس کی نماز باطل ہے۔

(مدارک الاحکام وغیرہ) دریں حالات عقل سلیم کا فیصلہ یہ ہے کہ ہاتھ باندھنے میں خطرہ اور کھولنے میں یقیناً سلامتی ہے۔ اہلسنت میں سے کوئی صاحب عقل و انصاف ہے جو ضد اور تعصب کو چھوڑ کر کشتیٔ نجات اہلبیت پر سوار ہو جائے؟ ولنعم ما قیل ؎

وان شئت البراءۃ من سعیر ۔ وَ اجراً من الٰہ بالنصوۃ

فلا تبطل صلوتك بالضلالة ✽ فما اركب يا اخی فلك النجاۃ

ان حقائق میں ارباب دانش وبینش کیلئے لمحہ فکریہ ہے۔

مسئلہ تکبیرات جنازہ چونکہ تکبیرات جنازہ دوسری نماز کی رکعات کی بجائے ہیں اور کوئی فرض نماز چار رکعت سے زیادہ نہیں اس لئے شیعہ کا پانچ تکبیر جنازہ کا قائل ہونا قول بلا دلیل ہے ہم اس سے پہلے فروع کافی ج ۲ ص ۳۰ کتاب الروضہ سے طولانی حدیث لکھ چکے ہیں کہ جس کا مفہوم یہ ہے کہ جناب امیرؑ نے اپنے عہد میں بھی وہ کئے امور قائم رہنے دیئے جو خلفاء ثلاثہ کے عہد میں نافذ تھے نہ فدک ورثاء فاطمہ کو دے سکے نہ تراویح موقوف کر سکے نہ پانچ تکبیرات جنازہ پڑھا سکے ـــــ تو اب شیعہ اس کے خلاف کرنے کے کس طرح مجاز ہیں؟

دوم :۔ فروع کافی ص ۹۵ میں حدیث ہے ـــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ـــــ پانچ تکبیر پڑھا کرتے تھے لیکن جب منافقین کا جنازہ پڑھنے کی ممانعت ہوگئی تو پھر چار تکبیر ہی پڑھا کرتے تھے الفاظ یہ ہیں (پھر یہاں اسی مذکورہ بالا مضمون کی حدیث نقل کی ـــــ آخر میں ہے بعینہٖ یہی حدیث من لا یحضرہ الفقیہ ص ۵۰ اور علل الشرائع میں بھی موجود ہے) ـــــ اس حدیث سے جو جناب صادق سے مروی ہے بالتصریح ثابت ہوا کہ پانچ تکبیر نماز جنازہ کا عمل رسول ابتداء میں تھا جب تک منافقین پر نماز جنازہ پڑھا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ آخری فعل رسول ہی حجت ہوا کرتا ہے ـــــ ہماری کتابوں میں یوں تصریح موجود ہے کہ صلی جبرئیل علی آدم وکبر علیہ اربعاً (دار قطنی) آدم پر جبرئیل نے مع ملائکہ نماز جنازہ پڑھی اور چار تکبیریں کہیں ـ اسی کتاب دار قطنی ج ۱ ص ۹ پر حضرت انس سے روایت ہے ـــــ رسولپاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ پر چار تکبیریں پڑھی گئیں حضرت عمر نے ابوبکر پر، صہیب نے جنازہ عمر پر حضرت حسن نے حضرت علی پر امام حسین نے حضرت حسن پر چار تکبیریں پڑھیں ـ اہلسنت کی جملہ کتب حدیث میں تصریح ہے کہ آخری عمل رسولپاک جنازہ نجاشی کے بعد چار تکبیر نماز جنازہ پڑھا ـ اب شیعہ کو ضد چھوڑ دینا چاہیئے واللہ الہادی ـ (آفتاب ص ۳۴۶)

الجواب مؤلف نے اس سلسلہ میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ بچند وجہ درجۂ اعتبار سے ساقط ہے اولاً یہ کہنا کہ چار تکبیر چار رکعت کے قائم مقام ہے موصوف کا طبعزاد خیال ہے جس کی تائید خدا، اس کے اور آل رسولؐ کے ارشادات سے نہیں ہوتی ـ اس لئے وہ کسی کے لئے حتیٰ کہ صاحب خیال کے لئے بھی حجت

نہیں ہے اگر عقلی دلیل پر ہی بنیاد قائم کرنا ہے تو پھر کیوں نہ ائمہ اہلبیت ؑ کے فرمان کو تسلیم کیا جائے کہ چونکہ پانچ وقت کی نماز واجب ہے اس لئے نماز جنازہ میں ہر نماز کی جگہ ایک تکبیر مقرر کی گئی ہے (جیسا کہ فروع کافی ج ا ص۹۵ سے حضرات صادقین سے مروی ہے) ثانیاً مؤلف نے جہاں فروع کافی ج ۳ ص۲۰ کا حوالہ دیا ہے ہم نے بھی اس مقام پر اس پر مکمل تبصرہ کر دیا ہے یہ درست ہے کہ جناب امیر علیہ السلام حالات کی ناسازگاری کی وجہ سے حسب منشا شرعی اصلاحات نافذ نہ کر سکے مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ انکے بدعت ہونے کا زبانی اظہار بھی نہ کر سکے یا یہ کہ العیاذ باللہ خود بھی بدعات ثلاثہ پر عمل کرتے رہے کیا کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں بھی یہ وارد ہے کہ آپ نماز تراویح پڑھتے تھے ؟ یا چار تکبیر نماز جنازہ پڑھاتے تھے؟ حاشا وکلا!

ثالثاً۔ فروع کافی ج ا ص۹۵ سے مؤلف نے جو روایت پیش کی ہے (اور زیادہ تر اسی پر اپنے استدلال کی دیوار استوار کی ہے) یہ محض ان کی خوش فہمی ہے ورنہ عند التامل اس سے ان کی تردید ہوتی ہے نہ تائید۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل ایمان پر پانچ تکبیریں پڑھتے تھے

اس اجمال کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ جس باب سے یہ محولہ بالا حدیث لی گئی ہے اس کا عنوان ہے "علۃ تکبیر الخمس علی الجنازۃ" اس میں کل پانچ حدیثیں درج ہیں۔ پانچ تکبیروں کے وجوب کی علت وہی بیان کی گئی ہے جو ہم نے اوپر لکھ دی ہے کہ نماز جنازہ کی ہر تکبیر نماز ہائے پنجگانہ میں سے ایک نماز کے قائم مقام ہے! اس حدیث کا صاف اور سادہ مفہوم یہ ہے کہ جب تک منافقین پر نماز جنازہ پڑھنے کی ممانعت نہیں ہوئی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب مرنے والوں پر پانچ تکبیریں پڑھا کرتے تھے البتہ اس ممانعت کے بعد منافقین پر چار اور مومنین پر پانچ پڑھا کرتے تھے اس امر کی مزید وضاحت حدیث ۲ سے ہوتی ہے۔ اس میں صراحت موجود ہے کہ "کان رسول اللہ یکبر علی قوم خمساً و علی قوم آخرین اربعاً فاذا کبر علی رجل اربعاً اتھم یعنی بالنفاق" یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ لوگوں (اہل ایمان) پر پانچ اور کچھ لوگوں (اہل نفاق) پر چار تکبیریں پڑھتے تھے پس جب آپ کسی آدمی پر چار تکبیریں پڑھتے تو اسے منافق سمجھا جاتا تھا" (فروع کافی ج ا ص۹۵ طبع نولکشور) اب معلوم ہو گیا کہ پانچ تکبیریں پڑھنا علامت ایمان اور چار تکبیریں پڑھنا علامت نفاق ہے۔ مبارک باشد!

اہلسنت کے ہاں تکبیرات جنازہ میں سخت اختلاف ہے

تکبیرات جنازہ کی مقدار کے متعلق اہلسنت میں شدید اختلاف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے صحابہ کس قدر پڑھا کرتے تھے؟ شرح مسلم

نووی ج ۱ صفحہ ۱۶ پر حضرت علی سے عمل رسول اس طرح مروی ہے کہ آپ اہل بدر پر چھ اور دوسرے صحابہ پر پانچ تکبیریں پڑھا کرتے تھے" مخفی نہ رہے کہ کتاب نصب الرایہ صفحہ ۲۴۳ پر جناب امیرؑ کا اپنا عمل بھی یہی نقل کیا گیا ہے، میزان کبریٰ شعرانی ج ۱ صفحہ ۱۹۵ پر ابن مسعود کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض پر نو، بعض پر سات اور بعض پر چار تکبیریں پڑھا کرتے تھے۔ انہی حقائق کی بنا پر علامہ وحید الزمان نے نے ترجمہ سنن ابن ماجہ ج ۱ صفحہ ۵۰۵ پر لکھا ہے "چار تکبیروں پر اجماع کا دعوے غلط ہے صحابہ میں اختلاف مشہور ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ پانچ تکبیروں پر عمل نہ کیا جائے جب حدیث صحیح اس باب میں وارد ہوئی باوجودیکہ اس میں زیادت ہے اور زیادت پر عمل کرنا اولیٰ ہے"

چار تکبیروں پر اجماع بدعت ہے

ہاں اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ چار تکبیروں پر لوگوں کو عمر نے جمع کیا چنانچہ تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۲۷ طبع مصر جدید باب اولیات عمرؓ میں لکھا ہے واول من جمع الناس فی صلوٰۃ الجنازۃ علی اربع تکبیرات یعنی عمر پہلا شخص ہے جس نے لوگوں کو جنازہ میں چار تکبیروں پر جمع کیا" (کذا فی الفاروق للشبلی صفحہ ۲۵۶ طبع لاہور) اب تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ اہل اسلام و ایمان پر چار تکبیر نماز جنازہ پڑھنا سنت رسول نہیں بلکہ بدعت عمر ہے۔ (وکل

بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ سبیلہا الی النار (کنز العمال)

رسولؐ و آل رسولؐ پر پانچ تکبیریں پڑھی گئیں

زاہدا عمر نے ابوبکر پر یا صہیب نے عمر پر کس قدر تکبیر پڑھیں؟ ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے لیکن جہاں تک جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ ہدیٰ کے جنازوں کا تعلق ہے ان پر جاری روایات کے مطابق بالاتفاق پانچ اور برادران اسلام کے مطابق پانچ یا اس سے کم و بیش پڑھیں گئیں چنانچہ کنز العمال ج ۴ صفحہ ۵۴ پر مروی ہے کہ جناب عباس اور حضرت علیؑ نے جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پانچ تکبیریں پڑھیں — اسی طرح مسک الختام شرح بلوغ المرام صفحہ ۴۳۱ میں (علی ما نقلہ فی القدحۃ) کہ حضرت علیؑ نے جناب سیدہ پر اور امام حسنؑ نے حضرت امیرؑ پر اور محمد بن الحنفیہ نے جناب ابن عباس پر پانچ تکبیریں پڑھیں وہ مگر صواعق محرقہ صفحہ ۸۱ طبع قدیم پر جناب امام حسن کا سات اور طبری ج ۵ صفحہ ۸۶ پر ۹ تکبیریں پڑھنا مروی ہے لہٰذا دار قطنی اور صواعق وغیرہ کی روایات باہمی تعارض کی وجہ سے درجۂ اعتبار سے ساقط ہوگئیں اور پانچ تکبیر پڑھنے والی روایت بلا معارض اور بے غبار واضح و آشکار ہوگئی ہے الحمد للہ علی وضوح الحق

تم شاس پر بھی اگر نہ سمجھو تو پھر تم سے خدا سمجھے۔ کیا کوئی صاحب عقل و انصاف اہلسنت ہے جو آنکھوں سے تعصب و عناد اور تقلید آباؤ اجداد کی پٹی اتار کر ان حقائق پر غور و فکر کرنے کے بعد پانچ تکبیر نماز جنازہ والے

صحیح قول کو اختیار کر کے سفینۂ اہلبیتؑ پر سوار ہو جائے

؎ ادھر آ بحرِ آل مصطفٰےؐ میں ڈال دے کشتی
جو اس میں ڈوب جاتے اسکا بیڑا پار ہوتا ہے

تیسرا مسئلہ پاؤں کا مسح ہر مذہب کے مسلمان وضو میں پاؤں دھونا فرض سمجھتے ہیں لیکن شیعہ عقل و نقل کے خلاف پاؤں دھونے کی بجائے مسح کی فرضیت کے قائل ہیں یہ عجیب بات ہے کہ منہ ہاتھ جن پر نجاست پڑنے کا بہت کم احتمال ہے تو دھوئیں جائیں لیکن پاؤں جن کے پلید ہونے کا احتمال ہے ان پر مسح کر لینا کافی سمجھا جائے جو اعضاء کھلے رہتے ہیں مثلاً منہ ہاتھ پاؤں چونکہ گرد و غبار پاک پلید اڑ کر پڑا کرتا ہے اس لئے شارع نے ان کا دھونا فرض قرار دیا ہے لیکن سر چونکہ ہر وقت ڈھکا رہتا ہے اس کی نجاست کا احتمال نہیں۔ اس لئے تبرید دماغ کے لئے اس کا مسح کر لینا کافی ہے لیکن شیعہ چونکہ عقل کے دشمن ہیں اور پھر دوسرے مسلمانوں سے خلاف کرنا ان کا شیوہ ہے۔ پاؤں دھونے کی بجائے ان پر مسح کر لیا کرتے ہیں۔ خدا نے قرآن میں سب سے پہلے منہ دھونے کا حکم دیا ہے لیکن شیعہ منہ دھونے سے اول پاؤں دھویا کرتے ہیں۔

کافی کلینی کی حدیث :۔ اس کے متعلق بھی فروع کافی ج ۱ ص۱۹ سے ایک حدیث پیش کی جاتی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پاؤں کا دھونا فرض ہے وان نسیت مسح راسک حتی تغسل رجلیک فامسح راسک ثم اغسل رجلیک (امام صادقؑ نے فرمایا اگر سر کا مسح بھول جائے اور پہلے پاؤں کو دھو ڈالے تو سر کا مسح کر لے اور بعد ازاں پاؤں دھو ڈالے) اس حدیث سے بالصراحت ثابت ہے کہ پاؤں کا دھونا فرض ہے۔ اگر پاؤں دھونا فرض نہیں بلکہ ازالہ نجاست منظور تھا۔ تو پہلے دھونے سے ازالہ نجاست ہو چکا تھا مسح سر کرنے کے بعد مکرر پاؤں دھونے کا حکم کیوں دیا جاتا۔ اس حدیث کا کوئی جواب شیعہ نہیں دے سکتے۔!

؎ کیا لطف جو غیر پردہ کھولے
جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے (آفتاب ص۳۴۶)

الجواب مؤلف حسب عادت یہاں بھی گرجے تو بہت ہیں مگر برسے کچھ بھی نہیں سچ ہے کہ جو گرجتے ہیں برستے نہیں ہیں۔

مقامِ تعجب

کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ آج وہ لوگ تو قرآنی تعلیمات پر عمل درآمد کرنے کے دعویدار نظر آتے ہیں جن کے بزرگوں کو قرآن کی ایک آیت بلکہ ایک حرف کا مفہوم بھی معلوم نہ تھا (تفسیر اتقان ج ۱ ص ۱۱۵) اور جن کے مذہب کی بنیاد ہی قیاس بے اساس پر ہے (مسلم الثبوت۔ نور الانوار توضیح تلویح دغیرہ) اور ان لوگوں کے طور و طریق کو خلاف قرآن قرار دیا جائے جن کے امام قرآن ناطق تھے (منصب امامت شاہ اسمٰعیل دہلوی) اور جن کے مذہب حق کا دارومدار ہی قرآن نبی آخرالزمانؐ اور ان کی عترت علیہم السلام کے فرمان پر ہے ؎

اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است!

بہر حال مؤلف نے اس سلسلہ میں جو کچھ تحریر کیا ہے وہ بالکل خلاف واقع ہے اور بفضل ایزدی شیعیانِ حیدر کرار کا عمل و کردار قرآن و سنت سید ابرارؐ اور طریقہ عترت اطہار کے عین مطابق ہے البتہ اہل السنہ ہونے کے دعویداروں کا عمل جہاں تعلیمات قرآن کے خلاف ہے وہاں سنت نبویہ کے بھی برعکس ہے لہٰذا ان کا اہلسنت کہلانا ؎ برعکس نہند نام زنگی کافور کا مصداق ہے۔

منشاءِ اختلاف کی نشاندہی

مذکورہ بالا اجمال کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ وضو میں پاؤں کا مسح کرنے یا ان کے دھونے کا شیعہ وسنی اختلاف آیت وضو (یا ایہا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین) میں وارد شدہ لفظ "وارجلکم" کی قرأت کے اختلاف پر مبنی ہے چنانچہ قراء سبعہ میں سے چار قراء ابن کثیر، ابوعمرو، حمزہ، اور عاصم نے "ارجلکم" کی لام پر کسرہ (زیر) اور باقی تین قاریوں نے اس پر فتحہ (زبر) پڑھا ہے (تفسیر کبیر علامہ فخرالدین رازی ص ۵۲۵ ج ۳ طبع مصر) اہلسنت کے نزدیک یہ دونوں قرأتیں مشہور (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۵۲۵ "منہاج السنۃ ج ۲ ص ۱۵۲) بلکہ متواتر ہیں (تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۲۳ طبع لکھنؤ)

قرأت اہلبیتؑ "ارجلکم" کی زیر ہے

اگرچہ ائمہ اہلبیتؑ کے فرمان سے زیر والی قرأت کی تائید مزید ہوتی ہے (ملاحظہ ہو قرأت حسنین شریفین علیہما السلام تفسیر جامع البیان ابن جریر ج ۱۰ ص ۵۵ طبع مصر، وقرأت امام محمد باقرؑ تفسیر نیشاپوری برحاشیہ تفسیر ابن جریر ج ۱۰ ص ۷۴ و تفسیر جامع البیان ابن جریر ج ۶ ص ۸۳)

ائمہ اہلبیتؑ میں سے جو ایک کا قول ہو وہی سب کا قول ہوتا ہے

یہ حقیقت ارباب بصیرت پر پوشیدہ نہیں ہے کہ ائمہ اہلبیتؑ کے قول و فعل میں ہرگز کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ "قول واحد منھم قول جمیعھم"

یعنی ان میں سے جو ایک کا قول ہے وہی سب کا قول ہوتا ہے (دراسات اللبیب ص۳۵ طبع لاہور) اس کی وجہ یہ ہے کہ سب کا ماخذِ احکام بھی ایک ہے (قرآن و سنّت) اور سب کا علم و فضل اور فہم و ادراک بھی ایک (صغارھم وکبارھم فی الفضل سواء۔ منتہم بحار الانوار) بنا بریں سب ائمہ اطہار کی قرأت یہی سمجھی جائیگی۔

ہر دو قرأت کی بنا پر مسح پا ثابت ہے

بہرکیف کہا جاتا ہے کہ اگر "ارجلکم" کی لام پر زبر پڑھا جائے تو اس سے دھونا ثابت ہوتا ہے اور اگر اس پر زیر پڑھی جائے تو اس سے مسح ثابت ہوتا ہے (تفسیر جامع البیان نواب صدیق حسن خان ص۹، تفسیر وحیدی پ۶ ص۲۴۲ حاشیہ ۵ طبع لاہور) مگر ہم کہتے ہیں کہ "ارجلکم" کو خواہ لام کی زبر سے پڑھا جائے اور خواہ لام کی زیر سے بہر حال اس سے پاؤں کا مسح ثابت ہوتا ہے نہ کہ دھونا۔ اس ابہام کی بقدر ضرورت توضیح یہ ہے کہ اگر اس پر زیر پڑھی جائے تب تو باتفاق فریقین اس سے پاؤں کا مسح ہی ثابت ہوتا ہے (ملاحظہ ہو۔ تفسیر کبیر ج ۳ ص۳۶ فتح البیان ج ۳ ص۲۶، تفسیر خازن ج ۱ ص۴۴، تفسیر نیشاپوری برحاشیہ ابن جریر ج ۶ ص۶۸ وغیرہا)

جرِ جوار والا قول باطل ہے

کیونکہ اس صورت میں "ارجلکم" کا عطف "برؤسکم" کے لفظ پر ہوگا جو کہ "امسحوا" کے تحت واقع ہے (معنی یہ ہوں گے کہ مسح کرو سروں کا اور پاؤں کا) اور یہ بات اہل علم کیلئے محتاج بیان نہیں ہے کہ اگر مجرور پر عطف کیا جائے تو حرفِ جار کا اعادہ لازم نہیں ہوتا جیسا کہ ان آیات میں جار کا اعادہ نہیں کیا گیا یا ایھا الذین آمنوا باللّٰہ و رسولہ = انھم کفروا باللّٰہ و رسولہ شیخ سعدی اپنی مشہور نعتیہ رباعی میں کہتے ہیں ؎

حسنت جمیع خصالہٖ ۞ صلوا علیہ و آلہٖ

اور یہ جو بعض کم علم لوگ کہا کرتے ہیں کہ یہ جر (زیر) جرِ جوار ہے (یعنی برؤسکم کے پاس واقع ہونے کی رعایت سے اس پر زیر پڑھی گئی ہے ورنہ فی الواقع اس پر فتحہ (زبر) ہے) یہ قول ائمہ نحو اور خود محققین اہلسنت کی تصریحات کی رو سے غلط اور باطل ہے اور اس کے بہت سے وجوہ ہیں، بنظر اختصار صرف دو وجوہ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے (۱) وجہ اوّل:۔ جرِ جوار وہاں جائز ہوتی ہے جہاں معنیٔ کلام میں اشتباہ کا اندیشہ نہ ہو حالانکہ اس آیت میں معنی کے تبدیل ہونے کا سخت اندیشہ ہے کیونکہ اگر لام پر زیر پڑھی جائے تو اس سے پاؤں کا مسح ثابت ہوتا ہے (۲) وجہ دوم۔ جرِ جوار حرفِ عطف (واو) کے بغیر ہوتی ہے مگر اس جگہ حرفِ عطف (واؤ) موجود ہے (وارجلکم) علاوہ بریں جرِ جوار کو صرف ضرورت شعری وغیرہ کے لئے جائز سمجھا جاتا ہے۔ ورنہ بلا ضرورت وہ کلام فصیح میں واقع نہیں ہوتی — (ملاحظہ ہو تفسیر کبیر ج ۳ ص۵۴۵ تفسیر خازن ج ۱ ص۴۴۱ وغیرہ) اور اگر لام پر زبر پڑھی جائے تب بھی اصل مدعا پر کوئی زد نہیں پڑتی بلکہ اس صورت میں بھی پاؤں کا مسح ہی

ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں "ارجلکم" کا عطف "برؤسکم" کے لفظ کے بجائے اس کے محل پر ہوگا۔ جو کہ "فامسحوا" کا مفعول ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے۔ چنانچہ امام نحو رضی شرح کافیہ ج اصلے ج ۱ صفحہ ۲۷۳ طبع مصر میں لکھتے ہیں "فاذا عطف علی المجرور فالحمل علی الجر الظاہر اولی من النصب المقدر وقد یحمل علی المحل کما فی قولہ تعالیٰ فامسحوا برءوسکم وارجلکم علی النصب" یعنی جب ایسے مجرور پر عطف کیا جائے جس میں (زبر پوشیدہ ہو) تو پوشیدہ زبر سے ظاہری زیر پر حمل کرنا بہتر ہوتا ہے۔ مگر کبھی اس مجرور کے محل پر بھی عطف کر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ آیت وضو میں ارجلکم کا (بنا بر قرأت زبر) "برؤسکم" کے محل پر عطف کیا گیا ہے" (کذا فی تکملۃ عبد الغفور للفاضل عبد الحکیم السیالکوٹی صفحہ ۲۸۹ طبع لکھنؤ) یا یہ منصوب بنزع الخافض منصوب ہوگا۔ یعنی دراصل "بارجلکم" تھا جس سے حرفِ جار (ب) ہٹا دیا گیا جس کی وجہ سے اس پر زبر آگئی۔ اور ایسا ہوتا رہتا ہے

"ارجلکم" کا عطف "وجوہکم" پر کسی طرح جائز نہیں ہے

یہ جو کہا جاتا ہے (اور اسی پر اہلسنت کے عمل کی بنیاد قائم ہے) کہ "ارجلکم" کا (بنا بر زبر) "وجوہکم" پر عطف ہے جو "فاغسلوا" کا مفعول ہے یہ بدو وجہ غلط ہے۔ اولاً۔ اس صورت میں معطوف (ارجلکم) اور معطوف علیہ (وجوہکم) کے درمیان اجنبی جملے (فامسحوا برؤسکم) کا فاصلہ لازم آتا ہے جو کہ نحوی نقطۂ نظر سے غلط ہے چنانچہ کبیری شرح منیۃ المصلی صفحہ ۱۶ طبع لاہور میں "ارجلکم" کا عطف "برؤسکم" کے محل پر ثابت کرنے کے بعد "وجوہکم" پر اس کے عطف کو غلط قرار دیتے ہوئے لکھا ہے لامتناع العطف علی المنصوب بالفصل بین العاطف والمعطوف علیہ بجملۃ اجنبیۃ والاصل ان لا یفصل بمفرد فضلاً عن الجملۃ ولم یسمع فی الفصیح نحو ضربت زیداً ومررت بعمرو وبکراً بعطف بکراً علی زید" یعنی ارجلکم کا عطف اجنبی جملہ کے فاصلہ کی وجہ سے منصوب (وجوہکم) پر ممنوع ہے کیونکہ صحیح قانون کی بنا پر معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مفرد کا فاصلہ بھی جائز نہیں ہے چہ جائیکہ جملہ کا "کبھی ایسا کلام فصیح نہیں سنا گیا کہ ضربت زیداً ومررت بعمرو وبکراً۔ بایں طور کہ بکراً کا عطف زیداً پر کیا جائے جس کا ترجمہ یوں ہوگا۔ مارا میں نے زید کو اور میں گزرا عمرو کے پاس سے اور بکر کو (یعنی بکر کو مارا) ایسا کلام تو کوئی عام فصیح و بلیغ بھی نہیں کرتا چہ جائیکہ خالق فصحاء ایسا کلام کرے؟ ثانیاً قاعدہ یہ ہے کہ جب دو متضاد حکم دیئے جائیں اور کوئی چیز دوسرے جملہ کے تحت واقع ہو تو اس کا تعلق دوسرے جملہ سے ہی سمجھا جاتا ہے۔ اگر ہیر پھیر کرکے اسے پہلے جملے سے مربوط کیا جائے تو اس طرح کلام درجۂ فصاحت سے گر جاتا ہے مثلاً اگر کوئی آقا اپنے غلام کو یوں دو حکم دے کہ اضرب زیداً وبکراً واکرم خالداً وعمرواً

تو ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہی ہوگا کہ زید و بکر کو مارو اور خالد و عمرو کا اکرام کرو لیکن اگر عمرواً کو کھینچ تان کر اضرب کے تحت داخل کیا جائے اور مطلب یہ بیان کیا جائے کہ مارو زید و بکر کو اور اکرام کرو خالد کا اور عمرو یعنی عمرو کو بھی مارو تو اس طرح کلام درجۂ فصاحت سے ساقط ہو جائے گا اگر کوئی متکلم یوں خبر دے کہ اکرمت زیداً و بکراً و مررت بخالد و عمرو یا عمرواً تو اس کا صحیح و سادہ مفہوم یہی ہوگا کہ میں نے زید و بکر کا اکرام کیا اور خالد و عمرو کے پاس سے گذرا نہ یہ کہ میں نے زید و بکر کا اکرام کیا اور خالد کے پاس سے گذرا اور عمرو یعنی عمرو کا اکرام کیا یہی صورتحال ہماری متعلقہ آیت میں ہے یہاں دو متضاد حکم ہیں ایک فاغسلوا (منہ ہاتھ دھونے کا) دوسرا فامسحوا (سر اور پاؤں کے مسح کرنے کا) دو چیزیں فاغسلوا کے تحت داخل ہیں (منہ ہاتھ) اور دو فامسحوا کے تحت (سر اور پاؤں) اب پاؤں کو کھینچ تان کر فاغسلوا کا معمول بنا کر اس کے تحت دینا کرنا اسی طرح قانون فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے جس طرح مذکورہ بالا مثالوں میں وضاحت کر دی گئی ہے ان حقائق کی روشنی میں کالشمس فی نصف النہار واضح و آشکار ہو گیا کہ "ارجلکم" کی لام پر خواہ زبر پڑھی جائے اور خواہ زیر بہر تقدیر پاؤں کا مسح کرنا ثابت ہے والحمد للہ علی وضوح الحق اگر اب بھی نہ تم سمجھو تو پھر تم سے خدا سمجھے۔

جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پاؤں پر مسح کرتے تھے

اب آئیے ہم مزید اتمام حجت کی خاطر کتب اہلسنت سے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے اہلبیت عظام، صحابۂ کرام اور تابعین باحسان کا پاؤں پر مسح کرنا ثابت کرتے ہیں لیہلک من ھلک عن بینۃ ویحیٰی من حی عن بینۃ (۱) عباد بن تمیم اپنے والد (تمیم) سے روایت کرتے ہیں وہ بیان کرتے ہیں رأیت رسول اللہ توضأ و مسح بالماء علی لحیتہ و رجلیہ یعنی میں نے جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وضو کرتے ہوئے دیکھا انہوں نے پانی سے داڑھی اور دونوں پاؤں کا مسح کیا (یعنی ہاتھ کا پانی خشک ہونے کی صورت میں ریش مبارک پر ہاتھ پھیر کر تری حاصل کی، کنز العمال ج ۵ ص ۱۰۲ بحوالہ ابن ابی شیبہ، احمد، بخاری در تاریخ، عدنی، بغوی، باوردی، طبرانی اور ابو نعیم، قال فی الاصابۃ رجالہ ثقات) (۲) ان النبی توضأ فغسل وجہہ و یدیہ مرتین و مسح راسہ و رجلیہ مرتین یعنی جناب رسولخدا نے اس طرح وضو کیا کہ منہ اور ہاتھوں کو دو مرتبہ دھویا اور سر اور پاؤں کا دو بار مسح کیا (کنز العمال ج ۵ ص ۱۰۳ بحوالہ مسند عبداللہ بن زید مازنی) (۳) تمیم بن زید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رأیت رسول اللہ یتوضأ و یمسح الماء علی رجلیہ۔ میں نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وضو کرتے ہوئے دیکھا انہوں نے اپنے دونوں پاؤں پر مسح کیا (اصابہ فی تمیز الصحابۃ ج ۱ ص ۱۸۵ بذیل ترجمہ تمیم بن زید انصاری۔ اس کے بعد ابن حجر نے لکھا ہے رجالہ ثقات یعنی اس حدیث کے تمام

راوی ثقہ ہیں۔ کذافی نیل الاوطار ج ۱ صـ۱۶۴)

جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مسح پا کا حکم دیتے ہیں

جس طرح جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے پاؤں پر مسح کرنا ثابت ہے اسی طرح ان کا دوسروں کو مسح پا کا حکم دینا بھی کتب اہلسنت سے ثابت ہے (۱) رفاعہ بن رافع بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لا تتم صلوۃ لاحد حتی یسبغ الوضوء کما امرہ اللہ تعالیٰ فیغسل وجھہ ویدیہ الی المرفقین ویمسح براسہ ورجلیہ الی الکعبین یعنی کسی شخص کی نماز اس وقت تک تمام (صحیح) نہیں ہو سکتی جب تک اس طرح مکمل طور پر وضو نہ کرے جس طرح خدا نے اسے حکم دیا ہے یعنی یہ کہ منہ اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھوئے اور سر اور دونوں پاؤں کا ٹخنوں تک مسح کرے" (عینی شرح بخاری ج ۱ صـ۶۵۹ طبع مصر کنانی شرح معانی الآثار ج ۱ صـ۲ سنن ابن ماجہ مترجم ج ۱ صـ۱۵۳ وسنن نسائی ج ۱ صـ۲۷۹ وسنن ابی داؤد مترجم صـ۲۰۹ وترمذی ج ۱ صـ۴۰ وکنز العمال ج ۴ صـ۹۳ تفسیر درمنثور ج ۲ صـ۲۶۳ بحوالہ فلک النجات ۱) (۲) سنن دار قطنی ج ۱ صـ۳۵ طبع دہلی مذکورہ بالا حدیث کا شانِ ورود یوں لکھا ہے کہ رفاعہ و مالک پسران رافع بیان کرتے ہیں کہ ہم بزم رسولؐ میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے آکر وہاں نماز پڑھی فارغ ہونے کے بعد بزم رسولؐ میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا۔ آنجناب نے جواب دینے کے بعد فرمایا دوبارہ نماز پڑھو کہ تم نے نماز نہیں پڑھی ہے اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری نماز میں کیا نقص ہے؟ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس وقت تک کسی شخص کی نماز صحیح نہیں ہوتی جب تک وضو اس طرح نہ کرے جس طرح خدا نے حکم دیا ہے کہ منہ اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھوئے اور سر اور پاؤں کا ٹخنوں تک مسح کرے" اس سے ثابت ہوا کہ جو لوگ وضو میں پاؤں کا مسح کرنے کی بجائے ان کو دھوتے ہیں تو وضو کے غلط ہونے کی وجہ سے انکی نماز باطل ہے اور یہی امر فرمان ائمہ اہلبیت علیہم السلام سے ثابت ہے چنانچہ استبصار ج ۱ صـ۳۳ فروع کافی ج ۱ صـ۱۷ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا یاتی علی الرجل ستون و سبعون سنۃً ما قبل اللہ منہ صلوۃ قلت وکیف ذلک قال لانہ یغسل ما امر اللہ بمسحہ یعنی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک آدمی کو نماز پڑھتے ہوئے ساٹھ یا ستر برس گذر جاتے ہیں مگر اس کی ایک نماز بھی خدا قبول نہیں فرماتا۔ راوی نے عرض کیا اس کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا خدا نے جس چیز (پاؤں) کے مسح کا حکم دیا ہے وہ اس کو دھوتا ہے"۔

حضرت علیؑ پاؤں پر مسح کرتے تھے

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح حضرت امیرؑ کا وضو میں پاؤں پر مسح کرنا بھی کتب اہلسنت سے ثابت ہے

چنانچہ فتح الباری ج ۵ ص ۳۶۲ "باب شرب القائم قائماً" میں حضرت امیر علیہ السلام کا اس طرح وضو کرنا لکھا ہے "فغسل وجھہ و یدیہ و مسح علی رأسہ و رجلیہ" یعنی آپ نے اپنا منہ اور ہاتھ دھوئے اور سر اور دونوں پاؤں پر مسح کیا (۲) معانی الآثار للطحاوی ج ۱ ص ۲۱ مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۹۵/۱۱۶ میں حضرت امیرؑ کے متعلق لکھا ہے "انہ توضأ فمسح علی ظاھر القدم وقال لولا انی رأیت رسول اللہؐ فعلہ لکان باطن القدم احق من ظاھرہ" یعنی آنجناب نے وضو کیا اور پشت پا پر مسح کیا پھر فرمایا اگر میں نے جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی طرح مسح کرتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا (اور ذاتی قیاس پر عمل روا ہوتا) تو پاؤں کے تلووں کا مسح کرنا زیادہ موزوں ہوتا" (۳) فاضل عسقلانی نے فتح الباری ج ۱ ص ۲۳۳ پر یہ تسلیم کیا ہے کہ حضرت علی پاؤں پر مسح کرتے تھے" اس کے بعد ابن حجر نے بلا دلیل دعویٰ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بعد میں انہوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔ یہ عذر تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے اس اللہ کے بندہ سے کوئی پوچھے کہ باب مدینۂ علوم نبویہ نے جو کام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پورے تیئس ۲۳ سال کرتے دیکھا اور خود بھی اس پر برابر عمل پیرا رہے بعد میں اس سے رجوع کرنے کے کیا معنی ہیں؟ کیا ان کا پہلا عمل غلط تھا اور بعد از خرابیٔ بسیار ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا؟ العیاذ باللہ، کیا سیرت علویہ میں اس بات کی کوئی اور مثال بھی ملتی ہے؟ قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ کتاب کنز العمال ج ۵ ص ۱۰۳ پر ابن مطر سے روایت ہے کہ ہم حضرت علی کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے آکر عرض کیا کہ رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کا طریقہ بتلائیے! آپ نے قنبر کو پانی لانے کا حکم دیا جب پانی آگیا تو آپ نے ہاتھ اور منہ کو دھویا پھر سر اور پاؤں پر مسح کیا۔

امام محمد باقرؑ بھی پاؤں پر مسح کرتے تھے

اسی طرح علماء اہلسنت نے یہ تسلیم کیا ہے کہ امام محمد باقرؑ بھی پاؤں کے مسح کو واجب جانتے تھے (ملاحظہ ہو تفسیر کبیر ج ۳ ص ۴۲۵ تفسیر ترجمان القرآن نواب صدیق حسن خان ص ۸۲۲ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۹۹ وغیرہ) اور یہ بات ابھی اوپر واضح کی جا چکی ہے کہ ائمہ اہلبیتؑ میں سے جو ایک کا قول و فعل ہوتا ہے وہی سب کا ہوتا ہے اور جب علماء اہلسنت نے حضرت علیؑ اور امام محمد باقرؑ کا پاؤں پر مسح کرنا تسلیم کر لیا ہے تو اب انہیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ تمام ائمہ اہلبیتؑ کا اسی طریقہ کار پر عمل درآمد تھا جیسا کہ علامہ وحید الزمان نے انوار اللغۃ پ ۶ ص ۵۵ و پ ۱۵۳/۱۵۴ پر تسلیم کر لیا ہے۔ فراجع۔

ان بعض صحابہ کے نام جو پاؤں پر مسح کرتے تھے

کتب اہلسنت میں بہت سے صحابۂ کرام کے نام ملتے ہیں جو بڑی سختی کے ساتھ مسح پا کی پابندی کرتے تھے اور دھونے والوں پر بھرپور تنقید کرتے تھے جیسے انس بن مالک، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمرو امثالہم۔

انس کا قول ہے "نزل القرآن بالمسح" یعنی قرآن مسح کے ساتھ اترا ہے (تفسیر خازن ج ۱ ص ۴۴۱) اور جناب عبداللہ بن عباس کہا کرتے تھے ابی الناس الا الغسل ولا اجد فی کتاب اللہ الا المسح یعنی عام لوگوں نے سوائے مسح کے اور کچھ نہیں پاتا (تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۲۶۲) نیز ابن عباس کا یہ قول مفسرین کے نزدیک بہت مشہور ہے۔ الوضوء غسلتان ومسحتان۔ یعنی وضو دو دھونے (منہ اور ہاتھ) اور دو مسح کرنے (سر اور پاؤں) کا نام ہے (تفسیر معالم التنزیل ص ۲۷ تفسیر خازن ج ۱ ص ۴۴۱ وغیرہ) اسی طرح تفسیر ترجمان القرآن ص ۸۴۲ پر عبداللہ بن عمر کا نام بھی ان لوگوں میں لکھا گیا ہے جو پاؤں پر مسح کرتے کے قائل تھے نیز تفسیر معالم التنزیل سے نقل کیا گیا ہے کہ جناب سلمانؓ، ابوذرؓ، عمار بن یاسر اور تمام ائمہ اہلبیتؑ وضو میں پاؤں پر مسح کرتے تھے۔

پاؤں دھونے کا ذکر کہاں ہے اور مسح کا ذکر قرآن میں موجود ہے

ان بعض تابعین کے نام جو پاؤں پر مسح کرتے تھے

اسی طرح اہلسنت کی کتب تفسیر و حدیث میں بہت سے تابعین کے نام بھی ملتے ہیں جو پاؤں پر مسح کرنے کے قائل تھے اور سختی سے اس پر عامل تھے جیسے شعبی، عامر، عکرمہ، قتادہ، جابر ابن زید، علقمہ اور حسن وغیرہم (ترجمان القرآن ص ۸۴۲ تفسیر خازن ج ۱ ص ۴۴۱ تفسیر ابن جریر ج ۶ ص ۸۲-۸۳ وغیرہ) چنانچہ شعبی اور علقمہ کا یہ قول ہے "انما نزل جبرئیل بالمسح علی الرجلین الا ترئ ان ما کان علیہ الغسل جعل علیہ التیمم وما کان علیہ المسح اھمل" یعنی جبرئیل تو صرف پاؤں پر مسح کا حکم لے کر اترے تھے کیا تم غور نہیں کرتے کہ جن اعضاء کا دھونا فرض تھا انہی پر تیمم کا حکم ہے (منہ اور ہاتھ) اور جن پر مسح کا حکم تھا (سر اور پاؤں) ان کو تیمم میں نظر انداز کر دیا گیا ہے (تفسیر خازن ج ۱ ص ۴۴۲، معالم التنزیل ص ۲۷) اور عکرمہ کا یہ قول کتب تفاسیر میں موجود ہے لیس فی الرجلین غسل انما المسح علی الرجلین یعنی پاؤں دھونے کا حکم نہیں بلکہ ان پر مسح کرنا واجب ہے (حوالہ مذکورہ بالا) قتادہ کا بیان ہے الوضوء غسلتان ومسحتان وضو دو دھونے اور دو مسحوں کا نام ہے (معالم التنزیل ص ۲۷)

مسح پا والے نظریہ کی تائید مزید

وضو میں مسح پا کے واجب ہونے کی تائید مزید اس بات سے بھی ہوتی ہے جس کا تذکرہ ابھی اوپر شعبی و عامر کے منقولہ بالا کلام میں کیا جا چکا ہے کہ تیمم جو وضو کا بدل ہے اور جو پانی کے دستیاب نہ ہونے یا اس کے ضرر پہنچانے کی صورت میں کیا جاتا ہے اس میں سر اور پاؤں پہ تیمم نہیں کیا جاتا بلکہ بالاتفاق تیمم صرف منہ اور ہاتھوں پر کیا جاتا ہے یہ اس بات کی ناقابل رد دلیل ہے کہ سر اور پاؤں سے دھونے کا کوئی تعلق نہیں ہے کیا کوئی منصف مزاج سنی ان حقائق کا انکار کر سکتا ہے؟ اور ان کی موجودگی میں وضو میں پاؤں دھونے کی جرأت کر سکتا ہے؟ یا ان سے گلو خلاصی کرانے کیلئے کوئی معقول جواب پیش کر سکتا ہے؟ وان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ۔

بعض منصف مزاج علماء اہلسنت کا منصفانہ کلام

اس بحث کے آخر میں ہم بعض منصف مزاج علماء اہلسنت کا منصفانہ کلام پیش کرتے ہیں حضرت علامہ وحید الزمان اپنی کتاب انوار اللغۃ پ۵ ص۵۵ و پ۶ ص۱۵۳/۱۵۲ پر رقمطراز ہیں "نووی نے وضو میں پاؤں دھونے پر اجماع لکھا ہے میں کہتا ہوں اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اجماع ثابت نہیں ہے بلکہ ابن قین نے بعض شافعیہ سے یہ نقل کیا ہے کہ نمازی کو اختیار ہے خواہ پاؤں دھوئے خواہ ان پر مسح کرے اور عکرمہ کا یہ قول ہے کہ وضو میں پاؤں پر مسح کرے اور حضرت علیؑ اور ابن عباس اور حسن اور شعبی وغیرہم سے باسانید صحیحہ مسح منقول ہے اور امامیہ نے ائمہ اہلبیتؑ سے بتواتر پاؤں کا مسح نقل کیا ہے اور یہ امر ایسا نہیں ہے کہ اس میں جھوٹ بنانے کا احتمال ہو۔ اس لئے کہ یہ کسی اعتقادی امر سے متعلق نہیں ہے جو ما بین شیعہ اور اہلسنت کے مختلف ہو اور شیعوں نے پاؤں کا مسح وضو میں لازم رکھا ہے اور ظاہر قرآن سے بھی مسح نکلتا ہے اور ابن جریر نے متعدد روایات جواز مسح کے لئے ذکر کی ہیں ۔۔۔۔ اگر کوئی مسح کرے تو اس کو گمراہ نہیں کہہ سکتے نہ شدت کے ساتھ اس پر انکار کر سکتے ہیں کیونکہ بعض صحابہ اور تابعین سے مسح بھی منقول ہے اور امام ابن جریر نے جو بڑے مجتہد اور محدث ہیں اسی طرح صوفیوں میں سے شیخ ابن عربی نے مسح کو بھی جائز رکھا ہے" انہی علامہ نے اسی کتاب انوار اللغۃ پارہ ۶ ص۱۵۳ پر لکھا ہے "بعضے نام کے سنی خواہ مخواہ شیعوں کی عداوت اور مخالفت پر ایسے تلے ہوئے ہیں کہ پاؤں پر اگر کوئی مسح کرنے تو اسے رافضی اور کافر سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے غلط اور افراط تفریط سے بچائے رکھے" اس بیان سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ مؤلف کے ہم مذہبوں کا وضو میں پاؤں دھونے پر اس قدر زور دینا محض شیعوں کی اندھی عداوت کا نتیجہ ہے ع صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے۔

لمحہ فکریہ

ان حقائق کی روشنی میں اس بات کا فیصلہ منصف مزاج اور انصاف پسند قارئین کرام کے ذوق تعداد پر چھوڑا جاتا ہے کہ آیا شیعوں کا طرز عمل خلاف عقل و نقل ہے یا اہلسنت کا؟ اور آیا دشمن عقل و خرد شیعہ ہیں یا نام نہاد اہلسنت والجماعت جو قرآن و حدیث اور تعامل صحابہ و تابعین کی موجودگی میں شیطانی قیاس بے اساس پر عمل کرتے ہوئے پاؤں دھونے پر اصرار کر رہے ہیں کہ "منہ ہاتھ اور پاؤں پر گرد و غبار پڑا کرتا ہے ۔۔۔۔ سر ڈھکا رہتا ہے ۔۔۔۔ پاؤں پلید ہونے کا احتمال ہے جو کسی کو بخار ہو تو طبی علاج یہ ہے کہ پاشویہ کرایا جاتا ہے جس سے بخار دور ہو کر صحت عود کرتی ہے" قرآن و حدیث کے بالمقابل اس قسم کے قیاسات و خیالات بوجہ قیاس فی مقابلۃ النص ہونے کے پرکاہ کے برابر بھی وزن نہیں رکھتے، موجودہ دور میں سب سے زیادہ کھلا ہوا عضو تو سر ہے تو کیا آج کل سر کو دھویا جائے گا؟ نیز اگر بقول مؤلف پاؤں کا دھونا اس لئے واجب ہے کہ ان کے نجس ہونے کا احتمال ہے تو وہ اعضاء قبل و دبر جو بعض اوقات یقیناً نجس ہوتے ہیں ان کا وضو میں دھونا تو بطریق اولیٰ واجب ہونا چاہیئے

تھا کہ ان اللہ کے بندوں کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ وضو حدث (باطنی کثافت) کے رفع کے لئے کیا جاتا ہے نہ کہ خبث (ظاہری نجاست) کے ازالہ کیلئے لہٰذا اگر اعضاء وضو (جو دھوئے جاتے ہیں یا جن پر مسح کیا جاتا ہے) نجس ہوں تو وضو سے پہلے ان سے نجاست کا زائل کرنا واجب ہے۔ لہٰذا اگر پاؤں نجس ہوں تو ان سے قبل از وضو ازالۂ نجاست واجب ہوگا والا فلا ——— نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ پاشویہ کرنے سے بخار تو اتر سکتا ہے مگر پاؤں سے گندگی کا ازالہ نہیں ہو سکتا۔ فتدبر۔ اسی طرح استیعاب وغیرہ کی بحث بھی لا یعنی ہے حاشیہ نویس کے اضافۂ معلومات کی خاطر اتنا واضح کیا جاتا ہے کہ مسح پا میں طولاً اور (طولاً) اصابع سے لے کر کعبین تک بالاتفاق استیعاب واجب ہے چنانچہ کتاب حدائق ناضرہ ج ۱ ص ۱۸۱ پر لکھا ہے "ان اجماع فقہاء اهل البیت علیهم السلام وجوب الاستیعاب فی مسح الرجلین طولاً الخ ..." اور جہاں تک "ارجلکم" کی نصب (زبر) کا تعلق ہے ہم قبل ازیں اس پر مفصل تبصرہ کرکے اس سے پاؤں کے مسح کا وجوب ثابت کر چکے ہیں۔ فراجع

فروع کافی والی روایت کا جواب

باقی رہی فروع کافی والی وہ روایت جسے مؤلف نے بڑے طمطراق سے پیش کیا ہے اور شیعوں کے لئے ناقابل جواب قرار دیتے ہوئے اسے ان کے خلاف بڑا حربہ ٹھہرایا ہے حالانکہ اس کا جواب بالکل آسان ہے یہ روایت بدو وجہ ہمارے خلاف حجت نہیں ہو سکتی اولاً اس لئے کہ اس روایت کا ایک راوی حسین بن سعید ہے جو واقفی المذہب و بدعقیدہ ہونے کی وجہ سے متروک الروایہ ہے (رجال حائری ص ۱۰۶ طبع ایران) نیز یہ روایت حسین بن سعید نے فضالہ سے ——— نقل کی ہے اور حائری نے اپنے رجال (ص ۲۱۲) میں لکھا ہے "ان الحسین لم یلق فضالة" یعنی حسین نے کبھی فضالہ سے ملاقات نہیں کی اس لئے کل شیئی رواه الحسین بن سعید عن فضالة فهو غلط" لہٰذا جہاں بھی یہ دیکھو کہ حسین بن سعید نے فضالہ سے کچھ نقل کیا ہے تو سمجھ لو کہ وہ غلط ہے" بنابریں یہ روایت ناقابل اعتبار ہے۔ ثانیاً اس لئے کہ یہ روایت مسلمہ روایاتِ اہلبیت ؑ کے خلاف ہے کیونکہ جس باب میں یہ روایت موجود ہے خود اسی باب میں پاؤں کے مسح کی متعدد روایات معتبرہ موجود ہیں۔ جن میں سے بعض میں یہاں تک وارد ہے کہ ایک آدمی ساٹھ ستر برس تک نماز پڑھتا ہے مگر اس کی ایک نماز بھی قبول نہیں ہوتی کیونکہ وہ وضو میں پاؤں کا مسح کرنے کی بجائے انہیں دھوتا ہے (استبصار، فروع کافی) بنابریں عامہ کے موافق ہونے کی وجہ سے اس روایت کو تقیہ پر محمول کیا جائے گا۔ چنانچہ کتاب حدائق ناضرہ ج ۱ ص ۱۸۱ میں بحوالہ وافی ملا محسن فیض لکھا ہے "المراد بالحدیث انه ان کنت فی موضع تقیة فابدأ بالمسح لیتم وضوئك ثم اغسل رجلیك" یعنی اگر تم تقیہ کے مقام پر ہو تو پاؤں کو دھو لو" الحمد للہ ان حقائق کی روشنی میں مثل روشن کی طرح واضح و آشکار ہوگیا کہ شیعیان حیدر کرار کا عمل و کردار نہ صرف یہ کہ عقل سلیم کے موافق ہے بلکہ کتاب رب حکیم، سنتِ رسول کریم، سیرتِ صحابہ کاملین اور ارشادات ائمہ طاہرین کے بھی عین مطابق ہے [illegible]

ان کی روش و رفتار پر زبان اعتراض دراز کرتا ہے وہ درحقیقت اپنی عقل و خرد اور دین و دیانت کا جنازہ نکالتا ہے

ہزاروں نکتے یہاں بال سے بھی ہیں باریک
کہ جس کی عقل ہو موٹی وہ اس کو کیا جانے؟

داڑھی چٹ مونچھیں دراز

آجکل شیعیانِ علی کی نشانِ امتیاز یہ ہے کہ داڑھی چٹ اور مونچھیں دراز ہوتی ہیں ـــ جس کی داڑھی مسنون ہو اور شوارب کٹی ہوں اس کو شیعہ غیظ و غضب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اسلئے کتب شیعہ سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالنا ضروری ہے ـــ (۱) شیعہ کی مستند کتاب من لا یحضرہ الفقیہ میں ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم احفوا الشوارب واعفوا اللحی ولا تشبھوا بالیھود (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مونچھیں کٹاؤ اور داڑھی رکھو اور یہودیوں سے مشابہت پیدا نہ کرو) (۲) فروع کافی ج ۲ ص ۵۳ میں ہے عن بعض اصحابہ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی قدر اللحیۃ قال تقبض بیدک وتجز ما فضل (امام صادقؑ سے بعض اصحاب نے داڑھی کی مقدار کا سوال کیا آپ نے فرمایا بقدر قبضہ رکھو اور اس سے زائد کاٹو) (۳) اسی کتاب کے صفحہ مذکور میں ہے عن علی بن جعفر عن اخیہ ابی الحسن علیہ السلام قال سئلتہ عن قص الشوارب امن السنۃ قال نعم (علی بن جعفر نے اپنے بھائی ابو الحسنؑ سے روایت کی ہے کہ ان سے دریافت ہوا کیا مونچھوں کا کٹانا سنت ہے کہا ہاں بے شک) (۴) پھر اسی کتاب کے ص ۵۳ میں ہے عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لا یطولن احدکم شاربہ فان الشیطان یتخذہ مخباءً یستتر بہ (امام صادقؑ سے روایت ہے کہ رسول پاک نے فرمایا کوئی شخص تم میں سے مونچھوں کو نہ بڑھائے کیونکہ شیطان خیمہ بناتا ہے جو اس کے پردہ کا کام دے) (۵) اصول کافی ص ۲۱۲ میں ہے یا امیر المؤمنین وما جند بنی مروان قال کان قوم حلقوا اللحی وفتلوا الشوارب (جناب سے پوچھا گیا کہ بنو مروان کا لشکر کون ہے؟ تو فرمایا وہ ایک قوم تھی جو داڑھی چٹ کراتے اور مونچھوں کو تاؤ دیتے تھے ان کی صورتیں مسخ ہو گئیں) شیعہ غور کریں حدیث نمبر ۵ میں مونچھیں کٹانے

لطیفہ: مؤلف نے جس حدیث کا سیاق و سباق چھوڑ کر صرف یہ ٹکڑا نقل کیا ہے کہ ان کی صورتیں مسخ ہو گئیں تو یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ وہ کس شکل میں مسخ ہوئے اس سوال کا جواب (بقیہ بر صفحہ ۶۸۹ پر)

اور داڑھی رکھانے کا صاف حکم ہے اور کہ جو ایسا نہیں کرتے وہ یہودیوں سے مشابہہ بنتے ہیں حدیث نمبر ۲ میں داڑھی کی مقدار بتائی گئی ہے ۔ حدیث نمبر ۳ میں مونچھیں کٹانا سنت نبوی قرار دیا گیا ہے حدیث نمبر ۴ میں مونچھیں کٹانے کی ایسی تاکید کی گئی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مونچھیں شیطان کے خیمہ کے کام آتی ہے حدیث نمبر ۵ میں داڑھی چٹ اور مونچھیں دراز بنو مروان کے لشکر کا حلیہ بتایا گیا ہے جو حضرات شیعہ ان احادیث کے خلاف داڑھی چٹ اور مونچھیں دراز اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں وہ ان احادیث کی رو سے یہودی صفت سنت نبوی کے منکر شیطان کے مددگار ہیں رکہاں ہیں وہ شیعہ جو جہاں کو کہا کرتے ہیں کہ لمبی مونچھیں مولیٰ علی کے شعار ہیں غضب تو یہ ہے کہ شیعہ علما ربھی داڑھی چٹ اور مونچھیں دراز نظر آتے ہیں (آفتاب صفحہ ۱۲)

الجواب عقل مندوں کا قول ہے کہ شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور یہ حقیقت کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ مذہب وہ ہوتا ہے جسے خدا کے مقرر کردہ بانیان مذہب پیش کریں، اس کے تعلیمات وہ ہوتے ہیں جو اس مذہب کی معتبر کتابوں میں محفوظ ہوں اور اس کے عملی نمونے بانیان مذہب یا ذمہ داران ملت پیش کریں۔ اور کسی مذہب پر صحیح اعتراض وہ ہوتا ہے جو اس کے مذہبی تعلیمات پر وارد ہوتا ہو یا اس کے بانیوں کے کردار پر۔ باقی رہے عوام چونکہ وہ کالانعام ہوتے ہیں اسلئے ان کا قول و فعل کسی بھی مذہب میں حجت اور سند نہیں ہوا کرتا اور نہ ہی انکی روش ورفتار کو سامنے رکھ کر کسی مذہب کو مطعون کیا جا سکتا ہے!

مؤلف کی روش پر تبصرہ مگر مؤلف کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ محض عوام کے طرز عمل کو سامنے رکھ کر پورے مذہب کو بدنام کرنا شروع کر دیتے ہیں انکی یہ روش بلا تشبیہ ایسی ہے جیسی یہود و ہنود و عوام کی روش ہے۔ جو عوام اہل اسلام کے قول و کردار کو سامنے رکھ کر اسلام کو بدنام کرتے ہیں۔ تو اگر عقلاء روز گار کی نظروں میں یہود و ہنود کا یہ اعتراض اسلام پر بیہودہ اور سوقیانہ ہے تو پھر تو مؤلف آفتاب کا یہ ایراد مذہب شیعہ پر بھی ہے تو پھر مؤلف کا اعتراض شیعہ پر بھی محض غلط اور بالکل بے جا ہے۔ بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا۔ جب وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ شیعہ کی مذہبی کتابوں میں سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے فرمان کی روشنی میں داڑھی رکھانے اور مونچھیں کٹانے کی بڑی سخت تاکید کی گئی ہے اور جس قدر مذہب شیعہ کے ذمہ دار حضرات ہیں وہ ان احکام پر سختی سے عمل بھی کرتے ہیں تو پھر محض بعض عوام جہلا کے فعل شنیع کو سامنے رکھ کر مذہب شیعہ کو ہدف ملامت بنانا کس قانون و آئین اور کس عقل و شرع کی رو سے روا ہے؟ افسوس

بقیہ گزشتہ صفحہ ۶۸۸ :۔ ہے کہ وہ ملی مچھلی (غیر چھلکا دار) کی شکل میں مسخ ہوئے تھے جسے مؤلف اور انکے ہم مذہب کھا کر ڈکار بھی نہیں لیتے حالانکہ تمام مسوخات حرام ہیں (الخصال) فاعتبروا یا اولی الابصار۔ (منہ عفی عنہ)

اس دور میں ظالم ہی جتنے انصاف کا وعظ سناتے ہیں
ہر بات یہاں کی الٹی ہے یاں الٹی گنگا بہتی ہے

کیا تمام اہلسنت مسنون طریقہ پر داڑھی رکھاتے اور مونچھیں کٹاتے ہیں (ہرگز نہیں) تو اگر کوئی شخص ان کے فعل کے پیش نظر مذہب اہلسنت پر اعتراض کرے کہ اس مذہب میں داڑھی منڈانا اور مونچھیں بڑھانا جائز ہے تو مؤلف کیا جواب دیں گے فما هو جوابكم فهو جوابنا!

مذہب شیعہ میں ڈاڑھی رکھوانا واجب ہے

ناظرین کرام کے اضافہ معلومات کے لئے اس قدر وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ مذہب شیعہ میں بقدر داڑھی رکھنا کہ منڈی ہوئی معلوم نہ ہو واجب اور اس کا منڈوانا حرام ہے (جبکہ اہلسنت کے ہاں داڑھی رکھنا صرف سنت ہے) ہاں قبضہ تک رکھوانا سنت اور اس سے زیادہ بڑھانا مکروہ ہے اس موضوع پر متعدد علماء شیعہ نے متعدد کتب و رسائل شائع کئے ہیں جیسے المحاسن، زینۃ الرجال، بلغۃ اللحیۃ، اللحیۃ، وغیرہا خود راقم آثم نے اس موضوع پر ایک رسالہ بنام "حرمت ریش تراشی قرآن و سنت کی روشنی میں" لکھا ہے جس میں بعض آیات قرآنیہ اور مؤلف کی پیش کردہ روایات کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث معصومین پیش کی ہیں منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں حلق اللحیۃ من المثلۃ ومن مثل فعلیہ لعنۃ اللہ یعنی داڑھی منڈوانا مثلہ ہے اور جو مثلہ کرے اس پر خدا کی لعنت (مستدرک الوسائل ج ۱ ص ۵۱) علامہ شیخ یوسف بحرانی حدائق ناضرہ ج ۱ ص ۵۴ پر مؤلف کی پیش کردہ روایت نمبر ۵ (جو بنی مروان والی روایت) پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "الظاهر كما استظهره جملة من الاصحاب كما عرفت تحريم حلق اللحية لخبر المسخ المروي عن امير المؤمنين فانه لا يقع الا على ارتكاب امر محرم بالغ في التحريم" خلاصہ اینکہ ظاہر یہ ہے کہ داڑھی منڈوانا حرام ہے چنانچہ وہ روایت جو حضرت امیر سے مروی ہے جس میں (داڑھی منڈوانے، مونچھوں کو تاؤ دینے پر) ایک قوم کے مسخ ہونے کا تذکرہ ہے سے ظاہر ہے کیونکہ یہ امر واضح ہے کہ مسخ ہونا کسی شدید فعل حرام کے ارتکاب کے واقع نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ شیعہ مذہب کا کوئی ذمہ دار اہل علم وغیرہ داڑھی منڈوائے یا مونچھیں بڑھائے بلکہ جو لوگ اس فعل شنیع کا ارتکاب کرتے بھی ہیں (خدا ان کو اس کے ترک کرنے کی توفیق دے) وہ بھی یہ سمجھتے ہیں کہ وہ گنہگار ہیں لہٰذا یہ بات خارج از قیاس ہے کہ وہ مسنون طریقہ پر ڈاڑھی رکھنے یا مونچھیں کٹوانے والے حضرات کو غیظ و غضب کی نظر سے دیکھتے ہیں ہاں البتہ وہ ان لوگوں کو پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھتے جن کی ڈاڑھیاں خلاف سنت سکھوں اور سیدیوں کی طرح ناف تک دراز ہوتی ہیں اور یہی مطلب ہے مؤلف کی پہلی پیش کردہ روایت کا جس میں ڈاڑھی بڑھانے کا

حکم تو ہے مگر یہود سے مشابہت پیدا کرنے کی ممانعت بھی ہے۔ کیونکہ یہود حد سے زیادہ ڈاڑھی بڑھاتے ہیں (جس طرح مجوسی منڈواتے ہیں)، لہٰذا یہودی سے مشابہ وہ لوگ ہیں جن کی ڈاڑھیاں قبضہ سے زیادہ لمبی ہوتی ہیں اور شتر بے مہار کی طرح اِدھر اُدھر آوارہ گردی کرتی رہتی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ وہ دشمن علیؑ جن کی بے ہنگم ڈاڑھیاں ناف سے باتیں کرتی ہیں وہ اس حدیث کی رو سے یہودی صفت، سنت نبوی کے منکر اور شیطان کے مصداق واقعاً ہیں

ع بد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے
ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

—— ایسی ڈاڑھی کا کیا فائدہ جو ایک مسلمان کو یہودی صفت بنا دے چنانچہ جناب عائشہ صاحبہ کا یہ کلام پہلے گذر چکا ہے کہ وہ جناب عثمان کو "نعثل" کہا کرتی ہیں (ایک لمبی ڈاڑھی والے یہودی سے تشبیہ دیتے ہوئے) (استیعاب ابن عبدالبر)

سب سے پہلے معاویہ نے ڈاڑھی ترشوائی

کتاب تنبیہ المغترین میں لکھا ہے کہ "اسلام میں سب سے پہلے معاویہ بن ابی سفیان نے ڈاڑھی ترشوائی۔"

عمر کی مونچھیں دراز تھیں

باقی رہا دراز مونچھوں کا مسئلہ تو ناظرین کے اضافہ معلومات کیلئے واضح رہے کہ مؤلف کے خاص بزرگ حضرت عمر کی مونچھیں گھنی اور دراز تھیں (مجمع بحار الانوار ج ۱ ص ۹۳ —— الفاروق شبلی ص ۲۸۹ ج ۲) ع چیست یاران —— طریقت بعد ازیں تدبیر ما۔

بھنگ اور شراب

ہر چند شراب کی حرمت نص قرآن سے ثابت ہے اور لحم خنزیر اور شراب حرمت میں برابر ہیں لیکن شیعہ حضرات کے بہت سے پیر فقیر شراب کے عادی ہوتے ہیں بہت سے وضعی شرابی پیر نذر نیاز میں بھی شراب کی بوتل کی فرمائش کرتے ہیں اور بھنگ تو ملنگان علی کا صبح و شام کا وظیفہ ہوتا ہے۔ اِدھر بھنگ رگڑتے ہیں اُدھر بزرگان دین کو لعنت و تبرا کرکے نامہ اعمال سیاہ کرتے ہیں —— اس لئے ذیل میں چند مسائل شراب و بھنگ کے متعلق ہم شیعہ کی معتبر کتابوں سے نقل کرتے ہیں —— شیعہ کی معتبر کتاب فروع کافی ج ۲ ص ۲۷۲ سے ص ۲۷۳ تک شراب کی خباثتوں، شارب خمر کی برائیوں کا مفصل تذکرہ ہے

—— ہم صرف شیعہ کی مستند تفسیر عمدۃ البیان —— سے ایک عبارت لکھتے ہیں جو جامع و مانع ہے

—— و ہو ہذا "جناب صادقؑ نے فرمایا کہ پینے والا شراب کا بیمار ہو تو اس کو پوچھنے نہ جاؤ اور اگر مر جائے تو اس کے جنازہ میں مت جاؤ اور اگر حاجتمند ہو تو اس کو زکوٰۃ مت دو اور اگر عورت

کو واسطے نکاح کے چاہے تو نکاح اس سے مت کرو اور جو شخص کہ اپنی دختر کا نکاح کسی شرابی سے کرے تو اس نے گویا اپنی بیٹی کو دوزخ میں ڈالا ہے اور فرمایا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جو کوئی شرابی کو ایک لقمہ کھانے کو دیوے یا ایک گھونٹ پانی کا دیوے تو البتہ معین کرے گا خدا اس کے قبر میں سانپ اور بچھو کو کہ طول اس کے دندان کا ایک سو گز ہوگا اور پلایا جائے گا قیامت کے روز دوزخیوں کے زخموں کا پانی اور جو کوئی حاجت روائی کرے شرابی کی گویا اس نے ایک ہزار مومن کو قتل کیا یا خانہ کعبہ کو ڈھایا اور جو کوئی سلام کرے اس پر تو لعنت کریں گے ستر ہزار فرشتے اور لعنت کی ہے شراب پینے والے کو اور اس کے نچوڑنے والے کو اس کے پلانے والے کو اور اس کے اٹھانے والے اور جس کے پاس لے جائے اس کو اور تنبیہ الغافلین میں لکھا ہے کہ فرمایا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جو کوئی ایک لقمہ بھنگ کا کھائے ایسا ہے کہ گویا اس نے خانہ کعبہ کو ستر بار ڈھایا اور جو کوئی خانہ کعبہ کو ایک بار ڈھائے تو ایسا ہے گویا اس نے ستر پیغمبروں کو قتل کیا اور قرآن میں جو شجرہ ملعونہ ہے مراد اس سے بھنگ کا درخت ہے" (تفسیر عمدۃ البیان ج ۲ ص ۳۲۸) ـــــ آپ غور کریں کہ کتنے بھنگی اور شرابی مولا علیؑ کے ملنگ اور پیر فقیر نکلتے ہیں جو شیعہ صاحبان کے قبلہ و کعبہ اور شیعہ کے رکن اعظم ـــــ سمجھے جاتے ہیں پھر کیوں نہ کہا جائے کہ اس مذہب میں روحانیت مطلق نہیں ہے (آفتاب ص ۳۴۹)

الجواب ذوق سلیم اور طبع مستقیم پر اس سے بڑھ کر کوئی چیز گراں نہیں کہ ایسے مزخرفات کا جواب دیا جائے مذہب شیعہ خیر البریہ میں پیری مریدی کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ چیز مؤلف کے مذہب میں تو مال ٹکے بٹیر کے حساب سے ہر جگہ تھوک مل جاتی ہے اور ان کے ہاں گدیوں کا اندرون ملک اور بیرون ملک جو جال بچھا ہوا ہے وہ کسی وضاحت کا محتاج نہیں ہے۔ غالباً انہوں نے شیعہ پیروں کو (بغرض تسلیم وجود) اپنے سنی پیروں فقیروں کے آئینہ میں دیکھنے کی سعی نافرجام کی ہے پیری فقیری کے ان اڈوں (گدیوں) پر جو الٹے تلٹے ہوتے ہیں جو ناٹک رچائے جاتے ہیں اور جو رنگ رلیاں منائی جاتی ہیں ان کی تصویر جو خلوتیاں راز سے معلوم ہوتی ہے اسقدر غلیظ اور بھیانک ہے کہ ہماری شرافت اجازت نہیں دیتی کہ اسے نوک قلم پر لایا جائے۔ علاوہ بریں اس تصویر کشی کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ ع ایشاں ہمہ رازاست کہ معلوم عوام است! باقی رہا ملنگوں کے فعل کی وجہ سے مذہب شیعہ پر اعتراض ہم سابقہ بحث میں اس موضوع پر مفصل گفتگو کر چکے ہیں کہ کسی بھی مذہب کا دارومدار اس کی تعلیمات یا اس کے بانیوں کی روش و رفتار پر ہوتا ہے نہ کہ عوام کالانعام کے قول و فعل پر۔ کس قدر ستم ظریفی ہے کہ مؤلف کے مذہب اور اسی طرح دوسرے تمام مذاہب میں تو پیشوایان دین اور صالحین شرع متین کا قول و فعل حجت اور سند ہو اور جب

مذہب شیعہ پر اعتراض کر کے بغض اہلبیتؑ کی دلی بھڑاس نکالنا ہو تو ان کے جاہلوں اور ملنگوں کا فعل سند ہو جائے انا للہ وانا الیہ راجعون جب مؤلف یہ تسلیم کرتے ہیں کہ شیعہ کی معتبر کتب تفسیر و حدیث شراب و بھنگ کی مذمت سے بھری پڑی ہیں اور ہمارے پیشوایانِ دین وہ ہیں کہ اغیار بھی ان کی عصمت و عفت اور پاکدامنی کا اقرار کرتے ہیں تو اگر بالفرض کوئی نام نہاد شیعہ اس ام الخبائث کا ارتکاب کرتا بھی ہے تو اس میں مذہب شیعہ کا کیا قصور ہے؟ اگر مؤلف بقید حیات ہوتے تو ہم ان کو تین طلاق کی مغلظ قسم دیکر ان سے دریافت کرتے کہ کیا آپکے ہم مشربوں و ہم مذہبوں میں کوئی شراب، بھنگ، چرس وغیرہ منشیات کا ارتکاب نہیں کرتا؟ اور اگر یقیناً ہیں بلکہ بکثرت ایسا کرتے ہیں تو کیا اس کی وجہ سے اہلسنت کے مذہب پر یہ اعتراض جائز ہے؟ کہ "مذہب اہلسنت میں شراب اور بھنگ جائز ہے۔ اور کتنے شرابی کبابی اور بھنگی چرسی ایسے ہیں جو اٹھتے بیٹھتے شیخ عبدالقادر جیلانی یا عمر فاروق کا نام لیتے ہیں اور اہلسنت کے قبلہ و کعبہ اور پیر و مرشد مانے جاتے ہیں؟ اور اگر ایسا کرنا جائز نہیں تو پھر کسی شیعہ کی اس حرکت سے مذہب شیعہ کو کیوں بدنام کیا جاتا ہے؟ ہے اس کا کسی سنی کے پاس کوئی جواب؟ جو حدیثیں تفسیر عمدۃ البیان سے نقل کی گئی ہیں ہمارا ان سب پر ایمان ہے۔ ہم عمدۃ البیان کے بیان واجب الاذعان کی حرف بحرف تائید مزید کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے بھی بڑھ کر ہماری کتب معتبرہ میں شراب و بھنگ وغیرہ منشیات وغیرہ کی مذمت وارد ہوئی ہے مگر تعجب اس بات پر ہے کہ آج وہ لوگ بھی ہمارے بعض عوام کے اس فعل بد پر اعتراض کرتے ہیں کہ جن کے بزرگوں کو شراب اس قدر مرغوب تھی کہ قتل کے وقت پیٹ کے زخموں سے بھی نبیذ بہہ نکلی تھی (جو کہ ایک قسم کی شراب ہے) ــــ (مستدرک حاکم، کشف الغطاء صفحہ ۵۵ طبع لاہور، الفاروق صفحہ ۱۲۳ وغیرہ) ع

کردم اشارتے و مکرر نمی کنم۔ حالانکہ زاد المعاد ابن القیم ج ۲ صفحہ ۲۸ پر لکھا ہے کہ حرمت نبیذ کی احادیث حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔ باقی رہا شیعہ مذہب میں روحانیت کے نہ ہونے کا طعنہ، تو یہ بھی بالکل دروغ بے فروغ ہے ولعنۃ اللہ علی الکاذبین ہمیں فخر ہے کہ اس عالم امکان میں جہاں کہیں بھی روحانیت کے کچھ آثار موجود ہیں وہ سب شیعہ کے امام اول مرکز دائرہ ولایت و قطب آسیائے روحانیت حضرت علی بن ابی طالبؑ کا فیضان نظر ہے وبس۔ (ملاحظہ ہو تفسیر مظہری ج ۲ صفحہ ۱۱۹/۱۲۰ از قاضی ثناء اللہ پانی پتی) یہ بھی نیرنگیٔ روزگار کا تماشا ہے کہ آج گدا بھی شاہوں کے سامنے اپنی بڑائی کی شیخی بگھارتے ہیں۔ آہ۔ اے خدا!

بت کریں دعوے خدائی کا
شان ہے تیری کبریائی کی

ترک صلوٰۃ

اگرچہ نماز عماد الدین ہے اور مسلمان و کافر میں مابہ الامتیاز نماز سمجھی جاتی ہے لیکن شیعہ صاحبان نماز سے ایسے بے پرواہ ہیں کہ گویا ان کی

فرضیت کے قائل ہی نہیں ـــــ ہمارے ملک کے شیعہ فیصدی شاید دو شخص بمشکل مل سکیں جو پانچ وقت نماز قائم کرتے ہوں ـــــ بلکہ شیعہ کا وہ فرقہ جو اپنے آپ کو مولا علی کا ملنگ کہلاتے ہیں ـــــ داڑھی منڈا کر ہر وقت بھنگ رگڑا کرتے ہیں یہ لوگ ننگ دھڑنگ دھوتی باندھے علی علی پکارتے پھرتے ہیں انہوں نے تو نماز کا عمر بھر کبھی نام ہی نہیں لیا ـــــ ان لوگوں کا اعتقاد ہے کہ بخشش نماز میں نہیں بلکہ حب حسینؓ میں ہے اور طفل امام حسینؓ پر ماتم کرنا اور نوحہ کرنا ہزار نماز سے افضل ہے حالانکہ شیعہ کی معتبر کتاب فروع کافی ج ۱ ص ۱۳۵ میں ہے تارک الصلٰوۃ کافر من غیر علۃ (امام جعفر صادقؒ کا قول ہے تارک الصلٰوۃ کافر مطلق ہے) ـــــ شیعہ کی معتبر کتاب تحفۃ العوام ج ۱ ص ۲۱ سے ایک نظم نقل کرتے ہیں تاکہ پڑھنے سننے والوں کو عبرت ہو ـــــ

نظم اردو

نماز ایک جس شخص نے ترک کی ۔۔۔ تو خوں اس نے اپنا کیا بے جھری
اگر دو نمازوں کا تارک ہوا ۔۔۔ تو گویا کہ خوں اک نبی کا کیا
ہوئی تین وقتوں کی جس سے قضا ۔۔۔ تو کعبہ کو اس شخص نے ڈھا دیا
دیا چار وقتوں کو گر ہاتھ سے ۔۔۔ تو ایسا ہے جیسا کہ اس شخص نے
زنا اپنی مادر سے ہفتاد بار ۔۔۔ کیا عین کعبہ میں اسے ہوشیار
جو تارک ہوا پانچ اوقات کا ۔۔۔ بیاں کیا کروں اس کے حالات کا
ندا اس کو کرتا ہے یوں بے نیاز ۔۔۔ یہ تو نے جو کی ترک میری نماز
ہوا میری طاعت سے بیزار تو ۔۔۔ غضب کا ہوا اب سزاوار تو
بہت میں بھی بیزار ہوں تجھ سے اب ۔۔۔ خدا اور اپنے سلف کو طلب
میرے آسمان و زمیں سے نکل ۔۔۔ کہیں اور رہ جاکے اسے بد عمل
یہ ارشاد کرتے ہیں شاہِ حجاز ۔۔۔ سبک اور ضائع کرے جو نماز
نہیں مجھ سے اور میری امت سے وہ ۔۔۔ بہت دور ہے حق کی نعمت سے وہ

یہ تو شیعہ کی کتابی باتیں ہیں لیکن عملی حالت سخت قابل افسوس ہے ۔ جہاں کہیں شیعوں کی آبادی ہے مساجد ویران دار ہے آباد ہیں ہم نے دو جلسے مناظرہ کے دیکھے ایک کنڈیاں

——— دوسرا چیک بیلی خان ——— ظہر کی نماز کا وقت میدانِ مناظرہ میں آیا تمام مسلمانوں نے نماز باجماعت پڑھی مگر شیعہ کے علاوہ مقتدی سب یوں ہی کھڑے رہے ——— لیکن شیعہ کو تکلیف برداشت کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی صرف متعہ جیسا کارِ ثواب کرنے سے امام حسن ع کا درجہ مل جاتا ہے۔ عیدِ غدیر کا بھی شیعہ کے ہاں ——— یہ روز متبرک ایسا آجاتا ہے کہ شیعیان علیؑ کے اس روز تمام صغیرہ و کبیرہ گناہ بخشے جاتے ہیں اور نویسندگانِ اعمال کو حکم ہوتا ہے کہ شیعیان علی ——— کے گناہ تین روز تک نہ لکھو ——— تحفۃ العوام ج ۲ ص ۱۶۱) ——— آفتاب صفحہ ۳۰۵)

الجواب یہ ہے اہلسنت کی جامع اور لاجواب تصنیف" اور" مناظرینِ اہلسنت کے ہاتھ میں ایک زبردست حربہ (مقدمہ کتاب آفتاب صفحہ ۱۹) جس کی کوئی بات بھی قانونِ عقل و شریعت اور کوئی تحریر آئینِ انصاف و فطرت کے مطابق نہیں ہے تو ان حضرات کی دوسرے درجہ کی کتابوں کا کیا حال ہوگا؟ ؎ قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا — بے شک نماز دینِ اسلام کا وہ رکنِ اعظم اور کافر و مسلم کے درمیان وہ حد فاصل ہے کہ اس کے وجوب کا منکر دائرہ اسلام سے خارج اور واجب سمجھ کر نہ پڑھنے والا فاسق و فاجر ہے مؤلف کو اس بات کا اعتراف ہے کہ شیعہ کی کتبِ معتبرہ نماز پڑھنے کی تاکید اور ترکِ نماز کی مذمت سے لبریز ہیں۔ تو پھر بعض عوام کے ترکِ نماز کی وجہ سے مذہبِ شیعہ کو کس قانون کی رو سے ملعون کرنا روا ہے؟ علاوہ بریں یہ کہنا کہ پورے شیعہ دو شخص فیصدی بھی بمشکل مل سکیں جو پانچ وقت نماز قائم کرتے ہوں" اتنا شدید کذب و افترا ہے کہ قریب ہے کہ اس کی سنگینی سے آسمان کا شامیانہ پھٹ جائے، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں اور فرشِ زمین پاتال میں دھنس جائے بفضلہ تعالیٰ صرف مملکت خداداد پاکستان میں قریباً ڈیڑھ کروڑ سے زائد شیعیانِ حیدر کرار موجود ہیں ہر جگہ انکی شاندار مساجد موجود ہیں۔ جن میں جمعہ و جماعت کا مبارک سلسلہ برابر جاری و ساری ہے۔ مسجدیں نمازیوں سے چھلک رہی ہیں نہ صرف واجبی نماز گذار بلکہ ہزاروں کی تعداد میں ایسے شیعیانِ حیدر کرار موجود ہیں جو شب زندہ دار و عبادت گذار ہیں۔ بالخصوص شیعی مملکت ایران صانہا اللہ عن الحدثان میں یہ ایمان افروز و روح پرور مناظر دیکھے جا سکتے ہیں ؎

مرے کہنے پہ کیا ہے آزما لے جس کا جی چاہے

ایضاح اس مقام پر مؤلف کے لائق بیٹے قاضی صاحب (جو ناصبیت میں اپنے آنجہانی باپ سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں) نے ہم پر تضاد بیانی کا الزام عائد کرتے ہوئے ہماری کتاب سعادۃ الدارین کے صفحہ ۵ سے ایک عبارت نقل کی ہے جس میں نمازیوں کی قلت اور مساجد کی ویرانی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ تو اس کے متعلق پہلی گذارش تو یہ ہے کہ یہ تضاد بیانی تب ہوتی ہے جب دونوں عبارتیں ہماری ہوتیں اور ایک ہی وقت

یں ہوتیں کیونکہ ؎ در تناقض ہشت وحدت شرط دان۔ جنمیں سے ایک "وحدت زمان" بھی ہے۔ مگر یہاں سے سعادۃ الدارین والی عبارت اوّلاً تو ہماری نہیں ــــ بلکہ مولانا سید شاکر حسین صاحب امروہوی مرحوم کی کتاب مجاہد اعظم سے نقل کی گئی ہے۔ جو سعادت کے ۱۳۲۷ھ سے شروع ہو کر ۱۳۵۵ھ پر ختم ہوئی ہے۔ اور خاتمہ پر نیچے کتاب کا نام بھی درج ہے اور (ثانیاً) یہ کتاب جس سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے آج تقریباً نصف صدی پہلے سنیزدہ صد سالہ یادگار حسینی کے سلسلہ میں لکھی گئی تھی۔ جس کی عبارت کو قوم میں جوش عمل پیدا کرنے کی غرض سے نقل کیا گیا ہے۔ اور تجلیات صداقت کا پہلا ایڈیشن صرف چند سال پہلے شائع ہوا ہے۔ چند مہینوں بلکہ چند ہفتوں میں حالات کا نقشہ بدل جایا کرتا ہے۔ اور یہاں تو تقریباً نصف صدی کا فاصلہ موجود ہے۔ لہٰذا دونوں تصویروں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ یہ فقط معترض کی کم عقلی و کم علمی کا نتیجہ ہے جو ہم پر تضاد بیانی کا الزام عائد کر رہے ہیں جیسا کہ انہوں نے "ذوالجناح" کے نام پر بھی تضاد بیانی کا طعنہ دیا ہے کہ سعادۃ الدارین میں اس کے اس نام کا انکار کیا ہے۔ اور یہاں اسے ذوالجناح لکھا ہے۔ حالانکہ اقرار و انکار کا مورد و مقام جدا جدا ہے یعنی انکار مقام تحقیق میں ہے کہ امامؑ کے گھوڑے کا یہ نام تاریخی طور پر ثابت نہیں ہے۔ اور اقرار مقام عرف عام میں ہے کہ مشہور نام یہی ہے۔ افسوس

؎ ہرگز نہ ہوئے مغز سخن سے آگاہ

لاحول ولا قوۃ الا باللہ

ملنگوں کا تذکرہ

باقی رہے ملنگ صاحبان تو خدا کا شکر ہے کہ علماء کرام اور مبلغین عظام کی شب و روز کی مخلصانہ کوششوں سے روز بروز ان کی غلط فہمیاں دور ہو رہی ہیں اور ان میں سے بہت سے حضرات رفتہ رفتہ پابندئ وقت کے ساتھ نماز و روزہ وغیرہ مذہبی فرائض کی پابندی کر رہے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف کو ان ملنگوں کے نماز پڑھنے کا رنج نہیں بلکہ ان کو جو کچھ صدمہ ہے وہ ان لوگوں کے علی علی کرنے سے ہے سبحان اللہ علیؑ کا نام بھی کیا اسم اعظم ہے کہ جس کسی نے لیا اسی کے کام آیا۔ یہ مقدس نام کسی ناصبی کے مٹانے سے نہیں مٹ سکتا اور مؤلف کا یہ رنج و الم بجا ہے کہ جس نام کے مٹانے کے لئے ان کے بزرگوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا حتی کہ خود حرف غلط کی طرح مٹ گئے مگر وہ نام آج بھی [illegible] عصائے پیری ہے۔ تیغ جوان ہے۔ حرز اطفال ہے یہ اس نام اور اس کے مسمیٰ کی قبولیت تامہ اور زعامتِ عامہ کی بین دلیل ہے کہ ہر مذہب و ملت کے بچے بوڑھے اور جوان ہر وقت اٹھتے بیٹھتے علی علی پکار رہے ہیں۔ اور مؤلف اور اس کے ہمنواؤں کے اس رنج و غم کا علاج بجز مرگ مفاجات کے اور کوئی نہیں ہے

؎ بمیر تا برہی اے حسود کیں رنجیست ٭ کہ از مشقت او جز بمرگ نتواں رست

مؤلف جیسے لاکھوں اس غم میں گھل گھل کر مر گئے اور نہ معلوم کتنے اور ہلاک ہو جائینگے لیکن نام علیؑ نہ مٹا ہے اور نہ آفتاب قیامت کے طلوع ہونے تک مٹ سکے گا بھلا یہ وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے بغض علیؑ دل میں رکھ کر نماز پڑھنا اور نہ پڑھنا برابر ہے۔ ولنعم ما قیل

من لم یوال فی البریۃ حیدرا
سیان عنداللہ صلی او زنی

اور اگر سچ پوچھیے تو بغض اہلبیتؑ دل میں رکھ نماز پڑھنے والوں سے وہ ملنگ ہزار درجہ بہتر ہیں جو جان کو ہتھیلی پر رکھ کر دشمنوں کے گھر جا جا کر حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل کا نعرہ بلند کرتے ہیں اور علیؑ کا پہلا نمبر کی صدا لگاتے ہیں۔ ماتم حسینؑ ہو یا نوحہ و مرثیہ یا گریہ و بکا، یہ تمام چیزیں بخشش گناہان کے بہترین ذرائع ہیں مگر شیعی عقیدہ کے مطابق تمام اعمال صالحہ کی قبولیت کا دارومدار نماز کی قبولیت پر ہے کیونکہ

روز محشر کہ جاں گداز بود
اولیں پرسش کہ نماز بود

لہٰذا اگر نماز قبول ہو گئی تو دوسرے سب اعمال قبول ہو جائیں گے اور اگر وہ رد ہو گئی (خدانکند) تو کوئی عمل بھی قبول نہ ہوگا ہاں البتہ نماز وغیرہ سب اعمال کی قبولیت کا دارومدار ولایت محمد و آل محمد پر ہے ——— متعہ والے طنز کا مکمل جواب بحث متعہ میں دیا جا چکا ہے اور عید غدیر کے متعلق وارد شدہ ایک روایت مرسلہ کی وجہ سے اگر شیعوں کو نماز پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے تو پھر اہلسنت کو بھی اس کے پڑھنے کی کوئی حاجت نہیں کیونکہ ان کے ہاں صرف کلمہ شہادت پڑھ لینے سے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ خواہ زنا کریں اور خواہ چوری اور خواہ سینہ زوری کا مظاہرہ فرمائیں (بخاری شریف) لیجئے جناب یہی تھے وہ حساب سو یوں پاک ہو گئے ——— اور اگر وہاں یہ ارشاد ہے کہ کلمہ فائدہ تو دے گا مگر جب اس کی شرائط کا لحاظ رکھا جائے گا تو ہم بھی عرض کریں گے کہ عید غدیر والے ثواب بے حساب بھی تب ملیں گے جب انسان واجبات کو ادا کریگا، اور محرمات سے اجتناب کریگا۔ قد بینا الآیات لقوم یعقلون۔

سید جنتی ہے

شیعہ کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ اولاد سادات کے لئے تو جنت واجب ہو چکی ہے سید عبادت کرے نہ کرے ——— جنت ان تو سے نہ جاسکے گی گویا رب العزت سے جنت کا ٹھیکہ مل چکا ہے۔ زنا کرے، چوریاں کرے، واردات قتل و ڈکیتی کرے ——— ہم کتب شیعہ سے یہ مسئلہ بحوالہ احادیث بیان کر کے اس غلط فہمی کو رفع کرتے ہیں فروع کافی ج ۳ کتاب الروضۃ ص ۹۱ میں ہے عن ابی جعفر علیہ السلام (بجنسہٖ عربی) ———

ترجمہ:۔ امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوہ صفا پر کھڑے ہو کر فرمانے لگے۔ اے بنو ہاشم و بنو عبدالمطلب میں خدا کا رسولؐ ہوں اور تم پر شفقت کرنے والا ہوں لیکن بیشک عمل میرے ہیں اور تمہارے عمل تمہارے لئے ہوں گے یہ نہ کہنا کہ محمدؐ ہم میں سے ہیں اسلئے ہم انکی جگہ جنت میں جائیں گے۔ بخدا میرے دوست اے بنی عبدالمطلب تم میں سے اور دوسروں میں سے نہیں۔ مگر پرہیزگار" یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے تمام قبیلہ بنو ہاشم و بنو عبدالمطلب سے اعلان ہے ——— اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ فرمان سنیئے جو آپ نے مرض الموت میں اپنی دختر فاطمۃ الزہراء کو خطاب میں فرمایا چنانچہ حیات القلوب جلد ۲ ص۶۵ میں لکھا ہے است فاطمہ اعمال و طاعت بجا آور کہ بدون عمل من فائدہ نتوانم بخشید (اے فاطمہ! نیک اعمال کرنا اور عبادت الہٰی سے غافل نہ ہونا کیونکہ اعمال کے بغیر میری قرابت کا تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچ سکے گا۔ کیا سیدوں کا رتبہ جگر گوشہ رسولؐ ——— سے زیادہ ہے کہ ان کو تو یہ ارشاد ہو کہ ——— اور بعض لوگ جنھوں نے مدت سے حسب نسب بگاڑ دی ہوئی ہے اور تیلی تنبولی سب سید ہونے کے دعویدار ہیں اس امر کی امید رکھ سکتے ہیں کہ چوری زنا کرتے رہے جنت کا تحفہ مل جائے گا؟ حاشا و کلا۔ حضرت نوحؑ کے بیٹے کو ——— رسول کی فرزندی نے کوئی فائدہ نہ بخشا۔ رسول (نوحؑ) نے بھی التجا کی ان ابنی من اھلی (یا اللہ میرا بیٹا میری اہل سے ہے ——— لیکن دربار ایزدی سے تنبیہ کے ساتھ جواب ملا انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح (یہ تمہارا بیٹا نہیں اس کے اعمال اچھے نہیں) پھر آج کے منتسب سید کسطرح توقع کر سکتے ہیں کہ بدون عمل صالح جنت کے مالک ہو جائیں گے؟ ائمہ عظام بھی ایسے شیعوں سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں جو برے اعمال کر کے امید رکھتے ہیں کہ صرف محبت اہلبیتؑ ہمارے لئے کافی وسیلہ ہے ——— اصول کافی ص۴۰۲ میں ہے عن جابر عن ابی جعفرؑ (بعدت عربی) ——— (ترجمہ) "جابر نے امام باقرؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا اے جابر! شیعہ ہونا یہ نہیں ہے کہ کہہ دیا جائے کہ ہم محب اہلبیت ہیں! بخدا ہمارے شیعہ وہی لوگ ہیں جو خدا سے ڈرتے اور اس کی عبادت کرتے ہیں۔ شیعہ کی پہچان عجز و نیاز اور امانت اور یاد الہٰی ہے اور نماز روزہ اور ماں باپ سے بھلائی کرنا اپنے غریب پڑوسیوں کی امداد کرنا، مقروضوں اور یتیموں کی اعانت کرنا سچ بولنا اور قرآن مجید کی تلاوت کرنا ہے اور لوگوں کی بدگوئی سے اپنی زبان کو روکنا ہے اور کہ وہ بڑے امین ہوں اپنے قبائل میں جابر نے کہا اے فرزند رسولؐ!

اس صفت کے شیعہ آج کل نظر کہاں آتے آپ نے فرمایا اسے جابر! ہم مذہبی پابندی سے بچا نہیں سکتے کوئی شخص گمان کرتا ہے کہ محب علی و اہلبیت ہوں پھر ان کے طریقہ پر نہیں چلتا اگر وہ شخص کہے کہ میں محب رسول ہوں اور رسولؐ علیؓ سے بہتر ہیں پھر رسول کی سیرت پاک کا اتباع نہ کرے نہ نیک عمل کرے تو یہ محبت اسے نفع نہ دے گی۔ خدا سے ڈرو اور یہ سمجھو کہ خدائے پاک کی کسی شخص سے قرابت نہیں ہے خدا کو وہی لوگ پسند ہیں جو بڑے متقی اور پرہیزگار ہیں دیکھو اس حدیث میں امام والا مقام نے سچے شیعوں کی شناخت کا معیار مقرر کر دیا ہے کہ جو منکسر المزاج اور امین ہوں ــــ حضرت امام نے کھول کر فرما دیا کہ نرا محبت علی و اہلبیت کا ادعا کوئی فائدہ نہ دے گا جبکہ اعمال یزید کے سے ہوں ــــ اب شیعہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ ان میں اوصاف بالا میں سے کوئی ایک صفت بھی پائی جاتی ہے؟ اتقاد ورع تو کجا۔ نماز روزہ کا کبھی نام بھی نہیں لیا۔ سچ تو کیا بولیں گے تقیہ (جھوٹ) عبادت سمجھ رکھی ہے۔ بدگوئی کا یہ حال ہے کہ شام و صبح اصحاب و ازواج رسول پر لعنت و تبرا زبان پر جاری رہتا ہے۔ تلاوت قرآن کی بجائے سرتال سے مرثیہ خوانی میں مصروف رہتے ہیں ــــ کیا ان لوگوں کو دعویٰ حب علیؓ و حسنینؓ کچھ فائدہ دے سکتا ہے؟ کلا و حاشا یہ ایں خیال است و محال است و جنوں۔ ایسے لوگ قیامت میں امام حسینؓ نہیں بلکہ یزید کے گروہ میں اٹھیں گے سینہ کوبی کسی کام نہ آئے گی جبکہ اعمال درست نہ ہوں۔

نظم

خدا جانے روافض کا برا انجام کیا ہوگا
برا ہوگا، برا ہوگا، برا ہوگا، برا ہوگا

خدا کے پاک بندوں کو برا کہتے ہیں دنیا میں
قیامت میں خدائے پاک بس ان سے خفا ہوگا

برا کہتے نبی کے دوستوں کو اور احباب کو
خفا ان سے یقیناً شافع روز جزا ہوگا

نبی کی بیویوں کو گالیاں دینا جفا کیا ہے
مسلماں کب بھلا ایسا یہ بندہ بے حیا ہوگا

برا کہتے ہیں حضرت غوث الاعظم کو یہ بد باطن
مگر حضرت کے والا شان کا نقصان کیا ہوگا

زبان پر ہے سدا دنیا میں ان کی ورد لعنت کا
قیامت کو گلے میں طوق لعنت کا پڑا ہوگا

پیمبر ہیں ہمارے رحمۃ للعالمین یارو
انہیں پیارا وہی ہوگا جو لعنت سے بچا ہوگا

نبی کے سخت دشمن ہیں جو دشمن ہیں صحابہؓ کے
جو مومن ہے سدا دل سے خوش صحابہؓ پر فدا ہوگا

عقیدت مومنوں کو ہے خدا کے پاک بندوں سے
جو بدخواہ ان کا ہے بندہ وہ دوزخ میں پڑا ہوگا

برا کہتا جو نا معقول حضرت کے خلیفوں کو ‏ ‏ ‏ بھلا کب اس سے خوش یار و علی المرتضیٰ ہوگا

رسول پاک کی ازواج کو ہیں جو برا کہتے ‏ ‏ ‏ نہ خوش ان سے کبھی روح بتول فاطمہ ہوگا

عجب بے باک دیکھا ہم نے یہ فرقہ روافض کا ‏ ‏ ‏ نہ کوئی پاک بندہ شر سے ان کی بچا ہوگا

جو اہل بیت کی توہین کرتے ہیں سر اجلاس ‏ ‏ ‏ یزیدی فوج نے ہرگز نہیں ایسا کیا ہوگا

محرم میں نکلتے سوانگ بھر کر عجب روافض ہیں ‏ ‏ ‏ تماشا رام لیلا کا نہ ایسا دلربا ہوگا

مسلماں ہو کے یہ بدعات کرتا ہے بہت افسوس ‏ ‏ ‏ کبھی راضی نہ ان بدعات سے رب الوریٰ ہوگا

نہ سکھلائی کبھی اسلام نے بدعات ہیں ایسی ‏ ‏ ‏ یہ شیطانی طریقہ ہے وہی موجد بنا ہوگا

علم اور تعزیہ دُلدُل نئی بدعات ہیں ساری ‏ ‏ ‏ رسوم شرک ہیں یہ سب نہ کچھ ان میں بھلا ہوگا

قلندر ڈوم، کنجر ماتم حسنینؑ کرتے ہیں ‏ ‏ ‏ نہ کیوں خوش پھر بھلا روح شہید کربلا ہوگا

عمر گذری بُرائی اور بُرائی کی کمائی میں ‏ ‏ ‏ عمر میں اپنی استنجا نہیں ہرگز کیا ہوگا

وہ کیسی نامبارک اور ہوگی ناسزا مجلس ‏ ‏ ‏ کہ شامل جس میں یہ پر از خباثت طائفہ ہوگا

وہ نام پاک لینے کے نہ یہ ناپاک ہیں لائق ‏ ‏ ‏ نہ اس ماتم کا تم کو دوستو کچھ فائدہ ہوگا

پڑھو قرآن اور ارواح کو بخشو یہ نیکی ہے ‏ ‏ ‏ اسی سے خوش خدا اور سرور ہر دوسرا ہوگا

اسی سے خوش ہوں اہل بیت اور شہداء کے ارواح ‏ ‏ ‏ یقیناً فائدہ یا سعد تمہیں اس سے بڑا ہوگا

الٰہی کر ہدایت اپنے بندوں کو ز فضل خود ‏ ‏ ‏ بجز تیری ہدایت کے نہ کوئی رہنما ہوگا

دبیر اب ختم کر دو نظم پُر تاثیر کو اپنی
اثر ہوگا اسے دل درد سے جس کا بھرا ہوگا

اختلافی مسائل پر ہم بحث کر چکے اور کتب شیعہ کے حوالہ جات سے اپنا مدعا ثابت کیا جا چکا ہے امید ہے کہ اہل انصاف ناظرین کی اس سے تسلی ہو جائے گی (آفتاب ص۲۵۵)

الجواب ان لوگوں کی عقلی و علمی حالت نہایت قابل رحم ہے جو ان لوگوں سے تو محبت کا دم بھرتے ہیں جنکو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں چند روز رہنے کا شرف حاصل تھا۔ لیکن وہ لوگ جن کے رگ و ریشہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خون مقدس دوڑ رہا ہے ان کی توہین و تذلیل میں تقریر و تحریر کا ہر تیر رہا کرتے ہیں۔ یا للعجب؟ اس کے باوجود امیدوار شفاعت رسولؐ بھی ہیں؟ کیا ایسے لوگوں سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زبان حال سے یہ نہیں کہتے ہوں گے؟

ربط غیروں سے ہے اور ہم سے وفا چاہتے ہو ۔ دل میں سوچو یہ کیا کرتے ہو کیا چاہتے ہو؟

اس تحریر پر سراپا تفریریں سادات کرام کے حسب و نسب اور سیرت و کردار پہ جو تابڑ توڑ حملے کئے گئے ہیں وہ کسی تبصرہ کے محتاج نہیں ہیں ۔۔۔

سادات کے نسب پر بلا بینہ حملہ کرنے والا واجب القتل ہے

حالانکہ کتب اہلسنت سے ثابت ہے کہ "من سب احداً من ذریته ولم تقم قرینة علی اخراجه من ذلك قتل جو شخص ذریت رسول میں سے کسی کو باپ کی گالی دے (اس کے نسب پر حملہ کرے) اور اس کے پاس اس بات کا کوئی قطعی قرینہ موجود نہ ہو تو اسے قتل کیا جائے گا (ملخص صواعق محرقہ صلا طبع مصر بحوالہ شفا قاضی عیاض)

بنی ہاشم کا بغض علامت نفاق ہے

یہ امر بھی کتب اہلسنت والجماعت سے واضح ہے کہ بنی ہاشم (خاندان رسولؐ) سے بغض رکھنا نفاق کی علامت ہے

عن طلحة بن مصرف قال کان یقال بغض بنی هاشم نفاق (اخرجه ابو بکر بن یوسف اصبهانی) طلحہ بن مصرف کہتے ہیں کہ عہد صحابہ میں کہا جاتا تھا کہ بنی ہاشم سے عداوت رکھنا منافقت کی علامت ہے" (ارجح المطالب صفحہ ۲۳ باب ۳)

بروز قیامت نسب رسول کے سوا باقی سب نسب ختم ہو جائیں گے

مؤلف نے اس تحریر میں جو کچھ ظاہر کیا ہے کہ سید گیری کسی کام نہ آئے گی یعنی قرابت رسولؐ کچھ فائدہ نہ دے گی یہ اعتراض کوئی نیا نہیں مؤلف کے بزرگوں نے بھی عہد رسالت میں اسی فاسد نظریہ کا اظہار کیا تھا جس کی رد خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کرنا پڑی تھی چنانچہ کسی آدمی نے جناب صفیہ (جناب رسول خداؐ کی پھوپھی) سے کہا کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت سے آپ کو کچھ نفع نہیں ملے گا ۔ وہ (یہ سنکر) رونے لگیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے رونے کا سبب پوچھا تو انہوں نے تمام ماجرا بیان کیا اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خفا ہوئے اور بلال کو حکم دیا کہ لوگوں کو نماز کے لئے بلائیں جب لوگ جمع ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا "ما بال اقوام یزعمون ان قرابتی لا تنفع ان کل سبب و نسب ینقطع یوم القیامة الا سببی و نسبی وان رحمی موصولة فی الدنیا والاخرة" (اخرجه طبرانی و بیہقی) کیا حال ہے اس گروہ کا جو خیال کرتے ہیں کہ میری قرابت قیامت کے دن نفع نہیں دے گی بتحقیق کہ ہر ایک سبب اور نسب قیامت کے دن میرے سبب اور نسب کے سوا منقطع ہو جائے گا میری قرابت دنیا و آخرت میں ملنے والی ہے" (ارجح المطالب ص ۲۳۷) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا بنی هاشم والذی بعثنی

بالحق نبیا لو اخذت بحلقۃ باب الجنۃ ما بدأت الا بکم (اخرجہ احمد فی المناقب) جناب علیؑ سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے اے گروہ بنی ہاشم! اس ذات پاک کی قسم جس نے مجھ کو حق کے ساتھ نبی مبعوث کیا ہے اگر میں نے جنت کے دروازہ کی کنڈی پکڑی تو میں ہرگز تمہارے سوا کسی سے اندر داخل کرنے کا آغاز نہیں کروں گا" (ارجح المطالب صفحہ ۳۲۹)

آل رسولؐ سے محبت کرنا واجب اور ان سے بغض رکھنا حرام ہے

یہ حقیقت ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ آل رسولؐ کی محبت و مودت واجب اور ان کی عداوت حرام ہے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں من مات علی حب ال محمد مات شہیدا" جو شخص آل محمدؐ کی محبت پر مرے وہ شہید مرتا ہے (تفسیر کشاف ج ۳ صفحہ ۴۰۳ طبع مصر)

اولاد رسولؐ کا اکرام لازم ہے

اگر اس سلسلہ میں قرآن و حدیث بالکل خاموش بھی ہوتے تب بھی عقل سلیم مجبور کرتی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرابت قریبہ رکھنے کی وجہ سے اولاد رسولؐ کا احترام واجب ہے چہ جائیکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد موجود ہے اکرموا اولادی الصالحین للہ والطالحین لی۔ "میری اولاد کا احترام کرو۔ اگر نیک ہوں تو خدا کے لئے اور اگر برے ہوں تو میرے لئے" (جامع الاخبار)

اعانت سادات افضل حسنات ہے

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اربعۃ انا لہم شفیع یوم القیامۃ ولوا توا بذنوب اہل الارض معین اہلبیتی والقاضی لہم حوائجہم عندما اضطروا الیہ والمحب لہم بقلبہ و لسانہ والدافع عنہم بیدہ "یعنی چار شخص ایسے ہیں کہ اگرچہ تمام اہل زمین کے گناہوں کے برابر گناہوں کا بوجھ لے کر بروز حشر میرے پاس آئیں جب بھی میں ضرور ان کی شفاعت کروں گا ایک وہ جو میرے اہل خاندان کی اعانت کرے۔ دوسرا وہ جو اضطرار کے وقت ان کی حاجات پوری کرے۔ تیسرا وہ جو قلب و زبان سے ان کے ساتھ محبت کرے چوتھا وہ جو ہاتھ سے ان کا دفاع کرے" (صواعق محرقہ صفحہ ۲۳۷) کبریت احمر صفحہ ۵ پر امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آل رسولؐ کی صلہ رحمی ترک نہ کرو۔ غنی اپنے غنا اور فقیر اپنے فقر کے مطابق ان سے حسن سلوک کرے جو شخص چاہتا ہے کہ خداوند عالم اس کے مشکلات و مصائب حل فرمائے تو اسے چاہیئے کہ سادات و مومنین کی ضروریات پوری کرے۔"

سادات کو دوگنا ثواب اور دوگنا عذاب ہوگا

مؤلف نے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے کہ تقیہ کا

اعتقاد رہے کہ اولاد سادات کے لئے جنت واجب ہو چکی ہے۔ کیسے ہی جرائم کبیرہ کا ارتکاب کریں یہ صرف مؤلف
کا خیال ہے جسے انہوں نے حسب عادت مذہب شیعہ کے سر منڈھنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ حالانکہ شیعی
لٹریچر تو اس قسم کے ارشادات معصومین سے چھلک رہا ہے کہ "للمسیئ منالہ ذنبان وللمحسن لہ حسنتان"
یعنی اولاد رسول میں سے جو شخص بدکار ہے اس کا گناہ دوگنا ہے اور جو نیکوکار ہے اس کا ثواب بھی دوگنا ہے (اصول
کافی ص۱۹۲ طبع ایران) "للمحسن منالہ کفلان من الثواب وللمذنب منالہ ضعفان من العذاب"
(سفینۃ البحار ج ۲ ص۲۵۴) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ثواب و گناہ کے معاملہ میں سادات کا معاملہ عام لوگوں جیسا
نہیں ہے اور بھلا ہو بھی کیونکر سکتا ہے جبکہ وہ ازواج نبی جن کا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سببی رشتہ
ہے ان کے متعلق خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے یانساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن۔ اے
رسول کی بی بیو! اگر تم تقویٰ خداوندی اختیار کرو تو تم عام عورتوں جیسی نہیں ہو یعنی تمہارا مرتبہ بلند اور ثواب
دوچند ہوگا۔ اس کے برعکس بداعمالی کی صورت میں ان کے لئے یہ تہدید وارد ہے یانساء النبی من یات
منکن بفاحشۃ مبینۃ یضاعف لہا العذاب ضعفین اگر تم میں سے کسی نے کھلم کھلا بدکاری کی تو تمہارا
عذاب بھی دوگنا ہوگا" سچ ہے جس کی فضیلت جو بڑی تھی تو مصیبت بھی بڑی ہے۔

صحیح النسب سید تائب ہو کر مرتے ہیں

ہاں البتہ ہماری بعض روایات میں یہ ضرور وارد ہے کہ جو صحیح النسب سادات کرام ہیں اگر ان سے
بتقاضائے بشریت کچھ غلطیاں سرزد بھی ہو جائیں تو وہ ان پر اصرار نہیں کرتے بلکہ مرنے سے پہلے توبۃ النصوح
کر کے مرتے ہیں (سفینۃ البحار ج ۲ ص۲۵۴ وغیرہ) ارشاد قدرت ہے یا عبادی الذین اسرفوا
علی انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا۔

اولاد جناب سیدہ جنتی ہے

ہمارے جن عوامی نظریات کے پیش نظر مؤلف نے مذہب شیعہ کو مطعون کیا ہے خود یہی نظریات ان کی مذہبی کتب میں
موجود ہیں عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان فاطمۃ احصنت
فرجہا فان اللہ ادخلہا باحصان فرجہا وذریتہا الجنۃ (اخرجہ الطبرانی) ابن مسعود رضی
اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بہ تحقیق فاطمہ علیہا السلام نے
اپنے آپ کو نگاہ رکھا ہے اور اس نگاہ رکھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو اور اس کی ذریت کو جنت میں
داخل کیا ہے (ارجح المطالب ص۲۶۳)

اولاد جناب سیدہ پر دوزخ حرام ہے

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان فاطمۃ

آنحضرت فرماتے ہیں احصنت فرجها فحرم الله وذريتها على النار یعنی جناب فاطمہ نے اپنے آپ کو نگاہ رکھا اس لئے خدا نے ان کو اور ان کی ذریت کو آتش دوزخ پر حرام کر دیا۔ (صواعق ص۹۶ طبع مصر قدیم) عن علی علیہ السلام قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا فاطمۃ تدرین لم سمیت فاطمۃ قال علی علیہ السلام یا رسول اللہ! لم سمیت فاطمۃ قال ان اللہ فطمها وذریتها من النار (اخرجہ ابو القاسم الدمشقی ونقلہ محب الطبری عن مسند علی بن موسی الرضا) جناب امیر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے فاطمہ! تم جانتی ہو کہ میں نے تمہارا نام فاطمہ کیوں رکھا؟ علی نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے کیوں فاطمہ نام رکھا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پروردگار نے ان کو اور ان کی ذریت کو دوزخ کی آگ سے بچایا ہے" ارجح المطالب ص۲۹۶

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض کوتاہ اندیش ہمیشہ پسر نوحؑ کے قصے سے دھوکہ کھا جاتے ہیں یا دوسروں کو دھوکہ دیتے ہیں کہ بد عملی سے نسب منقطع ہو جاتا ہے حالانکہ معمولی غور و فکر کے بعد یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ پسر نوحؑ کا شرف اس لئے ختم ہوا تھا کہ وہ بدعقیدہ تھا اور جناب نوحؑ کی نبوت کا قائل نہ تھا۔ لہٰذا ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جو شخص سید کہلا کر اپنے آباء و اجداد طاہرین کی ولایت و محبت کا اعتقاد نہ رکھے تو اس کا یہ شرف ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر عقیدہ صحیح ہو تو صرف بعض عملی کمزوریوں کی وجہ سے یہ مجد و شرف ختم نہیں ہوتا۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ "اگر بدعمل ہوں تو میرا لحاظ کر کے ان کا احترام کرنا" (کما تقدم تفصیلاً)۔

اہلسنت کے نزدیک ہر کلمہ گو جنتی ہے خواہ کیسا ہی گنہگار ہو

مؤلف نے تو محض اپنے ذہنی مفروضہ یا عوامی نظریہ کو برگ و بار لگا کر یوں پیش کیا ہے کہ "ان (سادات) کو رب العزت سے ... جنت کا ٹھیکہ مل چکا ہے۔ زنا کریں، چوریاں کریں، واردات قتل و ڈکیتی کا جرم بنے دوزخ کی آگ سید پر حرام ہے ..." اگر مؤلف کی اپنی مذہبی کتابوں پر نظر ہوتی اور آنکھوں میں شرم اور دل میں انصاف بھی ہوتا تو ہرگز یہ بودا ایراد نہ کرتے ان کی معتبر کتابوں میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ صرف ایک کلمہ شہادت پڑھنے سے جنت کا ٹھیکہ مل جاتا ہے اگرچہ کلمہ گو زنا کاری، چوری چکاری وغیرہ گناہان کبیرہ کا ارتکاب کرتا پھرے۔ جناب ابو درداء روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا من قال لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ دخل الجنۃ قلت وان زنی وسرق قال علی رغم انف ابی الدرداء یعنی جو شخص لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ کہہ دے وہ ضرور جنت الفردوس میں داخل ہوگا ابو درداء کہتے ہیں میں نے کہا اگرچہ وہ زنا اور چوری بھی کرے

آپؐ نے فرمایا ہاں تین بار میں نے اس بات کا تکرار کیا آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابو درداء کی ناک رگڑتے ہوئے ضرور جنت میں داخل ہوگا (تفسیر در منثور ج ۲ ص۱۱ طبع مصر) جب مذہب اہلسنت میں عام کلمہ گویان توحید کے لئے سعادت کے اس طرح دروازے کھلے ہوئے ہیں تو پھر سادات کرام کے لئے بخل کیوں ہے۔

مؤلف کی پیش کردہ روایات کا صحیح مفہوم

ضرورت عمل کے متعلق مؤلف نے جو شیعی روایات پیش کی ہیں ان کا مطلب بالکل واضح ہے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت یا ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کا ہرگز یہ منشا نہ تھی کہ لوگ صرف ان کی محبت کے کھوکھلے دعوٰں پر بھروسہ کرکے عمل و کردار کا دامن ہاتھ سے چھوڑ کر ان کے لئے باعث ننگ و عار بن جائیں ــــ علاوہ بریں ظاہر ہے کہ جب تک محبوب کی اتباع نہ کی جائے اسوقت تک محبت کامل ہو سکتی ہی نہیں ہے کیونکہ ان المحب لمن یحب مطیع، ہم اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ اسلام میں عمل پر بہت زور دیا گیا ہے اور ائمہ اطہار نے تو انہی سچا حیدار قرار ہی انہی لوگوں کو دیا ہے جو متقی اور پرہیزگار ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ اتنا تو مؤلف نے بھی تسلیم کر لیا ہے کہ علی کے سچے شیعوں کے صفات و علامات بہت بلند ہیں اب اگر کسی "شپرہ چشم" کو موجودہ شیعیان علیؑ میں ایسی کوئی صفت نظر نہیں آتی تو اس میں "چشمۂ آفتاب" کا کیا گناہ ہے۔ بحمدہٖ خدا کے فضل و کرم سے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں بلکہ لاکھوں ان صفات جمیلہ کے حامل شیعیان حیدر کرار موجود ہیں

> خاکساران جہاں را بحقارت منگر ✤ تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

ہر گروہ کا حشر و نشر اس کے امام کے ساتھ ہوگا

شیعیان علیؑ کا حشر و نشر تو ان کے ائمہ اطہارؑ کے ساتھ ہوگا کیونکہ "ان المرء یحشر مع من احب" ہر آدمی کا حشر و نشر اس کے محبوب کے ساتھ ہوگا۔ ہاں البتہ ان لوگوں کا حشر ضرور یزید پلید کے ساتھ ہوگا جن کا چھٹا خلیفہ اور امام یزید پلید ہے (شرح فقہ اکبر ص۸۲ طبع دہلی) یوم ندعو کل اناس بامامھم۔ تبرا وغیرہ مسائل پر اس سے پہلے کسی مناسب مقام پر مکمل تبصرہ کیا جا چکا ہے کہ جس طرح اچھوں سے محبت اور تولا واجب ہے۔ اسی طرح بُروں سے تبرا و بیزاری بھی لازم ہے بلکہ سب سے بڑی اسلامی عبادت (نماز) کی ابتدار بتاتی ہے کہ تبرا پہلے ہے اور تولا اس کے بعد کیونکہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پہلے پڑھا جاتا ہے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس کے بعد

> نہ اس پہ بھی اگر سمجھو تو پھر تم سے خدا سمجھے

(نوٹ) مؤلف نے اپنی کتاب کے ص۲۵۶ پر بہ عنوان "نقشۂ اسلام حسب عقائد شیعہ" قائم کر کے

دوبارہ بعض انہی مطالب کا اعادہ کیا ہے جن کو وہ اسی کتاب کے ص۲۸ تا ص۳۲ میں پیش کر چکے ہیں یعنی یہ کہ وفات النبی ﷺ کے بعد سوائے چند اشخاص کے باقی لوگ مرتد ہو گئے دغیرہ وغیرہ چونکہ ہم ان باتوں کا مکمل و مدلل جواب مذکورہ بالا مقام پر پیش کر چکے ہیں لہذا مؤلف کی طرح انہی مطالب کی بار بار تکرار کر کے اپنا اور اپنے قارئین کرام کا قیمتی وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے۔ قارئین محترم مقام مذکور کی طرف رجوع فرمائیں۔ پھر ص۲۵ پر تمام صحابہ کی محبت کے دعویدار نے شیعوں کی قدر میں بعض جلیل القدر صحابہ رسول کی توہین کرتے ہوئے دو ذیل ان قائم کر کے زہر چکانی کی ہے فاعتبروا یا اولی الابصار خدایا اگر سے مذہبی تعصب وعناد کا کہ یہ آدمی کو نہ دنیا کا چھوڑتا ہے اور نہ دین کا خسر الدنیا والآخرۃ وذلک ھو الخسران المبین۔

جملا۔ ایسی قدر کا کیا ٹھکانا دین، اپنا چھوڑ کر ❖ ہم ہوئے کافر تو وہ کافر مسلماں ہو گیا

سلمان و مقداد کی ایمانی حالت

حیات القلوب ج ۲ ص۶۰۲ میں سلمان و مقداد کے ایمان کی کیفیت عجیب لکھی ہے کتاب اختصاص میں معتبر سند سے امام صادق سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے سلمانؓ! اگر تیرا ایمان مقداد پر پیش کیا جائے تو ضرور وہ کافر ہو جائے۔ کیا خوب ایمان ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہادئ اسلام نے ایسے مشکل تین مسلمان پیدا کیے تھے جو بعد وفات رسولؐ مسلمان رہے ان میں سے بھی دو ایسے کامل یقین تھے کہ ایک کی حالت پر دوسرا مطلع ہو جائے تو اسلام کو خیر باد کہہ دے اب صرف ابوذرؓ رہ گئے۔ اس سے نہ صرف رسول اور قرآن پاک ہی پر بلکہ خدائے پاک پر بھی حرف آتا ہے کیا اتنا بڑا کارخانۂ اسلام قائم ہوا اور نتیجہ اس تمام کارگزاری کا یہ ہوا کہ صرف ایک مسلمان پیدا ہوا کیا کوئی شخص شیعہ کا یہ عقیدہ درست مان کر مخالفین اسلام کے سامنے ایک منٹ بھی کھڑا ہو کر صداقت اسلام پر بحث کر سکتا ہے۔ تف ہے ایسے عقیدہ پر۔

شیعہ سے سوال

شیعہ برائے مہربانی ہمیں یہ بتائیں کہ ان بیچارے تمام مسلمانوں نے (جن کو تم معاذ اللہ کافر و مرتد سمجھتے ہو) تو وہ خدمات کیں کہ ملک کے ملک فتح کر کے زیر نگین اسلام کئے۔ لاکھوں کروڑوں نفوس کو مسلمان کر کے ہزاروں مساجد تعمیر کرائیں قرآن کی جمع و ترتیب میں اس قدر اہتمام کیا کہ اصلی قرآن یکجا کر کے سورتوں، رکوعوں اور آیات کو ترتیب دی۔ لیکن تمہارے ان مخلص مسلمانوں ابوذرؓ، سلمان فارسیؓ نے کون کونسی خدمات اسلام کیں۔ کون کون سے کفار کو مسلمان کیا۔ کون کون سے ملک فتح کئے؟ ملا نوٹ۔ جواب مفصل آخری سب ٹائٹل پر ملاحظہ فرمائیں۔

نہیں — یہی بتایا جائے کہ جناب امیرؑ کی انہوں نے کون سی مدد کی؟ کیا اس وقت میں ان کی اطلاع کو پہنچے جب — گلے میں رسی ڈال کر — بیعت ابوبکر کے لئے لے جا رہے تھے — یا فدک جو — چھین لیا گیا تھا واپس دلایا — اگر ان تمام امور سے ایک بھی — نہیں کیا تو ان کی مسلمانی سے اسلام اور علی المرتضیٰ کو کیا نفع؟ — ہاں یہی بتاؤ کہ کفار کو تہ تیغ کر کے وسعت ممالک اسلام کی — آپ کے وقت میں مسلمانوں پر تلوار چلی، ہزاروں جلیل القدر صحابی شہید ہوئے آپ کا زمانہ خانہ جنگیوں ہی میں گذرا اور خدمت قرآن کا تو یہ حال ہے کہ قرآن جمع کر کے ایسا غائب کیا کہ شیعوں کی نظر سے بھی اوجھل ہے اگر ان بے نام چند مسلمانوں (خلفاء ثلاثہ) کا وجود نہ ہوتا تو دنیا میں آج ایک بھی سید جواد اولادِ حسینؑ بطن حضرت شہر بانو سے پیدا ہوئے مفقود ہو رہے ہوتے — (آفتاب ص۳۵۹)

الجواب — اسلامی برادری ہمیشہ شیعیانِ علیؑ کو اس طعن و تشنیع کا ہدف بناتی ہے کہ وہ اصحاب رسولؐ کو نہیں مانتے حالانکہ یہ ان پر سراسر تہمت ہے کہ وہ کل اصحاب کو برا سمجھتے ہیں حالانکہ وہ صرف منافقین اور فاسقین کو اچھا نہیں جانتے باقی رہے صحابۂ مومنین تو ان کو تو وہ آنکھوں کا نور اور دل کا سرور جانتے ہیں اس موضوع پر کتاب کے ابتدائی حصہ میں مفصل تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ قارئین کرام نے تحریر بالا میں ملاحظہ فرما لیا ہوگا کہ "الصحابۃ کلھم عدول" کا دعوے کرنے والے اصحاب کو کس طرح مانتے ہیں؟ اس کلام بالملل اللیام میں جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض جلیل القدر صحابہ کرام کو جس طرح ہدف طعن و تشنیع بنایا گیا ہے۔ حتیٰ کہ حضرت امیر علیہ السلام جیسے امام عالیمقام کی صداقت و شخصیت منزلت و وقار پر جس ناصبیانہ چھینٹے ڈالنے کی کوشش ناتمام کی گئی ہے وہ عیاں را چہ بیاں کی مصداق ہے مؤلف کی تحریر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نہروانی خارجی اپنی ناصبیت و خارجیت کی بھڑاس نکال رہا ہے!

مابہ النزاع صرف ثلاثہ کی شخصیت ہے

حقیقت یہ ہے کہ شیعہ و سنی میں فضیلت صحابہ کے بارے میں جو نزاع ہے وہ صرف اور صرف اصحاب ثلاثہ کے متعلق ہے کہ اہلسنت صرف انہی کی فضیلت بلکہ افضلیت پر زور دیتے ہیں اور شیعہ ان کے ان مزعومہ فضائل کو تسلیم نہیں کرتے ورنہ اہلسنت بھی شیعوں کی طرح سب اصحاب کو ہرگز اچھا اور ایک جیسا نہیں سمجھتے بلکہ بعض اصحاب پر شیعوں سے بھی بڑھ کر تنقید کرتے ہیں جیسا کہ مؤلف آفتاب کی مذکورہ بالا تحریر اس پر شاہد صادق ہے۔ علاوہ بریں جناب سعد بن عبادہ بدری انصاری کا تا زیست ابوبکر کی بیعت نہ کرنا اظہر من الشمس حقیقت ہے اور تحفۂ اثنا عشریہ اور فتاوی عالمگیری میں منکر خلافت ثلاثہ کو کافر قرار دیا گیا ہے۔ شیعوں کو کافر قرار دینے کی

محبوب مشغلہ کے جوش میں صحابۂ رسول کو بھی دھر لیا ہے۔ ؎

شادم کہ باقیاں دامن کشاں گذشتی
گو مشتِ خاک ما ہم برباد رفتہ باشد

صاحب تحفہ کے نزدیک منکرِ ثلاثہ صحابی نہیں ہے

بلکہ شاہ عبدالعزیز دہلوی نے تو اس سلسلہ میں اس قدر غلو کیا ہے ایسے حضرات پر صحابۂ رسولؐ کی صف سے خارج ہونے کا بھی فتویٰ صادر کر دیا ہے فرماتے ہیں "بعکس اثنا عشریہ این جماعت را صحابہ نمی دانند و معتقد خوبی و بزرگی آنہا نیست۔" ان حقائق کی روشنی میں وہ نظریہ کہاں گیا کہ علی ہم مرتبہ ہیں یارانِ نبی کچھ فرق نہیں ان چاروں میں؟ ... معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور ہیں اور دکھلانے کے اور!!

مؤلف کی بے جا تنقید کا جواب

عقلائی قاعدہ ہے کہ جو شکوہ بے جا بھی کرے تو لازم ہے شعور۔ مؤلف نے جناب سلمانؓ و مقدادؓ کے ایمان پر جو ناروا حملہ کیا ہے وہ ان کے فہمِ سقیم و عقلِ غیر سلیم کی پیداوار اور انکی بے شعوری کا شاہکار ہے۔ حقیقت الامر صرف اس قدر ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ سب حضرات اگرچہ مومن کامل ہیں مگر چونکہ ایمان کے دس درجے ہیں کوئی کسی درجہ پر فائز ہے اور کوئی کسی پر۔ کل لہ مقام معلوم۔ جس کی جو منزل ہے وہ اسی سے خاص ہے۔ دوسرا اس مقام کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ یہ درجات کا تفاوت و اختلاف کائنات کی نہ صرف ہر ہر جنس ہر ہر نوع اور صنف کے اندر بلکہ ہر ہر فرد کے اندر مشاہد و محسوس ہے اور ان میں فاضل و مفضول اور راجح و مرجوح کا سلسلہ موجود ہے تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض — جب یہ اختلاف درجات کا سلسلہ انبیاء و مرسلین و ملائکہ مقربین شہداء و صدیقین اور ائمہ طاہرین میں بھی موجود و مسلم ہے تو اگر یہی اختلافِ مدارج ایمانیہ صحابۂ رسولؐ میں تسلیم کیا جائے تو اس میں کیا تعجب و اعتراض و ایراد ہے؟ اگر جناب موسیٰؑ جیسا اولی العزم پیغمبر جناب خضرؑ کے علوم باطنیہ کا تحمل نہیں کر سکتے اور بار بار ان کی روش و رفتار پر ایراد کرتے ہیں ـــ تو کیا اس بات کو کوئی مسلمان جناب موسیٰؑ کے ڈھلمل یقین ہونے پر محمول کر سکتا ہے؟ حاشا و کلا۔ افسوس ع سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است۔ باقی رہا یہ سوال کہ وفاتِ نبویؐ کے بعد پیش آمدہ مشکلات و مصائب میں انہوں نے جناب امیر علیہ السلام کی کیا مدد کی؟ سو اس کا جواب واضح ہے کہ ہم صرف اسلئے انکی مدح و ثنا کرتے اور ان کی محبت کا دم بھرتے ہیں کہ انہوں نے ان جانگداز حالات و واقعات میں بھی علی و اولادِ علی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور عہدِ رسول کو ہرگز نہیں توڑا بلکہ ہر دکھ سکھ میں خاندانِ نبوت کا ساتھ دیا جناب امیر کب اپنی خلافت یا فدک کو واپس

لینے کے لئے شمشیر بکف ہو کر میدان میں نکلے تھے کہ وہ ان کا ساتھ دیتے؟ جناب امیرؑ کے جنگ نہ کرنے کے علل و اسباب پر پہلے تبصرہ کیا جا چکا ہے بہرحال جس دینی و عقلی مصلحت و حکمت کے ماتحت جناب امیر علیہ السلام نے اس پر آشوب دور میں صبر و سکوت اختیار فرمایا بعینہ انہی مصلحتوں کے پیش نظر آنجناب کے ان مخلصین نے بھی صبر و تحمل کو اپنا شیوہ و شعار قرار دیا۔ اور شمشیر بکف ہو کر میدان میں نہیں نکلے۔

عار و شنار اگر مؤلف کچھ بھی عقل و انصاف اور دین و دیانت سے کام لیتے تو جناب امیر علیہ السلام پر خانہ جنگیوں میں مشغول رہنے اور کوئی کارِ نمایاں انجام نہ دینے کا بے جا اعتراض کر کے اپنی خارجیت کا ثبوت فراہم نہ کرتے مگر صحیح ہے ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں زند

کاش کہ انہوں نے آنجنابؑ کو خانہ جنگی کا الزام دیتے وقت یہ سوچ لیا ہوتا کہ اس خانہ جنگی کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟ آیا ام المومنین عائشہ، طلحہ، زبیر اور معاویہ بن ابی سفیان وغیرہ ان کے چہیتے صحابہ و صحابیات پر یا جناب امیر خیبر گیرؑ پر؟ ؏ نہ سمجھو گے تو پھر سمجھو گے تم یہ چیستاں کب تک؟

—— یہ درست ہے کہ معترض کے بزرگوں کی کرم فرمائیوں سے جناب امیرؑ کا زیادہ تر وقت خانہ جنگیوں کو فرو کرنے، داخلی سازشوں کو ختم کرنے اور بغاوتوں کو فرو کرنے میں صرف ہو گیا اور اسطرح آنجنابؑ اسلامی حدودِ مملکت کی توسیع نہ کر سکے (اور مقام شکر ہے کہ ایسا نہیں ہوا اور نہ ہی جناب امیرؑ کی یہ خواہش تھی کیونکہ ان کے پیش رووں اور بعد میں آنے والے امراءِ اسلام کی انہی حدودِ مملکت کی توسیعوں نے اسلام کو بدنام کیا ہے اور اغیار کو یہ کہنے کا موقع فراہم کیا ہے کہ اسلام دنیا میں بزورِ تلوار اور ہوسِ اقتدار کی وجہ سے پھیلا ہے) مگر آنجنابؑ نے اپنی عدیم النظیر حکمتِ عملی سے اسلام کی بنیادوں کو اس قدر محکم و مضبوط بنا دیا کہ آج تک کوئی منافقانہ و کافرانہ طاقت نہ اس کی بنیادوں کو ہلا سکی ہے اور نہ ہی آئندہ تا قیام قیامت تک ہلا سکے گی انشاء اللہ جیسا کہ علامہ ابن ابی الحدید نے اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے ؎

ولولا ابو طالب و ابنہ
لما مثل الدین شخصاً فقاما

(قصائد سبع علویات) یعنی اگر (مکہ کی سرزمین میں) جناب ابو طالبؑ کی (خدمات) اور (مدینہ میں) ان کے فرزند حیدر کرار کے (مثالی جہاد) نہ ہوتے تو کبھی اسلام اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو سکتا اور اگر ہنوز اس کی استقامت یا پروان چڑھنے میں کچھ کمی تھی تو آپؑ کے عظیم فرزند سید الشہداءؑ نے اپنے خونِ مقدس سے سینچ کر اسے ایک

ایک زندۂ جاوید حقیقت بنا دیا سچ ہے کہ

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد۔

بنا بریں آج اقطاع الارض میں جہاں کہیں بھی اسلام اور مسلمان نظر آتے ہیں یہ سب سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کا فیضان ہے اگر اس خاندان کی عظیم الشان قربانیاں نہ ہوتیں تو عمر یا عمری تو کجا آج پورے عالم میں کہیں اسلام اور کسی مسلمان کا نام و نشان نہ ہوتا مگر اس کفران نعمت کی بھی کوئی حد ہے کہ آج بوبکر و عمر کے پرستار جملہ سادات و مومنین کو عمر کا ممنون احسان ثابت کرنے کی جسارت کر رہے ہیں ـــــ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ـــــ ان یقولون الا کذبا ـــــ یہ بات ایک نہیں کئی بار سابقہ مباحث میں واضح کی جا چکی ہے کہ ممالک فتح کرنا ـــــ اور حدود سلطنت کو وسعت دینا کسی شخص کے مؤمن ہونے کی دلیل نہیں ہے بلکہ بعض اوقات خدا یہ کام ان لوگوں سے بھی انجام دلوا دیتا ہے جن کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہوتا (بخاری و کنز العمال وغیرہ) اگر دعویداران ایمان ثلاثہ میں جرأت ہے تو ان کے ایمان کے دلائل پیش کریں ان بھول بھلیوں سے کام نہیں بنتا۔ کیونکہ کہ

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی!

شیعیان علی اب ہم شیعیان علی سے مخاطب ہوتے ہیں ذرا تم ہی بتاؤ کہ تم نے اسلام یا ائمہ اہلبیتؑ کی کیا کچھ امداد کی اپنے عہد میں علی المرتضےٰ تمہارا ہی رونا روتے رہے ائمہ اہلبیتؑ اپنے وقت میں تمہارے شاکی رہے تم نے ہی جناب امیرؑ کو کوفہ میں جام شہادت پلایا۔ تم نے ہی حضرت مسلم بن عقیل کو ـــــ ذبح کیا۔ تم نے سید الشہداءؑ ـــــ کو خطوط عقیدت لکھ کر دھوکہ ـــــ سے بلوایا ـــــ نمونۃً ہم آپ کا ایک خطبہ نیرنگ فصاحت ترجمہ نہج البلاغہ سے درج کرتے ہیں جو ـــــ ص۲۶ میں ہے۔

خطبۂ امیر علیہ السلام اپنے شیعوں کی مذمت میں جو امر کہ گذر گیا ـــــ اس پر خدا کی حمد کرتا ہوں ـــــ اے میرے حکم کی اطاعت نہ کرنے والے ـــــ گروہ اگر تمہیں محاربۂ دشمن سے مہلت دی جاتی ہے تو مقابلے میں ضعیف و سست ہو جاتے ہو ـــــ خدا کی قسم اگر میرا روز موعود آ جائے ـــــ میں تمہاری مصاحبت کے لئے دشمن ہوں گا اور تمہارے سبب سے کسی قسم کی قوت و شوکت مجھے حاصل نہ ہو گی تم میری زندگی تک مجھ سے برگشتہ رہو گے مجھے دشمن سمجھو گے ـــــ اپنے امثال و اقران کو بھی دیکھ کر حمیت و غیرت نہیں آتی ـــــ کیا مقام نصیحت نہیں کہ معاویہ نہایت

ہی ستمگاروں کو بلاتا ہے اور وہ بغیر کسی قسم کے احسان و انعام کے اسکی متابعت کرتے ہیں اور میں تمہیں انعام اور احسان کے حصوں کی طرف بلا رہا ہوں ـــ مگر پھر بھی مجھ سے متفرق ہوتے ہو اور برابر مجھ سے اختلاف کئے جاتے ہو ـــ اور یاد رکھو کہ بہترین شئی جس کی ملاقات کا مجھے اشتیاق ہے میرے نزدیک موت ہے ـــ میں نے تمہیں کتاب خدا کا سبق دیا تمہاری تعلیم میں حجت و برہان کے ساتھ امداد کی ـــ (نہج البلاغہ مطبوعہ طہران ص ۲۲۲) اس خطبہ اور مجموعہ دیگر خطبات سے پتہ چلتا ہے کہ جناب امیرؑ اپنے وقت کے شیعوں سے کس قدر نالاں تھے۔

شیعہ کا امام حسنؑ سے سلوک

جو سلوک شیعہ حضرات نے حضرت امام حسنؑ سے کیا اسکا ذکر جلاء العیون ج ۱ ص [illegible] میں امام محمد باقرؑ کی زبانی یوں ہے" یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم شیعہ ہیں اور میرا ارادہ قتل کیا میرا مال لوٹ لیا۔ بخدا سوگند اگر میں معاویہ سے عہد لوں اور اپنا خون محفوظ کروں اس سے بہتر ہے کہ یہ لوگ مجھے قتل کریں۔ اسی کتاب کے صفحہ [illegible] ایک شیعہ کی گستاخی کا حال یوں مندرج ہے شیخ کشی نے بسند معتبر امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے کہ ایک روز امام حسنؑ اپنے گھر کے دروازہ پر بیٹھے تھے ایک سوار آیا کہ اسے سفیان بن لیل کہتے تھے اس نے کہا السلام علیکم اے ذلیل کنندہ مومنان۔ اسی کے ص ۳۶۸ میں لکھا ہے کہ امام حسنؑ نے معاویہ سے صلح کا ارادہ کیا تو شیعوں نے چراغ پا ہو کر حرکت کی ـــ اور کہا (معاذ اللہ) یہ شخص مثل پدر کافر ہو گیا ہے یہ کہہ کر حملہ کیا اور اسباب امام حسن لوٹ لیا ـــ

امام حسینؑ سے سلوک

خود فخر الشہداء جناب امام حسینؑ سے تو شیعوں نے وفاداری کی حد کر دی صاحب جلاء العیون ج ۲ میں یوں رقمطراز ہیں پس بیس ہزار مرد عراقی نے امام حسینؑ سے بیعت کی اور جنہوں نے بیعت کی تھی خود انہوں نے شمشیر امام حسینؑ پر کھینچی اور ہنوز بیعت امام حسینؑ ان کی گردنوں میں تھی کہ امام حسینؑ کو شہید کیا" اس سے پہلے ہم اخبار ماتم کے حوالوں سے ثابت کر چکے ہیں کہ شیعہ صاحبان نے ہی نہایت بے دردی سے حضرت امام حسینؑ کو دشت کربلا میں بھوکا پیاسا معہ بال بچوں کے شہید کیا ـــ یہ ہیں ماتمیوں کے کرتوت۔

خدا بچائے ـــ اگر خدا نخواستہ آج کوئی مخالف اسلام اسلام پر حملہ کر دے اور پلاؤ زردہ پکا کر ماتمیوں کے سامنے رکھ دے تو یہ محبان حسینؑ جو صرف چاولوں کے ماتمی ہیں۔ بیت اللہ کعبہ پاک پہ گولیاں چلانے سے بھی دریغ نہ کریں۔ جب اس وقت یہ حالت تھی جب ائمہ عظام کی زندگی

ہی معاویہ ستمگاروں کو بلاتا ہے اور وہ بغیر کسی قسم کے احسان و انعام کے اسکی متابعت کرتے ہیں اور میں تمہیں انعام اور احسان کے وعدوں کی طرف بلا رہا ہوں — مگر پھر بھی مجھ سے متفرق ہوتے ہو اور برابر مجھ سے اختلاف کئے جاتے ہو — اور یاد رکھو کہ بہترین شئی جس کی ملاقات کا مجھے اشتیاق ہے میرے نزدیک موت ہے — میں نے تمہیں کتاب خدا کا سبق دیا تمہاری تعلیم میں حجت و برہان کے ساتھ ابتداء کی — (نہج البلاغہ مطبوعہ طہران ص۲۲۱) اس خطبہ اور دیگر خطبات سے پتہ چلتا ہے کہ جناب امیرؑ اپنے وقت کے شیعوں سے کس قدر نالاں تھے۔

شیعہ کا امام حسنؑ سے سلوک

جو سلوک شیعہ حضرات نے حضرت امام حسنؑ سے کیا اسکا ذکر جلاء العیون ج ۱ ص ۲۶ میں امام ممدوح کی زبانی یوں ہے " یہ لوگ دعوے کرتے ہیں کہ ہم شیعہ ہیں اور میرا ارادہ قتل کیا میرا مال لوٹ لیا۔ بخدا سوگند اگر میں معاویہ سے عہد لوں اور اپنا خون محفوظ کر دوں — اس سے بہتر ہے کہ یہ لوگ مجھے قتل کریں۔ اسی کتاب کے صفحہ ۲ پر ایک شیعہ کی گستاخی کا حال یوں درج ہے شیخ کشی نے بسند معتبر امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے ایک روز امام حسنؑ اپنے گھر کے دروازہ پر بیٹھے تھے ایک سوار آیا کہ اسے سفیان بن لیلیٰ کہتے تھے اس نے کہا السلام علیکم اے ذلیل کنندہ مومنان کے ص ۲۶۸ میں لکھا ہے کہ امام حسنؑ نے معاویہ سے صلح کا ارادہ کیا تو شیعوں نے چراغ پا ہو کر حرکت کی — اور کہا (معاذ اللہ) یہ شخص مثل پدر کافر ہو گیا ہے یہ کہہ کر ہلہ بول دیا اور اسباب امام حسن لوٹ لیا —

امام حسینؑ سے سلوک

خود فخر الشہداء جناب امام حسینؑ سے تو شیعوں نے وفاداری کی حد کر دی صاحب جلاء العیون ج ۲ میں یوں رقمطراز ہیں پس بیس ہزار مرد عراقی نے امام حسینؑ سے بیعت کی اور جنہوں نے بیعت کی تھی خود انہوں نے شمشیر امام حسینؑ پر کھینچی اور بعد بیعت ہائے امام حسینؑ ان کی گردنوں میں تھی کہ امام حسینؑ کو شہید کیا" اس سے پہلے ہم اخبار ماتم کے حوالوں سے ثابت کر چکے ہیں کہ شیعہ صاحبان نے ہی نہایت بے دردی سے حضرت امام حسینؑ کو دشت کربلا میں مجبور کا پیاسا مع بال بچوں کے شہید کیا — یہ ہیں ماتمیوں کے کرتوت۔ خدا بچائے — اگر خدانخواستہ آج کوئی مخالف اسلام اسلام پر حملہ کر دے اور پلاؤ زردہ پکا کر ماتمیوں کے سامنے رکھ دے تو یہ محبان حسینؑ جو صرف چاولوں کے ماتمی ہیں۔ بیت اللہ کعبہ پاک پر گولیاں چلانے سے بھی دریغ نہ کریں جب اس وقت یہ حالت تھی جب ائمہ عظام کی خدمت

ہوا کرتے ہیں یہ سب جاولوں کے شیعہ ہیں ۔ (آفتاب صفحہ ۳۶۴)

الجواب ایک فارسی ضرب المثل ہے کہ "یک من علم را دہ من عقل باید" اور جہاں عقل و علم دونوں ہی عنقا ہوں وہاں لایعنی گفتگو کرنے سے خاموش رہنا بدرجہا بہتر ہوتا ہے مگر ہمارے مولوی صاحب کا معاملہ بھی عجیب ہے اگر خاموش رہنے کی کوشش کرتے ہیں تو اہل حق کا عناد چین نہیں لینے دیتا اور اگر بولتے ہیں تو ڈھول کا پول کھلتا ہے ! خداوندا یہ تیرے سادہ لوح بندے کدھر جائیں ؟ یہ بات کسی تشریح و توضیح کی محتاج نہیں ہے کہ ہر مذہب و ملت میں اکثریت بد عقیدہ، بد اصول اور بد عمل و بدکردار لوگوں کی ہوا کرتی ہے دوسرے مذاہب کو چھوڑیئے خود تاریخ انبیاءؑ شاہد ہے کہ ان کے کلمہ گویوں میں ہمیشہ اکثریت خراب لوگوں کی رہی ہے اس سلسلہ میں بہت دور جانے کی ضرورت نہیں پیغمبر آخر الزمان کے مسلمانوں کو ہی دیکھ لینا کافی ہے جو لوگ مسلمان کہلاتے ہیں کیا وہ واقعاً اس طرح مسلمان ہیں جس طرح ان کو خدا و رسولؐ دیکھنا چاہتے ہیں ؟ ؟ اور ان کا تو ذکر ہی کیا خود صحابۂ رسول میں ہر قسم اور ہر قماش کے لوگ نظر آتے ہیں قرآن مسلمانوں کی اکثریت کی مذمت سے لبریز ہے (اس قسم کی آیات اور ایسے واقعات کی کافی مقدار کسی مناسب مقام پر اسی کتاب میں پیش کی جا چکی ہے) تو اگر کوئی غیر مسلمان اس قسم کی آیات و روایات کو جو مسلمانوں کی مذمت اور سرزنش میں وارد ہوئے پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی جسارت کرے کہ اسلام غلط ہے تو ہمارے مولوی صاحب اور ان کے ہمنوا کیا جواب دیں گے ؟ یہی نا - کہ اس میں اسلام کا قصور نہیں قصور نام نہاد مسلمانوں کا ہے کیونکہ جو شخص مسلمان ہونے کا دعوٰی کرے وہ فی الواقع مسلمان بن نہیں جاتا جب تک اپنے قول و کردار سے اس کا ثبوت فراہم نہ کرے ۔ اگر زبان سے کہا کچھ اور رہ جائے اور مقام عمل میں کیا کچھ اور رہ جائے تو اس اسلام کا کیا فائدہ ہے

زباں سے گر کیا توحید کا دعوٰی تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تو نے

ہم مؤلف کی تمام طول طویل تقریر کے جواب میں صرف یہ کہنا کافی سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص شیعہ کہلانے سے حقیقی شیعہ بن نہیں جاتا جب تک اس معیار پر پورا نہ اترے جو سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام نے اپنے شیعوں کے لئے مقرر فرمایا ہے جس کا کچھ تذکرہ خود مؤلف اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۳۵۳ پر کر چکے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ ہر اہل مذہب کی طرح شیعوں میں بھی ہمیشہ نام نہاد لوگوں کی کثرت اور حقیقی شیعوں کی قلت رہی ہے (وقلیل من عبادی الشکور) مگر اس سے نہ تو مذہب شیعہ پر زد پڑتی ہے اور نہ حقیقی شیعوں پر کوئی الزام عائد ہوتا ہے اور امام محمد باقرؑ سے قبل ان کا احکام حج سے نابلد ہونا ایک استعارہ ہے ۔ مطلب صرف یہ ہے کہ ائمہ اہلبیتؑ میں سے سب سے زیادہ امام محمد باقرؑ اور ان کے بعد امام جعفر صادقؑ کو اپنے جدّ نامدار کی شریعت مقدسہ

کے معارف واحکام کی نشر و اشاعت کا موقع ملا ہے کیونکہ اس وقت حالات قدرے اسلئے سازگار تھے کہ بنی امیہ اپنی حکومت بچانے اور بنی عباس اپنی حکومت بنانے میں مشغول تھے۔ اگر جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں منافقوں کی بھرمار تھی (جس کے ثبوت کیلئے قطع نظر دیگر شواہد و دلائل کے صرف سورۃ المنافقون ہی کافی ہے) مخالفت زبان لینے والوں کی کثرت تھی اور میدان وغا میں دغا دے جانیوالوں کی بہتات تھی جن کی مذمت سے پورا قرآن اور دفتر حدیث چھلک رہا ہے مگر بایں ہمہ حقیقی صحابہ کرام اور حقیقی مسلمانوں کی شان میں کوئی فرق نہیں پڑتا تو جو لوگ فی الواقع شیعہ نہ تھے صرف کہلاتے شیعہ تھے اگر ائمہ اطہار نے ان کی مذمت فرمائی ہے تو اس سے حقیقی شیعوں پر کیا طعن و تشنیع وارد ہوتا ہے؟ "شیعۃ الرجل اتباعہ" کسی کا شیعہ تو وہ ہوتا ہے جو اسکے نقش قدم پر چلتا ہے" لہٰذا جو شخص اپنے قول و فعل میں اپنے امام کی مخالفت کرتا ہے وہ شیعہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ اس معیار پر پورے اترنے والے مثالی و حقیقی شیعہ حقیقی مسلمانوں کیطرح کبریت احمر کیطرح بہت ہی تھوڑے ہوں گے یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا۔ جن لوگوں کی حضرت امیرؑ نے مذمت فرمائی ہے ہم عنوان "قاتلان امام حسینؑ کا مذہب" کے ذیل میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ جو لوگ معاویہ کے مقابلہ میں حضرت امیرؑ کے ساتھ تھے وہ تمام لوگ حقیقی معنوں میں شیعہ نہ تھے بلکہ ان کی اکثریت ابوبکر و عمر اور عثمان کو خلفاء رسول مانتی تھی کہ فقط معاویہ کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کا ساتھ دینے کی وجہ سے شیعیان علیؑ کہلاتے تھے۔ بالفاظ دیگر وہ موجودہ اہلسنت کی طرح حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ سمجھتے تھے اس لئے نہ انکا عقیدہ صحیح تھا اور نہ عمل اسلئے اکثر و بیشتر آنجنابؑ انکا شکوہ و شکایت فرماتے رہتے تھے۔ لہٰذا درحقیقت یہ اہلسنت کی مذمت ہے نہ شیعوں کی ورنہ جو لوگ ان کے حقیقی شیعہ تھے انکی مدح و ثنا سے نہج البلاغہ لبریز ہے جیسے محمد بن ابوبکر، مالک اشتر، اصبغ بن نباتہ، کمیل بن زیاد، رشید ہجری، حجر، عثمان بن حنیف وامثالہم رضوان اللہ علیہم اجمعین نیز امام حسنؑ کے ساتھ جن لوگوں نے بے وفائی کی اور امام نے ان کی مذمت فرمائی وہ منافق لوگ تھے۔ چنانچہ مؤلف نے جلاء العیون ج ۱ صفحہ ۲۷۵ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں مذکور ہے کہ امام حسنؑ نے فرمایا یہ لوگ دعوے کرتے ہیں کہ ہم شیعہ ہیں الخ.....؛ تو جب امامؑ نے انکے دعوائے شیعیت کو قبول نہیں کیا تو ہم اسے کیونکر تسلیم کر سکتے ہیں یہ روایت فارسی جلاء العیون کے صفحہ ۱۴۰ پر مذکور ہے اس سے چار صفحے پہلے صفحہ ۱۳۶ پر مذکور ہے کہ "جب امام نے مصلحت وقت کے تحت معاویہ سے صلح کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو منافقان ـــ گفتند او مثل پدر کافر شد" منافقوں نے کہا یہ (امام حسنؑ) اپنے والد (حضرت علیؑ) کی طرح کافر ہو گئے ہیں" (العیاذ باللہ) پھر کچھ گستاخیاں کیں ارباب عقل و انصاف کیلئے لمحۂ فکریہ ہے کہ جو شخص امام کو (معاذ اللہ) کافر سمجھے اسے بھی اس امام کا شیعہ کہا جا سکتا ہے؟ اس موضوع پر قبل ازیں مکمل تبصرہ کیا جا چکا ہے کہ قاتلان امام حسینؑ شیعہ نہ تھے بلکہ ان کا مذہب

اور کافر تھے اور اگر بالفرض ان کا کوئی مذہب تھا تو وہ اہلسنت والجماعت تھا۔ اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے الغرض وہ ماتمی نہ تھے بلکہ ماتم کو بدعت کہنے والوں کی جماعت سے تعلق رکھتے تھے اور یہ سارا کر توت انہی کا تھا جو لوگ صحیح معنوں میں شیعہ اور صحابیِ امام تھے وہ ایسے مخلص اور باوفا تھے کہ خود سید الشہداء کو ناز تھا کہ جیسے باوفا صحابی خدا نے مجھے عطا فرمائے ہیں ایسے تو میرے جد و اب کو بھی نصیب نہیں ہوئے تھے (ارشاد شیخ مفید و تاریخ طبری وغیرہ) ـــ مؤلف جہاں بھی مقدس مذہب شیعہ خیر البریہ کا تذکرہ کرتے ہیں۔ وہاں ضرور ڈوم اور کنجر وغیرہ کا تذکرہ کرتے ہیں سو ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ کنجر کسی شخص کی ذات نہیں ہے بلکہ جو شخص بھی کنجروں والے پیشے کا کام کریگا وہ کنجر سمجھا جائے گا۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کنجر کہلا کر بھی شریف ہو اور ایک مولوی اور قاضی کہلا کر بھی کنجر کا کنجر ہو! اور اگر بالفرض "ڈوم"، "میراثی"، "قلندر"، "مصلی اور گنجڑ" کوئی ذاتیں ہیں تو ان ذوات عالیہ کی جنس مولف کے مذہب میں بھی نایاب نہیں ہے بلکہ وہاں بہت ارزاں نرخوں پر مل جاتی ہے ؎ ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند ایسے ہی لوگ تھے جنہوں نے پندرہ روپیہ ماہوار کی ملازمت پر انگریزی عہد سلطنت میں مہاں نجف و خراسان کے روضہ ہائے مقدسہ کو بلکہ بغداد میں اپنے پیرانِ پیر کے گنبد کو بھی توپوں کا نشانہ بنانے میں دریغ نہیں کیا تھا حقیقت یہ ہے کہ یہ سب پیسہ اور پیٹ کے مسلمان ہیں جو حلوے مانڈے کی خاطر عرسوں میں شامل ہو جاتے ہیں اور ماہ رمضان میں نمازِ تراویح بھی پڑھ لیا کرتے ہیں ورنہ حقیقی اسلام سے کوسوں دور ہیں " یہ صرف حلوے کے مولوی اور پیسے کے مسلمان ہیں "

بد نہ بولے زیرِ گردوں گر کوئی میری سُنے
ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سُنے

امام مہدی کے نہ ظاہر ہونے کا سبب

چونکہ کتب شیعہ میں تصریح ہے کہ امام غائب امام علیہ السلام اسوقت تشریف لائیں گے جب ان کے مخلص شیعوں کی تعداد تین سو تک پہنچ جائے گی جو ان کے محافظ ہوں گے ـــ باوجودیکہ مدعیانِ شیعیت کی تعداد لاکھوں تک پہنچی ہوئی ہے مگر ـــ سب چاولوں کے شیعہ ہیں اگر سچے شیعہ ہوتے تو کب کے امام منتظر تشریف لے آتے۔

امام کے ظہور کا وقت

چونکہ اسوقت شیعوں پر سخت اعتراض ہو رہا ہے کہ انکا قرآن جمع کردہ علی کہیں نظر نہیں آتا ـــ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ وہ قرآن صاحب الامر ـــ کے پاس موجود ہے۔ شیعہ یہ بھی کہتے ہیں امام علیہ السلام بمعہ اپنے فرزندوں کے ایک غائب ملک میں حکمرانی کر رہے ہیں ـــ کتاب غایۃ المقصود میں بہت سی حکایات درج ہیں

کہ لوگوں نے وہاں جا کر آپ کی زیارت بھی کی ہے چنانچہ کتاب کے صفحہ ۲۵ سے صفحہ ۳۰ تک ایک ایسا قصہ لکھا ہے کہ چند کس دریائی سفر کرتے ہوئے اس ملک میں جا پہنچے اور وہاں بڑے بڑے شہر دیکھے جو امام کے فرزندوں کے زیر حکومت تھے ان میں سے بعض کا طول و عرض دو ماہ کا راستہ بعض کا چار ماہ کا راستہ ہے وہاں بڑے بڑے شہر اور تجارت کی منڈیاں دیکھی گئیں اور عجیب و غریب ـــــ (معلوم نہیں اتنی بڑی آبادی جغرافیہ والوں کی آنکھوں سے آج تک کیوں مخفی ہے ـــــ یہ سب داستانیں فرضی ـــــ یا شیخ چلی کی گپوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں) بہرحال اگر اتنی بڑی سلطنت کے مالک دنیا کے کسی حصہ میں رہتے ہیں ـــــ تو کیا وجہ ہے کہ اس وقت کے شیعہ اس نعمت سے (زیارت امام) سے محروم ہیں اسکی وجہ سوا اسکے کچھ نہیں ہو سکتی کہ یہ سب علوے مانڈے اور چاولوں کے شیعہ ہیں اصلی شیعہ کی ان میں بو تک نہیں ہے اگر اس وقت دنیا میں کوئی ایک بھی سچا شیعہ موجود ہوتا تو اس آڑے وقت میں حضرت امام اس کی ضرور دستگیری کرتے اور اصلی قرآن ـــــ نہیں ـــــ تو اس کی نقل ہی کسی مخلص شیعہ کی معرفت دنیا میں بھیج دیتے ـــــ

ایک عجیب حکایت

اسی کتاب غایۃ المقصود کے صفحہ ۱۲ میں ایک عجیب حکایت لکھی ہے ـــــ کہ ایک اجل فاضل اہلسنت جو علامہ حلی کے استادوں میں سے تھا اس نے مذہب شیعہ امامیہ کے رد میں ایک مبسوط کتاب لکھی تھی ـــــ اس خوف سے کہ کوئی شیعہ اسکی تردید نہ کر دے کسی شیعہ عالم کے ہاتھ میں ـــــ نہ دیتا تھا شیخ حلی ہمیشہ اس کوشش میں رہتے کہ کتاب ہاتھ آجائے ـــــ ایک روز ـــــ عاریۃً دینے کی استدعا کی استاد نے کہا صرف ایک رات کے لئے ـــــ شیخ نے اسکو بھی غنیمت سمجھا ـــــ گھر میں لے گئے تاکہ کچھ نہ کچھ رات میں نقل کر لیں، جب لکھنے لگے تو نیند نے غلبہ کیا اور سو گئے۔ جناب مہدی علیہ السلام نمودار ہوئے۔ شیخ کو فرمانے لگے کہ کتاب مجھے دے دو اور تم سو رہو جب شیخ نیند سے جاگے تو دیکھا کہ کتاب ساری لکھی ہوئی موجود ہے حالانکہ وہ کتاب ایک سال سے کم عرصہ میں نہ لکھی جا سکتی تھی ـــــ اسی قسم کی حکایات ـــــ اس لئے وضع کی گئی ہیں کہ شیعوں کا اس بات پر اعتقاد رہے کہ ضرور امام مہدی علیہ السلام اسوقت موجود ہیں ـــــ میں کہتا ہوں کہ یہ باتیں درست ہیں تو اس وقت شیعیان علی کیوں کوشش نہیں کرتے کہ مل کر شب بیداری کریں اور دعا مانگیں کہ امام کی زیارت سے مستفید ہوں اور ـــــ عرض کریں ـــــ حضرت جی! اس

وقت بڑا آزادی کا وقت ہے آپ ظہور فرمائیں تو کوئی شخص آپ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ اور اگر خود تشریف نہیں لا سکتے تو قرآن تو بھیج مرحمت فرمائیں تاکہ مخالفین کو دکھا کر ہم سرخروئی حاصل کریں۔ لکھنؤ کے بڑے بڑے مجتہدین شیعہ کوئی حیلہ کریں۔ ایران کے بڑے بڑے جبہ پوش مشائخ شیعہ ہی جدوجہد کریں اگر ایسا نہیں کر سکتے۔ تو روز روشن کی طرح واضح ہو جائیگا کہ اس وقت ان ہزاروں لاکھوں نمائشی شیعوں میں خالص مخلص اصلی شیعہ ایک بھی نہیں۔ شیعو! کوشش کرو اپنے سے یہ دھبہ دور کرو ورنہ ان عقائد شنیعہ سے باز آجاؤ۔ ضد چھوڑ دو۔ اسی قرآن کے کامل و مکمل ہونے کے قائل ہو جاؤ۔ طریق اہلسنت اختیار کر کے مسلمانوں کے سوادِ اعظم میں مل جاؤ تاکہ نجات حاصل ہو۔ و ما علینا الا البلاغ ——— کتاب بہت طویل ہو گئی ہے اب ختم کرتا ہوں۔ ——— درگاہ رب العالمین میں دعا کرتا ہوں کہ میری اس ناچیز تحریر کو قبول عام کا شرف عطا ہو اور قیامت میں مغفرت کا وسیلہ ہو آمین ثم آمین ———

(راقم خاکسار ابوالفضل محمد کرم الدین دبیر متوطن بھیں ضلع جہلم)

الجواب

مؤلف نے اس مقام پر اور اس سے قبل ص ۴۴/۴۳ وغیرہ پر اگرچہ بظاہر شیعہ خیر البریہ کو رگیدا ہے مگر درحقیقت یہ سارا زہر امام العصر حضرت حجۃ بن الحسن عجل اللہ تعالےٰ فرجہ کے خلاف اگلا ہے اور ان کے وجود ذی جود اور ان کی غیبت کبریٰ کا مذاق اڑا کر اپنی باطنی خباثت کا اظہار کیا ہے۔

عقیدۂ مہدی اتفاقی ہے

حالانکہ مذاہب و ادیانِ عالم پر سرسری نگاہ رکھنے والے حضرات سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ تمام مذاہب میں کسی نہ کسی رنگ میں ایک مصلح اعظم کے آنے کا تخیل موجود ہے بالخصوص اہل اسلام کا تو حضرت مہدی کے ظہور فرمانے پر اتفاق ہے اگرچہ بعض خصوصیات میں فی الجملہ اختلاف پایا جاتا ہے۔

احادیث ظہور مہدیؑ

اس سلسلہ میں کتب فریقین میں احادیث شریفہ حدِ تواتر تک پہنچے ہوئے ہیں کہ اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک حضرت مہدی ظہور نہیں فرمائیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں" لو لم یبق من الدنیا الا یوم واحد لطول اللہ ذلک الیوم حتی یبعث رجل من اھل بیتی اسمہ اسمی یملاء الارض قسطاً و عدلاً کما ملئت ظلماً و جوراً " اگر (بالفرض) زندگانی دنیا کا صرف ایک دن ہی باقی رہ جائے تو خداوند عالم اسے اسقدر دراز کر دے گا کہ میرے اہلبیتؑ میں سے ایک شخص مبعوث ہوگا جو میرا ہم نام ہوگا وہ زمین کو عدل و انصاف سے اسطرح بھر دیگا جسطرح پہلے ظلم و جور سے بھری ہوگی (ترمذی، مشکوۃ، سنن ابو داؤد وغیرہا)

حضرت مہدیؑ کی ولادت

ابھی اوپر لکھا جا چکا ہے کہ عقیدۂ ظہورِ مہدی پر اتفاق ہے بلکہ خود ... ہے خطیب نے بھی آفتاب ہدایت کے صفحہ ۳۲ پر ان الفاظ اقرار کیا ہے "اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم لوگ بھی حضرت امام مہدی علیہ السلام کی آمد کے منتظر اور انکی زیارت کے مشتاق ہیں" مگر ساتھ ہی یہ اشارہ بھی کیا جا چکا ہے کہ بعض خصوصیات میں فی الجملہ اختلاف ہے منجملہ ان خصوصیات کے ایک مسئلہ ولادت بھی ہے کہ آیا آنجناب کی ولادت باسعادت ہو چکی ہے اور اسوقت آپ حجاب غیبت میں مستور ہیں یا یہ کہ آخری زمانہ قریب ظہور میں آپکی ولادت ہوگی چنانچہ تمام شیعہ اثنا عشریہ اور بعض منصف مزاج علماء اہلسنت اس بات کے قائل ہیں کہ آپ کی ولادت ۲۵۵ھ بمقام سامرا (عراق) میں واقع ہو چکی ہے اور اسوقت باذن اللہ پردۂ غیبت میں روپوش ہیں چنانچہ درج ذیل کتابوں میں یہ تصریح موجود ہے (شرح نہج البلاغہ حدیدی ج ۱ ص ۹۳ ج ۲ ص ۳۹۵، اسعاف الراغبین مطبوعہ بر حاشیہ نور الابصار ص ۱۰۱ / ۱۱۹، شواہد النبوۃ جامی ص ۲۱۲، ینابیع المودۃ ص ۱۸۲ ج ۲، فصول مہمہ، تذکرہ خواص الامہ، مطالب السئول وغیرہا)

کتب اہلسنت در حالات امام مہدی

بعض انصاف پسند علماء اہلسنت نے تو امام زمانہ کے حالات میں مخصوص کتب و رسائل لکھ کر اور آپکے وجود ذی جود کا اثبات کر کے اس سلسلہ میں جملہ شکوک و شبہات کا بڑے اچھے انداز میں ازالہ کیا ہے جیسے (۱) البیان تالیف حافظ محمد بن یوسف گنجی (۲) کشف الحق فی مناقب المہدی (۳) التوضیح فی تواتر ما جاء فی المنتظر المہدی للشوکانی (۴) العرف الوردی فی اخبار المہدی للسیوطی وغیرہا۔

وجود امام کا ایک فائدہ بقاءِ دنیا بھی ہے

یہ کہنا کہ ایسے امام غائب کا کیا فائدہ جسے نہ ہم دیکھ سکتے ہیں اور نہ ان سے مسائل دریافت کر سکتے ہیں کوتاہ اندیشی کی دلیل ہے کیونکہ نبی و امام کے وجود کا فائدہ صرف مسائل بیان کرنا ہی نہیں۔ بلکہ انکے وجود کا بہت بڑا فائدہ عالم ارضی کی بقا بھی ہے [illegible] اپنی جگہ [illegible] دنیا سے خواہ وہ ظاہر و مشہور ہو یا غائب و مستور چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں "اہلبیتی امان لاہل الارض کما ان النجوم امان لاہل السماء" میرے اہلبیتؑ کا وجود اہل زمین کیلئے اسی طرح باعث امن و امان ہے جس طرح اہل آسمان کیلئے ستاروں کا وجود باعث امن ہے جب ستارے نہیں رہیں گے تو اہل آسمان کی ہلاکت واقع ہو جائیگی اور جب دنیا میرے اہلبیت سے خالی ہو جائیگی تو اہل دنیا کی ہلاکت واقع ہو جائے گی (صواعق محرقہ ص ۱۸۷ طبع جدید مصری ولنعم ما قیل)

قدمِ مہدیؑ دین کے زمین قائم ہے پانی پہ
قرارِ کشتیِ دنیا کے لنگر ایسے ہوتے ہیں

ہدایت کیلئے ہادی کا ظاہر ہونا ضروری نہیں ہے

علاوہ بریں اربابِ دانش و بینش پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ ہدایت یا گمراہی کے لئے ہادی یا مضل کا آنکھوں کے سامنے موجود ہونا ضروری نہیں ہے خداوند عالم حواس سے مخفی رہ کر ہدایت فرماتا ہے اور دشمنِ خدا شیطان آنکھوں سے اوجھل رہ کر گمراہ کرتا ہے تو بلا تشبیہ امام زمانہ پردۂ غیبت میں رہ کر یوں فریضۂ ہدایت انجام نہیں دے سکتا؟ خود امام زمانہؑ سے یہی سوال کیا گیا تھا۔ فرمایا کالشمس اذا غیبتھا السحاب میری غیبت کے زمانہ میں لوگ میرے وجود سے اسطرح فائدہ حاصل کریں گے جسطرح آفتاب سے حاصل کرتے ہیں جبکہ وہ بادل کی اوٹ میں چلا جائے (بحار ج ۱۳ ـــ ینابیع ج ۲ ص ۱۴۹ وغیرہ)

غرض و غایت ظہورِ امامؑ

مؤلف نے جابجا شیعیانِ حیدر کرار پر یہ طعن توڑا ہے کہ وہ صرف اسلئے امام زمانہ کا انتظار کرتے ہیں کہ وہ ان کا قرآن لائیں گے اسوقت انکا کوئی قرآن نہیں ہے ہم اس موضوع پر کتاب کی ابتداء میں مفصل گفتگو کر کے ثابت کر چکے ہیں کہ شیعہ خیر البریہ کا موجودہ قرآن پر مکمل ایمان ہے اور وہ اسے خدا کی آخری الہامی کتاب مانتے ہیں۔ حضرت امیرؑ کا جمع کردہ قرآن مجید جو امام العصرؑ کے پاس موجود ہے وہ صرف تنزیل کیمطابق مرتب کردہ ہے اور اسکے ساتھ ساتھ اسمیں قرآن کی تفسیر و تاویل بھی درج ہے وہاں۔ بہرحال یہ آمدِ امام کا جزوی فائدہ ہے امام کی تشریف آوری کی اصلی غرض و غایت دو چیزیں ہیں۔ (۱) ایک جناب رسولِ خداؐ کی شریعتِ مقدسہ کی صحیح نشر و اشاعت اور اسکی ترویج و ترقی اور اسکا غلبہ (۲) دوسرے روئے زمین سے ظلم و جور کا خاتمہ کر کے اسے عدل و انصاف سے لبریز کرنا۔ اور ادیانِ باطلہ پر دینِ اسلام کو غالب کرنا جیسا کہ ارشادِ قدرت اور احادیثِ صحاحِ ستہ وغیرہا سے واضح و آشکار ہے کہ یملأ الارض قسطاً و عدلاً کما ملئت ظلماً و جوراً ـــ

تاخیرِ ظہور کے مصالح و حکم

باقی رہا یہ کہ امام مہدیؑ کب بہ نفسِ نفیس ظاہر ہوں گے؟ یہ خدا کے محکم قضا و قدر سے متعلق ہے اور خدا کے ان اسرارِ مکنونہ میں سے ہے جنہیں اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ واللہ العالم

حدیث از مطرب و مے گو و رازِ دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمہ را

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کذب الوقاتون کذب الوقاتون امام

کا وقتِ ظہور معین کرنے والے جھوٹے ہیں (اصول کافی) خواہ اس کی وجہ وہ ہو جو مؤلف نے آفتاب کے صفحہ ۴۲ پر اصول کافی سے نقل کی ہے یا وہ وجوہ ہوں جو موصوف نے صفحہ ۴۴ پر علامہ حائری کی غایۃ المقصود سے پیش کی ہیں یا وہ اسباب ہوں جو ثالث عشر بحار، العبقری الحسان، نجم ثاقب اور اکمال الدین و اتمام النعمۃ وغیرہ کتب میں مذکور ہیں ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے۔ ہمارا کام تو بموجب ارشاد امام زمانہ "اکثروا الدعا لتعجیل الفرج فان ذلک فرجکم" (جتنا بھی ہو سکتا ہے۔ میرے ظہور کی تعجیل کی دعائیں کرو کیونکہ اسی میں تمہاری کشائش ہے) (احتجاج طبرسی) انکے تعجیل ظہور کی دعا کرنا ہے وبس۔ ع

در بند ایں مباش کس شنید یا نشنید

بہرکیف ؎

اسرارِ خدا نہ تو دانی و نہ من
ایں حرف معمہ نہ تو خوانی و نہ من

ایک غلط فہمی کا ازالہ

مگر مؤلف کا صفحہ ۴۲ پر بیان کردہ وجہ سے یہ استنباط کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے کہ خدا شیعوں پر ناراض ہے کیونکہ امام کے ظہور کا فائدہ صرف شیعوں کو نہیں بلکہ تمام اہلِ اسلام بلکہ تمام اہلِ عالم امکان کو پہنچتا ہے۔ اسلئے انکے عدم ظہور میں بھی سب کو دخل ہے حقیقت یہ ہے کہ وجود حجۃ الامام لطف و تصرفہ لطف آخر و عدمہ منا (شرح تجرید) آہ۔ شامتِ اعمال ما صورتِ نادر گرفت۔ بہرحال اس تاخیر و تعویق کا سبب ہم ہی ہیں اس میں خدا اور امام کا ہرگز کوئی قصور نہیں ہے ازماست کہ برماست ع

اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست۔

ایک ضروری وضاحت

مؤلف نے جو مخلصین امام کی تعداد تین سو سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ہنوز تمام دنیا میں اتنے شیعہ موجود نہیں ہیں اسکے متعلق پہلی گذارش تو یہ ہے کہ روایات میں یہ کہیں درج نہیں ہے کہ جب اسقدر شیعہ ہو جائیں گے تو اسوقت فوراً امام ظہور فرمائیں گے بلکہ حدیث میں صرف اسقدر وارد ہے کہ امام کے ظہور کے وقت انکے مخصوص اصحاب کی تعداد اصحاب بدر کی تعداد کے مطابق ۳۱۳ ہو گی وبس اور اس سے یہ نتیجہ ہرگز برآمد نہیں ہوتا جو مؤلف برآمد کرنا چاہتے ہیں۔ دوم یہ کہ ہم اس سے پہلے مبحث میں ثابت کر چکے ہیں کہ ہر گروہ و جماعت میں نام نہاد آدمی زیادہ اور حقیقی باعمل بہت قلیل ہوا کرتے ہیں اس میں کسی فرقہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے قرآن شاہد ہے کہ حضرت موسیٰ نے میقاتِ پروردگار کیلئے ستر ہزار کلمہ گویوں سے انتخاب در انتخاب کر کے صرف ستر آدمی چنے تھے جو عند الامتحان سب ناکام ہوئے۔ سچ ہے۔ عند الامتحان یکرم الرجل او یہان ——— واللہ الموفق وعلیہ التکلان۔

ملاقاتِ امام

زمانہ غیبت کبریٰ میں ملاقاتِ امام کا دعویٰ کرنے کی مخالفت وارد ہوئی ہے مگر اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آجکل کسی آدمی کو یہ شرف حاصل ہوسکتا ہی نہیں؟ سینکڑوں خوش قسمت اہلِ ایمان و ایقان گذر رہے ہیں اور کئی اسوقت بھی موجود ہوں گے جو اس شرف سے مشرف ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں ؎

خاکساران جہاں را بحقارت منگر
تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

اس قسم کے بیسیوں واقعات بذیل عنوان "تاخیر ظہور کے مصالح" میں نام بردہ کتابوں میں مذکور ہیں فراجع مؤلف کا غایۃ المقصود کی بیان کردہ حکایت دریائی پر یہ اعتراض کس قدر بودا ہے کہ "اتنا بڑا آبادی جغرافیہ والوں کی آنکھوں سے آج تک کیوں مخفی ہے" جغرافیہ پر اسقدر ایمان وایقان؟ اللہ اللہ! ایسے ہی مادی جغرافیہ پر ایمان لانے اور عرش خدا کا انکار کرنے والے مغرب زدہ نوجوانوں کے متعلق اکبر الہ آبادی نے کہا تھا ؎

قائل خدا کے عرش کے کیونکر ہوں یہ عزیز
جغرافیہ میں عرش کا نقشہ نہیں ملا

اگرچہ مغرب زدہ لوگوں کو اس ایراد میں معذور سمجھا جا سکتا ہے مگر ایک مولوی ایسا بودہ اعتراض کرنے میں کسی رنگ سے معذور نہیں اگر امریکہ دو ڈھائی سو سال پہلے تک جغرافیہ نویسوں سے مخفی رہ سکتا ہے اور کوئی تعجب نہیں ہوتا تو اگر جزیرۃ الخضراء آج تک انکی آنکھوں سے مخفی رہے تو اسمیں کیا جائے تعجب ہے؟ چگر

سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجا است

حکایتِ عجیب کا جوابِ عجیب

مؤلف نے غایۃ المقصود والی اس حکایت پر بھی بڑے زور سے ایراد کیا ہے جس میں امام زمانہ کا ایک رات میں اس کتاب کو نقل کرنا مذکور ہے جو ایک سال سے کم عرصہ میں نقل نہ ہوسکتی تھی نہ معلوم ایک مسلمان کیلئے اسمیں کیا جائے ایراد ہے؟ اگر خدا کا ایک برگزیدہ بندہ (آصف بن برخیا) اسم اعظم کے ایک حرف کی برکت سے چھ ماہ کے راستے سے چشم زدن میں تخت بلقیس کو لا سکتا ہے (الذی عندہ علم من الکتاب) تو جس بزرگ کے پاس اسم اعظم کے پورے بہتر حرف موجود تھے (ومن عندہ علم الکتاب) اگر وہ ایک سال میں لکھی جانے والی کتاب کو صرف ایک رات میں لکھ دے تو اسمیں کیا جائے تعجب ہے؟ حالانکہ کتابت کی سرعت و سستی ایک اضافی چیز ہے جو کاتب کی حیثیت کے مطابق بدلتی رہتی ہے۔ آج تک کوئی ایسا آلہ ایجاد نہیں ہوا جو یہ بتائے کہ ہر کاتب اتنے وقت میں اتنی مقدار لکھ سکتا ہے آج کے مشینی دور نے تو یہ سب عقدے حل کر دیئے ہیں پہلے جو کام ایک کاتب سالوں میں کرتا تھا اب

وہ گھنٹوں میں کیا جا رہا ہے اور ما ذلک علی اللہ بعزیز۔ لانہ علی کل شیئ قدیر ولا یجحد قدرتہ الا کل مکذب شریعت

لطیفہ

جب مؤلف کتاب بقول خود حضرت مہدی کے منتظر اور انکی زیارت کے مشتاق ہیں تو پھر وہ شیعیان حیدر کرار کو کیوں کوسنے دیتے ہیں اور ان سے کیوں ظہور امام کی استدعا والتجا کراتے ہیں خود سارے اہلسنت اجماع کر کے (جنکی تعداد کروڑوں تک پہنچی ہوئی ہے) بارھواں امام منتخب کیوں نہیں کر لیتے؟ اور اگر آج کروڑوں مسلمان ملکر رسول کی مسند کے بارھویں وارث کا انتخاب نہیں کر سکتے تو پھر ماننا پڑے گا کہ وفات نبوی کے بعد چند آدمی سقیفہ بنی ساعدہ میں بیٹھ کر اقلیم امامت کے پہلے تاجدار کا انتخاب بھی نہیں کر سکتے۔ وربک یخلق ما یشاء و یختار **ما کان لھم الخیرۃ**

خاتمہ کتاب در جواب "فتنہ تکفیر روافض"

مؤلف کتاب ختم کر چکے دعائے تمام کر چکے اپنا نام اور تاریخ اختتام رقم کر چکے پھر یاد آیا کہ ہنوز ان کے ترکش علم وجود اور جعبہ اتہام والزام میں ایک تیر باقی رہ گیا ہے اور وہ ہے "فتوی تکفیر روافض" چنانچہ اس سلسلہ میں اپنے نامہ اعمال کی طرح پورے آٹھ صفحات سیاہ کر ڈالے اور شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات، شیخ عبدالقادر جیلانی اور اور دربار گولڑہ شریف سے بے بنیاد الزامات کی بنا پر صادر شدہ کفر کے فتوے نقل کئے اور اس سلسلہ میں حضرت امام جعفر صادق کا فتوی بھی پیش کیا جو سراسر انکے خلاف ہے کیونکہ اسمیں اہل بدعت کی مذمت ہے اور وہ ہم نہیں بلکہ اہل بدعت وہ ہیں جن کے خلفاء و پیشوا بدعتی تھے جنکی بدعتوں سے کتب سیر و تواریخ لبریز ہیں صرف تاریخ الخلفاء میں باب اولیات فلاں و فلاں و فلاں ہی دیکھ لینا کافی ہے۔ اسی پر بس نہیں کی بلکہ جب اس مبحث کو بھی حلقے پر ختم کر چکے اور اپنا نام و نشان اور تاریخ اختتام بھی درج کر چکے تو پھر ایک نہاں خانہ دماغ سے خیال محال کی ایک لہر اٹھی اور "قرآن کا معجزہ کوئی شیعہ حافظ نہیں ہو سکتا" عنوان قائم کر کے قریبا ایک صفحہ اور سیاہ کر ڈالا مؤلف کی اس روش و رفتار سے انکے ذہنی انتشار کا اندازہ لگانا اہل دانش کیلئے چنداں مشکل نہیں ہے۔ گویا وہ زبان حال سے پکار رہے ہیں کہ

کبھی گرتا ہوں مینا پر کبھی جھلکتا ہوں ساغر پہ
میری بے ہوشیوں سے ہوش ساقی کے بکھرتے ہیں

یہ عداوت اہلبیت کا تازیانہ عبرت ہے جسکے درد کی شدت سے موصوف کو یوم الحشر تک ہرگز قرار نہ آئیگا۔ انشاء اللہ العزیز ـــ دنیا میں بڑے بڑے مشکل کام ہیں مگر کسی مسلمان کو کافر قرار دینے سے سہل تر کوئی کام نہیں ہے اور کسی کافر کو مسلمان بنانے سے بہتر کوئی عمل و عبادت نہیں ہے مگر افسوس صد ستم

کرتے ملاؤں پر کہ (کارملا فی سبیل اللہ فساد - والفتنۃ اشد من القتل) جن سے اپنے غلط قول و کردار کی وجہ سے کوئی کافر تو مسلمان ہوتا نہیں - اسلئے وہ مسلمانوں کو کافر بنا کر اپنے حلوے مانڈے اور زردہ پلاؤ کا انتظام کررہے ہیں ۔

رد تو کسی طور کیا کھائے بچندر

افسوس ہے خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں ✤ ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

بہرحال مؤمن کا شیعیان علیؑ کو کافر قرار دینا جہاں انکے جاہل بہ قرآن و حدیث ہونیکی دلیل ہے وہاں انکا اپنے ائمہ اور فقہاء کے کلام و فتاوٰی سے بھی ناواقف ہونے کا ناقابل رد ثبوت ہے ۔

قرآنی معیارِ اسلام ارشادِ قدرت ہے لاتقولوا لمن القی الیکم السلام لست مومنا جو شخص تم پہ سلام کرے تم اسے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے اس ارشاد خداوندی سے واضح ہو کہ جو شخص اسلامی طریقے پہ سلام کرے یعنی خدا و رسول اور انکی تعلیمات کا قائل ہو اسے کافر کہنے کا کسی کو کوئی حق نہیں ہے جب تک ضروریات دین میں سے کسی کا انکار نہ کرے ۔

اسلام کیا ہے؟ بخاری پ ۱ ص ۱۲ کتاب الایمان مشکوٰۃ کتاب الایمان فصل اول ج ۱ ص ۲ پر عمر بن الخطاب کی زبانی روایت ہے کہ ہم بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے کہ ایک آدمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دوزانو بیٹھ کر سوال کیا اخبرنی عن الاسلام ؟ مجھے بتائیے اسلام کیا ہے ؟ فرمایا ان تشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ وتقیم الصلٰوۃ وتؤتی الزکاۃ وتصوم رمضان وتحج البیت ان استطعت الیہ سبیلاً ۔ اسلام یہ ہے کہ گواہی دو خدا کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمدؐ اس کے رسول ہیں اور یہ کہ نماز پڑھو، روزہ رکھو، زکوٰۃ دو اور اگر استطاعت ہو تو حج بھی کرو ــــــ

ایمان کیا ہے؟ پھر سائل نے عرض کیا اخبرنی عن الایمان ؟ مجھے بتائیے ایمان کیا ہے؟ فرمایا ان تؤمن باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الآخر وتؤمن بالقدر خیرہ وشرہ خدا، اسکے ملائکہ، اسکی کتابوں اسکے رسولوں اور یوم آخرت پر ایمان لاؤ اور تقدیر کی بھلائی و برائی پر ایمان رکھو" ان حقائق سے واضح ہے کہ صحابہ رسول بالخصوص اصحاب ثلاثہ کا ماننا نہ رکن اسلام ہے اور نہ شرطِ ایمان اور نہ ہی ضروریاتِ اسلام میں داخل اور بفضلہ تعالٰے ۔ اہلسنت کے مقرر کردہ معیارِ اسلام و ایمان پر شیعیان علی علیہ السلام صد فی صد پورے اترتے ہیں ۔ وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ۔

مسلمان کون ہے؟ عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

من صلی صلوتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذالک المسلم الذی لہ ذمۃ اللہ وذمۃ رسولہ الخ۔ انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہماری نماز پڑھے۔ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہمارے ذبیحہ کو کھائے وہ مسلمان ہے اسکے لئے خدا ورسول کا ذمہ وعہد ہے (بخاری پ۱ ص۱۳ باب فضل استقبال القبلۃ۔ مشکوٰۃ ص۱۲ کتاب الایمان) اس حدیث شریف سے بھی شیعوں کا ایمان روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

امام اعظم کا فتویٰ اہلسنت کے امام اعظم نعمان بن ثابت کوفی کا فتویٰ ہے۔ انا لا نکفر احدا من اھل القبلۃ ہم قبلہ رو ہو کر نماز پڑھنے والے کسی بھی شخص کو کافر نہیں کہتے (شرح فقہ اکبر ص۔ طبع دہلی) نیز امام صاحب فرماتے ہیں لا نکفر مسلما بذنب من الذنوب وان کانت کبیرۃ ہم کسی مسلمان کو کسی گناہ کرنے کی وجہ سے کافر نہیں کہتے اگرچہ وہ گناہ کبیرہ ہی کیوں نہ ہو (شرح فقہ اکبر ص۸۶)

امام شافعی کا فتویٰ کتاب الیواقیت والجواہر ص۱۲۵ پر امام شافعی کا بھی یہی فتویٰ درج ہے کہ وہ کسی اہل قبلہ کو کافر نہیں سمجھتے۔

اکابر اہلسنت کے فتاویٰ (۱) مولانا عبدالحی بحرالعلوم لکھنوی کے فتاویٰ ج ۲ ص ۹۱/۹۲ پر لکھا ہے تبرائی شیعہ کافر نہیں گو سب صحابہ کرتے ہوں وہ فاسق ہیں کافر نہیں ذبیحہ انکے ہاتھ کا حلال ہے حرام نہیں مناکحت بھی انکے ساتھ درست ہے۔

(۲) علامہ وحید الزمان سنن ابن ماجہ مترجم اردو ج ۱ ص ۲۱۸/۲۷ پر لکھتے ہیں "ایمان فقط اقرار کا نام ہے یعنی جس نے اقرار کیا اللہ کی توحید کا اور رسول صلعم کی رسالت کا پس اس پر احکام اسلام دنیا میں جاری کیے جائیں گے اور اس پر کفر کا حکم نہ لگایا جائیگا"

(۳) مولانا ثناء اللہ امرتسری اپنے اخبار اہلحدیث مجریہ ۲۲ جون ۱۹۲۳ء میں لکھتے ہیں "شیعہ اور سنی میں اختلاف شدید ہے لیکن اجمالی طور پر اصولی اتفاق بھی ہے مثلاً کلمہ اسلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تصدیق دونوں کرتے ہیں پس اس اصولی اتفاق کی وجہ سے میل ملاپ جائز ہے"

(۴) علامہ عبدالعلی حنفی شرح مسلم الثبوت میں لکھتے ہیں "الصحیح عند الحنفیۃ ان الرافضی لیسوا بکفار" یعنی حنفیہ کے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ رافضی کافر نہیں ہیں (از فتاویٰ عبدالحی ج ۲ ص۲۴) انہی چار عدد شہادتوں پر اکتفا کی جاتی ہے۔

سب شیخین موجب کفر نہیں ہے مؤلف نے اس فتویٰ میں جو چند بے بنیاد الزامات شیعوں پر عائد

سکے ہیں۔ لکل میں سے ایک قذف عائشہؓ ہے حالانکہ شیعیان علیؑ ہرگز اس صاحبہ پر یہ الزام نہیں لگاتے اس الزام تراشی کا سہرا مؤلف کے پیارے بعض صحابہ رسولؐ کے سر ہے۔ دوسرا الزام سب صحابہ ہے ہم کئی مرتبہ واضح کر چکے ہیں کہ ہم کفار و مشرکین کو بھی سب کرنا روا نہیں سمجھتے اور اگر بالفرض کوئی شخص ایسے فعل کا ارتکاب کرے تو اہلسنت کے اصول مذہب کے مطابق یہ گناہ باعث کفر نہیں ہے چنانچہ شرح فقہ اکبر صفحہ ۸۶ پر ملا علی قاری لکھتے ہیں "ان سب الشیخین ... لیس بکفر" یعنی شیخین (ابوبکر و عمر) کو گالی دینا کفر نہیں ہے" اسطرح علامہ عبدالحی اپنے فتاویٰ ج ۱ صفحہ ۳ پر لکھتے ہیں "سب شیخین موجب کفر نمی شود و ہمیں مذہب موافق قول امام اعظم است" یعنی سب شیخین موجب کفر نہیں ہے اور یہی نظریہ امام اعظم کے قول کے موافق ہے" امام مذہب کے اس ناطق فتویٰ و فیصلہ کے بالمقابل کسی متعصب کے فتویٰ کی کیا وقعت ہے خواہ وہ مولوی ہو یا مولانا اور خواہ مفتی ہو یا علامہ۔ ع

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے

اگر عبدالقادر جیلانی (جو کہ حنبلی المذہب ہیں) نے شیعیان علی پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے تو اس سے ہمارے مؤلف کو خوش نہیں ہونا چاہئے کیونکہ انکے سنان قلم کی زد سے حنفی سنی حضرات بھی محفوظ نہیں ہے بلکہ انہوں نے جہنمی فرقوں کی فہرست میں نعمان بن ثابت کوفی (امام اعظم) کے نام لیواؤں کو بھی شمار کیا ہے (ملاحظہ ہو غنیۃ الطالبین صفحہ ۲۰۸ کذالک شرح فقہ اکبر ج ۱ صفحہ ۶۹ تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۳۷۳ میں لکھا ہے "کان ابو حنیفۃ رأس المرجئۃ" کہ (ابوحنیفہ مرجئہ کا رئیس تھا") ۔ (جنہیں شیخ عبدالقادر نے جہنمی قرار دیا ہے

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

آخری عنوان "کوئی شیعہ حافظ قرآن نہیں ہو سکتا" کا جواب باصواب

جہاں تک شیعوں میں حافظ ہونے کے بے بنیاد الزام کا تعلق ہے ہم اس موضوع پر سابقہ کتاب میں تفصیل سے گفتگو کر کے اسکا بے اصل ہونا ثابت کر چکے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ قطع نظر دوسرے ممالک کے شیعہ حفاظ قرآن کے اور قطع نظر پاکستان کے دیگر صوبوں کے صرف اکیلے صوبۂ پنجاب میں اسوقت بیسیوں اجل حافظ شیعہ خیر البریہ موجود ہیں اور پرستان ثلاثہ جو یہ راگ الاپا کرتے ہیں کہ ثلاثہ شیعہ [illegible] حافظ [illegible] قرآن بھلا دیتے ہیں وہ یہ کہہ کر ثلاثہ کی مدح نہیں بلکہ اپنی نادانی سے انکی قدح کرتے ہیں کیونکہ خداوند عالم نے قرآن میں شیطان کی یہ صفت بیان کی ہے "انساھم ذکر اللہ" کہ وہ لوگوں کو ذکر خدا (قرآن) بھلا دیتا ہے جس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو قرآن بھلانا شیطان کا کام ہے نہ کہ عباد الرحمٰن کا فلا بفضل خداوند عالم ان لوگوں کو عقل و خرد اور رشد و ہدایت کی دولت سے نوازے اور اہلبیتؑ کی کشتی پر سوار ہو کر بحر حیات میں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور شیعیان حیدر کرار کو جادۂ حق پر ثابت قدم

؎ جنکی ایک اجمالی فہرست اوائل کتاب میں درج کی جا چکی ہے ؎ حاشیہ صفحہ ۲۶ پر ملاحظہ فرمائیں۔

رکھے اور انکو ہر قسم کے شیاطین انسی و جنی سے کے شرور و وساوس سے اپنی حفظ و امان میں رکھے اور ہماری اس ناچیز سعی و کوشش کو شرف قبولیت سے نوازے اور اس کتاب کو اسکے نام کیطرح قیام قیامت تک گم گشتگان وادی ضلالت کیلئے تجلی طور اور ہمارے لئے مرنے کے بعد قبر و حشر میں شمع نور قرار دے۔ انہ قریب مجیب

آمین یا رب العالمین بجاہ النبی و آلہ الطاہرین و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

وانا المتمسک بالثقلین ۶ دسمبر ۱۹۷۳ء

الاحقر محمد حسین عفا عنہ رب المشرقین متمقام سرگودہا

تاریخ نظرثانی ۱۸ ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ

بمطابق ۱۳ فروری ۱۹۸۲ء

بروز ہفتہ بوقت ساڑھے نو بجے شب

تاریخ طباعت ثانیہ ۱۵ مئی ۱۹۸۶ء

---

[1] حاشیہ ص۲۵۔ شیعیان علی کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ ان کے فقط مرد ہی حافظ و قاری قرآن نہیں بلکہ ان کی عورتیں بلکہ ان کی بچیاں بھی حافظہ قرآن ہیں اور وہ بھی صرف اصلاح معاد کی خاطر نہ کہ طلب معاش کی خاطر۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء چنانچہ اس وقت صرف چک ۱۱ جنوبی ضلع سرگودہا جسے قدوۃ السالکین سرکار پیر سید فضل شاہ صاحب اعلی اللہ مقامہ کا مسکن و مدفن ہونے کی سعادت حاصل ہے چار عزیزیاں مکمل طور پر قرآن مجید حفظ کر چکی ہیں (۱) عزیزہ سیدہ عظمت زہرا (۲) عزیزہ سیدہ عترت زہرا ہر دو دختران کو کب فلک سیادت جناب الحاج سید محمد علی شاہ صاحب شیرازی (۳) تسلیم فاطمہ۔ دختر چوہدری خدا بخش پسر جناب الحاج چودھری بھائی خان صاحب مرحوم (۴) عزیزہ عذرا بتول دختر شرافت مآب مولوی غلام حسین صاحب زید مجدہ خداوند ان کے مساعی جمیلہ کو شرف قبول سے نوازے۔ اور ان کے توفیقات خیر میں اضافہ و ازدیاد فرمائے

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

(منہ عفی عنہ)